وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا
رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ
فضل المعبود
فی شرحِ
سُنَن اَبی دَاوٗد شریف
جلد سوم
درست متن مع اُردو ترجمہ و شرح
شیخ الحدیث مولانا منظور احمد دامت فیوضہم
فاضل دارالعلوم دیوبند، استاد دارالعلوم الشہابیہ سیالکوٹ، سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
المصباح

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا

رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ

فضل المعبود

فی شرحہ

سنن ابی داؤد شریف

جلد سوم

درست متن مع اردو ترجمہ و شرح

شیخ الحدیث مولانا منظور احمد دامت فیوضہم

فاضل دار العلوم دیوبند، استاد دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ، سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

تقسیم کنندہ

بک لینڈ

۱۶- اردو بازار، لاہور

سٹی پلازا، کالج روڈ، راولپنڈی

نام کتاب ________ (الموضوع عنوان) سُنن ابی داؤد شریف

مصنف ________ ابوداود سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ

شرح ________ مبنی بر بذل المجہود از علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ

مترجم و شارح ________ شیخ الحدیث مولانا منظور احمد دامت فیوضہم فاضل دارالعلوم دیوبند
اُستاد دارالعلوم الشہابیہ سیالکوٹ، سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

ناشر ________ المصباح ۱۶- اُردو بازار، لاہور

فضل المعبود

یعنے

شرحِ اُردو سُننِ ابی داؤد شریف

مجلدِ ثالث

فہرست مندرجات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اول کتاب المناسک

باب ۱ فرض الحج

فرضیت حج کا باب

مناسک مَنسَک یا مَنسِک کی جمع ہے، قراء سبعہ نے اس لفظ کو دونوں طرح پڑھا ہے (سورۂ حج) یہ دراصل مصدر میمی ہے بمعنیٰ عبادت، ناسک کا معنیٰ ہے عابد، نسکیہ قربانی کو کہا جاتا ہے۔ افعال حج کو مناسک کا خصوصی نام دیا گیا ہے۔ فرضیت حج میں گیارہ کے قریب اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک حج ہجرت سے پہلے فرض تھا۔ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از ہجرت ہر سال حج کرتے تھے۔ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ آپ کے حج کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ حاکم نے صحیح سند سے ثوری سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از ہجرت کئی حج کئے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں ان کی تعداد دو اور حاکم اور ابن ماجہ کے ہاں تین آئی ہے، یہ تعداد جابر رضی اللہ عنہ کے اپنے علم پر مبنی ہے اور زیادہ تعداد کے خلاف نہیں ہے۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہجری میں ایک ہی حج کیا تھا اور وہ حجۃ الوداع تھا۔ فتح مکہ کے سال ۸ھ میں عتاب رضی اللہ عنہ ابن اسید نے لوگوں کو حج کرایا تھا (عتاب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ کے حاکم تھے) اور ۹ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت میں حج ہوا تھا۔ محقق ابن الہمام نے کہا ہے کہ حج کی فرضیت ہجرت کے نویں یا پانچویں یا چھٹے سال ہوئی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحیٔ الٰہی سے معلوم تھا کہ آپ لوگوں کو حج کرانے اور انہیں مناسک حج کی تعلیم دے کر تبلیغ رسالت کی تکمیل کرنے تک زندہ رہیں گے۔ اور زیادہ واضح بات یہ ہے کہ پانچ یا چھ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اس لیے نہ کیا کہ ابھی مکہ فتح نہ ہوا تھا اور آٹھویں سال اسے آپ نے اس کو نسیئ (مہینوں کے اول بدل اور ہیر پھیر) کے باعث ملتوی کر دیا تھا۔ اور نویں سال اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ کے اظہار و اعلان کی خاطر ملتوی فرمایا تھا تاکہ سب کو پتہ چل جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور قائم مقام کون ہے۔

حج کا لغوی معنیٰ قصد ہے اور یہ معنیٰ عربی کے شائع و ذائع تھا۔ شاعروں نے اپنے اشعار میں رؤساء اور اکرام کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ لوگ فلاں کے گھر کا حج کرتے ہیں، یعنی وہاں بکثرت آمد و رفت رکھتے ہیں۔ پھر اس لفظ کا استعمال خاص طور پر مکہ کا قصد کرنے اور بیت اللہ میں جا کر چند خاص قسم کی عبادات ادا کرنے کے لیے بطور اصطلاح ہو گیا۔ حَج اور حِج دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ حج کی فرضیت دین کے ضروری بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور حج عمر بھر میں بشرط استطاعت ایک بار فرض

ہے اور کسی عارضی مصلحت مثلاً نذر کے بغیر حج کی فرضیت (وجوب) مکرر نہیں ہوتی۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ فوری طور پر فرض ہے یا تراخی (ڈھیل) کے ساتھ، اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا حج بیت اللہ صرف اسی امت پر فرض ہے یا پہلی امتوں پر بھی فرض تھا۔ پہلی بات زیادہ واضح ہے مگر ابن حجر نے دوسری کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ قدیم شرائع میں سے ہے۔ آدم علیہ السلام نے چالیس سال تک ہندسے پیدل حج کئے اور جبرئیلؑ نے آدمؑ سے کہا تھا کہ تجھ سے سات ہزار سال قبل فرشتے بیت اللہ کا طواف کرتے رہے ہیں۔ لیکن اس میں پہلی امتوں پر حج فرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں نکلتی۔ اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام حج کیا کرتے تھے اور ممکن ہے ان پر فرض ہو مگر ان کی امتوں پر فرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کتاب المناسک میں ایک سو باب اور تین سو پچیس حدیثیں ہیں۔

۱۷۲۱۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعُثْمٰنُ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ الْمَعْنٰى قَالَا نَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَبِیْ سِنَانٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الْاَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْحَجُّ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ اَوْ مَرَّةً وَّاحِدَةً قَالَ بَلْ مَرَّةً وَّاحِدَةً فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَهُوَ اَبُوْ سِنَانٍ الدُّؤَلِیُّ كَذَا قَالَ عَبْدُ الْجَلِيْلِ بْنُ حُمَيْدٍ وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيْرٍ جَمِيْعًا عَنِ الزُّهْرِیِّ وَقَالَ عُقَيْلٌ عَنْ سِنَانٍ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ اقرع رضؓ بن حابس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے کہا: یارسول اللہ حج ہر سال میں ہے یا ایک ہی بار (عمر بھر میں) آپؐ نے فرمایا: بلکہ ایک ہی مرتبہ، اور جو زیادہ بار کرے وہ نفل ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن عباس رضؓ سے روایت کرنے والا ابوسنان دؤلی ہے۔ عبدالجلیل بن حمید اور سلیمان بن کثیر دونوں نے ابوسنان کہا اور عقیل نے سنان کا لفظ بولا (اس حدیث کو نسائیؒ اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔ اور اس کی سند میں زہری کا شاگرد سفیان بن حسین ہے جس پر یحیی بن معین وغیرہ نے تنقید کی ہے لیکن جیسا کہ ابوداؤد نے کہا ہے دوسرے ثقہ راوی اس کی متابعت کرتے ہیں۔ نسائیؒ نے ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی ہے۔ (اور مسلم نے) جس میں حضورؐ کے خطبے کا ذکر ہے اور ایک شخص کے تین بار سوال کا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اسے ادا نہ کر سکتے۔)

۱۷۲۲۔ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِیُّ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنِ ابْنٍ لِاَبِیْ وَاقِدٍ اللَّيْثِیِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِاَزْوَاجِهٖ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ هٰذِهٖ ثُمَّ ظُهُوْرَ الْحُصُرِ۔

ابو واقد رضؓ لیثی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری حج میں اپنی ازواج رضؓ سے یہ فرماتے سُنا کہ بس یہی حج ہے اس کے بعد (تمہارے لیے) چٹائیوں کی پشتیں ہیں۔

شرح: مسند احمد میں ابو واقد رضؓ سے روایت کرنے والا واقد ہے جس کے نام پر ابو واقد کی کنیت تھی۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ سنن ابی داؤد کے تمام نسخوں میں ابن لابی واقد اللیثی عن ابیہ ہے مگر مجتبائی نسخے میں ابن ابی واقد اللیثی عن ابیہ ہے جس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ راوی واقد ہے۔ بخاری نے بھی تاریخ میں یہی کہا ہے۔ ابو واقد کے بیٹے واقد کو ابن مندہ نے صحابہ میں شمار کیا ہے اور ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ وہ صحابی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے دو معنے ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ تم پر اس کے بعد حج فرض نہیں رہا کیونکہ فریضہ ادا ہو چکا دوسرا یہ کہ اب تم پر گھروں میں جمے رہنا فرض ہے اور حج کے لیے گھروں سے مت نکلنا۔ ازواج مطہرات رضؓ میں بھی اس ارشاد کے معنی میں اختلاف رہا ہے۔ سودہ رضؓ اور زینب رضؓ نے اس کے بعد حج نہیں کیا اور اسی ارشاد کو دلیل بنایا مگر دیگر ازواج حج کیا کرتی تھیں (گویا وہ پہلے معنی کی قائل تھیں) عائشہ رضؓ نے اور دوسری ازواج نے پہلا معنی مراد لیا کہ اب حج ہم پر فرض نہیں مگر نفل سے ممانعت بھی نہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک اور حدیث سے استدلال کیا تھا کہ: افضل الجہاد الحج والعمرۃ۔ بخاری نے حضرت عائشہ رضؓ کی روایت سے حضور کا قول بیان کیا ہے کہ: احسن الجہاد وا جملہ الحج حج مبرور۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور ؐ سے یہ حدیث سننے کے بعد میں حج ترک نہیں کر سکتی مطلب یہ کہ جس طرح مردوں پر جہاد کا تکرار مشروع ہے اس طرح عورتوں کے لیے حج کا تکرار مشروع ہے۔

ابن بطال نے کہا کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر جنگِ جمل کے سلسلے میں بعض اعتراض کرنے والوں نے کہا ہے کہ آیت قرآنی "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" ان پر سفر کو حرام ٹھہراتی ہے (حالانکہ آیت کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ ازواج رضؓ مطہرات پر کسی وقت کسی حال میں اپنے گھروں سے نکلنا جائز نہ تھا۔ یہ مطلب نکالنے والا کوئی جاہل مرکب ہی ہو سکتا ہے) ابن بطال کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول: لٰکِنْ اَفْضَلُ الْجِهَادِ الْحَجُّ ان لوگوں کا رد کرتا ہے کیونکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے لیے افضل الجہاد حج ہے اور حج کے علاوہ بھی ان پر جہاد آتا ہے جس سے کہ حج افضل ہے۔ حضرت عمر رضؓ اس بارے میں توقف کرتے رہے پھر حضرت عائشہ رضؓ کی دلیل کی قوت ان پر ظاہر ہو گئی تو اپنی خلافت کے آخر میں ازواج مطہرات کو حج کی اجازت دی اور اس وقت جتنے بھی صحابہ موجود تھے یا تابعین، سب نے انکی موافقت کی اور کسی نے نکیر نہ کی۔ پھر حضرت عثمان رضؓ اپنی خلافت میں انہیں حج کرواتے رہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے اپنی خلافت کے آخر میں ازواج رضؓ مطہرات کے ساتھ عثمان رضؓ بن عفان کو حج کرانے بھیجا۔ وہ خواتین مکرمات ہودجوں میں سوار تھیں اور عثمان رضؓ پکارتے جاتے تھے: لوگو! کوئی ادہر نہ آئے نہ اس طرف نظر اٹھائے۔ جب منزل ہوتی تو انہیں وادی کے درمیان میں اتارتے اور کوئی اُدھر نہ جاتا اور عبدالرحمن رضؓ بن عوف (ام المومنین عائشہ رضؓ کے ایک دُور کے رشتہ دار) اور عثمان رضؓ (داماد نبی) وادی کے کنارے پر اُترتے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضؓ اور دیگر امہات المؤمنین رضؓ کا حج کرنا ثابت کرتا ہے کہ ابو واقد رضؓ لیثی کی حدیث سے مراد یہ ہے کہ اُن پر حج ایک ہی بار فرض تھا جیساکہ سب کا یہی حکم ہے، مگر اس سے مراد آئندہ کسی حج سے روکنا نہیں تھا۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ گھروں کو قرار پکڑنے کا حکم وجوبی نہ تھا (یعنی اس معنی میں نہ تھا کہ وہ کسی شرعی ضرورت سے بھی گھروں سے باہر نہ آسکیں گی)

بَابُ فِی الْمَرْأَةِ تَحُجُّ بِغَیْرِ مَحْرَمٍ

عورت کے غیر محرم کے ساتھ حج کرنے کا باب

۱۷۲۳ - حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ الثَّقَفِیُّ نَا اللَّیْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ أَبِی سَعِیْدٍ عَنْ أَبِیْهِ أَنَّ أَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُسَافِرُ مَسِیْرَةَ لَیْلَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا رَجُلٌ ذُوْ حُرْمَةٍ مِّنْهَا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلم عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ ایک دن رات کا سفر کرے در آنحالیکہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو (بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا اور بخاری اور ترمذی میں: یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ کا لفظ ہے)

شرح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب عورت کو ساتھ لے جانے والا کوئی محرم نہ ملے تو اس پر حج فرض نہیں رہتا، یعنی نخعی اور حسن بصری کا قول ہے۔ حنفیہ اور احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ مالک نے کہا کہ وہ دوسری عورتوں کی جماعت کے ساتھ جا سکتی ہے اور شافعی نے کہا کہ ایک آزاد لائق اعتماد مسلم عورت کے ساتھ جا سکتی ہے مگر ظاہر ہے کہ وہ "ایک آزاد نیک عورت" اُس حج کرنے والی کا ذی محرم مرد نہیں ہوتا اور حضورؐ نے اسی کا ذکر فرمایا ہے نہ کہ کسی لائق اعتماد مسلم آزاد عورت کا۔ اصحاب شافعی اس مسلک کی دلیل میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور نے حج کے لیے استطاعت کی تعریف فرمائی ہے: الزاد والراحلہ۔ "سفر خرچ اور سواری"۔ اور اوپر کی حدیث کی تاویل انہوں نے عام اسفار سے کی ہے۔ لیکن ان کی پیش کردہ حدیث میں ابراہیم بن یزید الخوزی متروک الحدیث راوی ہے۔ پھر یہ حدیث مرسل بھی ہے اور مرسل شافعیؒ کے نزدیک حجت نہیں ہوتی۔ اصحاب شافعی نے اس عورت کی مثال اس کا فرعورت سے دی ہے جو دارالحرب میں اسلام لے آئے اور اسی طرح وہ جو کفار کے ہاتھ میں قید ہو ان کے لیے تن تنہا دارالحرب سے نکل کر چلے آنا جائز ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو حالت اضطرار ہے اور سفر حج حالت اضطرار نہیں ورنہ کہنا پڑے گا کہ وہ اکیلی ہی حج کر آئے تو تمہارے اس اصول پہ جائز ہونا چاہیئے۔

اس حدیث کے لفظ ذی حرمت سے مراد اس کا محرم ہے یعنی جس کے ساتھ اس کا نکاح حرام ہے ہمیشہ کے لیے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ علماء کے نزدیک محرم کا ضابطہ یہ ہے کہ جس کے ساتھ اس کا نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو لیکن حرمت کا باعث کوئی سبب مباح ہو۔ پس پہلی قید سے سالی اور دوسری اُس عورت کی ماں خارج ہوگئی جس کے ساتھ شبہ سے وطی کی گئی ہو۔ اسی طرح اس کی بیٹی بھی اور اسی طرح سالی کی پھوپھی بھی۔ امام احمدؒ نے مسلم عورت کے غیر مسلم باپ کو بھی اس سے خارج کیا ہے مبادا وہ کفر کے باعث اسے کسی فتنے میں مبتلا کر دے۔ اس مضمون کی احادیث میں اختلاف ہے بعض میں: "ایک رات کی مسافت" کا ذکر ہے (جیسے کہ حدیث (زیر بحث میں ہے) بعض میں: "ایک دن رات کی مسافت" کا ذکر ہے جیسے کہ ترمذی، اور بخاری کی یہی حدیث۔ ایک روایت میں ہے: "دو دن یا دو رات کی مسافت"، اور ایک روایت میں ہے: "تین دن کی مسافت"۔ ابو داؤد کی ایک روایت میں "بریداً" کا لفظ ہے شوکانی

نے کہا ہے کہ طبرانی کی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں برید سے کم میں محرم کے اعتبار کا ذکر آیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: عورت تین میل کا سفر خاوند یا محرم کے بغیر نہ کرے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ حج وغیرہ کے سفر میں کیا کوئی غیر محرم بھی محرم کا قائم مقام ہو سکتا ہے؟ یا نہیں۔ مثلاً لائق اعتماد عورتوں کی جماعت۔ بعض نے کہا کہ یہ جائز ہے کیونکہ اس صورت میں تہمت ضعیف ہوتی ہے۔ اور ایک قول ہے کہ جائز نہیں کیونکہ حدیث کا لفظ اس کی اجازت نہیں دیتا۔

البدائع میں فرضیت حج کی شرائط کے سلسلے میں لکھا ہے کہ عورتوں کے ساتھ دو شرطیں مخصوص ہیں، ایک یہ کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند یا محرم ہو، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو (یا بوجوہ نہ جا سکے مثلاً معذور ہے دائم المرض ہے۔ یا قید ہے، وغیرہ وغیرہ) تو عورت پر حج فرض نہیں۔ شافعیؒ کے نزدیک اس پر حج اس کے باوجود واجب ہے جبکہ اس کے ساتھ سفر میں لائق اعتماد ساتھی عورتیں ہوں امام شافعی کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا اور الناس کا لفظ مذکر و مؤنث سب پر مشتمل ہے۔ پس جب آمد و رفت کا خرچ اور سواری موجود ہے اور اس عورت کو سفر کی طاقت بھی ہو اور اسکے ساتھ قابل اعتماد عورتیں ہوں تو چونکہ فتنے کا خوف نہیں لہٰذا اس پر حج فرض ہے۔ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے اور اس کے علاوہ کئی احادیث ہیں جن میں محرم کے بغیر عورت کے سفر پر پابندی لگائی گئی ہے۔ کئی میں ایک دن رات کے سفر پر اور کئی میں تین دن رات پر۔ اور سفر کے لفظ میں سفر حج بھی شامل ہے۔ عورتوں کی موجودگی میں فتنے کا احتمال موجود ہے کیونکہ عورتیں جاہے جماعت کی شکل میں ہوں بہرحال فتنہ و فساد کی آماجگاہ ہیں جیسے کہ قصاب کے تختے پر پڑا ہوا گوشت ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ صرف عورتوں کے مجمع میں خوف فتنہ کے وقت جانا عورت کے لیے جائز نہیں ہوتا۔ اور یہی سبب ہے کہ اجنبی عورت کو تنہائی میں بٹھانا یا بات چیت کرنا حرام ہے گو اس کے ساتھ کوئی اور عورت بھی کیوں نہ ہو۔ اور آیت کا حکم عورتوں کو محیط نہیں ہے جبتک ان کے ساتھ خاوند یا محرم نہ ہوں۔ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ عورت خود بخود سواری، نزول اور دیگر انسانی ضروریات کے پورا کرنے پر قادر نہیں ہے لہٰذا وہ استطاعت ہی نہیں رکھتی تو نص اسے شامل نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ مَنِ اسْتَطَاعَ کے لفظ میں عورت کے لیے خاوند یا محرم کی موجودگی داخل ہے۔ عورت اس کے بغیر مستطیع نہیں ہے۔

شوکانی نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے (فتح الباری میں) کہا ہے کہ اکثر علماء نے اس باب میں مطلق پر عمل کیا ہے کیونکہ تقدیرات مختلف ہوتی ہیں۔ یعنی ہر سفر میں عورت کے لیے محرم کی شرط ہے گو حدیث کی نص مطلق ہے۔ نوویؒ نے کہا ہے کہ احادیث میں جو حد بندی ہے، اس سے ظاہر مراد نہیں بلکہ ہر سفر مراد ہے جسے سفر کہا جا سکے۔ پس عورت کو محرم کے بغیر سفر کی ممانعت ہے تحدید کسی امر واقع کے باعث ہوئی تھی لہٰذا اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہو سکتا، ابن العتیق نے کہا ہے کہ سوال کرنے والوں کے مختلف ہونے کے باعث حدیث میں تحدید مسافت کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ الیوم یا اللیلۃ کے لفظ سے دن رات مراد ہو سکتا ہے (محاورات میں ایسا موجود ہے) جس نے الیوم کا لفظ بولا اس میں رات شامل تھی اور جس نے اللیلۃ کہا تو دن اس میں شامل رہا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ سب کچھ بطور تمثیل ہو جو اعداد کی ابتداء کے لیے ہو مثلاً الیوم پہلا عدد ہے الاثنان کثرت کا پہلا لفظ ہے اور الثلاث جمع کا پہلا لفظ ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ثلاث کا ذکر کم اعداد سے پہلے رہا ہو اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ کم از کم تعداد لی جائے۔ اور وہ برید کی روایت ہے۔ اور طبرانی کی حدیث میں تو ایسا لفظ آیا ہے جو برید سے کم مسافت میں بھی محرم کے اعتبار پر دلالت کرتا ہے، یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آئی ہے اور اس کے الفاظ ہیں: عورت خاوند یا محرم کے بغیر تین میل کا سفر نہ کرے۔ پس کم از کم کی روایت کو لیا جائے تو یہی کم سے کم مقدار ہے کیونکہ اس سے اوپر کی مسافتیں

تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع ثابت ہوں گی۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ممانعت تین کے ساتھ مقید ہے کیونکہ یہ تو متحقق ہے اور اس سے کم مشکوک، پس متیقن کو لیا جائیگا۔ سفیان ثوری نے کہا ہے کہ محرم کا اعتبار مسافت بعیدہ میں ہے، قریبہ میں نہیں۔ امام احمد نے کہا ہے کہ جب عورت کو محرم نہ ملے تو اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔ شوکانی نے کہا ہے کہ عورت کے لیے حج میں محرم کی شرط عترت ہے اور ابو حنیفہ، نخعی، اسحاق، شافعی کا (ایک قول میں) مذہب ہے۔ مگر اس میں ان کا اختلاف ہے کہ آیا یہ وجوب کی شرط ہے یا ادا کی۔ مالک نے کہا، اور ایک روایت میں احمد نے بھی کہ فرض حج کے سفر میں محرم کا کوئی اعتبار مشروع نہیں ہے۔

امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں کہا ہے کہ یہ تمام احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ عورت پر تین دن کا سفر بلا محرم حرام ہے اور تین سے کم میں آثار مختلف ہیں۔ پس ہم نے غور کیا تو پتہ چلا کہ تین دن کے سفر پر تو تمام احادیث و آثار متفق ہیں اور جب تین کی مسافت کو مقرر کیا جائے تو اس سے کم کا سفر بلا محرم مباح رہے گا اگر یہ مطلب نہ لیا جائے تو تین کے ذکر کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ پھر جب تین اور ایک کا تناقض دیکھیں تو ایک عدد کو دوسرے کا ناسخ ماننا پڑے گا، اور دلائل عقل سے یہی اولیٰ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تین کا عدد ناسخ مانا جائے کیوں کہ وہ زیادہ ہے۔ اور مسافت قصر صلوٰۃ اور مدت مسح در سفر بھی تین دن کی ہے۔

۱۷۲۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ وَالنُّفَيْلِيُّ عَنْ مَّالِكٍ ح وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ الْحَسَنُ فِيْ حَدِيْثِهٖ عَنْ اَبِيْهِ ثُمَّ اتَّفَقُوْا عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ يَوْمًا وَلَيْلَةً فَذَكَرَ مَعْنَاهُ۔

۱۷۲۴۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ ایک دن رات کا سفر کرے الخ پچھلی حدیث کے معنی کی مانند (مسلم اور ابن ماجہ نے بھی اسے بیان کیا اور بخاری نے بطور متابعت اس کا ذکر کیا ہے) ابو داؤد کا قول ہے کہ اس حدیث میں نفیلی نے مالک سے حدثنا کے لفظ سے روایت کی ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ نفیلی اور قعنبی نے: عن ابیہ کا لفظ نہیں بولا۔ اور محمد نے عن ابیہ کے لفظ کے بغیر ابن وہب اور عثمان بن عمر نے بھی مالک سے روایت کی ہے۔ (حدیث کے مضمون پر کلام گزر چکا ہے۔ تین کے عدد میں تو ایک اور دو شامل ہیں مگر ان سے کسی میں تین کا عدد شامل نہیں لہذا تین کی روایت کو لینا ہی انسب ہے)

۱۷۲۵۔ حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ مُوْسٰى عَنْ جَرِيْرٍ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ نَحْوَهُ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ بَرِيْدًا۔

۱۷۲۵: ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور سہیل راوی نے اوپر کی حدیث کی طرح بیان کیا مگر بریدًا کا لفظ بولا (برید میں چار فرسنگ ہوتے ہیں اور ہر فرسنگ میں تین میل، پس برید بارہ میل کا ہوا۔ یہ مقدار ایک مرحلے کے برابر بلکہ اس سے بھی کم ہے کیونکہ مرحلہ سولہ میل کا ہوتا ہے۔ لہذا یہ ایک دن رات کے سفر سے بھی کم ہوا)

۱۷۲۶- حَدَّثَنَا عُثْمٰنُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَهَنَّادٌ اَنَّ اَبَا مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعًا حَدَّثَاهُمْ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا اِلَّا وَمَعَهَا اَبُوْهَا اَوْ اَخُوْهَا اَوْ زَوْجُهَا اَوِ ابْنُهَا اَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِّنْهَا۔

ابو سعید رضہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والی عورت کیلیے حلال نہیں کہ وہ ایسا سفر جو تین دن سے اوپر یا اس سے بھی زیادہ ہو، اپنے باپ یا بھائی یا خاوند یا بیٹے یا کسی محرم کے بغیر کرے (اس حدیث کو مسلم نے اور ترمذی و ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور بخاری نے اسے قزعہ بن یحیٰی عن ابی سعید رضہ کی سند سے اس کی مانند روایت کیا ہے)

۱۷۲۷- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنِیْ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَافِرُ الْمَرْاَةُ ثَلَاثًا اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ۔

ابن عمر رضہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور رضہ نے فرمایا: عورت تین دن کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے (بخاری اور مسلم نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: حضرت احمد الاستاذ شیخ الاسلام نے فرمایا (فتح الملہم ۳/۵۰) حنفیہ نے تین دن سے کم کے سفر میں فرصت کے وقت عورت کو بلا محرم جانا مباح قرار دیا ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ لیکن شیخ ابن الہمام نے کہا کہ اس صورت میں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ صحیحین میں عن قزعہ عن ابی سعید رضہ مرفوع حدیث آئی ہے جس میں دو دن کا ذکر ہے۔ اور پھر صحیحین میں ابوہریرہ کی مرفوع حدیث میں ایک دن رات بھی موجود ہے۔ مسلم کے ایک لفظ میں صرف یوم کا لفظ ہے اور ایک لفظ میں لیلہ کا لفظ ہے اور ابو داؤد کے ایک لفظ میں برید کا لفظ ہے اور اسے ابن حبان نے بھی صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم نے روایت کرکے صحیح علی شرط مسلم کہا ہے اور معجم طبرانی میں تین میل کا ذکر ہے اور تین یوم کو وہم قرار دیا ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ یہ جوابات سائلوں کے احوال کے لحاظ سے تھے ان میں تنافی نہیں ہے۔ حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے ہاں بھی عورت کے بلا محرم ایک دن کے سفر کی کراہت آئی ہے اور حسب بیان شافعی رحمہ آج کل کے دور کے فساد کے باعث فتویٰ اسی پر ہونا مناسب ہے اور صحیحین کی ایک دن یا ایک رات یا ایک دن رات کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے طحاوی کی بحث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان احادیث میں تعارض ہے اور تقدیم و تاخیر کا علم نہیں ہے لہذا ہم دونوں قسم کی احادیث کو اختیار کرتے ہیں، واجب سفر میں تین دن کو اور غیر واجب سفر میں ایک دن کو۔ اور سفر حج میں محرم کا ہونا امن کے زمانے میں تو شرط ادا ہے اور فساد کے زمانے میں شرط وجوب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۷۲۸۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ نَا أَبُو أَحْمَدَ نَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُرْدِفُ مَوْلَاةً لَهُ يُقَالُ لَهَا صَفِيَّةُ تُسَافِرُ مَعَهُ إِلَى مَكَّةَ۔

نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی ایک صفیہ نامی لونڈی کو اپنے پیچھے سوار کر کے مکہ کا سفر کیا کرتے تھے (ابن عمر رضی اللہ عنہ اس لونڈی کے مالک ہونے کے باعث محرم تھے ان کا سفر جائز تھا)

بَابُ ۳ لَا صَرُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ

(باب: اسلام میں بے نکاح رہنا یا بے حج رہنا جائز نہیں)

۱۷۲۹۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ ابْنَ حَيَّانَ الْأَحْمَرَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَرُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں صرورۃ کا وجود نہیں ہے (خطابی نے صرورہ کے دو معنی بیان کئے ہیں ایک تو نصاریٰ کی رہبانیت کی طرح بے نکاح رہنا (یعنی بلا عذر شرعی) اور دوسرا حج کو ادا نہ کرنا (یعنی استطاعت کے باوجود) اور اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جو خود فریضۂ حج نہ ادا کر چکا ہو وہ اگر کسی کی طرف سے حج بدل کرے گا تو وہ خود حج کرنے والے کی طرف سے ہو جائے گا۔ اوزاعی، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ مالک، ثوری، حنفیہ، حسن بصری، عطاء اور نخعی نے کہا کہ حج کرنے والے کا حج اس کی نیت کے مطابق ہوگا اور اس حدیث کا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے)

بَابُ ۴ التِّجَارَةِ فِي الْحَجِّ

(حج میں تجارت کا باب)

۱۷۳۰- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْفُرَاتِ يَعْنِي اَبَا مَسْعُوْدٍ الرَّازِيَّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْمَخْرَمِيُّ وَهٰذَا لَفْظُهُ قَالَا نَا شَبَابَةُ عَنْ وَرْقَاءَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانُوْا يَحُجُّوْنَ وَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ كَانَ اَهْلُ الْيَمَنِ اَوْ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ الْيَمَنِ يَحُجُّوْنَ وَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ فَاَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ حج کو جاتے تھے مگر سفر خرچ نہ لیتے تھے، ابو مسعود راوی نے کہا کہ اہل یمن یا یمن والوں میں سے کچھ لوگ حج کرتے مگر سفر خرچ نہ لیتے تھے اور کہتے ہیں کہ ہم متوکل ہیں پس اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری: وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ ۱۹۷) اور سفر خرچ لے لیا کرو کیونکہ بہترین سفر خرچ (سوال سے یا نافرمانی سے) بچنا ہے (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔

شرح: سفر حج میں تجارت کی اجازت سورۃ البقرہ کی ایک اور آیت سے صراحۃً ثابت ہوتی ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ "تم پر کوئی گناہ نہیں کہ (سفر حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرو" امام ابوداؤد نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زادِ راہ لینے کا حکم دیا تو آمد و رفت میں اور زمانۂ قیام مکہ میں تجارت بھی جائز ہے کیونکہ اس سے زادِ سفر مہیا ہوتا ہے۔ ابوداؤد کے نسخے میں اس باب کا عنوان: باب التجارۃ اور اس کے حاشیے میں باب التزود و التجارۃ ہے۔ ایک نسخے میں باب التزود فی الحج ہے اور اگلی حدیث پر باب کا عنوان: باب التجارۃ فی الحج ہے۔

۱۷۳۱- حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ مُوْسٰى نَا جَرِيْرٌ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ زِيَادٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَرَاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ قَالَ كَانُوْا لَا يَتَّجِرُوْنَ بِمِنًى فَاُمِرُوْا بِالتِّجَارَةِ اِذَا اَفَاضُوْا مِنْ عَرَفَاتٍ۔

مجاہد نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ ۱۹۸) اور کہا کہ لوگ منیٰ میں تجارت نہ کرتے تھے پس انہیں حکم ملا کہ جب عرفات سے واپس آئیں تو تجارت کریں (اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے جس پر آئمہ حدیث کی ایک جماعت نے کلام کیا ہے اور مسلم نے متابعت ثابت کرنے کے لیے اس کی حدیث روایت کی ہے۔ منذری)

باب ٦

۱۷۳۲ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ مِهْرَانَ اَبِيْ صَفْوَانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ ـ

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو حج کا ارادہ کرے اسے جلدی کرنی چاہیے۔

(اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں، حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے سُنن کبریٰ میں بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی مہران ابو صفوان کو ابو زرعہ نے مجہول کہا ہے۔ میزان میں ہے کہ معلوم نہیں یہ کون شخص ہے)

شرح: جلدی کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ مبادا کوئی رکاوٹ اسے روک دے اور حج فوت ہو جائے۔ یہ حدیث حج کو فوراً ادا کرنے کی دلیل ہے۔ امام احمد نے ابن عباس رضؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: حج کی طرف جلدی کرو، یعنی فریضہ کی طرف، کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اسے کیا پیش آئے گا۔ ایک اور حدیث جو: عن ابن عباس رضؓ عن الفضل رضؓ اور عن أحدہما عن الآخر روایت ہوئی ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو حج کا ارادہ کرے وہ جلدی کرے کیونکہ وہ بیمار بھی ہو سکتا ہے، سواری ضائع بھی ہو سکتی ہے اور کوئی اور ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔ احمد کے علاوہ ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ یہ روایات دلالت کرتی ہیں کہ حج کا وجوب (استطاعت کے بعد) فی الفور ہے۔ شوکانی نے کہا کہ اس کے فوراً واجب ہونے کا قول مالک، ابو حنیفہ، احمد، بعض اصحاب شافعی، اہل بیت میں سے زید بن علی، الہادی مؤید باللہ اور ناصر کا ہے۔ اور شافعی، اوزاعی، ابو یوسف، محمد بن الحسن، اہل بیت میں سے قاسم بن ابراہیم اور ابو طالب کا قول یہ ہے کہ اس کا وجوب تراخی سے (ڈھیل سے، دیر سے) ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج دس ہجری میں کیا حالانکہ وہ چھ یا پانچ ہجری میں فرض ہو چکا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حج کی فرضیت کے وقت میں اختلاف ہے، حتیٰ کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ دس ہجری میں فرض ہوا تھا لہذا کوئی تاخیر واقع نہیں ہوئی۔ اور اس کی فرضیت دس ہجری سے پہلے بھی تسلیم کی جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں دیر اس وجہ سے ہوئی تھی کہ آپ نے اہل شرک سے اختلاط کو ناپسند فرمایا جو بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالےٰ نے اپنے باحرمت گھر کو ان کی نجاست سے پاک کر دیا تو آپ نے حج کیا۔ پس آپ کی تراخی عذر کی بناء پر تھی، عذر کی صورت میں تراخی سب کے نزدیک جائز ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ البدائع میں ہے کہ ابو سہل زجاجی نے اس مسئلے میں ابو یوسف اور محمد میں اختلاف نقل کیا ہے۔ ابو یوسف کے نزدیک حج فی الفور فرض ہے اور محمد کے نزدیک دیر کرنا جائز ہے اور یہی شافعی کا قول ہے۔ ابو حنیفہ کا قول ایک روایت میں ابو یوسف کے مطابق ہے اور دوسری روایت میں محمد کے قول جیسا ہے۔

بَابُ الْكَرِيِّ

(کرائے پر سواریاں چلانے والے کا باب)

۱۷۳۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ نَا الْعَلَاءُ بْنُ الْمُسَيَّبِ نَا أَبُو أُمَامَةَ التَّيْمِيُّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا أُكْرِي فِي هَذَا الْوَجْهِ وَكَانَ نَاسٌ يَقُولُونَ إِنَّهُ لَيْسَ لَكَ حَجٌّ فَلَقِيتُ ابْنَ عُمَرَ فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنِّي رَجُلٌ أُكْرِي فِي هَذَا الْوَجْهِ وَإِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ إِنَّهُ لَيْسَ لَكَ حَجٌّ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ أَلَيْسَ تُحْرِمُ وَتُلَبِّي وَتَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَتُفِيضُ مِنْ عَرَفَاتٍ وَتَرْمِي الْجِمَارَ قَالَ قُلْتُ بَلَى قَالَ فَإِنَّ لَكَ حَجًّا جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ مِثْلِ مَا سَأَلْتَنِي عَنْهُ فَسَكَتَ عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ حَتَّى نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَرَأَ عَلَيْهِ هَذِهِ الْآيَةَ قَالَ لَكَ حَجٌّ۔

ابوامامہ تیمی نے کہا کہ میں حج کے سفر میں کرائے پر سواری چلاتا تھا اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ تیرا کوئی حج نہیں ہے پس میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا: اے ابو عبدالرحمن میں ایک ایسا شخص ہوں کہ سفر حج میں کرائے کا کاروبار کرتا ہوں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تیرا کوئی حج نہیں ہے۔ پس ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تو احرام نہیں باندھتا، تلبیہ نہیں کہتا، بیت اللہ کا طواف نہیں کرتا عرفات سے واپسی نہیں کرتا اور جمروں پر کنکریاں نہیں مارتا؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تیرا حج ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا اور اسی طرح کا سوال کیا تھا جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ یہ آیت اتری: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلا بھیجا اور یہ آیت اس کے سامنے پڑھ کر فرمایا: تیرا حج ہو جاتا ہے (یعنی جب حج میں تجارت جائز ہے تو تیرا کاروبار بھی جائز ہے۔

۱۷۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ أَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّاسَ فِي أَوَّلِ الْحَجِّ كَانُوا يَتَبَايَعُونَ بِمِنًى وَعَرَفَةَ وَسُوقِ ذِي الْمَجَازِ وَمَوَاسِمِ الْحَجِّ فَخَافُوا الْبَيْعَ وَهُمْ حُرُمٌ فَأَنْزَلَ اللهُ سُبْحَانَهُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ قَالَ فَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُهَا فِي الْمُصْحَفِ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ منیٰ، عرفہ، ذوالمجاز کی منڈی اور حج کے زمانے میں خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ پس حالت احرام میں وہ تجارت سے ڈرے تو اللہ سبحانہ نے یہ آیت اتاری لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ۔

ابن ابی ذئب نے کہا کہ پھر عبید بن عمیر نے مجھے بتایا: ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کو مصحف میں یونہی پڑھتے تھے۔ (حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کر کے اس کی تصحیح علیٰ شرط الشیخین کی ہے) یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی شاذ قرأت ہے کیونکہ مشہور و متواتر قرأت میں یہ لفظ: فی مواسم الحج نہیں ہے۔ ابن جریر طبری نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے)

۱۷۳۵- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ كَلَامًا مَعْنَاهُ أَنَّهُ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّاسَ فِي أَوَّلِ مَا كَانَ الْحَجُّ كَانُوا يَبِيعُونَ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ إِلَى قَوْلِهِ مَوَاسِمِ الْحَجِّ۔

اسی حدیث کی دوسری روایت میں ابن ابی ذئب نے عبید بن عمیر سے (بلا واسطہ عطاء) روایت کرتے ہوئے بقول احمد بن صالح (شیخ ابی داؤد) ایسی بات کہی جس کا معنیٰ یہ تھا کہ عبید بن عمیر مولی ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے۔ اس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ لوگ زمانۂ جاہلیت جب حج کرتے تھے تو خرید و فروخت کرتے تھے الخ پھر راوی نے اسی حدیث کا معنیٰ ذکر کیا مواسم الحج کے لفظ تک۔

شرح: اس روایت سے حدیث سابق کا راوی عبید بن عمیر مولائے ابن عباس رضی اللہ عنہ معلوم ہوا۔ حافظ نے بھی تہذیب التہذیب یہی کہا ہے اور ابن ابی داؤد نے بھی۔ لیکن مولانا نے فرمایا کہ حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبید بن عمیر لیثی ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابٌ فِي الصَّبِيِّ يَحُجُّ

(بچے کو حج کرائے جانے کا باب)

۱۷۳۶- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّوْحَاءِ فَلَقِيَ رَكْبًا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ فَقَالُوا الْمُسْلِمُونَ فَقَالُوا فَمَنْ أَنْتُمْ قَالُوا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَزِعَتِ امْرَأَةٌ فَأَخَذَتْ بِعَضُدِ

الصَّبِيِّ فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ مِحَفَّتِهَا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لِهٰذَا حَجٌّ قَالَ نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحاء کے مقام پر تھے تو آپ کچھ شتر سواروں سے ملے اور انہیں سلام کیا اور فرمایا: تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم (مع اپنے اصحاب کے) پس ایک عورت نے جلدی کی اور ایک بچے کا بازو پکڑا اور اس بچے کو اپنے ہودج میں سے نکالا اور کہنے لگی: یا رسول اللہ کیا اس کا حج ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اور تجھے بھی اس کا ثواب ہے (یہ حدیث مسلم اور مسند احمد میں بھی مروی ہوئی ہے)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ بچے کا حج محض فضیلت و استحباب کے لحاظ سے تھا، اگر ایسا بچہ زندہ رہے اور پھر اس پر حج فرض ہو تو یہ بچپن کا حج نفل اس کے فریضے کی طرف سے محسوب نہ ہوگا۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہ بچے کو نماز روزے کا حکم دیا جاتا ہے اور وہ اس کیلیے باعثِ اجر و فضیلت ہے نہ کہ فرض کی ادائیگی کے طور پر۔ اور اس کے رہنما اور معلّم و آمر کو سببیّت کا اجر ملتا ہے۔ اور جب بچے کا حج ہو جاتا ہے تو اس سے ارکانِ حج ادا کروائے جانے چاہئیں، حتیٰ کہ اگر وہ چل نہ سکتا ہو تو اٹھا کر ایسا کیا جائے۔ جب مجنون کے افاقہ سے مایوسی ہو چکی ہو تو اس کے حج کے بھی یہی احکام ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اس کا حج فاسد ہو جائے یا اس میں کوئی نقص واقع ہو جائے تو اس کی تلافی واجب ہے، اور اگر وہ کوئی شکار کرے تو اس پر فدیہ لازم ہے اور یہ تاوان یا فدیۂ وغیرہ اس کے مال میں سے ادا ہوں گے۔

علّامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ ائمہ فتویٰ کا اس مسئلے پر اجماع ہے کہ بچے پر حج فرض نہیں ہے کیونکہ وہ نابالغ ہے ہاں: اگر وہ حج کرے گا تو اس کا نفل واقع ہوگا، جمہور کا مسلک تو یہی ہے مگر ابوحنیفہ رحؒ نے کہا کہ اس کا احرام صحیح نہیں ہے اور احرام کے محرّمات میں سے کچھ بھی اس کے ذمہ لازم نہیں ہے۔ ہاں: اسے محض بطورِ تدریب (مشق) حج کرایا جاتا ہے۔ اور بعض فقہاء کا یہ قول شاذ ہے کہ بچے کا حج اس کی طرف سے فرضیت کی ادائیگی کے لیے کافی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب سوال ہوا کہ کیا اس کا حج ہے تو حضور رحؐ نے جواب میں ہاں فرمایا تھا۔ طحاوی نے کہا ہے کہ اس ہاں میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا آئندہ کبھی فرض ہونے والا حج بھی ابھی سے جبکہ وہ مُکلّف نہیں ادا ہو گیا۔ بلکہ یہ قول ان لوگوں کا جواب تھا جنہوں نے کہا تھا کہ اس کا کوئی حج نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ راویٔ حدیث ابن عباس رضؓ کا فتویٰ ہے کہ جن بچے کو اس کے گھر والوں نے حج کرایا ہو اس کی بلوغت پر اگر شرائط پائی جائیں تو فرض حج واجب ہوگا۔ ابن ابی شیبہ میں ہے کہ ابن عباس رضؓ نے یہ فتویٰ دے کر کہا کہ اسے میری طرف سے یاد رکھو اور یہ مت کہو کہ ابن عباس رضؓ کا قول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔ شوکانی نے کہا کہ ان احادیث سے بچے کے حج کی صحت تو معلوم ہو گئی مگر وہ حج اس کی طرف سے بطورِ فریضۂ حج ادا نہ ہوگا بلکہ بلوغت کے بعد حسب شرائط اس پر حج فرض ہوگا۔ یہی بات حق ہے اور اسی سے تمام دلائل جمع ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک بچے کے حج کے متعلق حنفیہ کے مسلک کا تعلق ہے، مولانا ئُنے فرمایا کہ حنفیہ کا مسلک وہ ہے جو لباب المناسک میں شیخ سندھی نے لکھا ہے اور اس کی شرح محدث ملا علی القاری نے کی ہے کہ سمجھدار بچے کا احرام بطور نفل واقع ہو جاتا ہے نہ کہ بطورِ فرض۔ کیونکہ اس کے حج کا فرض نہ ہونا ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ اور بچے کا حج نفل خود اس کے اپنے افعال سے ہوگا نہ یہ

کہ اگر وہ کسی اور کو کہہ دے تو وہ اس کی طرف سے بطور بدل ادا ہو گا۔ متأخرین حنفیہ نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے اور بعض کے نزدیک بچے کا حج بالکل نہیں ہوتا۔ مگر دلائل کتاب وسنت اور دلائل فقہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بچے کا احرام اور حج صحیح ہیں بطور نفل۔ اور عدم صحت کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کفارات وغیرہ کا اطلاق نہ ہو گا مگر ان کے باوجود اسے ثواب ضرور ملے گا۔ ان تفاصیل سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے حنفیہ کا مسلک اس مسئلے میں کما حقہٗ سمجھا نہیں لہٰذا اس کے نقل میں غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابٌ فِي الْمَوَاقِيتِ

(مواقیت کا باب)

۱۷۳۷- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ وَقَّتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِأَهْلِ نَجْدٍ الْقَرْنَ وَبَلَغَنِي أَنَّهُ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ-

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے ذو الحلیفہ کو میقات مقرر فرمایا اور اہل شام کے لیے جحفہ اور اہل نجد کے لیے قرن اور مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے اہل یمن کے لیے یلملم کو مقرر فرمایا تھا (مسلم، بخاری، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)۔

شرح: توقیت کا معنیٰ ہے وقت مقرر کرنا، مدت کی مقدار ٹھہرانا، پھر اس میں توسیع ہوئی اور زمان کے علاوہ مکان پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ اور کسی ٹھہرائی ہوئی جگہ کو میقات کہا جانے لگا۔ گویا توقیت کا معنیٰ تحدید و تعیین ہو گیا۔ پس بقول شوکانی (نیل الاوطار) مواقیت سے مراد وہ مقامات ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر سے آنے والے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے لیے بغرض احرام مقرر فرمایا تھا۔ ذو الحلیفہ مدینہ سے چھ سات میل پر ہے اور یہاں پر بعض کنوئیں ہیں جنہیں عوام میں مشہور ایک جھوٹے افسانے کے باعث آبار علی کہتے ہیں۔ اور ذو الحلیفہ تہامہ کے علاقے میں بھی ایک جگہ کا نام ہے جو حاذہ اور ذات عرق کے درمیان واقع ہے۔ یہاں پر مراد پہلا مقام ہے نہ کہ دوسرا۔ مکہ سے مدینہ کو جاتے ہوئے چار مرحلوں پر اور مدینہ سے چھ مراحل پر جحفہ واقع ہے، کبھی زمانے میں آباد تھا مگر سیلابوں کی کثرت نے اسے اجاڑ دیا ہے۔ یہ مصریوں اور شامیوں کی میقات ہے۔ اس کا اصل نام مَہْیَعَۃ تھا۔ قرن ایک بستی کا نام ہے جو طائف کے قریب واقع ہے اور اویس قرنی کی نسبت اسکی طرف نہیں بلکہ اپنے ایک مورث اعلیٰ قرن بن ردمان بن ناصیہ بن مراد کی طرف ہے۔ یلملم مکہ سے دو دن کے فاصلے پر ہے اور وہاں پر معاذ بن جبل کی طرف منسوب ایک مسجد ہے۔

۱۷۳۸ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَنُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ وَقَّتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ وَقَالَ أَحَدُهُمَا وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ وَقَالَ أَحَدُهُمَا أَلَمْلَمَ قَالَ فَهُنَّ لَهُمْ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ فَمَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَمَنْ كَانَ دُونَ ذَلِكَ قَالَ ابْنُ طَاوُسٍ مِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ قَالَ وَكَذَلِكَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا۔

ابن عباس رضؓ نے کہا، اور طاؤس نے مرسل روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر اسی حدیث کے معنی میں اور ان میں سے ایک نے کہا کہ اہل یمن کے لیے یلملم اور ایک نے کہا اَلَملم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان علاقوں کے لوگوں کے لیے یہ مواقیت ہیں اور ان کے لیے بھی جو ان پر باہر سے آئے جو حج وعمرہ کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور جو ان مواقیت کے اندر ہو ابن طاؤس نے کہا کہ وہ جہاں سے سفر شروع کرے وہیں احرام باندھے، ابن طاؤس نے کہا حتیٰ کہ مکہ والے مکہ ہی سے احرام باندھیں (اس حدیث کو بخاری، مسلم اور نسائیؒ نے بھی روایت کیا)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ ان مواقیت کی تحدید کا معنی یہ ہے کہ ان مواقیت سے کوئی احرام کے بغیر نہ گزرے اور آگے نہ جائے۔ اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی ان کے آنے سے پہلے ہی احرام باندھ لے اور حالت احرام میں ان مواقیت پر پہنچے تو بھی جائز ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ مواقیت نماز کے اوقات کی مانند نہیں ہیں کیونکہ نماز کا وقت داخل ہو جانے سے قبل وہ نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ اور اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ مثلاً اگر کوئی مدنی شام سے جحفہ کی راہ سے آتا ہو تو وہ اب جحفہ سے احرام باندھے گا یعنی احرام کے لحاظ سے وہ شامی ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی یمنی ذوالحلیفہ کے راستے سے آتا ہو تو وہ یہیں سے احرام باندھے گویا وہ احرام کے لحاظ سے مدنی ہو گا۔ مواقیت کے اندر والا جہاں سے حج و عمرہ کے لیے چلے گا وہیں سے احرام باندھے گا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضؓ کو تنعیم سے احرام بندھوا کر لائیں۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ ایک میقات سے دوسری کی طرف جانے والے کا حکم حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اگر بلا احرام ایسا کرے تو جائز ہو گا مگر مستحب یہی ہے کہ سامنے جو پہلا میقات آئے اسی سے احرام باندھ لے۔ شوکانی نے کہا کہ بلا عذر احرام کے بغیر میقات کے گزرنے کے متعلق اختلاف ہے۔ جمہور نے اس کی ممانعت کی ہے اور اسے ناجائز کہا ہے خواہ کوئی حج اور عمرہ کے لیے میقات سے گزر رہا ہو یا کسی اور غرض کے لیے۔ اگر کوئی بلا احرام گزرے گا تو گناہ گار ہو گا اور اس کے ذمہ ایک جانور کا خون واجب ہو جائے گا۔ لیکن ابن عمر رضؓ، الناصر، شافعی (آخری قول میں) ابن عباس رضؓ (ایک قول میں) کہتے ہیں کہ صرف حاجی اور معتمر کو ہی احرام باندھنا ضروری ہے، کسی اور غرض سے جانے والا بلا احرام گزر سکتا ہے۔ جمہور کی دلیل ابن ابی شیبہ کی حدیث ہے (جو معجم طبرانی میں بھی ہے) کہ ابن عباس رضؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے۔ میقات سے

بلا احرام مت گزرو۔ مسند شافعی میں ابوالشعثاء سے روایت ہے کہ اس نے ابن عباس رضؓ کو ان لوگوں کو واپس لوٹاتے دیکھا جو بلا احرام میقات سے گزر آئے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے معرفت میں شافعی کے طریق سے جابر رضؓ کی حدیث بھی اسی طرح بیان کی ہے (یہ جابر بن یزید ابوالشعثاء ہے) مسند اسحاق بن راہویہ میں ابن عباس رضؓ کی موقوف حدیث مروی ہے کہ میقات سے بلا احرام گزرنے والے پر ایک جانور کی قربانی آئیگی اور میقات پر واپس جا کر احرام باندھے گا۔ اور فتح مکہ کے دن جو حضور ؐ اور آپ کے اصحاب بلا احرام مکہ میں داخل ہوئے تھے تو حضور نے خود فرمایا تھا کہ یہ میرے لیے ایسی ساعت کے ساتھ مخصوص ہے، نہ کسی کے لیے میرے سے پہلے اور نہ بعد میں ایسا کرنا حلال ہے۔ اور میرے لیے بھی دن کی صرف اسی گھڑی کے لیے حلال تھا۔ مکہ ہمیشہ تک کے لیے محترم ہو چکا ہے۔ پس جن لوگوں نے اس حدیث زیر شرح کے مفہوم سے اخذ کیا ہے کہ احرام صرف حج اور عمرہ کے لیے ہے ان کے خلاف یہ ناطق نصوص حجت ہیں۔

۱۷۳۹۔ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ بَهْرَامَ الْمَدَائِنِيُّ نَا الْمُعَافِيُّ بْنُ عِمْرَانَ عَنْ أَفْلَحَ يَعْنِي ابْنَ حُمَيْدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ۔

۱۷۳۹: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا تھا۔ (یہ حدیث نسائی میں بھی ہے اور مسلم نے جابر بن عبداللہ رضؓ سے اسی مضمون کی حدیث روایت کی ہے)

شرح: حدیث عامۂ محدثین کے نزدیک ثقہ راویوں سے مروی ہے، مگر امام احمد نے اس کے راوی افلح بن حمید پر دو حدیثوں کے باعث نکیر کی ہے ایک تو یہی حدیث اور دوسری اشعار کی حدیث (قربانی کے جانور پر نشان لگانا) ذات عرق، نجد اور تہامہ کی حد فاصل ہے اور اصل میں یہ پہاڑ وغیرہ) کی وجہ سے ذات عرق کہلاتی ہے۔

۱۷۴۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ نَا وَكِيعٌ نَا سُفْيَانُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقَ۔

۱۷۴۰: ابن عباس رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مشرق کے لیے عقیق کو میقات مقرر فرمایا تھا (اسی حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور اس کی تحسین کی ہے لیکن منذری نے اس کے راوی یزید بن ابی زیاد کو ضعیف کہا ہے اور بقول بیہقی وہ اس روایت میں منفرد ہے۔ یہ حدیث مسند میں بھی ہے اور بقول شیخ شاکر اس کی سند صحیح ہے۔)

شرح: خطابی نے اس حدیث کو ذات عرق والی اوپر کی حدیث پر ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ صحیح تر یہ ہے کہ ذات عرق کو فتح عراق کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل عراق کی میقات بنایا تھا۔ لوگ آج تک ذات عرق سے ہی احرام باندھتے ہیں۔ شافعیؒ کا قول ہے کہ ذات عرق سے احرام باندھنا درست ہے مگر مستحب یہی ہے کہ عقیق سے باندھا جائے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آفاقِ جہان کے لیے فتوحات سے قبل ہی میقات مقرر فرمائے تھے اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ ذات عرق میقات نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ابھی عراق فتح نہیں ہوا تھا۔ ذاتِ عرق کی حدیث بہت سے طرق سے آئی ہے اور کثرتِ طرق کے باعث اس میں قوت پیدا ہو گئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ذاتِ عرق تو وجوبی میقات ہے مگر عقیق استحبابی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ عقیق اور ذاتِ عرق ایک ہی جگہ کے دو نام ہیں۔ یہ عقیق تو عراقی عقیق ہے مگر اس کے علاوہ تین عقیق اور بھی ہیں۔ اصل میں عقیق اس جگہ کو کہتے ہیں جسے پانی کا بہاؤ اپنے زور سے زمین کو پھاڑ کر ایک نالے کی سی شکل دے دے۔

۱۷۴۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ اَبِیْ فُدَیْكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یُحَنِّسَ عَنْ یَحْیَى بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ الْاَخْنَسِیِّ عَنْ جَدَّتِهٖ حُكَیْمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اَهَلَّ بِحَجَّةٍ اَوْ عُمْرَةٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى اِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ شَكَّ عَبْدُ اللّٰهِ اَیَّتُهُمَا قَالَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جس شخص نے حج یا عمرے کا احرام مسجدِ اقصیٰ سے مسجدِ حرام تک باندھا اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشے گئے، یا فرمایا کہ اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ راویٔ حدیث عبداللہ کو شک ہے کہ کون سا لفظ (اس کے استاد یحییٰ اخنسی نے) کہا (اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: منذری نے کہا ہے کہ راویوں نے اس حدیث کے متن اور اسناد میں بہت اختلاف کیا ہے، خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں مواقیت سے بہت دور پہلے ہی احرام کا جواز ہے اور کئی صحابہؓ نے ایسا کیا ہے، لیکن ایک جماعت نے اسے ناپسند کیا ہے۔ عمران بن حصینؓ نے بصرہ سے ہی احرام باندھ لیا تھا جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ناپسند فرمایا۔ حسن بصری، عطاء بن ابی رباح اور مالک بن انس اسے مکروہ کہتے ہیں اور احمد اور اسحاق کی رائے بھی یہی ہے پھر خطابی نے کہا کہ احرام کی پابندیاں بعض دفعہ دشواریوں کا باعث بنتی ہیں شاید اس لیے حضرت عمرؓ نے اس فعل کو پسند نہ کیا تھا۔ ابو داؤد کا قول ہے کہ اللہ وکیع پر رحم کرے اس نے بیت المقدس سے مکہ تک احرام باندھا تھا۔ یہ قول مدح بھی ظاہر کرتا ہے، اور اس سے کچھ شفقت کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ اس بزرگ نے اتنی مشقت اٹھائی! حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک میقات سے باہر سے احرام باندھنا جائز نہیں اور ابن المنذر وغیرہ نے اس فعل کے جواز پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے مگر اس دعویٰ میں کلام ہے کیونکہ اسحاق اور داؤد اسے جائز نہیں رکھتے۔ جمہور نے تقدیم زمانی اور تقدیم مکانی میں فرق کیا ہے، ان کے نزدیک تقدیم مکانی جائز ہے اور زمانی جائز نہیں۔

۱۷۴۲ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ أَبِي الْحَجَّاجِ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ نَا عُقْبَةُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ السَّهْمِيُّ حَدَّثَنِي زُرَارَةُ بْنُ كُرَيْمٍ أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ عَمْرٍو السَّهْمِيَّ حَدَّثَهُ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِمِنًى أَوْ بِعَرَفَاتٍ وَقَدْ أَطَافَ بِهِ النَّاسُ قَالَ فَتَجِيءُ الْأَعْرَابُ فَإِذَا رَأَوْا وَجْهَهُ قَالُوا هٰذَا وَجْهٌ مُبَارَكٌ قَالَ وَوَقَّتَ ذَاتَ عِرْقٍ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ۔

: حارث بن عمرو سلہمی نے حدیث بیان کی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ اس وقت منیٰ یا عرفات میں تھے لوگوں نے آپ کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ حارث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ صحرائی لوگ آتے اور جب آپ کا چہرہ دیکھتے تو کہتے؛ یہ مبارک چہرہ ہے! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو میقات قرار دیا (یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے)

بَابُ الْحَائِضِ تُهِلُّ بِالْحَجِّ

(حیض والی عورت کے احرام حج کا باب)

۱۷۴۳ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نُفِسَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ بِمُحَمَّدِ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ بِالشَّجَرَةِ فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ أَنْ تَغْتَسِلَ وَتُهِلَّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اسماء بنت عمیس کے بطن سے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ شجرہ کے مقام پر پیدا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسماء رضی اللہ عنہا غسل کر کے احرام باندھ لے (مسلم اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ شجرہ، ذوالحلیفہ اور بیداء یہ تینوں مقامات قریب قریب ہیں اور مدینہ سے چھ میل پر واقع ہیں)

۱۷۴۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسٰى وَإِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَبُو مَعْمَرٍ قَالَا نَا مَرْوَانُ بْنُ شُجَاعٍ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ عِكْرِمَةَ وَمُجَاهِدٍ وَعَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ إِذَا أَتَتَا عَلَى الْوَقْتِ تَغْتَسِلَانِ وَتُحْرِمَانِ وَتَقْضِيَانِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ قَالَ أَبُو مَعْمَرٍ فِي حَدِيثِهِ حَتّٰى تَطْهُرَ وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ عِيسٰى عِكْرِمَةَ وَمُجَاهِدًا قَالَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ

۱۷۴۴ : عکرمہ، مجاہد اور عطاء نے ابن عباس رض سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیض و نفاس والی عورت جب میقات پہ آئے تو غسل کرے۔ اور احرام باندھ لے اور بیت اللہ کے طواف کے علاوہ سب عبادات حج ادا کریں۔ ابو معمر نے اپنی حدیث میں کہا: حتیٰ کہ وہ پاک ہوئے۔ اور ابن عیسیٰ نے عکرمہ اور مجاہد کا ذکر نہیں کیا بلکہ عطاء عن ابن عباس رض روایت کی۔ اور ابن عیسیٰ نے کلھا کا لفظ نہیں بولا اور کہا، مناسک ادا کریں سوائے طواف کعبہ کے (ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور حدیث غریب کہا۔ منذری نے کہا کہ اس کی سند میں خصیف بن عبدالرحمٰن حرانی ہے جس کی کنیت ابو عون ہے۔ کئی محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کے شاگرد مروان بن شجاع پہ بھی کلام ہوا ہے۔ ابن حبان نے ثقات اور ضعفاء دونوں طبقوں میں ذکر کیا ہے۔

شرح: طواف کی پابندی اس لیے ہے کہ وہ مسجد حرام کے اندر ہوتا ہے اور مسجد کا داخلہ اور طواف دونوں حیض و نفاس والی پر ممنوع ہیں، شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ اس حدیث میں حائضہ عورت کے لیے صفا و مروہ کی سعی کا جواز نکلتا ہے، اور حدیث عائشہ رض میں اس کی تائید موجود ہے کہ حضور ص نے فرمایا: جو حاجی کرتے ہیں تو بھی کر۔ لیکن ابن ابی شیبہ اور طبرانی میں ابن عمر رض کی حدیث میں صفا و مروہ کی سعی کا استثناء بھی موجود ہے۔ حافظ نے کہا ہے کہ ابن ابی شیبہ کی حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور جمہور کے نزدیک سعی میں طہارت واجب یا شرط نہیں ہے، اور اس میں طہارت کے وجوب کا قول صرف حسن بصری کا ہے جو ابن المنذر نے نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے محمد بن تیمیہ سے حنابلہ کا وجوب کا قول نقل کیا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی طہارت سے مشروط نہیں ہے بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ طواف کے بعد ہو درانحالیکہ آدمی جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہو۔ پس اگر کوئی شخص طواف کے وقت ان سے پاک نہ ہو تو سعی بالکل جائز نہیں۔ لیکن اگر عورت کو طواف سے فراغت کے بعد حیض آگیا ہو تو وہ سعی کر سکتی ہے کیونکہ طواف کے وقت طہارت کی شرط پائی گئی۔

بَابُ الطِّيبِ عِنْدَ الْإِحْرَامِ

(احرام کے وقت خوشبو لگانے کا باب)

۱۷۴۵ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَا نَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ وَلِإِحْلَالِهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ۔

۱۷۴۵ : عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھنے کے قبل اور احرام سے نکلنے کے لیے طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگایا کرتی تھی (باقی صحاح خمسہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

۱۷۴۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا عَنْ

الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ الْمِسْكِ فِي مَفْرِقِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

۱۷۴۶: عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالتِ احرام میں آپؐ کے سر کی مانگ میں مشک کی چمک دیکھ رہی ہوں (بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

شرح: حافظ ابن حجر نے کہا کہ احرام سے قبل خوشبو کا استعمال اور پھر حالتِ احرام میں بھی اس کا باقی رہنا ۔ نہ صرف خوشبو بلکہ خوشبو دار چیز مثلاً مشک کا جرم بھی۔ جمہور کے نزدیک جائز بلکہ مستحب ہے۔ امام مالک اور حنفی ائمہ میں سے محمد بن الحسن کا اس میں اختلاف ہے محمد بن الحسن کا پہلا قول جواز کا تھا مگر انہوں نے کہا کہ میں نے لوگوں کو بہت ہی زیادہ خوشبو لگائے ہوئے دیکھ کر جانا کہ یہ اچھی نہیں ہے ۔

بَابُ التَّلْبِيدِ[۱۲]

(تلبید کا باب)

۱۷۴۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ مُلَبِّدًا ۔

۱۷۴۷: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بآوازِ بلند تلبیہ کہتے سُنا درانحالیکہ آپ نے سر کو مُلبّد کیا ہوا تھا (گوند کے ساتھ بالوں کو حفاظت کی غرض سے سر پہ چپکا دیتے تھے جسے تلبید کہا جاتا تھا۔ تلبید کا لفظی معنیٰ ہے نمدہ بنا دیا، گویا بالوں کو سر سے چپکا کر نمدہ بن جاتا ہے۔ باقی تمام صحاح میں بھی ماسوائے ترمذی کے یہ حدیث موجود ہے۔)

۱۷۴۸۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ نَا عَبْدُ الْأَعْلَى نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّدَ رَأْسَهُ بِالْعَسَلِ۔

۱۷۴۸: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کو شہد سے مُلبّد کیا (مستدرک حاکم میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: اس حدیث کے لفظ عَسَل میں حافظ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ یہ لفظ غِسل بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی وہ چیز جس سے سر کے بال دھوئے جائیں مثلاً خطمی وغیرہ۔ عَسَل کی روایت پہ اعتراض ہوا ہے کہ اس پہ مکھیاں جمع ہوتی ہیں اور حضورؐ اسے ہرگز پسند نہ فرماتے۔ جواب یہ دیا گیا کہ شمائل میں حضور کے بارے میں آیا ہے کہ آپ کے جلدِ اطہر پہ مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ شہد

سے بال چپکانے سے اس کے جسم اور کپڑے پر پھیلنے اور چپچپاہٹ کا قوی اندیشہ ہوتا ہے، پس اگر غسل کا لفظ ہی صحیح روایت ہے تو اس سے مراد عرفط کی گوند ہے جو میٹھا س کے باعث شہد کہلاتی ہے جیساکہ لسان العرب میں لکھا ہے۔

بَابُ ۱۳ فِي الْهَدْيِ

(ہدی کا باب)

۱۷۴۹- حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ وَثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمِنْهَالِ نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنِ ابْنِ إِسْحٰقَ الْمَعْنٰى قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ يَعْنِي ابْنَ أَبِي نَجِيحٍ حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْدٰى عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي هَدَايَا رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَلًا كَانَ لِأَبِي جَهْلٍ فِي رَأْسِهِ بُرَّةُ فِضَّةٍ قَالَ ابْنُ مِنْهَالٍ بُرَّةٌ مِنْ ذَهَبٍ زَادَ النُّفَيْلِيُّ يَغِيظُ بِذٰلِكَ الْمُشْرِكِينَ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے سال اپنی ہدی کے اونٹوں میں ایک وہ اونٹ بھی قربانی کیا تھا جو ابو جہل کا تھا، اس کی ناک میں چاندی کا حلقہ (نکیل جیسا) تھا، ابن منہال راوی نے کہا کہ سونے کا حلقہ تھا، نفیلی نے یہ فقرہ زائد روایت کیا کہ: اس سے مشرکوں کے دل میں غصہ پیدا ہو رہا تھا (مولانا ؒ نے فرمایا) کہ ابو جہل کی نسبت اس کے اونٹ کا انجام اچھا ہوا کہ اسے فی سبیل اللہ ذبح کیا گیا اور اس کا گوشت اللہ کے رسول اور اولیاء اللہ نے کھایا۔ خطابی نے کہا ہے کہ اس سے جانوروں کی زینت کے لیے ذرا سا سونا یا چاندی استعمال کرنا جائز نکلا۔ حدیث میں اسکا لفظ ہے کیونکہ حلقہ تو ناک میں تھا اور ناک سر سے متصل ہوتی ہے۔

بَابُ ۱۴ فِي هَدْيِ الْبَقَرِ

(گائے کی قربانی کا باب)

۱۷۵۰- حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ عَنْ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بَقَرَةً وَاحِدَةً۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آل محمدؐ کی طرف سے ایک گائے ذبح کی تھی (نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن حضرت عائشہؓ کی طرف سے ایک گائے ذبح کی تھی۔ اور مسلم کی دوسری حدیث عن نسائہ کا لفظ ہے۔ ایک اور روایت میں صرف حضرت عائشہؓ کا نام آتا ہے۔ آل محمدؐ کا لفظ اہل بیت کی طرح اولاً ازواج کے لیے آیا ہے (بخاری کتاب الزہد) پھر توسعاً یہ لفظ ازواجؓ مطہرات کے علاوہ حضرات علیؓ وفاطمہ اور حسنؓ وحسینؓ کو بھی مشتمل ہے۔ مگر اس حدیث میں دوسری روایات کی وضاحت کے باعث آل محمدؐ سے مراد صرف ازواجؓ ہیں۔

۱۷۵۱۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَهْرَانَ الرَّازِيُّ قَالَ نَا الْوَلِيدُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَبَحَ عَمَّنْ اعْتَمَرَ مِنْ نِسَائِهِ بَقَرَةً بَيْنَهُنَّ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے (قبل از حج) عمرہ ادا کرنے والیوں کی طرف سے گائے ذبح کی تھی (یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے)

شرح: مولاناؒ نے فرمایا کہ احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ازواج مطہراتؓ نے سوائے حضرت عائشہؓ کے حجۃ الوداع میں تمتع ادا کیا تھا، کیونکہ جب حضرت عائشہؓ نے عمرہ کا احرام باندھا تو ماہواری سے معذور ہو گئیں (مقام سرف پر) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ عمرہ توڑ دیں اور حج مفرد کا احرام باندھیں،، اس طرح ان کا صرف حج ادا ہوا۔ پھر بعد از حج انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عمرہ کر لیں۔ آپؐ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ انہیں مقام تنعیم سے احرام بندھوا کر لائیں اور عمرہ ادا کرائیں۔ پس یہ عمرہ کی قضا تھی جسے انہوں نے توڑا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی طرف سے جو گائے ذبح کی تھی یہ اسی کا کفارہ تھا۔ حضرت عائشہؓ کے علاوہ دیگر ازواج کی طرف سے جو گائے ذبح کی گئی تھی وہ شکرانے کا خون تھا۔ کیونکہ انہوں نے تمتع کیا تھا۔

بَابٌ ۱۵ فِي الْإِشْعَارِ

(اشعار کا باب)

۱۷۵۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ وَحَفْصُ بْنُ عُمَرَ الْمَعْنَى قَالَا نَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَسَّانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ دَعَا بِبَدَنَةٍ فَأَشْعَرَهَا مِنْ صَفْحَةِ سَنَامِهَا الْأَيْمَنِ ثُمَّ سَلَتَ عَنْهَا الدَّمَ وَقَلَّدَهَا بِنَعْلَيْنِ ثُمَّ أُتِيَ بِرَاحِلَتِهِ فَلَمَّا قَعَدَ عَلَيْهَا وَاسْتَوَتْ بِهِ عَلَى الْبَيْدَاءِ أَهَلَّ بِالْحَجِّ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر ذوالحلیفہ میں پڑھی پھر ایک اونٹ منگوایا اور اس کی ہان کے دائیں طرف کو زخمی کیا پھر اس کا خون پونچھا اور اس کے گلے میں دو جوتیوں کا ہار ڈالا، پھر آپ کی سواری لائی گئی پس جب آپ اس پر بیٹھ گئے اور وہ مقام بیداء میں آپ کو لے کر اٹھ بیٹھی تو آپ نے حج کی لبیک کہی (مسلم ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اشعار کا لفظ شعار سے نکلا ہے جس کا معنیٰ ہے علامت۔ قربانی کے جانور کی کوہان کو زخمی کر کے خون نکال دینا اشعار ہے جو اس کی کعبۃ اللہ کی نیاز ہونے کی علامت ہے مبادا کوئی اس سے راستے میں چھیڑ چھاڑ کرے۔ اشعار مُثلہ نہیں ہے جس سے کہ منع کیا گیا ہے۔ اس مسئلے میں ابو حنیفہؒ کے سوا کسی کا اختلاف نہیں اور ان کے دونوں شاگردوں نے عائمہ فقہاء کا ساتھ دیا ہے۔ مُثلہ سے مراد کسی جانور کا کوئی عضو کاٹنا ہے جس سے اس کی تعذیب مقصود ہوتی ہے یا اس کے گوشت کا کوئی ٹکڑا کھانے کے لیے کاٹ لیتے تھے مثلاً اونٹ کی کوہان دنبوں کی چکی وغیرہ۔ اشعار کی مثال کسی جائز مقصد کے لیے داغ دینا ہے اور یا جیسا کہ آدمیوں کا ختنہ کرنا، فصد اور سینگی لگانا وغیرہ۔ علاوہ ازیں یہ مُثلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مُثلہ سے ممانعت پہلے ہوئی تھی اور اشعار آخری حج میں ہوا جو متأخر تھا۔ اور اس حدیث سے جانور (اونٹ) کے گلے میں کوئی چیز لٹکانا بھی ثابت ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ ذوالقعدہ کو نماز ظہر چار رکعت پڑھا کر مدینہ سے نکلے اور نماز عصر دو رکعت ذوالحلیفہ میں پڑھائی اس کے بعد اگلے دن کی ظہر تک چار نمازیں ادا فرمائیں، یعنی کل پانچ نمازیں یہاں ادا فرمائیں۔ جس ظہر کا حدیث میں ذکر ہے یہ ۲۶ ذکا القعدہ کی نماز ظہر ہے۔ مولاناؒ نے فقہ حنفی کی کتابوں کے حوالے سے (فتح القدیر، شرح معانی الآثار، البحر الرائق) ثابت کیا ہے کہ ابو حنیفہؒ نے اپنے زمانے کے اشعار کی مخالفت کی اور اسے مکروہ کہا تھا کیونکہ لوگ اس میں بہت مبالغہ کرنے لگے تھے اور جانوروں کو عذاب دینے لگے تھے۔

۱۷۵۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ بِهَذَا الْحَدِيثِ بِمَعْنَى أَبِي الْوَلِيدِ قَالَ ثُمَّ سَلَتَ الدَّمَ بِيَدِهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ هَمَّامٌ قَالَ سَلَتَ عَنْهَا الدَّمَ بِإِصْبَعِهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هَذَا مِنْ سُنَنِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ الَّذِي تَفَرَّدُوا بِهِ۔

اُسی حدیث کی دوسری روایت ہے۔ اس میں یہ لفظ ہیں کہ: حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے خون صاف فرمایا۔ ابوداؤد نے کہا کہ ہمام کی روایت میں انگلی سے پونچھنے کا ذکر ہے۔ ابوداؤد نے کہا یہ حدیث اہل بصرہ کی سنن میں سے ہے، وہ اس کی روایت میں متفرد ہیں۔

۱۷۵۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی بْنُ حَمَّادٍ نَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ اَنَّهُمَا قَالَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَیْبِیَةِ فَلَمَّا کَانَ بِذِی الْحُلَیْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْیَ وَاَشْعَرَهٗ وَاَحْرَمَ۔

مسعود بن مخرمہؓ اور مروانؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال مدینہ سے نکلے، پس جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو ہدی کے جانوروں کو قلادے ڈالے اور ان کا اشعار کیا اور احرام باندھا (بخاری اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی)

۱۷۵۵۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ نَا وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ وَالْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَهْدٰی غَنَمًا مُقَلَّدَةً۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلادہ پڑی ہوئی بکریوں کو بطور ہدی روانہ فرمایا تھا (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: ہدایہ میں ہے کہ بھیڑ بکری کو قلادہ ڈالنا غیر معتاد ہے اور سنت نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا کہ بقول ابن المنذر امام مالک اور حنفیہ نے انہیں قلادہ ڈالنے کا انکار کیا ہے، شاید ان حضرات کو یہ حدیث نہیں پہنچی اور ہم نہیں جانتے کہ ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور دلیل بھی ہے کہ قلادہ ڈالنے سے یہ جانور ضعیف ہو جاتے ہیں (یا انہیں قلادہ سنبھالنے کی قوت نہیں ہوتی) اور یہ ایک کمزور دلیل ہے علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے اس حدیث سے بھیڑ بکری کو قلادہ ڈالنے کا استدلال کیا ہے۔ احمدؒ، اسحاقؒ، ابوثورؒ اور ابن حبیب کا یہی مذہب ہے امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ نے کہا کہ انہیں قلادہ نہ ڈالا جائے کیونکہ وہ اس کی برداشت نہیں کر سکتیں۔ اور حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ جن لوگوں نے قلادہ نہ ڈالنے کا کہا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے فقط ایک حج (فرضیت کے بعد) کیا ہے اور اس میں بھیڑ بکری کی قربانی نہیں دی۔ بخاری میں جو الاسود عن عائشہؓ کی حدیث بھیڑ بکری کے قلادہ کے باب میں ہے انہوں نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے اہل بیت نہیں جانتے۔ اور بعض نے کہا کہ معلوم نہیں اس حدیث میں کون سی دلیل ہے۔ اس میں صرف یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھیڑ بکریاں بطور ہدی بھیجیں اور خود مدینہ میں مقیم رہے، پس یہ واقعہ قطعاً آپؐ کے حج سے پہلے کا ہے پس فعل اور ترک میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ صرف ترک کو جواز کے منسوخ ہونے کی دلیل نہیں بتایا جا سکتا۔ پھر صحابہ میں سے وہ کون ہے جس نے صراحتہً یہ کہا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی میں بھیڑ بکری نہ تھی؟

مولانا نے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے جو بھیڑ یا بکری کی ہدی روانہ کی تھی وہ احرام کی ہدی نہ تھی، یہی سبب ہے کہ آپ اسے روانہ فرما کر بلا احرام رہے اور یہ منقول نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے احرام میں کوئی ہدی روانہ فرمائی تھی، پس اس قائل کا یہ قول فضول ہے کہ ترک اور فعل میں تعارض نہیں، کیونکہ جن لوگوں نے تعارض کا دعویٰ کیا ہے کہ دو دلیلوں کا تعارض ہے، اور یہاں پر فعل ہی نہیں پایا گیا لہذا تعارض کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اور اس قائل کا یہ قول بھی عجیب ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے حضورؐ کی ہدی میں غنم کے ہونے کا انکار نہیں کیا۔ حالانکہ اصل سوال یہ ہے کہ ان حضرات میں سے وہ کون بزرگ ہیں جنہوں نے اس کا اقرار و اظہار کیا ہو؟ اور حنفیہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ غنم کو ہدی نہیں مانتے، ایک افترا ہے۔ حنفیہ نے یہ کہیں نہیں کہا۔ حنفی کتب اس سے پُر ہیں کہ ہدی سے مراد وہ جانور ہے جس کو بطور تقرب الی اللہ حرم کی طرف بھیجا یا لے جایا جائے اور وہ کم از کم ایک بکری ہے کیونکہ ابن عباس رضؓ سے یہی منقول ہے۔ اور حنفیہ نے کہا ہے کہ اونٹ، گائے اور غنم مذکر و مؤنث سب ہدی ہیں۔ تقلیدِ ہدی میں ان کا یہ مذہب ضرور ہے کہ تقلید بدنہ (بڑی قربانی) کی ہوتی ہے اور غنم بدنہ نہیں ہے۔ اور غنم کو قلادہ ڈالنا متعارف نہیں ہے۔ اور اس حدیث کے متعلق حنفیہؒ نے کہا ہے کہ اس میں اسود متفرد ہے لہذا یہ شاذ ہے۔ یہ سبب ہے کہ حنفیہ نے اس سے احتجاج نہیں کیا۔

بَابُ ۱۶ تَبْدِيلِ الْهَدْيِ

(ہدی کی تبدیلی کا باب)

۱۷۵۶ - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَبُو عَبْدِ الرَّحِيمِ خَالِدُ بْنُ أَبِي يَزِيدَ خَالُ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ رَوَاهُ عَنْهُ حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ جَهْمِ بْنِ الْجَارُودِ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَهْدَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بُخْتِيًّا فَأُعْطِيَ بِهَا ثَلَاثَ مِائَةِ دِينَارٍ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَهْدَيْتُ بُخْتِيًّا فَأُعْطِيتُ بِهَا ثَلَاثَ مِائَةِ دِينَارٍ فَأَبِيعُهَا وَأَشْتَرِي بِثَمَنِهَا بُدْنًا قَالَ لَا انْحَرْهَا إِيَّاهَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ هَذَا لِأَنَّهُ كَانَ أَشْعَرَهَا۔

عبداللہ رضؓ بن عمر نے کہا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بختی اونٹ کو بطورِ قربانی تین سو دینار میں خریدا۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک بختی اونٹ کی ہدی کی ہے اور اسے تین صد دینار سے خریدا ہے۔ کیا اب میں اسے فروخت کر کے اس کی بجائے کئی اونٹ نہ خرید لوں! حضور صؐ نے فرمایا کہ نہیں، اسی کو ذبح کر۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ اس لیے تھا کہ حضرت عمر رضؓ نے اسے اِشعار دیا تھا (بخاری نے کہا ہے

کہ جہم بن جارود کا سماع سالم سے غیر معلوم ہے)

شرح: ابو داؤد نے جہم بن جارود کی صرف یہی روایت لی ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس کی روایت درج کی ہے مگر اس سے احتجاج میں توقف کیا ہے۔ تہذیب التہذیب میں ہے کہ اس کے نام میں بھی اختلاف ہے، بعض اسے ہثیم اور بعض نے شہم کہا ہے۔ بختی اور بخت نصر کی طرف منسوب ہے، یہ خراسانی اونٹ ہوتا تھا جو بہت تیز رفتار اور موٹا تازہ تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ عرب و عجم کے جانوروں کے ملاپ سے پیدا ہوتا تھا۔ ایک نسخے میں بختیا کے بجائے نجیبا کا لفظ ہے جس سے مراد خالص نسل کا اور نہایت تیز رفتار اونٹ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہدی کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ مولانا نے کہا کہ اگر یہ نفلی ہدی تھی تو نیت کے باعث متعین ہو چکی تھی لہذا اس کی تبدیلی جائز نہ تھی، اور اگر یہ واجب ہدی تھی تو حدیث کا حکم اولیت پہ محمول ہے۔ ابو داؤد کا قول ظاہر کرتا ہے کہ اس روایت کو بطور ہدی نامزد کر دینے کے باعث تبدیلی جائز نہ رہی تھی، گو اشعار سے تعیین نہیں ہوتی۔ واجب ہدی کی تبدیلی اس لیے جائز ہے کہ اس کے ذمہ میں واجب ہونے کے باعث جو جانور بھی ذبح کیا جائے گا وہ ذمہ سے فراغت کا سبب بن جائے گا۔

بَابُ مَنْ بَعَثَ بِهَدْيِهِ وَاَقَامَ

(باب جو شخص اپنی ہدی بھیج دے اور خود مقیم رہے)

۱۷۵۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ نَا اَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ اَشْعَرَهَا وَقَلَّدَهَا ثُمَّ بَعَثَ بِهَا اِلَى الْبَيْتِ وَاَقَامَ بِالْمَدِيْنَةِ فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ لَهُ حِلًّا۔

حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے قلادے اپنے ہاتھ سے تیار کیے۔ پھر آپ نے انہیں اشعار کیا اور قلادے ان کے گلے میں ڈالے پھر انہیں بیت اللہ کی طرف بھیجا پھر آپ مدینہ میں مقیم رہے پس آپ کے لیے کوئی حلال شے حرام نہ ہوئی (بخاری، مسلم اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: بخاری میں یہ حدیث متصل آئی ہے۔ زیاد بن ابی سفیان نے حضرت عائشہ رض سے لکھ کر پوچھا تھا کہ عبد اللہ بن عباس رض کہتے ہیں جو شخص ہدی روانہ کر دے اس پر وہ سب کچھ حرام ہو جاتا ہے جو حاجی پر ہوتا ہے جب تک کہ وہ اپنی ہدی کو ذبح نہ کر دے۔ اس پر حضرت عائشہ رض نے یہ جواب دیا تھا کہ بات وہ نہیں جو ابن عباس رض نے کہی ہے الخ حنفیہ کا مذہب اس باب میں یہ ہے کہ جس نے قربانی کو بھیج دیا، اس کے گلے میں کوئی نشان لٹکا دیا، خواہ وہ نفل یا واجب ہو یا نذر ہو یا کسی شکار کی جزاء وغیرہ ہو اور اس کے ساتھ خود بھی چل پڑا در انحالیکہ اس کی نیت حج کی ہو تو اس کا احرام ہو گیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے اونٹ کو قلادہ ڈال دیا پس وہ محرم ہے۔ کیونکہ یہ وہی کرتا ہے جس کی نیت حج کی ہو اور

قربانی کو قلادہ ڈال کر روانہ کر دینا تلبیہ کے معنیٰ میں ہے۔ گویا اس نے حکم الٰہی کی اجابت کی۔ اجابت کبھی بالفعل ہوتی ہے اور کبھی قول کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک ایسا فعل جو خصائص احرام میں سے ہے وہ نیت کے ساتھ متصل ہوگیا۔ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ اس کی تین شرطیں ہوئیں۔ تقلید، اس قربانی کے ساتھ چل پڑنا اور حج کی نیت۔

۱۷۵۸ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الرَّمْلِيُّ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَنَّ اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ حَدَّثَهُمْ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهْدِي مِنَ الْمَدِينَةِ فَأَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِهِ ثُمَّ لَا يَجْتَنِبُ شَيْئًا مِمَّا يَجْتَنِبُ الْمُحْرِمُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ہدی بھیج دیتے تھے اور میں آپ کی ہدی کے قلادے بٹتی تھی۔ پھر آپ محرم کی مانند کسی چیز سے اجتناب نہ فرماتے تھے۔

۱۷۵۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ نَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ زَعَمَ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُمَا جَمِيعًا وَلَمْ يَحْفَظْ حَدِيثَ هَذَا مِنْ حَدِيثِ هَذَا وَلَا حَدِيثَ هَذَا مِنْ حَدِيثِ هَذَا قَالَ قَالَتْ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَدْيِ فَأَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا بِيَدَيَّ مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدَنَا ثُمَّ أَصْبَحَ فِينَا حَلَالًا يَأْتِي مَا يَأْتِي الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِهِ۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی روانہ فرمائی اور میں نے اون سے خود اس کے قلادہ بٹے اور اون ہمارے پاس تھی، پھر آپ اپنے اہل خانہ میں حلال رہے، اپنی ازواج سے بھی ملتے رہے۔

بَابُ ۱۸ فِي رُكُوبِ الْبُدْنِ

(ہدی کے اونٹوں کی سواری کا باب)

۱۷۶۰ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا قَالَ إِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ۔

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اونٹ ہانکتے دیکھا تو فرمایا: اس پہ سوار ہو جا۔ اس نے کہا کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے، دوسری یا تیسری بار فرمایا: تیرا بھلا (یا بُرا) ہو اس سوار ہو جا (بخاری، مسلم اور نسائی میں یہ حدیث موجود ہے) حضور ؐ نے اسے عکس میں دیکھا تو تاکید سے فرمایا کہ سوار ہو جا۔

۱۷۶۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُو الزُّبَيْرِ قَالَ سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ رُكُوبِ الْهَدْيِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ارْكَبْهَا بِالْمَعْرُوفِ إِذَا أُلْجِئْتَ إِلَيْهَا حَتَّى تَجِدَ ظَهْرًا۔

ابوالزبیرؒ نے جابر بن عبداللہؓ سے ہدی پہ سوار ہونے کے متعلق پوچھا تو جابرؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جب تک سواری نہ ملے اور تو مجبور ہو تو معروف طریقے سے اس پہ سوار ہو جا (مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: معروف کے ساتھ سوار ہونے کا یہ مطلب یہ ہے کہ مبادا تیری سواری سے ہدی کو نقصان پہنچے۔ شوکانی نے کہا کہ اس باب کی احادیث ہدی پہ سوار ہونے کے جواز پہ دلالت کرتی ہیں چاہے وہ نفلی ہو یا وجوبی۔ یہی عروہ بن زبیر کا قول ہے اور بقول ابن المنذر احمد، اسحاق اور ظاہریہ کا یہی مسلک ہے۔ اور ابن عبدالبر نے شافعی، مالک اور ابوحنیفہ سے اس کی کراہت نقل کی ہے، یعنی اگر بلا ضرورت ہدی پہ سواری کی جائے۔ اور اکثر فقہا کا یہی مسلک ہے۔ ترمذی نے اسے احمد، اسحاق اور شافعی سے نقل کیا ہے۔ اور بعض حنفیہ نے جواز کو اضطرار کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اگر ہدی کا نقصان ہو تو ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اس کی ضمان ہوگی اور یہی شافعی سے منقول ہے۔ ابن عبدالبر نے بعض اہل ظاہر سے امر کے باعث سواری کا وجوب نقل کیا ہے تاکہ زمانۂ جاہلیت میں جو بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کا رواج تھا اس کی مخالفت ہو۔

الجزء الحادی عشر

باب ۱۹ الْهَدْيِ إِذَا عَطِبَ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ

(باب۔ جب ہدی مقام ذبح پہ پہنچنے سے قبل تھک جائے)

۱۷۶۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ نَاجِيَةَ الْأَسْلَمِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بِهَدْيٍ فَقَالَ إِنْ عَطِبَ مِنْهَا شَيْءٌ فَانْحَرْهُ ثُمَّ اصْبُغْ نَعْلَهُ فِي دَمِهِ ثُمَّ خَلِّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ۔

ناجیہ اسلمی رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ ہدی کو بھیجا اور فرمایا: اگر ان میں سے کوئی جانور درماندہ ہو جائے تو اسے نحر کر دینا پھر اس کے پیر کو اس کے خون سے رنگ دینا پھر اسے لوگوں کی خاطر چھوڑ دینا (ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے.)

شرح: ناجیہ اسلمی رضہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس قربانی کے اونٹ دے کر صلح حدیبیہ سے قبل بھیجا تھا. اس حدیث کو واقدی نے مفصل بیان کیا ہے اور اس کی روایت میں ہے کہ ہدی میں ایک اونٹ درماندہ ہو گیا تو میں مقام ابواء میں حضور ص کی خدمت میں حاضر ہوا اور حقیقتِ حال گوش گذار کی۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اسے نحر کر دو، اس کے قلادوں کو اس کے خون سے آلودہ کر دو اور تم یا تمہارے ساتھی اس میں سے کچھ نہ کھائیں اور دوسرے لوگوں کے لیے اسے چھوڑ دو اسے جانور کا گوشت اغنیاء کے علاوہ اور لیے جانے والے کے علاوہ اور سب لوگ کھا سکتے ہیں۔

۱۷۶۳- حدثنا سليمان بن حرب ومسدد قال نا حماد ح ونا مسدد نا عبد الوارث وهذا حديث مسدد عن أبي التياح عن موسى بن سلمة عن ابن عباس قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم فلانا الأسلمي وبعث معه بثمان عشرة بدنة فقال أرأيت إن أزحف علي منها شيء قال تنحرها ثم تصبغ نعلها في دمها ثم اضربها على صفحتها ولا تأكل منها أنت ولا أحد من أصحابك أو قال من أهل رفقتك وقال في حديث عبد الوارث ثم اجعله على صفحتها مكان اضربها قال أبو داود سمعت أبا سلمة يقول إذا أقمت الإسناد والمعنى كفاك۔

ابن عباس رضہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں اسلمی کو (ناجیہ اسلمی رضہ کو) بھیجا اور اس کے ساتھ اٹھارہ اونٹ بھیجے۔ ناجیہ نے کہا کہ یہ فرمائیے اگر ان میں سے کوئی چلنے سے رہ جائے (تو کیا کروں؟) حضور ص نے فرمایا: تو اسے ذبح کر دیجیو پھر اس کے پیر کو اس کے خون سے رنگ دیجیو۔ پھر اس خون آلود پیر کو اس کی کوہان پہ مارنا اور اس کو تو یا تیرے ساتھیوں میں سے کچھ نہ کھانا، یا فرمایا: تیرے رفیقوں اور ہم سفروں میں سے۔ اور عبدالوارث کی روایت میں ہے کہ اسے اس کی کوہان پہ رکھ دینا، یعنی اضربہا کے بجائے یہ لفظ فرمایا. اس حدیث کو مسلم، نسائی اور احمد نے روایت کیا)

شرح: نووی اور خطابی نے کہا ہے کہ ناجیہ اور اس کے ہم قافلہ لوگوں کو کھانے سے اس لیے منع فرمایا کہ مبادا گوشت کھانے کی غرض سے وہ کسی جانور کو خود تھکا دیں یا تھک جانے کے بہانے ذبح کر دیں یا ایسا نہ ہو تو کسی کے دل میں خواہ مخواہ ان کے خلاف یہ خیال پیدا ہو جائے کہ سب انہی کا کیا دھرا تھا۔ قاری نے کہا کہ نہی کا باعث یہ تھا کہ وہ لوگ غنی تھے۔ یہ جانور اگر حرم تک پہنچ کر درماندہ ہو تو اسے ذبح کر کے سب لوگ کھا سکتے ہیں. راستے میں تھک کر رہ جانے والے جانور کے نعل کو رنگنے کا فائدہ یہ تھا کہ محتاج لوگ اسے قربانی جان کر اس کا گوشت کھالیں۔

۱۷۶۴ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ نَا مُحَمَّدٌ وَيَعْلَى ابْنَا عُبَيْدٍ قَالَا نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنِ ابْنِ أَبِي نُجَيْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا نَحَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُدْنَهُ فَنَحَرَ ثَلٰثِينَ بِيَدِهِ وَأَمَرَنِي فَنَحَرْتُ سَائِرَهَا۔

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانیوں کو ذبح کیا تو تیس کو اپنے دست مبارک سے ذبح فرمایا اور باقی کو آپ کے حکم سے میں نے ذبح کیا تھا (اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جس پر گفتگو ہو چکی ہے)

شرح: یہ حجۃ الوداع کا قصہ ہے۔ عنقریب جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث آئے گی جس میں حضور کے اپنے ہاتھ سے ۶۳ اونٹوں کو ذبح کرنے کا ذکر ہے اور وہی صحیح ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث محمد بن اسحاق کے باعث معلول ہے۔ اس روایت میں ابن اسحاق نے عَنْ کہہ کر روایت کی ہے اور وہ مدلس ہے۔

۱۷۶۵ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ وَمُسَدَّدٌ قَالَ نَا عِيسٰى وَهٰذَا لَفْظُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ لُحَيٍّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِي قَالَ قُرِّبَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ أَوْ سِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ إِلَيْهِ بِأَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ فَلَمَّا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا قَالَ فَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَّةٍ لَمْ أَفْهَمْهَا فَقُلْتُ مَا قَالَ قَالَ مَنْ شَاءَ اقْتَطَعَ۔

عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا دن قربانیوں کا دن (۱۰ ذی الحجہ) ہے پھر قرار کا دن (۱۱ ذی الحجہ) اور وہ دوسرا دن ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پانچ یا چھ اونٹ کیے گئے۔ پس وہ حضور سے قریب ہونے لگے کہ آپ پہلے کس کو ذبح کرتے ہیں، پھر جب ان کے پہلو زمین پر گر گئے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نے ایک آہستہ بات فرمائی جسے میں نہ سمجھ سکا پس میں نے (لوگوں سے) کہا کہ آپ نے کیا فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا تھا کہ جو چاہے گوشت کاٹ لے (منذری نے کہا کہ یہ حدیث امام نسائی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: عبداللہ رضؓ بن قرط کا نام زمانۂ جاہلیت میں شیطان تھا، حضورؐ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ حمص کے امیر رہے ہیں اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عجیب معجزہ مذکور ہے کہ اونٹ آپ کے دست مبارک سے قربان ہونا چاہتے اور ایک دوسرے پہ قربانی میں سبقت لے جانا چاہتے تھے۔

۱۷۶۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حَرْمَلَةَ بْنِ عِمْرَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ الْأَزْدِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُرْفَةَ ابْنَ الْحَارِثِ الْكِنْدِيَّ قَالَ شَهِدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَأُتِيَ بِالْبُدْنِ فَقَالَ ادْعُوا لِي أَبَا الْحَسَنِ فَدُعِيَ لَهُ عَلِيٌّ فَقَالَ لَهُ خُذْ بِأَسْفَلِ الْحَرْبَةِ وَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَعْلَاهَا ثُمَّ طَعَنَا بِهَا الْبُدْنَ فَلَمَّا فَرَغَ رَكِبَ بَغْلَتَهُ وَأَرْدَفَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

عُرفہ بن حارث رضؓ کندی نے کہا کہ میں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا، قربانی کے اونٹ لائے گئے تو آپ نے فرمایا میرے لیے ابوالحسن (علی رضؓ) کو بلاؤ۔ پس علی رضؓ کو بلایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حربہ کی نچلی طرف کو پکڑ لے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اوپر کا حصہ پکڑا پھر اس کے ساتھ دونوں نے قربانی کے اونٹوں کو (نحر میں) زخمی کیا۔ پھر جب فارغ ہوئے تو اپنی خچر پہ سوار ہو گئے اور علی رضؓ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علی رضؓ چونکہ ہدی میں شریک تھے لہذا انہیں نحر میں بھی شریک کیا گیا۔ یہ حدیث بہت مختصر ہے طویل حدیثوں میں یہ تفصیل بھی ہے کہ حضورؐ نے کتنے اونٹ ذبح کیے تھے اور پھر بقیہ علی رضؓ کے کس قدر۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر اونٹ کے نحر کا یہ طریقہ تو اختیار نہیں کیا گیا جو مذکور ہے غالباً نحر کی ابتدا اس طرح ہوئی ہوگی)

بَابُ كَيْفَ تُنْحَرُ الْبُدْنُ

(اونٹوں کے نحر کی کیفیت کا باب)

۱۷۶۷- حَدَّثَنَا عُثْمٰنُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَابِطٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ كَانُوا يَنْحَرُونَ الْبَدَنَةَ مَعْقُولَةَ الْيُسْرٰى قَائِمَةً عَلٰى مَا بَقِيَ مِنْ قَوَائِمِهَا۔

جابر رضہ سے روایت ہے اور عبدالرحمٰن بن سابط رہ نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اونٹوں کو اس طرح نحر کرتے تھے کہ ان کا بایاں ہاتھ باندھ دیتے اور باقی تین ٹانگوں پر کھڑے کھڑے انہیں نحر کرتے تھے (ابوداؤد نے ایک ہی سند میں اس حدیث کی مرفوع اور مرسل روایت کو جمع کر دیا ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن سابط تابعی ہے)

شرح: شوکانی نے نیل الاوطار میں یہ لکھ کر کہ: اونٹ بیٹھا یا کھڑا، اس کا نحر دونوں صورتوں میں فضیلت میں برابر ہے، یہ حنفیہ کا مسلک ہے، شوکانی نے یہ تأثر دیا ہے کہ حنفیہ کا مسلک اس مسئلہ میں خلاف سنت ہے۔ مولانا رہ نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ حنفیہ کا اصل مذہب اونٹ میں نحر ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ اونٹ میں نحر مستحب ہے اور گائے اور بھیڑ بکری میں ذبح۔ غلط فہمی جو پیدا ہوئی وہ اس قصے سے تھی کہ امام ابوحنیفہ رہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اونٹ کو کھڑے کھڑے نحر کیا تو وہ بھڑک اٹھا اور قریب تھا کہ کچھ لوگوں کو مار ڈالے، اس سے میں نے سمجھا کہ اونٹ کو بٹھا کر اور باندھ کر نحر کروں۔ پس ابوحنیفہ رہ نے جو کچھ کیا وہ ضرورت کے لیے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امر میں یہ خصوصیت تھی کہ اونٹ نحر ہونے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رہ کے ہاں بھی افضل یہی ہے کہ اونٹ کو کھڑے کھڑے نحر کیا جائے، باقی جو کچھ کیا تھا وہ ایک عذر سے ہوا۔ گویا اگر اونٹ کے بھڑکنے کا اندیشہ ہو تو اسے بٹھا کر نحر کرنا چاہیے ورنہ افضل پہلی صورت ہے۔

۱۷۶۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا هُشَيْمٌ أَنَا يُونُسُ أَخْبَرَنِي زِيَادُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمِنًى فَمَرَّ بِرَجُلٍ وَهُوَ يَنْحَرُ بَدَنَتَهُ وَهِيَ بَارِكَةٌ فَقَالَ ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

زیاد بن جبیر رہ نے کہا کہ میں منیٰ میں ابن عمر رضہ کے ساتھ تھا۔ وہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنا اونٹ بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ عبداللہ بن عمر رضہ نے فرمایا: اسے اٹھا اور باندھ کر کھڑے کھڑے نحر کر، یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے (بخاری، مسلم اور نسائی نے اسے روایت کیا ہے)

۱۷۶۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَنَا سُفْيَانُ يَعْنِي ابْنَ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيِّ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقُومَ عَلَى بُدْنِهِ وَأَقْسِمَ جُلُودَهَا وَجِلَالَهَا وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا شَيْئًا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيهِ مِنْ عِنْدِنَا۔

علی رضہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے قربانی کے اونٹوں (کی خدمت اور غور و پرداخت) پر کھڑا رہوں اور ان کے چمڑے اور جھولیں تقسیم کر دوں اور مجھے حکم دیا کہ قصاب کو ان میں سے کچھ نہ دوں اور فرمایا کہ ہم اسے اپنے پاس سے دیں گے (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح : اونٹوں پر کھڑے رہنے سے ایک تو یہ مراد ہو سکتی ہے کہ ان کی نگرانی کرنے کا حکم تھا کہ جب تک قربانی نہ ہوں ان کا پورا خیال رکھا جائے۔ اور دوسری یہ کہ بوقت نحر اور کھال وغیرہ اتارے جانے کے وقت خیال رکھیں۔ حدیث کے اگلے الفاظ سے دوسرا معنیٰ قریب تر ہے۔ چمڑے بانٹنے سے یہ مراد ہے کہ ان کا بھی صدقہ کیا جائے مع جھول وغیرہ ساز و سامان کے۔ اور یہ امر استحبابی ہے کیونکہ اسے دباغت کے بعد اپنے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ قصاب کو اس کے کام کی مزدوری الگ سے دی جائے نہ کہ گوشت میں سے۔ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ بطور اُجرت نہیں بلکہ بطور تصدق و ہدیہ اسے گوشت دیا جا سکتا ہے۔

بَابٌ ۲۵ فِي وَقْتِ الْإِحْرَامِ

(احرام کے وقت کا باب)

۱۷۷۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ نَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ نَا أَبِي عَنِ ابْنِ إِسْحٰقَ حَدَّثَنِي خُصَيْفُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجَزَرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ يَا أَبَا الْعَبَّاسِ عَجِبْتُ لِاخْتِلَافِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِهْلَالِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَوْجَبَ فَقَالَ إِنِّي لَأَعْلَمُ النَّاسِ بِذٰلِكَ وَإِنَّهَا إِنَّمَا كَانَتْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّةً وَّاحِدَةً فَمِنْ هُنَاكَ اخْتَلَفُوا خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَلَمَّا صَلّٰى فِي مَسْجِدِهٖ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْهِ أَوْجَبَ فِي مَجْلِسِهٖ فَأَهَلَّ بِالْحَجِّ حِينَ فَرَغَ مِنْ رَكْعَتَيْهِ فَسَمِعَ ذٰلِكَ مِنْهُ أَقْوَامٌ فَحَفِظْتُهُ عَنْهُ ثُمَّ رَكِبَ فَلَمَّا اسْتَقَلَّتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ أَهَلَّ وَأَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْهُ أَقْوَامٌ۔ وَذٰلِكَ أَنَّ النَّاسَ إِنَّمَا كَانُوا يَأْتُونَ أَرْسَالًا فَسَمِعُوهُ حِينَ اسْتَقَلَّتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ يُهِلُّ فَقَالُوا إِنَّمَا أَهَلَّ حِينَ اسْتَقَلَّتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ۔ ثُمَّ مَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا عَلَا عَلٰى شَرَفِ الْبَيْدَاءِ أَهَلَّ وَأَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْهُ أَقْوَامٌ فَقَالُوا إِنَّمَا أَهَلَّ حِينَ عَلَا عَلٰى شَرَفِ الْبَيْدَاءِ وَايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ أَوْجَبَ فِي مُصَلَّاهُ وَأَهَلَّ حِينَ اسْتَقَلَّتْ بِهٖ

نَاقَتُهُ وَاَهَلَّ حِيْنَ عَلٰى شَرَفِ الْبَيْدَاءِ قَالَ سَعِيْدٌ فَمَنْ اَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَهَلَّ فِىْ مُصَلَّاهُ اِذَا فَرَغَ مِنْ رَكْعَتَيْهِ۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضؓ سے کہا: اے ابوالعباس! (کنیت ہے)، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام باندھنے کے وقت میں تلبیہ کہنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے اختلاف سے حیران ہوں۔ تو ابن عباس رضؓ نے کہا کہ میں اس بات کو سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ہی بار حج کیا تھا (بعد از فرضیت) یہی سبب ہے کہ لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو نکلے تو ذوالحلیفہ میں اپنی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی۔ اسی مجلس میں آپؐ نے احرام باندھا اور دو رکعت نماز سے فارغ ہوکر تلبیہ کہا۔ بہت سے لوگوں نے یہ تلبیہ سُنا اور میں نے یہ بات یاد رکھ لی۔ پھر آپ اونٹنی پر سوار ہوئے جب آپ کو اونٹنی لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تو آپؐ نے پھر تلبیہ کہا اور کچھ لوگوں نے اس وقت سُنا۔ اور یہ اس لیے کہ لوگ جوق در جوق چلے آتے تھے، انہوں نے آپؐ سے تلبیہ اس وقت سُنا جب کہ اونٹنی آپؐ کو لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی، یہی سبب ہے کہ لوگوں نے کہا کہ آپؐ نے تلبیہ اس وقت کہا جب اونٹنی سیدھی کھڑی ہوگئی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے، پس جب بیداء کی بلندی پر چڑھے تو تلبیہ کہا اور کچھ لوگوں نے اس وقت سُنا لہٰذا انہوں نے کہا کہ آپؐ نے تلبیہ اس وقت کہا جبکہ بیداء کی اونچائی پر چڑھے تھے، اور خدا کی قسم آپؐ نے تو احرام نماز کی جگہ پر ہی باندھ لیا تھا اور اس وقت بھی تلبیہ کہا جب اونٹنی سیدھی کھڑی ہوئی اور اس وقت بھی تلبیہ کہا جب بیداء کی بلندی پر چڑھے تھے۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ جن لوگوں نے احرام باندھنے میں ابن عباس رضؓ کا قول لیا وہ دو رکعت نماز سے فارغ ہوکر مصلی پر ہی تلبیہ پڑھتے ہیں (منذری نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق اور خصیف بن عبدالرحمن حرانی ہے اور یہ حدیث امام احمد نے بھی روایت کی ہے۔ شیخ شاکر نے کہا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے کیونکہ ابن اسحاق مدلس ہے مگر اس حدیث میں اس نے حدثنی کہا ہے اور وہ ثقہ ہے اور جن لوگوں نے خصیف کو ضعیف کہا ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، وہ ثقہ ہے۔

شرح: مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کا احرام کے وقت کے بارے میں یہی مسلک ہے۔ مزید یہ کہ احرام کے لیے مستقلاً دو رکعت نماز ادا کرنی ان کے نزدیک مسنون ہے، اگر فریضہ ادا کرکے احرام باندھے تو جائز ہے مگر ترکِ سنت کے باعث خلافِ اولیٰ ہے۔ رکعاتِ احرام کا سلام کہتے ہی قبلہ رُخ تلبیہ کہنا مسنون ہے۔

۱۷۷۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ قَالَ بَيْدَاءُكُمْ هٰذِهِ الَّتِىْ تَكْذِبُوْنَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا مَا اَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ يَعْنِىْ مَسْجِدَ ذِى الْحُلَيْفَةِ۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ: یہ ہے تمہارا مقام بیداء جس کے بارے میں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط بات کہتے ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ مسجد ذو الحلیفہ کے پاس کہا تھا (باقی صحاح خمسہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

شرح: ابن عمر رضہ کے قول میں کذب سے مراد یہ نہیں کہ لوگ معاذ اللہ عمداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بات غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ لوگوں کو علم نہ تھا اس لیے انہوں نے یہ بات کہی۔ عربی زبان میں خلاف واقعہ بات کو کذب کہتے ہیں گو کہنے والا لاعلمی سے کہے۔ مسجد سے مراد یہ نہیں کہ وہاں پہلے سے کوئی مسجد تھی، بلکہ حضور کی نماز کی جگہ مراد ہے۔

۱۷۷۲۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعًا لَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا قَالَ مَا هُنَّ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ قَالَ رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَرَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَرَأَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ وَرَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ۔ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ أَمَّا الْأَرْكَانُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعْرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا۔ وَأَمَّا الصُّفْرَةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَصْبُغَ بِهَا وَأَمَّا الْإِهْلَالُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ۔

عُبید بن جریج نے عبداللہ رضہ بن عمر سے کہا اے ابوعبد الرحمٰن! میں نے آپ کو چار ایسے کام کرتے دیکھا ہے جو آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔ ابن عمر رضہ نے فرمایا: اے ابن جریج وہ کون سے کام ہیں؟ اس نے کہا کہ میں نے آپ کو (بیت اللہ کے) ارکان میں سے صرف دو یمانی رکنوں (رکن یمانی اور رکن حجر) کو مس کرتے دیکھا ہے اور میں نے آپ کو سبتی جوتے پہنے ہوئے دیکھا ہے، اور میں نے آپ کو زرد رنگ کا خضاب لگائے ہوئے دیکھا ہے۔ اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ جب آپ مکہ میں ہوں تو اور لوگ تو ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی احرام باندھ لیتے ہیں اور آپ آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھتے ہیں۔ پس عبداللہ بن عمر رضہ نے کہا کہ جہاں تک ارکان کا سوال ہے میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف یمانی ارکان کو مس کرتے دیکھا، اور جہاں تک سبتی جوتی کا تعلق ہے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جوتے پہنتے دیکھا تھا جن میں بال نہ تھے اور آپ انہیں میں وضو فرما لیتے تھے، پس میں بھی انہی کو پہننا پسند کرتا ہوں۔ جہاں تک زرد خضاب کا تعلق ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رنگ سے خضاب کرتے دیکھا تھا لہذا مجھے بھی یہی پسند ہے، اور جہاں تک تلبیہ کا تعلق ہے، سو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اسی وقت تلبیہ پڑھتے دیکھا تھا جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر اٹھی تھی۔ (بخاری نے یہ حدیث مطوّل اور مختصر کتاب الطہارۃ، کتاب اللباس اور کتاب الحج میں مسلم نے کتاب الحج میں، اور نسائی نے کتاب الطہارۃ میں اور کتاب الزینہ اور کتاب الحج میں، اور ابن ماجہ نے لباس اور حج میں، مالک نے مؤطا میں اور ترمذی نے شمائل اور حج میں بیان کی ہے۔)

شرح: سبتی جوتوں سے مراد کمائے ہوئے چمڑے کے جوتے ہیں جن پر بال نہ رہے ہوں۔ بعض صحابہ مثلاً ابن زبیر رض اور معاویہ رض بیت اللہ کے تمام ارکان کو استلام کرتے اور کہتے تھے کہ بیت اللہ میں سے کوئی جگہ چھوڑنی نہ چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو شامی کونوں کو اس لیے نہ چھوتے تھے کہ کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر استوار نہیں کیا گیا۔ مگر عبداللہ بن زبیر رض اور ان کا بھائی عروہ رح بھی سب ارکان کو مس کرتے تھے۔ کعبہ کے چار ارکان ہیں، رکن یمانی، رکن حجر اسود، رکن شامی اور رکن عراقی۔ حدیث میں تغلیباً "دو یمانی ارکان"، کا لفظ بولا گیا ہے۔ حجر اسود کے رکن کو دو فضیلتیں حاصل ہیں: ایک اس میں حجر اسود کا ہونا اور دوسرے قواعد ابراہیمی پر ہونا۔ رکن یمانی کو صرف دوسری فضیلت حاصل ہے، یہی سبب ہے کہ پہلے کا بوسہ لیا جاتا ہے اور دوسرے کو مس کیا جاتا ہے۔ ان دو کے علاوہ کسی رکن کا بوسہ یا استلام نہیں ہوتا۔ اہلال میں ابن عمر رض کا استدلال یہ تھا کہ اہل مکہ چونکہ صرف آٹھویں تاریخ کو حج کے لیے سوار ہوتے ہیں لہذا میں اسی دن تلبیہ کہتا ہوں۔

۱۷۷۳- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ بَاتَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ حَتّٰى اَصْبَحَ فَلَمَّا رَكِبَ رَاحِلَتَهٗ وَاسْتَوَتْ بِهٖ اَهَلَّ۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر مدینہ میں چار رکعت پڑھی اور نماز عصر ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔ پھر آپ نے ذوالحلیفہ میں رات گزاری حتیٰ کہ دوسری صبح جب ظہر کے بعد سواری پر سوار ہوئے اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو تلبیہ کہا (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے مگر وہ مختصر ہے اور اس میں شب بسری کا ذکر نہیں)

۱۷۷۴- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ ثَنَا رَوْحٌ ثَنَا اَشْعَثُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهٗ

فَلَمَّا عَلَا جَبَلَ الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کی پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے پھر جب آپ بیداء کے پہاڑ پر چڑھے تھے تو تلبیہ کہا (یہ حدیث سنن نسائی میں بھی ہے (تلبیہ اور اہلال میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور خود انس رضی اللہ عنہ کی دیگر احادیث کو بھی ذہن میں رکھیے۔)

۱۷۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا وَهْبٌ يَعْنِي ابْنَ جَرِيرٍ نَا اَبِي قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْحٰقَ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ قَالَتْ قَالَ سَعْدٌ كَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَخَذَ طَرِيقَ الْفُرْعِ اَهَلَّ اِذَا اسْتَقَلَّتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ وَاِذَا اَخَذَ طَرِيقَ اُحُدٍ اَهَلَّ اِذَا اَشْرَفَ عَلَى جَبَلِ الْبَيْدَاءِ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فرع کا راستہ اختیار فرماتے تو تلبیہ کہتے جبکہ سواری آپ کو لے کر اٹھتی۔ اور جب احد کا راستہ کرتے تو بیداء کے پہاڑ پر چڑھ کر تلبیہ کہتے تھے (فرع مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی کا نام ہے جو اپنے چشموں اور سرسبزی و شادابی کے باعث مشہور رہے)

بَابُ ۲۶ الْاِشْتِرَاطِ فِي الْحَجِّ

(حج میں شرط رکھنے کا باب)

۱۷۷۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ ضُبَاعَةَ بِنْتَ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنِّي اُرِيدُ الْحَجَّ اَشْتَرِطُ؟ قَالَ نَعَمْ۔ قَالَتْ فَكَيْفَ اَقُولُ قَالَ قُولِي لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَمَحِلِّي مِنَ الْاَرْضِ حَيْثُ حَبَسْتَنِي۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ضباعہ رضی اللہ عنہا بنت زبیر بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا یا رسول اللہ میں حج کرنا چاہتی ہوں، کیا شرط لگاؤں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا کہ میں کیوں کر کہوں (فرمایا تو کہہ: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَمَحِلِّي مِنَ الْاَرْضِ حَيْثُ حَبَسْتَنِي۔ حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں اور میں احرام وہاں کھولوں گی

جہاں تو مجھے روک دے گا۔ یہ حدیث مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی روایت کی ہے اور بخاری مسلم اور نسائی نے اسے عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے۔

شرح: ضباعہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی بیٹی یعنی آپ کی چچا زاد بہن تھیں آپ کے متعدد چچاؤں میں سے صرف دو کا ایمان ثابت ہوا ہے، حمزہ رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ۔ خطابی نے کہا ہے کہ اشتراط فی الحج میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ یہ صرف ضباعہ رضی اللہ عنہا سے مخصوص تھا، ممکن ہے انہیں کوئی مرض ہو یا ایسی حالت ہو کہ راہ میں رک جانے کا ظن غالب ہو لہٰذا انہوں نے پہلے سے شرط کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ ورنہ اس شرط کا کوئی فائدہ بظاہر نظر نہیں آتا کیونکہ احصار کی صورت میں تو وہ حاجی بھی رک سکتا ہے جس نے شرط نہ لگائی ہو۔ بعض نے حج میں شرط لگانے کا اثبات کیا اور کہا احصار صرف دشمن کے روک دینے سے ہوتا ہے، اور مرض یا کوئی اور رکاوٹ ہو تو حاجی احرام نہیں کھول سکتا، اگر مرض وغیرہ کی صورت میں یہ جائز ہوتا تو ضباعہ رضی اللہ عنہا اس شرط کی محتاج نہ ہوتیں۔ اس قول کے قائل ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، شافعی، احمد، اسحاق ہیں۔ اور فقہائے عراق نے کہا ہے کہ احصار کے واقع ہونے میں دشمن اور مرض وغیرہ کا کوئی فرق نہیں ہے، سفیان ثوری کا مشہور قول ہے: اَلْاِحْصَارُ بِالْكَسْرِ وَالْمَرَضِ وَالْخَوْفِ۔ خطابی نے کہا کہ: وَمَحِلِّي مِنَ الْاَرْضِ حَيْثُ حَبَسْتَنِي کا قول اس بات کی دلیل ہے محصر جہاں رک جانے پر مجبور ہو وہیں احرام کھول دے گا چاہے حل میں ہو یا حرم میں، اور وہیں قربانی ذبح کرے گا۔ حدیبیہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کیا تھا۔ اور فقہائے عراق نے کہا ہے کہ احصار کا جانور صرف حرم میں ذبح کیا جا سکتا ہے۔ محصر اپنے احرام پر باقی رہے گا، اپنی ہدی بھیج دے گا اور اُن سے وقت مقرر کرے گا کہ فلاں دن میری قربانی حرم میں ذبح کی جائے۔ جب وہ وقت آئے تو وہ احرام کھول دے گا۔

مولانا نے فرمایا کہ ضباعہ رضی اللہ عنہا بنت زبیر زوجہ مقداد رضی اللہ عنہ بن الاسود کا قصہ بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضباعہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا: شاید تو نے حج کا ارادہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں تو بیمار ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ حج کر اور شرط کر لے کہ اللہ مجھے تو جہاں پر روک دے گا میرے حلال ہونے کی جگہ وہی ہوگی۔ علامہ علی القاری نے کہا کہ اشتراط کا یہ مطلب ہے کہ میں جہاں پر مریض ہو جاؤں اور سفر حج کو جاری نہ رکھ سکوں میں وہیں پر احرام کھول سکوں۔ جن لوگوں نے کہا کہ مرض باعث احصار نہیں ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر مرض باعث احصار ہوتا تو اس اشتراط کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ مرض بھی باعث احصار ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ یہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، انہوں نے حجاج بن عمرو انصاری کی آئندہ حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ اشتراط کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں ہے؟ پس ہمارے نزدیک اشتراط اور عدم اشتراط برابر ہے کیونکہ جب رکاوٹ آ ہی گئی تو اشتراط ہو یا نہ ہو بہر صورت رکنا پڑتا ہے۔ علامہ طیبی نے اس اشتراط کے حکم کو ضباعہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔ اور دوسری روایات سے اشتراط کے بغیر بھی تحلل ثابت ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضباعہ رضی اللہ عنہا کی تسکین قلب اور دلجوئی کی خاطر ایسا فرمایا ہوگا کیونکہ بیمار آدمی مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابٌ فِي إِفْرَادِ الْحَجِّ

(حج کے افراد کا باب)

۱۷۷۷۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْرَدَ الْحَجَّ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفرد حج کیا تھا (مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے متعلق احادیث میں اختلاف ہے کہ آیا آپ نے حج مفرد کیا تھا یا قران یا تمتع؟ اس مسئلے نے علماء کو بھی کافی پریشان کیا ہے۔ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ علامہ خطابی نے معالم السنن میں فرمایا ہے کہ اس بات پر امت میں کوئی اختلاف نہیں کہ حج کا افراد، قران اور تمتع سب جائز ہیں۔ اختلاف صرف افضلیت میں ہوا ہے، سو امام مالک اور شافعی نے افراد کو افضل کہا اور حنفیہ اور ثوری نے قران کو۔ احمد بن حنبل کے نزدیک تمتع افضل ہے۔ ان سب کے پاس اپنے مذاہب کے دلائل حدیث سے موجود ہیں اور امام ابو داؤد نے ان مختلف احادیث کو اجمال کے ساتھ اور کبھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن جاہلوں کی ایک جماعت اور ملحدوں کے ایک گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر ان کے راویوں پر اور ائمہ حدیث پر طعن کرتے ہوئے کہا کہ قیام اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک حج کیا تھا، پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اس حج میں مفرد بھی ہوں، قارن بھی ہوں اور متمتع بھی؟ حالانکہ ان تینوں اقسام کی عبادات اور احکام مختلف ہیں اور ان احادیث کی سندیں اہل روایت اور ائمہ حدیث کے نزدیک جید اور صحیح ہیں؟ اس کے باوجود ان احادیث میں یہ اختلاف اور یہ تناقض کیونکر واقع ہو گیا ہے؟ اس اعتراض سے انکی مراد یہ ہے کہ دراصل حدیث اور اس کے راوی دفاضل سب ناقابل اعتبار ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ اختلاف الحدیث میں اس کا کافی وشافی جواب بڑی تفصیل سے دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی زبان میں فعل کی نسبت جس طرح فاعل کی طرف ہوتی ہے اسی طرح بعض دفعہ آمر کی طرف بھی ہوتی ہے مثلاً تم کہو گے کہ: فلاں نے گھر بنایا، حالانکہ بنانے والے معمار اور مزدور تھے مگر یہ نسبت حکم دینے والے اور بنوانے والے کی طرف صحیح ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اسلمی کو رجم کیا اور صفوان رضی اللہ عنہ کی چادر چرانے والے کا ہاتھ کاٹا، حالانکہ فعل رجم وقطع میں حضور موجود نہ تھے، آپ نے یہ کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بعض مفرد تھے، بعض قارن اور بعض متمتع ان میں سے ہر ایک اعمال حج کو آپ سے سیکھتا تھا اور آپ کے احکام پر عمل کرتا تھا۔ اس سبب سے ان تمام کے افعال کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے۔ ہر ایک نے سچ کہا اور ہر ایک کی روایت برحق ہے۔ امام خطابی نے کہا کہ اختلاف روایت کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے مجمع میں (جس کی تعداد

ایک لاکر سے اوپر تھی!) کسی نے حضورؐ کا پورا تلبیہ سُنا ہو تو کہا ہو کہ آپ نے حج وعمرہ دونوں الفاظ بولے تھے، اور کسی پر عمرہ کا لفظ مخفی رہ گیا ہو تو اس نے کہا ہو کہ آپؐ نے صرف حج کا تلبیہ کہا تھا۔ ان دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ تناقض تب ہوتا جبکہ ایک کا اضافہ دوسرے کے برخلاف ہوتا۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپؐ نے کسی قارن کو حج وعمرہ دونوں کے اکٹھے تلبیہ کی تلقین فرمائی، کسی کو جو مفرد تھا صرف حج کے تلبیہ کی تلقین ہوئی اور جو متمتع تھے انہیں صرف عمرہ کے تلبیہ کی تلقین فرمائی ہو۔ اس میں کوئی تناقض اور تدافع کی صورت نہیں پائی جاتی۔

نووی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بارے میں علماء کے تین مختلف اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حج مفرد کیا، دوسرا یہ کہ آپ نے تمتع کیا اور تیسرا یہ کہ آپؐ نے قران کیا تھا۔ ہر ایک نے ایک صورت کو ترجیح دی ہے اور اس کے دلائل پیش کیے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل مُفرد تھے پھر اس کے بعد آپ نے عمرہ کا بھی احرام باندھا اور عمرہ کو حج میں داخل کر کے قارن ہو گئے تھے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قران کے متعلق بارہ صحابہؓ سے صحیح روایات موجود ہیں اور ان میں تاویل کا احتمال نہیں ہے۔ ابن حزم ظاہری نے ان کو ایک ایک کر کے بیان کیا ہے۔ علمائے حنفیہ نے کہا ہے کہ اس طرح اس باب کی سب احادیث جمع ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو وہ اس بنیاد پر مبنی ہے کہ راوی نے آپ کو حج کا تلبیہ پڑھتے سُنا اور سمجھا کہ آپ مفرد تھے۔ اور افراد حج سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے کہ حج کی فرضیت کے بعد آپؐ نے صرف ایک ہی حج کیا تھا۔ تمتع کی حدیث کی بنیاد یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے آپ کو عمرہ کا تلبیہ پڑھتے سُن کر یہ کہہ دیا کہ آپؐ نے تمتع کیا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگوں نے تمتع کا لفظ بول کر قران مراد لیا ہو۔ اور جب دو عبادات اکٹھی ادا کی جائیں تو صرف ایک کا نام تلبیہ میں پکارنا جائز ہے۔ اور قدیم اطلاقات میں تمتع کو قران یا اس کے برخلاف بھی کہا جاتا تھا۔

۱۷۷۸۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح وَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ ح وَنَا مُوسٰى نَا وُهَيْبٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَافِينَ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ فَلَمَّا كَانَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ قَالَ مَنْ شَاءَ أَنْ يُهِلَّ بِحَجٍّ فَلْيُهِلَّ وَمَنْ شَاءَ أَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهِلَّ بِعُمْرَةٍ قَالَ مُوسٰى فِي حَدِيثِ وُهَيْبٍ فَإِنِّي لَوْلَا أَنِّي أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ وَقَالَ فِي حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ وَأَمَّا أَنَا فَأُهِلُّ بِالْحَجِّ فَإِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ۔ ثُمَّ اتَّفَقُوا، فَكُنْتُ فِيمَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ۔ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ حِضْتُ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي فَقَالَ مَا يُبْكِيكِ؟ قُلْتُ

وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ خَرَجْتُ الْعَامَ قَالَ ارْفُضِي عُمْرَتَكِ وَانْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي قَالَ مُوسَى وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ وَقَالَ سُلَيْمَانُ وَاصْنَعِي مَا يَصْنَعُ الْمُسْلِمُونَ فِي حَجِّهِمْ ۔ فَلَمَّا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ فَذَهَبَ بِهَا إِلَى التَّنْعِيمِ ۔ زَادَ مُوسَى فَأَهَلَّتْ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِهَا وَطَافَتْ بِالْبَيْتِ فَقَضَى اللَّهُ عُمْرَتَهَا وَحَجَّهَا ۔ قَالَ هِشَامٌ وَلَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ هَدْيٌ ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ زَادَ مُوسَى فِي حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ الْبَطْحَاءِ طَهُرَتْ عَائِشَةُ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم لوگ ذی الحجہ کے چاند کے طلوع سے کچھ دن پہلے مدینہ سے نکلے بس جب آپ ذوالحلیفہ میں پہنچے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو حج کا احرام باندھنا چاہے وہ باندھے اور جو عمرہ کا احرام باندھنا چاہے وہ باندھے، موسیٰ راوی نے وہیب کی حدیث میں کہا کہ (ارشاد فرمایا) اگر میں ہدی نہ بھیج چکا ہوتا تو عمرہ کا احرام باندھتا۔ اور حماد بن سلمہ کی حدیث میں کہا کہ (یہ فرمایا کہ) جہاں تک میرا تعلق ہے میں حج کا احرام باندھتا ہوں کیونکہ میرے ساتھ ہدی ہے، پھر سب راوی متفق ہو گئے (حضرت عائشہ رض نے فرمایا) میں ان لوگوں میں تھی جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ پس جب کچھ راستہ چلے تو مجھے ماہواری آگئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے درانحالیکہ میں رو رہی تھی، تو آپ نے فرمایا: تم کیوں روتی ہو؟ میں نے کہا کاش میں اس سال حج کے لیے نہ آتی۔ آپ نے فرمایا: اپنا عمرہ توڑ دو اور سر کے بال کھول دو اور کنگھی کر لو، موسیٰ نے کہا کہ (فرمایا) اور حج کا احرام باندھ لو، اور سلیمان نے کہا کہ: اور وہ سب کچھ کرو جو مسلمان اپنے حج میں کرتے ہیں۔ پھر جب واپسی کی رات تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن کو حکم دیا، وہ انہیں تنعیم کی طرف لے گئے، موسیٰ نے یہ اضافہ کیا کہ: پھر حضرت عائشہ رض نے اپنے عمرے کی جگہ پر عمرے کا احرام باندھا اور کعبۃ اللہ کا طواف کیا پس اللہ تعالیٰ نے ان کا حج اور عمرہ پورا کر دیا، ہشام نے کہا کہ اس سارے قصے میں کوئی ہدی نہ تھی۔ ابوداؤد نے کہا کہ موسیٰ نے حماد بن سلمہ کی حدیث میں یہ اضافہ کیا: پس جب محصب میں ٹھہرنے کی رات تھی تو عائشہ رضی اللہ عنہا پاک ہو گئیں (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔)

شرح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ ذی القعدہ کو مدینہ سے حج کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ آپ نے یہ جو فرمایا تھا کہ: میں حج کا احرام باندھتا ہوں کیوں کہ میرے ساتھ ہدی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ ادا کر کے جو شخص حلال ہونا چاہے اور اس کے ساتھ ہدی کے جانور ہوں تو وہ واپس نہیں کر سکتا۔ جب تک اعمالِ حج پورے نہ ہوں گے وہ حلال نہ ہو گا۔ قران اور افراد کی یہی صورت ہے، برخلاف تمتع کے۔ مولانا نے فرمایا کہ شاید آپ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب کہ دوسرے لوگوں کو حج کا احرام فسخ کر کے عمرہ کا ارادہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور حضور نے حضرت عائشہ صدیقہ رض سے جو فرمایا تھا

کہ کنگھی کر دو، اس کا مطلب صاف طور پر یہ تھا کہ عمرے کا احرام ترک کر دو، کنگھی کرنے سے سر کے بالوں کا نوچا جانا لازم تھا اور وہ احرام میں ممنوع ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضورؐ نے انہیں عمرہ کے احرام کو ترک کرنے کا حکم دیا تھا نہ کہ اس کے افعال کے ترک کرنے کا۔ اور یہ جو فرمایا کہ احرام باندھو، اس کا مطلب یہ تھا کہ حج کا احرام باندھ لو۔ تنعیم جہاں سے ام المؤمنینؓ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا یہ مکہ اور سرف کے درمیان مکہ سے دو فرسنگ پر حل میں واقع ایک مقام ہے جہاں سے اہل مکہ عمرہ کا احرام باندھتے ہیں اور وہاں مسجد عائشہؓ نامی ایک مسجد بھی ہے۔ ہشام کی روایت میں جو ہدی کی نفی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مفرد حج کیا تھا جس میں ہدی لازم نہیں۔ ہاں جیساکہ پہلے ایک حدیث میں گذرا حضورؐ نے ان کی طرف سے ایک گائے قربانی کی تھی جو عمرہ کا احرام ترک کرنے کے سبب سے واجب ہوئی تھی۔ لیلۃ البطحاء میں حضرت عائشہؓ کے طہر کی حدیث خود حضرت عائشہؓ کی طرف سے نہیں بلکہ راوی کا کلام ہے۔ قاسم اور عروہ جو حضرت عائشہؓ کا قریبی رشتہ دار اور شاگرد ہیں انہوں نے طہر یوم النحر میں بتایا ہے اور وہی صحیح ہے۔

۱۷۷۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ وَأَهَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ وَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ أَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ يَحِلُّوا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہؓ نے فرمایا کہ ہم لوگ حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا، بعض نے حج و عمرہ دونوں کا اور بعض نے حج کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا۔ لیکن جنہوں نے حج کا احرام باندھا یا حج و عمرہ کو جمع کیا وہ یوم النحر سے پہلے حلال نہ ہوئے (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: مولاناؒ نے فرمایا کہ حج مفرد کا احرام باندھنے والے جن کے ساتھ ہدی تھی انہوں نے تو احرام نہیں کھولا مگر دوسروں کو حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ اسے فسخ کر کے صرف عمرہ کا احرام باندھ لیں۔ یہ احادیث میں ثابت ہے۔

۱۷۸۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ بِإِسْنَادِهِ مِثْلَهُ زَادَ فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَأَحَلَّ۔

ابن وہب نے مالک کی اوپر کی حدیث اسی سند اور معنی میں بیان کی ہے اور یہ لفظ زاید ہے کہ: جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ حلال ہو گئے (احرام کھول دیا)

۱۷۸۱- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَأَهْلَلْنَا بِعُمْرَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتَّى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا فَقَدِمْتُ مَكَّةَ وَأَنَا حَائِضٌ وَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَشَكَوْتُ ذٰلِكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ انْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ وَدَعِي الْعُمْرَةَ قَالَتْ فَفَعَلْتُ فَلَمَّا قَضَيْنَا الْحَجَّ أَرْسَلَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ إِلَى التَّنْعِيمِ فَاعْتَمَرْتُ فَقَالَ هٰذِهِ مَكَانُ عُمْرَتِكِ قَالَتْ فَطَافَ الَّذِينَ أَهَلُّوا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلُّوا ثُمَّ طَافُوا طَوَافًا آخَرَ بَعْدَ أَنْ رَجَعُوا مِنْ مِنًى لِحَجِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَانُوا جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَإِنَّمَا طَافُوا طَوَافًا وَاحِدًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے سال نکلے اور ہم نے عمرہ کا احرام باندھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس ہدی ہے وہ حج اور عمرہ کا احرام باندھے اور پھر دونوں کا احرام اکٹھا کرے (یعنی یوم النحر میں) پس میں مکہ آئی تو حیض کی حالت میں تھی اور میں نے نہ بیت اللہ کا طواف کیا اور نہ صفا و مروہ میں سعی کی۔ پس میں نے اس بات کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنا سر کھول دو اور کنگھی کر لو اور حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ ترک کر دو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب ہم نے حج ختم کر لیا تو مجھے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تنعیم کی طرف بھیجا، پس میں نے عمرہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا: یہ تیرے اس ترک کردہ عمرہ کی جگہ پر ہے۔ جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی درمیانی سعی کی پھر احرام کھول دیا۔ پھر انہوں نے منیٰ سے واپسی پر اپنے حج کے لیے ایک طواف کیا۔ لیکن جن لوگوں نے حج اور عمرہ کو جمع کیا تھا انہوں نے ایک ہی طواف کیا۔ ابوداؤد نے کہا اس حدیث کو ابراہیم بن سعد اور معمر نے ابن شہاب سے اسی طرح روایت کیا اور ان لوگوں کے طواف کا ذکر نہ کیا جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور ان لوگوں کے طواف کا بھی ذکر نہ کیا جنہوں نے حج اور عمرہ کو جمع کیا تھا۔

شرح: حیض و نفاس میں اور سعی جائز نہیں۔ طواف مسجد حرام کے اندر ہوتا ہے اور حائض کے لیے دخول مسجد جائز نہیں

اگر کوئی مسجد حرام کے باہر سے طواف کرے اور اس کے اور کعبہ کے درمیان دیواریں حائل ہوں تو جائز نہیں۔ لیکن اگر دیواریں منہدم ہوگئی ہوں تب بھی عامہ علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ طواف کے جواز کی دو شرطیں ہیں: پہلی اس کا مسجد حرام کے اندر ہونا اور دوسری طہارت۔ اور چونکہ صفا اور مروہ کی سعی کی صحت بیت اللہ کے طواف پر موقوف ہے لہذا قبل از طواف یا بعد از طواف سعی حیض و نفاس اور جنابت میں جائز نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو سر کے بال کھولنے اور کنگھی کرنے کا حکم دیا تھا یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ان سے عمرہ تڑوا دیا گیا تھا اور یہ کہ عمرہ کے افعال حج کے افعال میں داخل نہیں ہو سکتے، حضرات شافعیہ کے نزدیک ہو سکتے ہیں۔ اور اس حدیث میں حضور ؐ کا یہ قول کہ: یہ عمرہ تیرے اس عمرہ کی جگہ پر ہے۔ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ پہلا عمرہ فسخ ہوا تھا اور اس کی بجائے دوسرا واقع ہوا تھا۔

اس حدیث میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ قارن کے لیے ایک ہی طواف کافی ہے اور شافعی، مالک اور احمد وغیرہم کا یہی قول ہے۔ مگر اوزاعی شعبی، نخعی، مجاہد، ابن ابی لیلیٰ وغیرھم اور ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ قارن دو طواف کریگا اور دو بار سعی کرے گا۔ اور یہ قول حضرات عمر رض، علی رض، حسن رض، حسین رض، ابن مسعود رض، علقمہ رض اور اسودؒ سے منقول ہے۔ اور ابن مسعود رض کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے دو طواف کیے تھے اور دو بار سعی کی تھی۔ مگر عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب یہ کہ قارن ایک ہی طواف کرتا ہے۔ اختلاف کا باعث یہی ہے کہ اس حج میں مجمع کثیر تھا لہذا جن لوگوں نے پہلا طواف نہیں دیکھا صرف دوسرا دیکھا تھا انہوں نے ایک کی روایت کی۔ اور جنہوں نے دونوں طواف وسعی دیکھے انہوں نے دو کی روایت کی ہے۔ اور مثبت نافی کی نسبت اولی ہے لہذا دو طواف اور دو سعی کی روایت ہی اولی ہے۔

۱۷۸۲- حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لَبَّيْنَا بِالْحَجِّ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي فَقَالَ مَا يُبْكِيكِ يَا عَائِشَةُ فَقُلْتُ حِضْتُ لَيْتَنِي لَمْ أَكُنْ حَجَجْتُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّمَا ذٰلِكَ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ فَقَالَ أُنْسُكِي الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ فَلَمَّا دَخَلْنَا مَكَّةَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَاءَ أَنْ يَجْعَلَهَا عُمْرَةً فَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ قَالَتْ وَذَبَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهِ الْبَقَرَ يَوْمَ النَّحْرِ فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ الْبَطْحَاءِ وَطَهُرَتْ عَائِشَةُ رض قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَرْجِعُ صَوَاحِبِي بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ وَأَرْجِعُ أَنَا بِالْحَجِّ

فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ فَذَهَبَ بِهَا إِلَى التَّنْعِيمِ فَلَبَّتْ بِالْعُمْرَةِ۔

حضرت عائشہ ام المؤمنین نے فرمایا کہ ہم نے حج کا تلبیہ کہا حتی کہ جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو مجھے ماہواری ہو گئی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ رض تم کیوں روتی ہو؟ تو میں نے کہا کہ مجھے ماہواری آگئی ہے کاش میں حج کو نہ آتی۔ تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ، یہ تو ایک ایسی چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے۔ پھر فرمایا کہ تمام عبادات حج ادا کرو مگر بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ پس جب ہم مکہ میں داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اسے عمرہ بنانا چاہے وہ عمرہ بنائے سوائے اس کے جس کے پاس ہدی ہے۔ عائشہ رض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائیں یوم النحر میں ذبح کیں۔ پس جب لیلۃ البطحا آئی (محصب کی رات) اور عائشہ رض طاہر ہو چکی تھیں تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ میری ساتھنیں تو حج اور عمرہ کر کے جائیں گی اور میں فقط حج کر کے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن ابی بکر رض کو حکم دیا اور وہ حضرت عائشہ رض کو تنعیم میں لے گیا تو عائشہ رض نے عمرے کا احرام باندھا (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: سرف مدینہ سے کچھ فاصلے پر مکہ کے راستے میں ایک مقام کا نام ہے۔ حافظ نے لکھا ہے کہ تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ حضرت عائشہ رض نے یوم النحر میں طواف افاضہ کیا تھا۔ اس سے پہلے اس مضمون پر کچھ گزر چکا ہے۔

۱۷۸۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمٰنُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَرَى إِلَّا أَنَّهُ الْحَجُّ فَلَمَّا قَدِمْنَا تَطَوَّفْنَا بِالْبَيْتِ فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ أَنْ يَحِلَّ فَأَحَلَّ مَنْ لَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ہم اسے حج ہی سمجھتے تھے، پس جب ہم مکہ آئے تو لوگوں نے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حکم دیا جنہوں نے ہدی ساتھ نہ لی تھی کہ وہ احرام کھول دیں۔ پس جو قربانی کے جانور نہیں لائے تھے انہوں نے احرام کھول دیا (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: شروع میں حضور ص نے محض ترغیب دی تھی مگر جب لوگوں کا احرام دیکھا تو تاکیدی حکم دیا، اور یہ حکم اسی سال کے لیے تھا تاکہ اسلام میں جاہلیت کا قلع قمع کیا جائے۔ کعبۃ اللہ کے طواف کی نیت سے جانے والا خواہ حج کرنے جائے یا عمرہ کرنے اسے حاجی ہی کہا جاتا ہے۔ اب بھی عرف عام یہی ہے۔ اسی چیز کو حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ ہم اسے حج ہی جانتے تھے۔ ورنہ دوسری صریح احادیث میں خود ان کا قول موجود ہے کہ بعض نے حج کا احرام باندھا تھا اور بعض نے عمرہ کا، پس اس حدیث میں حج سمجھنے کا مطلب وہی ہے جو بیان ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ساتھ ہدی نہ تھی لہذا اب انہوں نے حج کے احرام کو عمرہ میں بدل دیا

سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے، کیونکہ وہ فطری عذر سے تھیں۔

۱۷۸۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمَا سُقْتُ الْهَدْيَ قَالَ مُحَمَّدٌ أَحْسِبُهُ قَالَ وَلَحَلَلْتُ مَعَ الَّذِينَ أَحَلُّوا مِنَ الْعُمْرَةِ قَالَ أَرَادَ أَنْ يَكُونَ أَمْرُ النَّاسِ وَاحِدًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ مجھے بعد میں معلوم ہوا ہے اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو میں ہدی نہ لاتا۔ ابوداؤد کے شیخ محمد بن یحییٰ نے کہا کہ میرے استاد کے بقول حضورؐ نے یہ بھی فرمایا: اور میں ان لوگوں کے ساتھ احرام کھول دیتا جنھوں نے عمرہ سے احرام کھولا تھا۔ محمدؒ نے کہا کہ حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ سب لوگوں کا حال ایک جیسا ہوتا (بخاری نے یہ حدیث روایت کی مگر آخری فقرہ کہ: آپؐ کی مراد یہ تھی کہ سب لوگوں کا حال ایک جیسا ہو جاتا روایت نہیں کیا) یہ قول اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ افراد قران سے افضل ہے۔ بلکہ جب حضورؐ نے لوگوں کا احرام کھولنے میں تردد دیکھا تو بات پر زور دینے کی خاطر یہ فرمایا: زمانہ جاہلیت میں لوگ ایام حج میں عمرہ کو مکروہ جانتے تھے اور اس رسم اور عقیدے کو مٹانا مدِّنظر تھا۔

۱۷۸۵ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَقْبَلْنَا مُهِلِّينَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ مُفْرَدًا وَأَقْبَلَتْ عَائِشَةُ مُهِلَّةً بِعُمْرَةٍ حَتَّى إِذَا كَانَتْ بِسَرِفَ عَرَكَتْ حَتَّى إِذَا قَدِمْنَا طُفْنَا بِالْكَعْبَةِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَحِلَّ مِنَّا مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ قَالَ فَقُلْنَا حِلٌّ مَاذَا قَالَ الْحِلُّ كُلُّهُ فَوَاقَعْنَا النِّسَاءَ وَتَطَيَّبْنَا بِالطِّيبِ وَلَبِسْنَا ثِيَابَنَا وَلَيْسَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ إِلَّا أَرْبَعُ لَيَالٍ ثُمَّ أَهْلَلْنَا يَوْمَ التَّرْوِيَةِ ثُمَّ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَائِشَةَ فَوَجَدَهَا تَبْكِي فَقَالَ مَا شَأْنُكِ قَالَتْ شَأْنِي أَنِّي قَدْ حِضْتُ وَقَدْ حَلَّ النَّاسُ وَلَمْ أَحْلِلْ وَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ وَالنَّاسُ يَذْهَبُونَ إِلَى الْحَجِّ الْآنَ قَالَ إِنَّ هَذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ فَاغْتَسِلِي ثُمَّ أَهِلِّي بِالْحَجِّ فَفَعَلَتْ وَوَقَفَتِ الْمَوَاقِفَ حَتَّى إِذَا طَهُرَتْ طَافَتْ بِالْبَيْتِ وَ

بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ قَالَ قَدْ حَلَلْتِ مِنْ حَجِّكِ وَعُمْرَتِكِ جَمِيعًا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَجِدُ فِي نَفْسِي أَنِّي لَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ حِينَ حَجَجْتُ قَالَ فَاذْهَبْ بِهَا يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ فَأَعْمِرْهَا مِنَ التَّنْعِيمِ وَذٰلِكَ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ۔

حضرت جابرؓ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مفرد حج کا احرام باندھ کر گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا احرام باندھا تھا حتیٰ کہ جب وہ مقام سرف پر پہنچیں تو انہیں ماہواری کی کیفیت ہو گئی۔ حتیٰ کہ جب ہم مکہ پہنچے تو بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی بھی کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے جن لوگوں نے ہدی ساتھ نہ لی تھی احرام کھول دینے کا حکم دیا ہم نے پوچھا کہ: کس کس چیز سے حلال ہونا مطلب ہے؟ فرمایا کہ ہر چیز سے حلال ہونا۔ پس ہم بیویوں سے ملے اور خوشبو لگائی اور اپنے روزانہ استعمال کے کپڑے پہن لیے حالانکہ ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف چار دن کا فاصلہ تھا۔ پھر ہم نے آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے ہاں گئے تو انہیں روتا ہوا پایا آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ میری حالت یہ ہے کہ مجھے ماہواری آگئی ہے۔ اور لوگوں نے احرام کھولا اور میں نے بیت اللہ کا طواف نہیں کیا اور لوگ اب حج کو جارہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ تو ایک ایسا امر ہے جو اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے۔ پس تو غسل کر اور حج کا احرام باندھ پس عائشہؓ نے ایسا ہی کیا اور تمام عبادات میں شامل رہیں حتیٰ کہ جب طہر کی حالت ہو گئی تو بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: تو اپنے حج اور عمرہ دونوں سے فارغ ہو گئی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں اپنے دل میں یہ بات پاتی ہوں کہ حج میں میں نے طواف کعبہ نہیں کیا۔ حضورؐ نے فرمایا اے عبدالرحمٰن انہیں تنعیم سے احرام بندھوا کر عمرہ کرا دو اور یہ محصّب میں رہنے کی رات تھی یعنی ذی الحجہ کی چودھویں رات۔ اس حدیث کو مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث کو بیہقی نے روایت کیا تو اس میں یہ الفاظ ہیں: یا رسول اللہ میں نے حج کرنے تک طواف کعبہ نہیں کیا یعنی عمرہ توڑ دیا تھا اور اسی لیے اس کے بجائے یہ عمرہ کرایا گیا۔ جیسا کہ اوپر کی احادیث میں صراحۃً گزر چکا ہے۔

۱۷۸۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا بِبَعْضِ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ عِنْدَ قَوْلِهِ وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ ثُمَّ حُجِّي وَاصْنَعِي مَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ وَلَا تُصَلِّي۔

حضرت ابو الزبیر نے جابرؓ کو اس قصّے کا کچھ حصہ بیان کرتے سنا۔ اس میں جابرؓ نے حضورؐ کے اس قول کے ساتھ کہ: تو حج کا احرام باندھ یہ بھی کہا کہ پھر تو حج کر اور جو کچھ حاجی کرتے ہیں تو بھی کر، صرف یہ فرق ہے کہ نہ بیت اللہ کا طواف کر نہ نماز پڑھ۔

۱۷۸۷ - حدثنا العباس بن الوليد بن مزيد أخبرني أبي قال حدثنا الأوزاعي حدثني من سمع عطاء بن أبي رباح حدثني جابر بن عبد الله قال أهللنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بالحج خالصا لا يخالطه شيء فقدمنا مكة لأربع ليال خلون من ذي الحجة فطفنا وسعينا ثم أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نحل وقال لولا هديي لحللت ثم قال سراقة بن مالك فقال يا رسول الله أرأيت متعتنا هذه ألعامنا هذا أم للأبد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بل هي للأبد قال الأوزاعي سمعت عطاء بن أبي رباح يحدث بهذا فلم أحفظه حتى لقيت ابن جريج فأثبته لي۔

جابر بن عبداللہ رضؓ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالص حج کا احرام باندھا اس میں اور کوئی چیز مخلوط نہ تھی۔ پس جب ہم مکہ آئے تو یہ ذی الحجہ کی پانچ تھی (چار دن گزر چکے تھے) ہم نے طواف اور سعی کی، پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم احرام کھول دیں اور فرمایا کہ اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں بھی احرام کھول دیتا۔ پھر سراقہ بن مالکؓ کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ ہمارا یہ تمتع صرف اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ اوزاعی نے کہا کہ میں نے عطاء ابن ابی رباح کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا لیکن یہ مجھے حفظ نہ ہوئی جبتک کہ میں ابن جریج سے نہیں ملا تو اس نے مجھے یاد کرادی (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے) احرام کھولنے کے حکم کا منشاء یہ تھا کہ عمرہ ادا ہوگیا اب احرام کھول دیں اور پھر حج کا احرام اس کے بعد باندھیں۔ سراقہ رضؓ کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ وہ لوگ زمانہ جاہلیت میں عمرہ کو حج کے ایام میں شدید گناہ سمجھتے تھے اور اس رسم کو حضورؐ نے زائل کیا تھا۔ پس عمرہ کا ایام حج میں ادا ہونے کا جواز ہمیشہ کے لیے ہے مگر حج کو عمرہ کے لیے فسخ کرنا یہ ان کے ساتھ اسی سال کے لیے مخصوص تھا۔

۱۷۸۸ - حدثنا موسى بن إسمعيل نا حماد عن قيس بن سعد عن عطاء ابن أبي الرباح عن جابر قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه لأربع خلون من ذي الحجة فلما طافوا بالبيت وبالصفا والمروة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اجعلوها عمرة إلا من كان معه الهدي فلما كان يوم التروية أهلوا بالحج فلما كان يوم النحر قدموا فطافوا بالبيت

وَلَمْ يَطُوفُوا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔

جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ذی الحجہ کے چار دن گزرنے کے بعد مکہ آئے پس جب آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے عمرہ بنا ڈالو، اس شخص کے سوا جس کے پاس ہدی ہے۔ پس جب ۸ ذی الحجہ ہوئی تو لوگوں نے حج کا احرام باندھا، پھر جب یوم النحر ہوا تو مکہ آئے اور بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کا طواف نہ کیا (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے مطول اور مختصر روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث میں جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشکل ہے کہ: دسویں ذی الحجہ کو بیت اللہ کا طواف کیا مگر صفا و مروہ میں طواف نہیں کیا۔ بخاری نے اس کے برعکس ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان سے تمتع کے متعلق پوچھا گیا تو کہا کہ مہاجرین اور انصار اور ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا اور ہم نے بھی احرام باندھا۔ پس جب ہم مکہ میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن لوگوں نے حج کا احرام باندھا ہے وہ اسے عمرہ بنا دیں سوائے ان کے جو ہدی لے کر آئے ہیں۔ ہم نے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کی اور بیویوں سے ملے اور اپنے عام کپڑے پہن لیے۔ اور فرمایا جس نے ہدی ساتھ لی ہو اس کے لیے یہ حلال نہیں جب تک کہ قربانی اپنی قربان گاہ میں پہنچ جائے۔ پھر آپ نے ہمیں ۸ ذی الحجہ کی شب کو حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا۔ پس جب ہم مناسک سے فارغ ہوئے تو مکہ آ کر بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا پس ہمارا حج پورا ہو گیا اور ہم پر ہدی واجب ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سو جو ہدی میسر آئے۔ پس ائمہ امت نے جن احادیث کو اپنایا ہے یہ حدیث ان سب کے خلاف ہے کیونکہ متمتع جب طواف افاضہ کرے تو اس پر دوبارہ سعی واجب ہے اور یہ امر متفق علیہ ہے۔ یہی کہا جائے گا کہ اس حدیث میں کسی راوی کے وہم کے باعث کمی بیشی ہوئی ہے۔ اگر اس کی تاویل کی جائے تو وہ بعید ہوگی۔ تاویل اس کی یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق قران کرنے والوں سے ہے جو طوافِ قدوم میں صفا و مروہ کی سعی کر چکے تھے لہٰذا طوافِ زیارت کے وقت انہوں نے یہ سعی نہ کی تھی۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ: لَمْ يَطُوفُوا کا مطلب یہ ہے کہ راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا اور اس کے شاگردوں نے اسے طواف کی نفی سے مذکور کیا۔ تیسری تاویل یہ ہے کہ اس کا تعلق بعض تمتع کرنے والوں کے ساتھ ہے جنہوں نے اعمالِ حج سے فراغت کے بعد نفلی طواف کیا اور صفا و مروہ میں سعی نہ کی۔ چوتھی تاویل یہ ہے کہ اس کا تعلق طوافِ زیارت کے ساتھ نہیں بلکہ طوافِ صدر کے ساتھ ہے کہ اس میں انہوں نے صفا و مروہ کی سعی نہیں کی۔

۱۷۸۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ نَا حَبِيبٌ يَعْنِي الْمُعَلِّمَ عَنْ عَطَاءٍ حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهَلَّ هُوَ وَأَصْحَابُهُ بِالْحَجِّ وَلَيْسَ مَعَ أَحَدٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ هَدْيٌ إِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَلْحَةَ وَكَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَدِمَ مِنَ

الْيَمَنِ وَمَعَهُ الْهَدْيُ فَقَالَ أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يَجْعَلُوهَا عُمْرَةً يَطُوفُوا ثُمَّ يُقَصِّرُوا وَيَحِلُّوا إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ فَقَالُوا أَنَنْطَلِقُ إِلَى مِنًى وَذُكُورُنَا تَقْطُرُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ وَلَوْلَا أَنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ لَأَحْلَلْتُ۔

عطاء نے کہا کہ مجھ سے جابر بن رضؓ عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب نے حج کا احرام باندھا اور ان میں سے کسی کے پاس سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور طلحہ رضؓ کے اس دن ہدی نہ تھی اور علی رضی اللہ عنہ یمن سے ہدی ساتھ لائے تھے اور علی رضؓ نے تلبیہ میں کہا تھا کہ میرا احرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کی طرح ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا تھا کہ اس احرام کو عمرہ کا احرام بنا دیں، طواف کریں، پھر بال کٹائیں اور احرام کھول دیں، سوائے ان کے جن کے پاس ہدی تھی۔ پس انہوں نے کہا کہ ہم منیٰ میں جائیں اور ہمارے ذکور سے قطرے گرتے ہوں۔ سو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: جو کچھ مجھے بعد میں معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو ہدی نہ لاتا اور اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو احرام کھول دیتا (اس حدیث کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: شوکانی نے کہا ہے کہ مطلق احرام بھی ابہام کے ساتھ جائز ہے اور علی رضؓ اور ابوموسیٰ رضؓ کی حدیثیں بتاتی ہیں کہ اگر کوئی آدمی دوسرے کے احرام جیسا احرام باندھے جسے جانتا ہو تو وہ بھی جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی رضؓ کے تلبیہ کی خبر ملی تو آپؐ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ جمہور کا مذہب یہی ہے مگر بعض مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ صرف مُبہم احرام باندھے اور فقہائے کوفہ کا یہی مذہب ہے ابن المنیر نے کہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مذہب بھی یہی ہے۔ مگر یہ اس زمانے کے ساتھ خاص تھا، اب جبکہ احکام مستقر ہو گئے ہیں اور ان کے مراتب کا پتہ چل چکا ہے اب ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اصل میں اس اختلاف کا تعلق ایک اصولی قاعدے کے ساتھ ہے، اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب کسی شخصِ واحد کے ساتھ ہو یا مخصوص جماعت کے ساتھ آیا اُسی سے مخصوص ہے، یا ساری امت اس میں داخل ہے؟ اور یہ مسئلہ طویل ہے۔ بظاہر خطاب خاص کا تعلق مخصوص اشخاص کے ساتھ ہوتا ہے جبتک عموم کی دلیل نہ ملے۔

محدث علی القاری رحؒ نے کتاب المناسک اور اس کی شرح میں کہا ہے کہ عبادت کی صحت میں صرف یہی مبہم نیت کافی ہے کہ مثلاً میں حج کی یا عمرہ کی نیت کرتا ہوں لیکن اگر حضرت علی رضؓ کی طرح اس نیت کو معلق کیا جائے، کہ مثلاً انہوں نے کہا تھا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام جیسا احرام باندھتا ہوں تو یہ بھی جائز ہے۔ بعض علمائے حنفیہ مثلاً علامہ عینی نے اس معلق نیت کو ان احادیث کے باعث جناب علی رضؓ اور ابوموسیٰ اشعری رضؓ کے ساتھ مخصوص مانا ہے، ورنہ مناسک میں ایسی نیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مولانا نے فرمایا کہ علامہ عینی کی یہ حدیث بتاتی ہے کہ حنفیہ کے ہاں معلق احرام جائز نہیں، مگر یہ حنفی مذہب کی کتابوں کی تصریحات کے خلاف ہے۔ البدائع میں انہی احادیث کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ جائز ہے۔

۱۷۹۰- حَدَّثَنَا عُثْمٰنُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَہُمْ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَکَمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ هٰذِهٖ عُمْرَةٌ اسْتَمْتَعْنَا بِهَا فَمَنْ لَّمْ یَکُنْ عِنْدَهٗ هَدْیٌ فَلْیَحِلَّ الْحِلَّ کُلَّہٗ وَقَدْ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِی الْحَجِّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ هٰذَا مُنْکَرٌ اِنَّمَا هُوَ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ -

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ عمرہ ہے جس سے ہم نے ایام حج میں فائدہ اٹھایا ہے پس جس شخص کے ہدی نہ ہو وہ پوری طرح سے احرام کھول دے اور عمرہ قیامت تک کے لیے حج میں داخل ہو گیا ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو مرفوع جاننا منکر ہے، یہ محض ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے (یہ حدیث مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: منذری نے کہا کہ ابوداؤد کے قول میں کلام ہے کیونکہ احمد بن حنبل، محمد بن مثنیٰ، محمد بن بشار اور عثمان بن ابی شیبہ نے اسے عن محمد بن جعفر (منذر) عن شعبہ مرفوعاً روایت کیا۔ اور یزید بن ہارون، معاذ العنبری، ابو داؤد طیالسی اور عمر بن مرزوق نے اسے شعبہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ان حفاظ کے اثبات کے بعد کسی راوی کی تقصیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور خطابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی یہ تاویل لکھی ہے کہ: عمرہ قیامت تک اوقات حج میں بھی روا ہو سکتا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ اہل جاہلیت زمانۂ حج میں عمرہ ادا نہ کرتے تھے لہذا ان کے اس خیال اور عمل کو حضور ﷺ نے باطل ٹھہرایا۔ اور حضور ﷺ نے تو حج قران کیا تھا، پھر آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ: ہم نے عمرہ سے تمتع کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے حکم سے آپ کے بعض اصحاب رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا۔ اور ساتھیوں کا فعل ساری جماعت کی طرف یا کسی ایسے شخص کی طرف منسوب ہو سکتا ہے جو خود اس کا فاعل نہ ہو۔

۱۷۹۱- حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ نَا النَّهَّاسُ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَهَلَّ الرَّجُلُ بِالْحَجِّ ثُمَّ قَدِمَ مَکَّةَ فَطَافَ بِالْبَیْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَقَدْ حَلَّ وَهِیَ عُمْرَةٌ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ رَوَاهُ ابْنُ جُرَیْجٍ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَطَاءٍ دَخَلَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُهِلِّیْنَ بِالْحَجِّ خَالِصًا فَجَعَلَهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُمْرَةً -

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی حج کا احرام باندھے پھر مکہ میں آئے،

کعبۃ اللہ کا طواف کرے اور صفا مروہ میں سعی کرے تو وہ حلال ہو گیا اور یہ عمرہ ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اسے ابن جُریج نے عطاء سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خالص حج کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عمرہ قرار دیا۔

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں نہاس بن قہم ابوالخطاب بصری ہے، جس کی حدیث ناقابلِ احتجاج ہے۔ حافظ ابن القیم نے کہا ہے کہ ابو داؤد نے جو اس سے پہلے: ہٰذا حدیث منکر کہا ہے دراصل وہ علت عطا کی اس حدیث میں ہے یعنی: اذا اھل الرجل الخ کیونکہ حفاظ حدیث کے نزدیک یہ ابن عباس رض کا ثابت شدہ قول ہے جسے ابن عباس رض سے ابوالشعثاء، عطاء اور انس بن سلیم وغیرہم نے روایت کیا ہے بطورِ قولِ ابن عباس رض اور کاتب کی غلطی سے یہ تعلیل مجاہد عن ابن عباس رض کی حدیث کے ساتھ لگا دی گئی۔ اور عطاء سے جو قول نقل ہوا یہ حدیث مرسل ہے۔

مولانا رح نے فرمایا کہ نہاس کی حدیث میں جو قاعدہ بیان ہوا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ شرع کے خلاف ہے۔ حضور سے بلاشک وتردد یہ امر ثابت ہے کہ حج کے احرام کو عمرہ ٹھہرا دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا کہ آپ نے ان لوگوں کو جن کے پاس ہدی نہ تھی صرف اسی موقع اور سال کے لیے حج کے احرام کو عمرہ قرار دینے کا حکم دے دیا تھا، نہاس ایک ضعیف راوی ہے جس نے یہ ضعیف حدیث روایت کی ہے۔ ابوداؤد نے اس کے بعد ابن جریج کی جو مرسل روایت بیان کی ہے اس سے اس نے یہ ثابت کیا کہ نہاس کی حدیث ضعیف ہے۔ اور عطاء کی یہ مرسل روایت دراصل ابن عباس رض کا قول ہے جس کے مرفوع ہونے کو ابو داؤد نے منکر قرار دیا تھا اور کسی کاتب نے اسے مجاہد کی روایت سے لگا دیا ہے۔ ابن عباس رض کا یہی مذہب تھا کہ جب کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور طواف وسعی کرے تو اس کا احرام کھل گیا۔

۱۷۹۲ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ شَوْكَرٍ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَا نَا هُشَيْمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَهَلَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ فَلَمَّا قَدِمَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَقَالَ ابْنُ شَوْكَرٍ وَلَمْ يُقَصِّرْ وَلَمْ يَحِلَّ مِنْ أَجْلِ الْهَدْيِ وَأَمَرَ مَنْ لَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ أَنْ يَطُوفَ وَأَنْ يَسْعَى وَيُقَصِّرَ ثُمَّ يَحِلَّ زَادَ ابْنُ مَنِيعٍ أَوْ يَحْلِقَ ثُمَّ يَحِلَّ۔

ابن عباس رض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا پس جب مکہ پہنچے تو بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی، اور ابن شوکر راوی نے کہا: اور آپ نے بال نہیں ترشوائے اور نہ احرام کھولا اس سبب سے کہ آپ کے ساتھ ہدی تھی اور جن لوگوں نے ہدی ساتھ نہیں لی تھی انہیں حکم دیا کہ طواف کریں اور سعی کریں اور بال ترشوائیں، پھر احرام کھولیں۔ ابن منیع نے یہ اضافہ کیا کہ: یا بال منڈوائیں پھر احرام کھولیں (اس کی سند بھی یزید بن ابی زیاد ابوعبداللہ کوفی ہے جس پر بعض محدثین نے تنقید کی ہے اور مسلم نے بطور شاہد اس کی حدیث روایت کی ہے (منذری)

۱۷۹۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِیْ حَیْوَۃُ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْعِیْسٰی الْخُرَاسَانِیُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْقَاسِمِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتٰی عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَشَهِدَ عِنْدَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ قُبِضَ فِیْهِ یَنْهٰی عَنِ الْعُمْرَۃِ قَبْلَ الْحَجِّ۔

سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک آدمی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کے پاس گواہی دی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرض الوفات میں سُنا کہ آپ نے حج سے پہلے عمرہ سے منع فرمایا (منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے کیونکہ سعید بن المسیبؒ کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں ہوا۔ پس یہ روایت منقطع ہے۔ خطابی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج سے پہلے دو عمرے ادا کر چکے تھے، ثابت اور معلوم امر کو ظن و گمان والے امر کی وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔ اس کے جواز میں اہل علم کا اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف معقول نہیں ہے۔ اگر اس روایت کا کوئی درجہ ہے تو اس میں یہ احتمال ہے کہ حضورؐ کی یہ نہی استحباب و اختیار پر مبنی تھی اور آپ نے حج کی اہمیت کے پیش نظر اور اس کی عظمت کے لحاظ سے یہ حکم دیا ہو گا حج کا وقت بھی محدود ہے اور عمرے کا کوئی محدود وقت نہیں ہے اور تمام سال اس کا وقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے حج کے لفظ کو عمرہ پر مقدم فرمایا ہے: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰهِ (البقرہ ۔ ۱۹۶)

۱۷۹۴۔ حَدَّثَنَا مُوْسٰی اَبُوْسَلَمَۃَ نَا حَمَّادٌ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ اَبِیْ شَیْخٍ الْهُنَائِیِّ خَیْوَانَ بْنِ خَلْدَۃَ مِمَّنْ قَرَاَ عَلٰی اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ مِنْ اَهْلِ الْبَصْرَۃِ اَنَّ مُعَاوِیَۃَ بْنَ اَبِیْ سُفْیَانَ قَالَ لِاَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ کَذَا وَرُکُوْبِ جُلُوْدِ النُّمُوْرِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ نَهٰی اَنْ یُّقْرَنَ بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ فَقَالُوْا اَمَّا هٰذَا فَلَا فَقَالَ اَمَا اِنَّهَا مَعَهُنَّ وَلٰکِنَّکُمْ نَسِیْتُمْ۔

معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے کہا: کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں چیز سے منع فرمایا تھا؟ اور چیتوں کی کھالوں پر سوار ہونے سے منع فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! معاویہؓ نے کہا کہ کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپؐ نے حج اور عمرہ کو ملانے سے روکا تھا؟ انہوں نے کہا کہ یہ بات تو نہیں ہے۔ پس معاویہؓ نے

کہا کہ دیکھو آپؐ نے اس کو ان ممنوعہ چیزوں کے ساتھ رد کا تھا لیکن آپ لوگ بھول گئے (اس حدیث کو نسائی نے بھی مختصراً روایت کیا ہے)

شرح: فلاں چیز کا مطلب یہ ہے کہ معاویہؓ نے تو اسے بیان کیا تھا مگر نیچے کا کوئی راوی بھول گیا ہے۔ درندوں کی کھالوں پر بیٹھنا یا انہیں زین اور کجاوے پر بچھانا عجمیوں کا غرور و تکبر تھا لہذا اس سے منع فرما دیا گیا۔ حضرت معاویہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج میں حج کو فسخ کر کے عمرہ ادا کرنے کے شاید یہ سمجھ لیا ہو گا کہ قران سے منع کر دیا گیا ہے، حالانکہ صحابہؓ نے اسی معاملے میں معاویہؓ سے موافقت نہیں کی کیونکہ وہ اس علت کو سمجھتے تھے۔ حضورؐ نے جو ہدی لانے پر اظہار افسوس فرمایا تھا یہ بھی صحابہ کی تالیف قلب کے لیے تھا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ حج کے احرام کو عمرہ بنانے سے انہیں ثواب میں کمی کا نقصان ہو گا۔ اصلی مقصود جاہلیت کی ایک رسم کو مٹانا تھا اور وہ مٹ گئی۔ اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ نہی اس بات سے تھی کہ حج کا احرام باندھ کر اس میں عمرہ کے احرام کو داخل نہ کیا جائے، کیونکہ عمرہ تو ہر وقت ہو سکتا ہے اس کے لیے حج کے احرام میں اسے کیوں داخل کیا جائے؟ نووی نے مسلم کی شرح میں یہی لکھا ہے کہ یہ صورت ممنوع ہے۔ اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

بَابٌ ۲۴ فِي الْإِقْرَانِ

(یہ باب قران کے متعلق ہے)

۱۷۹۵ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا هُشَيْمٌ أَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحٰقَ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ وَحُمَيْدُ الطَّوِيلُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُمْ سَمِعُوهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّي بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ جَمِيعًا، يَقُولُ لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا۔

انس بن مالکؓ کے شاگردوں نے انہیں یہ کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج اور عمرہ کا تلبیہ کہتے سنا فرمایا: لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا، لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا (مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: خطابی نے کہا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان دونوں کا احرام بیک وقت باندھا تھا نہ یہ کہ ایک کے احرام میں دوسرے کو داخل کیا۔ نووی نے قران یا اقران کی یہی تعریف لکھی ہے کہ حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھا جائے۔ اس حدیث سے حضورؐ کا قارن ہونا ثابت ہوا۔

۱۷۹۶ - حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ نَا وُهَيْبٌ نَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاتَ بِهَا يَعْنِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ حَتّٰى أَصْبَحَ ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ عَلَى الْبَيْدَاءِ حَمِدَ اللّٰهَ

وَسَبَّحَ وَكَبَّرَ ثُمَّ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ اَهَلَّ النَّاسُ بِهِمَا - فَلَمَّا قَدِمْنَا اَمَرَ النَّاسَ فَحَلُّوْا حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ اَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَنَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ بَدَنَاتٍ بِيَدِهٖ قِيَامًا -

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذو الحلیفہ میں رات گذاری حتی کہ صبح ہوئی تو آپ اونٹنی پر سوار ہوئے حتی کہ جب اونٹنی بیداء پر آپ کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تو آپ نے اللہ عزوجل کی حمد وتسبیح وتکبیر بیان کی پھر حج اور عمرہ کا احرام باندھا اور دوسرے لوگوں نے بھی دونوں کا احرام باندھا۔ پھر جب مکہ میں آئے تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا اور انہوں نے احرام کھول دیا حتی کہ جب ترویہ کا دن (۸ ذی الحجہ) آیا تو انہوں نے حج کا احرام باندھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کئی اونٹ کھڑے نحر کئے۔ (یہ حدیث بخاری میں بھی ہے)

شرح: اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے احرام بوقت صبح باندھا تھا، حالانکہ غرض اس بیان سے یہ ہے کہ رات ذوالحلیفہ میں گذار کر دوسرے دن احرام باندھا۔ اس سے قبل کئی حدیثوں میں اور انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی گذر چکا ہے کہ احرام بعد از نماز ظہر باندھا گیا تھا۔ پھر احادیث میں یہ بھی گذر چکا ہے (ابن عباس رضی اللہ عنہ) کہ حضور نے تلبیہ بعد نماز ظہر شروع کیا اور اونٹنی جب بیداء پر چڑھی تو پھر تلبیہ پکارا۔ انس رضی اللہ عنہ اس بیان میں متفرد ہیں کہ بیداء پر تلبیہ پکارنے سے قبل حضور نے حمد وتکبیر اور تسبیح کی تھی، ابوداؤد کے حاشیے پر ابوداؤد کا بیان بھی بتاتا ہے۔

۱۷۹۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ نَا حَجَّاجٌ نَا يُوْنُسُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حِيْنَ اَمَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْيَمَنِ قَالَ فَاَصَبْتُ مَعَهٗ اَوَاقًا قَالَ فَلَمَّا قَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَجَدْتُ فَاطِمَةَ قَدْ لَبِسَتْ ثِيَابًا صَبِيْغًا وَقَدْ نَضَحَتِ الْبَيْتَ بِنَضُوْحٍ فَقَالَتْ مَا لَكَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَ اَصْحَابَهٗ فَاَحَلُّوْا قَالَ قُلْتُ لَهَا اَهْلَلْتُ بِاِهْلَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ صَنَعْتَ؟ قَالَ قُلْتُ اَهْلَلْتُ بِاِهْلَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنِّيْ قَدْ سُقْتُ الْهَدْيَ وَقَرَنْتُ قَالَ فَقَالَ لِيْ اِنْحَرْ

مِنَ الْبُدْنِ سَبْعًا وَسِتِّينَ أَوْ سِتًّا وَسِتِّينَ وَأَمْسِكْ لِنَفْسِكَ ثَلَاثًا وَثَلٰثِينَ أَوْ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ وَأَمْسِكْ لِي مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بَضْعَةً۔

براء بن عازب نے کہا کہ میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن پر امیر بنایا تھا براءؓ نے کہا کہ میں نے ان کے ساتھ کچھ اوقیے (چاندی پائی۔ براءؓ نے کہا جب علیؓ یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (حجۃ الوداع میں) آئے تو علیؓ نے کہا کہ میں نے فاطمہؓ کو رنگ دار کپڑے پہنے دیکھا (یعنی وہ احرام میں نہ تھیں) اور انہوں نے گھر میں کچھ خوشبو بکھیر رکھی تھی، پس فاطمہؓ نے علیؓ سے (انہیں احرام میں دیکھ کر) کہا کہ کیا بات ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے اصحاب نے احرام کھول دیا ہے۔ علیؓ نے کہا کہ میں نے جواب دیا؛ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا احرام باندھا تھا، علیؓ نے کہا کہ میں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: تم نے احرام کیسا باندھا تھا؟ علیؓ نے کہا کہ میں نے کہا تھا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا احرام باندھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو ہدی ساتھ لایا ہوں اور قران کیا ہے۔ علیؓ نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ستر سٹھ یا چھیاسٹھ اونٹ نحر کر دے اور اپنے لیے ۳۳ یا ۳۴ روک لے، اور ان میں سے میرے لیے ہر اونٹ کا ایک ٹکڑا روک لے (نسائی نے بھی اسے روایت کیا اور آگے سنن ابی داؤد میں حدیث نمبر ۱۹۰۵ پر جابرؓ کی طویل حدیث میں یہ قصہ مذکور ہے)۔

شرح: یہی صورت ابوموسیٰؓ اشعری نے اختیار کی تھی کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا احرام باندھتا ہوں۔ مگر ان کے ساتھ ہدی نہ تھی لہذا حضورؐ نے ان کا احرام کھلوا دیا اور علیؓ ہدی ساتھ لائے تھے یا یہ کہ حضورؐ نے انہیں ہدی میں شریک کر لیا تھا لہذا وہ احرام پھر باقی رہے۔ مسلم کی روایت میں اس تعداد کے برخلاف یہ ہے کہ آپ نے ۶۳ اونٹ خود نحر کئے اور باقی علیؓ کو عطا فرمائے اور انہیں علیؓ نے نحر کیا۔ بقول شوکانی، قرطبی اور عیاض نے کہا ہے کہ سب راویوں کی نقل مسلم کے مطابق ہے نہ کہ ابوداؤد کے۔ مسلم نے روایت کیا کہ ہر اونٹ کا ایک قطعہ ہنڈیا میں پکایا گیا اور حضورؐ نے علی سمیت گوشت کھایا اور شوربا پیا۔

۱۷۹۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمٰنُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ الصُّبَيُّ بْنُ مَعْبَدٍ أَهْلَلْتُ بِهِمَا مَعًا فَقَالَ لِي عُمَرُ هُدِيتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صُبَیّ بن معبد تغلبی نے کہا کہ میں نے حج وعمرہ کا اکٹھا احرام باندھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ہدایت پا لی ہے (نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: یہ حدیث ابوداؤد کے ابن داسہ کے نسخے میں مطوّل موجود ہے اور یہاں حاشیے پر یوں درج ہے

۱۷۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ أَعْيَنَ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْمَعْنٰى قَالَ ثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ الصُّبَيُّ بْنُ مَعْبَدٍ كُنْتُ رَجُلًا أَعْرَابِيًّا نَصْرَانِيًّا

فَأَسْلَمْتُ فَأَتَيْتُ رَجُلًا مِنْ عَشِيرَتِي يُقَالُ لَهُ هُذَيْمُ بْنُ ثُرْمُلَةَ فَقُلْتُ لَهُ يَا هَنَتَاهُ إِنِّي حَرِيصٌ عَلَى الْجِهَادِ وَإِنِّي وَجَدْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ مَكْتُوبَيْنِ عَلَيَّ فَكَيْفَ لِي بِأَنْ أَجْمَعَهُمَا فَقَالَ لِي اجْمَعْهُمَا وَاذْبَحْ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَأَهْلَلْتُ بِهِمَا مَعًا. فَلَمَّا أَتَيْتُ الْعُذَيْبَ لَقِيَنِي سَلْمَانُ بْنُ رَبِيعَةَ وَزَيْدُ بْنُ صُوحَانَ وَأَنَا أُهِلُّ بِهِمَا جَمِيعًا، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ مَا هَذَا بِأَفْقَهَ مِنْ بَعِيرِهِ. قَالَ فَكَأَنَّمَا أُلْقِيَ عَلَيَّ جَبَلٌ حَتَّى أَتَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقُلْتُ لَهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنِّي كُنْتُ رَجُلًا أَعْرَابِيًّا نَصْرَانِيًّا وَإِنِّي أَسْلَمْتُ وَإِنِّي حَرِيصٌ عَلَى الْجِهَادِ وَإِنِّي وَجَدْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ مَكْتُوبَيْنِ عَلَيَّ فَأَتَيْتُ رَجُلًا مِنْ قَوْمِي فَقَالَ لِي اجْمَعْهُمَا وَاذْبَحْ مَا اسْتَيْسَرَ۔

حدثنا محمد بن قدامۃ بن اعین الخ صبی بن معبد نے کہا کہ میں ایک صحرائی عیسائی شخص تھا، میں مسلمان ہو گیا اور اپنے خاندان کے ایک شخص ہریم بن ثرملہ کے پاس گیا اور کہا: اے شخص! میں جہاد کا حریص ہوں اور میں پاتا ہوں کہ مجھ پر حج اور عمرہ واجب ہیں پس میں انہیں کیوں کر جمع کروں؟ اس نے کہا کہ دونوں کو جمع کرے اور جو ہو سکے قربانی ذبح کر دے۔ پس میں نے دونوں کا احرام باندھا، پھر جب میں عذیب میں آیا تو مجھے سلیمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان ملے اور ایک دوسرے سے کہا کہ یہ شخص اپنے اونٹ سے زیادہ سمجھ دار نہیں ہے۔ صُبَی نے کہا کہ مجھے یوں لگا جیسے مجھ پر پہاڑ گرا دیا گیا ہے حتیٰ کہ میں حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس آیا اور کہا: اے امیر المؤمنین! میں ایک صحرائی نصرانی آدمی تھا اور مسلمان ہو گیا ہوں اور میں جہاد کا حریص ہوں اور میں نے دیکھا کہ حج اور عمرہ مجھ پر واجب ہیں، پس میں اپنی قوم کے ایک آدمی کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ انہیں جمع کرے اور جو میسر ہو قربانی کر دے میں نے ان دونوں کا احرام باندھ لیا، پس حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا: تجھے اپنے نبی کی سنت کی ہدایت مل گئی۔ (ہریم بن شمعہ کا نام ہذیم بن ثرملہ، ہُدیم بن ثرملہ، نسائی میں ہریم بن عبداللہ۔ ہدیم بن عبد اللہ اور قاموس میں ہدم بن عبداللہ آیا ہے۔ اسی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ سے جس قران کی کراہت کا ذکر احادیث میں ہے وہ حج کا قران نہیں ہے۔ یہ محال ہے کہ وہ ایک چیز کو سنت کہیں اور پھر اس کو معاذ اللہ مکروہ بتائیں)

۱۸۰۰۔ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا مِسْكِينٌ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي

عَزَّ وَجَلَّ قَالَ وَهُوَ بِالْعَقِيقِ فَقَالَ صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ وَقَالَ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ وَقُلْ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَا رَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ وَقُلْ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ -

ابن عباس رضؓ کہتے تھے کہ مجھ سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: آج رات میرے رب عزوجل کی طرف سے ایک آنے والا آیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضورؐ اس وقت وادیٔ عقیق میں تھے، آنے والے نے کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھ اور اس نے یہ بھی کہا کہ (یوں کہہ) عمرہ حج میں۔ ابوداؤد نے کہا کہ ولید بن مسلم اور عمر بن عبدالواحد نے اس حدیث میں اوزاعی سے یوں روایت کی: اور کہہ عمرہ حج میں۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح اس حدیث میں علی بن مبارک نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی کہ: اس نے کہا کہ تو کہہ عمرہ حج میں (یہ حدیث بخاری اور ابن ماجہ میں بھی موجود ہے۔ اور بخاری میں ایک روایت کے لحاظ سے یہ لفظ ہیں: کہہ عمرہ اور حج)

(شرح) یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضورؐ نے بالقاءِ الٰہی حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا اور آپ قارن تھے۔ لیکن بقولِ شوکانی اشکال یہ ہے کہ اگر قران بامرِ الٰہی تھا تو آپؐ نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ: جو مجھے بعد میں معلوم ہوا اگر پہلے سے ہوتا تو میں ہدی نہ مولا نا؟ اور یہ کہنا کہ یہ بات آپ نے اپنے اصحاب کی دل جوئی کے لیے فرمائی تھی اس لیے درست نہیں کہ یہ تو ایک قسم کا فریب تھا معاذ اللہ۔ اور شارع علیہ السلام سے اس کا صدور محال ہے۔ صحیح جواب یہ ہے کہ احرام کھولنے میں جو چیز مانع تھی وہ ہدی تھی اور نہ جس طرح حج کا احرام فسخ ہو سکتا تھا اسی طرح قران کا بھی ہو سکتا تھا۔ پس آپؐ نے ہدی ساتھ لانے پر یہ فرمایا تھا نہ کہ قران کا احرام باندھنے پر جو بامرِ الٰہی تھا۔

۱۸۰۱- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ نَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنِي الرَّبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِعُسْفَانَ قَالَ لَهُ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ الْمُدْلِجِيُّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اقْضِ لَنَا قَضَاءَ قَوْمٍ كَأَنَّمَا وُلِدُوا الْيَوْمَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَدْخَلَ عَلَيْكُمْ فِي حَجَّتِكُمْ هٰذَا عُمْرَةً فَإِذَا قَدِمْتُمْ فَمَنْ تَطَوَّفَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَقَدْ حَلَّ إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ -

سبرہ رضؓ بن معبد نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے حتی کہ جب عسفان میں پہنچے تو سراقہؓ بن مالک مدلجی نے کہا یا رسول اللہ ہمارے لئے ان لوگوں جیسا فیصلہ فرمائیے جو گویا آج پیدا ہوئے ہوں (لاعلم ہوں)، پس حضورؐ

نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے تمہارے اس حج میں تم پر عمرہ داخل کر دیا ہے۔ پس جب تم مکہ پہنچو تو جو شخص بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا و مروہ میں سعی کرے تو اس کا احرام کھل گیا سوائے اس کے جس کے پاس ہدی ہے۔

شرح: سراقہ رضؓ بن مالک کنانی مُدلجی فتح مکہ میں اسلام لائے تھے اور سفرِ ہجرت میں ان کے حضورؐ کے قافلے کا پیچھا کرنے کا قصہ مشہور ہے۔ یہ بات کہ ہم میں ایسا فیصلہ فرمائیے الخ اس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح ایک لاعلم نادان کو سمجھایا جاتا ہے آپ ہمیں واضح انداز میں سمجھا دیں کہ حج میں کیا کرنا ہے، اور آپؐ نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس حج میں عمرہ داخل کر دیا ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ حج سے پہلے عمرہ کرو پھر حلال ہو جاؤ اور پھر آٹھویں کو حج کا احرام باندھو۔ ان الفاظ سے صاف نکلتا ہے کہ یہ حکم اسی سال کے لیے تھا یعنی حج کو عمرہ میں بدل دینا۔

۱۸۰۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ نَجْدَةَ نَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ نَا يَحْيَى الْمَعْنٰى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ مُعَاوِيَةَ ابْنَ أَبِي سُفْيٰنَ أَخْبَرَهٗ قَالَ قَصَّرْتُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِشْقَصٍ عَلَى الْمَرْوَةِ أَوْ رَأَيْتُهٗ يُقَصَّرُ عَنْهُ عَلَى الْمَرْوَةِ بِمِشْقَصٍ۔

معاویہ بن ابی سفیان رضؓ نے ابن عباس رضؓ کو خبر دی، اس نے کہا کہ میں نے مروہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو کاٹا ایک قینچی سے۔ یا یوں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو مروہ پر کاٹا جاتے دیکھا (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: ابن حزم نے کہا ہے کہ حدیث مشکل ہے۔ اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمتع کیا تھا اور صحیح بات جس میں کوئی شک نہیں اور سب لوگوں سے جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال نہیں کٹوائے نہ احرام کھولا اور شاید حج سے معاویہ رضؓ کی مراد عمرہ جعرانہ ہے کیونکہ اس وقت وہ اسلام لا چکے تھے۔ لیکن ذی الحجہ کے بارے میں جن لوگوں کی روایت ہے اس میں یہ مراد نہیں لی جا سکتی۔ یا شاید معاویہ رضؓ کی مراد یہ ہے کہ حلاق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال مونڈے مگر کچھ باقی رہ گئے تھے جو معاویہ رضؓ نے مروہ پر کاٹے اور یہ یوم النحر کا دن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسن بن علی نے اس (آئندہ) حدیث کی سند میں خطا کی ہے اس نے اس میں معمر کا لفظ بولا حالانکہ اصل میں یہ ہشام سے مروی ہے جو ضعیف ہے۔ مولانا رحؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ عمرہ کا ہے حج کا نہیں ورنہ یہ قول صحیح نہیں کیونکہ حج میں حضور نے یوم النحر میں بال منڈوائے تھے۔

۱۸۰۳- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْمَعْنٰى قَالَا نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاؤُسٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ مُعَاوِيَةَ

قَالَ لَهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنِّي قَصَّرْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِشْقَصٍ عَلَى الْمَرْوَةِ بِحَجَّتِهِ أَوْ رَأَيْتُهُ يُقَصِّرُ عَلَى الْمَرْوَةِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے ایک بدو کی قینچی سے حج میں مروہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کاٹے تھے؟ لفظ حج کا اضافہ حسن راوی کا ہے (یہ حدیث نسائی میں بھی ہے مگر اس میں حج کا ذکر نہیں اور نسائی کی دوسری روایت میں عمرہ کا لفظ ہے۔ اور عمرہ کو حج بھی کہہ دیتے ہیں جیسے کہ کبھی حج کو عمرہ کہتے ہیں۔ منذری) خطابی کا قول بھی یہی ہے کہ حج کے لفظ سے مراد یہاں عمرہ ہے۔

۱۸۰۴ - حَدَّثَنَا ابْنُ مُعَاذٍ أَنَا أَبِي نَا شُعْبَةُ عَنْ مُسْلِمٍ الْقُرِّيِّ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ أَهَلَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهَلَّ أَصْحَابُهُ بِحَجٍّ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا اور آپ کے اصحاب نے حج کا احرام باندھا (اسے مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)، مگر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور کا احرام حج اور عمرہ دونوں کا تھا۔ اس حدیث میں حضور کے تو صرف عمرے کے احرام کا ذکر ہوا ہے اور اصحاب کے صرف حج کا حالانکہ بعض اصحاب کا احرام حج و عمرہ دونوں کا تھا۔ اصحاب کے بارے میں بھی بعض کے فعل کا ذکر آیا ہے اور دوسروں کا اس حدیث میں نہیں ہے حالانکہ گذشتہ بہت سی احادیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے۔ گویا یہ حدیث بہت مختصر ہے کہ بعض چیزوں کا ذکر رہ گیا ہے۔

۱۸۰۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَأَهْدَى وَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَبَدَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهَلَّ بِالْحَجِّ وَتَمَتَّعَ النَّاسُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ أَهْدَى فَسَاقَ الْهَدْيَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَهْدَى فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَهُ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَجَّهُ۔ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَهْدَى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَلْيُهْدِ فَمَنْ لَمْ

يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ۔ وَطَافَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ مَكَّةَ فَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ أَوَّلَ شَيْءٍ ثُمَّ خَبَّ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ مِنَ السَّبْعِ وَمَشَى أَرْبَعَةَ أَطْوَافٍ ثُمَّ رَكَعَ حِينَ قَضَى طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَأَتَى الصَّفَا فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ أَطْوَافٍ ثُمَّ لَمْ يَحْلِلْ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتَّى قَضَى حَجَّهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ يَوْمَ النَّحْرِ وَأَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَفَعَلَ النَّاسُ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَهْدَى وَسَاقَ الْهَدْيَ مِنَ النَّاسِ۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حج کے ساتھ عمرہ بھی ادا کیا تھا۔ پس آپ نے ہدی لی اور اسے ذوالحلیفہ سے اپنے ساتھ ہانکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ شروع کیا تو عمرہ کا اور پھر حج کا تلبیہ کہا اور لوگوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے ساتھ عمرہ ملایا (یعنی یہ قران تھا) لوگوں میں سے بعض نے ہدی خریدی تھی اور اسے ہانکا تھا اور بعض نے ہدی ساتھ نہ لی۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے تو لوگوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو قربانی لایا ہے وہ حج تمام ہونے تک احرام نہیں کھول سکتا اور جو ہدی نہیں لائے بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کرے اور بال کٹوائے اور احرام کھول دے پھر حج کا احرام باندھے اور تمتع کی قربانی دے اور جسے قربانی نہ ملے تو تین دن کے روزے رکھے اور سات گھر کو لوٹے تب رکھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ آکر طواف کیا اور پہلا کام حجر اسود کا بوسہ تھا جو کیا پھر سات میں سے تین چکر میں تیز تیز چلے اور چار چکر عام چال سے چلے پھر جب طواف ختم کیا تو مقام کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر سلام پھیرا اور نماز ختم کی پھر صفا پہ آئے اور سات چکر صفا مروہ کے لگائے پھر ختم ہونے تک احرام بالکل نہیں کھولا اور دس ذی الحجہ کو اپنی قربانی کا نحر کیا اور عرفات سے لوٹ کر طواف افاضہ کیا پھر ہر حرام چیز جو احرام کے باعث تھی حلال ہو گئی اور جن لوگوں نے قربانی ساتھ لی تھی انہوں نے بھی ویسا ہی کیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔

شرح: خطابی نے کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے اور یہ تمام احادیث متفق ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عمرے پر حج کو داخل کرنا جائز ہے جب تک کہ آدمی عمرے کا طواف شروع نہ کر دے۔ حج پہ عمرے کو داخل کرنے میں اختلاف ہے۔ مالک اور شافعی اس کے خلاف ہیں اور حنفیہ نے کہا ہے کہ پہلی صورت کی مانند آدمی اس سے بھی قارن ہو جاتا ہے۔

۱۸۰۶۔ **حَدَّثَنَا** الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ

عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ مَا شَأْنُ النَّاسِ قَدْ حَلُّوا وَلَمْ تَحْلِلْ أَنْتَ مِنْ عُمْرَتِكَ فَقَالَ إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي فَلَا أَحِلُّ حَتَّى أَنْحَرَ الْهَدْيَ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ تو احرام کھول چکے اور آپ نے اپنے عمرے سے احرام نہیں کھولا؟ پس حضورؐ نے فرمایا: میں نے اپنے سر کو مُلبّد کیا ہے اور اپنی ہدی کو پٹکا ڈالا ہے پس میں نحر کرنے سے قبل احرام نہیں کھولوں گا (یہ حدیث بخاری، نسائی، مسلم اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔ اوپر حدیث نمبر ۱۸۰۳ کی شرح بھی دیکھئے)

بَابُ الرَّجُلِ يُهِلُّ بِالْحَجِّ ثُمَّ يَجْعَلُهَا عُمْرَةً

حج کا احرام کر کے پھر اس کو عمرہ میں بدل دینے کا بیان

۱۸۰۷۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ يَعْنِي بْنَ السَّرِيِّ عَنِ ابْنِ أَبِي زَائِدَةَ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ أَبَا ذَرٍّ كَانَ يَقُولُ فِي مَنْ حَجَّ ثُمَّ فَسَخَهَا بِعُمْرَةٍ لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ إِلَّا لِلرَّكْبِ الَّذِينَ كَانُوا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ حج کرنے والا اسے عمرہ کے ساتھ فسخ نہیں کر سکتا۔ یہ فسخ صرف ان لوگوں کے لیے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (مسلم نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ حج کا احرام باندھ کر پھر اسے عمرہ سے بدل دینا صحابۂ کرام کے ساتھ مخصوص تھا) یہی جمہور کا مذہب ہے، مگر امام احمد اور بعض اصحابِ ظواہر کہتے ہیں کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ بنا دینا ہر ایک کے لیے جائز ہے۔ اوپر خطابی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اس فسخ کی علت یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم کو مٹانا مقصود تھا۔

۱۸۰۸۔ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ أَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ أَنَا رَبِيعَةُ ابْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فَسْخُ الْحَجِّ لَنَا خَاصَّةً أَوْ لِمَنْ بَعْدَنَا قَالَ بَلْ لَكُمْ خَاصَّةً۔

بلال بن الحارث نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا حج کو فسخ کرنا ہمارے ساتھ مخصوص ہے یا ہمارے بعد

والوں کے لیے بھی ہے؟ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا: بلکہ یہ تمہارے ساتھ مخصوص ہے (نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے اس کی سند پہ کلام کیا ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ ابوذر رض کی حدیث صحیح تر ہے)

شرح: حارث بن بلال کو منذری نے مجہول سا کہا ہے مگر حافظ ابن حجر سے اُسے ثقات تابعین میں سے بتایا ہے۔ بلال بن الحارث مزنی کو ابن سعد نے مہاجرین کے تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے۔ یہ ۵ھ میں مدینہ میں آئے تھے اور اپنے ساتھ قبیلۂ مزینہ کے کچھ لوگوں کو بھی لائے تھے۔ مالک، ابوحنیفہ، شافعی اور جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ میں تبدیل کرنا صحابہ کے ساتھ مخصوص تھا، ان کے بعد جائز نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں زمانۂ حج کے اندر عمرہ نہیں کرتے تھے۔ اس رواج کو مٹانا مدنظر تھا اس لیے حضور ؐ نے اپنے اصحاب کو یہ حکم دیا تھا۔ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ بلال بن رض حارث کی حدیث میرے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ مگر اوپر گزر چکا ہے کہ حارث بن بلال ثقات تابعین میں سے تھا۔ اور یہی مضمون اوپر ابوذر غفاری رض کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يَحُجُّ عَنْ غَيْرِهِ ٢٦

جو شخص دوسرے کی طرف سے حج کرے

۱۸۰۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمٍ تَسْتَفْتِيهِ فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ فَرِيضَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَثْبُتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ فَأَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔

عبداللہ بن عباس رض نے کہا کہ فضل بن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر تھا۔ خثعم کے قبیلے کی ایک عورت حضور ؐ سے مسئلہ پوچھنے آئی، فضل اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ فضل کی طرف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل رض کا منہ دوسری طرف کو پھیرتے تھے اس عورت نے کہا یا رسول اللہ حج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرض میرے بہت بوڑھے باپ پہ عائد ہوا ہے، لیکن وہ تو سواری پہ ٹھہر تک نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ حضور ؐ نے فرمایا ہاں۔ اور یہ واقعہ آخری حج کا ہے۔ (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی اور بخاری، مسلم، نسائی اور ترمذی نے اسے ابن عباس عن الفضل رض بن عباس بھی مرفوعًا روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں اس حدیث پر کہا ہے کہ اس سے کسی زندہ یا مُردہ کی طرف سے حج بدل کا جواز ثابت ہوتا ہے، اور یہ کہ حج کی حیثیت نماز روزے اور دیگر بدنی عبادات جیسی نہیں کہ ان میں نیابت نہیں چلتی۔ شافعی کا مسلک یہی ہے۔ مالک کا یہ قول نہیں حالانکہ ابن عباس رضؓ کی حدیث خود انہوں نے روایت کی ہے۔ میت کے بارے میں مالک کا مسلک یہ ہے کہ اگر میت نے وصیت کی ہو تو خیر ورنہ میرے نزدیک اس کی طرف سے صدقہ کرنا حج کی نسبت افضل ہے۔ ابراہیم نخعی اور ابن ابی ذئب حج بدل کے قائل نہیں تھے مگر یہ حدیث ان سب کے خلاف حجت ہے۔ اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ جس شخص کو بہت بڑھاپے میں مال ملا ہو اور وہ خود سفر کے قابل نہ ہو تو وہ دوسروں سے حج کرا سکتا ہے۔ اور حج بدل کرنے والی عورت بھی ہو سکتی ہے (یعنی شرائط سفر کے ساتھ) مالک اور ابو حنیفہ سے حکایت کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک چلنے پھرنے سے معذور شخص پر حج فرض نہیں۔ ہاں! ابو حنیفہ نے کہا کہ اگر حج کی فرضیت زمانۂ صحت میں ہو چکی تھی اور پھر وہ معذور ہو گیا تو فرض ساقط نہیں ہو گا، امام مالک نے کہا کہ فریضہ ساقط ہو گیا۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ حدیث کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ وہ شخص عاجز تھا، سواری پر بھی نہ بیٹھ سکتا تھا، اب سوال یہ ہو گا کہ اس حالت میں اُس پر حج کیوں کر فرض ہو گیا کیوں کہ اس میں استطاعت نہیں۔ اور جب خود اس پر حج فرض نہیں تو اس کا بدل کیسے جائز ہوا؟ حج کی فرضیت کی شرطِ استطاعتِ سبیل ہے: وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔ القرآن اور جو شخص سواری پر نہ بیٹھ سکے، سفر پر قادر نہ ہو وہ راستے کی استطاعت رکھنے والا نہیں ہوتا۔ اس اشکال کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ اُس عورت نے یہی سمجھا تھا کہ ایک مالدار مسلم ہونے کے باعث اس کے باپ پر حج فرض ہو گیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خثعمی عورت کے سوال کے جواب میں یہ نہیں فرمایا تھا کہ تیرے باپ پر حج فرض نہیں، بلکہ یہ فرمایا تھا کہ ہاں! تو اس کی طرف سے حج کر سکتی ہے۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ ادراکِ فریضہ اور چیز ہے اور کسی خاص شخص پر اپنے حالات کی بنا پر حج کی فرضیت یا عدمِ فرضیت دوسری چیز ہے۔ پس اُس مسلم مالدار شخص کو ادراکِ فریضہ تو حاصل تھا۔ یعنی جماعتِ مسلمین کے جو فرائض ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وہ تو اس پر عاید ہو گئے تھے مگر ایک عذر کے باعث اُس فردِ خاص پر اس کا وجوب نہیں تھا۔ جیسے نماز اہلِ اسلام پر فرض ہے (یعنی اجمالاً) لیکن ہر شخص پر اس کا وجوب اس کے خاص احوال و صفات کی بنا پر ہو گا۔ اگر نماز کا وقت آنے پر ایک شخص خدانخواستہ جنون میں مبتلا ہو جائے یا بے ہوش ہو جائے تو اجمالاً نماز فرض ہونے کے باوجود اس فرد پر اس کی فرضیت عائد نہ ہو گی۔ یہی حال دیگر فرائض کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا منشا یہ تھا کہ تو اس کی طرف سے حج کر سکتی ہے یعنی بطورِ نفل و تطوّع۔ اس جواب کی طرف حافظ ابن حجر نے اشارہ کیا ہے اور یہ جواب قاضی عیاض سے نقل کیا ہے۔ مگر پھر حافظ نے اس حدیث کے بعض طرق کی بنا پر اس جواب کی تغلیط کی ہے کیونکہ مسلم کے لفظ یہ ہیں کہ اس عورت نے کہا: میرے باپ پر حج کا فریضہ عائد ہے۔ اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ: حج اس پر فرض ہو چکا ہے۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ بہتر جواب یہ ہے کہ اس عورت کے سوال کا مطلب یہ لیا جائے کہ میرے باپ پر صحت کی حالت بباعثِ استطاعت حج فرض ہو گیا تھا اب وہ معذور ہو گیا ہے اور اس وقت کی معذوری سابق فرضیت کو ساقط نہیں کر سکتی، پس میں اس کی طرف سے کیا اب حج کر سکتی ہوں؟ اس کے جواب میں حضور نے ہاں فرمایا تھا۔ اور حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ جو شخص مستطیع ہو گیا ہو مگر بعد میں معذور ہو جائے تو سابق استطاعت کے باعث جو حج کی فرضیت ہو چکی تھی وہ اب بھی

باقی ہے۔ یہاں پر ایک بحث یہ بھی ہے کہ سائل مرد تھا یا عورت، اور جس کے لیے سوال ہوا وہ اُس کا باپ تھا یا ماں؟ روایات اس باب میں مختلف ہیں۔ فتح الباری میں حافظؒ نے ان روایات کو یوں جمع کیا ہے کہ سوال کرنے والا مرد تھا جس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جس کا ذکر اس روایات میں ہے، اور مرد کے ساتھ اُس کی بیٹی نے بھی سوال کیا تھا اور جس کی خاطر سوال کیا گیا وہ اس مرد کا باپ یعنی اس خثعمی لڑکی کا دادا تھا اور سوال میں بوڑھے میاں کے علاوہ ان کی بوڑھی بیوی، یعنی سائل کی ماں اور اس خثعمی عورت کی دادی بھی داخل تھی۔ مولانا رہؒ فرماتے ہیں کہ اس چیز پر ابو یعلیٰ کی ایک قوی سند سے آنے والی حدیث دلالت کرتی ہے جس کا راوی خود فضل بن عباس رضؓ ہے۔ واللہ اعلم۔

١٨١٠- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بِمَعْنَاهُ قَالَا نَا شُعْبَةُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ عَنْ أَبِي رَزِينٍ قَالَ حَفْصٌ فِي حَدِيثِهِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَامِرٍ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ احْجُجْ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ

بنی عامر کے ایک ابو رزین (لقیط بنؓ صبرہ عقیلی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے، وہ حج اور عمرے کی استطاعت نہیں رکھتا اور نہ سفر کر سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: تو اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کر (ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: یہ قصہ اور ہے جس کا خثعمی عورت کے واقعہ سے تعلق نہیں ہے۔ اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ آیا سوال فرض حج کے بارے میں تھا یا نفل کے بارے میں؟ اور جواب سے بھی اس کی وضاحت نہیں ہوتی۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ یہ واقعہ ابن خزیمہ وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔ امام احمد نے وجوب عمرہ میں اس حدیث کو صحیح ترین قرار دیا ہے، مگر اس میں وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ جس طرح سائل کا جواب مبہم تھا ویسا ہی حضورؐ کے جواب میں بھی ابہام ہے۔ گویا جواب سوال کے مطابق ہے اور یہ بات واضح ہے کہ امر ہمیشہ وجوب کے لیے نہیں ہوتا اس کے لیے کسی خارجی دلیل کی ضرورت ہے۔

١٨١١- حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ الْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالَ إِسْحٰقُ نَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَزْرَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةُ قَالَ أَخٌ لِي أَوْ قَرِيبٌ لِي قَالَ حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ قَالَ لَا قَالَ حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یوں کہتے سُنا: لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ۔ حضورؐ نے فرمایا شُبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا وہ میرا ایک بھائی ہے، یا یہ کہا کہ میرا ایک رشتہ دار ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تو نے اپنی طرف سے حج کرلیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے اپنی طرف سے حج کر پھر شبرمہ کی طرف سے حج کر (ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی)

شرح: منذریؒ نے بیہقی کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور اس باب میں اس سے صحیح تر حدیث کوئی نہیں۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ جس شخص نے خود حج نہ کیا ہو کیا وہ کسی اور کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ شافعیؒ نے اسے ناجائز کہا ہے اور خطابی نے احمد اور اسحاق کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔ ثوریؒ نے کہا ہے کہ جائز ہے خواہ خود اپنا حج کیا ہو یا نہ کیا ہو بشرطیکہ جس کی طرف سے حج کرتا ہے اسے تنگ نہ کرے (مثلاً یہ کہ زیادہ خرچ کا مطالبہ کرے) اور حنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ خود حج نہ کیا ہوا اور دوسرے کی طرف سے حج بدل کرے۔ منع کرنے والوں نے ابن عباسؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو پہلے اپنی طرف سے اور پھر کسی اور کی طرف سے حج کرنے کی دلالت کرتی ہے اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ طحاوی نے اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔ احمدؒ نے کہا کہ اسے مرفوع کرنا خطا ہے اور ابن المنذر نے کہا کہ اس کا رفع ثابت نہیں۔

شیخ ابن الہمام نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رفع اور وقف میں اضطراب ہے اور یہ اضطراب رفع و وقف کے تعارض کی مانند نہیں ہے اس صورت میں رفع کو مقدم کرتے ہیں کیونکہ وہ ثقہ کا اضافہ ہوتا ہے جو قابل قبول ہے۔ ابن الملقن نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے کیونکہ سعید بن ابی عروبہ اسے بصرہ میں ابن عباس رضؓ پر موقوف روایت کرتا تھا اور کوفہ میں بطور حدیث مرفوع بیان کرتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سعید بن عروبہ پر حالت مشتبہ ہوگئی تھی۔ پھر قتادہ نے اس سند میں عنعنہ کے ساتھ روایت کی ہے اور اس کی طرف تدلیس منسوب ہے۔ اگر اسی روایت کو مان لیا جائے تو اس کا حاصل یہ نکلے گا کہ اس کا امر استحباب کے لیے ہے۔ یعنی حج بدل کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ پہلے اپنا حج کرے پھر کسی اور کا۔ اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ خثعمی عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اس حکم کے کہ پہلے وہ اپنی طرف سے حج کرے، یہ فرمایا تھا کہ تو اپنے باپ کی طرف سے حج کر۔ اسی طرح حدیث شبرمہ کا مفاد بھی استحباب ہے۔ اس طرح یہ احادیث صحیح ہوسکتی ہے۔

جہاں تک صرورہ (جس نے حج نہیں کیا ہے) کے حج کا تعلق ہے، اگر وہ خود اس پر استطاعت رکھتا ہو، زاد و راحلہ کا مالک ہو صحت مند ہو تو اس کے لیے حج بدل مکروہ ہے، کیونکہ وہ امکان و استطاعت کے باوجود اپنا حج نہیں کرتا تو اس کی تاخیر کے باعث گنہگار ہوتا ہے اور اسی طرح اگر وہ اپنا فرض حج ادا کرنے سے قبل نفلی حج ادا کرے تو بھی مکروہ ہے۔ مگر اس سبب کے باوجود صرورہ کا حج بدل ادا ہوجاتا ہے کیونکہ نہی خود نفس حج میں نہیں بلکہ دوسرے اسباب کی بنا پر آئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ مبادا یہ شخص جو دوسرے کی طرف سے حج کرتا ہے خود اپنا ادا ہی نہ کرسکے اور مر جائے کیونکہ ایک سال کے اندر اندر موت نادر نہیں ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول: پہلے اپنی طرف سے حج کر پھر شبرمہ کی طرف سے، اس پر محمول ہوگا۔

عبادات کی تین اقسام ہیں: (۱) محض بدنی عبادتیں جیسے نماز (۲) محض مالی عبادتیں جیسے زکوٰۃ (۳) بدنی اور مالی کا مرکب عبادات مثلاً حج۔ پس پہلی قسم میں ہمارے نزدیک نیابت نہیں چلتی۔ اور دوسری میں مطلقاً چلتی ہے اور تیسری قسم میں بلا عذر تو نہیں چلتی لیکن حالت عذر میں چلتی ہے۔ اور ان تینوں میں نیابت کے احکام فقہ حنفیہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

بَابُ ۲۷ كَيْفَ التَّلْبِيَةُ

(تلبیہ کی لبیک کا باب)

۱۸۱۲ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ تَلْبِيَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ - إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَزِيْدُ فِي تَلْبِيَتِهِ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ بِيَدَيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ -

عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ یہ ہے۔ لبیک اللّٰھم لبیک الخ "حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بے شک تعریف اور احسان تیرا ہی ہے۔ اور بادشاہت تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں" نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمر اپنے تلبیہ میں یہ الفاظ بھی زیادہ کرتے تھے: میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں" اور تیری خدمتیں اور سعادتیں پیش کرتا ہوں۔ اور بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے اور رغبت تیری ہی طرف ہے اور عمل تیری ہی خاطر ہے۔" (باقی تمام صحاح میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

شرح: "لبیک"، سیبویہ کے نزدیک لفظ تثنیہ ہے اور یونس نحوی لکھتا ہے کہ یہ اسم مفرد ہے جو اصل میں لَبَّاکَ ہے الف کو یا سے بدل کر لبیک بنا دیا گیا ہے۔ فراء کہتا ہے کہ اصل لفظ تھا لَبًّا لَکَ تاکید کی خاطر تثنیہ لایا گیا ہے۔ معنی یہ ہے کہ میں تجھے دو مرتبہ جواب دیتا ہوں۔ اور یہ تثنیہ حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف تکثیر اور مبالغے کے لیے ہے۔ اور اس کا معنی ہے: اجابت بعد از اجابت اور لگاتار اجابت۔ اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے کہ تلبیہ دراصل ابراہیمی دعوت کا جواب ہے جبکہ تعمیر کعبہ کے بعد انہوں نے انسانوں کو حج کی دعوت دی تھی۔ پس یہ دعوت زمین و آسمان میں گونجی، مردوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں ہونے والے نطفوں نے اس کا جواب دیا اور اب زمین کے ہر گوشے سے لوگ لبیک پکارتے ہوئے کعبۃ اللہ کی طرف چلے آتے ہیں۔ یہ لبیک پکارنے والے وہی ہیں جنہوں نے اس دن دعوت ابراہیمی کا جواب دیا تھا۔

اس حدیث میں عبداللہ بن عمر سے بعض الفاظ کا اضافہ مروی ہوا ہے مگر مسلم میں ابن عمر رضؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ یہ اضافہ انہوں نے اپنے والد محترم جناب عمر رضؓ سے حاصل کیا تھا۔ مسلم کے الفاظ اضافہ یہ ہیں۔ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ - مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت مسعودؓ بن مخرمہ کی روایت سے مرفوع تلبیہ پر جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ اضافہ منقول ہے: لَبَّيْكَ مَرْغُوبًا وَمَرْهُوبًا إِلَيْكَ ذَا النَّعْمَاءِ وَالْفَضْلِ الْحَسَنِ - ان احادیث سے مرفوع تلبیہ پر اضافہ کا جواز نکلتا ہے چنانچہ امام طحاوی نے کہا ہے کہ:

تمام مسلمانوں کا اس تلبیہ پر اجماع ہے لیکن کچھ لوگوں کا قول ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اضافہ کیا جا سکتا ہے اور یہی محمد الحسن الثوری اور اوزاعی کا قول ہے اور انہوں نے ابن عمرؓ کے مذکور اضافہ سے استدلال کیا ہے۔ اور دوسروں نے اس کے خلاف کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جو تلبیہ سکھایا تھا اس پر اضافہ جائز نہیں۔ حضورؐ نے انہیں یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم پر اس کا اضافہ بھی مباح ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے حضورؐ نے لوگوں کو نماز کی تکبیر سکھائی تو اب اس پر اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر طحاوی نے حضرت سعدؓ کی حدیث بیان کی کہ انہوں نے ایک آدمی کو لَبَّیْکَ ذَاالْمَعَارِجِ کہتے سنا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ذوالمعارج ہے مگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یوں تلبیہ نہیں کہتے تھے۔ طحاوی نے کہا کہ یہی میرا ماخذ ہے۔

سنن نسائی میں ابن مسعودؓ کی روایت سے حضورؐ کے تلبیہ میں کچھ زائد الفاظ مروی ہیں اور جابرؓ کی طویل حدیث میں اور حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ کی حدیثوں میں کچھ زائد الفاظ بھی مروی ہیں اور ان پر نکیر مروی نہیں۔ اور ذوالمعارج کے الفاظ کا اضافہ بھی ابوداؤد کی بعض احادیث میں آیا ہے اور یہ بھی کہ حضورؐ نے لوگوں کا یہ اضافہ سُنا اور نکیر نہیں فرمائی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرفوع تلبیہ پر اقتصار افضل ہے اور اگر کوئی زائد الفاظ کہہ لے تو اس میں بھی حرج نہیں جمہور کا یہی قول ہے۔ مگر مالک نے اسے حسب روایت حافظ ابن عبدالبر مکروہ کہا ہے اور شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ابو حنیفہؒ سے یہ منقول ہے کہ مرفوع تلبیہ کے اندر اضافہ جائز نہیں اسے پڑھ کر بعد میں اگر اور الفاظ کہہ لے تو جائز بلکہ مستحب ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ تلبیہ میں چار مذاہب ہیں۔ (۱) تلبیہ سنت ہے مگر اس کے ترک کرنے سے کوئی کفارہ واجب نہیں، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے (۲) تلبیہ واجب ہے جس کے ترک سے ایک جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے، خطابی کے بقول یہ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کا مذہب ہے اور نووی نے کمال کیا کہ اسے سنت قرار دیا مگر کہا کہ اس کے ترک سے قربانی واجب ہے (۳) تلبیہ واجب ہے مگر اس کے قائم مقام کوئی فعل بھی ہو سکتا ہے مگر کعبہ کو چل پڑنا یا کوئی اور ذکر۔ یہ مالکیہ میں سے ابن شاش اور حنفیہ میں سے مرغینانی کا مذہب ہے۔
(۴) یہ احرام کا رکن ہے جس کے بغیر احرام منعقد نہیں ہوتا، ابن عبدالبر نے یہ مذہب ثوری، ابو حنیفہ اور ابن حبیب مالکی اور زبیری شافعی سے نقل کیا ہے۔ اہل ظاہر نے کہا کہ تلبیہ عام نماز کی تکبیر تحریمہ کی مانند رکن احرام ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ تلبیہ ایک بار فرض ہے اور پھر اس کا تکرار سنت ہے۔

۱۸۱۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ نَا جَعْفَرٌ نَا اَبِي عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ اَهَلَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ التَّلْبِيَةَ مِثْلَ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ وَالنَّاسُ يَزِيدُونَ ذَا الْمَعَارِجِ وَنَحْوَهُ مِنَ الْكَلَامِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمَعُ فَلَا يَقُولُ لَهُمْ شَيْئًا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا الخ پھر جابر رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے تلبیہ کی طرح تلبیہ کا ذکر کیا۔ کہا کہ لوگ ذوالمعارج وغیرہ کے الفاظ کا اضافہ کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سنتے تھے اور کچھ نہ کہتے تھے۔ (ابن ماجہ نے یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرح روایت کی ہے اور اس میں اضافے کا ذکر نہیں۔)

۱۸۱۴ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ هِشَامٍ عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَانِي جِبْرَئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَمَرَنِي أَنْ آمُرَ أَصْحَابِي وَ مَنْ مَعِيَ أَنْ يَرْفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالْإِهْلَالِ أَوْ قَالَ بِالتَّلْبِيَةِ يُرِيدُ أَحَدَهُمَا۔

خلاد بن سائب رضی اللہ عنہ انصاری سے روایت ہے کہ اس نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل علیہ السلام میرے پاس آیا اور مجھے حکم دیا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کہ میں اپنے اصحاب اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں حکم دوں کہ وہ اہلال (تلبیہ) کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کریں۔ یا حضور رضی اللہ عنہ نے اہلال کے بجائے تلبیہ کا لفظ بولا تھا۔ یہ حدیث ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہے اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: "اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں" سے مراد صحابہ ہیں اور یہ لفظ بطور تاکید فرمایا۔ یا یہ مطلب کہ مہاجرین و انصار کے علاوہ جو لوگ ابھی آکر قافلے میں شامل ہوئے ہیں۔ اور حکم سے مراد جمہور کے نزدیک امر استحباب ہے اور ظاہر یہ کے نزدیک امر وجوب۔ دلائل شرع کی بنا پر عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

بَابُ ۲۸ مَتٰی يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ

(تلبیہ کب قطع کرے)

۱۸۱۵ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا وَكِيعٌ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبّٰى حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ پر رمی کرنے تک تلبیہ جاری رکھا (اس حدیث کو بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

شرح: یہ حکم مفرد، متمتع اور قارن سب کے لیے ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ یہی جمہور کا مذہب ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی تک تلبیہ جاری رکھے لیکن ابن عمرؓ کا مذہب یہ ہے کہ حرم میں داخل ہوتے ہی تلبیہ قطع کر دے اور جب مکہ سے عرفات کو نکلے تو پھر تلبیہ شروع کر دے۔ اور حضرت عائشہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور علیؓ سے مروی ہے کہ جب موقف کے قریب جائے تو تلبیہ موقوف کر دے۔ جمہور کے نزدیک جمرہ پر پہلی کنکری پھینکتے ہی تلبیہ موقوف ہو جاتا ہے اور بعض روایات میں جو آخری کنکری کا ذکر آیا ہے یہ فضلؓ کا اپنا فہم ہے ورنہ ثابت نہیں ہے کہ رمی کے دوران میں بھی تلبیہ جاری تھا۔

۱۸۱۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ غَدَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَاتٍ مِنَّا الْمُلَبِّي وَمِنَّا الْمُكَبِّرُ۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ ہم لوگ منیٰ سے عرفات کو گئے تو بعض لوگ تلبیہ کہتے تھے اور بعض تکبیر کہتے تھے (یہ حدیث مسلم میں بھی آئی ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ عامۃ اہل علم اس مسئلے میں فضل بن عباس رضؓ کی حدیث پر عمل کرتے ہیں نہ کہ ابن عمر کی حدیث پر، اور سفیان ثوری فقہائے حنفیہ اور شافعی کا مسلک یہ ہے کہ جمرۂ عقبہ پر پہلی کنکری پھینکتے ہی تلبیہ موقوف ہو جاتا ہے اور احمد اسحاق نے کہا کہ رمی کے اختتام پر تلبیہ موقوف ہوتا ہے اور مالک نے کہا کہ یوم عرفہ کے زوال آفتاب تک جاری رہے گا، زوال کے ساتھ ہی موقوف ہوگا۔ حسن بصری کے نزدیک یوم عرفہ کی نماز فجر ادا کر کے ہی تلبیہ موقوف کرے گا۔ مالک کے نزدیک غیر محرم کے لیے تلبیہ مکروہ ہے دوسروں کے لیے مکروہ نہیں۔

بَابُ ۲۹ مَتَى يَقْطَعُ الْمُعْتَمِرُ التَّلْبِيَةَ

عمرہ کرنے والا کب تلبیہ قطع کرے؟

۱۸۱۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا هُشَيْمٌ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُلَبِّي الْمُعْتَمِرُ حَتَّى يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ وَهَمَّامٌ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوفًا۔

ابن عباس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ عمرہ ادا کرنے والا حجر اسود کا بوسہ لینے تک تلبیہ کہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ عبدالملک بن ابی سلیمان اور ہمام نے عطاء سے اور اس نے یہ روایت ابن عباس رض سے موقوف بیان کی (ترمذی نے اسے روایت کر کے حسن صحیح کہا ہے۔ منذری نے کہا کہ بعض ائمہ نے اس کے راوی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ پر تنقید کی ہے) ابن عمر رض کا مذہب بیان ہو چکا کہ حرم میں داخل ہوتے ہی تلبیہ موقوف ہو جاتا ہے مگر بقول ترمذی اکثر اہل علم کا عمل ابن عباس رض کی حدیث پر ہے۔ مولانا رح نے فرمایا کہ اس حدیث کے راوی ابن ابی لیلیٰ سے مراد محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے جو فقہ میں بلند پایہ شخصیت ہونے کے باوجود اہل علم کے نزدیک متکلم فیہ ہے، وہ کثیر الوہم تھا، خاص کر جب عطاء سے روایت کرے تو بہت خطا کرتا ہے لہذا اہل نقل نے اُسے حقیقتاً کہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس حدیث کا رفع خطا ہے اور یہ ابن عباس رض پر موقوف ہے۔

بَابٌ ٣٠ الْمُحْرِمُ يُؤَدِّبُ غُلَامَهُ

محرم کے اپنے غلام کو تادیب کرنے کا باب

١٨١٨ - حَدَّثَنَا ابْنُ حَنْبَلٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رِزْمَةَ قَالَ أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ أَنَا ابْنُ إِسْحَقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُجَّاجًا حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْعَرْجِ نَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلْنَا فَجَلَسَتْ عَائِشَةُ إِلَى جَنْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِي وَكَانَتْ زِمَالَةُ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَزِمَالَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً مَعَ غُلَامٍ لِأَبِي بَكْرٍ فَجَلَسَ أَبُو بَكْرٍ يَنْتَظِرُ أَنْ يَطْلُعَ عَلَيْهِ وَطَلَعَ وَلَيْسَ مَعَهُ بَعِيرُهُ قَالَ أَيْنَ بَعِيرُكَ قَالَ أَضْلَلْتُهُ الْبَارِحَةَ قَالَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ بَعِيرٌ وَاحِدٌ تُضِلُّهُ قَالَ فَطَفِقَ يَضْرِبُهُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ وَيَقُولُ انْظُرُوا إِلَى هَذَا الْمُحْرِمِ مَا يَصْنَعُ قَالَ ابْنُ أَبِي رِزْمَةَ فَمَا يَزِيدُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَنْ يَقُولَ انْظُرُوا إِلَى هَذَا الْمُحْرِمِ مَا يَصْنَعُ وَيَتَبَسَّمُ۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے کو نکلے حتی کہ جب ہم مقام

عرج پر تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور ہم نے بھی منزل کی۔ پس عائشہ رض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور میں اپنے باپ (حضرت ابوبکر رض) کے قریب بیٹھی۔ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان سفر وغیرہ اکٹھا تھا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام کے سپرد تھا۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ وہ غلام آئے۔ سو جب وہ آیا تو اس کے ساتھ اس کا اونٹ نہ تھا (یعنی جس پر سامان سفر تھا) پس ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے کہا کہ تمہارا اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ وہ تو میں نے گزشتہ رات گم کر دیا تھا۔ راوی نے کہا کہ اس پر ابوبکر رض نے فرمایا: ایک ہی اونٹ ہوا اور تو اُسے گم کر دے؟ راوی نے کہا کہ پھر وہ اسے پیٹنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تھے اور فرماتے تھے: اس محرم کو دیکھو کیا کرتا ہے!

ابن ابی رزمہ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کوئی اضافہ نہ کرتے کہ فرماتے: اس احرام والے کو دیکھو کیا کرتا ہے۔

(یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: عرج مکہ کی راہ میں ایک منزل کا نام ہے جس کی طرف عبداللہ بن عمرو بن عثمان رض مشہور شاعر منسوب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ دیکھو یہ محرم کیا کرتا ہے؟ ایک تنبیہ کے طور پر تھا لیکن اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ غلام کو اتنی سی تادیب احرام پر اثر انداز نہیں ہوتی ورنہ ابوبکر رض نہ کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تعریضاً نہیں بلکہ تصریحاً منع فرما دیتے۔

بَابُ ۳۱ الرَّجُلِ يُحْرِمُ فِي ثِيَابِهِ

اس آدمی کا باب جو اپنے عام کپڑوں میں احرام باندھے

۱۸۱۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا هَمَّامٌ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً أَنَا صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْجِعِرَّانَةِ وَعَلَيْهِ أَثَرُ خَلُوقٍ أَوْ قَالَ صُفْرَةٍ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ فَقَالَ يَارَسُولَ اللهِ كَيْفَ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصْنَعَ فِي عُمْرَتِي فَأَنْزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْيَ فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْهُ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ عَنِ الْعُمْرَةِ اغْسِلْ عَنْكَ أَثَرَ الْخَلُوقِ أَوْ قَالَ أَثَرَ الصُّفْرَةِ وَاخْلَعِ الْجُبَّةَ عَنْكَ وَاصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا صَنَعْتَ فِي حَجَّتِكَ۔

یعلی بن امیہ رض نے کہا کہ جعرانہ کے مقام پر ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جس پر خوشبو کا، یا کہا کہ زردی کا نشان تھا اور اس پر ایک جبہ تھا۔ پس اس نے کہا یا رسول اللہ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں جو میں اپنے عمرے میں کروں؟ پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی، جب آپ کی وہ حالت جاتی رہی تو فرمایا: عمرہ کے متعلق سوال کرنے والا کہاں ہے؟ خوشبو کا نشان دھو ڈال، یا فرمایا کہ زردی کا نشان، اور اپنا جبہ اتار دے اور تو اپنے عمرہ

میں بھی وہی کر جو تو نے حج میں کیا۔

شرح: جس شخص کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ یا تو عطاء بن منیہ یا عمرو بن سواد یا حسب روایت طحاوی خود یعلی بن امیہ تھا۔ جعرانہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے، اس شخص کے کپڑوں کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ جسم پر بھی خوشبو کے نشانات تھے جیسا کہ بعض دوسری روایات میں ہے، اگر نشان صرف کپڑے پر ہوتا تو اس کا اتروانا ہی کافی تھا، دھونے کا حکم دینے کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے کے علاوہ جسم پر بھی خوشبو لگی ہوئی تھی۔ خلوق زعفران سے مرکب خوشبو کا نام ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ احرام کے بعد بھی حضور کے جسم پر مشک کے نشانات تھے، سو شاید یہاں اس لیے منع فرمایا گیا کہ زعفران کی خوشبو یا زیادہ رنگدار خوشبو مردوں کے لیے ناجائز ہے۔ ویسے جمہور اس کے قائل ہیں کہ خوشبو کا یہ حکم حضرت عائشہؓ کی حدیث سے منسوخ ہو چکا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص اعمال حج سے واقف تھا مگر اس کے خیال میں عمرے کے احکام حج کے احکام سے کچھ مختلف ہونے چاہئیں تھے، اس کے سوال کا منشا غالباً یہی تھا۔ اسی لیے اس نے سوال میں خاص طور پر عمرے کا لفظ بولا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عمرہ کے متعلق لوگوں میں کچھ تساہل پایا جاتا تھا ورنہ سلے ہوئے کپڑے اتار دینا اور خوشبو کا ترک کرنا حج کے دوران میں ان کے اندر رائج تھا یہ قصہ جعرانہ میں پیش آیا تھا جو فتح مکہ کے بعد متصلاً ہوا تھا۔ حجۃ الوداع میں حضرت عائشہؓ کی حدیث کے مطابق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے وقت خوشبو استعمال کی تھی جس کا اثر بعد تک باقی رہا۔ لیکن محمد بن الحسن اور مالک کے نزدیک اس حدیث کے باعث محرم کپڑوں اور جسم پر خوشبو کا اثر باقی نہ رہنا چاہیے۔ اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا کہ اگر کسی نے بھول کر یا نادانی سے احرام میں خوشبو لگائی تو اسے فوراً دور کر دے، اس کا کفارہ کوئی نہ ہوگا۔ مالک رح نے کہا کہ اگر خوشبو دیر تک لگی رہی تو کفارہ آئے گا۔ ابوحنیفہ رح اور ایک روایت کے مطابق احمد کے نزدیک مطلقاً کفارہ لازم ہے۔

۱۸۲۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ وَهُشَيْمٍ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْلَعْ جُبَّتَكَ فَخَلَعَهَا مِنْ رَأْسِهِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

یعلی بن امیہ رضؓ سے یہی حدیث دوسری سند سے، اس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اپنا جبہ اتار دے، تو اس نے اُسے سر کی طرف سے اتار دیا اور راوی نے پھر ساری حدیث بیان کی (بخاری، مسلم، نسائی اور ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے)

۱۸۲۱- حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِيُّ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ مُنْيَةَ عَنْ أَبِيهِ

بِهٰذَا الْخَبَرِ قَالَ فِيْهِ فَأَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْزِعَهَا نَزْعًا وَيَغْتَسِلَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا وَسَاقَ الْحَدِيْثَ۔

یہی حدیث ایک اور سند سے، اس میں یعلیٰ رضہ کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جبہ اتار دینے اور دو یا تین بار غسل کرنے کا حکم دیا تھا۔ (ابن ماجہ کے سوا باقی سب صحاح میں بھی یہ حدیث موجود ہے) بیہقی نے ابو داؤد سے یہ حدیث اسی سند سے روایت کی ہے اور اس میں یغتسل کے بجائے یغسل کا لفظ ہے اور دوسری روایت کے موافق ہی ہے۔

۱۸۲۲۔ حَدَّثَنَا عُقْبَةُ ابْنُ مُكْرَمٍ نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ نَا أَبِيْ قَالَ سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعِرَّانَةِ وَقَدْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ وَهُوَ مُصَفِّرٌ لِحْيَتَهُ وَرَأْسَهُ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ۔

یعلیٰ بن امیہ رضہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جعرانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا اور ایک جبہ پہن رکھا تھا اور اپنی ڈاڑھی اور سر کو (خوشبو سے) زرد کر رکھا تھا۔ اور راوی نے پھر یہ ساری حدیث بیان کی (یہ حدیث بھی بخاری، مسلم، نسائی اور ترمذی میں موجود ہے۔ اور نسائی کی ایک اور حدیث میں اس حدیث سے ملتا جلتا مضمون ہے۔ اس میں ہے کہ اس شخص نے خوب خوشبو لگا رکھی تھی جو اس پر لپٹی ہوئی تھی۔ اگر یعلیٰ کی حدیث کو حدیث عائشہ رضہ سے منسوخ نہ مانا جائے تو نہی کا سبب شاید یہ تھا کہ اس کا سر اور ڈاڑھی خوشبو سے ڈھکی ہوئی تھی، کوئی معمولی خوشبو نہ تھی)

بَابُ ۳۲ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ

محرم کے لباس کا باب

۱۸۲۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَأَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ قَالَا نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَتْرُكُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا السَّرَاوِيْلَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ وَرْسٌ وَلَا زَعْفَرَانٌ وَلَا الْخُفَّيْنِ إِلَّا لِمَنْ لَا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ فَمَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتّٰى يَكُوْنَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ احرام والا کون سے کپڑے ترک کرے؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ: قمیص، سر ڈھانکنے والا جبّہ، شلوار، عمامہ، ورس یا زعفران لگا کپڑا، موزے نہ پہنے سوائے اس کے جسے جُوتا نہ ملے، جسے جُوتا نہ ملے وہ موزے پہن لے مگر انہیں گٹوں سے نیچے تک کاٹ دے (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: اس حدیث کا حکم اجماعاً مردوں سے خاص ہے، عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ قمیص اور شلوار کی نہی میں ہر سلا ہوا کپڑا داخل ہے۔ اور عمامہ اور برنس کی نہی سے ثابت ہوگیا کہ وہ چیز جس سے سر ڈھک جائے وہ جائز نہیں۔ ورس ایک بوٹی ہے جس سے کپڑوں کا رنگ سرخ کیا جاتا تھا اسی طرح زعفران سے کپڑوں کو زرد کرتے تھے۔ محرم کے لیے احرام کے کپڑے ان سے رنگنا جائز نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اس حدیث میں کعبین سے مراد پاؤں کی اُبھری ہوئی ہڈیاں ہیں اور آیت وضو میں ان سے مراد گٹے ہیں۔ لغت میں کعبین کے دونوں معنے آتے ہیں جیسا کہ اصمعی اور امام فخر الدین نے کہا ہے۔ امام احمد نے موزوں کا پہننا محرم کے لیے جائز کہا ہے۔ خطابی کو اس پہ حیرت ہے اور کہتے ہیں کہ یہ سنت شاید احمد کو پہنچی نہیں ورنہ ان جیسا متبع سنت یہ نہ کہتا۔

۱۸۲۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ۔

ابن عمرؓ کی وہی حدیث ایک اور سند سے

۱۸۲۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ وَزَادَ وَلَا تَنْتَقِبُ الْمَرْأَةُ الْحَرَامُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ مُوسَى ابْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَلَى مَا قَالَ اللَّيْثُ وَرَوَاهُ مُوسَى بْنُ طَارِقٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ مَوْقُوفًا عَلَى ابْنِ عُمَرَ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَمَالِكٌ وَأَيُّوبُ مَوْقُوفًا وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَدِينِيُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحْرِمَةُ لَا تَنْتَقِبُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَدِينِيُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُحْرِمَةُ لَا تَنْتَقِبُ

وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسی حدیث کے معنی کی روایت کی اور اس میں یہ لفظ زائد کیے۔ احرام والی عورت نقاب نہ پہنے اور دستانے نہ پہنے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو حاتم بن اسماعیل اور یحییٰ بن ایوب نے موسیٰ بن عقبہ عن نافع کی سند سے روایت کیا اُسی طرح جس طرح لیثؒ کی روایت ہے (یہی جو سامنے ہے) اور موسیٰ بن طارق نے اسے موسیٰ بن عقبہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف روایت کیا اور اسی طرح عبید اللہ بن عمر اور مالک اور ایوب نے موقوف روایت کیا اور ابراہیم بن سعید مدینی نے نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: محرم عورت نقاب اور دستانے نہ پہنے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابراہیم بن سعید المدینی اہل مدینہ میں سے ایک بزرگ تھا جس کی کچھ زیادہ احادیث نہیں ہیں (الحدیث یعنی لیثؒ کی روایت بخاری، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: احرام والی عورت کے لیے اپنا چہرہ ڈھانکنا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سوار ہمارے پاس سے گزرتے تھے درانحالیکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالتِ احرام میں تھیں۔ پس جب وہ لوگ ہمارے سامنے آتے تو ہم میں سے کوئی اپنی چادر کو چہرے پر لٹکا لیتی اور جب وہ گذر جاتے تو پھر اٹھا لیتی تھیں۔ اس سے پتہ چلا کہ اگر چہرے پر کوئی ایسی چیز لٹکائی جائے جو چہرے سے الگ رہے تو جائز ہے کیونکہ اس کی مثال یوں جیسے کوئی عورت قبے میں یا خیمے میں چھپ کر بیٹھے۔ اس حدیث میں دستانے کی مخالفت ہے اور اس سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ عورت کو دستانے پہننا جائز نہیں۔ حنفیہ نے دستانے جائز رکھے ہیں اور ان کی دلیل سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو دستانے پہناتے تھے۔ اور دستانے پہننا قمیص کی مانند ہے جو عورت احرام میں استعمال کرتی ہے۔ ہاں! حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مفاد یہ ہے کہ یہ نہی استحبابًا ہے یعنی بہتر یہی ہے کہ عورت دستانے نہ پہنے۔ مردوں کے لیے دستانے پہننا ائمہ اربعہ کے نزدیک ناجائز ہیں۔

١٨٢٦۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَدِينِيُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُحْرِمَةُ لَا تَنْتَقِبُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ

اوپر ابراہیم بن سعید مدینی کی جس روایت کا حوالہ داؤد نے دیا ہے اسے یہاں قتیبہ بن سعید کے طریق سے مسند کیا ہے، کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ حضور نے فرمایا: عورت نہ تو نقاب پہنے اور نہ دستانے پہنے۔

١٨٢٧۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَعْقُوبُ نَا أَبِي عَنِ ابْنِ إِسْحٰقَ قَالَ فَإِنَّ نَافِعًا مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ حَدَّثَنِي عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى النِّسَاءَ فِي إِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذٰلِكَ

مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرًا اَوْ خَزًّا اَوْ حُلِيًّا اَوْ سَرَاوِيْلَ اَوْ قَمِيْصًا اَوْ خُفًّا قَالَ اَبُوْدَاوُدَ رَوٰى هٰذَا عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ عَبْدَةُ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ لَمْ يَذْكُرْ مَا بَعْدَهُ ۔

عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ آپ نے عورتوں کو اپنے احرام میں دستانوں اور نقاب سے اور ورس اور زعفران لگے کپڑوں سے منع فرمایا۔ اور اس کے بعد وہ جس رنگ کے کپڑے چاہے پہنے خواہ معصفر ہوں یا ابریشم کے یا زیور یا شلوار یا قمیض یا موزے۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث ابن اسحاق سے عبدہ نے روایت کی، اور محمد بن سلمہ نے محمد بن اسحاق سے اس قول تک کہ: وہ کپڑے جو ورس اور زعفران لگے ہوں، اور ان دونوں نے اس کے بعد کی عبارت کا ذکر نہیں کیا۔

شرح: معصفر وہ کپڑا ہے جو عصفر سے رنگا گیا ہو اور عصفر قرطم نامی پودے کے پھول ہوتے ہیں۔ خزّ ریشم کی ہی ایک قسم ہے اس حدیث میں محرم عورت کو معصفر کی ممانعت کی گئی ہے جو مختلف فیہ ہے کیونکہ حدیث میں اس کا جواز بھی آیا ہے۔ امام شافعی نے معصفر کا جواز لکھا ہے کیونکہ عائشہ صدیقہ رضؓ نے حالت احرام میں معصفر کپڑے پہنے تھے۔ حنفیہ کی تادیل اس میں یہ ہے کہ اگر معصفر کپڑا دُھل جائے اور اس میں خوشبو نہ رہے اور رنگ پھیکا پڑ جائے تو عورت کے لیے احرام میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ حضرت صدیقہ رضؓ سے اس کی ممانعت بھی منقول ہے۔

۱۸۲۸ - حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ وَجَدَ الْقُرَّ فَقَالَ اَلْقِ عَلَيَّ ثَوْبًا يَا نَافِعُ فَاَلْقَيْتُ عَلَيْهِ بُرْنُسًا فَقَالَ تُلْقِيْ عَلَيَّ هٰذَا وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَلْبَسَهُ الْمُحْرِمُ ۔

ابن عمرؓ کو سردی لگی تو انہوں نے نافع سے کہا کہ اے نافع مجھ پر کوئی کپڑا ڈالو۔ نافع نے کہا کہ میں نے ان پر سر ڈھانکنے والا جُبّہ (برنس) ڈال دیا تو ابن عمر رضؓ نے کہا کہ تم مجھ پر یہ کپڑا ڈالتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحرم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا تھا (بخاری اور نسائیؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ نسائیؒ کی روایت طویل تر اور مفصّل ہے)

شرح: ابن عمر رضؓ کے قول سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ حالتِ احرام میں پیش آیا۔ ویسے ابن عمر رضؓ کا اس سے پرہیز بطور تورع و احتیاط تھا ورنہ اسے پہننا نہیں کہا جاتا اور سردی کو دور کرنے کے لیے برنس کو اوپر لینا ممنوع نہ تھا۔ یہی سبب ہے کہ اُسے اتار کر پھینک نہیں دیا تھا۔

١٨٢٩ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ السَّرَاوِيْلُ لِمَنْ لَّا يَجِدُ الْإِزَارَ وَالْخُفُّ لِمَنْ لَّا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: شلوار اس کے لیے جو تہ بند نہ پائے اور موزہ اس کے لیے جو جُوتے نہ پائے (باقی صحاحِ خمسہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے) ابوداؤد نے کہا کہ یہ اھل مکہ کی حدیث ہے (سلیمان بن حرب، اور عمرو بن دینار مکی ہیں، حماد بن زید بصری ہے) اور جابر زید تک یہ حدیث اہل بصرہ کی طرف لوٹ آئی ہے اور اس میں سراویل کا ذکر متفرد ہے اور موزے کو قطع کرنا مذکور نہیں ہوا۔

شرح: حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ بقولِ قرطبی امام احمد نے اس حدیث کے ظاہر کو لے کر موزے اور سراویل کا پہننا مُحرم کے لیے بایں شرط جائز قرار دیا ہے کہ اُسے جوتے اور تہ بند نہ ملیں۔ مگر جمہور نے دوسری احادیث کے باعث موزے کو قطع کرنا اور شلوار کو پھاڑ کر تہ بند بنا دینا ضروری قرار دیا ہے، اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو فدیہ لازم ہو گا۔ اس کی دلیل ابن عمر رضؓ کی گزشتہ حدیث ہے جس میں موزہ کو قطع کرنے کا حکم اور سراویل کی صریح ممانعت آئی ہے۔ ابوداؤد نے جابر بن زید کا سراویل کے ذکر میں تفرد بیان کیا مگر ابن ابی شیبہ کی روایت میں سند کے ساتھ سعید بن جبیر عن ابن عباس سراویل کا ذکر موجود ہے۔ پس جابر بن زید متفرد نہ رہا۔ رہا موزے کو قطع کرنے کا ذکر سو وہ نسائی کی ایک اور روایت اور مسلم کی بعض روایات میں واضح طور پر موجود نہیں ہے۔ غالباً ابوداؤد نے یہ عبارت لکھ کر کاٹ دی ہو گی اور کسی کاتب نے اسے حاشئے پر لکھ دیا ہو گا چنانچہ اب یہ حاشئے پر ہے ابوداؤد کے متن میں نہیں۔

١٨٣٠ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْجُنَيْدِ الدَّامَغَانِيُّ نَا أَبُوْ أُسَامَةَ أَخْبَرَنِيْ عُمَرُ بْنُ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ بِنْتُ طَلْحَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ حَدَّثَتْهَا قَالَتْ كُنَّا نَخْرُجُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَكَّةَ فَنُضَمِّدُ جِبَاهَنَا بِالسُّكِّ الْمُطَيَّبِ عِنْدَ الْإِحْرَامِ فَإِذَا عَرِقَتْ إِحْدَانَا سَالَ عَلَى وَجْهِهَا فَيَرَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَنْهَاهَا۔

عائشہ ام المؤمنین رضؓ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف نکلتے تھے تو اپنی پیشانیوں کو خوشبودار سُک کے ساتھ احرام کے وقت لیپ دیتے تھے۔ پھر جب ہم میں سے کسی کو پسینہ آتا تو وہ ہمارے چہرے پر بہ جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیکھتے تو منع نہ فرماتے تھے۔

شرح: سُک ایک معروف خوشبو ہوتی تھی جسے بنانے میں بہت دیر لگتی تھی۔ حالتِ احرام کے اندر تو خوشبو لگانے کا جواز

کسی کے نزدیک نہیں ہے مگر یہ احرام کے وقت (یعنی اس کی تیاری کے وقت) کا بیان ہے، اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ پہلے سے لگی ہوئی خوشبو اگر حالت احرام میں باقی رہے تو حرج نہیں ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ مگر ابن عمرؓ، زہریؒ، امام مالکؒ امام محمد بن الحسن اور بعض شافعیہ کے نزدیک احرام باندھتے وقت اتنی خوشبو لگانا جس کا اثر بعد تک رہ جائے جائز نہیں ان کا استدلال بعض دوسری احادیث سے ہے مثلاً یعلی بن امیہ کی گزشتہ حدیث۔ جمہور نے اس حدیث کی ممانعت کو استحباب پر محمول کیا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

۱۸۳۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ قَالَ ذَكَرْتُ لِابْنِ شِهَابٍ فَقَالَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ يَعْنِي ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ يَعْنِي يَقْطَعُ الْخُفَّيْنِ لِلْمَرْأَةِ الْمُحْرِمَةِ ثُمَّ حَدَّثَتْهُ صَفِيَّةُ بِنْتُ أَبِي عُبَيْدٍ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ رَخَّصَ لِلنِّسَاءِ فِي الْخُفَّيْنِ فَتَرَكَ ذٰلِكَ۔

سالم بن عبداللہ نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ محرم عورت کے لیے پہلے موزوں کو کاٹ دیتے تھے۔ پھر صفیہ بنت ابی عبید (ابن عمرؓ کی زوجہ) نے انہیں حضرت عائشہؓ کی حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے موزوں کی رخصت دی تھی تو عبداللہ نے قطع کرنا چھوڑ دیا۔

بَابُ ۳۳ الْمُحْرِمِ يَحْمِلُ السِّلَاحَ

محرم کے ہتھیار اٹھانے کا باب

۱۸۳۲۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يَقُولُ لَمَّا صَالَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ الْحُدَيْبِيَةِ صَالَحَهُمْ عَلَى أَنْ لَا يَدْخُلُوهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ فَسَأَلْتُهُ مَا جُلُبَّانُ السِّلَاحِ قَالَ الْقِرَابُ بِمَا فِيهِ۔

ابو اسحاق نے براءؓ کو کہتے سنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل حدیبیہ (یعنی کفار مکہ جن کے ساتھ معاہدۂ حدیبیہ ہوا تھا) کے ساتھ مصالحت فرمائی تو اس شرط پر صلح ہوئی تھی کہ اہل اسلام مکہ میں ہتھیاروں کو نیام میں لے کر آئیں گے۔

شعبہ نے ابواسحاق سے پوچھا کہ جلبان السلاح کیا چیز ہے؟ تو اس نے کہا کہ نیام مع ہتھیار (بخاری نے یہ حدیث صلح اور حج اور جہاد اور مغازی میں بیان کی ہے اور مسلم نے کتاب الجہاد میں) خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ جلبان کی یہ تفسیر میں نے کسی لغت کے لائق اعتماد آدمی سے نہیں سنی۔ بعض کے نزدیک جُلُبان قد آور جسیم شخص کو کہتے ہیں۔ شاید ہتھیار کے باعث چونکہ آدمی ہیبت ناک سا نظر آتا ہے لہٰذا تلوار کی نیام کو جُلُبان کہنے لگے۔ یہ شرط حضورؐ نے اس لیے کی تھی کہ اہل مکہ سے ہر قسم کی غلط حرکت پر اُتر آنے کا اندیشہ قوی تھا۔

بَابُ ۳۴ فِي الْمُحْرِمَةِ تُغَطِّي وَجْهَهَا

(محرم عورت کے اپنے چہرے کو ڈھانکنے کا باب)

۱۸۳۳- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا هُشَيْمٌ نَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُونَا كَشَفْنَاهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب سوار ہمارے قریب سے گزرتے جبکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام میں ہوتیں، تو جب وہ ہماری محاذات میں آتے تو ہم لوگ اپنی چادریں چہروں پر لٹکا لیتیں، پھر جب وہ آگے گزر جاتے تو ہم چہرہ کھول دیتے تھے (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت کو احرام میں نقاب استعمال کرنے کی ممانعت ثابت ہے (جیسا کہ پچھلی احادیث میں گزرا) لیکن چادر کے (بوقت ضرورت) سر سے چہرے پر لٹکانا جو سدل کہلاتا ہے (اور نقاب نہیں ہے) سدل کی اجازت عطاء، مالک، سفیان ثوری اور احمد بن حنبل اور اسحاق نے دی ہے اور یہی محمد بن الحسن کا قول ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ شعبہ، یحییٰ بن سعید القطانی اور یحییٰ بن معین کے نزدیک مجاہد کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں ہے۔ ابو حاتم رازی نے کہا کہ مجاہد کی روایت عائشہ سے مُرسل (منقطع) ہے۔ لیکن بخاری اور مسلم نے مجاہد کی حدیث عائشہؓ سے روایت کی ہے جس سے بظاہر سماع کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں یزید بن ابی زیاد راوی متکلم فیہ ہے۔ مسلم نے اس کی روایت دوسروں کے ساتھ ملا کر لی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسے ناقابل احتجاج سمجھتے ہیں۔

شوکانی نے کہا ہے کہ جب عورت ستر کی خاطر سر کا کپڑا چہرے پر لٹکائے تو وہ چہرے سے ضرور لگتا ہے۔ اس معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے نزدیک سدل کا جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ کپڑا چہرے پر نہ پڑے۔ یہ حدیث ان کے قول کے بظاہر خلاف ہے۔ اور اگر یہ شرط ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بیان فرما دیتے۔ حافظؒ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ احرام میں ضرورت کے وقت عورت کے لیے سدل مستحب ہے بشرطیکہ چادر چہرے سے الگ رہے۔ مولانا نےؒ فرمایا کہ شوکانی

کا قول نا قابل فہم ہے کیونکہ حضورؐ نے صراحۃً نقاب کی ممانعت فرمائی ہے اور یہ حدیث اُس سے متعارض ہے۔ پس دونوں کو جمع کرنے کے لیے ہم نے یہ کہا کہ اس ممانعت کا منشاء یہ ہے کہ پردہ چہرے سے متصل نہ ہو۔ اور سدل کی اجازت اس شرط کے ساتھ ہے کہ کپڑا چہرے سے الگ رہے (اور گھونگٹ میں یہ ممکن ہے)

بَابُ ۳۵ فِي الْمُحْرِمِ يُظَلَّلُ

محرم کے سر پر سایہ کیے جانے کا باب

۱۸۳۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ حَدَّثَتْهُ قَالَتْ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ فَرَأَيْتُ أُسَامَةَ وَبِلَالًا وَأَحَدُهُمَا آخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهُ يَسْتُرُهُ مِنَ الْحَرِّ حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔

حضرت ام المؤمنین نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آخری حج کیا۔ پس میں نے اُسامہ اور بلال کو دیکھا کہ ان میں سے ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مُہار پکڑ رکھی تھی اور دوسرے نے اپنا کپڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوپ سے بچانے کے لیے اوپر اٹھایا ہوا تھا حتیٰ کہ جمرۂ عقبہ پہ کنکریاں پھینکیں (یہ حدیث مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔)

شرح: نسائی کی روایت میں ہے کہ اونٹنی کی مہار بلال کے ہاتھ میں تھی اور کپڑے کا سایہ حضورؐ پر اُسامہؓ کرتا تھا۔ جمرۂ عقبہ مکہ کی جانب سے پہلا جمرہ ہے جو گھاٹی کے پاس ہونے کے سبب سے جمرۂ عقبہ کہلاتا ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے مُحرم کے سر پر چھتری وغیرہ یا کپڑے کا سایہ کرنے کا ثبوت ملتا ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ امام مالکؒ اور احمدؒ نے اس کے خلاف کہا ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ مُحرم کے لیے خیمے یا چھت کے نیچے بیٹھنا جائز ہے۔ چھتری یا کپڑے وغیرہ کے سائے کی ممانعت میں امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی دلیل بیہقی کی حدیث ہے جس کی سند صحیح ہے کہ ابن عمرؓ نے ایک مُحرم کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھا اور سر پر دھوپ سے بچنے کے لیے سایہ کر رکھا تھا تو ابن عمرؓ نے کہا کہ: جس کے لیے تو نے احرام باندھا ہے اس کے لیے دھوپ برداشت کر۔ اور بیہقی کی ایک ضعیف روایت جابرؓ سے مرفوعاً آئی ہے کہ: جو مُحرم غروب آفتاب تک دھوپ کھائے گا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا کہ گویا آج پیدا ہوا ہے۔ ان روایات کا جواب یہ ہے کہ ابن عمرؓ کا قول کسی کے لیے حجت نہیں ہے اور جابرؓ کی ضعیف حدیث سے زیادہ دھوپ میں رہنے کی افضلیت ثابت ہوتی ہے مگر زیر نظر صحیح حدیث میں حضورؐ کا اپنا فعل موجود ہے اور یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ حضورؐ

افضل کو چھوڑ دیتے۔ ہاں یوں کہا جائے تو بات بنتی ہے کہ بعض مفضول افعال حضورؐ نے بیانِ جواز کی خاطر کیے ہیں واللہ اعلم

بَابُ ۳۶ الْمُحْرِمِ يَحْتَجِمُ

محرم کے سینگی لگوانے کا باب

۱۸۳۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَطَاءٍ وَطَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں سینگی لگوائی تھی (یہ حدیث بخاریؒ نے کئی مقامات پر روایت کی ہے اور مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند دارمی اور مسند احمد میں بھی مروی ہوئی ہے)

شرح: معالم السنن بن خطابیؒ نے کہا کہ احرام میں حجامت مکروہ نہیں ہے۔ اور یہی مذہب سفیان ثوری، اصحاب رائے شافعی، احمد اور اسحاق کا ہے۔ مالکؒ نے اسے شدید ضرورت کے سوا مکروہ کہا ہے اور حسن بصریؒ کے نزدیک حجامت سے ایک جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ جن فقہا نے اسے مکروہ کہا ہے وہ صرف اس بنا پر ہے کہ اس کے لیے بال کاٹنے پڑیں گے۔ اگر ایسی جگہ پر سینگی لگوائیں جہاں بال نہ ہوں تو ان کے نزدیک بھی فدیہ نہیں ہاں اگر بال کاٹے جائیں گے تو فدیہ واجب ہوگا۔ امام مالکؒ کی دلیل بقول علامہ عینی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامت ایک مرض کے باعث کرائی تھی۔

۱۸۳۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنَا هِشَامٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فِيْ رَأْسِهٖ مِنْ دَاءٍ كَانَ بِهٖ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام میں ایک بیماری کے سبب میں سر میں پچھنے لگوائے تھے (بخاری اور نسائی نے بھی مختصراً اسے روایت کیا ہے)

۱۸۳۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِهٖ۔

انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں پاؤں کی پشت پر ایک بیماری کے

باعث پچھنے لگوائے تھے (نسائی اور ترمذی نے اسے روایت کیا ہے۔ نسائی نے بیماری کا نام وثا بتایا ہے جس کا معنی خطابی نے یہ بتایا ہے کہ ہڈی پر بوجھ پڑے اور وہ ٹوٹے نہیں مگر دب جائے) ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اور ہے اور اوپر کی حدیثوں والا اور ہے۔

بَابُ ۳۷ يَكْتَحِلُ الْمُحْرِمُ

محرم کے سرمہ ڈالنے کا باب

۱۸۳۸ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ اشْتَكَى عُمَرُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْمَرٍ عَيْنَيْهِ فَأَرْسَلَ إِلَى أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ سُفْيَانُ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَوْسِمِ مَا يَصْنَعُ بِهِمَا قَالَ اضْمِدْهُمَا بِالصَّبِرِ فَإِنِّي سَمِعْتُ عُثْمَانَ يُحَدِّثُ ذَلِكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

نبیہ بن وہب نے کہا کہ عمر بن عبید اللہ بن معمر کی آنکھیں خراب ہو گئیں تو اس نے ابان بن عثمان کو پیغام بھیجا، سفیان نے کہا کہ اس وقت ابان بن عثمان رض امیر الحج تھے، پیغام یہ تھا کہ آنکھوں کا کیا کروں؟ ابان نے کہا کہ ان پر مصبر کا لیپ کر دو کیونکہ میں نے عثمان رض کو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے سنا تھا (مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: ابان بن عثمان اموی کی کنیت ابوسعید یا ابوعبداللہ تھی۔ عمرو بن شعیب نے کہا کہ میں نے ابان سے بڑھ کر حدیث اور فقہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ یحیی بن سعید القطان نے ابان کو فقہائے مدینہ میں شمار کیا ہے۔ صبر ایک درخت کا رس ہے جسے ہماری زبان میں مصبر کہتے ہیں۔ امام احمدؒ نے بھی یہ حدیث اس سند سے مسند میں روایت کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ سرمے میں اگر خوشبو نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کوئی بلا عذر بھی استعمال کرے تو کوئی فدیہ یا صدقہ نہیں آتا مگر اولیٰ یہ ہے کہ اسے ترک کیا جائے کیونکہ اس میں زینت ہے اگر سرمہ خوشبودار ہو تو تین دفعہ ڈالنے سے جانور کی قربانی اور ایک دوبار سے صدقہ واجب ہے۔ شافعیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

۱۸۳۹ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ۔

نبیہ بن وہب سے وہی حدیث ایک اور سند کے ساتھ۔

بَابُ ۳۸ الْمُحْرِمِ يَغْتَسِلُ

محرم کے غسل کرنے کا باب

۱۸۴۰ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ اخْتَلَفَا بِالأَبْوَاءِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ وَقَالَ الْمِسْوَرُ لاَ يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ فَأَرْسَلَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ إِلَى أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ فَوَجَدَهُ يَغْتَسِلُ بَيْنَ الْقَرْنَيْنِ وَهُوَ يُسْتَرُ بِثَوْبٍ قَالَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ مَنْ هَذَا قُلْتُ أَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حُنَيْنٍ أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ أَسْأَلُكَ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ قَالَ فَوَضَعَ أَبُو أَيُّوبَ يَدَهُ عَلَى الثَّوْبِ فَطَأْطَأَهُ حَتَّى بَدَا لِي رَأْسُهُ ثُمَّ قَالَ لإِنْسَانٍ يَصُبُّ عَلَيْهِ اصْبُبْ قَالَ فَصَبَّ عَلَى رَأْسِهِ ثُمَّ حَرَّكَ أَبُو أَيُّوبَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ ثُمَّ قَالَ هَكَذَا رَأَيْتُهُ يَفْعَلُ ـ

عبداللہ بن حنین کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عباس اور مسور بن مخرمہ رض میں ابواء کے مقام پر (اس غسل کے مسئلہ میں) اختلاف ہوگیا تو ابن عباس رض نے کہا کہ محرم اپنا سر دھو سکتا ہے اور مسور نے کہا نہیں دھو سکتا۔ پس عبداللہ بن عباس رض نے مجھے ابوایوب انصاری کے پاس بھیجا۔ پس عبداللہ نے (راوی نے) ابوایوب رض کو کنویں کے دو عمودوں کے درمیان ایک کپڑے کی اوٹ میں نہاتے دیکھا۔ عبداللہ نے کہا کہ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا میں عبداللہ بن حنین ہوں عبداللہ بن عباس نے مجھے آپ کے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ آپ سے پوچھوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں اپنا سر کس طرح دھوتے تھے؟ عبداللہ نے کہا کہ اس پر ابو ایوب رض نے کپڑے کو ہاتھ سے جھکا یا حتی کہ ان کا سر مجھے دکھائی دینے لگا، پھر پانی ڈالنے والے سے کہا کہ پانی ڈال۔ عبداللہ نے کہا کہ اس نے پانی ڈالا تو ایوب نے اپنے ہاتھوں سے سر کے بالوں کو حرکت دی اور ہاتھوں کو آگے پیچھے لے گئے۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کرتے دیکھا تھا۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: عبداللہ بن حنین ہاشمی عبداللہ بن عباس رض کا آزاد شدہ غلام تھا۔ ابواء فرع کے مضافات میں ایک بستی تھی جو بجانب مدینہ جحفہ سے تئیس میل کے فاصلے پر تھی۔ یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ کی قبر ہے۔ ابن عیینہ نے اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ عبداللہ بن حنین نے واپس آکر ان حضرات کو ابو ایوب کا قول و فعل بتایا تو مسور رض نے کہا کہ میں کبھی تجھ سے (ابن عباس) سے جھگڑا نہیں کروں گا۔ علامہ عینی رح نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ (ابو حنیفہ، ثوری، اوزاعی، شافعی احمد اور اسحاق اس میں حرج نہیں جانتے۔ اس بارے میں حضرت عمر بن الخطاب رض،

ابن عباسؓ اور جابرؓ سے رخصت مروی ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور انکی دلیل یہی حدیث ہے۔ امام مالکؒ اسے محرم کے لیے مکروہ جانتے تھے اور بیان کیا جاتا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ صرف واجب غسل میں سر دھوتے تھے۔ ابو داؤدؒ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے غسل کو بھی اسی پر قیاس کیا ہے اور اس حدیث پر غسل کا باب رکھا ہے کیونکہ غسل میں سر کا دھونا ہی محل اشکال ہے مبادا اس سے بال بچ جائیں

باب ۳۹ الْمُحْرِمِ يَتَزَوَّجُ

محرم کے نکاح کا باب

۱۸۴۱ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ أَخِي بَنِي عَبْدِ الدَّارِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ أَرْسَلَ إِلَى أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ يَسْأَلُهُ وَأَبَانُ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْحَاجِّ وَهُمَا مُحْرِمَانِ إِنِّي أَرَدْتُ أَنْ أُنْكِحَ طَلْحَةَ بْنَ عُمَرَ ابْنَةَ شَيْبَةَ بْنِ جُبَيْرٍ فَأَرَدْتُ أَنْ تَحْضُرَ ذَلِكَ فَأَنْكَرَ ذَلِكَ عَلَيْهِ أَبَانُ وَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ أَبِي عُثْمَانَ ابْنَ عَفَّانَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ۔

نبیہ بن وہب عبد دار کا بیان ہے کہ عمر بن عبیداللہ نے ابان بن عثمان سے سوال کرنے کے لیے آدمی بھیجا اور ابان اس وقت امیر حج تھے اور وہ دونوں محرم تھے، پیغام یہ تھا کہ میں اپنے بیٹے طلحہ بن عمر کا نکاح شیبہ بن جبیر کی بیٹی سے کرنا چاہتا ہوں اور گزارش کرتا ہوں کہ آپ بھی تشریف لائیں۔ ابان نے اس پر نکیر کی اور کہا کہ میں نے اپنے باپ عثمان بن عفان کو یہ کہتے سنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم نہ اپنا نکاح کرے نہ کسی اور کا نکاح کرائے (اسی حدیث کو مسلم اور ترمذی، النسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا اور ابن ماجہ نے وَلَا يَخْطُبُ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ سنن ابی داؤد میں کتاب الصید میں بھی یہ حدیث آرہی ہے۔)

شرح: خطابیؒ نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث کے ظاہر پہ مالکؒ اور شافعیؒ کا مذہب ہے، ان کے نزدیک ایسا نکاح فسخ ہے چاہے کوئی اپنا نکاح کرے یا کسی کا ولی بنے۔ اور حنفیہ نے نکاح اور انکاح دونوں کو احرام میں جائز کہا ہے اور ان کی دلیل ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے حضرت میمونہؓ سے احرام میں ہی نکاح کیا تھا۔ اور حدیث عثمان کی تاویل انہوں نے یہ کی ہے کہ یہ امر نہیں بلکہ خبر ہے یعنی محرم مناسک میں مصروف ہونے کے باعث اتنی فرصت نہیں پاتا۔ اور بعض نے اس حدیث کے لفظِ نکاح بمعنی جماع لیا ہے، یعنی نکاح تو ہو سکتا ہے مگر اس کا نتیجہ یعنی وطی ممنوع ہے۔ اس کے بعد خطابی نے اس کا رد لکھا ہے اور کہا ہے کہ حدیث کا لفظ بعینہٖ نہی ہے۔ لَا يَنْكِحُ وَلَا يُنْكِحُ۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر یہ نہی ہے تو اسے تنزیہہ پر محمول کیا جائے گا نہ کہ تحریم پر۔

۱۸۴۲- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَهُمْ نَا سَعِيدٌ عَنْ مَطَرٍ وَيَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ مِثْلَهُ زَادَ وَلَا يَخْطُبُ۔

اس حدیث کی دوسری روایت جس میں وَلَا یَخْطُبُ کا لفظ زائد ہے (یعنی پیغام نکاح بھی نہ دے اور یہ اضافہ مسلم اور بیہقی میں بھی موجود ہے)

۱۸۴۳- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ بْنِ أَخِي مَيْمُونَةَ عَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ حَلَالَانِ بِسَرِفَ۔

ام المؤمنین میمونہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام سرف میں مجھ سے نکاح کیا جبکہ ہم دونوں احرام سے باہر تھے (مسلم اور ترمذی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے) خطابی نے کہا ہے کہ ابن عباس کو اس نکاح میں وہم ہوا ہے اور میمونہؓ سے بڑھ کر اس بات کو کوئی نہیں جان سکتا لہذا اسی کا قول اختیار کیا جائے گا۔

شرح: مولانا ؒ نے فرمایا کہ محرم کے نکاح کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔ سعید بن المسیب، سالم، قاسم، سلیمان بن یسار، لیث، اوزاعی، مالک، شافعی، احمد اور اسحاق نے کہا کہ محرم کے لیے اپنا یا کسی اور کا نکاح جائز نہیں، اگر کرے گا تو وہ باطل ہوگا اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسری طرف ابراہیم نخعی، ثوری، عطا، حکم بن عتیبہ، حماد بن ابی سلیمان، عکرمہ، مسروق، ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد بن الحسن نے کہا کہ محرم اگر نکاح کرے تو کوئی حرج نہیں ہاں احرام میں مقاربت نہ کرے۔ اور یہی قول ابن عباس اور ابن مسعودؓ کا ہے۔ اور اس مسئلے کی اصل بنیاد اس تحقیق پر ہے کہ حضرت میمونہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح آیا احرام کی حالت میں ہوا تھا یا احرام سے باہر۔ دونوں فریقوں نے اس سلسلے میں اپنے اپنے دلائل دیئے ہیں۔

مانعین کا استدلال ابو رافعؓ کی حدیث سے ہے۔ اس نے کہا کہ نکاح کے وقت حضورؐ احرام میں نہ تھے اور میں ہونے والے زوجین میں ایلچی تھا۔ ابن عباسؓ نے اس کے برخلاف کہا کہ یہ نکاح احرام میں ہوا تھا۔ مانعین نے چند وجوہ سے ابو رافعؓ کے قول کو ابن عباسؓ کے قول پر ترجیح دی ہے۔ (۱) ابو رافع اس وقت بالغ آدمی تھے مگر ابن عباسؓ کی عمر دس سال کے لگ بھگ تھی پس ابو رافع اس وقت ابن عباسؓ کی نسبت اس معاملے کا زیادہ حافظ تھا۔ (۲) ابو رافعؓ حضورؐ اور میمونہؓ کے درمیان ایلچی تھا لہذا جو کچھ وہ جانتا تھا ابن عباسؓ نہ جان سکتے تھے (۳) یہ واقعہ عمرۃ القضاء کا ہے اور ابن عباس اس وقت حضورؐ کے ساتھ نہ تھے بلکہ وہ ان ضعیف لوگوں میں سے تھے جنہیں عذر کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ہجرت سے مستثنیٰ فرمایا تھا، ابن عباسؓ نے یہ واقعہ اوروں سے سنا ہوگا (۴) حضورؐ جب عمرہ کے لیے داخل ہوئے تھے تو آپؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا پھر

صفا و مروہ کی سعی کی اور سر منڈوا کر احرام کھول دیا۔ اب یہ بات تو واضح ہے کہ حضورؐ نے یہ نکاح نہ تو طواف سے پہلے کیا اور نہ طواف وسعی کے عرصے میں، پس ابو رافعؓ کا قول ہی صحیح ہے (۵) صحابہؓ نے ابن عباسؓ کی تغلیط کی ہے مگر ابو رافعؓ کی تغلیط نہیں کی (۶) ابو رافعؓ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نہی کے مطابق ہے جس میں محرم کے نکاح پہ پابندی لگادی گئی ہے اور ابن عباسؓ کا قول اس حدیث کے خلاف ہے۔ اس قول سے یا تو نسخ لازم آتا ہے یا احرام کی حضورؐ کے لیے نکاح کی تخصیص، اور یہ دونوں امر بے دلیل اور خلاف اصل ہیں۔ (۷) میمونہ کے بھانجے نے شہادت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہؓ سے نکاح احرام کے باہر کیا تھا اور وہ میری بھی خالہ تھیں جیسے کہ ابن عباسؓ کی خالہ تھیں۔ ابن القیم نے اسے الهدیٰ میں بیان کیا ہے۔

مولانا نے فرمایا ہے کہ یہ تمام وجوہ ترجیح قابل رد ہیں کیونکہ: (۱) حفظ کا تعلق بلوغت اور عدم بلوغت سے نہیں بلکہ وہ ایک فطری چیز ہے۔ امام بخاری کا مرتبہ چھوٹی عمر میں ہی حفظ و اتقان میں جو تھا کیا کوئی اور محدث اس کے قریب بھی پہنچ سکا ہے؟ اور ابو رافع کو محض بلوغت کی بنا پہ ابن عباسؓ سے راجح قرار دینا ایک ایسا قول ہے جو صحابہ و تابعین میں سے کسی سے سرزد نہیں ہوا۔ روایت و درایت دونوں اس کے خلاف ہیں۔ علم و فقہ اور حفظ و اتقان میں ابن عباسؓ کا جو مقام تھا ابو رافع اس میں ان کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ عمر بن الخطاب ابن عباسؓ کو خاص علمی مجلسوں میں بڑی عمر کے صحابہ کے ساتھ بٹھاتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس پہ اعتراض کیا کہ اس عمر کے تو ہمارے بچے ہیں، آپ اسے اس علمی مجلس میں کیسے ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ تم جانتے ہی ہو اس کا فقہ و علم میں جو مقام ہے۔ اور پھر سب لوگوں سے سورہ النصر کا معنیٰ پوچھا تو سب خاموش رہے اور ابن عباسؓ نے کہا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرب اجل کا اعلان کیا گیا ہے۔ اور ابن عباسؓ نے یہ نکاح والی حدیث بڑی عمر میں روایت کی ہے اور اس میں انہیں کوئی شک و تردد نہیں تھا اور ان کے حافظ و عادل شاگردوں نے یہ حدیث ان سے روایت کی اور صحاح ستہ کے مولفین نے اسے اپنی کتابوں میں درج کیا اس سب کچھ کے باوجود ابو رافعؓ کے قول کو ابن عباسؓ کی حدیث پہ کس طرح ترجیح دی جا سکتی ہے؟ (۲) جہاں تک ابو رافعؓ کے قاصد ہونے کا سوال ہے وہ مسلّم ہے۔ لیکن یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس معاملے کو ابن عباسؓ سے زیادہ جانتا تھا حضورؐ نے ابو رافع کو پیغام نکاح دے کر بھیجا میمونہؓ نے اپنا معاملہ اپنی بہن ام الفضل (زوجۂ عباسؓ و والدۂ ابن عباسؓ) کے سپرد کر دیا اور ام الفضلؓ نے یہ معاملہ اپنے خاوند عباسؓ کے سپرد کیا۔ ابو رافع صرف پیغام رساں تھا، نکاح میں اس کا کوئی دخل نہیں رہا، کسی روایت میں یہ نہیں کہ اس نے نکاح کرایا تھا یا وہ مجلس نکاح میں بھی حاضر تھا نکاح کرنے والا عباسؓ تھا اور ظاہر ہے کہ اس کا جتنا علم ابن عباسؓ کو ہو سکتا ہے کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ نکاح خواں اس کا باپ اور دلہن اس کی سگی خالہ تھی (۳) یہ بھی تسلیم نہیں ہے کہ ابن عباسؓ اس عمرہ میں حضورؐ کے ساتھ نہ تھے۔ نکاح ان کے خاندان میں تھا اور سارا کام گھر کے لوگ انجام دے رہے تھے تو ابن عباسؓ کہاں تھے؟ اگر مان لیا جائے کہ ابن عباسؓ موجود نہ تھے تو گھر کی بات تھی جو انہوں نے خود شرکاء واقعہ سے سنی تھی، اس کا انہیں یقین تھا لہٰذا اپنے فاضل و حافظ شاگردوں کو بتائی۔

(۴) اس وجہ ترجیح میں تو بچوں کی ہنسی کا سامان موجود ہے۔ کون کہتا ہے کہ حضورؐ نے یہ نکاح طواف میں یا سعی میں کیا تھا؟ یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ نکاح مکہ کے راستے میں ہوا تھا۔ یزید بن اصم کی روایت میں تو اس سرف میں ہونا آیا ہے۔ نسائی کی روایت مجتبیٰ میں ہے کہ ابن عباس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہؓ بنت حارث سے

حالتِ احرام میں نکاح کیا۔ یعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ نکاح سرف میں ہوا۔ پس دونوں فریق اس بات پر متفق ہوگئے کہ نکاح مقامِ سرف میں ہوا اب ابورافع رضہ کی بات کو ترجیح دینے کا کیا سوال باقی رہ جاتا ہے (۵) یہ بات غلط ہے کسی صحابی نے ابن عباس رضہ کی تغلیط نہیں کی سعید بن المسیب کی روایت ہے کہ میمونہ رضہ کے نکاح کے متعلق ابن عباس رضہ کو وہم ہوا ہے۔ اب کہاں سعید بن المسیب کی تغلیط اور کہاں ابن عباس رضہ (۶) محرم کے نکاح سے نہی کی حدیث میں یا تو تحریم مراد ہوگی یا تنزیہ۔ پہلی صورت میں واقعی یہ ابورافع رضہ کے قول کے موافق ہوتی بشرطیکہ اس پر کوئی دلیل قائم ہوتی، جو نہیں ہے۔ دوسری صورت میں یہ حدیث قولِ ابی رافع رضہ کے موافق نہیں ہے خصوصاً اس لیے کہ اس میں: وَلَا يَخْطُبُ کا لفظ بھی ہے۔ اور خِطبہ کسی کے نزدیک بھی اس حالت میں حرام نہیں، گویا خطبہ کی نہی . . . . تحریم کے لیے نہیں تو اسی طرح نکاح کی نہی کا بھی حال ہے۔ اور جب یہ احتمال موجود ہے تو اس سے استدلال باطل ہے۔ (۷) ہمیں یہ تسلیم ہے کہ میمونہ رضہ کا بھانجا یزید بن اصم یہ روایت کرتا ہے کہ میمونہ رضہ کا نکاح اس حال میں ہوا کہ حضور صلعم احرام میں نہ تھے، اور یہ بھی تسلیم کہ میمونہ اس کی خالہ ہوتی ہیں، لیکن اس کا قول ابن عباس رضہ کے قول کے مقابلے میں زیادہ معتبر نہیں۔ عمرو بن دینار نے یہ قول ابن شہاب زہری پر رد کیا تھا اور اس پر تنقید کی تھی، یہ روایت بیہقی نے حمیدی کے طریق سے بیان کی ہے۔ عمرو بن دینار نے کہا کہ میں نے زہری سے کہا: مجھے ابوالشعثاء نے بتایا ہے کہ بقول ابن عباس رضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح احرام میں ہوا تھا، تو ابن شہاب نے کہا کہ مجھ کو یزید بن الاصم نے بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکاح احرام سے باہر ہوا تھا میمونہ رضہ اس کی خالہ تھی۔ تو عمرو بن دینار نے کہا میں نے ابن شہاب زہری سے کہا: کیا تو اپنی ایڑیوں پہ پیشاب کرنے والے ایک بدو کا مقابلہ ابن عباس رضہ سے کرتا ہے حالانکہ وہ ابن عباس رضہ کی بھی خالہ تھی؟

اوپر ہم نے خطابی کا قول درج کیا ہے کہ خود میمونہ رضہ جو صاحبِ واقعہ تھیں کہتی ہیں کہ میرا نکاح حالتِ احرام سے باہر ہوا تھا۔ حافظ زیلعی نے ابورافع رضہ کے قول کی ترجیح کا ایک سبب اسے بھی بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ مانعین کی سب سے قوی دلیل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میمونہ رضہ کا یہ قول یزید الاصم نے نقل کیا ہے، اور یزید الاصم کی بات کا جواب گزر چکا۔ دوسرا یہ ہے کہ میمونہ رضہ نے یہ نکاح خود تو نہیں کیا تھا بلکہ ان کا معاملہ حضرت عباس رضہ کے سپرد تھا۔ عباس رضہ نے جب یہ نکاح کیا تھا تو میمونہ رضہ حاضر نہ تھیں ان حالت میں ان کے قول کو (حسب روایت یزید الاصم) کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے؟ صاحبِ قصہ وہ نہ تھیں بلکہ عباس رضہ اور ان کا گھرانا تھا۔ اور میمونہ رضہ کے قول سے مراد یہ ہے کہ مقام سرف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مقاربت فرمائی تھی۔

ابن عباس رضہ کی حدیث کی ترجیح کی وجوہ بہت سی ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں (۱) علم و فقہ اور حفظ و اتقان میں ابن عباس رضہ کا مرتبہ جس میں کوئی ان کا سہیم و شریک نہیں۔ حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ نہ تو اخبار میں کوئی تعارض ہے اور نہ ابن عباس کو کوئی وہم ہوا ہے کیوں کہ وہ دوسروں سے حافظ تر اور عالم تر ہیں (۲) ابن عباس رضہ کی حدیث صحاح ستہ میں مروی ہے بلکہ محدثین اس کی تخریج و تصحیح پر متفق ہیں اور یزید بن الاصم کی حدیث نہ بخاری نے روایت کی نہ نسائی نے۔ اسی طرح ابو رافع رضہ کی حدیث کو صحیحین میں سے کسی نے نہیں لیا اور وہ درجۂ صحت کو نہیں پہنچی۔ اسی لیے اس کے متعلق ترمذی نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ حماد عن مطر کے سوا کسی اور نے اُسے مسند کیا ہو (۳) ابورافع کی حدیث کی اسناد وانقطاع میں اختلاف ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا۔ مالک اور سلیمان بن بلال نے اسے مرسل بیان کیا ہے اسی طرح یزید بن الاصم کی حدیث کو بعض نے یزید بن میمونہ بیان کیا ہے اور بعض نے یزید بن الاصم کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ رضہ سے حالتِ احرام سے باہر نکاح

کیا تھا۔ یہ روایت مرسل ہے اور اس میں میمونہؓ کا ذکر نہیں ہے۔ پھر ترمذی نے اس روایت کے متعلق جسے یزید بن الاصم نے میمونہ رضؓ کے حوالے سے بیان کیا، باب کے آخر میں کہا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ رضؓ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا اور حلال ہونے کی حالت میں مقاربت کی اور وہ سرف میں فوت ہوئیں اور ہم نے اُنہیں اُسی گنبد میں دفن کیا جس میں حضورؐ نے ان سے ملاقات فرمائی تھی ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے اور کئی لوگوں نے اس حدیث کو یزید بن الاصم سے بلا حوالۂ میمونہ رضؓ روایت کیا ہے لہذا یہ مرسل ہے (۴) حضرت عائشہ رضؓ اور ابوہریرہ رضؓ کی احادیث ابن عباس رضؓ کی حدیث کی مؤید ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو طحاوی نے بیان کیا ہے بطریق محمد بن خزیمہ۔ عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی سے احرام میں نکاح کیا تھا۔ ابوہریرہ رضؓ کی حدیث کو طحاوی نے سلیمان بن شعیب کے طریق سے روایت کیا ہے اور اس کا مضمون بھی یہی ہے کہ نکاح احرام میں ہوا تھا۔ زیلعی نے سہیلی کے حوالے سے (الروض الانف) نقل کیا ہے کہ حدیث عائشہ رضؓ میں مراد میمونہ رضؓ کا نکاح ہے۔ شوکانی نے بھی عیاض کے حوالے سے اس حدیث عائشہ رضؓ کا ذکر کیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے (۵) حدیثِ ابن عباس قیاس کے عین مطابق ہے کیونکہ احرام میں اگر کوئی شخص لونڈی خریدے یا کوئی اور بیع و شراء وغیرہ کا عقد کرے تو بالاتفاق جائز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نکاح بھی ایک عقد ہے لہذا یہ بھی جائز ہے۔

(۶) حدیث ابن عباس محکم ہے اور اس کی کوئی قریبی تاویل ممکن نہیں جبکہ ابو رافع اور یزید بن الاصم کی روایات کی کئی قریبی تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ ابن عباس رضؓ کی حدیث کی یہ تاویل کہ محرم سے مراد "حد حرم کے اندر" ہے، اسے بخاری کی روایت رد کرتی ہے جس کے لفظ یہ ہیں کہ: تزوجہا وھو محرم" و بنی بہا وھو حلال۔ اس روایت سے محرم اور حلال کے الفاظ کا تقابل اس تاویل کو باطل کر دیتا ہے۔ اور ایک شاعر کے قول سے جو استدلال کیا گیا ہے کہ: قَتَلُوا ابْنَ عَفَّانَ الخليفةَ مُحْرِمًا۔ یہ محض ایک لغوی اور شاعرانہ دلیل ہے۔ (۷) ابن عباس رضؓ کی حدیث ایک امر زائد کو ثابت کرتی ہے یعنی نکاح بحالتِ احرام۔ اور ابو رافع رضؓ اور یزید بن الاصم کی روایات ایسی نہیں ہیں۔

مولانا ؒ نے بحث کے آخر میں فرمایا ہے کہ تنقیح بحث صرف اس امر میں ہے کہ میمونہ رضؓ کا نکاح کہاں پہ واقع ہوا تھا۔ اور اس میں روایات مختلف ہیں۔ ابن سعد کی روایات میں اس کی وضاحت نہیں۔ ہاں اس کی دوسری روایات میں محرم ہونے کا ذکر ہے۔ اور نکاح کے متعلق یہ ثابت ہے کہ میمونہ رضؓ نے اس کا اختیار عباس کو دے دیا تھا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ نکاح سرف کے مقام پہ ہوا جو مکہ سے دس میل پہ ہے۔ اگر حضور نے مکہ آتے وقت یہ نکاح کیا تھا تو یقیناً احرام ہوا۔ اور اگر واپسی پہ ہوا تھا تو یقیناً حالتِ حل ہوا۔ پہلی بات کی تائید طحاوی کی روایات کرتی ہیں۔ جن میں ہے کہ عمرۃ القضاء کے بعد حضورؐ نے مکہ ہی میں مقاربت اور ولیمہ کا ارادہ فرمایا مگر مشرکین آڑے آئے اور حضورؐ نے مقام سرف میں تعریس فرمائی تھی۔ مگر روایات خود طحاوی کی اس کے خلاف بھی ہیں۔ صحاح کی روایات کو جمع کرنے کی غرض سے طحاوی کی ان روایات کو ترجیح دینا اولیٰ ہے جن میں مقام سرف میں مکہ کو آتے ہوئے نکاح کا ذکر بحالتِ احرام ہونا ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۸۴۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ رضؓ سے بحالتِ احرام نکاح کیا تھا۔ (اس حدیث کو

بخاری نے کتاب الحج کتاب المغازی اور کتاب النکاح میں روایت کیا۔ مسلم نے کتاب النکاح میں، ترمذی نے ابواب الحج میں نسائی نے کتاب الحج میں، ابن ماجہ نے کتاب الحج میں روایت کیا ہے)

۱۸۴۵- حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ نَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ وَهِمَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي تَزْوِيجِ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

سعید بن المسیب نے کہا کہ میمونہ رضہ کے نکاح بحالت احرام میں ابن عباس رضہ کو وہم ہوا ہے (اس اثر کی سند میں ایک مجہول شخص ہے اگر ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی یہ حجت نہ تھا اور اب تو یہ ایک مجہول کی روایت ہے)

بَابُ ۴۰ مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

محرم جن جانوروں کو قتل کر سکتا ہے ان کا بیان

۱۸۴۶- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ فَقَالَ خَمْسٌ لَا جُنَاحَ فِي قَتْلِهِنَّ عَلَى مَنْ قَتَلَهُنَّ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ الْعَقْرَبُ وَالْغُرَابُ وَالْفَارَةُ وَالْحِدَأَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان جانوروں کے متعلق پوچھا گیا جنہیں محرم قتل کر سکتا ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: پانچ جانوروں کے قتل میں حل و حرم کے اندر قاتل کو کوئی گناہ نہیں، بچھو، کوا، چوہا، چیل اور دیوانہ کتا (اس حدیث کو مسلم اور نسائی نے روایت کیا اور بخاری اور مسلم نے اسے ام المؤمنین حفصہ رضہ سے بھی روایت کیا)

شرح: شافعی رحمہ نے (بقول خطابی۔ معالم السنن) کہا کہ ان جانوروں کے علاوہ ہر حرام جانور جو کاٹنے والا اور درندہ ہو اس کا یہی حکم ہے کیونکہ حدیث میں بیان شدہ جانوروں میں سے بعض تو درندے ہیں اور حشرات الارض جو مضر ہیں اور بعض پرندے ہیں جو نہ تو درندوں میں داخل ہیں اور نہ مضر حشرات الارض ہیں۔ وہ ایسے حیوان ہیں جن کا گوشت خبیث ہے، کھانے کے قابل نہیں اور شافعی نے ان میں جو جامع چیز دیکھی وہ ان کی حرمت ہے۔ مالک کا قول شافعی کی مانند ہے مگر چھوٹے کوّے کو قتل کرنے سے انہوں نے منع کیا۔ اصحاب رائے نے کہا کہ کتا اور دیگر حیوانات جن کا ذکر حدیث میں ہے یہ سب قتل کے قابل ہیں اور بھیڑیے کا قیاس بھی انہی پر ہے، اس کے قتل میں محرم پر فدیہ نہیں۔ شیر، چیتے، ریچھ اور خنزیر کے متعلق ان کا قول یہ ہے کہ اگر یہ حملہ آور ہوں تو انکے قتل میں ان پر فدیہ نہیں ورنہ فدیہ ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ الکلب العقور سے مراد ہر پھاڑنے والا جانور ہے۔ حضورؐ نے عتبہ ابن ابی لہب کو بددعا دی تھی: "اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط فرما۔ پس شیر نے اسے پھاڑ ڈالا۔

ابو سعیدؓ کی روایت السبع العادی کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر درندہ الکلب العقور میں داخل ہے۔ فویسقہ سے مراد چوہا ہے جو بل سے نکل کر نقصان پہنچاتا ہے۔ فسق کا اصلی معنیٰ خروج ہے۔ ابو سعیدؓ کی روایت میں ہے کہ کوّے پر تیر چلائیں مگر قتل نہ کریں۔ شائد اس سے مراد وہی کوا ہو جو دانے کھاتا ہے اور مالکؒ کی مراد شائد یہی تھی۔ عطاء کے نزدیک اس کے قتل میں فدیہ ہے مگر وہ اس قول میں متفرّد ہے۔ نخعی کا قول کہ چوہے میں فدیہ ہے، اہل علم کے اقوال سے باہر ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ پانچ کا عدد اکثر کے نزدیک حجت نہیں اگرچہ لفظ سے تعداد صرف پانچ ہی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث کے بعض طرق میں چار اور بعض میں چھ اور ابو سعیدؓ کی روایت میں "حملہ آور درندہ" کا لفظ بھی ہے جس سے تعداد سات ہو گئی۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث (ابن خزیمہ، ابن المنذر) میں چیتا اور بھیڑیا بھی موجود ہے۔ اب یہ تعداد نو ہو گئی۔ بچھو میں سانپ بدرجہ اولیٰ داخل ہے۔ کوّے سے مراد یہ عام کوا ہے مگر سیاہ کوا جو صرف انگوری کھاتا ہے اور اس کی چونچ اور ٹانگیں ہوتی ہیں وہ اس سے خارج ہے۔ کوا بہت نقصان دینے والا خبیث جانور ہے، چوزے اٹھا کر لے جاتا ہے، مردار کھاتا ہے۔ اور داؤ لگے تو کوئی کھانے کی چیز نہیں چھوڑتا۔ ہر حملہ آور درندہ کلب عقور کے حکم میں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بری شکار دو قسم کا ہے (البدائع) ایک حلال اور دوسرا حرام۔ حلال جانور کو محرم نہیں مار سکتا جیسے ہرن، خرگوش، زیبرا، اور عام حلال پرندے جنگلی ہوں یا بحری، اسی میں داخل ہیں کیونکہ پرندہ دراصل ہے ہی بری۔ صرف بعض پرندے رزق کی تلاش میں پانی میں جاتے ہیں۔ حرام جانور دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو طبعاً موذی اور خواہ مخواہ حملہ آور ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو غالباً حملہ آور نہیں ہوتے۔ پس حملہ آور جانوروں کو محرم بے کھٹکے قتل کر سکتا ہے اور ان کا کوئی فدیہ نہیں جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ وغیرہ کیونکہ ان کی اذیت سے بچنا واجب ہے چاہے وہ حملہ کریں یا نہ کریں۔ یہی سبب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ فاسق جانوروں کا قتل کرنا جائز فرمایا ہے۔ اور یہ معنیٰ لومڑی اور بجو میں موجود نہیں ہے۔ ہاں ان جانوروں میں سے اگر کوئی پہلے حملہ آور ہو تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے مذہب کے بیان میں بعض علماء نے تساہل سے کام لیا ہے۔

۱۸۴۷- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ نَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ قَتْلُهُنَّ حَلَالٌ فِي الْحَرَمِ الْحَيَّةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْحِدَأَةُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ۔

ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ جانوروں کا قتل حرم میں جائز ہے۔ سانپ، بچھو، چیل، چوہا اور کاٹنے والا کتا۔ (سانپ کے لفظ میں ہر قسم اور ہر رنگ اور ہر علاقے کا سانپ داخل ہے۔ نہ کاٹنے والا کتا محل اختلاف ہے، قاضی حسین اور ماوردی وغیرہ نے اس کا قتل حرام لکھا ہے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں جواز لکھا ہے۔ نووی نے شرح مہذب کی کتاب البیع میں اسے محترم لکھا ہے جس کا قتل جائز نہیں۔ کتاب التیمم اور غصب میں اسے غیر محترم کہا ہے اور کتاب الحج میں اس کے قتل کو مکروہ تنزیہی لکھ دیا ہے۔ یہ شدید اختلاف ہے)

۱۸۴۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ اَنَا هُشَيْمٌ اَنَا يَزِيدُ بْنُ اَبِي زِيَادٍ، نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي نُعْمٍ الْبَجَلِيُّ عَنْ اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَمَّا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ قَالَ الْحَيَّةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْفُوَيْسِقَةُ وَيَرْمِي الْغُرَابَ وَلَا يَقْتُلُهُ وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ وَالْحِدَاَةُ وَالسَّبُعُ الْعَادِيُ۔

ابوسعید خدری رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان جانوروں کے متعلق سوال ہوا جنہیں محرم قتل کرسکتا ہے تو حضور ؐ نے فرمایا: سانپ، بچھو فویسقہ (چوہا) اور کوّے کو مارے مگر قتل نہ کرے، اور کاٹنے والا کتا اور چیل اور حملہ آور درندہ (ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے گو اس میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی موجود ہے اور ایک منکر لفظ بھی پایا جاتا ہے کہ: کوّے پر تیر یا پتھر وغیرہ پھینکے مگر اسے قتل نہ کرے۔ نووی رح نے کہا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو مراد یہ ہے کہ کوّے کا قتل اتنا مؤکد نہیں جتنا سانپ وغیرہ کا ہے۔ مولانا رح نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے اس سے نباتات کھانے والا کوا ہو)

بَابُ ۲۶ لَحْمِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ

محرم کے لیے شکار کے گوشت کا باب

۱۸۴۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ اَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِيهِ وَكَانَ الْحَارِثُ خَلِيفَةَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الطَّائِفِ فَصَنَعَ لِعُثْمَانَ طَعَامًا فِيهِ مِنَ الْحَجَلِ وَالْيَعَاقِيبِ وَلَحْمِ الْوَحْشِ فَبَعَثَ اِلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَجَاءَهُ الرَّسُولُ وَهُوَ يَخْبِطُ الْاَبَاعِرَ لَهُ فَجَاءَ وَهُوَ يَنْفُضُ الْخَبَطَ عَنْ يَدِهِ فَقَالُوا لَهُ كُلْ فَقَالَ اَطْعِمُوهُ قَوْمًا حَلَالًا فَاِنَّا حُرُمٌ فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنْشُدُ اللّٰهَ مَنْ كَانَ هٰهُنَا مِنْ اَشْجَعَ اَتَعْلَمُونَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْدٰى اِلَيْهِ رَجُلٌ حِمَارَ وَحْشٍ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَاَبٰى اَنْ يَاْكُلَهُ قَالُوا نَعَمْ۔

عبداللہ بن حارث کا بیان ہے کہ حارث رضؓ حضرت عثمان کی طرف سے طائف کا حاکم تھا اور اس نے حضرت عثمان رضؓ کے لیے کھانا پکایا جس میں مؤنث چکور اور مذکورہ اور بعض جنگلی جانوروں کا گوشت بھی تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو بھی بلا بھیجا اور قاصد ان کے پاس اس وقت آیا جبکہ وہ اپنے اونٹوں کے لیے درختوں کے پتے جھاڑ رہے تھے، قاصد آیا تو وہ اپنے ہاتھ سے پتے دور کر رہے تھے۔ لوگوں نے حضرت علی رضؓ سے دعوت کھانے کو کہا تو انہوں نے کہا کہ یہ کھانا ان لوگوں کو کھلاؤ جو احرام سے باہر ہوں کیونکہ ہم تو محرم ہیں۔ پھر علی رضؓ نے فرمایا کہ یہاں پر قبیلۂ اشجع کا کوئی آدمی ہو تو میں اسے خدا کا نام لے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص نے ایک جنگلی گدھا تحفہ میں دیا تو بسبب احرام میں ہونے کے حضور نے اس کے کھانے سے انکار کر دیا تھا؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں (مسند احمد میں یہ حدیث مطوّل موجود ہے)

شرح: خطابی نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے حضرت علی رضؓ کو کسی طریقے سے معلوم تھا کہ حارث رضؓ نے یہ شکار حضرت عثمان رضؓ کی خاطر کیا تھا، ورنہ جب کوئی حلال شخص شکار کرے اور محرم کی خاطر نہ کرے تو بہت سے علماء نے اس کے تناول کی اجازت دی ہے۔ اور اس پر ابوداؤد کی اسی باب میں جابر رضؓ کی حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس حدیث سے محرم کے لیے مطلقاً شکار کا گوشت کھانے کی ممانعت نکلتی ہے۔ علیؓ، ابن عباس رضؓ، ابن عمرؓ، لیثؒ، ثوریؒ اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ لیکن مسلم میں طلحہ رضؓ کی حدیث اس کے معارض ہے کہ انہوں نے شکار کا گوشت کھایا اور کہا کہ ہم نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بھی کھایا تھا۔ اسی طرح ابوقتادہ رضؓ کی حدیث اور عمیر بن سلمہ کی حدیث جسے مالک اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ حضورؐ کو بہزی نے ہرن بطور تحفہ پیش کیا تو آپ نے حضرت ابوبکر رضؓ کو اسے تقسیم کرنے کا حکم دیا اور حضور اس وقت احرام میں تھے۔ حافظ نے کہا کہ جواز کی حدیثوں سے مراد وہ شکار ہے جسے شکاری نے (جبکہ وہ حلال ہو احرام میں نہ ہو) اپنے لیے شکار کیا ہو مگر اس میں سے محرم کو بھی تحفہ دیدے۔ اور عدم جواز کی حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ شکاری اسے محرم کی خاطر شکار کیا تھا۔ امام مالکؒ نے ایک اور تفصیل بھی بیان کی ہے کہ جو شکار محرم کے لیے اس کے احرام سے قبل پکڑا گیا ہو وہ جائز ہے۔ حضرت عثمان رضؓ سے یہ تفصیل مذکور ہے کہ جس محرم کے لیے شکار ہوا تھا اسے کھانا جائز نہیں مگر دوسرے محرم کھا سکتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ بخاری میں ہے کہ جو ہرن حضور کی خدمت میں پیش ہوا تھا وہ زندہ تھا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضورؐ کو معلوم ہو کہ کسی اور محرم نے اشارے سے یا دلالت سے شکار میں مدد کی تھی۔ صعب رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگلی گدھے کے گوشت کی پشت پیش کی تھی جبکہ آپ جحفہ میں تھے۔ آپ نے اور سب لوگوں نے اسے کھایا۔ بیہقی میں ہے کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ پس آپؐ نے گوشت قبول کیا اور زندہ جانور رد کر دیا تھا۔ گویا اس لیے کہ وہ آپ کی خاطر پکڑا گیا تھا۔

۱۸۵۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ قَيْسٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ قَالَ يَا زَيْدَ بْنَ اَرْقَمَ هَلْ عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُهْدِيَ اِلَيْهِ عُضْوُ صَيْدٍ فَلَمْ يَقْبَلْهُ وَقَالَ اِنَّا حُرُمٌ قَالَ نَعَمْ۔

ابن عباس رضؓ نے زید بن ارقم سے فرمایا: اے زید تجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکار کا ایک ٹکڑا پیش کیا گیا تھا تو آپ نے قبول نہ فرمایا اور فرمایا: ہم احرام میں ہیں؟ زید رضؓ نے کہا کہ ہاں! (مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا۔
ایک نسخے میں عُضْوُ صیدٍ کے بجائے عُصْفُوْرُ زیدٍ کا لفظ ہے، یعنی شکار کیا ہوا پرندہ یا چڑیا) بحث اوپر گزر چکی ہے۔

۱۸۵۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا يَعْقُوبُ يَعْنِي الْإِسْكَنْدَرَانِيَّ عَنْ عَمْرٍو عَنِ الْمُطَّلِبِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ صَيْدُ الْبَرِّ لَكُمْ حَلَالٌ مَا لَمْ تَصِيدُوهُ وَيُصَادُ لَكُمْ قَالَ أَبُو دَاوُدَ إِذَا تَنَازَعَ الْخَبَرَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْظَرُ بِمَا أَخَذَ بِهِ أَصْحَابُهُ۔

جابر بن عبداللہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جو جنگلی شکار تم نے نہ مارا یا تمہارے لیے نہ مار گیا وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو دیکھا جائے گا کہ آپ کے اصحاب کا عمل کس پر تھا۔ (ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: امام شافعی رحؒ نے کہا ہے کہ اس باب میں یہ احسن حدیث ہے۔ شوکانی نے کہا کہ عمرو باوجود صحیحین کا راوی ہونے کے مختلف فیہ ہے اور اس کے مولا مطلب بن عبداللہ بن حنطب کا سماع جابر رضؓ سے بقول ترمذی ثابت نہیں۔ اور ترمذی نے ایک اور جگہ کہا کہ محمد بن اسمٰعیل بخاری نے کہا ہے کہ اس کا سماع کسی صحابی سے ثابت نہیں سوائے اس شخص جس کے متعلق اس نے کہا کہ: مجھ سے اس شخص نے حدیث بیان کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے میں موجود تھا امام شافعی نے یہ حدیث: عن عمرو عن رجل من الانصار عن جابرؓ روایت کی ہے اور طبرانی نے: عن عمرو عن المطلب عن ابی موسیٰؓ روایت کی ہے اور اس کی سند میں یوسف بن خالد سمتی متروک ہے۔ خطیب نے اسے: مالك عن نافع عن ابن عمر روایت کیا مگر اس کی اسناد میں عثمان بن خالد مخزومی نہایت ضعیف ہے۔

یہ حدیث محرم کے اپنے شکار یا اس کی خاطر کیے ہوئے شکار میں اور کسی غیر محرم کے شکار میں جو اس نے محرم کے لیے نہ کیا ہو فرق کرنے میں صریح ہے، پس یہ حدیث دوسری مطلق احادیث کو بھی اسی شرط کے ساتھ مقید کرتی ہے مثلاً صعب رضؓ کی حدیث، طلحہ رضؓ کی حدیث اور ابو قتادہ رضؓ کی حدیث اور یہ قرآنی آیت کی تخصیص کرتی۔ مولانا رحؒ نے فرمایا کہ شوکانی پر حیرت ہے کہ باوجودیکہ وہ اعتراف کرتا ہے کہ اس کے سارے طُرق ضعیف ہیں اور مضطرب ہیں پھر بھی اس کے حجت ہونے، بقیہ احادیث میں قید لگانے اور آیتِ قرآنی کی تخصیص میں کیسے پیش کرتا ہے؟ بہرصورت یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی مؤید ہے۔
ابوداؤد کا یہ قول بھی کچھ غیر مفید رہا کہ حدیثوں میں تعارض ہے لہٰذا اب صحابہ کا عمل دیکھیں گے۔ کیونکہ صحابہ کا عمل بھی اس باب میں مختلف رہا ہے۔ البدائع میں ہے کہ عامۂ علماء کے نزدیک محرم کے لیے وہ شکار کھانا جائز ہے جسے غیر محرم نے اپنے لیے مارا یا پکڑا ہو۔ اور داؤد بن علی اصفہانی نے کہا کہ حلال نہیں۔ یہ مسئلہ صحابہ میں بھی اختلافی رہا ہے۔ طلحہ بن عبیداللہ، ابوقتادہ، جابر رضؓ اور عثمان رضؓ کے نزدیک حلال ہے اور علی، ابن عباس رضؓ اور عثمان کے نزدیک

(دوسری روایت میں) حلال نہیں ہے۔ حرام کہنے والوں نے اس قرآنی آیت سے استدلال کیا ہے: وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ آیت میں ابہام ہے لہذا تو کسی حالت میں جنگلی شکار مت کھا۔

اور ہماری دلیل ابو قتادہ رضؓ کی حدیث ہے کہ وہ حلال اور اس کے ساتھی محرم تھے پس اس نے ایک وحشی گدھے پر حملہ کر دیا الخ اور جابر رضؓ کی یہ زیر نظر حدیث جو اس باب میں نص ہے۔ اور آیت میں صرف شکار کی حرمت آئی ہے نہ کہ لحم صید کی۔ صعب بن جثامہ کی حدیث کی روایات مختلف۔ اور اس باب میں امام شافعی کا مذہب بعینہ حنفیہ جیسا ہے۔

۱۸۵۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ التَّيْمِيِّ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ تَخَلَّفَ مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِينَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَأَى حِمَارًا وَحْشِيًّا فَاسْتَوَى عَلَى فَرَسِهِ قَالَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطَهُ فَأَبَوْا فَسَأَلَهُمْ رُمْحَهُ فَأَبَوْا فَأَخَذَهُ ثُمَّ شَدَّ عَلَى الْحِمَارِ فَقَتَلَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَى بَعْضُهُمْ فَلَمَّا أَدْرَكُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلُوهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا اللهُ تَعَالَى۔

ابو قتادہ رضؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ مکہ کی راہ میں ایک جگہ وہ اپنے محرم ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے اور ایک جنگلی گدھا دیکھا، ابو قتادہ رضؓ اپنے گھوڑے پر سیدھے ہو بیٹھے، نافع نے کہا کہ ابو قتادہ رضؓ نے اپنے ساتھیوں سے کوڑا پکڑانے کو کہا تو انہوں نے اس سے انکار کیا، پھر اپنا نیزہ پکڑانے کو کہا تو بھی انہوں نے انکار کیا۔ پس انہوں نے اپنا نیزہ پکڑا اور گدھے پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے اس میں سے کھایا اور بعض نے نہ کھایا۔ پس جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر ملے تو یہ مسئلہ آپؐ سے پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا وہ ایک رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا۔ (بخاری نے یہ حدیث الحج میں، ہبہ میں، جہاد میں) مغازی میں اطعمہ میں اور ذبائح میں بیان کی ہے۔ مسلم نے حج میں روایت کیا مؤطا میں کتاب الحج میں ہے اور ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے بھی اسے روایت کیا اور اس میں ہے کہ حضورؐ نے صحابہؓ کو کھانے کا حکم دیا تو انہوں نے کھایا اور جب میں نے بتایا کہ اسے آپ کے لیے شکار کیا تھا تو آپؐ نے نہ کھایا)

شرح: یہ عمرۃ الحدیبیہ کا واقعہ ہے مگر بخاری کی روایت میں حج کا لفظ ہے، عمرہ کو بھی حج کہہ دیتے تھے۔ ابو عوانہ نے حج یا عمرہ کا لفظ شک کے ساتھ بولا ہے۔ ابو قتادہ رضؓ کے غیر محرم ہونے کا باعث یہ تھا کہ وہ حضورؐ کے حکم سے کسی اور مہم پر گئے ہوئے تھے اور راستے میں حضورؐ سے ملے تھے۔ اس قسم کے شکار میں اضطراری ذبح کافی ہے یعنی محض زخمی کر کے خون نکال دینا اسی لیے

ذبح کا ذکر نہیں کیا گیا۔

بَابُ ۲۷ الْجَرَادِ لِلْمُحْرِمِ

محرم کے لیے ٹڈی کا باب

۱۸۵۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى نَا حَمَّادٌ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ جَابَانَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَرَادُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ۔

ابوہریرہ رضہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ٹڈی سمندری شکار میں سے ہے۔

شرح: یعنی ٹڈی بھی سمندری شکار کے حکم میں ہے کہ وہ محرم کے لیے حلال ہے۔ لیکن اس حدیث کی سند میں میمون بن جابان ایک راوی ہے جس کی روایت پر محدثین نے اعتبار نہیں کیا۔ ٹڈی جنگلی شکار ہے اور اس کے تلف کرنے پر فدیہ آتا ہے۔ یہی قول عمر رض، عثمان رض، ابن عمر رض، ابن عباس رض اور عطاء کا ہے اور عبدری نے کہا کہ سب اہل علم کا یہی قول ہے سوائے ابو سعید رض خدری کے۔ اور ابوداؤد نے اس حدیث کو اور آئندہ کو بھی وہم قرار دیا ہے۔ جمہور کا استدلال اس حدیث سے جسے امام شافعی رض نے الام میں سندِ صحیح کے ساتھ درج کیا ہے اور اس میں حضرت عمر رض کا یہی فتویٰ منقول ہے کہ ٹڈی کو مارنے کا فدیہ آئے گا۔

۱۸۵۴- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ جَابَانَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ كَعْبٍ قَالَ الْجَرَادُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ۔

ابورافع رض نے کعب رض سے روایت کی کہ ٹڈی سمندری شکار میں سے ہے (ابوداؤد کے اکثر نسخوں میں یہ حدیث نہیں ہے اور عون المعبود کے نسخے میں اسے ابوالمہزم والی حدیث کے بعد ہی لکھا گیا ہے)

۱۸۵۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ حَبِيبٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ أَبِي الْمُهَزِّمِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَصَبْنَا صِرْمًا مِنْ جَرَادٍ فَكَانَ رَجُلٌ يَضْرِبُ بِسَوْطِهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هٰذَا لَا يَصْلُحُ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ سَمِعْتُ أَبَا دَاوُدَ يَقُولُ أَبُو الْمُهَزِّمِ ضَعِيفٌ وَالْحَدِيثَانِ جَمِيعًا وَهْمٌ۔

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ہمیں ایک ٹڈی دل ملا تو ایک آدمی محرم ہونے کے باوجود انہیں اپنا کوڑا مارتا تھا، تو اسے کہا گیا کہ یہ ٹھیک نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو سمندری شکار میں سے ہے بیں نے

(سنن کے راوی) ابو داؤد کو کہتے سنا کہ راوی ابو المہزم ضعیف ہے اور یہ دونوں حدیثیں وہم ہیں۔

شرح: ابو المہزم پر تو ابو داؤد نے خود ہی تبصرہ کر دیا ہے مگر اس کا شاگرد حبیب المعلم بھی متکلم فیہ راوی ہے پہلی حدیث کے وہم ہونے کا باعث تو یہ ہے کہ وہ مرفوع نہیں بلکہ کعب رض کا قول ہے۔ اس کے راوی میمون بن جابان پر عقیلی اور رازی نے تنقید کی ہے بیہقی نے اسے غیر معروف کہا ہے۔ عامۂ فقہاء کا قول ان روایات کے خلاف ہے۔ صحیح یہی ہے کہ ٹڈی جنگلی شکار ہے اور اس کے قتل سے فدیہ آتا ہے۔

بَابٌ ۲۸ فِي الْفِدْيَةِ

یہ باب فدیہ میں ہے

۱۸۵۶۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ عَنْ خَالِدٍ الطَّحَّانِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فَقَالَ قَدْ آذَاكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْلِقْ ثُمَّ اذْبَحْ شَاةً نُسُكًا أَوْ صُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ ثَلٰثَةَ آصُعٍ مِنْ تَمْرٍ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِينَ۔

کعب بن عجرہ رض سے روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے تو فرمایا۔ تیری سر کی جوؤں نے تجھے اذیت دی ہے؟ کعب نے کہا کہ ہاں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر منڈوا دے پھر بطور قربانی ایک بکری ذبح کر یا تین دن روزہ رکھ یا کھجور کے تین صاع چھ مساکین کو کھلا دے (بخاری نے یہ حدیث کتاب الحج، المغازی الطب الایمان والنذور میں، مسلم نے الحج میں، صاحب مؤطا نے الحج میں، ترمذی نے حج میں، نسائی نے حج میں اور ابن ماجہ نے بھی حج میں روایت کی ہے)

شرح: علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں کہا ہے کہ اس حدیث سے کئی مسائل نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ محرم کے لیے عذر کے باعث سر منڈوانا جائز ہے اور اس کا کفارہ قرآنی آیت اور اس حدیث میں مذکور ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ دوسرا یہ کہ اس حدیث میں صرف سر کے بالوں کا ذکر ہے۔ باقی جسم کے بالوں کا حکم بھی یہی ہے اور اس میں داؤد ظاہری کا اختلاف ہے۔ تیسرا یہ کہ یہ حکم کعب رض کو تھا کہ اپنے بال خود مونڈ ڈال، اگر کوئی محرم کسی غیر محرم کا سر مونڈے تو کسی پر فدیہ نہیں (مالک، شافعی اور احمد کے نزدیک) ابوحنیفہ نے کہا کہ اگر محرم غیر محرم کا سر مونڈے تو محرم پر صدقہ آئے گا۔ چوتھا یہ کہ اگر کوئی شخص بلا ضرورت سر مونڈے یا لباس پہن لے یا خوشبو لگائے تو جیسا کہ استذکار میں ابن عبدالبر نے کہا ہے ابو حنیفہ، شافعی اور ان کے اصحاب اور ابو ثور کے نزدیک جانور کا فدیہ ہوگا۔ اور اسے روزہ رکھنے یا صدقہ کا اختیار نہیں ہے مگر یہ کہ ضرورت داعی ہو۔ پانچواں یہ کہ اس صورتِ مذکورہ میں حضور نے

اسے تین چیزوں کا اختیار ہے، عامۃ علماء کا یہی مذہب ہے مگر ابو حنیفہ شافعی اور ابو ثور نے تخییر کو ضرورت پر محمول کیا ہے، اگر بلا ضرورت ایسا کرے گا تو اس پہ دم آئے گا۔ وجہ یہ کہ تخییر آسانی کے لیے ہے اور رعایت کرنے والا اس کا مستحق نہیں۔ چھٹا مسئلہ یہ کہ روزہ تین دن کا ہے، مگر سعید بن جبیر، حسن، علقمہ عکرمہ اور نافع کا قول ہے کہ دس روزے یا دس مساکین کا کھانا، یہ قول بقول ابن حجر یہ طبری عزیب ہے۔ ساتواں یہ کہ کھانا چھ مساکین کا ہے اس سے کم کا جائز نہیں اور یہی جمہور کا قول ہے مگر ابو حنیفہ سے ایک یہ قول بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایک ہی مسکین کو دیا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ آٹھواں یہ کہ گندم اور جو کا جو فرق صدقۂ فطر میں ہے اسے یہاں بھی سمجھا جائے گا۔ یہ کفارہ مکہ میں یا کہیں اور بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ فرعی تفاصیل ہم نے چھوڑ دی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۸۵۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ دَاوُدَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ إِنْ شِئْتَ فَانْسُكْ نَسِيكَةً وَإِنْ شِئْتَ فَصُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ وَإِنْ شِئْتَ فَأَطْعِمْ ثَلٰثَةَ آصُعٍ مِنْ تَمْرٍ لِسِتَّةِ مَسَاكِينَ۔

کعب بن عجرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اگر چاہے تو ایک جانور قربان کر دے اگر چاہے تو تین روزے رکھ لے اور اگر چاہے تو تین صاع کھجور چھ مسکینوں کو کھلا دے۔

شرح: اس جانور کا نام ھدی نہیں جو صرف حرم کے اندر ذبح ہو بلکہ یہ نسیکہ، نسک یا ایک روایت میں شاۃ بھی آیا ہے۔ یہ حرم کے باہر بھی ذبح ہوسکتی ہے۔ بعض رواۃ کے تصرف سے بخاری وغیرہ میں تہدی یا اُھد کا لفظ بھی آیا ہے۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ حنفیہ نے جو کھجور کے چھ صاع کا حکم دیا ہے یہ مجھے کہیں نہیں مل سکا اور ان دو احادیث کا مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔

۱۸۵۸۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ ح وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ وَهٰذَا لَفْظُ ابْنِ الْمُثَنّٰى عَنْ دَاوُدَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فَذَكَرَ الْقِصَّةَ قَالَ أَمَعَكَ دَمٌ قَالَ لَا قَالَ فَصُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ أَوْ تَصَدَّقْ بِثَلٰثَةِ آصُعٍ مِنْ تَمْرٍ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِينَ بَيْنَ كُلِّ مِسْكِينَيْنِ صَاعٌ۔

کعب بن عجرہ رضؓ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے آپؐ پھر حدیث کا قصہ ذکر کیا۔ حضورؐ نے فرمایا تیرے پاس جانور ہے، کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ تین دن روزہ رکھ یا تین صاع کھجور کو چھ مساکین پر فی مسکین نصف صاع کے حساب سے صدقہ کر دے۔ (اس حدیث سے کچھ لوگوں نے سمجھا کہ متعین تو ذبح ہی ہے مگر اس کے

نہ ہونے ہوئے پھر روزے اور صدقے میں اختیار ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ ترتیب وجوب کے لیے نہیں استحباب کے لیے ہے)

۱۸۵۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ ثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَخْبَرَهُ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ وَكَانَ قَدْ أَصَابَهُ فِي رَأْسِهِ أَذًى فَحَلَقَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُهْدِيَ هَدْيًا بَقَرَةً۔

ایک انصاری نے کہا (جو بقول حافظ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ہے۔ تقریب) کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو سر میں تکلیف تھی (وہی جوؤں کی) تو اس نے سر مونڈ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گائے یا بیل کی قربانی کا حکم دیا (طبرانی میں بھی گائے کا ذکر ہے، عبد بن حمید اور سعید بن منصور نے بقرہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر صحیح روایات میں بکری کا ذکر ہے اور وہی درست ہے)

۱۸۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ نَا يَعْقُوبُ حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ ابْنِ إِسْحٰقَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبَانُ يَعْنِي ابْنَ صَالِحٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ أَصَابَنِي هَوَامٌّ فِي رَأْسِي وَأَنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ حَتَّى تَخَوَّفْتُ عَلَى بَصَرِي فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيَّ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ الْآيَةَ فَدَعَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي احْلِقْ رَأْسَكَ وَصُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ فَرَقًا مِنْ زَبِيبٍ أَوِ انْسُكْ شَاةً فَحَلَقْتُ رَأْسِي ثُمَّ نَسَكْتُ۔

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے سر میں جوئیں پڑ گئیں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال تھا، حتیٰ کہ مجھے اپنے نگاہ کا خوف ہونے لگا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ (البقرہ ۱۹۶) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا: اپنا سر مونڈ دے اور تین دن روزہ رکھ یا چھ مسکین کو کشمکش کا ٹوکرا کھلا دے یا ایک بکری قربان کر دے۔ پس میں نے سر مونڈ دیا اور بکری ذبح کر دی۔

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ فرق ۱۶ رطل کا ہے اور وہ تین صاع ہے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ ان روایات میں کسی ایک کو ترجیح دینا ضروری ہے کیونکہ واقعہ ایک ہے، جگہ ایک ہے۔ شعبہ سے جو روایات محفوظ ہے وہ نصف صاع من طعام کی ہے اور اس میں کھجور یا گندم کا اختلاف راویوں کا تصرف ہے۔ کشمش کا ذکر صرف حکم بن عیینہ کی روایت میں ہے اور

اس کی سند میں ابن اسحاق ہے جو مغازی میں حجت ہے احکام میں نہیں۔ اور محفوظ تمر کی روایت ہے۔ پھر دوسری حدیث میں ہے کہ کعب جانور پر قادر نہ تھے اور اس میں ہے کہ انہوں نے جانور ذبح کیا۔ شاید بعد میں قدرت ہو گئی ہو۔ میں گزارش کرتا ہوں کہ حنفیہ نے اسی اختلاف روایت کی بنا پر شاید نصف صاع گندم اور ایک صاع تمر کہا ہوگا۔ واللہ اعلم

۱۸۶۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ مَالِكٍ الْجَزَرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ فِي هٰذِهِ الْقِصَّةِ وَزَادَ أَيَّ ذٰلِكَ فَعَلْتَ أَجْزَأَ عَنْكَ۔

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے اسی قصے میں یہ روایت ہے جس میں یہ لفظ زاید ہیں کہ : تو ان میں سے جو کام بھی کرے گا وہ تیرے لیے کافی ہے (یہ روایت سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں نہیں ہے لہذا اسے حاشیے پر لکھ گیا ہے)

بَابُ الْإِحْصَارِ

احصار کا باب

۱۸۶۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْحَجَّاجَ بْنَ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيَّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ قَالَ عِكْرِمَةُ فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَا صَدَقَ۔

عکرمہ نے کہا کہ میں نے حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ انصاری کو یہ کہتے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی ہڈی ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو احرام کھول دے۔ اور اس کا آئندہ سال حج فرض ہے۔ عکرمہ نے کہا کہ پھر میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو اس کے متعلق کہا کہ حجاج نے سچ کہا (ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا۔

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا کہ یہ حدیث ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو دشمن کے روک دینے کے علاوہ مرض اور کسی اور عذر سے بھی احصار کے قائل ہیں اور یہ سفیان ثوری اور حنفیہ کا مذہب ہے، اور عطاء عروہ اور نخعی سے بھی مروی ہے۔ امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ احصار صرف دشمن کے روکنے سے ہوتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی خلقۃً مثلاً لنگڑا ہو تو وہ اس حدیث کے حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ ظاہر حدیث کا یہی مطلب ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ؛ فَقَدْ حَلَّ ۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس کا احرام خود بخود کھل گیا ، بلکہ یہ احرام کھولنے کی اجازت ہے جیسے کہ حدیث میں ہے : جب مشرق سے رات آجائے اور مغرب میں سورج ڈوب جائے تو صائم نے روزہ افطار کر لیا یعنی اب وہ روزہ کھولنے کا مجاز ہے نہ یہ کہ اس کا روزہ از خود ہی کھل گیا ۔ احصار کے احرام کھول دینے کا سبب جواز ہونے کی دلیل یہ قرآنی آیت ہے ، فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ اور آیت میں کچھ الفاظ مضمر ہیں ۔ معنیٰ اس کا یہ ہے کہ : پس اگر تم حج اور عمرہ کے اتمام سے روکے جاؤ اور احرام کھولنے کا ارادہ کرو تو جو ہدی میسر ہو ذبح کر دو ۔ وجہ یہ ہے کہ صرف احصار ہدی کا موجب نہیں ہے کیونکہ اگر وہ شخص احرام نہ کھولنا چاہے ، اور احصار کے رفع ہونے تک محرم ہی رہنا پسند کرے تو ایسا کر سکتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے : فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِنْ رَاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ ۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر عذر سے کوئی آدمی سر منڈا دے تو فدیہ واجب ہو گا ، کیونکہ صرف سر میں تکلیف ہونے سے تو فدیہ لازم نہیں آتا جب تک کہ اس موقع کی رخصت سے فائدہ نہ اٹھائے ۔ اسی طرح صیام کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو شخص بیمار یا مسافر ہو اور روزہ نہ رکھے تو دوسرے ایام میں یہ گنتی پوری کرے ، ورنہ صرف مرض یا سفر سے تو دوسرے دنوں کی گنتی واجب نہیں ہو جاتی ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی کچھ کلام مضمر ہے ؛ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ حالتِ اضطرار میں جو کھائے تو اس پر گناہ نہیں بشرطیکہ باغی اور عادی نہ ہو نہ یہ کہ صرف اضطرار ہی گناہ کو اٹھا دیتا ہے گو مضطر نہ کھائے ۔ اور حنفیہ جو کہتے ہیں کہ احصار صرف دشمن کی رکاوٹ سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے اور اسباب مثلاً مرض وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں تو انہوں نے اس حدیث کے علاوہ آیت قرآنی کے لفظ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ کے عموم سے استدلال کیا ہے یعنی احصار جس طرح بھی متحقق ہو جائے وہ شرعی احصار ہے ۔ اور ان کے نزدیک عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں ۔ امام شافعی نے فَاِذَا اَمِنْتُمْ سے استدلال کیا ہے کہ امن صرف دشمن کی رکاوٹ دور ہونے سے ہوتا ہے پس احصار بھی صرف دشمن کی طرف سے ہو گا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امن سے مراد ازالۂ مرض بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ اَلزُّكَامُ اَمَانٌ مِنَ الْجُذَامِ ۔ سبب اس کا یہ ہے کہ مرض کا دور ہونا اس مرض کے باعث موت سے امان کا باعث ہے ۔ اور حدیث کے الفاظ : وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ اس بات کی دلیل ہیں کہ اگر کسی شخص نے حج نفل کا احرام باندھا تھا تو اس پر بھی حج واجب ہو گیا کیونکہ نفل کو شروع کر دینے والا اسے پورا کرنے پر مامور ہے : وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۔ اس حدیث پر ابوداؤد اور منذری نے سکوت اختیار کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے ۔ اسے ابن خزیمہ ، حاکم اور بیہقی ابن ماجہ اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے ۔ حاکم نے مستدرک میں اور ذہبی نے اس کی تلخیص میں اسے صحیح علی شرط البخاری کہا ہے ۔

۱۸۶۳ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ الْعَسْقَلَانِيُّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ عَنِ الْحَجَّاجِ ابْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كُسِرَ اَوْ عَرِجَ اَوْ مَرِضَ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ ۔

حجاج بن عمرو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: جس کی ہڈی ٹوٹ گئی یا وہ لنگڑا ہو گیا یا بیمار ہو گیا۔ اور اس حدیث جیسی روایت کی (ترمذی، النسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے) اس حدیث کی سند میں عکرمہ اور حجاج کے درمیان عبداللہ بن رافع کا اضافہ ہے اور متن میں مرض کے لفظ کا اضافہ ہے۔

۱۸۶۴- حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَاضِرِ الْحِمْيَرِيَّ يُحَدِّثُ أَبِي مَيْمُونِ ابْنِ مِهْرَانَ قَالَ خَرَجْتُ مُعْتَمِرًا عَامَ حَاصَرَ أَهْلُ الشَّامِ ابْنَ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ وَبَعَثَ مَعِي رِجَالٌ مِنْ قَوْمِي بِهَدْيٍ فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَى أَهْلِ الشَّامِ مَنَعُونَا أَنْ نَدْخُلَ الْحَرَمَ فَنَحَرْتُ الْهَدْيَ مَكَانِي ثُمَّ أَحْلَلْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ خَرَجْتُ لِأَقْضِيَ عُمْرَتِي فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ أَبْدِلِ الْهَدْيَ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُبْدِلُوا الْهَدْيَ الَّذِي نَحَرُوا عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ۔

عمرو بن میمون نے کہا کہ میں نے ابو حاضر حمیری کو اپنے باپ میمون بن مہران سے یہ بیان کرتے سنا کہ جس سال اہل شام نے عبداللہ بن زبیر کا مکہ میں محاصرہ کر رکھا تھا اور میری قوم کے کچھ لوگوں نے میرے ساتھ قربانی کے جانور بھیجے تھے۔ جب ہم شامی لشکر تک پہنچے تو انہوں نے ہمیں حرم میں داخل ہونے سے روک دیا، پس میں نے قربانی کو وہیں ذبح کر دیا پھر احرام کھول دیا اور واپس آ گیا۔ اگلے سال میں اپنا عمرہ قضا کرنے کے لیے آیا تو ابن عباس کے پاس جا کر سوال کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہدی کو بدل دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو وہ ہدی بدلنے کا حکم دیا تھا جو انہوں نے حدیبیہ کے سال ذبح کی تھی کہ وہ عمرۃ القضاء میں اس کے بدلے میں اور ہدی قربانی کریں۔

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ جن فقہاء کے نزدیک نفل حج یا عمرہ کی قضا بھی واجب ہے یہ حدیث ان کی مؤید ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں فرمایا ہے هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ، اور جس شخص نے ہدی کو رکاوٹ کی جگہ پر ہی ذبح کر دیا ہے یعنی حد حرم سے باہر تو اس کی ہدی چونکہ کعبہ تک نہ پہنچی لہٰذا اس پر اس کا بدلنا اور کعبہ تک پہنچانا واجب ہو گا۔ منذری نے کہا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا حکم استحبابی ہے (یعنی حنفیہ کے علاوہ دوسروں کے نزدیک) مولانا نے فرمایا کہ حدیبیہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اصحاب نے حد حرم سے باہر ہدی ذبح کی تھی حضور کا یہ حکم انہی کے لیے تھا۔

بَابُ ۱۵۴ دُخُولِ مَكَّةَ

دخول کعبہ کا باب

۱۸۶۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا قَدِمَ مَكَّةَ بَاتَ بِذِي طُوًى حَتَّى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ ثُمَّ يَدْخُلُ مَكَّةَ نَهَارًا وَيَذْكُرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ فَعَلَهُ۔

نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ جب مکہ آتے تو ذی طوی میں رات گزارتے۔ صبح اٹھتے اور غسل کرتے پھر دن چڑھے مکہ میں داخل ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کرتے کہ آپؐ نے ایسا ہی کیا تھا (یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی مروی ہے)

شرح: طویٰ طا کے ضمہ، فتحہ اور کسرہ سے تینوں طرح آیا ہے مگر ضمہ سے صحیح تر ہے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ اسے منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھتے ہیں۔ یہ حرم کے اندر ایک مقام کا نام ہے اور کہتے ہیں کہ مکہ کے قریب ایک کنویں کا نام ہے۔ مکہ میں دن کو داخل ہونا افضل ہے مگر رات کو بھی وہاں جانا جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۂ جعرانہ کے وقت رات ہی کو داخل ہوئے تھے دخول مکہ سے قبل غسل بھی مستحب ہے جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

۱۸۶۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الْبَرْمَكِيُّ نَا مَعْنٌ عَنْ مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَابْنُ حَنْبَلٍ عَنْ يَحْيَى ح وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا أَبُو أُسَامَةَ جَمِيعًا عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْخُلُ مَكَّةَ مِنَ الثَّنِيَّةِ الْعُلْيَا وَيَخْرُجُ مِنَ الثَّنِيَّةِ السُّفْلَى زَادَ الْبَرْمَكِيُّ يَعْنِي ثَنِيَّتَيْ مَكَّةَ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اوپر کی گھاٹی سے داخل ہوتے تھے اور نچلی گھاٹی سے خارج ہوتے تھے۔ عبداللہ بن جعفر برمکی راوئ حدیث نے یہ لفظ زائد کہا کہ ابن عمرؓ کی مراد مکہ کی دو گھاٹیاں ہیں (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: عبداللہ بن جعفر برمکی ہارون الرشید کے مشہور معتوب وزیر اور منہ بولے بھائی جعفر بن یحییٰ بن خالد بن برمک کا بیٹا تھا۔ محدثین اسے ثقہ اور مستقیم الحدیث کہتے ہیں۔ پہاڑی بلند راستے کو عقبہ یا ثنیہ کہا جاتا ہے اوپر والی گھاٹی کداء کہلاتی ہے مگر اب یہ گھاٹی ہموار ہو چکی ہے۔ نچلی گھاٹی کُدیٰ کہلاتی تھی اور اب اس میں تبدیلیاں آ چکی ہیں۔

۱۸۶۷- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ مِنْ طَرِيقِ الشَّجَرَةِ وَيَدْخُلُ مِنْ طَرِيقِ الْمُعَرَّسِ۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شجرہ کی راہ سے خارج ہوتے تھے اور معرس کے راستے سے مکہ میں داخل ہوتے تھے (بخاری اور مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

شرح: شجرہ سے مراد مقام ذی الحلیفہ کا ایک درخت ہے اور معرس مدینہ منورہ سے چھ میل پہ ایک جگہ پر مسجد بنی ہوئی ہے جہاں سفر یا جہاد وغیرہ کے موقع پر حضورؐ رات گزارتے اور صبح کو آگے بڑھتے تھے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث اور پچھلی حدیث دراصل ایک ہی ہے چنانچہ مسلم میں بطور حدیث واحد آئی ہے، امام ابو داؤد یا ان کے استاد عثمان بن ابی شیبہ نے انہیں الگ الگ کر کے دو حدیثیں بنا دیا ہے۔

۱۸۶۸- حَدَّثَنَا هٰرُونُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ نَا أَبُو أُسَامَةَ نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ مِنْ كَدَاءٍ مِنْ أَعْلَى مَكَّةَ وَدَخَلَ فِي الْعُمْرَةِ مِنْ كُدًى وَكَانَ عُرْوَةُ يَدْخُلُ مِنْهُمَا جَمِيعًا وَأَكْثَرُ مَا كَانَ يَدْخُلُ مِنْ كُدًى وَكَانَ أَقْرَبَهُمَا إِلَى مَنْزِلِهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال مکہ کے اوپر سے کداء کی طرف سے داخل ہوئے اور عمرہ کے زمانے میں کدیٰ سے داخل ہوئے۔ اور راوی حدیث عروہ ان دونوں جگہوں سے داخل ہوتا تھا مگر زیادہ تر کدیٰ سے داخل ہوتا تھا اور یہ مقام اس کی منزل سے قریب تر تھا (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ عمرہ کے لیے حضورؐ نچلی گھاٹی (کدیٰ) سے داخل ہوتے تھے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ مکہ میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لیے یہی مستحب ہے کہ کداء سے داخل ہو اور کدیٰ سے خارج ہو۔ مولاناؒ نے اس حدیث کی مختلف روایات کی تحقیق کے بعد فرمایا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ کا کداء کی طرف سے داخل ہونا متفق علیہ ہے اور اس میں کوئی بھی اختلاف نہیں۔ حدیث کا دوسرا جزء ابو داؤد کی روایت میں یہ ہے کہ عمرہ کے وقت حضورؐ کدیٰ سے داخل ہوئے اور بخاری کی روایت میں ہے کہ حضورؐ کدیٰ کی طرف سے خارج ہوئے تھے۔ بخاری نے ابو داؤد کی اس روایت سے تین امور میں اختلاف کیا ہے: (ا) یہ کہ بخاری نے دخل کے بجائے خرج کا لفظ روایت کیا ہے۔ (ب) یہ کہ بخاری نے عمرہ کا ذکر نہیں کیا (ج) یہ کدیٰ کے ساتھ من اعلیٰ مکہ کا لفظ بولا حالانکہ کدیٰ مکہ کی اوپر کی جانب نہیں ہے یہ ابو اسامہ راوی کا وہم ہے۔ مسلم نے اسی روایت میں ابو داؤد سے یہ اختلاف کیا ہے

کہ اس نے دوسرے جزو کا ذکر نہیں کیا اور نہ عمرہ کا ذکر کیا ہے، صرف فتح مکہ کے زمانے میں حضورؐ کے کداء کی طرف سے داخل ہونا بیان کیا ہے۔ بیہقی نے بھی حدیث روایت کی مگر اس میں ہے کہ حضور عمرہ کے لیے کدیٰ سے خارج ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ لفظ صریحًا ابو داؤد کی روایت کے خلاف ہے۔ البتہ بیہقی کی دوسری روایت ابو داؤد کی اس روایت کے بالکل مطابق ہے۔ ہاں اُس نے لفظ۔ وَقَالَوْا کا اضافہ کیا ہے، یعنی اس قول کے قائل نا معلوم ہیں اور یہ لفظ پختہ نہیں ہے۔

۱۸۶۹۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ مَكَّةَ دَخَلَ مِنْ أَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوتے تو اوپر کی جانب سے داخل ہوتے تھے اور نچلی جانب سے باہر نکلتے تھے۔ (اوپر کی جانب کداء یا حجون کہلاتی ہے اور نچلی جانب کدیٰ یا شبیکہ)

بَابٌ ۴۶ فِي رَفْعِ الْيَدِ إِذَا رَأَى الْبَيْتَ

بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانے کا باب۔

۱۸۷۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَهُمْ نَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ أَبَا قَزَعَةَ يُحَدِّثُ عَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّيِّ قَالَ سُئِلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ الرَّجُلِ يَرَى الْبَيْتَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فَقَالَ مَا كُنْتُ أَرَى أَحَدًا يَفْعَلُ هٰذَا إِلَّا الْيَهُودَ قَدْ حَجَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُنْ يَفْعَلُهُ۔

جابر بن عبد اللہ سے ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جو بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاتا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہودیوں کے علاوہ کوئی اور بھی ایسا کرتا ہوگا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا، آپ ایسا نہیں کرتے تھے (ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس مسئلے میں لوگوں کا اختلاف ہے، بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانے والوں سے سفیان ثوری،

ابن المبارک، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ بھی تھے۔ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کا راوی مہاجر ان کے نزدیک مجہول ہے اور انہوں نے حدیث ابن عباس سے (مرفوعًا) استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ صرف سات جگہوں میں اٹھائے جاتے ہیں، نماز کی ابتداء میں، بیت اللہ کے سامنے، صفا اور مروہ پر، دونوں موقفوں اور دونوں جمروں پر۔ اور بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانا ابن عباس اور ابن عمر سے ثابت ہے (یاد رہے اس حدیث ابن عباس میں رکوع اور قومہ کے وقت رفع الیدین کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ اگر ان حضرات کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے تو اس میں اور رفع یدین کی احادیث میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟) حنفیہ کے نزدیک جیسا کہ طحاوی نے شرح معانی الآثار میں صراحت کی ہے بیت اللہ کو دیکھ کر اس کی تعظیم میں ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے۔ حنفی فقہ کی مشہور کتب مثلاً قدوری، ہدایہ، کافی اور بدائع میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح کتب حدیث میں بھی کوئی ثبوت اس کی مشروعیت کا نہیں ہے۔ امام شافعی نے ابن جریج کی حدیث رفع الیدین کو لاشیئ قرار دیا ہے کیونکہ وہ منقطع ہے۔ پس نہ تو اس رفع کی کوئی حدیث لائق اعتماد رہی اور نہ اس کی نفی کی۔ واللہ اعلم۔

۱۸۷۱۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ نَا سَلَّامُ بْنُ مِسْكِينٍ نَا ثَابِتُ الْبُنَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبَاحٍ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْمَقَامِ يَعْنِيْ يَوْمَ الْفَتْحِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، یعنی فتح مکہ کے دن (اس حدیث کو ابو داؤد نے اس باب میں شاید گزشتہ حدیث کی تائید کے لیے درج کیا ہے کیونکہ اس میں بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانے کا کوئی ذکر نہیں آیا)

۱۸۷۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ حَنْبَلٍ نَا بَهْزُ بْنُ اَسَدٍ وَهَاشِمٌ يَعْنِي ابْنَ الْقَاسِمِ قَالَا نَا سُلَيْمٰنُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ اَتَى الصَّفَا فَعَلَاهُ حَيْثُ يَنْظُرُ اِلَى الْبَيْتِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مَا شَاءَ اَنْ يَذْكُرَهُ وَيَدْعُوْهُ قَالَ وَالْاَنْصَارُ تَحْتَهُ قَالَ هَاشِمٌ فَدَعَا وَحَمِدَ اللّٰهَ وَدَعَا بِمَا شَاءَ اَنْ يَدْعُوَ۔

ابوہریرہ رضہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے آئے اور مکہ میں داخل ہوئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کی طرف گئے اس کا استلام کیا (بوسہ لیا) پھر بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا پر آئے اور اس پہ چڑھے حتی کہ آپ کو بیت اللہ نظر آسکتا تھا۔ پس آپ ؐ نے ہاتھ اٹھائے (دعا کے لیے) اور جس قدر خدا نے چاہا اس کا ذکر کرتے اور دعا مانگتے رہے اور گرتے ہوئے پتھر (یا انصار مدینہ) آپ ؐ سے نیچے تھے۔ ہاشم راوی نے کہا: پھر آپ نے دعا کی اور اللہ کی حمد کی اور جتنا چاہا دعا فرمائی (یہ حدیث مسلم میں بھی مروی ہے)

شرح: ابوداؤد کی روایت میں: وَالْاَنصاب تحتہٗ کا لفظ ہے۔ بعض صفا پر چڑھنے کے لئے گرتے ہوئے پتھر نیچے تھے۔ بعض نسخوں میں والانصار تحتہ آیا ہے۔ یعنی انصار مدینہ آپ سے نیچے کھڑے تھے۔ حضورؐ کا یہ طواف محض نفلی تھا، عمرہ کا طواف نہ تھا، پس صفا پہ چڑھنا خطاب کے لیے تھا تاکہ بلند جگہ پہ سے خطاب فرمائیں۔ اور اس حدیث میں جو ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے یہ دعا کی خاطر تھا نہ کہ کعبہ دیکھ کر اس کی تعظیم کے لیے۔ استلام سے مراد بوسہ لینا، مس کرنا اور یہ ممکن نہ ہو تو حجر اسود کے بالمقابل ہاتھ اٹھانا ہے

بَابٌ فِي تَقْبِيلِ الْحَجَرِ

حجر اسود کو چومنے کا باب

۱۸۷۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ اَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عُمَرَ اَنَّهُ جَاءَ اِلَى الْحَجَرِ فَقَبَّلَهُ فَقَالَ اِنِّي اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اَنِّي رَاَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ۔

عابس بن ربیعہ نے حضرت عمر رضہ سے روایت کی ہے کہ وہ حجر اسود کی طرف آئے اور اس کا بوسہ لیا۔ پھر فرمایا: میں بالیقین جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، کوئی نقصان بھی نہیں دے سکتا اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا (اس حدیث کو بخاری، مسلم، مالک، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور احمد نے بھی روایت کیا۔ مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت عابس کے بجائے عبداللہ بن سرجس سے آئی ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کی متابعت کا لزوم ثابت ہوا اگرچہ کسی کو ان کی علتوں اور اسباب کا علم نہ ہو، اور یہ کہ جب حضورؐ کی سنت صحیح طریق سے کسی کو پہنچ جائے تو خواہ اس کا معنی و مطلب سمجھ میں نہ آئے پھر بھی وہ حجت ہے اور اس پہ واجب ہے۔ حجر اسود کے بوسے میں اتنی بات فی الجملہ معلوم ہے کہ حضورؐ نے اس کا بوسہ اکرام و اعظام اور تبرک کے طور پہ لیا تھا۔ اللہ تعالی نے بعض مقامات، شہروں، ملکوں اور علاقوں کو دوسروں پہ فضیلت دی ہے اور اس فضیلت کے کچھ مخفی یا ظاہر اسباب بھی ہیں۔ اسی طرح بعض

مہینوں، دنوں اور راتوں کو بھی فضیلت دی ہے۔ اس کے اسباب ہر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتے اور اس باب میں گردن جھکائے بغیر چارا نہیں۔ اور عقلی طور پہ یہ بات مشہور اور جائز ہے انسانی عقول اسی سے ابا نہیں کرتیں۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ کی مانند ہے۔ یعنی جس طرح ہاتھ میں ہاتھ دے کر مصافحہ کرتے، بیعت لیتے اور معاہدہ کرتے ہیں۔ حجر اسود کا بوسہ گویا اللہ تعالیٰ کا مصافحہ ہے مگر اس سب کچھ کے باوجود وہ ایک پتھر ہی ہے اس میں کوئی نفع و نقصان کی طاقت نہیں پائی جاتی جیسا کہ اس حدیث میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صراحت و وضاحت فرما دی ہے۔

طبری کے کہا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ بتوں اور پتھروں کی پوجا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خدشے کو رفع فرمایا کہ مبادا کوئی جاہل یہ سمجھنے لگے کہ حجر اسود میں کوئی معبودیت یا نفع و نقصان کی صفت پائی جاتی ہے۔

بَابُ ۴۸ اِسْتِلَامِ الْاَرْكَانِ

استلام ارکان کا باب

۱۸۷۴۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ نَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ اَرَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مِنَ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ۔

ابن عمر رض نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے صرف دو یمانی رکنوں کا استلام کرتے دیکھا تھا (بخاری، مسلم اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: رکن سے مراد جانب ہے اور یہاں بیت اللہ کے بیرونی کونے مراد ہیں جہاں پہ کہ اس کی دیواریں باہم ملتی ہیں۔ یہ کل چار ارکان ہیں: رکن اسود اور رکن یمانی جن کو تغلیباً یمانیان کہتے ہیں۔ اور رکن شامی اور رکن عراقی جن کو شامی رکن کہتے ہیں۔ رکن اسود کا بوسہ لیا جاتا ہے اور اس سے لپٹتے ہیں۔ رکن یمانی کو فقط مس کیا جاتا ہے۔ باقی دو ارکان کا استلام نہیں ہے کیونکہ بیت اللہ قواعد ابراہیمی پہ پورا بنا ہوا نہیں ہے۔ پس یہ دو رکن دراصل اپنی رکنیت کے مقام پر نہیں ہیں بلکہ شرقی و غربی دیوار کے وسط میں ہیں۔ ابن عمر رض کے قول سے ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی دو ارکان کا استلام نہیں کیا تھا کہ بیت اللہ ابراہیمی بنیادوں پہ قائم نہیں ہے۔ اس مسئلے میں ابن عباس اور معاویہ رض کے مابین اختلاف ہوا تھا۔ معاویہ سب ارکان کا استلام کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بیت اللہ میں سے کوئی چیز مہجور نہیں ہے۔ ابن عباس رض نے کہا کہ استلام فقط ان دو شامی ارکان کا ہوتا ہے۔ معاویہ رض کے قول کا جواب امام شافعی رح نے یہ لکھا ہے کہ ان دو ارکان استلام بیت اللہ کو مہجور کرنے کے باعث نہیں بلکہ سنت کی ادائیگی کے باعث ہے ورنہ بیت اللہ کا طواف جب کیا گیا تو وہ مہجور کیوں کر ہوا؟ فعل و ترک میں عبادات کے اندر فقط سنت کی پابندی لازم ہے، اور اس بات کا تو کوئی بھی قائل نہیں کہ ارکان کے مابین کی جگہ کا استلام کیا جائے، پس اگر اس ترک سے بیت اللہ کا مہجور کرنا لازم نہیں آتا تو ادائیگی سنت کی

خاطر دو ارکان کے ترک سے بھی لازم نہیں آسکتا۔ حجر اسود کے رکن میں دو فضیلتیں ہیں، ایک اس میں حجر اسود کا ہونا اور دوسرے قواعد ابراہیمی پہ ہونا۔ رکن یمانی میں فقط قواعد ابراہیمی پہ ہونے کی فضیلت ہے۔ یہی سبب ہے کہ پہلے کا بوسہ لیا جاتا ہے اور دوسرے کو صرف مس کرتے ہیں۔ اور باقی دو ارکان کی نہ تقبیل ہے نہ استلام۔ جمہور کی یہی رائے ہے اور بعض کے نزدیک رکن یمانی کی تقبیل بھی ہے۔ یہیں سے قابلِ تعظیم واکرام چیزوں کی تقبیل کے مسئلے میں بعض علماء نے استدلال کیا ہے مثلاً مصحف کو چومنا، آدمی کے ہاتھ کا بوسہ لینا، کتبِ حدیث کو چومنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور قبر مبارک کو چومنا قبور صالحین کا بوسہ لینا۔ یہ مضمون فتح الباری کا ہے۔ مولانا رح نے فرمایا کہ صالحین کی قبور کا بوسہ لینا عوام اور جہال کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا باعث ہو سکتا ہے اور یہ سجدہ کے مشابہ ہے لہذا جائز نہیں۔ علامہ شامی نے جن چیزوں کی فقط زیارت اور ان کے پاس دعا مسنون ہے ان کے چومنے کو مکروہ لکھا ہے۔ اس قاعدے کے مطابق تقبیل قبور جائز نہیں ہوگی۔

۱۸۷۵۔ حَدَّثَنَا مُخَلَّدُ بْنُ خَالِدٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أُخْبِرَ بِقَوْلِ عَائِشَةَ أَنَّ الْحِجْرَ بَعْضُهُ مِنَ الْبَيْتِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَظُنُّ عَائِشَةَ إِنْ كَانَتْ سَمِعَتْ هٰذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَظُنُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَتْرُكْ إِسْتِلَامَهُمَا إِلَّا أَنَّهُمَا لَيْسَا عَلَى قَوَاعِدِ الْبَيْتِ وَلَا طَافَ النَّاسُ وَرَاءَ الْحِجْرِ إِلَّا لِذٰلِكَ۔

سالم نے کہا کہ ابن عمر رض کو عائشہ رض صدیقہ کا قول بتایا گیا کہ: حجر کا بعض حصہ بیت اللہ میں داخل ہے، تو ابن عمر رض نے کہا کہ عائشہ رض نے اگر یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی تو میرا خیال یہ ہے کہ حضور ص نے شامی ارکان کا استلام اس لیے ترک فرمایا تھا کہ یہ دونوں ابراہیمی بنیادوں پر نہیں ہیں، اور لوگ کعبۃ اللہ کا طواف جو ان ارکان کے پرے سے کرتے ہیں یعنی حجر (حطیم) کو اندر رکھ کر تو وہ اسی سبب سے ہے (یہ حدیث بقول منذری نسائی میں بھی ہے اور ابن عمر رض کے قول کو بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: حجر یا حطیم سے مراد وہ جگہ ہے جسے قریش مکہ نے تعمیر کعبہ کے وقت قلتِ نفقہ کے باعث چھوڑ دیا تھا۔ یہ ایک قوس دار دیوار ہے جو کہ کعبہ کی غربی جانب میں بیت اللہ سے جدا ہے اور مشرق و مغرب میں اس کی تنگ سی گلی بنی ہوئی ہے۔ مولانا رح نے فرمایا کہ یہ ساری جگہ بیت اللہ کے اندر داخل ہے۔

۱۸۷۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَعُ أَنْ

يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ وَالْحَجَرَ فِي كُلِّ طَوَافِهِ قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طواف کے ہر پھیرے میں رُکن یمانی اور حجر اسود کا استلام ترک نہیں کرتے تھے۔ نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمر بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے (اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

بَابُ ۴۹ الطَّوَافِ الْوَاجِبِ

واجب طواف کا باب

۱۸۷۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى بَعِيرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا، رُکن کا استلام ایک عصا سے کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے یہ حدیث روایت کی ہے۔)

شرح: مِحجن کا معنی ہے مڑے ہوئے سر والا ڈنڈا جسے سواری کو چلانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ امام خطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طواف سوار ہو کر اس لیے کیا تھا کہ (مجمع کثیر تھا اور سب لوگ حضور کے قریب ہونے اور آپ کا طریقہ دیکھنے اور آپ سے مسائل دین دریافت کرنے کے مشتاق تھے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ آپ نے اس حج میں امّت کو رخصت فرما دیا تھا) لوگ آپ کو دیکھیں، آپ کے افعال کا مشاہدہ کریں اور آپ سے دینی مسائل دریافت کریں۔ یہ سواری ایک شرعی حاجت کی بنا پر تھی اور اسی معنیٰ میں جابر بن عبداللہ کی روایت بھی موجود ہے۔ اس سے یہ فقہی مسئلہ نکلا کہ حسب ضرورت سوار ہو کر طواف جائز ہے، بلکہ کسی کو اٹھوا کر بھی طواف بوقت ضرورت جائز ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے حلال جانوروں کے بول و براز کی طہارت کا استدلال بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ اونٹ جب اتنی دیر تک مسجد حرام میں رہے جتنی دیر میں کہ طواف ختم ہوتا ہے تو یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ ضرور پیشاب کرے گا (مگر میں گذارش کرتا ہوں کہ مسائل کی بنیاد احتمالات پر نہیں ثبوت پر ہوتی ہے۔ کیا کسی نے یہ نقل کیا ہے کہ اس اونٹ نے مطاف میں بول و براز کیا تھا؟)

طواف واجب (یعنی فرض) سے مراد طواف زیارت ہے۔ مسلم نے ابوالطفیل کی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضور حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے اس عصا کو بوسہ دیتے تھے۔ مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور حجر اسود کا استلام ہاتھ سے فرماتے اور ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے۔ سعید بن منصور نے عطاء سے روایت کی ہے کہ: میں نے ابو سعید، ابو ہریرہ

ابن عمرؓ اور جابرؓ کو دیکھا کہ جب وہ حجر اسود کو چھوتے تو (یا اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے تو) اپنے ہاتھوں کو چومتے تھے۔ اسی بنا پر جمہور علماء نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ رکن کو مس کرے اور اپنے ہاتھ کو بوسہ دے۔ اگر ہاتھ سے اسے مس نہ کر سکے تو اپنے ہاتھ میں کوئی چیز لے کر اس کے ساتھ مس کرے اور اس چیز کو بوسہ دے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے اور اسی پر اکتفا کرے۔ امام مالکؒ سے روایت ہے کہ اپنا ہاتھ نہ چومے۔ مالکیہ کی ایک اور روایت میں ہے کہ صرف منہ پر ہاتھ رکھے بوسہ نہ دے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ہم حنفیہ کے نزدیک دونوں ہتھیلیاں حجر اسود پر رکھے اور منہ کو ہتھیلیوں کے درمیان رکھ کر آواز کے بغیر بوسہ لے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو ہتھیلی سے چھو کر اُسے بوسہ دے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کسی عصا وغیرہ کے ساتھ حجر کو مس کرے اور اس چیز کا بوسہ لے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو اُس کے سامنے کھڑا ہو کر ہاتھوں کا یوں اشارہ کرے گویا اس پر رکھ رہا ہے اور پھر ہتھیلیوں کو چوم لے۔ اس دوران میں بسم اللہ، دعا، حمد و ثنا اور تکبیر و تہلیل کہتا رہے۔

مسلم نے جابرؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ کے سوار ہونے کا باعث لوگوں کو اعمال و مناسک حج دکھانا اور سکھانا تھا۔ ابن عباسؓ کی روایت جو تھوڑی دیر بعد سنن ابی داؤد میں آنے والی ہے، اس میں ہے کہ حضورؐ جب مکہ تشریف لائے تو بیمار تھے لہذا سوار ہو کر طواف کیا۔ بعض علماء نے سوار ہو کر طواف کرنے کو حضورؐ کے خصائص میں شمار کیا ہے اور دوسروں کے لیے مکروہ ٹھہرایا ہے (یعنی بلا عذر) اسی لیے حنفیہ کا مذہب ہے کہ پیدل چلنے پر جو شخص قادر ہو اس کے لیے پیدل طواف کرنا واجب ہے۔ اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ کونسا طواف تھا جو حضورؐ نے سواری پر کیا تھا؟ آیا طواف قدوم تھا، یا طواف عمرہ تھا، یا طواف زیارت تھا یا طواف صدر تھا؟ مولاناؒ نے فرمایا بظاہر یہ طواف زیارت تھا۔
حافظ ابن القیم الجوزیہ نے زاد المعاد میں کہا ہے کہ بیت اللہ کے طواف کے بعد حضورؐ سواری سے اترے اور صفا و مروہ کی سعی پیدل فرمائی یہ مسلم میں جابرؓ بن عبد اللہ کی حدیث کے الفاظ ہیں۔ اور مسلم میں ہی ابو الزبیر سے مروی ہے کہ جابر بن عبد اللہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی سوار ہو کر کی تاکہ لوگ دیکھ لیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے اس موقع پر صفا و مروہ کا طواف فقط ایک بار کیا تھا۔ مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ سعی کا بعض حصہ سوار ہو کر اور کچھ حصہ پیدل طے فرمایا ہوگا۔ اور مسلم میں ابن عباسؓ کی روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ بھیڑ کی شدت کے باعث حضورؐ نے سواری کی تھی ورنہ پہلے پیدل تھے۔

۱۸۷۸ - حَدَّثَنَا مُصَرِّفُ بْنُ عَمْرٍو الْيَامِيُّ نَا يُونُسُ نَا ابْنُ إِسْحٰقَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ ثَوْرٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ لَمَّا اطْمَأَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ طَافَ عَلٰى بَعِيْرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ فِيْ يَدِهٖ قَالَتْ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ -

صفیہ بنت شیبہ نے کہا کہ فتح کے سال مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان حاصل ہو گیا تو آپ نے ایک اونٹ پر طواف کیا، رکن کا استلام ایک عصا سے فرماتے تھے جو آپ کے ہاتھ میں تھا اور میں آپ کی طرف دیکھ رہی تھی (یہ حدیث ابن ماجہ کی سنن میں بھی ہے اور اس کی سند حسن ہے)

شرح: زاد المعاد میں حافظ ابن القیم نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا فتح مکہ کے دن حجون کے مقام پر مسجد فتح کے پاس گاڑا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو تشریف لے گئے۔ آپ کے پیچھے اور ارد گرد مہاجرین و انصار تھے حتیٰ کہ آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور حجر اسود کی طرف بڑھ کر اس کا بوسہ لیا، پھر بیت اللہ کا طواف کیا اور آپ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی، بیت اللہ کے ارد گرد، اندر باہر اور پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ انہیں کمان کے ٹھوکے دیتے اور فرماتے: حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بلاشبہ باطل مٹنے ہی والا تھا۔ حق آگیا اور اب باطل سر نہ اٹھائے گا نہ دوبارہ آئے گا۔ اور بت منہ کے بل گرتے چلے جاتے تھے اور یہ طواف آپ نے سوار ہو کر کیا تھا اور چونکہ اس دن آپ احرام میں نہ تھے لہذا طواف پہ اکتفا فرمایا۔

۱۸۷۹- حَدَّثَنَا هَارُونُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ الْمَعْنَى قَالَا نَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ مَعْرُوفٍ يَعْنِي ابْنَ خَرَّبُوذَ الْمَكِّيِّ نَا أَبُو الطُّفَيْلِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عَلَى رَاحِلَتِهِ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنِهِ ثُمَّ يُقَبِّلُهُ، زَادَ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَطَافَ سَبْعًا عَلَى رَاحِلَتِهِ۔

ابو الطفیل نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا۔ اپنا عصا رکن سے مس کرتے اور اس کا بوسہ لیتے تھے۔ محمد بن رافع راوی حدیث نے یہ اضافہ کیا کہ: پھر صفا و مروہ کی طرف نکلے اور اپنی سواری پر سات چکر لگائے۔ (مسلم اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے) ابو الطفیل صحابی کا نام عامر بن واثلہ تھا۔

۱۸۸۰- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِيَرَاهُ النَّاسُ وَلِيُشْرِفَ وَلِيَسْأَلُوهُ فَإِنَّ النَّاسَ غَشُوهُ۔

ابو الزبیر نے جابر بن عبد اللہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سواری پر کی تاکہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ بلند رہیں (کہ لوگوں کو دیکھنے میں آسانی ہو) اور تاکہ آپ سے مسائل پوچھیں اور سبب اس کا یہ تھا کہ لوگوں نے آپ کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا (یعنی بھیڑ زیادہ ہو گئی تھی) یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔

شرح: سوار ہونے کی جو علتیں احادیث میں ہیں سب درست ہیں۔ بھیڑ بھی بہت زیادہ تھی کہ چلنا دشوار ہو رہا تھا اور آپ کے آگے ہٹو بچو کی آواز بلند نہ کی جاتی تھی نہ کسی کو مار کر ہٹایا جاتا تھا۔ ایک غرض یہ بھی تھی کہ لوگ آپ کے اعمال کو بآسانی دیکھ لیں اور یہ سبب بھی تھا کہ لوگ آپ سے مسائل دریافت کر کے جواب لے سکیں۔ اور اس حدیث سے جن لوگوں نے حلال جانوروں کے بول و براز کی طہارت کا حکم نکالا ہے یہ غلط ہے کیونکہ کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ سواری نے مسجد حرام میں بول و براز کیا تھا۔ نیز اس وقت تک مسجد حرام کا احاطہ نہیں بنا تھا اور نہ اس کی صفائی کا وہ انتظام تھا جو بعد میں ہوا۔ بالفرض اگر اونٹ بول و براز کرتا تو صفائی کی جا سکتی تھی کیونکہ حضور کا سوار ہونا ایک شرعی عذر سے تھا۔ جیسا کہ بچوں کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے حالانکہ خدشہ ہوتا ہے کہ وہ مسجد کو بول و براز سے ملوث کر دیں گے۔

۱۸۸۱- **حَدَّثَنَا** مُسَدَّدٌ نَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ نَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مَكَّةَ وَهُوَ يَشْتَكِي فَطَافَ عَلَى رَاحِلَتِهِ كُلَّمَا أَتَى عَلَى الرُّكْنِ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهِ أَنَاخَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آئے تو بیمار تھے۔ پس آپ نے سواری پر طواف کیا جب رکن پر پہنچے تو اسے ایک عصا سے چھوتے۔ طواف سے فارغ ہوئے تو اونٹ کو بٹھایا اور دو رکعت نماز ادا کی۔

شرح: شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں یزید بن ابی زیاد ناقابل احتجاج ہے۔ بیہقی نے کہا کہ یزید نے وَهُوَ يَشْتَكِي کا لفظ جو روایت میں بڑھایا ہے، یہ کسی اور نے بیان نہیں کیا اور امام شافعی نے کہا ہے کہ حجۃ الوداع میں حضور بالکل بیمار نہیں ہوئے تھے۔

۱۸۸۲- **حَدَّثَنَا** الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَشْتَكِي فَقَالَ طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ قَالَتْ فَطُفْتُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ وَهُوَ يَقْرَأُ بِالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شکایت کی کہ میں بیمار ہوں تو آپ نے فرمایا کہ سوار ہو کر لوگوں کے پرے پرے سے طواف کر لے، پس میں نے طواف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس وقت بیت اللہ کے پہلو میں نماز (فجر کی نماز) پڑھا رہے تھے اور سورہ طور کی تلاوت فرما رہے تھے (مولانا نے فرمایا کہ یہ طواف وداع کا ذکر ہے۔ بخاری نے یہ حدیث صحیح میں پانچ جگہوں پر روایت کی ہے۔ موطا، مسلم، نسائی اور ابن میں موجود ہے)

بَابُ ۵۰ الْاِضْطِبَاعِ فِي الطَّوَافِ

طواف میں اضطباع کا باب

۱۸۸۳ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ يَعْلَى عَنْ يَعْلَى قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ أَخْضَرَ۔

یعلیٰ رض (بن امیہ تمیمی) نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز چادر سے اضطباع کر کے طواف فرمایا (ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔)

(شرح: اضطباع کا معنیٰ ہے چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں پلو بائیں کندھے پر ڈال دینا۔ اس میں دایاں کندھا ننگا رہتا ہے، گویا اللہ کے حضور عاجزانہ انداز کا اظہار ہے۔ نیز مشرکوں نے عمرۃ القضاء میں کہا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی وبائی آب و ہوا نے کسی کام کا نہیں چھوڑا لہذا اظہار شجاعت و جلالت کے لیے یہ حکم دیا گیا، اسی طرح رمل کا حکم بھی تھا۔ پھر یہ احکام ہمیشہ کے لیے باقی رکھے گئے۔

۱۸۸۴ـ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ مُوسَى نَا حَمَّادٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُثْمَانَ ابْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ اعْتَمَرُوا مِنَ الْجِعِرَّانَةِ فَرَمَلُوا بِالْبَيْتِ وَجَعَلُوا أَرْدِيَتَهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ ثُمَّ قَذَفُوهَا عَلَى عَوَاتِقِهِمُ الْيُسْرَى۔

ابن عباس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے جعرانہ سے (بزمانہ فتح مکہ) عمرہ ادا کیا پس بیت اللہ کے طواف میں رمل کیا اور اپنی چادریں بغلوں کے نیچے سے نکال کر دائیں کندھے پر ڈالی ہوئی تھیں (رمل کا معنیٰ ہے کندھے مٹکا کر چھوٹے قدموں سے تیز تیز چلنا)

بَابُ ۵۱ فِي الرَّمَلِ

یہ باب رمل کے بیان میں ہے

١٨٨٥ - حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ نَا أَبُو عَاصِمٍ الْغَنَوِيُّ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ يَزْعُمُ قَوْمُكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَمَلَ بِالْبَيْتِ وَإِنَّ ذٰلِكَ سُنَّةٌ قَالَ صَدَقُوا وَكَذَبُوا قُلْتُ وَمَا صَدَقُوا وَمَا كَذَبُوا قَالَ صَدَقُوا قَدْ رَمَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذَبُوا لَيْسَ بِسُنَّةٍ إِنَّ قُرَيْشًا قَالَتْ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ دَعُوا مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ حَتّٰى يَمُوتُوا مَوْتَ النَّغَفِ فَلَمَّا صَالَحُوهُ عَلٰى أَنْ يَجِيئُوا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَيُقِيمُوا بِمَكَّةَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ فَقَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُشْرِكُونَ مِنْ قِبَلِ قُعَيْقِعَانَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ ارْمُلُوا بِالْبَيْتِ ثَلَاثًا وَلَيْسَ بِسُنَّةٍ قُلْتُ يَزْعُمُ قَوْمُكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلٰى بَعِيرٍ وَإِنَّ ذٰلِكَ سُنَّةٌ قَالَ صَدَقُوا وَكَذَبُوا قُلْتُ مَا صَدَقُوا وَمَا كَذَبُوا قَالَ صَدَقُوا قَدْ طَافَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلٰى بَعِيرٍ وَكَذَبُوا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ كَانَ النَّاسُ لَا يُدْفَعُونَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُصْرَفُونَ عَنْهُ فَطَافَ عَلٰى بَعِيرٍ لِيَسْمَعُوا كَلَامَهُ وَلِيَرَوْا مَكَانَهُ وَلَا تَنَالُهُ أَيْدِيهِمْ۔

ابو الطفیل رضؓ نے کہا کہ میں نے ابن عباس رضؓ سے کہا: تیری قوم کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے طواف میں رمل کیا تھا اور ایسا کرنا سنت ہے۔ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ: انہوں نے درست بھی کہا اور غلط بھی۔ میں نے کہا کہ انہوں نے کیا درست کہا کیا غلط کہا؟ ابن عباس رضؓ نے کہا انہوں نے یہ سچ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کیا تھا اور انہوں نے یہ غلط کہا کہ وہ سنت ہے، وہ سنت نہیں ہے۔ قریش نے حدیبیہ کے زمانہ میں کہا تھا کہ محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑ دو حتی کہ وہ نغف (ناک کے پھوڑے) سے مر جائیں۔ پھر جب قریش نے آپ سے مصالحت کی کہ مسلمان آئندہ سال آئیں اور مکہ میں تین دن ٹھہریں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مشرک قُعَیقعان نامی پہاڑ کی طرف تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ بیت اللہ کے طواف میں تین چکروں کے اندر رمل کرو۔ اور یہ سنت نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ تیری قوم کیا کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کے درمیان اپنے اونٹ پر

طواف فرمایا تھا اور یہ سنت ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ انہوں نے درست بھی کہا اور غلط بھی۔ میں نے کہا کہ انہوں نے کیا صحیح کہا کیا غلط کہا؟ ابن عباس رضہ نے کہا کہ یہ بات انہوں نے ٹھیک کہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کے درمیان اونٹ پر طواف فرمایا تھا، اور انہوں نے جو اسے سنت کہا سو یہ غلط ہے، یہ سنت نہیں ہے۔ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دور نہیں کیا جاتا اور ہٹایا نہیں جاتا تھا اس لیے آپؐ نے اونٹ پر طواف فرمایا تاکہ لوگ آپ کی باتیں سنیں اور آپ کو دیکھیں مگر ان کے ہاتھ آپؐ تک نہ پہنچیں (صحیح مسلم اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

شرح: ابن عباس رضہ کی یہ رائے تو بالکل درست ہے کہ بلا عذر سوار ہو کر طواف کرنا مشروع نہیں۔ حضورؐ کا سوار ہونا ایک شرعی مصلحت اور عذر سے تھا، عام سنت نہیں۔ لیکن ابن عباس رضہ یہ رائے فقہاء نے نہیں مانی کہ رمل سنت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بھی رمل کیا تھا حالانکہ اس وقت مشرکوں کو شجاعت وجلادت دکھانا پیش نظر نہیں ہو سکتا تھا۔

۱۸۸۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ حَدَّثَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَقَدْ وَهَنَتْهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ إِنَّهُ يَقْدَمُ عَلَيْكُمْ قَوْمٌ قَدْ وَهَنَتْهُمُ الْحُمَّى وَلَقُوا مِنْهَا شَرًّا فَأَطْلَعَ اللّٰهُ تَعَالَى نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا قَالُوا فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرْمُلُوا الْأَشْوَاطَ الثَّلَاثَةَ وَأَنْ يَمْشُوا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ فَلَمَّا رَأَوْهُمْ رَمَلُوا قَالُوا هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ ذَكَرْتُمْ أَنَّ الْحُمَّى قَدْ وَهَنَتْهُمْ هٰؤُلَاءِ أَجْلَدُ مِنَّا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَمْ يَأْمُرْهُمْ أَنْ يَرْمُلُوا الْأَشْوَاطَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِبْقَاءَ عَلَيْهِمْ۔

ابن عباس رضہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عمرۃ القضاء میں) مکہ میں آئے اور مسلمانوں کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا تھا، پس مشرکوں نے کہا کہ: تمہارے پاس ایک قوم آئی ہے جسے بخار نے ضعیف کر دیا ہے اور اس بخار کے باعث ان کا برا حال ہو گیا ہے (اس زمانے تک مدینہ کی آب و ہوا سخت و بائی اور متعدی تھی) پس اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی بات کی اطلاع اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (مسلمانوں کو) حکم دیا کہ طواف کے تین چکروں میں رمل کریں اور دو رکنوں کے درمیان معمولی رفتار سے چلیں۔ جب مشرکوں نے مسلمانوں کو رمل کرتے دیکھا تو آپس میں کہا: یہ ہیں وہ لوگ جن کے متعلق تم نے بتایا تھا کہ بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے؟ یہ تو ہم سے بھی زیادہ طاقت ور ہیں! ابن عباس رضہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انہیں طواف کے سب چکروں میں رمل کا حکم نہیں دیا تھا یہ صرف ان پر شفقت اور رحم کے باعث تھا (یہ حدیث بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں بھی مروی ہے۔)

شرح: حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام بخاری کے باب الرمل فی الحج والعمرۃ سے یہ مراد ہے کہ رمل کے مشروع ہونے کا اثبات کریں اور یہی جمہور علماء اسلام کا مذہب ہے۔ ابن عباس رضہ نے اس کی سنیت سے انکار کیا ہے مگر ابن عمر رضہ کی حدیث

میں اس کے برخلاف ثابت ہے۔ اور حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی رمل کی پابندی اس کی بقائے مشروعیت کی دلیل ہے۔

۱۸۸۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو نَا هِشَامُ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ فِيمَا الرَّمَلَانِ وَالْكَشْفُ عَنِ الْمَنَاكِبِ وَقَدْ أَطَّأَ اللّٰهُ الْإِسْلَامَ وَنَفَى الْكُفْرَ وَأَهْلَهُ وَمَعَ ذٰلِكَ لَا نَدَعُ شَيْئًا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اسلم عدوی نے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو کہتے سُنا: یہ رمل اور کندھے کھولنا کیوں ہے جبکہ اللہ تعالےٰ نے اسلام کو جاری کر دیا ہے اور کفر اور اہل کفر کو دُور کر دیا ہے؟ مگر اس کے باوجود ہم وہ چیز نہیں چھوڑیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیا کرتے تھے (یہ حدیث ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

شرح: اسلم عدی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ خطابی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی چیز کسی علت یا سبب سے شروع فرماتے تھے، پھر وہ سبب باقی نہ رہتا تھا مگر سنت اپنے حال پر باقی رہتی تھی، چنانچہ رمل کا بھی یہی حال ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دل میں شاید یہ خیال آیا تھا کہ طواف میں رمل کرنے کا سبب تو اب باقی نہیں رہا لہذا اسے ترک کیوں نہ کر دیا جائے؟ مگر پھر انہوں نے یہ خیال اس سبب سے چھوڑ دیا کہ اللہ تعالےٰ کی اس میں کوئی ایسی حکمت ہوگی جس میں اطلاع نہیں ہوئی۔ اس فعل کو کرنے والا اس کے اولیں سبب کو جب ذہن میں لاتا ہے تو اسلام اور اہل اسلام کے اعزاز و شوکت کا نقشہ اس کی آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ گویا کہ اس کے باقی رکھنے کا یہ بھی ایک مقصد ہے۔

۱۸۸۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیت اللہ کا طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اور جمروں پر کنکریاں پھینکنا اللہ کے ذکر کو قائم کرنے کی خاطر مقرر کیا گیا ہے (یہ حدیث ترمذی نے بھی روایت کی اور اسے حدیث صحیح کہا ہے)

شرح: ان تاریخی متبرک مقامات میں اقامت دین کے جو واقعات گزر چکے ہیں اور اسلامی تاریخ کے ساتھ ان کی جو اہمیت و ضرورت

رہی ہے ان کا تذکرہ ان افعال کے ساتھ وابستہ ہے۔ ویسے تو تمام عبادات کا مقصد ذکر اللہ کا قیام ہے مگر ان تین چیزوں کا خصوصی ذکر اس لیے فرمایا گیا کہ بظاہر ان افعال میں عبادت کا معنیٰ ظاہر نہیں ہوتا۔ پس یہ چیزیں بظاہر نہ ہونے کے باوجود ذکر اللہ کی اقامت کے باعث عبادات بن گئی ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی تو عبادت نہیں ہوتی اور اسی طرح سعی اور رمی جمار کا حال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ذکر کو ثابت وقائم رکھنے کی خاطر عبادات ٹھہرا دیا ہے۔ حدیث میں اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی ہے کہ عبادت من جانب اللہ قائم کی جاتی ہے۔ کسی کا حق نہیں کہ از خود کسی چیز کو عبادت قرار دے دے۔ شعائر اللہ خود اللہ کی طرف سے اس کے رسول کی معرفت قائم کئے گئے ہیں۔

۱۸۸۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ نَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنِ ابْنِ خُثَيْمٍ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اضْطَبَعَ فَاسْتَلَمَ فَكَبَّرَ ثُمَّ رَمَلَ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ وَكَانُوا إِذَا بَلَغُوا الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ وَتَغَيَّبُوا مِنْ قُرَيْشٍ مَشَوْا ثُمَّ يَطْلُعُونَ عَلَيْهِمْ يَرْمُلُونَ تَقُولُ قُرَيْشٌ كَأَنَّهُمُ الْغِزْلَانُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكَانَتْ سُنَّةً۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اضطباع کیا، پھر رکن کو مس کیا اور تکبیر کہی پھر طواف کے تین چکروں میں رمل کیا۔ اور حضور اور آپ کے ساتھی جب رکن یمانی پر پہنچتے اور قریش سے غائب ہو جاتے تو عام رفتار سے چلتے تھے پھر جب قریش کو دکھائی دیتے تو رمل کرتے تھے، قریش کہتے تھے کہ گویا یہ لوگ ہرن ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر یہ سنت قرار پا گئی (یعنی پہلی مرتبہ تو اضطباع اور رمل مشرکوں کو شوکتِ اسلام اور جلادتِ اہل اسلام دکھانے کے لیے قائم ہوئے تھے مگر پھر حجۃ الوداع میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا تو یہ ہمیشہ کے لیے سنت قرار دیا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان کے گزشتہ قول کی نفی کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخر کار ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں جماعتِ صحابہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

۱۸۹۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمٰنَ ابْنِ خُثَيْمٍ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ اعْتَمَرُوا مِنَ الْجِعِرَّانَةِ فَرَمَلُوا بِالْبَيْتِ ثَلَاثًا وَمَشَوْا أَرْبَعًا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے جعرانہ کے مقام سے عمرہ ادا کیا پس بیت اللہ کے طواف میں تین چکر تو رمل کے کئے اور چار چکر عام رفتار سے کئے (سنن ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: مولانا نے فرمایا کہ شاید اسی قصے نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پہلے قول سے رجوع پر آمادہ کیا تھا۔

۱۸۹۱ - حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ نَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ وَذَكَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ ذٰلِكَ -

نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے حجر اسود سے حجر اسود تک (پورے چکر میں) رمل کیا اور ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا (یہ حدیث مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی۔ اور مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اسے جابر سے بھی روایت کیا ہے) ابن عباسؓ سے جو دو رکنوں کے درمیان عام رفتار سے چلنے کا ذکر ہے وہ عمرۃ القضاء کا واقعہ ہے۔ پھر حجۃ الوداع میں پورے تین چکروں میں رمل کیا گیا اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔

بَابُ ۵۲ الدُّعَاءِ فِي الطَّوَافِ

طواف میں دعا کا باب

۱۸۹۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ السَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ -

عبداللہ بن السائب نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکنوں کے درمیان یہ کہتے سنا ربنا آتنا فی الدنیا الخ "اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہم کو آگ کی سزا سے محفوظ فرما" (بقولِ منذری یہ حدیث نسائی میں موجود ہے) جمہور علمائے اسلام کے نزدیک یہ دعا مسنون ہے اور اس کے ترک سے کوئی فدیہ نہیں آتا، مگر حسن بصریؒ، سفیان ثوریؒ اور ابن ماجشون کے نزدیک ترک سے فدیہ (ایک جانور کی قربانی) لازم ہے۔

۱۸۹۳ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا يَعْقُوبُ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَوَّلَ مَا يَقْدَمُ فَإِنَّهُ يَسْعَى ثَلٰثَةَ أَطْوَافٍ وَيَمْشِي أَرْبَعًا ثُمَّ يُصَلِّي سَجْدَتَيْنِ -

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آتے ہی حج اور عمرہ میں جو پہلا طواف کرتے اس میں تین چکروں میں

رمل کرتے اور چار چکروں میں عام اختیار سے چلتے پھر دو رکعت نماز پڑھتے تھے (یہ حدیث بخاری، مسلم، مالک، نسائی، احمد اور دارمی نے بھی روایت کی ہے) طواف کے بعد جو نماز ہے اس میں دعائیں ہیں اور اس نماز کا تعلق طواف کے ساتھ ہے لہذا بالفاظ دیگر یہ دعا طواف میں سمجھ کر ابو داؤد نے اس حدیث کو یہاں درج کیا ہے ورنہ بظاہر باب سے اس کی کوئی مطابقت نہیں۔

بَابُ ۵۳ الطَّوَافِ بَعْدَ الْعَصْرِ

عصر کے بعد طواف کا باب

۱۸۹۴ - حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ نَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بَابَاهُ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا يَطُوفُ بِهَذَا الْبَيْتِ وَيُصَلِّي أَيَّ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ۔

جبیر بن مطعم رضؓ اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسی شخص کو مت روکو جو بیت اللہ کا طواف کرے اور نماز پڑھے، رات یا دن کی کسی گھڑی میں (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: سنن ابو داؤد کے ایک نسخے میں ابو داؤد کے شیخ ابن السرح کے ساتھ دوسرا راوی فضل بن یعقوب بھی ہے، اور یہ الفاظ حدیث فضل سے مروی ہیں۔ اور فضل نے اس حدیث میں یہ اضافہ بھی بیان کیا کہ حضورؐ نے فرمایا: اے بنی عبد مناف کسی شخص کو مت روکو الخ۔ خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کر کے کہا ہے کہ مکہ میں اوقات نہی میں نماز جائز ہے۔ بعض علماء نے صرف طواف کی دو رکعتوں کا جواز ثابت کیا ہے کیونکہ جب طواف کے بعد نماز مسنون ہے اور طواف ہر وقت جائز ہے تو نماز طواف بھی ہر وقت جائز ہے۔ ابن عباس سے بھی اس مضمون کی ایک حدیث مروی ہے جسے تلخیص میں حافظ ابن حجر نے معلول قرار دیا ہے ابن عدی نے ابو ہریرہ رضؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس سے یہ مضمون نکلتا ہے کہ طواف کرنے والا جب چاہے نماز پڑھے لیکن امام بخاری اور ابن عدی دونوں نے غریب کہا ہے اور اس کی متابعت نہیں ملتی۔ شوکانی نے کہا کہ ان احادیث کی بنا پر امام شافعی اور امام منصور باللہ نے کہا کہ مکہ میں یا بعد از طواف اوقات مکروہ میں نماز جائز ہے۔ مگر جمہور نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو صحاح میں ہیں اور اوقات مکروہہ میں نماز کو ناجائز قرار دیتی ہیں۔ جبیر بن مطعم رضؓ کی حدیث سے ان احادیث کی تخصیص نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ عام ہیں اور صحیح تر ہونے کے ساتھ اپنے اپنے مضمون میں فیصلہ کن ہیں۔

بَابُ طَوَافِ الْقَارِنِ

قارن کے طواف کا بیان

۱۸۹۵- حَدَّثَنَا ابْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ لَمْ يَطُفِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أَصْحَابُهُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ إِلَّا طَوَافًا وَاحِدًا طَوَافَهُ الْأَوَّلَ۔

ابوالزبیر نے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو کہتے سنا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے صفا و مروۃ کے درمیان صرف ایک طواف کیا تھا یعنی پہلا ہی طواف (اس حدیث کو مسلم اور نسائی نے روایت کیا۔ ابن ماجہ نے اسے جابرؓ کے علاوہ ابن عمر اور ابن عباس رضی سے بھی روایت کیا اور بقول منذری ترمذی نے بھی اسے بیان کیا ہے)

شرح: مسلم نے اسے یحیی بن سعید کے طریق سے روایت کیا تو: إِلَّا طَوَافًا وَاحِدًا کے لفظ پر ہی اقتصار کیا ہے اور محمد بن بکر کے طریق سے روایت کیا ہے تو: طوافہ الاول کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔ ابوداؤد کی یہ روایت یحیی بن سعید کے طریق سے ہے مگر اس میں یہ اضافہ (برخلاف مسلم) موجود ہے۔ اس لحاظ سے ابوداؤد نے اس روایت میں مسلم کی مخالفت کی ہے۔ نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے اور آپ نے ایک ہی طواف پر اکتفا کیا تھا اور ایک ہی سعی کی تھی۔

مولانا نے فرمایا کہ نووی رح نے جو استدلال کیا ہے وہ اس حدیث سے نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ حدیث کا معنی یہ ہو: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے حج کے لیے صرف ایک طواف یعنی وہی پہلا طواف کیا کیونکہ آپؐ نے اس میں ایک ہی سعی کی تھی، پس مطلب یہ ہوا کہ حج کے لیے سعی کو مکرر نہ کیا جائے گا اور یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام طحاوی رح نے کہا کہ اگر شوافع حدیث عطاء عن جابر رض سے استدلال کریں اور کہیں کہ طواف واحد پر کوئی اضافہ نہ ہوا تھا تو اس کی وضاحت ابوالزبیر عن جابر رض کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے صفا و مروہ کے درمیان فقط ایک ہی مرتبہ سعی کی تھی۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یوم النحر کے طواف میں صفا و مروہ کی سعی نہیں ہوتی اور نہ طواف صدر میں۔ یہ سعی صرف طواف قدوم میں ہوتی ہے۔ پس حدیث میں شوافع کے قول کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۱۸۹۶- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِينَ كَانُوا مَعَهُ لَمْ يَطُوفُوا حَتَّى رَمَوُا الْجَمْرَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اصحاب جو (حجۃ الوداع میں) آپ کے

ساتھ تھے انہوں نے جمرہ پر رمی کرنے قبل طواف نہیں کیا تھا (حسب بیان منذری یہ حدیث نسائی میں بھی آئی ہے)

شرح: یہ حدیث بظاہر ان احادیث کے صریحاً خلاف ہے جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر اصحاب نے یہ بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں داخل ہوتے ہی طواف اور سعی کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اصحاب کے ساتھ ہدی تھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند احرام نہ کھولا اور جن حضرات کے پاس ہدی نہ تھی انہوں نے بھی طواف وسعی تو پہلے حضرات کے ساتھ کی مگر احرام نہ کھولا، پس جب یہ صورت حالت تھی تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ جمرہ پر رمی کرنے تک ان حضرات نے طواف نہیں کیا تھا؟ پس اس کی یہ تاویل لازم ہوئی کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ ہدی نہ تھی انہوں نے جمرہ پر رمی کرنے تک حج کا طواف نہ کیا۔ یا یوں کہا جائے گا کہ جن لوگوں کے ساتھ ہدی تھی انہوں نے احلال (احرام کھولنے) کے لیے اس وقت تک طواف نہ کیا جب تک کہ جمرہ پر رمی نہ کر لی۔ اس رمی کے بعد ان حضرات نے طواف افاضہ کیا اور احرام کھول دیا۔ یا یوں کہیے کہ قارن یا غیر قارن سب حضرات نے طواف افاضہ رمی جمرہ کے بعد ہی کیا تھا، بہرحال اس حدیث کا لفظ: لم یطوفوا مقید کرنا پڑے گا ورنہ یہ حدیث گزشتہ بہت سی احادیث کے خلاف پڑ جائے گی یہ حدیث مذہب احناف کے مطابق ہی باب کے عنوان سے مناسبت رکھتی ہے ورنہ نہیں۔

۱۸۹۷ - حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمُؤَذِّنُ أَنَا الشَّافِعِيُّ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا طَوَافُكِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ يَكْفِيكِ لِحَجَّتِكِ وَعُمْرَتِكِ قَالَ الشَّافِعِيُّ كَانَ سُفْيَانُ رُبَّمَا قَالَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ وَرُبَّمَا قَالَ عَنْ عَطَاءٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تیرا بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کا طواف تیرے حج اور عمرہ کے لیے کافی ہے۔ شافعی نے کہا کہ سفیان کئی بار تو یہ کہتا کہ: عن عطاء عن عائشہ رضی اللہ عنہا اور کئی بار یوں کہتا کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ (اصلی حدیث کی مانند مسلم میں بھی حدیث موجود ہے)

شرح: اس حدیث میں ابوداؤد کے استاذ الاستاذ مشہور امام حدیث وفقہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن مناف قرشی مطلبی شافعی مکی ہیں جنہیں امام شافعی کہا جاتا ہے اور دوسری صدی کے مجددین ملت میں سے تھے۔ علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہوا ہے۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے راستہ میں ماہواری عذر میں مبتلا ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: عمرہ کو چھوڑ دو اور حج کا احرام باندھ لو۔ پس انہوں نے حج کیا اور جب مناسک حج سے فارغ ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ساتھ والیاں حج اور عمرہ ادا کر کے جائیں گی اور میں فقط حج کے ساتھ واپس ہوں گی۔ پس حضور نے انہیں ان کے بھائی عبد الرحمن کے ساتھ تنعیم کی طرف بھیجا جہاں سے انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ کو قضا کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: تمہارا

بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی تمہیں حج و عمرہ کی طرف سے کافی ہے۔

شافعیہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو حج کا احرام عمرہ کے احرام میں داخل کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ کہ وہ عمرہ کے افعال ترک کر دیں، پس وہ قارن ہو گئیں اور قارن کا عمرہ حج میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے افعال حج ہی افعال میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کی دلیل حضورؐ کا یہ قول ہے کہ: تیرا بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کا طواف (یعنی وہ جو تو نے حج میں کیا تھا) تیری طرف سے حج اور عمرہ کے لیے کافی ہیں۔ سبب یہ تھا کہ عمرہ کے افعال حج کے افعال میں داخل ہو گئے تھے (یعنی حج کی ادائیگی سے عمرہ از خود ادا ہو گیا)

حنفیہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کو عمرہ چھوڑ دینے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ: سر کے بال کھول دو اور کنگھی کر لو اور عمرہ ترک کر دو۔ پس یہ الفاظ ترک افعال کے لیے نہیں ہو سکتے کیونکہ عمرہ کے افعال (بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی) حج میں بھی ہوتے ہیں پس ان افعال کے ترک کا کوئی معنیٰ نہیں تھا کیونکہ وہ افعال تو بظاہر متروک ہی تھے۔

پس جب حضرت عائشہ رضؓ نے عمرہ کو ترک کیا تو اب ان کا حج مفرد ہو گا۔ جب وہ حج سے فارغ ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس متروک عمرہ کی قضاء کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں اس وقت حضرت عائشہ کا سارا قصہ از اول تا آخر نہ تھا، اس سبب سے آپ نے فرمایا کہ حج کے افعال جو تو نے ادا کئے ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے حج اور عمرہ کی طرف سے کافی ہیں، کیونکہ اگر تو نے پہلے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور اس کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رہی تھی اور باذن اللہ تو نے اُسے چھوڑا تھا۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے عمرہ کا طواف نہیں کیا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے بھائی کے ساتھ عمرہ کا احرام بندھوانے کے لیے تنعیم کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ یہ عمرہ اس عمرہ کے بجائے ہے جسے تو نے توڑ دیا تھا۔ یہ جو کچھ ہم نے اوپر کہا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا کہ کیا تو نے ان دنوں میں طواف نہ کیا تھا جب مکہ آئے ہیں؟ یعنی بباعث ذھول یہ فرمایا کہ: طَوَافُكِ بِالْبَيْتِ وَ بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ يَكْفِيكِ لِحَجِّكِ وَعُمْرَتِكِ اور اگر معنیٰ وہ لیا جائے جو اوپر گزرا کہ: صرف حج کے افعال سے ہی تجھے حج و عمرہ کا ثواب مل گیا ہے کیونکہ عمرہ کو توڑنا شرعی عذر سے تھا، تو اس کی دلیل بھی واقعۂ حدیبیہ میں موجود ہے کہ حضورؐ نے اور آپ کے اصحاب نے اس موقع پر گو مشرکین کی رکاوٹ کے باعث عمرہ ادا نہیں کیا تھا مگر بباعث ثواب وہ عمرہ ہی کہلایا تھا۔

اور شافعیہ کا قول تب ثابت ہو سکتا ہے جبکہ پہلے یہ مانا جائے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے قران ادا کیا تھا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مفرد حج ادا کیا تھا جیسا کہ دلائل حدیث سے یہ ثابت ہے۔ اور جب وہ قارن تھیں ہی نہیں تو یہ کہنا کیسے صحیح ہوا کہ مفرد کا طواف واحد قران کے لیے کافی ہے؟ طحاوی کی روایت سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے، جس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے کہا تھا یا رسول اللہ آپ کے سب گھر والے تو حج اور عمرہ کر جائیں اور میں صرف حج لے کر لوٹوں؟ تو حضورؐ نے فرمایا: چلو تمہیں یہی کافی ہے۔ اور پھر حضرت عائشہ رضؓ کے اصرار پر انہیں عمرہ کرایا گیا۔ پس یہ الفاظ کہ: اُنْفِرِي فَإِنَّهُ يَكْفِيكِ۔ پس یہاں یہ چیز زیر بحث نہیں تھی کہ ایک ہی طواف قارن کے لیے اور عمرہ کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے بلکہ حضورؐ نے یہ فرمایا تھا کہ: تمہارے لیے یہی کافی ہے یعنی ثواب کے لحاظ سے تمہارا حج افراد حج اور عمرہ دونوں کی طرف سے کافی ہے۔

٭٭٭٭٭٭٭

بَابُ ۵۵ الْمُلْتَزَمِ

ملتزم کا باب

۱۸۹۸ـ حَدَّثَنَا عُثْمٰنُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ نَا جَرِیْرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِیْدِ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ زِیَادٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَفْوَانَ قَالَ لَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَکَّةَ قُلْتُ لَاَلْبَسَنَّ ثِیَابِیْ وَکَانَتْ دَارِیْ عَلَی الطَّرِیْقِ فَلَاَنْظُرَنَّ کَیْفَ یَصْنَعُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقْتُ فَرَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ مِنَ الْکَعْبَةِ هُوَ وَاَصْحَابُهٗ قَدِ اسْتَلَمُوا الْبَیْتَ مِنَ الْبَابِ اِلَی الْحَطِیْمِ وَقَدْ وَضَعُوْا خُدُوْدَهُمْ عَلَی الْبَیْتِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَسَطَهُمْ۔

عبدالرحمٰن بن صفوان نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو میں نے کہا کہ میں اپنا لباس پہنتا ہوں اور میرا گھر بر سرِ راہ تھا، اور میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں۔ پس میں گیا اور دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کعبہ سے نکلے اور انہوں نے دروازے سے لے کر حطیم تک بیت اللہ کا استلام کیا۔ انہوں نے اپنے رخساروں کو بیت اللہ پر رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے وسط میں تھے۔

شرح: دروازے سے لے کر حجرِ اسود تک کعبہ کی دیوار کا حصہ ملتزم کہلاتا ہے کیونکہ رخصت کے وقت حاجیوں کے لیے اس کے ساتھ لپٹنا مستحب ہے۔ اور راوی کا یہ قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے وسط میں تھے۔ اس بات پر نص نہیں کہ حضور بھی اس فعل میں ان کے ساتھ شریک تھے۔ مولانا الشیخ محمد اسحاق دہلوی نے فرمایا کہ مسند احمد میں یہ حدیث کئی طرق سے آئی ہے۔ ایک طریق میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دروازے اور حجرِ اسود کے مابین لپٹتے ہوئے دیکھا اور صحابہ بھی التزام کر رہے تھے۔ ایک اور روایت میں حضورؐ کا بیت اللہ کا چمٹنا اور چہرہ اس پر رکھنا آیا ہے۔ یہ پچھلی دو روائتیں صراحۃً بتاتی ہیں کہ اور لوگوں کی مانند حضورؐ نے بھی ملتزم پر التزام فرمایا تھا۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ ابوداؤد کی روایت بالمعنیٰ ہوئی ہے۔ اصل لفظ تھے: مِنَ الْبَابِ اِلَی الْحَجَرِ۔ راوی نے اس کو الحِجر سمجھا اور وہی حطیم ہے لہذا اس نے: مِنَ الْبَابِ اِلَی الْحَطِیْمِ روایت کر دیا۔

۱۸۹۹ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ نَا الْمُثَنَّی ابْنُ الصَّبَّاحِ،

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ طُفْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ فَلَمَّا جِئْنَا دُبُرَ الْكَعْبَةِ قُلْتُ أَلَا تَتَعَوَّذُ قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ ثُمَّ مَضٰى حَتّٰى اسْتَلَمَ الْحَجَرَ وَأَقَامَ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ فَوَضَعَ صَدْرَهُ وَوَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَكَفَّيْهِ هٰكَذَا وَبَسَطَهُمَا بَسْطًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے روایت کی، اس نے کہا کہ میں نے عبداللہ (بن عمرو بن العاص رض) کے ساتھ طواف کیا پس جب ہم کعبہ کی پشت پر آئے تو میں نے کہا: کیا آپ تعوذ نہیں کریں گے؟ انہوں نے کہا کہ: ہم آگ سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں۔ پھر وہ چلے حتیٰ کہ حجر اسود کا استلام کیا پھر رکن اور دروازے کے درمیان کھڑے ہوئے اور اپنا سینہ، اور چہرہ اور دونوں بازو ہتھیلیاں یوں رکھیں اور ہتھیلیوں کو پھیلایا۔ پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا تھا (ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے) ابن ماجہ کی روایت میں عن ابیہ عن جدہ کا لفظ ہے مگر بظاہر عن جدہ کا لفظ اس روایت کی سند میں غیر محفوظ ہے کیونکہ بیہقی نے یہ روایت اس لفظ کے بغیر کی ہے، لیکن اس روایت کی سند میں شعیب کا قول یوں آیا ہے کہ: میں اپنے باپ عبداللہ بن عمرو بن العاص کے ساتھ طواف کر رہا تھا الخ۔ شعیب کے باپ کا نام محمد ہے، اور محمد کے باپ کا نام عبداللہ بن عمرو العاص ہے منذری نے کہا ہے کہ شعیب کا سماع عبداللہ سے صحیح طور پر ثابت ہے۔ اور ابن ماجہ کی روایت سے منذری یہ مراد لیتے ہیں کہ شعیب اور محمد دونوں عبداللہ بن عمرو کے ساتھ طواف کر رہے تھے۔

۱۹۰۰۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ نَا السَّائِبُ بْنُ عُمَرَ الْمَخْزُومِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يَقُودُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَيُقِيمُهُ عِنْدَ الشُّقَّةِ الثَّالِثَةِ مِمَّا يَلِي الرُّكْنَ الَّذِي يَلِي الْحَجَرَ مِمَّا يَلِي الْبَابَ فَيَقُولُ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ أُنْبِئْتَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي هٰهُنَا فَيَقُولُ نَعَمْ فَيَقُومُ فَيُصَلِّي۔

عبداللہ بن سائب ابن عباس کی قیادت کرتے تھے (جبکہ وہ نابینا ہو چکے تھے) پس وہ انہیں اس حصے میں ٹھہراتے تھے جو کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کے پاس ہے۔ پس ابن عباس رض کہتے ہیں: کیا تجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ نماز پڑھا کرتے تھے؟ عبداللہ کہتے کہ ہاں۔ پس ابن عباس رض وہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے (یہ حدیث نسائی نے بھی روایت کی ہے اور مسند احمد کی روایت میں تھوڑا سا لفظی اختلاف ہے۔)

بَابُ أَمْرِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

صفا ومروہ کے قصے کا باب

۱۹۰۱- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَا أُرَى عَلَى أَحَدٍ شَيْئًا أَلَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَلَّا لَوْ كَانَ كَمَا تَقُولُ كَانَتْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي الْأَنْصَارِ كَانُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ وَكَانَتْ مَنَاةُ حَذْوَ قُدَيْدٍ وَكَانُوا يَتَحَرَّجُونَ أَنْ يَطُوفُوا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ۔

عروہ نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ عائشہ صدیقہ سے کہا اور میں ان دنوں چھوٹی عمر کا تھا۔ کہ بتلایئے تو فرمائیے کہ اللہ تعالےٰ کے اس قول سے کہ: صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں، میرے خیال یہ معلوم کہ اگر کوئی آدمی ان کا طواف نہ کرے تو اسے کوئی گناہ نہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہرگز نہیں اگر بات یوں ہوتی جیسی کہ تم کہتے ہو تو آیت یوں ہوتی: پس اس پر گناہ نہیں اگر وہ ان کا طواف نہ کرے۔ یہ آیت انصار کے متعلق اتری تھی۔ وہ منات نامی بت کے لیے حج کرتے تھے اور مناۃ قدید نامی مقام کے سامنے تھا اور وہ صفا ومروہ کے طواف کو گناہ جانتے تھے۔ پس جب اسلام آیا تو انہوں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت آیت اتاری: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ (بخاری، مسلم، مؤطا، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث آئی ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کا شانِ نزول یہ بتایا ہے کہ ان لوگوں کے فعل کے محل میں بعد از اسلام انہیں حرج معلوم ہوا اور یہ حرج ان کے عقیدے کے مطابق پہلے سے چلا آتا تھا پس اس کے محل کی نفی کو بیان کرنے کے لیے آیت نازل ہوئی۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ صفا اور مروہ زمانۂ جاہلیت میں بت پرستی کا محل بن گئے تھے، جس طرح کہ کعبہ کہ اندر اور باہر ہر طرف بت جما

دیئے گئے تھے۔ پس زمانۂ اسلام میں ان لوگوں نے بت پرستی کے مقامات پہ خدا پرستی میں حرج سمجھا تو ان کی اس غلط فہمی کو یوں دور کیا گیا کہ دراصل تو صفا اور مروہ دین حق کے شعار تھے مگر لوگوں نے ان پہ بت پرستی کی اور اب اس بت پرستی کے نشانات کو مٹا بھی دیا گیا ہے تو عبادتِ خداوندی کو بجالانے میں حرج نہ سمجھا جائے۔ اس حدیث میں الانصار کے بجائے الانصاب کا لفظ بھی مروی ہے۔ اگر یہ روایت درست ہے تو انصاب نُصُب کی جمع ہے اور اس کا معنیٰ ہے وہ گاڑی ہوئی اور جمائی ہوئی چیز جسے من دون اللہ پوجا جاتا تھا، مگر اکثر روایات میں الانصار کا لفظ ہے۔ حضرت عائشہؓ کے نزدیک صفا و مروہ کے مابین سعی فرض تھی اور مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے۔ مگر ابن عباس رضؓ نے سعی کو نفل قرار دیا تھا اور یہی مذہب ابن سیرین سفیان ثوری اور فقہائے کوفہ کا ہے۔ سفیان کے نزدیک اس کے ترک پہ ایک جانور کی قربانی واجب ہے اور حنفیہ نے اس میں نسیان کی شرط عائد کی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ عروہ نے ایک آیت سے یہ استدلال کیا تھا کہ اس میں گناہ کے رفع کرنے کا ذکر ہے جو اباحت کی دلیل ہے۔ حضرت عائشہ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تمہارا استدلال غلط ہے۔ یہ آیت وجوب اور عدمِ وجوب سے ساکت ہے اور اس میں یہ صراحت ہے کہ سعی کرنے والے کو گناہ نہیں ہوتا، اگر یہ فعل مباح ہوتا تو فعل کے تارک سے گناہ کے رفع کرنے کا ارشاد فرمایا جاتا۔ اور حکمت اس میں یہ ہے کہ سائلوں کے سوال کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ ان کا سوال یہ تھا کہ وہ جاہلیت میں ایسا کرتے تھے لہٰذا یہ فعل اسلام میں جاری نہیں رہ سکتا پس ان کے اس خیال کا رد فرمایا گیا ہے۔ مناۃ زمانہ جاہلیت کے ایک بُت کا نام تھا جسے عمرو بن لحی نے ہذیل کی خاطر قائم کیا تھا۔ مسلم کی روایت　　ابوداؤد کے خلاف ہے۔ وہاں ہے کہ انصار زمانۂ جاہلیت میں دو بُت پوجتے تھے جو ساحل سمندر پر تھے اور ان کے نام اِساف اور نائلہ تھے، ان کی پوجا کے بعد وہ صفا و مروہ کا طواف کرتے اور پھر احرام کھولتے تھے۔ جب اسلام آیا تو زمانہ جاہلیت کی اس عادت کو برقرار رکھنے میں ان لوگوں کو گناہ معلوم ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ان روایتوں کو بیہقی نے یوں جمع کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں انصار کے دو فریق تھے۔ ایک فریق صفا و مروہ میں طواف کرتا تھا یعنی وہ فریق جو اساف اور نائلہ کے لیے مراسم حج بجا لاتے تھے، اور ان میں سے ایک بت صفا پہ اور دوسرا مروہ پہ تھا۔ اور ان کا ساحل سمندر پہ ہونا رواۃ کا وہم ہے، یہ کبھی ساحلِ سمندر پہ نہ تھے اور صفا و مروہ پہ ہی تھے، ہاں جو بت ساحل سمندر پہ تھا وہ مناۃ تھا جیسا کہ قاضی عیاض نے کہا ہے۔ اور دوسرا فریق وہ تھا جو حسب روایت زہری مناۃ کا پجاری تھا۔ اسلام لانے کے بعد دونوں فریقوں کو صفا و مروہ کے طواف میں توقف تھا کیونکہ وہ سب اسے رسومِ جاہلیت میں شمار کرتے تھے۔ پس یہ آیت ان دونوں فریقوں کے متعلق اتری تھی۔

واحدی نے کہا ہے کہ اہل کتاب کے قول کے مطابق اساف اور نائلہ نے کعبہ میں بدکاری کی تھی لہٰذا وہ پتھروں میں مسخ ہو گئے اور لوگوں نے انہیں عبرت کے لیے صفا و مروہ پہ رکھ دیا۔ جب مدت طویل ہو گئی تو خود انہی کو معبود بنا لیا گیا۔ اور اہل علم کا صفا و مروہ کے طواف کے متعلق تین اقوال پر اختلاف ہوا ہے۔ پہلا یہ کہ اس کے بغیر حج ہوتا ہی نہیں (یعنی یہ ارکان و فرائض میں سے ہیں) اور یہ حضرت ابن عمرؓ، عائشہ صدیقہ رضؓ،

جابر رض، شافعی، مالک، احمد، اسحاق اور ابو ثور کا قول ہے (مالک اور احمد کی دوسری روایات اس کے خلاف ہیں) اور ان کا استدلال مسند احمد، دار قطنی اور بیہقی کی حدیث سے ہے کہ: سعی کرو کیونکہ اللہ نے اسے تم پر لکھ دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سعی واجب ہے، اگر رہ جائے تو جانور کی قربانی سے اس کا مداوا ہوسکتا ہے۔ یہ ثوری، ابو حنیفہ اور بقول ابن العربی مالک کی ایک روایت سے ثابت ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ رکن واجب نہیں ہے بلکہ سنت و مستحب ہے اور یہ ابن عباس رض، ابن سیرین رحمہ، عطاء، اور مجاہد اور ایک روایت میں احمد بن حنبل سے مروی ہے۔

۱۹۰۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ نَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اَبِيْ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَصَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَهٗ مَنْ يَّسْتُرُهٗ مِنَ النَّاسِ فَقِيْلَ لِعَبْدِ اللّٰهِ اَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَعْبَةَ قَالَ لَا۔

عبداللہ بن ابی اوفیٰ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا (عمرۃ القضاء) پس بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ صحابہ رض تھے جو لوگوں (مشرکین) سے آپ کو چھپائے ہوئے تھے (کہ مبادا کوئی مشرک آپ پر حملہ کر دے یا کوئی چیز مثلاً تیر وغیرہ پھینک دے) پس عبداللہ سے پوچھا گیا کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تھے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں (یعنی عمرۃ القضاء میں، کیونکہ اس وقت کعبہ میں بت پڑے تھے جو فتح مکہ کے وقت نکالے گئے) بخاری، مسلم، ابن ماجہ اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

۱۹۰۳۔ حَدَّثَنَا تَمِيْمُ بْنُ الْمُنْتَصِرِ اَنَا اِسْحٰقُ بْنُ يُوْسُفَ اَنَا شَرِيْكٌ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ اَبِيْ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اَبِيْ اَوْفٰى بِهٰذَا الْحَدِيْثِ زَادَ ثُمَّ اَتَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ فَسَعٰى بَيْنَهُمَا سَبْعًا ثُمَّ حَلَقَ رَاْسَهٗ۔

اسماعیل بن ابی خالد نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ رض کو یہ حدیث بیان کرتے سنا (یعنی اوپر کی حدیث) اور اس میں یہ اضافہ کیا کہ: پھر آپ صفا و مروہ پہ آئے اور ان میں سات بار سعی کی پھر اپنا سر منڈوایا (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں یہ حدیث آئی ہے)

۱۹۰۴۔ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ كَثِيرِ ابْنِ جُمْهَانَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنِّي أَرَاكَ تَمْشِي وَالنَّاسُ يَسْعَوْنَ قَالَ إِنْ أَمْشِ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي وَإِنْ أَسْعَ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعَى وَأَنَا شَيْخٌ كَبِيرٌ۔

صفا و مروہ کے درمیان ایک آدمی نے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ اے ابا عبدالرحمٰن! آپ تو چل رہے ہیں اور لوگ دوڑتے ہیں۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ اگر میں چلوں تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چلتے دیکھا تھا، اور اگر میں دوڑوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوڑتے دیکھا تھا اور میں ایک بوڑھا شخص بھی ہوں (ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے) ابن عمرؓ کے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ دونوں امر جائز ہیں اور حضورؐ سے ثابت ہیں، مگر میں بوڑھا ہوں لہٰذا صرف چل رہا ہوں، سعی تو قوی لوگوں کے لیے ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ دو سبز میلوں کے درمیان سعی سنت ہے جو بلا عذر چھوڑنا جائز نہیں، ہاں ضعف کے باعث اس کا ترک جائز ہے۔

بَابُ ۵۷ صِفَةِ حَجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی کیفیت کا باب)

۱۹۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَسُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدِّمَشْقِيَّانِ وَرُبَّمَا زَادَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ الْكَلِمَةَ وَالشَّيْءَ قَالُوا نَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَيْهِ سَأَلَ عَنِ الْقَوْمِ حَتَّى انْتَهَى إِلَيَّ فَقُلْتُ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ فَأَهْوَى بِيَدِهِ إِلَى رَأْسِي فَنَزَعَ زِرِّي الْأَعْلَى ثُمَّ نَزَعَ زِرِّي الْأَسْفَلَ ثُمَّ

وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ ثَدْيَيَّ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ شَابٌّ فَقَالَ مَرْحَبًا بِكَ وَأَهْلًا
يَا ابْنَ أَخِي سَلْ عَمَّا شِئْتَ فَسَأَلْتُهُ وَهُوَ أَعْمٰى وَجَاءَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ
فَقَامَ فِي نِسَاجَةٍ مُلْتَحِفًا بِهَا يَعْنِي ثَوْبًا مُلَفَّقًا كُلَّمَا وَضَعَهَا عَلٰى مَنْكِبِهِ
رَجَعَ طَرَفَاهَا مِنْ صِغَرِهَا فَصَلّٰى بِنَا وَرِدَاءُهُ إِلٰى جَنْبِهِ عَلَى الْمِشْجَبِ
فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ حَجَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِيَدِهِ
فَعَقَدَ تِسْعًا ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ تِسْعَ
سِنِينَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ أُذِّنَ فِي النَّاسِ فِي الْعَاشِرَةِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِينَةَ بَشَرٌ كَثِيرٌ كُلُّهُمْ يَلْتَمِسُ أَنْ يَأْتَمَّ
بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَعْمَلَ بِمِثْلِ عَمَلِهِ فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتّٰى أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ
أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ فَأَرْسَلَتْ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَصْنَعُ فَقَالَ اغْتَسِلِي وَاسْتَذْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِي فَصَلّٰى
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى
إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ عَلَى الْبَيْدَاءِ قَالَ جَابِرٌ نَظَرْتُ إِلٰى مَدِّ بَصَرِي مِنْ
بَيْنِ يَدَيْهِ مِنْ رَاكِبٍ وَمَاشٍ وَعَنْ يَمِينِهِ مِثْلُ ذٰلِكَ وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلُ
ذٰلِكَ وَمِنْ خَلْفِهِ مِثْلُ ذٰلِكَ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا
وَعَلَيْهِ يَنْزِلُ الْقُرْاٰنُ وَهُوَ يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ فَمَا عَمِلَ بِهِ مِنْ شَيْءٍ عَمِلْنَا بِهِ
فَأَهَلَّ بِالتَّوْحِيدِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ
الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ وَأَهَلَّ النَّاسُ بِهٰذَا الَّذِي
يُهِلُّونَ بِهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مِنْهُ

ولزم رسول الله صلى الله عليه وسلم تلبيته قال جابر لسنا ننوي إلا
الحج لسنا نعرف العمرة حتى إذا أتينا البيت معه استلم الركن فرمل
ثلاثا ومشى أربعا ثم تقدم إلى مقام إبراهيم فقرأ واتخذوا من مقام
إبراهيم مصلى فجعل المقام بينه وبين البيت قال فكان أبي يقول
قال ابن نفيل وعثمان ولا أعلمه ذكره إلا عن النبي صلى الله عليه
وسلم قال سليمان ولا أعلمه إلا قال قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقرأ في الركعتين بقل هو الله أحد وبقل يا أيها الكافرون ثم رجع
إلى البيت فاستلم الركن ثم خرج من الباب إلى الصفا فلما دنا من الصفا
قرأ إن الصفا والمروة من شعائر الله نبدأ بما بدأ الله به فبدأ بالصفا
فرقي عليه حتى رأى البيت فكبر الله ووحده وقال لا إله إلا الله وحده
لا شريك له له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير
لا إله إلا الله وحده أنجز وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده
ثم دعا بين ذلك ثلاث مرات ثم نزل إلى المروة حتى إذا انصبت
قدماه رمل في بطن الوادي حتى إذا صعد مشى حتى أتى المروة فصنع
على المروة مثل ما صنع على الصفا حتى إذا كان آخر الطواف على المروة
قال إني لو استقبلت من أمري ما استدبرت لم أسق الهدي ولجعلتها
عمرة ومن كان منكم ليس معه هدي فليحلل وليجعلها عمرة فحل
الناس كلهم وقصروا إلا النبي صلى الله عليه وسلم ومن كان معه هدي
فقام سراقة بن جعشم فقال يا رسول الله ألعامنا هذا أم للأبد فشبك
رسول الله صلى الله عليه وسلم أصابعه في الأخرى ثم قال دخلت العمرة

فِي الْحَجِّ هٰكَذَا مَرَّتَيْنِ لَا بَلْ لِأَبَدٍ أَبَدٍ قَالَ وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ فَاطِمَةَ رض مِمَّنْ حَلَّ لَبِسَتْ ثِيَابًا صَبِيغًا وَاكْتَحَلَتْ فَأَنْكَرَ عَلِيٌّ رض ذٰلِكَ عَلَيْهَا وَقَالَ مَنْ أَمَرَكِ بِهٰذَا فَقَالَتْ أَبِي قَالَ وَكَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ بِالْعِرَاقِ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَرِّشًا عَلَى فَاطِمَةَ رض فِي الْأَمْرِ الَّذِي صَنَعَتْهُ مُسْتَفْتِيًا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي ذَكَرَتْ عَنْهُ فَأَخْبَرْتُهُ أَنِّي أَنْكَرْتُ ذٰلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ أَبِي أَمَرَنِي بِهٰذَا فَقَالَ صَدَقَتْ صَدَقَتْ مَاذَا قُلْتَ حِينَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أُهِلُّ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَإِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلُّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْيِ الَّذِي قَدِمَ بِهِ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ وَالَّذِي أَتَى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ مِائَةً فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوا إِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ قَالَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ وَوَجَّهُوا إِلَى مِنًى أَهَلُّوا بِالْحَجِّ فَرَكِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِمِنًى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالصُّبْحَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيلًا حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَأَمَرَ بِقُبَّةٍ لَهُ مِنْ شَعْرٍ فَضُرِبَتْ بِنَمِرَةَ فَسَارَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَجَازَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَتَى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ فَرَكِبَ حَتّٰى أَتَى بَطْنَ الْوَادِي فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ

يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا أَلَا إِنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ وَأَوَّلُ دَمٍ أَضَعُهُ دِمَاؤُنَا دَمُ قَالَ عُثْمَانُ دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ وَقَالَ سُلَيْمَانُ دَمُ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَإِنَّ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَإِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ وَأَنْتُمْ مَسْئُولُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ قَالُوا نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ ثُمَّ قَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى أَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ إِلَى الصَّخَرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيلًا حِينَ غَابَ الْقُرْصُ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ خَلْفَهُ فَدَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ شَنَقَ لِلْقَصْوَاءِ الزِّمَامَ حَتّٰى أَنَّ رَأْسَهَا لَيُصِيبُ مَوْرِكَ رَحْلِهِ وَهُوَ يَقُولُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى السَّكِينَةَ أَيُّهَا النَّاسُ السَّكِينَةَ أَيُّهَا النَّاسُ كُلَّمَا أَتٰى جَبَلًا مِنَ الْجِبَالِ أَرْخٰى لَهَا قَلِيلًا حَتّٰى تَصْعَدَ حَتّٰى

اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَجَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَاِقَامَتَيْنِ قَالَ عُثْمَانُ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اتَّفَقُوْا ثُمَّ اضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ قَالَ سُلَيْمَانُ بِنِدَاءٍ وَّاِقَامَةٍ ثُمَّ اتَّفَقُوْا ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ فَرَقِيَ عَلَيْهِ قَالَ عُثْمَانُ وَسُلَيْمَانُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَكَبَّرَهٗ زَادَ عُثْمَانُ وَوَحَّدَهٗ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا ثُمَّ دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ وَكَانَ رَجُلًا حَسَنَ الشَّعْرِ اَبْيَضَ وَسِيْمًا فَلَمَّا دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ الظُّعُنُ يَجْرِيْنَ فَطَفِقَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ اِلَيْهِنَّ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ عَلٰى وَجْهِ الْفَضْلِ وَصَرَفَ الْفَضْلُ وَجْهَهٗ اِلَى الشِّقِّ الْاٰخَرِ وَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ اِلَى الشِّقِّ الْاٰخَرِ وَصَرَفَ الْفَضْلُ وَجْهَهٗ اِلَى الشِّقِّ الْاٰخَرِ يَنْظُرُ حَتّٰى اَتٰى مُحَسِّرًا فَحَرَّكَ قَلِيْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطٰى الَّذِيْ يُخْرِجُكَ اِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى حَتّٰى اَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِيْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِّنْهَا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ فَرَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ ثُمَّ انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ بِيَدِهٖ ثَلَاثًا وَّسِتِّيْنَ وَاَمَرَ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ فَنَحَرَ مَا غَبَرَ يَقُوْلُ مَا بَقِيَ وَاَشْرَكَهٗ فِيْ هَدْيِهٖ ثُمَّ اَمَرَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِيْ قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَاَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا قَالَ سُلَيْمَانُ ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ اَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْبَيْتِ فَصَلّٰى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ ثُمَّ اَتٰى بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَهُمْ

يَسْقُوْنَ عَلٰى زَمْزَمَ فَقَالَ انْزِعُوْا بَنِىْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا اَنْ يَّغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ فَنَاوَلُوْهُ دَلْوًا فَشَرِبَ مِنْهُ۔

محمد بن علی (الباقرؒ) نے کہا کہ ہم لوگ جابر بن عبداللہؓ کے پاس گئے جب ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے لوگوں سے (ان کا نام و نسب وغیرہ) پوچھا۔ حتی کہ میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں پس جابرؓ نے اپنا ہاتھ میرے سر کی جانب بڑھایا اور میرا اوپر کا بٹن کھولا پھر میرا نچلا بٹن کھولا پھر اپنا ہاتھ میرے پستانوں کے درمیان رکھ دیا اور میں ان دنوں نوجوان لڑکا تھا (جابرؓ کا یہ فعل شفقت اور حب اہل بیت کے باعث تھا!) پھر جابرؓ نے کہا اے میرے بھتیجے تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں (یعنی دینی بھتیجا) جو چاہو پوچھو۔ پس میں نے ان سے سوال کیا اور وہ نابینا تھے اور نماز کا وقت آگیا تو وہ ایک تہہ دار کپڑے کو لپیٹ کر اٹھے، یعنی وہ کپڑا تہہ دار تھا، جب اسے کندھے پر رکھتے تو چھوٹا ہونے کے باعث وہ نیچے ڈھلک جاتا تھا، پس انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی حالانکہ ان کی چادر لکڑیوں کے کھونٹے پر لٹکی ہوئی تھی۔ پھر میں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے متعلق بتایئے۔ پس انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور نو کا اشارہ بنایا (یعنی چھوٹی...... انگلی کی طرف سے تین انگلیاں بند کیں، پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو سال تک حج نہ کیا۔ پھر دسویں سال لوگوں میں حج کا اعلان کرایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو جانے والے ہیں، پس مدینہ میں بہت سے انسان آ جمع ہوئے جنہیں ہر ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنا اور آپ جیسے عمل کرنا چاہتا تھا۔ پھر رسول اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکلے اور ہم بھی آپ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ہم لوگ ذوالحلیفہ پہنچ گئے یہاں پر اسماء بنت عمیسؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو جنم دیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ میں کیوں کر کروں۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ غسل کر لو اور ایک کپڑا بطور لنگوٹ باندھ لو (یا خوشبو کا استعمال کرو) اور احرام باندھ لو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں نماز پڑھی پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے حتی کہ اونٹنی مقام بیداء میں آپ کو لے کر سیدھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ جابرؓ نے کہا کہ میں نے آپ کے سامنے، دائیں، بائیں اور پیچھے حد نگاہ تک سوار اور پیدل دیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے اور آپ پر قرآن اترتا تھا اور آپ ہی اس کا مطلب جانتے تھے، پس جس طرح آپ عمل کرتے ہم بھی اسی طرح کرتے۔ پس آپ نے توحید الٰہی کا تلبیہ پکارا: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ اور لوگوں نے یہ تلبیہ بلند کیا جو وہ پکارتے ہیں۔ یعنی بعض الفاظ کے اضافے کے ساتھ جو پیچھے گزر چکے ہیں، مثلاً (ابن عمرؓ کا تلبیہ۔ لبیك وسعديك والرغباء اليك والعمل) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا، اور رسول اللہ علیہ وسلم اپنا ہی تلبیہ پکارتے تھے۔ جابرؓ نے کہا کہ ہماری نیت صرف حج کی تھی، ہم عمرہ کو (ان دنوں میں ادا کرنا) نہیں جانتے تھے، حتی کہ جب ہم آپؐ کے ساتھ بیت اللہ آئے تو آپؐ نے رکن (حجر اسود) کا استلام کیا پھر تین شوط رمل سے اور چار شوط معمولی رفتار سے کاٹے، پھر مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت پڑھی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ پس آپؐ نے مقام کو اپنے

اور بیت اللہ کے درمیان رکھا جعفر نے کہا کہ میرے والد محمد بن علی کہتے تھے، ابن نفیل اور عثمان نے کہا کہ: میرے علم میں انہوں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نقل کیا، سلیمان نے کہا کہ: میں نہیں جانتا مگر یہ کہ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ان دونوں رکعتوں میں قُلْ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور قُلْ یٰۤاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھا جاتا ہے۔ پھر آپ بیت اللہ کی طرف گئے اور رُکن کا (حجر اسود کا) استلام کیا (یہ سات چکروں کے استلام کے بعد آٹھواں تھا) پھر آپ باب الصفا سے صفا کی طرف کو باہر نکلے، پس جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ، ہم اسی جگہ سے شروع کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمایا، پس آپ نے سعی کو صفا سے شروع فرمایا اور اس پر چڑھے حتیٰ کہ کعبہ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی تکبیر و توحید بیان کی اور کہا: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ اور ذکر و توحید کے درمیان میں دعاء کی اور تین بار اسی طرح یہ کلمات ہے۔ پھر آپ مروہ کی طرف کو اترے حتیٰ کہ جب آپ کے قدم وادی میں ٹکر گئے تو وادی کے اندر تیز بھاگے (رمل کیا) حتیٰ کہ جب مروہ پر چڑھے تو عام رفتار سے چڑھے، جب مروہ پر چڑھے تو وہاں بھی اسی طرح کیا جس طرح صفا پر کیا تھا۔ حتیٰ کہ جب مروہ کا آخری چکر تھا تو آپ نے فرمایا: جو کچھ مجھے اب معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا اور اسے عمرہ بنا دیتا، پس تم میں سے جس کے ساتھ ہدی نہیں ہے وہ احرام کھول دے اور اس کو عمرہ بنا دے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور ہدی لانے والوں کے علاوہ سب لوگوں نے احرام کھول دیا اور بال کٹوائے پس سراقہ بن جعشم نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا یہ صرف اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے! اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈالیں پھر فرمایا کہ عمرہ حج میں یوں داخل ہو گیا ہے اس طرح دو مرتبہ کیا اور فرمایا کہ نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے (یعنی عمرہ قیامت تک کے لیے حج کے دنوں ادا ہو سکتا ہے اور جاہلیت کا خیال باطل ہے کہ ان دنوں میں عمرہ نہیں ہوتا) جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لے کر آئے تو انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو احرام کھولنے والوں میں دیکھا اور انہوں نے رنگدار کپڑے پہن لیے تھا اور سرمہ لگا لیا تھا، پس علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کا برا مانا اور کہا: تمہیں یہ کس نے حکم دیا؟ انہوں نے کہا میرے باپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ پس علی رضی اللہ عنہ عراق میں کہتے تھے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ حالانکہ اس نے جو کچھ کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر کیا تھا اور وہی مجھے بتایا تھا۔ پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ سب کچھ بتایا تو حضور نے فرمایا: اس نے سچ کہا، اس نے سچ کہا۔ تو نے جب حج کا تلبیہ کہا تھا تو کیا کہا تھا؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کہا تھا: اے اللہ جس نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا ہے میں بھی اس کے ساتھ باندھتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ میرے ساتھ ہدی ہے پس تو بھی احرام نہ کھول جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ جو ہدی یمن سے لائے تھے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ساتھ لائے یہ ساری تعداد میں سو تھی۔ پس سب لوگوں نے احرام کھول دیا اور بال کٹوا دیئے سوائے ان کے جن کے ساتھ ہدی تھی

جابر رضؓ نے کہا کہ جب ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ آئی اور لوگ منیٰ کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے حج کا احرام باندھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار ہوئے اور منیٰ میں ظہر سے لے کر صبح (نویں کی صبح) تک پانچ نمازیں ادا کیں۔ پھر کچھ دیر ٹھہرے حتیٰ کہ سورج طلوع ہوا تو آپؐ نے بالوں کا بنا ہوا قُبّہ لگانے کا حکم دیا۔ پس وہ نمرہ میں لگایا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور قریش کو شک نہ تھا کہ آپ مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہریں گے جیسا کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں کرتے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزر گئے حتیٰ کہ عرفہ میں گئے تو اپنا قُبّہ نمرہ میں لگا ہوا پایا، پس آپ اس میں اُترے اور سورج ڈھلنے تک اسی میں رہے حتیٰ کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپؐ نے قصواء کی تیاری کا حکم دیا پس اُس پر کجاوہ باندھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے حتیٰ کہ وادی کے درمیان میں (عرنہ کے مقام پر) پہنچے۔ پھر لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: یقیناً تمہارے خون اور تمہارے مال آپس میں اسی طرح حرام (محترم ہیں) ہیں جیسے کہ اس دن کی حرمت اس مہینے میں اس شہر میں ہے۔ سن لو کہ جاہلیت کی بات میرے قدموں کے نیچے دھری ہوئی ہے (باطل ہے) اور جاہلیت کے خون باطل کئے گئے ہیں، اور میں پہلے اپنے خونوں سے شروع کرتا ہوں سب سے پہلا خون (عثمان راوی نے کہا) ابن ربیعہ کا خون ہے اور سلیمان راوی نے کہا کہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے جو بنی سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا اور اسے ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔ اور جاہلیت کا سود باطل ہے اور پہلا سود جو میں باطل کرتا ہوں وہ ہمارا سود ہے یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سود، وہ سارے کا سارے باطل کیا گیا ہے۔ پس تم عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے حکم کے ساتھ حلال کیا ہے۔ اور ان کے ذمہ تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی کو نہ چڑھائیں جسے تم ناپسند کرتے ہو (یعنی تمہاری اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں نہ آنے دیں) پس اگر وہ ایسا کریں تو انہیں پیٹو مگر ضرب شدید نہ لگاؤ۔ اور ان کا تمہارے ذمہ یہ حق ہے کہ ان کا نان و نفقہ معروف طریقے سے تم پر واجب ہے اور میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر اسے مضبوط تھامے رہو تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے، وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کر دی اور فریضہ ادا کر دیا اور خیر خواہی کی۔ پھر آپ نے اپنی انگشت شہادت کو اشارہ کرتے ہوئے آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف اسے اشارہ کرتے ہوئے پست کیا (اور فرمایا) اے اللہ گواہ رہ، اے اللہ گواہ رہ، اے اللہ گواہ رہ۔

پھر بلال رضؓ نے اذان دی، پھر اقامت کہی تو حضورؐ نے نماز ظہر پڑھائی، پھر اقامت کہی تو آپؐ نے نماز عصر پڑھائی اور ان کے درمیان کچھ نہ پڑھا۔ پھر آپ قصواء پر سوار ہوئے حتیٰ کہ سرزمین عرفات پر تشریف لے گئے تو آپ نے اپنی قصواء اونٹنی کا پیٹ صخرات (چٹانوں۔ بڑے پتھروں) کی طرف کیا اور پیدل چلنے والوں کا راستہ اپنے سامنے رکھا اور قبلہ رخ ہو گئے، آپؐ برابر یہاں کھڑے رہے حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا اور شفق کی سرخی کچھ جاتی رہی جبکہ سورج کی ٹکیہ اچھی طرح اوجھل ہو گئی اور اسامہ رضؓ کو آپ نے اپنے پیچھے سوار کیا۔ پھر آپ نے کوچ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصواء کی مہار کو کھینچا حتیٰ کہ اس کا سر آپ کے کجاوے کے اوپر پاؤں رکھنے کی

جگہ تک آ پہنچتا تھا اور آپ اپنے دائیں ہاتھ کے اشارے فرماتے: اے لوگو آرام سے رہو اے لوگو سکون سے رہو، جب کسی ٹیلے پر آتے تو اس مہار کو ذرا سا ڈھیلا کر دیتے تاکہ وہ ٹیلے پر چڑھ جائے۔ حتیٰ کہ آپ مزدلفہ میں پہنچے تو مغرب اور عشاء کی نماز کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع فرمایا۔ عثمان راوی نے کہا کہ دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی نفلی نماز نہ پڑھی، پھر سب راوی متفق ہوئے، پھر حضور نے طلوع فجر تک آرام فرمایا۔ حتیٰ کہ جب فجر طلوع ہوئی تو فجر کے خوب واضح ہونے پر آپ نے نمازِ فجر ادا کی، سلیمان نے کہا: ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھی، پھر سب راوی متفق ہوئے کہ حضورؐ قصواء پر سوار ہو کر مشعر حرام پر پہنچے اور اس کے اوپر چڑھے، عثمان اور سلیمان نے کہا کہ: پس آپؐ قبلہ رُو ہوئے اور اللہ کی حمد، تکبیر اور تہلیل کہی عثمان نے یہ لفظ زائد کہا کہ: اللہ کی توحید بیان کی۔ پس آپ وہیں کھڑے رہے حتیٰ کہ خوب روشنی پھیل گئی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلوع آفتاب سے قبل ہی چل پڑے اور فضل بن عباس کو پیچھے سوار کیا۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور فضل رضؓ خوبصورت بالوں والا، سفید رو حسین آدمی تھا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کیا تو ہودج نشین عورتیں پاس سے گزریں اور فضل رضؓ ان کی طرف دیکھنے لگا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک فضل رضؓ کے چہرے پر رکھا اور فضل رضؓ نے اپنا منہ دوسری طرف کو پھیر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا ہاتھ دوسری طرف رکھ دیا اور فضل رضؓ نے اپنا منہ دوسری طرف پھیرا اور ادھر دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ وادئ محسر میں پہنچے تو اونٹنی کو ذرا تیز کر دیا۔ پھر آپ نے وہ درمیانی راستہ اختیار فرمایا جو تجھے جمرۂ کبریٰ تک نکال لے جاتا ہے، حتیٰ کہ آپ اس جمرہ پر پہنچے جو درخت کے پاس ہے اور اس پر سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے اور وہ کنکریاں لوبیئے کے دانے جیسی تھیں، پس آپ نے وادی کے درمیان سے رمی کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربان گاہ پر پہنچے اور اپنے دستِ مبارک سے ترسیٹھ اونٹ نحر کئے اور علی رضؓ کو حکم دیا تو انہوں نے بقیہ اونٹ نحر کئے، اور حضورؐ نے علی رضؓ کو اپنی ہدی میں شامل فرمایا۔ پھر حکم دیا کہ ہر اونٹ کا ایک ٹکڑا لے کر ایک ہنڈیا میں ڈالا گیا اور اسے پکایا گیا، پس دونوں بزرگوں نے اس کا گوشت کھایا اور شوربا پیا۔

سلیمان نے کہا کہ پھر آپ سوار ہوئے تو بیت اللہ کی طرف تیزی سے واپس تشریف لائے اور مکہ میں نمازِ ظہر پڑھی پھر بنی عبدالمطلب کے پاس آئے اور وہ زمزم پر لوگوں کو پانی پلا رہے تھے۔ پس فرمایا: اے بنی عبدالمطلب ڈول کھینچو، اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ تمہاری سقایت (پانی پلانا) پر غالب آجائیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی کھینچتا (یعنی مجھے دیکھ کر ہر آدمی کی آرزو ہوتی کہ وہ بھی سنت جان کر یہ فعل کرے اور بھیڑ لگ جائے) پس انہوں نے حضورؐ کو ایک ڈول دیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے پانی پیا۔ (یہ حدیث مسلم، نسائی نے کئی جگہ اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔)

شرح: اس سفرِ حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام ازواج مطہرات رضؓ بھی تھیں۔ ذوالحلیفہ میں حضورؐ نے روانگی کے دن کی عصر سے لے کر اگلے دن کی ظہر تک سب نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ اسماء بنت عمیس کو بچے کی ولادت کے بعد غسل کا حکم ملا تھا کہ طہارت کا نہیں بلکہ محض نظافت کا غسل تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ اسی

سبب سے تیمم اس کا قائم مقام نہ ہو سکا۔ یہی حکم حائضہ عورت کا بھی ہے۔ مقامِ ذی الحلیفہ پر جو آپ نے دو رکعات ادا فرمائی تھیں یہ یا تو نمازِ ظہر تھی اور یا بقولِ حافظ ابن القیم ظہر کے علاوہ احرام کی دو رکعتیں تھیں۔ دخولِ کعبہ کے (یعنی مسجد حرام کے) وقت تحیۃ المسجد نہیں ہے کیونکہ بیت اللہ کی تحیۃ طواف ہے اسی لیے حضورؐ نے سب سے پہلے طواف فرمایا، شعائر شعیرہ کی جمع ہے بمعنی علامت، مراد اس سے وہ عبادات ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے مثلاً وقوف، رمی، طواف اور سعی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جن اصحاب نے ہدی ساتھ ہونے کی وجہ سے احرام نہ کھولا تھا بلکہ قران کیا تھا ان کے نام حافظ ابن القیم نے یہ گنوائے ہیں: ابوبکر، عمر، علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اور طحاوی نے ان میں حضرت عثمان رضہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ سراقہ بن مالکؓ کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ: دَخَلَتِ العُمرۃ فی الحج الخ اس سے مراد یہ تھی کہ حج کے دنوں عمرہ ادا نہ کرنے کی جاہلی رسم مٹا دی گئی ہے اور اب ہمیشہ یہ حکم رہے گا کہ ان دنوں میں عمرہ ہو سکتا ہے۔ امام نووی رحؒ نے کہا ہے کہ اس فسخ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ بھی باقی ہے یا نہیں۔ امام احمدؒ اور بعض ظاہریہ نے کہا ہے کہ یہ بھی قیامت تک باقی ہے۔ مگر امام مالکؒ، شافعیؒ، ابو حنیفہؒ اور سلف و خلف کے جماہیر علماء کا مسلک یہ ہے کہ یہ فسخ اب باقی نہیں بلکہ یہ صرف اُسی سال حضورؐ کے اصحاب کے ساتھ خاص تھا تاکہ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم کو مٹایا جائے۔ اس کی صریح دلیل مسلم میں ابوذرؓ کی حدیث اور نسائی کی حدیث ہے جس میں صراحۃً حضورؐ کا ارشاد مروی ہے کہ یہ فسخ اسی سال سے مخصوص تھا۔ ابوموسٰی اشعری کا احرام بھی حضرت علیؓ کے احرام جیسا تھا مگر ابوموسٰیؓ کو حضورؐ نے احرام چھڑوا دیا مگر علیؓ کو نہیں۔ اس کا باعث یہ تھا کہ علیؓ یمن سے حضورؐ کے لیے ہدی لائے تھے، ممکن ہے اپنے لیے بھی لے آئے ہوں، یا یوں کہیے کہ حضورؐ نے علیؓ کو اپنی ہدی میں شریک کر لیا تھا لہٰذا ان کا احرام باقی رکھا گیا۔

قریش زمانۂ جاہلیت میں صرف مشعر حرام تک جاتے تھے اور عرفات چونکہ حرم سے باہر ہے لہٰذا یہ کہہ کر وہاں نہ جاتے تھے کہ ہم اللہ کے ہمسائے ہیں۔ باقی لوگ عرفات تک جاتے تھے۔ حضورؐ نے قریش کی اس جاہلی رسم کو بھی مٹا دیا اور عرفات میں تشریف لے گئے۔ نمرہ کے مقام پر حضورؐ کا قبّہ میں نزول ثابت کرتا ہے کہ محرم خیمے، ہودج وغیرہ کے اندر رہ سکتا ہے، مگر اس مسئلے میں مالکؒ اور احمد کا اختلاف ہے۔ بطنِ عرنہ میں حضورؐ نے دو خطبے دیئے تھے۔ پہلے میں لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دی تھی اور دوسرا خطبہ نہایت مختصر تھا جو یہاں پر درج ہے۔ ابن ربیعہ جس کا خون حضورؐ نے باطل ٹھہرایا تھا اس کا نام ایاس تھا۔ عورتوں کے متعلق وصیت کرتے ہوئے حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ: وہ تمہارے بستروں پر کسی اور کو نہ بیٹھنے دیں، یہ معاذ اللہ بدکاری کا کنایہ نہ تھا۔ کیونکہ زنا کی سزا تو رجم ہے بلکہ اس سے مراد اہل عرب کی وہ عادت ہے کہ غیر محرموں کا گھروں میں داخلہ اور عورتوں سے بات چیت معیوب نہ سمجھی جاتی تھی۔ حضورؐ نے اس خطبے میں جو کتاب اللہ پر اکتفا فرمایا وہ اس لیے تھا کہ کتاب اللہ خود عمل بالسنّۃ پر مشتمل ہے: اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ اور۔ وَمَاۤ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا نَہٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا۔

اس حدیث میں عرفات کے موقف کے ذکر میں صخرات کا ذکر وارد ہوا ہے۔ یہ وہ بڑے بڑے پتھر ہیں جو

جبل رحمت کے نیچے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں اور یہاں پر وقوف کرنا مستحب ہے ورنہ حتی الامکان اس کے قُرب میں۔ پہاڑ کے اوپر چڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ وقوف کا وقت نویں ذی الحجہ کے زوالِ شمس سے لے کر یوم النحر کے طلوع فجر ثانی تک ہے۔ امام احمد کے نزدیک اس وقت کی ابتداء عرفہ کے دن فجر سے شروع ہوتی ہے۔ جمع بین الصلوٰتین کے لیے اس حدیث میں ایک اذان اور دو اقامت کا ذکر آیا ہے اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے۔ اس میں روایات کا اختلاف بھی ہے اور ائمہ فقہ کا مسلک بھی مختلف ہے۔ حاصلِ کلام بقول مولاناؒ یہ ہے کہ جب دونوں نمازوں کے درمیان کوئی اور کام حائل نہ ہو تو ایک ہی اقامت کافی ہے اور جب ایک نماز پڑھ کر کوئی اور کام بھی کر لیا جائے، تو ذرا دیر ہو جانے کے باعث دوسری نماز کے لیے دوسری اقامت کہی جائے گی۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد ادا فرمانے کا ذکر نہیں آیا حالانکہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک وہ آپؐ پر فرض تھی جن لوگوں کے نزدیک نفل تھی انہیں تو اس حدیث میں کوئی اشکال نہیں کہ کثرتِ سفر اور ادائیگی مناسک کے باعث چھوٹ گئی۔ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے مزدلفہ کی رات کو تہجد نہیں پڑھی کیونکہ عادت مبارک یہ تھی کہ اس طرح کے مجمعوں میں آپ نوافل و مستحباب کو چھوڑ دیتے تھے تاکہ لوگ انہیں سنت نہ بنالیں اور اُمّت پر آسانی رہے۔ مولانا بحر العلومؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں صراحت موجود ہے کہ حضورؐ رات بھر استراحت میں رہے اور نمازِ تہجد نہیں پڑھی۔ اور قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد ادا نہیں فرمائی۔ لیکن احیاء العلوم میں غزالیؒ نے کہا ہے کہ اس رات کے نوافل ترک نہ کیے جائیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ غزالی کا قول ان لوگوں کے مسلک پر ہے جو تہجد کو حضورؐ پر فرض مانتے ہیں۔ اور حضورؐ نے اسے ادا کیا ہوگا مگر راوی نے اسے بیان نہیں کیا یا وہ اپنے علم کی بناء پر کہتا ہے کہ حضورؐ نے طلوع فجر تک استراحت فرمائی تھی۔ اور جب نمازِ تہجد ادا فرمائی تو وتر بھی ضرور پڑھے ہوں گے کیونکہ تہجد پر وتر کا اور وتر پر صلوٰۃ اللیل کا اطلاق بھی احادیث میں آتا ہے۔

مُحَسِّر جس کا ذکر اس حدیث میں ہے اصحاب الفیل پر عذاب یہیں آیا تھا کہ وہ تھک کر عاجز آ گئے اور آگے نہ جا سکے اور حرم سے نکلتے ہی پتھراؤ شروع ہو گیا۔ لیکن چونکہ یہ جگہ حرم کے اندر ہے لہٰذا بعض علماء مثلاً محدث علی القاری کے نزدیک وہ حرم سے باہر بھی مبتلائے عذاب ہو گئے تھے اور عرفات کے قریب ان پر پتھر کنکریاں برسی تھیں، صرف ایک بچ کر جا سکا تھا جس نے جا کر یہ قصہ یمن میں بیان کیا اس وادی کو وادیٔ نار بھی کہتے ہیں اہل مکہ کا بیان ہے کہ یہاں شکار کرنے والے پر آگ برستی ہے۔ اس حدیث میں حضورؐ کے نماز ظہر کو مکہ میں ادا فرمانے کا ذکر ہے مگر ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ مکہ میں طواف کر کے واپس تشریف لائے اور ظہر منیٰ میں پڑھی۔ پس غالباً مکہ میں جو نماز پڑھی تھی وہ طواف کی دو رکعت نماز تھی اور ظہر منیٰ میں آ کر پڑھائی تھی۔ یا پھر یوں کہا جائے کہ ان دونوں روایات میں تعارض ہے لہٰذا عقل و فکر کو کام میں لائیں گے۔ اب ظاہر ہے کہ حضورؐ طلوع آفتاب سے کچھ ہی پہلے مشعر سے واپس ہوئے اور منیٰ میں رمی کی اور پھر اونٹوں کا نحر کیا، ان کا گوشت پکوایا اور تناول فرمایا۔ پھر مکہ تشریف لے گئے اور طواف و سعی کی، پس نماز ظہر کا مکہ میں ہی ہو گیا تھا اور حضورؐ سے وقت مختار سے بلا ضرورت

مؤخر نہیں کر سکتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ آپ نے طوافِ زیارت کو رات تک ملتوی کیا تھا، اس کا مطلب بقولِ نووی یہ ہے کہ آپ تو طوافِ زیارت کر چکے تھے مگر ازواج مطہرات کو لے کر بوقتِ شب انہیں طوافِ زیارت کرانے تشریف لائے تھے۔ مولانا نے بقول علامہ علی القاری اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ احسن یہ ہے کہ حضور خود تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ ازواج مطہرات کو زیارت کے لیے بھجوایا تھا کیونکہ آپ کا ازواج کے ساتھ واپس ہونا ثابت نہیں ہوا۔

۱۹۰۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ ح وَحَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ الْمَعْنٰى وَاحِدٌ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ بِعَرَفَةَ وَاِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ وَاِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ اَسْنَدَهٗ حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ فِي الْحَدِيْثِ الطَّوِيْلِ وَوَافَقَ حَاتِمَ ابْنَ اِسْمٰعِيْلَ عَلٰى اِسْنَادِهٖ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَابِرٍ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعَتَمَةَ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ۔

جعفر صادق نے اپنے والد محمد باقر سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کو عرفہ میں ایک ہی اذان سے پڑھا اور ان کے درمیان سنن و نوافل نہیں پڑھے اور دو اقامتیں کہلوائیں، اور مغرب و عشاء کو مزدلفہ میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھا اور ان کے درمیان نوافل نہیں پڑھے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو حاتم بن اسماعیل نے طویل حدیث میں مسند کیا اور حاتم بن اسماعیل کے ساتھ سند میں محمد بن علی جعفی نے عن جعفر عن ابیہ عن جابر رض موافقت کی ہے، لیکن اس حدیث میں کہا کہ حضور نے مغرب اور عتمہ (عشاء) ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ادا کیں (حاشیئے پر ابوداؤد کا قول مذکور ہے کہ: مجھ سے احمد نے کہا کہ حاتم نے اس طویل حدیث میں خطا کی ہے) مولانا نے فرمایا کہ اس خطاء کا محل معلوم نہیں ہو سکا شاید یہ خطا ہو کہ محمد بن علی نے حضرت علی کا کوفہ والا قول کہ: میں غضبناک ہو کر فاطمہ رض کی شکایت کرنے کو گیا الخ جابر رض بن عبداللہ کی حدیث میں داخل کر دیا ہے یا شاید یہ خطا ہو کہ حاتم نے اپنی حدیث میں مزدلفہ کی نمازوں مغرب و عشاء کو ایک اذان اور دو اقامتوں سے پڑھنا بیان کیا ہے درانحالیکہ یحییٰ القطان نے عن جعفر عن ابیہ الخ اس کا ذکر نہیں کیا۔

۱۹۰۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ نَا جَعْفَرٌ نَا اَبِي عَنْ جَابِرٍ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ فَقَالَ قَدْ وَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَقَالَ قَدْ وَقَفْتُ هٰهُنَا وَمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔

جابرؓ نے کہا کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہاں پر نحر کیا ہے اور منیٰ سارا نحر کی جگہ ہے، اور حضور نے عرفہ میں وقوف فرمایا اور کہا کہ: میں یہاں پر ٹھہرا ہوں اور عرفہ تمام موقف (جائے وقوف) ہے۔ اور مزدلفہ میں ٹھہرے اور فرمایا: میں یہاں ٹھہرا ہوں اور مزدلفہ تمام ہی موقف ہے (یعنی تمام منیٰ میں قربانی ہوسکتی ہے، سارے عرفات اور مزدلفہ میں وقوف ہوسکتا ہے)

۱۹۰۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ جَعْفَرٍ بِإِسْنَادِهٖ زَادَ فَانْحَرُوْا فِيْ رِحَالِكُمْ

جعفر (صادق) نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی اور یہ لفظ زاید ہے: پس تم اپنے ڈیروں میں نحر کرو۔ (ورنہ تو ایک ہی جگہ پر ازدحام اور گڑبڑ کا خدشہ ہے!)

۱۹۰۹۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ عَنْ جَعْفَرٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَابِرٍ فَذَكَرَ هٰذَا الْحَدِيْثَ وَاَدْرَجَ فِي الْحَدِيْثِ عِنْدَ قَوْلِهٖ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى قَالَ فَقَرَاَ فِيْهِمَا بِالتَّوْحِيْدِ وَقُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَقَالَ فِيْهِ قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِالْكُوْفَةِ قَالَ اَبِيْ هٰذَا الْحَرْفُ لَمْ يَذْكُرْهُ جَابِرٌ فَذَهَبْتُ مُحَرِّشًا وَذَكَرَ قِصَّةَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا۔

جعفر نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے جابرؓ کی طرف سے حدیث سنائی، پھر یہی اوپر والی طویل حدیث بیان کی اور حدیث میں حضور کے اس ارشاد میں کہ: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى، یہ لفظ درج کئے: کہ ان دو رکعات میں حضورؐ نے سورۂ توحید اور قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھیں۔ اور اس میں یہ بھی کہا کہ: علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں کہا، جعفر نے کہا کہ میرے والد نے کہا کہ یہ لفظ جابرؓ نے نہیں بولے تھے کہ: پس میں حضورؐ کے پاس شکایت لے کر گیا، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قصہ بیان کیا۔ (حدیث نمبر ۱۹۰۷ سے لے کر ۱۹۰۹ تک کی چاروں احادیث کی

روایت جعفر سے کر اوپر تک ایک ہی ہے لہٰذا ان کا حوالہ بھی وہی سمجھا جائے جو حدیث نمبر ۱۹۰۵ میں گزرا ہے۔ بعض الفاظ کی کمی بیشی کے سوا کوئی ایسا فرق نہیں ہے)

بَابُ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ

(عرفہ میں وقوف کا باب)

۱۹۱۰۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِينَهَا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ وَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُونَ بِعَرَفَةَ قَالَتْ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ أَمَرَ اللّٰهُ تَعَالَى نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ فَيَقِفُ بِهَا ثُمَّ يُفِيضُ مِنْهَا فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قریش اور ان کے ہم مذہب لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور حُمس کہلاتے تھے (یعنی شجاع) اور باقی سب عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ پس جب اسلام آیا تو اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ عرفات جائیں اور وہاں ٹھہریں پھر وہاں سے واپس مڑیں، پس اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ (البقرۃ ۱۹۹) یہ حدیث بخاری نے کتاب الحج اور کتاب التفسیر میں روایت کی ہے، اور مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

شرح: حُمس جمع ہے اَحمس کی بمعنی شجاع۔ زمانۂ جاہلیت میں قریش اور کنانہ اور ان کے متبعین کا یہ لقب تھا کیونکہ وہ اپنے مذہب میں بڑے پختہ اور شدید تھے یا اس لیے کہ وہ الحمسا (کعبہ) کے متولی تھے۔ عرفہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بندے وہاں پر عبادت کے ساتھ اپنے رب کا تعارف پاتے ہیں۔ یا یہ کہ آدمؑ و حواؑ کا ملاپ زمین پر بھیجے جانے کے بعد یہاں ہوا تھا۔ یا اس لیے کہ جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس مقام پر مناسک حج کا تعارف کرایا تھا اور ہر عبادت بتا کر پوچھتے تھے کہ: اَعَرَفْتَ هٰذَا (کیا تو نے اسے پہچان لیا ہے؟) اور یا اس لیے یہ عرفہ کہلایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ نیکی اور رحمت کا سلوک کر کے انہیں بخش دیتا ہے۔ اور عرفہ کا معنیٰ پاک بنانا بھی ہے، اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن گناہ گاروں کو اپنی رحمت و بخشش کے ساتھ نوازتا اور انہیں پاک کر دیتا ہے۔ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا لقب ہے چونکہ وہ حرم میں جمع ہوتے تھے اس لیے قریش کہلائے۔ یا تجارت کا مال ادھر ادھر سے

خرید کر جمع کر لیتے تھے لہٰذا انہیں قریش کہا گیا۔ قریش کا معنیٰ شدید بھی ہے، سخت اکھڑ اونٹ کو "جمل قریش" کہتے ہیں، یہیں سے قریش کا لقب نکلا۔ یا اس لیے کہ قصیّ کو قرشی کہا جاتا تھا (خوش پوش) یا اس لیے قریش کہلائے کہ وہ چل پھر کر حاجیوں کی ضروریات کا اندازہ کرتے تھے اور انہیں راحت پہنچاتے تھے۔ قرش ایک سمندری جانور ہے جس سے باقی سب جانور ڈرتے ہیں، یہیں سے لفظ قریش نکلا۔ ان کا ایک بزرگ قریش بن مخلد بن غالب بن فہر گزرا ہے جو ان کے تجارتی قافلے چلایا کرتا تھا اس کے نام پر یہ قریش کہلائے۔

باب ۵۹ الخُرُوجِ إِلَى مِنًى

(منیٰ کی طرف نکلنے کا باب)

۱۹۱۱- حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا الْأَحْوَصُ بْنُ جَوَّابٍ الضَّبِّيُّ نَا عَمَّارُ بْنُ زُرَيْقٍ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَالْفَجْرَ يَوْمَ عَرَفَةَ بِمِنًى.

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز اور نویں کو فجر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی تھی (ترمذی نے بھی اسی کی مانند حدیث روایت کی ہے) اوپر طویل حدیث میں گزرا ہے کہ آٹھویں کو ظہر سے لے کر عشاء تک کی سب نمازیں منیٰ میں ادا فرمائیں اور نویں کی صبح کو بعد از نماز فجر منیٰ سے عرفات کو تشریف لے گئے تھے

۱۹۱۲- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا إِسْحٰقُ الْأَزْرَقُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قُلْتُ أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ قَالَ بِمِنًى قُلْتُ وَأَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْأَبْطَحِ ثُمَّ قَالَ افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاؤُكَ.

عبدالعزیز بن رفیع نے کہا کہ میں نے انس بن مالک رضؓ سے سوال کیا کہ مجھے ایک چیز بتائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد رکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترویہ کے دن ظہر کی نماز کہاں پڑھی تھی؟ انس رضؓ نے کہا کہ منیٰ میں اس نے پوچھا کہ یوم النفر یعنی ۱۳ ذی الحجہ کو حضورؐ نے عصر کی نماز کہاں پڑھی؟ انہوں نے کہا کہ ابطح (یعنی محصب) میں۔ پھر انس رضؓ نے کہا کہ اسی طرح کر جس طرح تیرے امراء کرتے ہیں (کیونکہ محصب میں نزول کوئی عبادت

نہیں ہے جو لازم ہو لہٰذا امراء کی مخالفت کر کے خواہ مخواہ فتنہ میں مت پڑے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔)

بَابُ الْخُرُوجِ اِلٰی عَرَفَةَ

(عرفہ کی طرف نکلنے کا باب)

۱۹۱۳ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَعْقُوبُ نَا اَبِيْ عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ غَدَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مِّنًى حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ صَبِيْحَةَ يَوْمِ عَرَفَةَ حَتّٰى اَتٰى عَرَفَةَ فَنَزَلَ بِنَمِرَةَ وَهِيَ مَنْزِلُ الْاِمَامِ الَّذِيْ يَنْزِلُ بِهٖ بِعَرَفَةَ حَتّٰى اِذَا كَانَ عِنْدَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ رَاحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُهَجِّرًا فَجَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ ثُمَّ رَاحَ فَوَقَفَ عَلَى الْمَوْقِفِ مِنْ عَرَفَةَ۔

ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ کر صبح سویرے ہی یوم عرفہ میں عرفہ کو تشریف لے گئے حتیٰ کہ آپ عرفہ میں پہنچے اور نمرہ کے مقام پہ منزل فرمائی۔ اور امام الحج کی یہی منزل ہے جو عرفہ میں اترے حتیٰ کہ جب نماز ظہر کا وقت ہونے کو تھا تو حضور جلدی ہی تشریف لے گئے اور ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کیں، پھر لوگوں کو خطبہ دیا۔ پھر موقف کی طرف گئے اور عرفہ میں موقف میں ٹھہرے۔

شرح: عرفہ میں جمع بین الصلوتین کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ آیا یہ سفر کے باعث ہے یا بطور نسک (عبادت) ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ یہ جمع مسافر کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ اور مالک، اوزاعی اور شافعیہ کی ایک روایت ہے کہ یہ جمع بطور عبادت ہے لہذا ایک کے لیے جائز ہے۔ ابن الزبیر سے اس کا مسنون ہونا مروی ہوا ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔ اس حدیث میں جمع بین الصلاتین پہلے اور خطبہ بعد میں آیا ہے مگر اوپر کی احادیث میں گزرا کہ نماز پہلے اور خطبہ بعد میں تھا۔ علماء کا عمل جابرؓ کی حدیث پہ ہے اور ابن حزم نے کہا ہے کہ حدیث ابن عمرؓ دو حال سے خالی نہیں ہے: تو خطبہ پہلے ہوا ہو گا اور نماز کے بعد پھر کچھ مسائل کی گفتگو رہی ہو گی جسے حدیث ابن عمرؓ میں خطبۂ بعد از صلوۃ کہا گیا ہے۔ یہ تاویل بہت اچھی ہے اور اس سے دونوں حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں، ورنہ دوسری صورت یہ ہے کہ حدیث ابن عمرؓ میں کوئی وہم کارفرما ہے۔ عبدالحق اور ابن القطان نے ابن اسحاق کے باعث حدیث ابن عمرؓ کو معلول قرار دیا ہے اور اہل اسلام اور ائمہ کا عمل حدیث جابرؓ پہ ہے۔

بَابُ الرَّوَاحِ اِلَى عَرَفَةَ ٦١

(بعد از زوال عرفہ کو جانے کا باب)

١٩١٤ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا وَكِيعٌ نَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا اَنْ قَتَلَ الْحَجَّاجُ ابْنَ الزُّبَيْرِ اَرْسَلَ اِلَى ابْنِ عُمَرَ اَيَّةَ سَاعَةٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُوحُ فِي هٰذَا الْيَوْمِ قَالَ اِذَا كَانَ ذٰلِكَ رُحْنَا فَلَمَّا اَرَادَ ابْنُ عُمَرَ اَنْ يَرُوحَ قَالَ قَالُوا لَمْ تَزِغِ الشَّمْسُ قَالَ اَزَاغَتْ قَالُوا لَمْ تَزِغْ قَالَ فَلَمَّا قَالُوا قَدْ زَاغَتْ اِرْتَحَلَ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ جب حجاج نے ابن زبیرؓ کو قتل کیا تو ابن عمرؓ کو پیغام بھیجا اس دن (عرفہ کے دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس گھڑی میں بعد از زوال تشریف لے جاتے تھے؟ ابن عمرؓ نے کہا کہ جب وہ وقت آئے گا تو ہم چلیں گے۔ پھر جب ابن عمرؓ نے چلنے کا ارادہ کیا تو راوی سعید بن حسان کہتا ہے کہ لوگ کہنے لگے: ابھی سورج نہیں ڈھلا، پھر ابن عمرؓ نے پوچھا کہ کیا سورج ڈھل گیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں ڈھلا۔ پھر جب لوگوں نے کہا کہ ڈھل گیا ہے تب ابن عمرؓ نے کوچ کیا۔ (اس کوچ سے مراد نماز کی طرف نکلنا یا وقوف کی خاطر موقف میں جانا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ ان دنوں نابینا ہو چکے تھے۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی مروی ہے۔)

بَابُ الْخُطْبَةِ بِعَرَفَةَ ٦٢

(عرفہ میں (منبر پر) خطبے کا باب)

١٩١٥ - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ عَنِ ابْنِ اَبِي زَائِدَةَ اَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي ضَمْرَةَ عَنْ اَبِيهِ اَوْ عَمِّهِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ۔

بنو ضمرہ کے ایک شخص نے اپنے باپ یا چچا سے روایت کی کہ اس نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو دیکھا جب کہ آپ عرفہ میں منبر پر تھے (اس روایت کی سند میں دو مجہول راوی ہیں)

شرح: حج کے خطبوں میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ نے کہا کہ حج کے خطبے تین ہیں: نویں ذی الحجہ کا خطبہ

عرفہ کے دن کا خطبہ اور منیٰ میں یوم النحر اگلے دن کا خطبہ۔ امام شافعیؒ نے ان کی موافقت کی مگر کہا کہ: یوم النحر سے تیسرے دن منیٰ کا خطبہ۔ اور شافعی نے ایک چوتھا خطبہ بڑھایا جو یوم النحر کا ہے۔ شافعیؒ نے کہا کہ لوگوں کو اس کی حاجت ہے تاکہ وہ اس دن کے اعمال مثلاً: رمی، ذبح، نحر، حلق اور طواف کو جان سکیں۔ طحاویؒ نے شافعیؒ کے تعاقب میں کہا کہ خطبۂ مذکورہ متعلقات حج میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس میں امور حج کی کوئی چیز مذکور نہیں ہوئی، اس میں صرف عام نصیحتیں ہیں اور سلف سے منقول نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کوئی چیز بیان کی ہو جو یوم النحر سے متعلق ہوتی پس معلوم ہوا کہ یہ خطبہ حج کے لیے نہیں ہے۔ ابن القصار نے کہا کہ یہ چوتھا خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے دیا تھا کہ جو باتیں اس سے پہلے بیان کی گئیں تھیں انہیں از سر نو کہہ دیں کیونکہ لوگ دنیا کے مختلف علاقوں کے جمع ہو چکے تھے۔ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی تو انہوں نے اسے خطبہ سمجھ لیا امام احمدؒ نے یہی حدیث مسند میں روایت کی ہے: عن سفیان بن عیینۃ عن زید بن اسلم عن رجل عن ابیہ او عمہ کہ میں نے عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک آدمی نے آپؐ سے عقیقہ کا سوال کیا تو فرمایا: میں عقوق کو پسند نہیں کرتا لیکن جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو کرے۔ پس مسند کی روایت میں منبر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں عرفات میں کوئی منبر تھا بھی نہیں، آپ نے یہ خطبہ اونٹنی پر دیا تھا۔ ہاں اگر منبر کا لغوی معنیٰ یعنی بلند جگہ لے لیں تو البتہ معنے درست ہے کیونکہ اونٹنی ایک بلند چیز تھی اور اس نے منبر کا کام دیا تھا۔ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کا یہ ارشاد ہے۔

۱۹۱۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ نُبَيْطٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْحَيِّ عَنْ اَبِيْهِ نُبَيْطٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا بِعَرَفَةَ عَلٰى بَعِيْرٍ اَحْمَرَ يَخْطُبُ۔

سلمہ بن نبیطؒ نے اپنے قبیلے کے ایک شخص سے اور اس نے اس کے باپ نُبیطؓ سے روایت کی کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفہ میں بحالتِ وقوف ایک سرخ اونٹ پر خطبہ دیتے دیکھا تھا (یہ حدیث نسائیؒ نے روایت کی ہے)

شرح: منذری نے کہا کہ یہ حدیث نسائی اور ابن ماجہ نے سلمہ بن نُبیط عن ابیہ سے روایت کی۔ اور ان کی روایت میں: عن رجل من الحی کا لفظ نہیں ہے۔ بخاری نے تاریخ کبیر میں (جلد ۴ ص ۱۴۸، ۱۳۷) اسے بیان کیا ہے۔ اور سلمہ کا باپ نُبیطؓ بن شریطؓ صحابی تھا اور اس کا باپ شریط بھی صحابی تھا۔ سلمہ بن نُبیط بقول احمد، وکیع، ابوداؤد، یحییٰ بن معین عجلی اور نسائی، عثمان بن ابی شیبہ اور ابن حبان ثقہ ہے بخاری کا بیان ہے کہ پچھلی عمر میں وہ مختلط ہو گیا تھا۔ جابرؓ کی گذشتہ طویل حدیث میں گزرا کہ حضورؐ اپنی قصواء اونٹنی پر سوار تھے۔ بعض لوگوں نے اسے دور سے دیکھ کر اونٹ سمجھا ہوگا۔

۱۹۱۷۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ وَعُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَا نَا وَكِيْعٌ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيْدِ حَدَّثَنِي الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ

قَالَ هَنَّادٌ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيْدِ أَبِي عَمْرٍو حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ الْعَدَّاءِ بْنِ هَوْذَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ عَلَى بَعِيْرٍ قَائِمٍ فِي الرِّكَابَيْنِ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ رَوَاهُ ابْنُ الْعَلَاءِ عَنْ وَكِيْعٍ كَمَا قَالَ هَنَّادٌ.

عداء بن خالد بن ہوذہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفہ کے دن ایک اونٹ پر دو رکابوں میں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے دیکھا تھا۔ ابوداؤد نے کہا ابن العلاء نے اسے وکیع سے اسی طرح روایت کیا جیسے ہناد نے کہا ہے (خالد بن ہوذہ اور اس کا بیٹا عداء دونوں اپنی قوم بنی عامر کے سردار تھے۔ عداء بن خالد بنی عامر کا وفد حضور صلعم کے پاس لایا تھا اور آپؐ نے اسے رفیح نامی چشمے بطور جاگیر عطا کئے تھے۔ اس حدیث میں بھی اونٹ کا ذکر ہے۔ مجمع کثیر ہونے کے باعث جن لوگوں نے دُور سے دیکھا انہوں نے اونٹ سمجھا ورنہ حضور صلعم اپنی قصواء اونٹنی پر سوار تھے۔ وکیع کی حدیث کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے وہ مسند احمد میں مروی ہے۔

۱۹۱۸ - حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيْمِ نَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ نَا عَبْدُ الْمَجِيْدِ أَبُوْ عَمْرٍو عَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ بِمَعْنَاهُ.

عبدالمجید ابوعمرو نے عداء رضہ بن خالد سے گذشتہ حدیث کی ہم معنی حدیث روایت کی۔

بَابٌ ۶۳ مَوْضِعِ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ

(عرفہ میں وقوف کی جگہ کا باب)

۱۹۱۹ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُفَيْلٍ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو يَعْنِي ابْنَ دِيْنَارٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ أَتَانَا ابْنُ مِرْبَعٍ الْأَنْصَارِيُّ وَنَحْنُ بِعَرَفَةَ فِي مَكَانٍ يُبَاعِدُهُ عَمْرٌو عَنِ الْإِمَامِ فَقَالَ إِنِّي رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُمْ يَقُوْلُ لَكُمْ قِفُوْا عَلَى مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلَى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ إِبْرَاهِيْمَ.

یزید بن شیبان نے کہا کہ ہمارے پاس (زید) ابن مربع رضہ انصاری آیا اور ہم عرفہ میں ایک ایسی جگہ تھے جسے

عمرو امام سے دُور بتاتا تھا، پس ابن مربع رضؓ نے کہا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی ہوں حضورؐ تم سے فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی مشاعر (جائے عبادت) پر وقوف کرو کیونکہ تم ابراہیمؑ کی میراث میں حصہ دار ہو۔
ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: مشاعر سے مراد معالم ہیں، یعنی طریقہ ہائے عبادت اور علامات دین۔ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ: تم عرفہ میں حرم سے باہر وقوف کرو کیونکہ ابراہیم ؑنے ہی اسے حاجیوں کے لیے مشعر اور موقف بنایا تھا۔ عامۂ عرب عرفہ میں وقوف کرتے تھے مگر قریش حرم کے اندر ہی وقوف کرتے تھے اور اپنے آپ کو حمس کہتے تھے۔ یعنی وہ اپنے آپکو اپنے مذہب میں بڑا اشدید اور بہادر قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم حرم سے باہر نہیں نکلیں گے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتا دیا کہ یہ تمہاری ایجاد کردی بدعت ہے، ابراہیمی دین نہیں ہے کیونکہ ابراہیم ؑنے جو سنت اپنے وارثوں کے لیے قائم فرمائی تھی وہ تو عرفہ کا وقوف ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرات امام کے موقف سے کافی دور تھے نہ یہ کہ وہ جگہ اصل موقف سے ہی دُور تھی۔ یہ اس لیے نسائی کی روایت کے الفاظ بظاہر یہی بتاتے ہیں کہ وہ لوگ موقف سے بعید تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس سے مراد امام کے موقف سے بعید ہے

بَابُ الدَّفْعَةِ مِنْ عَرَفَةَ

(عرفہ سے واپسی کا باب)

۱۹۲۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَيَانٍ نَا عُبَيْدَةُ نَا سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشُ الْمَعْنَى عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَفَاضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ عَلَيْهِ السَّكِينَةُ وَرَدِيفُهُ أُسَامَةُ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِإِيجَافِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ قَالَ فَمَا رَأَيْتُهَا رَافِعَةً يَدَيْهَا عَادِيَةً حَتَّى أَتَى جَمْعًا زَادَ وَهْبٌ ثُمَّ أَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ وَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِإِيجَافِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ قَالَ فَمَا رَأَيْتُهَا رَافِعَةً يَدَيْهَا حَتَّى أَتَى مِنًى۔

ابن عباس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ واپس ہوئے تو آپ پر سکون و وقار تھا اور اسامہؓ

آپ کے پیچھے سوار تھا۔ پس آپ نے فرمایا: اے لوگو! سکون اختیار کرو کیونکہ نیکی گھوڑوں اور اونٹوں کو تیز دوڑانے میں نہیں ہے۔ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ پھر میں نے سواریوں کو اپنے اگلے پاؤں اٹھا کر دوڑتے نہ دیکھا حتیٰ کہ حضورؐ مزدلفہ میں پہنچے گئے۔ وہب کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ: پھر آپ نے فضل بن عباس رضؓ کو اپنے پیچھے سوار کیا اور فرمایا: اے لوگو! نیکی گھوڑے اور اونٹ تیز دوڑانا نہیں ہے، پس تم سکون کو اختیار کرو، پھر میں نے سواریوں کو اپنے اگلے پاؤں بلند کرتے (دوڑتے) نہ دیکھا حتیٰ کہ آپؐ منیٰ میں تشریف لے گئے۔ (بخاری، مسلم، نسائی، دارمی اور احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے)۔ اتنے عظیم و کثیر مجمع میں اگر لوگوں کو سواریاں تیز دوڑانے کی اجازت دی جاتی تو ظاہر ہے کہ حادثے پیش آجاتے۔ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہی تھا کہ نیکی کی طرف سبقت کرنا بجا، مگر ایسے طریقے سے نہیں جس سے دوسروں کو اذیت پہنچ جائے۔

۱۹۲۱- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ يُونُسَ نَا زُهَيْرٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ هٰذَا لَفْظُ حَدِيثِ زُهَيْرٍ نَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُقْبَةَ أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ أَنَّهُ سَأَلَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ قُلْتُ أَخْبِرْنِي كَيْفَ فَعَلْتُمْ أَوْ صَنَعْتُمْ عَشِيَّةَ رَدِفْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جِئْنَا الشِّعْبَ الَّذِي يُنِيخُ فِيهِ النَّاسُ لِلْمُعَرَّسِ فَأَنَاخَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهُ ثُمَّ بَالَ وَمَا قَالَ أَهْرَاقَ الْمَاءَ ثُمَّ دَعَا بِالْوَضُوءِ فَتَوَضَّأَ وُضُوءًا لَيْسَ بِالْبَالِغِ جِدًّا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ الصَّلٰوةُ قَالَ الصَّلٰوةُ أَمَامَكَ قَالَ فَرَكِبَ حَتّٰى قَدِمْنَا مُزْدَلِفَةَ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ ثُمَّ أَنَاخَ النَّاسُ فِي مَنَازِلِهِمْ وَلَمْ يَحِلُّوا حَتّٰى أَقَامَ الْعِشَاءَ فَصَلّٰى وَصَلّٰى ثُمَّ حَلَّ النَّاسُ زَادَ مُحَمَّدٌ فِي حَدِيثِهِ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ فَعَلْتُمْ حِينَ أَصْبَحْتُمْ قَالَ رَدِفَهُ الْفَضْلُ وَانْطَلَقْتُ أَنَا فِي سُبَّاقِ قُرَيْشٍ عَلٰى رِجْلَيَّ.

کریب نے اسامہ بن زید رضؓ سے پوچھا کہ جس دن غروب آفتاب کے بعد تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر تھے تو تم نے کیا کیا کام کئے تھے؟ اسامہ نے کہا کہ ہم اس پہاڑی راستے پر آئے جہاں لوگ پچھلی رات کو آرام کرنے کی خاطر سواریاں بٹھاتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا پھر بول کیا، اور اسامہ رضؓ نے یہ نہ کہا کہ آپ نے پانی بہایا۔ (جو پیشاب سے کنایہ کے طور پر بولتے ہیں۔) پھر پانی منگوایا اور اس میں زیادہ مبالغہ نہ کیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! نماز۔ فرمایا: نماز تمہارے آگے ہوگی۔ اسامہ رضؓ نے کہا کہ پھر حضور سوار

ہوئے حتیٰ کہ ہم مزدلفہ میں آئے تو حضور نے مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر لوگوں نے اپنی فرودگاہوں میں سواریاں بٹھائیں
مگر کجاوے نہ کھولے یہاں تک کہ حضور نے عشاء کی اقامت کہلوائی اور نماز پڑھائی پھر لوگوں نے کجاوے
کھولے۔ محمد بن کثیر نے اپنی روایت کردہ حدیث میں یہ اضافہ بھی کیا کہ: کریب نے کہا پھر تم لوگوں نے صبح
کو کیا کیا؟ اُسامہ رض نے کہا کہ فضل رض بن عباس حضور ص کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار ہوا اور میں قریش کے آگے
آگے جانے والوں میں پیدل (منیٰ کی طرف) گیا (بخاری، مسلم، مؤطا، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث
مروی ہے)

شرح: حافظ ابن حجر کے بقول فاکہی کی روایت میں سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ آج کل خلفاء مغرب کی نماز اس
پہاڑی راستے پر پڑھتے ہیں جس کا ذکر اُسامہ رض نے کیا کہ وہاں حضور نے صرف طہارت اور وضو کیا تھا۔ فاکہی نے
ابن جریج کے طریق سے بھی یہ روایت بیان کی ہے اور اس میں یہ لفظ ہیں کہ اب خلفاء مغرب کی نماز شعب میں
پڑھتے ہیں۔ ان ہر دو روایتوں سے پتہ چلا کہ بعد میں خلفاء نے (راشدین نے نہیں) نماز مغرب کو اس گھاٹی میں
وقتِ عشاء کے داخل ہونے سے پہلے پڑھنا شروع کر دیا تھا جو خلافِ سنت ہے۔ کیونکہ جمع بین الصلاتین
کا وقت عشا کا وقت ہے۔ اور یہ جمع تاخیر ہے جو مزدلفہ میں ہوتی ہے۔ ان خلفاء سے مراد خلفائے بنی اُمیہ تھے
اور ابن عمر رض نے اس خلافِ سنت فعل میں ان کی اقتداء نہیں کی تھی بلکہ اس پر نکیر کی تھی۔ عکرمہ سے بھی یہ نکیر
ثابت ہے چنانچہ فاکہی کی روایت میں ہے کہ عکرمہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر بول کیا تھا
اور تم لوگوں نے اسے جائے نماز بنا ڈالا ہے۔ پس اُسامہ رض کی حدیث میں مُعرّس اور لوگوں کے سواریوں کو بٹھانے
سے بھی یہی مراد ہے کہ لوگوں نے اس فعل کو بھی لازم سنت ٹھہرا لیا تھا۔ اُسامہ رض کے اس قول کا کہ: حضور ص نے
وضوء میں مبالغہ نہ فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی زیادہ استعمال نہیں فرمایا، گو یہ وضوء شرعی ہی تھا۔ بعض لوگوں
نے اس سے وضوء لغوی مراد لیا ہے، مگر ابو داؤد کی کتاب الطہارۃ میں گزر چکا ہے کہ یہ وضوء اُسامہ نے کرایا
تھا۔ ...... پس یہ وضوء لغوی (مثلاً استنجاء) کیسے ہو سکتا تھا؟ اور وضوء کے بعد اُسامہ رض کا لفظ نماز
کہنا اور حضور ص کا یہ جواب کہ: نماز تیرے آگے آئے گی۔ یہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہ وضوء شرعی ہی تھا۔
مزدلفہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں پر لوگ جمع ہوتے ہیں اسی لیے اُسے جمع بھی کہتے ہیں۔ یہ جمع بین الصلاتین
جو مزدلفہ میں ہوئی بالاجماع جمع تاخیر تھی۔ سبب اس کا شافعیہ اور بعض اور لوگوں کے نزدیک سفر تھا اور حنفیہ اور
مالکیہ کے نزدیک اُس جگہ عبادت (نسک) ہی ہے۔ پس اگر کوئی شخص اس دن راستے میں مغرب پڑھے گا تو اس کی
نماز نہیں ہوگی۔ عبادات میں علت العلل اتباعِ رسول اور اطاعتِ امر ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس پڑھنے والے
پر مزدلفہ میں اس کا اعادہ واجب ہوگا یعنی اس وقت میں جس میں کہ حضور ص نے ادا فرمائی تھی۔

۱۹۲۲ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى ابْنُ اٰدَمَ نَا سُفْيَانُ عَنْ
عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ ثُمَّ اَرْدَفَ اُسَامَةَ فَجَعَلَ یُعْنِقُ عَلٰی نَاقَتِهٖ وَالنَّاسُ یَضْرِبُوْنَ الْاِبِلَ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا لَا تَلْتَفِتُ اِلَیْهِمْ وَیَقُوْلُ السَّکِیْنَةَ اَیُّهَا النَّاسُ وَ دَفَعَ حِیْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ۔

حضرت علی رضؓ نے کہا کہ پھر (عرفہ سے واپسی پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ کو سواری پر اپنا ردیف بنایا اور اپنی اونٹنی کو وسطی چال چلانے لگے اور لوگ دائیں اور بائیں اپنے اونٹوں کو پیٹتے (بھگاتے) تھے۔ حضورؐ ان کی طرف توجہ نہ فرماتے اور یوں کہتے: اے لوگو سکون و وقار اختیار کرو۔ اور سورج غروب ہونے بعد آپ عرفہ سے واپس ہوئے (ترمذی نے اسے روایت کر کے حسن صحیح کہا)

شرح: سنن ابی داؤد میں اس حدیث میں: لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْهِمْ کا لفظ آیا ہے مگر جامع ترمذی میں بغیر لَا کے ہے۔ مسند احمد کی روایت میں بھی لَا کا لفظ نہیں ہے۔ بیہقی نے ابن عباس رضؓ سے اسی مضمون کی حدیث روایت کی ہے اور اس میں بھی لَا کا لفظ نہیں ہے۔ ان مختلف احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سُنن ابی داؤد کی روایت میں جو لفظ لَا آیا ہے یہ غیر محفوظ ہے اور کسی راوی کے وہم کا نتیجہ ہے یا کسی کاتب کی غفلت سے لکھا گیا ہے۔ لیکن امام احمد نے مسند میں ابو داؤد کی سند کے ساتھ جو حدیث درج کی ہے اس میں یہ لفظ موجود ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یحییٰ بن آدم عن سفیان کی سند کے ساتھ مروی روایت میں لَا کا حرف موجود ہے۔ شاید یہ یحییٰ بن آدم کی خطاء یا وہم کے باعث ہو۔ محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے یہی حدیث درج کی ہے تو اس میں لَا کا حرف نہیں آیا۔ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ لَا لفظ حدیث میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۹۲۳۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِیُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ قَالَ سُئِلَ اُسَامَةُ بْنُ زَیْدٍ وَاَنَا جَالِسٌ کَیْفَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسِیْرُ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِیْنَ دَفَعَ قَالَ کَانَ یَسِیْرُ الْعَنَقَ فَاِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ قَالَ هِشَامٌ اَلنَّصُّ فَوْقَ الْعَنَقِ ۔

عروہ نے کہا کہ میں اُسامہؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ اُس سے دریافت کیا گیا: حضورؐ عرفہ سے واپسی کیوں کر چل رہے تھے (یعنی رفتار کی کیفیت بتائیے!) اُسامہ نے کہا کہ آپ وسطی چال چلتے تھے اور جب گنجایش ملتی تو اونٹنی خوب تیز بھگاتے تھے۔ ہشام راوی نے حدیث کے لفظ نص کی شرح یہ بتائی ہے کہ وہ عنق سے تیز تر چال کا نام ہے (یہ حدیث بخاری میں حج، جہاد اور مغازی میں آئی ہے۔ مسلم، مؤطا، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی موجود ہے) خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ حضورؐ درمیانہ چال سے

مصلحۃً چلتے تھے مبادا اتنے بڑے مجمع میں لوگ باہم ٹکرا جائیں، ورنہ جہاں پر موقع ملتا سواری کو تیز بھی بھگاتے تھے

۱۹۲۴ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَعْقُوبُ نَا اَبِي عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ حَدَّثَنِيْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنْ اُسَامَةَ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا وَقَعَتِ الشَّمْسُ دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

اُسامہ رض نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف تھا، جب سورج غروب ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ سے واپس مزدلفہ کو تشریف لے آئے۔

۱۹۲۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنْ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهُ سَمِعَ يَقُوْلُ دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ فَتَوَضَّاَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوْءَ قُلْتُ لَهُ الصَّلٰوةُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ اَمَامَكَ فَرَكِبَ فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّاَ فَاَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَنَاخَ كُلُّ اِنْسَانٍ بَعِيْرَهُ فِيْ مَنْزِلِهِ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلَّاهَا وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ۔

ابن عباس رض کے غلام کریب نے اُسامہ بن زید رض کو یہ کہتے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ سے چلے حتیٰ کہ جب شعب (پہاڑی راستے) میں پہنچے تو بول کیا، پھر وضو کیا مگر زیادہ پانی صرف نہ کیا۔ میں نے عرض کیا: نماز، تو فرمایا: نماز تمہارے آگے ہوگی۔ پھر آپ سوار ہو کر مزدلفہ پہنچے تو پھر اُترے اور وضو کیا، اس وضو میں پانی بہت خرچ کیا۔ پھر نماز کی اقامت ہوئی تو آپ نے نماز مغرب پڑھی، پھر ہر انسان نے اپنا اونٹ اپنی فرودگاہ میں بٹھا دیا تو عشاء کی اقامت ہوئی۔ پس آپ نے یہ دونوں نمازیں پڑھیں اور ان کے درمیان کچھ نہ پڑھا۔ (بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

باب ۶۵ الصَّلٰوةِ بِجَمْعٍ

(مزدلفہ میں نماز کا باب)

۱۹۲۶- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيْعًا۔

عبداللہ رض بن عمر سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں جمع کی۔ (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے) اس کی کیفیت یعنی جمع تاخیر اوپر کی احادیث میں گزر چکی ہے، اور یہ بحث بھی ہو چکی ہے کہ آیا یہ جمع جائز ہے یا واجب، اور اس کے ترک سے کیا لازم آتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ مناسکِ حج میں سے ہے اور واجب ہے۔

۱۹۲۷- حَدَّثَنَا ابْنُ حَنْبَلٍ نَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِاِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ قَالَ بِاِقَامَةٍ اِقَامَةٍ جَمَعَ بَيْنَهُمَا قَالَ اَحْمَدُ قَالَ وَكِيْعٌ صَلّٰى كُلَّ صَلٰوةٍ بِاِقَامَةٍ۔

زہری سے اُسی حدیث کی سند اور معنی کے ساتھ مروی ہے کہ: دونوں نمازوں کو ایک ایک اقامت سے جمع کیا۔ احمد بن حنبل نے وکیع سے قال کے لفظ سے نقل کیا کہ: ہر نماز کو ایک اقامت کے ساتھ پڑھا۔

۱۹۲۸- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا شَبَابَةُ ح وَحَدَّثَنَا مُخَلَّدُ بْنُ خَالِدٍ الْمَعْنٰى نَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِاِسْنَادِ ابْنِ حَنْبَلٍ عَنْ حَمَّادٍ وَمَعْنَاهُ قَالَ بِاِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَلَمْ يُنَادِ فِي الْاُوْلٰى وَلَمْ يُسَبِّحْ عَلٰى اَثَرِ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا قَالَ مَخْلَدٌ لَمْ يُنَادِ فِيْ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا۔

ابن شہاب زہری سے اوپر کی سند سے اسی کے معنی کی حدیث مروی ہے، اس میں کہا کہ: ہر نماز کے لیے الگ اقامت تھی اور پہلی کے لیے اذان نہ دلوائی اور ان میں سے کسی کے بعد سنن و نوافل نہیں پڑھے مخلد راوی نے کہا کہ ان میں سے کسی کے لیے اذان نہ دلائی تھی۔

شرح: یہ حدیث گزشتہ طویل حدیث جابر رض کے خلاف ہے۔ حدیث جابر کو مثبت ہونے کی وجہ سے ترجیح حاصل ہے۔

۱۹۲۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا وَّالْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ لَهُ مَالِكُ بْنُ الْحَارِثِ مَا هٰذِهِ الصَّلٰوةُ قَالَ صَلَّيْتُهُمَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْمَكَانِ بِإِقَامَةٍ وَّاحِدَةٍ۔

عبداللہ بن مالک نے کہا کہ میں نے ابن عمرؓ کے ساتھ مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعات پڑھیں تو مالک بن الحارث نے کہا کہ یہ کیسی نماز ہے؟ ابن عمرؓ نے کہا میں نے یہ دونوں نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہیں پر ایک اقامت کے ساتھ پڑھی تھیں (ترمذی نے یہ حدیث روایت کی اور اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: مولانا نے فرمایا کہ یہ مالک بن الحارث شاید ہمدانی ہے جسے ابوموسیٰ کوفی کہتے تھے۔ اس کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ اس نے ابن عمرؓ کو مزدلفہ میں ایک ہی اقامت کے ساتھ دو نمازیں جمع کرتے دیکھا تھا اور یہ بات غیر معتاد تھی۔ ابن عمرؓ نے یہ جواب دیا کہ یہ سنت ہے۔

۱۹۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ نَا إِسْحٰقُ يَعْنِي ابْنَ يُوْسُفَ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ قَالَا صَلَّيْنَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِالْمُزْدَلِفَةِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِإِقَامَةٍ وَّاحِدَةٍ فَذَكَرَ مَعْنَى ابْنِ كَثِيْرٍ۔

سعید بن جبیر اور عبداللہ بن مالک نے کہا کہ ہم نے ابن عمرؓ کے ساتھ مزدلفہ میں مغرب و عشاء ایک اقامت سے پڑھیں، پھر راوی محمد بن کثیر (اوپر کی حدیث کا راوی) کی حدیث کا معنیٰ روایت کیا (یعنی سوال پر ابن عمرؓ نے حدیث کو مرفوع کیا تھا)

۱۹۳۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْعَلَاءِ نَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ إِسْمٰعِيْلَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ أَفَضْنَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمَّا بَلَغْنَا جَمْعًا صَلّٰى بِنَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِإِقَامَةٍ وَّاحِدَةٍ ثَلَاثًا وَّاثْنَتَيْنِ فَلَمَّا

انْصَرَفَ قَالَ لَنَا ابْنُ عُمَرَ هٰكَذَا صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ ہم لوگ ابن عمرؓ کے ساتھ عرفہ سے لوٹے، پس جب ہم مزدلفہ میں پہنچے تو انہوں نے ہمیں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ہی اقامت کے ساتھ تین اور دو رکعات پڑھائیں۔ پس نماز ختم کر کے ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ پر ہم کو اسی طرح نماز پڑھائی تھی (مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

۱۹۳۲۔ **حَدَّثَنَا** مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنِيْ سَلَمَةُ ابْنُ كُهَيْلٍ قَالَ رَاَيْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ اَقَامَ بِجَمْعٍ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثَلٰثًا ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ شَهِدْتُّ ابْنَ عُمَرَ صَنَعَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ مِثْلَ هٰذَا وَقَالَ شَهِدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ هٰذَا فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ۔

سلمہ بن کہیل نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر کو مزدلفہ میں قیام کرتے دیکھا، پس اس نے پہلے مغرب کی تین رکعات اور پھر عشاء کی دو رکعات پڑھیں، پھر کہا کہ میں ابن عمرؓ کے ساتھ موجود تھا انہوں نے اس جگہ ایسا ہی کیا اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا، آپ نے بھی اس جگہ پر ایسا ہی کیا تھا۔

۱۹۳۳۔ **حَدَّثَنَا** مُسَدَّدٌ نَا اَبُو الْاَحْوَصِ نَا اَشْعَثُ ابْنُ سُلَيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَقْبَلْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ عَرَفَاتٍ اِلَى الْمُزْدَلِفَةِ فَلَمْ يَكُنْ يَفْتُرُ مِنَ التَّكْبِيْرِ وَالتَّهْلِيْلِ حَتّٰى اَتَيْنَا الْمُزْدَلِفَةَ فَاَذَّنَ وَاَقَامَ وَاَمَرَ اِنْسَانًا فَاَذَّنَ وَاَقَامَ فَصَلّٰى بِنَا الْمَغْرِبَ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَيْنَا فَقَالَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى بِنَا الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَعَا بِعَشَائِهٖ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عِلَاجُ بْنُ عَمْرٍو بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِيْ عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَقِيْلَ لِابْنِ عُمَرَ فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

هٰکَذَا۔

اشعث بن سلیم نے اپنے باپ سلیم سے روایت کی، اس نے کہا کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عرفات سے مزدلفہ آیا، پس وہ مزدلفہ میں پہنچنے تک برابر تکبیر و تہلیل میں مصروف رہے، پس انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی، یا کسی انسان کو اذان اور اقامت کا حکم دیا پھر نماز مغرب کی تین رکعات پڑھائیں۔ پھر کہا: الصلوٰۃ (نماز!) پھر عشاء کی دو رکعات پڑھیں پھر اپنا رات کا کھانا منگوایا اشعث نے کہا کہ مجھے علاج بن عمرو نے اسی طرح کی حدیث سنائی جیسی کہ میرے باپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی تھی۔ اشعث نے علاج کی طرف سے بتایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی طرح نماز پڑھی تھی۔

۱۹۳۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ اَنَّ عَبْدَ الْوَاحِدِ بْنَ زِيَادٍ وَاَبَا عَوَانَةَ وَاَبَا مُعَاوِيَةَ حَدَّثُوْهُمْ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةً اِلَّا لِوَقْتِهَا اِلَّا بِجَمْعٍ فَاِنَّهٗ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ بِجَمْعٍ وَصَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِهَا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نماز کے وقت کے بغیر اسی نماز کو پڑھتے نہیں دیکھا سوائے مزدلفہ کے پس آپ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کیا اور دوسرے دن نماز صبح قبل از وقت پڑھی (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: مغرب اور عشاء کو جمع تاخیر کے ساتھ عشاء کے وقت میں ادا فرمایا تھا جیسا کہ کئی احادیث میں گزرا مگر نماز صبح کو قبل از وقت ادا کرنے کا مطلب بقول حافظ ابن حجر یہ ہے کہ اس نماز کو مزدلفہ میں وقت معتاد سے قبل ادا فرمایا، کیوں کہ لوگ جمع تھے اور طلوع فجر آنکھوں کے سامنے تھا لہذا آپ نے حضر کی نسبت اسے پہلے پڑھ لیا۔ یہ مطلب نہیں کہ طلوع فجر سے پہلے یہ نماز ادا فرمائی تھی۔ ممکن ہے وقت معتاد سے قبل پڑھنے کے باعث بعض لوگوں نے قبل از طلوع فجر سمجھ لیا ہو (کیونکہ ہر ایک کی نگاہ ایک جیسی تو نہیں ہوتی!) اور اس کی وضاحت ابواسحاق کے طریق سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فعلی حدیث سے ہے۔ عبدالرحمن بن یزید نے کہا کہ: میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ گیا، پھر ہم مزدلفہ میں پہنچے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مغرب و عشاء کو اذان و اقامت سے ادا کیا پھر فجر اس وقت پڑھی جبکہ صبح طلوع ہو گئی۔ پھر کہا کہ یہ دو نمازیں اس جگہ اپنے وقت سے پھیر دی گئی ہیں مغرب اور عشاء۔ پس لوگ بوقت عشاء مزدلفہ میں آئیں (اور دونوں کو جمع کریں) اور فجر کو اس وقت

میں ادا کریں۔

۱۹۳۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ فَلَمَّا أَصْبَحَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَقَفَ عَلَى قُزَحَ فَقَالَ هٰذَا قُزَحُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَنَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوا فِي رِحَالِكُمْ۔

حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ پھر جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قُزَح پہاڑ پر کھڑے ہوئے (جو مزدلفہ میں ہے) پس فرمایا کہ یہ قُزَح ہے اور یہی موقف ہے اور مزدلفہ سارے کا سارا موقف ہے (اور منیٰ میں فرمایا) میں نے یہاں پر نحر کیا ہے اور منیٰ سارا ہی نحر (اور ذبح) کی جگہ ہے، پس تم اپنے ڈیروں میں نحر کرو۔ (یہ حدیث ترمذی نے روایت کر کے اسے حسن صحیح کہا ہے اور ابن ماجہ میں بھی مروی ہے۔

شرح: قُزَح پہاڑ کا وہ حصہ ہے جس کے پاس امام مزدلفہ میں قیام کرتا ہے، یہ اس وقت اس کے دائیں ہاتھ ہوتا ہے اور اسے میقدہ کہتے تھے کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں یہاں آگ جلائی تھی اور قریش یہیں پر وقوف کرتے تھے، عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ مزدلفہ کی وہ جگہ جسے محسّر کہتے ہیں موقف نہیں ہے جیسا اس سے قبل گزر چکا ہے۔ اصحاب کے ڈیرے چونکہ منیٰ میں تھے لہذا حضورؐ نے یہ حکم دیا کہ اپنے ڈیروں میں ہی نحر کرلو۔

۱۹۳۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَقَفْتُ هٰهُنَا بِعَرَفَةَ وَبِعَرَفَةَ وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا بِجَمْعٍ وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَنَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوا فِي رِحَالِكُمْ۔

حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عرفہ میں یہاں ٹھہرا ہوں اور سارا عرفہ موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے اور میں مزدلفہ میں یہاں ٹھہرا ہوں اور سارا مزدلفہ موقف ہے، اور میں نے یہاں پر نحر کیا ہے اور منیٰ سارا منحر (نحر کی جگہ) ہے، پس تم اپنے ڈیروں میں نحر کرو (جابر رضؓ کی یہ حدیث نمبر ۱۹۰۷ پر مطوّل گزر چکی ہے۔)

۱۹۳۷۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ أُسَامَةَ

ابْنِ زَيْدٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ۔

عطاء نے کہا کہ مجھ سے جابر رض بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سارا عرفہ موقف ہے اور سارا منیٰ منحر ہے اور سارا مزدلفہ موقف ہے اور مکہ کے تمام چوڑے راستے (اس میں آنے کے) طریق ہیں اور منحر ہیں (مسلم، ابن ماجہ اور احمد نے اسے روایت کیا ہے لیکن یہ اضافہ مسلم میں نہیں آیا باقی تینوں کتابوں میں موجود ہے)

۱۹۳۸۔ حَدَّثَنَا ابْنُ كَثِيْرٍ اَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يُفِيْضُوْنَ حَتّٰى يَرَوُا الشَّمْسَ عَلٰى ثَبِيْرٍ فَخَالَفَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ۔

عمرو بن میمون نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: اہل جاہلیت مزدلفہ سے واپس نہیں ہوتے تھے جب تک کہ سورج کی دھوپ کو کوہِ ثبیر پر نہ دیکھ لیتے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت فرمائی اور طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی مزدلفہ سے کوچ کر گئے (یہ حدیث بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور احمد نے مسند میں روایت کی ہے)

شرح: مزدلفہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے دائیں ہاتھ ایک عظیم پہاڑ ہے جسے ثبیر کہتے تھے اور اس کے علاوہ مکہ کے چار اور پہاڑوں کا نام ثبیر ہے۔

بَابُ التَّعْجِيْلِ مِنْ جَمْعٍ ۶۶

(مزدلفہ سے جلدی جانے کا باب)

۱۹۳۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا سُفْيَانُ اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ اَبِيْ يَزِيْدَ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ اَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِي ضَعَفَةِ أَهْلِهِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں (عورتوں اور بچوں) میں مزدلفہ کی رات پہلے بھیج دیا تھا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: لوگوں کا ازدحام بہت تھا لہذا مزدلفہ سے منیٰ کی طرف رمیٔ جمار کے لیے خواتین اور بچوں کو پہلے روانہ کر دیا گیا۔ اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ عورتوں، بچوں، مریضوں اور بوڑھوں کو اس طرح آگے بھیجا جا سکتا ہے۔

۱۹۴۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ نَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنِ الْحَسَنِ الْعُرَنِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ أُغَيْلِمَةَ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلَى حُمُرَاتٍ فَجَعَلَ يَلْطَحُ أَفْخَاذَنَا وَيَقُولُ أُبَيْنِيَّ لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ اللَّطْحُ الضَّرْبُ اللَّيِّنُ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مزدلفہ کی رات بنی عبد المطلب کے لڑکوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے روانہ کر دیا تھا اور (ہم گدھوں پر سوار تھے) آپ ہماری رانوں کو چھو کر (تھپتھپا کر) فرماتے تھے: میرے پیارے بیٹو! سورج طلوع ہونے سے پہلے جمرہ پر کنکریاں مت پھینکنا۔ ابوداؤد نے کہا لطح (جو اس حدیث میں آیا ہے) کا معنیٰ ہے: نرمی سے مارنا۔ (یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اور یہی مضمون ترمذی اور جامع الاصول کی ایک حدیث کا ہے)

شرح: علامہ عینی نے عمدۃ القاری (شرح بخاری) میں کہا ہے کہ مزدلفہ میں رات گزارنے کے (فقہی حکم کے) متعلق علماء میں اختلاف ہے پس ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، ثوری، احمد، اسحاق، ابوثور اور محمد بن ادریس الشافعی نے (ایک قول میں) کہا ہے کہ مزدلفہ میں رات گزارنا واجب ہے۔ اور یہ کہ یہ حج کا رکن نہیں اور اس کے ترک سے دم (قربانی) واجب ہے۔ یہی عطاء، زہری، قتادہ اور مجاہد کا قول ہے۔ امام شافعی سے ایک قول میں یہ سنت ہے اور یہی مالک کا قول ہے۔ ابن بنت الشافعی اور ابن خزیمہ کے نزدیک یہ رکن ہے، اور علقمہ، نخعی، اور شعبی نے کہا کہ جس نے مزدلفہ میں رات گزاری اس کا حج فوت ہو گیا۔ شرح التہذیب میں ہے کہ یہی حسن بصری کا قول ہے اور ابو عبید القاسم بن سلام کا بھی یہی مذہب ہے۔ شافعی نے کہا کہ رات کے دوسرے نصف میں سے ایک گھڑی جو وہاں گزارے اس کی سنت (یا وجوب بقول ثانی) ادا ہو گئی۔ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ مزدلفہ میں نزول واجب اور رات وہاں گزارنا سنت ہے اور اسی طرح امام کے ساتھ وقوف بھی سنت ہے۔ اور اہل

ظاہر نے کہا کہ جس نے امام کے ساتھ صبح کی نماز مزدلفہ میں نہ پائی اس کا حج باطل ہوگیا، سوائے عورتوں، بچوں اور کمزوروں کے۔ اور حنفیہ کے نزدیک اگر کسی نے صبح کے بعد مزدلفہ کا وقوف ترک کر دیا تو (یعنی بلا عذر) اس پر دم (قربانی) واجب ہے اور اگر بھیڑ کا عذر ہو اور منیٰ کی طرف جلدی کوچ کر جائے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں اور آیت کریمہ میں جو کچھ حکم دیا گیا ہے وہ ذکر ہے نہ کہ وقوف۔ اور مشعر میں وقوف کا وقت یوم النحر میں طلوع فجر کے بعد سے بہت روشنی ہونے تک ہے۔ اور امام مالک رح کے نزدیک کوئی بھی اسفار تک نہ ٹھہرے بلکہ اس سے پہلے کوچ کرے۔

علامہ عینی نے یہ بھی کہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیروی میں جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت یوم النحر میں چاشت کا وقت ہے اور رافعی نے کہا کہ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا سنت ہے، پھر باقی اعمال بجا لائے جائیں تاکہ طواف دن کی قبل از دوپہر کی روشنی میں واقع ہو۔ عینی نے کہا کہ ہمارے شیخ زین الدین کا قول ہے کہ اہل لغت کی تفسیر کے مطابق رافعی کا قول حدیث کے خلاف ہے کیونکہ ضحوۃ النہار کا وقت چاشت سے قبل ہوتا ہے۔ اور یہ اختیار کا وقت ہے ورنہ جواز کا وقت تو طلوع آفتاب کے بعد ہی ہو جاتا ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رض سے فرمایا تھا کہ طلوع شمس سے قبل رمی نہ کرنا۔ اس کا آخری وقت غروب آفتاب تک ہے۔ اور امام شافعی رح نے کہا کہ رات کے پچھلے نصف کے بعد رمی جائز ہے۔ محیط میں ہے کہ رمی کے تین اوقات ہیں، پہلا وقت مسنون جو طلوع آفتاب کے بعد ہے۔ دوسرا وقت مباح جو زوال کے بعد ہے اور تیسرا وقت مکروہ جو رات کا ہے۔

۱۹۴۱ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ نَا حَمْزَةُ الزَّيَّاتُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَدِّمُ ضُعَفَاءَ أَهْلِهِ بِغَلَسٍ وَيَأْمُرُهُمْ يَعْنِي لَا يَرْمُونَ الْجَمْرَةَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔

ابن عباس رض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمزور گھر والوں کو صبح کے اندھیرے میں آگے بھیج دیتے تھے اور انہیں حکم دیتے تھے کہ طلوع شمس سے پہلے رمی نہ کریں (اسے نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے)

۱۹۴۲ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنِ الضَّحَّاكِ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ أَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأُمِّ

سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحْرِ فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ ثُمَّ مَضَتْ فَأَفَاضَتْ وَكَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي يَكُونُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِي عِنْدَهَا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ کو نحر کی رات بھیجا پس اس نے فجر سے پہلے رمی کی پھر وہ گھر گئیں، پھر طواف افاضہ کیا۔ اور یہ دن ام سلمہ رضی کی باری کا دن تھا یعنی جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں ہوتے تھے (نسائی نے بھی اسے روایت کیا مگر عورت کا نام نہیں لیا احتمال ہے کہ وہ ام سلمہ رضی ہوں گی۔ اور ابن ماجہ رحنے حضرت عائشہ رضی سے سودہ رضی بنت زمعہ کے متعلق روایت کی ہے کہ وہ بوجھل جسم کی تھیں لہذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر لوگوں سے قبل روانگی کی اجازت لے لی تھی)

شرح: اس حدیث میں حضرت عائشہ نے ام سلمہ رضی کے اُس وقت بھیجے جانے کی علت بتائی ہے۔ دیگر امہات المؤمنین رضی نے طواف افاضہ اگلی رات میں کیا گیا تھا۔ علامہ طیبی رح نے کہا ہے کہ اس حدیث سے استدلال کر کے امام شافعی رح نے فجر سے قبل رمی جمرہ کا جواز نکالا ہے گو تاخیر ان کے نزدیک بھی افضل ہے۔ دوسرے علماء نے کہا کہ یہ رخصت ام سلمہ رضی کے لیے تھی ورنہ رمی جمرہ صرف فجر کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

۱۹۴۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ نَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ أَخْبَرَنِي مُخْبِرٌ عَنْ أَسْمَاءَ أَنَّهَا رَمَتِ الْجَمْرَةَ قُلْتُ إِنَّا رَمَيْنَا الْجَمْرَةَ بِلَيْلٍ قَالَتْ إِنَّا كُنَّا نَصْنَعُ هٰذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

عطاء نے کہا کہ مجھے کسی خبر دینے والے نے اسماء بنت ابی بکر رضی کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے جمرہ پہ رمی کی تو میں نے کہا کہ ہم نے رمی رات کو (قبل از طلوع فجر) کر لی ہے تو اسماء رضی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہم ایسا کیا کرتے تھے (یہ حدیث نسائی، بخاری، مسلم، مؤطا اور جامع الاصول میں بھی موجود ہے)

شرح: اس حدیث میں اسماء کی طرف سے روایت کر کے عطاء کو بتانے والے کا نام نہیں آیا مگر بخاری میں یہ شخص عبداللہ بن کیسان مدنی کے نام سے آیا ہے۔ حدیث کا لفظ بِلَيْلٍ ہے جس سے طلوع فجر کے بعد کا اندھیرا مراد ہو سکتا ہے، مطلب یہ کہ یہ لفظ رات کی رمی میں صریح ہے۔

۱۹۴۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ اَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي اَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَفَاضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّرْمُوا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ فَاَوْضَعَ فِي وَادِي مُحَسِّرٍ۔

جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکون و وقار کے ساتھ مزدلفہ سے روانہ ہوئے اور لوگوں کو حکم دیا کہ چھوٹی کنکریوں کے ساتھ رمی کریں۔ پھر آپ نے وادیٔ محسّر میں سواری کو تیز چلایا (یہ حدیث نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

بَابُ يَوْمِ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ ۶۷

(حج اکبر کے دن کا باب)

۱۹۴۵ - حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ نَا الْوَلِيدُ نَا هِشَامٌ يَعْنِي ابْنَ الْغَازِ نَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ يَوْمَ النَّحْرِ بَيْنَ الْجَمَرَاتِ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي حَجَّ فَقَالَ اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوا يَوْمُ النَّحْرِ قَالَ هٰذَا يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جمروں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا: یوم النحر۔ آپ نے فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے (یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے اور بخاری نے اسے تعلیقاً روایت ہے)

شرح: حج اکبر کے دن میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ یوم النحر ہے، بعض نے کہا کہ وہ یوم عرفہ ہے بعض نے کہا کہ جس طرح یوم الجمل اور یوم التعقیق ہیں۔ حالانکہ یہ ایک ہی دن نہیں ہے۔ اس طرح حج کے تمام دن یوم الحج الاکبر کہلاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ حج اکبر قران ہے اور حج اصغر افراد۔ بعض نے کہا کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کی امامت میں حج تھا کیونکہ اس میں مسلمان، مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا اجتماع ہوا تھا۔ پس مسلمان اور مشرکین نے تین دن میں حج کیا اور یہود و نصاریٰ نے تین پے در پے دنوں میں حج کیا جب کائنات کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور جب تک دنیا قائم رہے گی ایسا اجتماع نہ کبھی پہلے ہوا تھا نہ بعد میں ہوگا، پس یہ حج اکبر کا دن تھا۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حج اصغر کے متعلق اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک وہ عمرہ ہے۔ اور یوم حج اصغر سے مراد عرفہ کا دن ہے اور یوم حج اکبر یوم النحر ہے کیونکہ اس میں بقیہ مناسک حج تمام ہو جاتے

ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ ان احادیث میں یہ دلیل موجود ہے، کہ یوم النحر کا خطبہ مشروع ہے اور امام شافعی اور ان کے متبعین کا یہی مسلک ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ نے کہا کہ حج میں تین خطبے ہیں: ذوالحجہ کی ساتویں کا خطبہ، عرفہ کا خطبہ اور منیٰ سے اگلے دن کا خطبہ۔ امام شافعی رحؒ نے ان میں جمہور کی موافقت کی ہے لیکن منیٰ کا خطبہ ان کے نزدیک ۱۲ ویں کو ہے کیونکہ وہ دن نفر کا پہلا روز ہے۔ اور شافعی نے ایک چوتھا خطبہ بھی بڑھایا ہے اور وہ یوم النحر کا خطبہ ہے۔ شافعی رحؒ نے فرمایا کہ لوگوں کو اس کی تعلیم کی حاجت ہوتی ہے تاکہ اس دن کے اعمال یعنی رمی، ذبح، حلق اور طواف کو سیکھ سکیں۔ طحاوی نے کہا کہ یہ خطبہ متعلقات حج سے نہیں ہے کیونکہ حضورؐ نے اس میں عام وعظ و نصیحت اور اسلامی احکام بیان فرمائے تھے اور کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ حضورؐ نے اس خطبے میں یوم النحر کے اعمال و احکام بھی بیان فرمائے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اس خطبے کا مقصد حج کی وجہ سے نہیں تھا۔ ابن القصار نے کہا کہ دنیا کے گوشوں سے لوگ جمع تھے لہذا حضورؐ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر تبلیغ دین کی خاطر یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ جہاں تک یوم النحر کے اعمال کی تلقین کا تعلق ہے وہ یوم النحر کے ساتھ متعین نہیں بلکہ امام عرفات کے خطبے میں بآسانی یہ تعلیم دے سکتا ہے۔

۱۹۴۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ أَنَّ الْحَكَمَ بْنَ نَافِعٍ حَدَّثَهُمْ أَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي مَنْ يُؤَذِّنُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ وَيَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ يَوْمُ النَّحْرِ وَالْحَجُّ الْأَكْبَرُ الْحَجُّ۔

ابو ہریرہ رضؓ نے کہا کہ مجھ کو ابو بکر رضؓ نے ان لوگوں میں بھیجا تھا جو منیٰ میں یوم النحر کو اعلان کرتے تھے: کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا اور کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف نہ کرے گا۔ اور حج اکبر کا دن یوم النحر ہے اور حج اکبر سے مراد حج ہے (یہ حدیث بخاری اور مسلم میں آئی ہے)

شرح: سورہ توبہ میں ارشاد الٰہی ہے کہ: إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ پس ابو بکر صدیق رضؓ نے یہی اعلان کرایا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ مشرک کے مسجد میں دخول کے متعلق کئی مذاہب ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک یہ مطلقاً جائز ہے۔ مالکیہ اور مزنی اسے مطلقاً ممنوع کہتے ہیں اور شافعیہ اس سلسلے میں مسجد حرام اور دوسری مساجد میں تفریق کرتے ہیں۔ تفسیر احمدی میں ہے کہ آیت اور حدیث میں مسجد حرام کے قریب نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ مشرک حج اور عمرہ کے لیے نہیں آسکتا، اور مجرد دخول سے انہیں روکنا ضروری نہیں نہ مسجد حرام سے نہ کسی اور مسجد سے۔ امام شافعی رحؒ کے نزدیک یہاں پہ دخول سے مراد مطلق دخول ہے، پس مشرکوں کو خاص طور پہ مسجد حرام میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ امام مالک نے فرمایا کہ منع کے حکم

میں مسجد حرام کے ساتھ دیگر تمام مسجدیں شامل ہیں۔ حنفیہ کے مسلک کی تائید بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا کے نکلتی ہے کیونکہ اگر مطلق دخول ناجائز ہوتا تو یہ قید نہ لگائی جاتی۔ مراد حج اور عمرہ تھا کہ آئندہ وہ یہ نہیں کر سکتے۔ مشرک زمانۂ جاہلیت میں ننگے ہو کر طواف کرتے تھے جسے باطل کیا گیا۔ ستر عورت حنفیہ کے نزدیک طواف کے واجبات سے ہے، اگر کوئی اس حال میں طواف کرے کہ اس کے مستور اعضاء میں سے (یعنی ناف کے گھٹنے تک) کسی عضو کا ¼ حصہ کھلا رہ گیا تو اس پر قربانی واجب ہوگئی۔ یوم النحر کو حج اکبر کا دن اس لیے فرمایا گیا کہ حج کے اکثر مناسک اس دن ادا ہوتے ہیں۔ جب حج "اکبر حج" ہے تو لازماً حج "اصغر عمرہ" ہوگا۔

بَابُ ۶۸ الْاَشْهُرِ الْحُرُمِ

(باحرمت مہینوں کا باب)

۱۹۴۷ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اِسْمٰعِيْلُ نَا اَيُّوْبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ فِيْ حَجَّتِهٖ فَقَالَ اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِّنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِيْ بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ ۔

ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں خطبہ دیا، پس فرمایا کہ زمانہ پھر پھرا کر اپنی اسی حالت پر آگیا جس پر وہ کائنات کی پیدائش کے دن تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے جس میں سے چار مہینے باحرمت ہیں۔ تین تو پے درپے ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور (چوتھا) رجب مضر ہے جو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان ہے (یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی مختصراً اور مطولاً روایت کی ہے)

شرح: حضور کا یہ خطبہ یوم النحر میں ہوا تھا جیسا کہ بخاری کی روایت ہے۔ خطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ حضور کے اس قول کا: اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ، معنی یہ ہے ..... کہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں نے باحرمت مہینوں میں ہیر پھیر کر دیا تھا اور نسیئی کی رسم کے باعث ان اوقات میں تقدیم و تاخیر کر دی تھی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا الخ (التوبہ ۳۷) "اس کے سوا نہیں کہ نسیئی (زمانہ) کفر میں ایک اضافہ ہوا ہے جس کے ساتھ کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے، وہ ایک سال ایک مہینہ حلال کرتے اور دوسرے سال اسے حرام ٹھہرا دیتے تھے"۔ نسیئی کا معنی

یہ تھا کہ رجب کو شعبان سے اور محرم کو صفر سے بدل دیتے تھے۔ نسی کا اصل معنیٰ تاخیر ہے۔ یہیں سے بیع نسیئہ کا لفظ نکلا ہے۔ مشرکین کا دین کی جن باتوں پر (دورِ ابراہیمی ؑ سے) یقین چلا آتا تھا، ان میں سے ایک باحرمت مہینوں کا احترام بھی تھا وہ ان میں جنگ جدل اور خونریزی سے باز رہتے تھے اور باہم امن سے رہتے تھے حتیٰ کہ یہ مہینے گزر جاتے اور حلال مہینے آجاتے تھے۔ اکثر عرب کا یہی عقیدہ تھا کہ وہ ان مہینوں میں قتال کو جائز نہ رکھتے تھے۔ اور بعض قبائل اشہر حرم کی حرمت کو اس طرح توڑتے تھے کہ جب کسی حرام مہینے میں قتال کرتے تو اسے کسی دوسرے حلال مہینے سے بدل دیتے تھے (لوٹ مار اور قتل و غارت تو ان کی گھٹی میں پڑے تھے!) اس موقع پر وہ کہتے تھے: نَسَأْنَا الشَّهْرَ۔ ہم نے یہ مہینہ دوسرے کے ساتھ بدل دیا ہے۔ وہ اس کام میں مصروف رہے حتیٰ کہ اہل حساب میں گڑبڑ ہوگئی اور معلوم نہ رہا کہ کون سا مہینہ دراصل کیا ہے۔ پس بارہا ایسا ہوتا کہ ایک سال حج کسی مہینے میں واقع ہوا ہے اور اگلے سال کسی اور مہینے میں جا پڑا ہے۔ حتیٰ کہ وہ سال آیا جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اس سال حج اس کے اصل وقت میں آگیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نویں ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کے وقت خطبہ دیا اور بتایا کہ گردش زمانہ سے انکی نسئی منسوخ ہوگئی ہے اور معاملہ اصل حساب پر آگیا ہے حضور ؐ نے انہیں بڑی تاکید سے حساب میں گڑبڑ کرنے اور مہینوں میں ہیر پھیر کرنے سے منع فرمایا۔ (اگرچہ علامہ خطابی نے اس خطبے کو خطبۂ عرفات قرار دیا ہے، تو جیسا کہ اوپر گزرا، حسب روایت بخاری ایسا نہیں تھا۔ بلکہ یہ خطبہ دس ذی الحجہ کو منیٰ میں ہوا تھا۔ اگر خطبۂ عرفات میں دلائل سے ان کے نزدیک ثابت تھا کہ اس میں بھی حضور ؐ نے اس حقیقت کا ذکر فرمایا تھا تو یہ امر آخر ہے۔)

رجب کو مضر کی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ یہ قبیلہ اس مہینے کے احترام میں بہت شدت اور مبالغہ کیا کرتا تھا لہٰذا یہ مہینہ اس سبب سے اس کی طرف منسوب ہوگیا۔ اور اس کو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان کے درمیان جو فرمایا یہ مزید تاکید بیان کے لیے تھا تاکہ نسئی کا قلع قمع ہو سکے۔ کہ رجب وہ ہے جو ان دو مہینوں کے درمیان ہے، نہ وہ جسے وہ ہیر پھیر سے بنا ڈالتے تھے۔

۱۹۴۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَيَّاضٍ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ نَا أَبُو أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَسَمَّاهُ ابْنُ عَوْنٍ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرَةَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ۔

حضرت ابوبکرہ کی گزشتہ حدیث ایک اور سند کے ساتھ۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث میں ایک اور روایت کی رو سے ابن عون راوی نے ابن ابی بکرہ رض کا نام عبدالرحمان بن ابی بکرہ رض لیا ہے (یہ حدیث بخاری مسلم، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کی ہے)۔

بَابٌ ۶۹ مَنْ لَمْ يُدْرِكْ عَرَفَةَ

(باب اُس شخص کا جو عرفہ کو نہ پا سکے)

۱۹۴۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ اَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي بُكَيْرُ بْنُ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ الدِّيْلِيِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِعَرَفَةَ فَجَاءَ نَاسٌ اَوْ نَفَرٌ مِّنْ اَهْلِ نَجْدٍ فَاَمَرُوْا رَجُلًا فَنَادٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ الْحَجُّ فَاَمَرَ رَجُلًا فَنَادٰى اَلْحَجُّ اَلْحَجُّ يَوْمُ عَرَفَةَ مَنْ جَاءَ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ لَيْلَةِ جَمْعٍ فَتَمَّ حَجُّهٗ اَيَّامُ مِنًى ثَلَاثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَرْدَفَ رَجُلًا خَلْفَهٗ فَجَعَلَ يُنَادِيْ بِذٰلِكَ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ مِهْرَانُ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ اَلْحَجُّ مَرَّتَيْنِ وَرَوَاهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِ الْقَطَّانُ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ الْحَجُّ مَرَّةً۔

عبدالرحمٰن بن یعمر دیلی نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس وقت آپ عرفہ میں تھے۔ پس کچھ لوگ اہل نجد میں سے آئے اور انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے بلند آواز سے پکار کر پوچھا: یا رسول اللہ حج کیسے ہوتا ہے؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا اور اُس نے پکار کر کہا: حج حج ہے اور عرفہ کا دن ہے اور جو آدمی مزدلفہ کی رات سے نماز صبح سے قبل آگیا تو اس کا حج پورا ہو گیا (یعنی اس نے حج کو پا لیا) منیٰ کے ایام تین ہیں ۱۱، ۱۲، ۱۳ کا دن پس جو دو دن میں جلدی کرے (اور منیٰ کے ایام میں سے دوسرے دن ۱۲ کو رمی سے فارغ ہو کر منیٰ سے مکہ کو رجوع کرے) اس پر بھی گناہ نہیں اور جو متأخر ہو (اور ۱۳ کو رمی کر کے مکہ جائے) اس پر بھی گناہ نہیں۔ پھر حضور ؐ نے اُس شخص کے بعد ایک اور شخص کو منادی کرنے کے لیے بھیجا پس وہ بھی یہی منادی کرنے لگا۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح مہران نے سفیان سے روایت کی اور: اَلحج اَلحج دو بار کہا اور یحییٰ بن سعید القطان نے سفیان سے روایت کی تو حج کا لفظ ایک بار بولا (نسائی اور مسند احمد میں الحج کا لفظ ایک بار آیا ہے۔ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے)

۱۹۵۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ إِسْمٰعِيلَ نَا عَامِرٌ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ مُضَرِّسٍ الطَّائِيُّ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَوْقِفِ يَعْنِي بِجَمْعٍ قُلْتُ جِئْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مِنْ جَبَلَيْ طَيٍّ أَكْلَلْتُ مَطِيَّتِي وَأَتْعَبْتُ نَفْسِي وَاللهِ مَا تَرَكْتُ مِنْ جَبَلٍ إِلَّا وَقَفْتُ عَلَيْهِ فَهَلْ لِي مِنْ حَجٍّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ مَعَنَا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ وَأَتَى عَرَفَاتٍ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَقَضٰى تَفَثَهُ .

عامر شعبی نے کہا کہ مجھ کو عروہ بن مضرس طائی نے بتایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موقف میں یعنی مزدلفہ میں آیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں طیٔ کے دو پہاڑوں (اُجا اور سلمٰی) سے آیا ہوں، اپنی سواری کو تھکا دیا ہے اور خود بھی بہت تھک گیا ہوں، واللہ میں نے کوئی راستہ یا پہاڑ نہیں چھوڑا مگر اس پر ٹھہرتا رہا تو کیا میرا حج ہوگیا؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے ساتھ یہ نماز (صبح کی نماز) پالے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں رات کو یا دن کو آچکا ہو پس اس کا حج پورا ہوگیا اور وہ اپنی میل کچیل اتارے (یعنی پاک صاف ہو جائے احرام کھول دے اور جسمانی میل کچیل اُتار ڈالے۔ ترمذی نے اسے روایت کر کے حسن صحیح کہا ہے اور نسائی، ابن ماجہ، دارمی، احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث کی رُو سے جو شخص یوم عرفہ کے زوال سے لے کر یوم النحر کے طلوع فجر تک عرفات میں کچھ دیر ٹھہر گیا اُس نے حج کو پالیا۔ اور امام مالکؒ کے اصحاب نے کہا کہ وقوف کے معاملے میں رات دن کے تابع ہے، پس جو شخص غروب آفتاب تک عرفہ میں نہ رہا اس کا حج فوت ہوگیا اور اسے اس کی قضا کرنا ہوگی۔ حسن بصری رحمہ سے مروی ہے کہ اس کا حج ہوگیا مگر اونٹ کی قربانی دینا واجب ہوگیا۔ اور اکثر فقہا نے کہا کہ جو شخص غروب آفتاب سے پہلے عرفہ سے چلا گیا اس کا حج پورا ہوگیا مگر اس کے ذمہ دم ہے، عطاء، سفیان ثوری، حنفیہ، شافعی اور احمد کا یہی قول ہے۔ مالک اور شافعی نے کہا کہ جو شخص غروب آفتاب سے قبل عرفہ سے چلا جائے مگر طلوع فجر سے پہلے پھر وہیں واپس آجائے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ اور حنفی فقہاء نے کہا کہ جب وہ غروب آفتاب کے بعد لوٹا اور عرفہ میں وقوف کیا تو اس سے دم ساقط نہیں ہوا۔ اور حضورؐ کا یہ ارشاد کہ: فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ، اس سے مراد ہے کہ حج کا اکثر حصہ پورا ہوگیا یعنی عرفات کا وقوف، کیونکہ اسی کے فوت ہو جانے سے حج فوت ہوتا ہے۔

بَابُ النُّزُولِ بِمِنًى

(منیٰ میں نزول کا باب)

۱۹۵۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ مُعَاذٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ بِمِنًى وَنَزَّلَهُمْ مَنَازِلَهُمْ فَقَالَ لِيَنْزِلِ الْمُهَاجِرُونَ هٰهُنَا وَأَشَارَ إِلَى مَيْمَنَةِ الْقِبْلَةِ وَالْأَنْصَارُ هٰهُنَا وَأَشَارَ إِلَى مَيْسَرَةِ الْقِبْلَةِ ثُمَّ لِيَنْزِلِ النَّاسُ حَوْلَهُمْ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں لوگوں سے خطاب فرمایا اوران میں ان کی فرودگاہوں میں اتارا۔ پس فرمایا کہ مہاجرین یہاں اُتریں اور قبلہ کے دائیں طرف اشارہ فرمایا، اور انصار یہاں اُتریں اور قبلہ کی بائیں جانب اشارہ فرمایا، پھر اور لوگ ان کے گرد اُتریں (قبلہ سے دائیں اور بائیں سے مراد یہ ہے کہ قبلہ رُخ ہوکر دائیں اور بائیں لوگوں کی منزلیں مقرر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو کوئی الجھن اور تکلیف پیش نہ آئے)

بَابُ أَيِّ يَوْمٍ يَخْطُبُ بِمِنًى

(اس بات کا باب کہ منیٰ میں کس دن خطاب کرے)

۱۹۵۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ نَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ ابْنِ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلَيْنِ مِنْ بَنِي بَكْرٍ قَالَا رَأَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ بَيْنَ أَوْسَطِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَنَحْنُ عِنْدَ رَاحِلَتِهِ وَهِيَ خُطْبَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي خَطَبَ بِمِنًى۔

ابن ابی نجیح نے بنی بکر کے دو شخصوں سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایام تشریق کے وسط میں (۱۲ ذی الحجہ کو) خطاب فرماتے دیکھا اور ہم آپ کی سواری کے قریب تھے۔ اور وہ وہی خطبہ

ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا۔

۱۹۵۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا أَبُو عَاصِمٍ نَا رَبِيعَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حُصَيْنٍ حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي سَرَّاءُ بِنْتُ نَبْهَانَ وَكَانَتْ رَبَّةَ بَيْتٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَتْ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الرُّؤُسِ فَقَالَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَلَيْسَ وَسَطَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذٰلِكَ قَالَ عَمُّ أَبِي حُرَّةَ الرَّقَاشِيُّ أَنَّهُ خَطَبَ أَوْسَطَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ۔

ربیعہ بن عبدالرحمٰن بن حصین نے کہا کہ میری دادی سراء بنت نبہان نے) جو زمانۂ جاہلیت میں ایک بت خانے کی مالک تھی، مجھے حدیث سنائی۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الرؤس (۱۲ ذی الحجہ) میں ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کیا یہ ایام تشریق کا وسطی دن نہیں ہے؟ ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح ابو حرہ رقاشی نے کہا کہ آپ نے ایام تشریق کے وسط میں خطاب فرمایا تھا (یوم الرؤس اس لیے نام پڑا کہ اس دن لوگ قربانی کے جانوروں کے سر بھون کر کھاتے تھے)

شرح: یہ خطبہ مسند احمد میں مفصل و مطول موجود ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں جو خطبہ ۱۲ ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا گیا، شافعیہ کے نزدیک خطبات حج میں داخل ہے۔ مگر حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ خطبہ فتویٰ، سوال و جواب اور تعلیم و تعلم کے انداز میں تھا لہٰذا خطبات حج میں شامل نہیں ہے اس پر خطبے کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس میں بعض سوالوں کے جواب ارشاد فرمائے تھے۔ اسی طرح آئندہ باب کا خطبہ بھی ہے کہ وہ احناف اور مالکی فقہاء کے نزدیک خطبات حج میں سے نہیں۔ لوگ دور دراز سے آئے ہوئے تھے، ہر شخص حضور سے ملنے اور گفتگو کرنے اور کلام مبارک سننے کا خواہش مند تھا، لوگوں نے بہت سے سوالات بھی کئے تھے۔ موقع کی مناسبت سے حضور ﷺ نے ان دنوں میں عام بنیادی اسلامی احکام بیان فرمائے۔ ویسے بھی آخری حج تھا، دین کی تکمیل ہو چکی تھی اور حضور بطورِ وصیت امت کو ضروری امور کی طرف متوجہ فرما رہے تھے۔ خطبات حج میں سے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بطورِ فقہی احکام کے بعد کے امراء کیلیے ان دنوں میں خطبے دینا داخلِ امورِ حج نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ قَالَ خَطَبَ يَوْمَ النَّحْرِ

(ان لوگوں کا باب جنہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے یوم النحر کو خطبہ دیا)

۱۹۵۴ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ نَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ نَا عِكْرِمَةُ حَدَّثَنِي الْهِرْمَاسُ بْنُ زِيَادٍ الْبَاهِلِيُّ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ عَلَى نَاقَتِهِ الْعَضْبَاءِ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى ۔

ہرماس بن زیاد رضی باہلی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عید قربان کے دن منیٰ میں اپنی اونٹنی عضباء پر خطبہ ارشاد فرماتے دیکھا تھا۔ (منذری نے کہا کہ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے)

شرح: ہرماس بن زیاد باہلی رضی ابو حُدَیر یمامہ کے رہنے والے تھے۔ ابن مندہ نے کہا کہ یمامہ میں فوت ہونے والا یہ آخری صحابی ہے۔ عکرمہ بن عمار نے کہا کہ میں ہرماس سے ۱۰۲ھ میں ملا تھا۔ مسند احمد کی حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ: میں اپنے باپ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا اور میں اس وقت چھوٹی عمر کا تھا پس میں نے حضور ﷺ کو اپنی اونٹنی عضباء پر خطبہ دیتے سُنا۔ یہ اونٹنی چھوٹے کانوں والی تھی جس کے باعث اس کا یہ نام پڑا۔

۱۹۵۵ - حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ يَعْنِي ابْنَ الْفَضْلِ الْحَرَّانِيَّ نَا الْوَلِيدُ نَا ابْنُ جَابِرٍ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَامِرٍ الْكَلَاعِيُّ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ خُطْبَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى يَوْمَ النَّحْرِ ۔

ابو امامہ رضی کہتے تھے کہ میں نے یوم النحر میں بمقام منیٰ حضور ﷺ کا خطبہ سُنا تھا۔

باب ۷۳ أَيَّ وَقْتٍ يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ

(باب۔ یوم النحر میں کس وقت خطبہ دیں)

۱۹۵۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ الدِّمَشْقِيُّ نَا مَرْوَانُ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَامِرٍ الْمُزَنِيِّ حَدَّثَنِي رَافِعُ بْنُ عَمْرٍو الْمُزَنِيُّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًى حِينَ ارْتَفَعَ الضُّحَى عَلَى بَغْلَةٍ شَهْبَاءَ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُعَبِّرُ عَنْهُ وَالنَّاسُ بَيْنَ قَاعِدٍ وَقَائِمٍ ۔

رافع رضہ بن عمرو مزنی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی دن چڑھے منیٰ میں لوگوں سے خطاب فرماتے دیکھا، آپ ایک شہباء خچر پہ سوار تھے اور علی رضی اللہ عنہ (دور کے لوگوں کو) آپ کی بات پہنچاتے اور سمجھاتے تھے اور لوگ کچھ کھڑے اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے۔

شرح: رافع بن عمرو رضہ مزنی صحابی تھے اور بصرہ جا بسے تھے۔ ان کی فقط دو حدیثیں ہیں۔ ایک تو یہی اور دوسری ابن ماجہ میں ہے، کہ: عجوہ کھجور جنت میں سے ہے۔ ابن عساکر نے کہا کہ حجۃ الوداع میں ان کی عمر پانچ یا چھ سال تھی۔ اس حدیث کا یہ مضمون کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک شہباء خچر پر تھے پچھلی روایت کے خلاف ہے کہ آپ عضباء اونٹنی پر تھے۔ دونوں حدیثوں کو جمع کرنا یوں ممکن ہے کہ پچھلی حدیث والا خطبہ یوم النحر کا تھا اور یہ خطبہ کسی اور دن کا ہے۔ مولانا محمد یحییٰ نے حضرت گنگوہی کی تقریر میں لکھا ہے کہ حضور کے حج کے خطبات کی روایات مختلف ہیں، ظاہر یہ ہے کہ آپ نے کئی دنوں میں خطبے دیئے بلکہ یوں کہیئے کہ ساتویں ذی الحجہ سے لے کر مناسک حج کے اختتام تک خطاب فرماتے رہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و عادات مبارکہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ خطاب و تذکیر اور تعلیم و تدریس کا کوئی موقع نہ چھوڑتے تھے، اور حج کے دنوں میں تو حاضرین کو تذکیر و وعظ کی بہت ضرورت تھی، پس یہ مناسب نہیں ہے کہ ان دنوں کے خطابات کو صرف تین یا چار تک محدود رکھا جائے۔ اور ہمارے علماء نے جو ۷، ۹ اور گیارہ تاریخ کو خطبوں کے لیے بنایا ہے یہ محض آسانی کی خاطر ہے کہ ہر روز خطاب کرنا مبادا لوگوں پہ شاق گزرے، اور ان مراد یہ نہیں ہے کہ ان ایام کے علاوہ خطبہ دینا ممنوع یہ بدعت ہے۔

بَابُ مَا يَذْكُرُ الْإِمَامُ فِي خُطْبَتِهِ بِمِنًى

(امام منیٰ کے خطبے میں کیا ذکر کرے)

۱۹۵۷- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُعَاذٍ التَّيْمِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ بِمِنًى فَفُتِحَتْ أَسْمَاعُنَا حَتّٰى كُنَّا نَسْمَعُ مَا يَقُولُ وَنَحْنُ فِي مَنَازِلِنَا فَطَفِقَ يُعَلِّمُهُمْ مَنَاسِكَهُمْ حَتّٰى بَلَغَ الْجِمَارَ فَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَتَيْنِ فِي أُذُنَيْهِ ثُمَّ قَالَ بِحَصَى الْخَذْفِ ثُمَّ أَمَرَ الْمُهَاجِرِينَ فَنَزَلُوا فِي مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ وَأَمَرَ الْأَنْصَارَ فَنَزَلُوا مِنْ وَرَاءِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَزَلَ النَّاسُ بَعْدَ ذٰلِكَ۔

عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جبکہ ہم منیٰ میں تھے پس ہماری سماعت کی قوت زیادہ ہوگئی (ہمارے کان کھل گئے) حتیٰ کہ آپ کے ارشاد کو اپنے ڈیروں میں سنتے تھے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دینے لگے حتیٰ کہ بات جمروں تک پہنچی تو آپ نے اپنی دونوں انگشت ہائے شہادت کو کانوں میں رکھا اور فرمایا: چھوٹی کنکریوں کے ساتھ۔ پھر مہاجرین کو حکم دیا تو وہ مسجد کے آگے اُترے اور انصار کو حکم دیا تو وہ مسجد سے پرے اترے پھر سب لوگ اس کے بعد فرودگاہوں میں اترے (نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تقریر میں ہے کہ یہ خطبہ اگر ذی الحجہ کی آٹھویں کو ہوا تھا تو: حَتّٰی بَلَغَ الْجِمَارَ سے مراد یہ ہوگا کہ: یہاں تک کہ بیانِ مسائل میں آپ جمروں کے ذکر تک پہنچے۔ اور اگر یہ خطبہ کسی اور دن میں تھا مثلاً یوم النحر میں یا اس کے بعد تو بلوغ سے مراد یہ کہ بیانِ مسائل میں آپ جب بنفسِ نفیس تشریف لے جاتے ہوئے جمروں تک پہنچ گئے تو انگلیاں کانوں میں ڈال لیں (جیسا کہ زور سے بولنے کے لیے کیا جاتا ہے) پس آپ نے بآوازِ بلند پکار کر فرمایا؛ بِحَصَی الْخَذْفِ۔ اگر دوسرے نسخے کے مطابق لفظ اُذُنَیْہِ کو عبارت کا حصہ نہ مانا جائے تو بھی عبارت کی توجیہ ایک اور طرح سے ممکن ہے۔ وہ یہ کہ جب جمروں کے ذکر پر پہنچے (یا خود جمروں کے پاس تشریف لے گئے) تو اپنی دونوں شہادت کی انگلیوں سے رمی کی کیفیت کا ارشارہ فرمایا اور زبان سے فرمایا کہ: چھوٹی کنکریاں پھینکو۔ یعنی کنکریوں کی مقدار کو زبانِ مبارک سے بیان فرمایا اور رمی کا طریقہ انگلیوں کے ساتھ سمجھایا۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ راویٔ حدیث نے خود ان کیفیتوں کو لوگوں کی آسانی کی خاطر بیان کیا تھا۔ بہرصورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آوازِ مبارک کا سوا لاکھ کے مجمع کی فرودگاہوں میں برابر جا پہنچنا۔ (جو اپنے سامان اور باربرداری کے جانوروں اور سواریوں سمیت خدا جانے کتنی دور تک پھیلے ہوئے تھے!) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ راوی کی مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر ہم اپنے ڈیروں اور منزلوں میں بھی ہوتے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آواز کو وہیں پر سُن لیتے۔ (گویا وہ بطور مبالغہ آنجناب کی آواز کی بلندی کو بیان کر رہا ہے) ایسے موقعوں پر کچھ لوگوں کا سامان اور سواریوں وغیرہ کی خاطر فرودگاہوں میں بھی رہا کرتے ہیں، لہٰذا اس بات کا امکان ہے کہ وہ لوگ جو بوقتِ خطبہ اُس خاص جگہ پر موجود نہ تھے انھوں نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن لی ہو۔

بَابُ يَبِيتُ بِمَكَّةَ لَيَالِي مِنًى

(منیٰ کی راتوں کو مکہ میں شب باشی کا باب)

۱۹۵۸- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ نَا يَحْيٰى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِيْ جَرِيْرٌ اَوْ اَبُوْجَرِيْرٍ الشَّكُّ مِنْ يَحْيٰى اَنَّهٗ سَمِعَ

عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ فَرُّوْخٍ يَسْأَلُ ابْنَ عُمَرَ قَالَ إِنَّا نَتَبَايَعُ بِأَمْوَالِ النَّاسِ فَيَأْتِي أَحَدُنَا مَكَّةَ فَيَبِيْتُ عَلَى الْمَالِ فَقَالَ أَمَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاتَ بِمِنًى وَظَلَّ۔

عبدالرحمن بن فروخ (حضرت عمرؓ کے مولیٰ) نے ابن عمرؓ سے سوال کر کے کہا کہ ہم لوگوں کے اموال کی خرید و فروخت میں مکہ میں رات بھر رہتے ہیں تاکہ لوگوں کے اموال کی حفاظت ہو سکے تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں رات گزارتے اور وہیں رہتے تھے۔

شرح: معالم السنن میں خطابی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ مال کی حفاظت وغیرہ ضروریات کے لیے ان دنوں مکہ میں رات رہنے کے متعلق علماء میں اختلاف ہوا ہے ابن عباس نے بوقت ضرورت اس میں حرج نہیں سمجھا۔ حنفیہ کے نزدیک جمرہ کی رمی کے بعد اگر کوئی مکہ میں رات رہے تو بری بات تو ہے مگر کوئی تاوان وغیرہ نہیں ہے امام شافعیؒ نے کہا کہ اس میں رخصت صرف آب زمزم کے منتظمین کو ہے، اور کوئی رہے گا تو ایک رات کا ایک درہم، دو کا دو اور تین کا دم آئے گا، اور مالکؒ کے نزدیک ایک رات منیٰ سے غائب (یعنی مکہ میں) رہنے پر دم آتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب اور تقریب میں کہا ہے کہ حریز یا ابو حریز حجازی اس حدیث کا راوی مجہول ہے۔ ابن عمرؓ کے قول کا مطلب یہ تھا کہ حضورؐ کی سنت تو یہ ہے کہ آپ ان دنوں میں منیٰ میں رات گزارتے تھے، رہی اموال کی بات تو سب لوگوں کے اموال عموماً مکہ ہی میں رہتے ہیں، ہر شخص ہر جگہ تو اپنا اسباب نہیں اٹھائے پھرتا، حفظ اموال کے لیے قفل وغیرہ استعمال ہو سکتا ہے یا کسی کو بطور امانت سپرد کئے جا سکتے ہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ہم حنفیہ کے نزدیک منیٰ میں رات گزارنا فجر تک سنت مؤکدہ ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے اور بعض علماء کے نزدیک رکن حج ہے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ رات کا اکثر حصہ منیٰ میں رہیں۔

۱۹۵۹ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهٖ فَأَذِنَ لَهٗ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ عباسؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سقایہ (پانی پلانا) کے انتظام کی خاطر منیٰ کی راتوں میں مکہ ٹھہرنے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے انہیں اجازت دے دی (بخاری، مسلم، نسائی)

اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

شرح: یہ اجازت ایک شرعی عذر کے سبب سے تھی اور یہ بھی ثابت ہے کہ چرواہوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن رمی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ جمہور نے اسی لیے منیٰ میں شب باشی کو مناسکِ حج میں شمار کیا ہے۔ یہ اجازت عباس رضہ یا دیگر اہل سقایۃ اور چرواہوں کی خاطر تھی جیساکہ احمد اور ابن المنذر کا قول ہے۔ جمہور کے نزدیک تمام شرعی عذر والے اس میں داخل ہیں۔

بَابُ الصَّلٰوةِ بِمِنًى

(منیٰ میں نماز کا باب)

۱۹۶۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ اَنَّ اَبَا مُعَاوِيَةَ وَحَفْصَ بْنَ غِيَاثٍ حَدَّثَاهُمْ وَحَدِيْثُ اَبِىْ مُعَاوِيَةَ اَتَمُّ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ صَلّٰى عُثْمَانُ بِمِنًى اَرْبَعًا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ اَبِىْ بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ زَادَ عَنْ حَفْصٍ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِّنْ اِمَارَتِهٖ ثُمَّ اَتَمَّهَا زَادَ مِنْ هٰهُنَا عَنْ اَبِىْ مُعَاوِيَةَ ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِكُمُ الطُّرُقُ فَلَوَدِدْتُ اَنَّ لِىْ مِنْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ مُتَقَبَّلَتَيْنِ قَالَ الْاَعْمَشُ فَحَدَّثَنِىْ مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ عَنْ اَشْيَاخِهٖ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ صَلّٰى اَرْبَعًا قَالَ فَقِيْلَ لَهٗ عِبْتَ عَلٰى عُثْمَانَ ثُمَّ صَلَّيْتَ اَرْبَعًا قَالَ الْخِلَافُ شَرٌّ۔

عبد الرحمن بن یزید نے کہا کہ حضرت عثمان رضہ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھائی۔ پس عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت ابو بکر رضہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت عمر رضہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ حفص بن غیاث راوی نے یہ اضافہ کیا کہ: حضرت عثمان رضہ کے ساتھ ان کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں دو رکعتیں پڑھیں، پھر حضرت عثمان رضہ نے قصر چھوڑ دیا۔ یہاں سے ابومعاویہ راوی کی حدیث کا اضافہ ہے کہ: پھر تمہاری ادائے صلوٰۃ کے طریقے مختلف ہوگئے، پس کاش ان چار رکعات کے بجائے مجھے دو قبول کی جانے والی رکعات مل جائیں۔ اعمش نے کہا کہ معاویہ بن حرّہ نے مجھے اپنے اساتذہ سے روایت کرکے بتایا کہ عبداللہ رضہ نے چار رکعتیں پڑھیں، راوی نے کہا کہ عبداللہ سے پوچھا گیا: آپ نے حضرت عثمان رضہ پر اعتراض

کیا پھر خود بھی چار رکعات پڑھیں؟ تو عبداللہ رضؓ نے فرمایا: مخالفت فتنے اور شر کا باعث ہے (بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اسے مختصراً اور مطولاً روایت کیا ہے)

شرح: خطابی معالم السنن میں لکھتے ہیں کہ اگر مسافر کے لیے پوری نماز پڑھنا ناجائز ہوتا تو صحابہ حضرت عثمان رضؓ کی پیروی نہ کرتے کیونکہ صحابہ کی موجودگی میں برسرِ عام (خدانخواستہ) باطل پر کسی کی پیروی بھی جائز نہ تھی۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ ان کے نزدیک اتمام جائز تھا گو ان میں سے زیادہ تر کے نزدیک قصر ہی مختار تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پہلے تو عبداللہ بن مسعود رضؓ نے نکیر کی اور پھر اپنے دوسرے فعل پر یہ عذر پیش کیا کہ ائمہ کی مخالفت باعثِ فتنہ و شر ہے پس اگر اتمام کا کوئی جواز نہ ہوتا تو مخالفت شر نہ ہوتی بلکہ خیر ہوتی۔ مگر ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مکہ میں (نکاح کر کے) اسے وطن بنا لیا تھا لہٰذا نماز قصر نہ پڑھی۔ اور زہری سے روایت ہے کہ: حضرت عثمان رضؓ نے طائف میں کچھ جائداد خرید لی تھی اور وہاں (کچھ دن) مقیم ہونے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ابن عباسؓ کا مذہب یہی ہے کہ مسافر جب گھر والوں میں آئے (خواہ وہ کہیں ہوں) تو نماز پوری پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر صحرا میں اس کے مواشی ہوں اور ان میں جائے تو بھی وہ مقیم ہوگا یہی مذہب احمد بن حنبل کا بھی ہے۔

مولاناؒ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اتمام صلوٰۃ پر بحث کرتے ہوئے سب سے بہتر توجیہ جو نقل کی ہے وہ حافظ ابن حجرؒ نے ابن بطال سے نقل کی ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کا یہ مذہب تھا کہ سفر میں رباعی نماز کا قصر واجب نہیں ہے بلکہ ایک رخصت ہے۔ پس انہوں نے پہلے تو رخصت پر عمل کیا اور پھر عزیمت پر۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ اس توجیہ کی بناء پر حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا مذہب اس مسئلہ میں شافعیہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ اگلی احادیث میں اس مسئلہ پر مزید کلام آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کا یہ قول کہ: اَلْخِلَافُ شَرٌّ نہایت باریک بینی، احتیاط اور دیانت پر مبنی ہے۔ یعنی جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے باوجودیکہ انہوں نے حضرت عثمان رضؓ پر نکیر بلکہ تعریض بھی کی مگر جہاں تک اختلافِ رائے سے آگے مخالفت کا تعلق ہے وہ ایک فتنہ ہے۔ کاش! صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بعد اتنی دقتِ نظر اور اتنی وسعتِ عیال باقی ہوتی تو مسلمان فرقہ پرستی کی لعنت میں گرفتار نہ ہوتے یا یہ کہ ان میں فرقہ بندی اتنی شدید نہ ہوتی۔

۱۹۶۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ اَنَّ عُثْمَانَ اِنَّمَا صَلَّى بِمِنًى اَرْبَعًا لِاَنَّهُ اَجْمَعَ عَلَى الْاِقَامَةِ بَعْدَ الْحَجِّ۔

زہری سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت اس لیے ادا کیں کہ وہ حج کے بعد مکہ میں اقامت کا ارادہ کر چکے تھے۔

شرح: منذری نے زہری کی روایت کو منقطع کہا ہے کیونکہ زہری نے حضرت عثمان رضؓ کو نہیں پایا۔ لیکن اگر اسے روایت نہ سمجھا جائے محض امام زہری کا قول اور تاویل سمجھا جائے تو زہری کا بیان ایک نہایت معقول وجہ رکھتا

ہے۔ حاصل اس کا بقول مولانا رح یہ ہے کہ حضرت عثمان نے جب مکہ میں نکاح کر لیا اور طائف میں کچھ جائداد بنا لی تو حج کے بعد کچھ دن وہاں رہنے کی نیت کر لی لہذا وہ مسافر نہ رہے بلکہ مقیم ہو گئے۔ اس صورت میں یہ اعتراض بھی غلط ہو جاتا ہے کہ عثمان رض مہاجرین اولین میں سے تھے، بلکہ انہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں اور ہجرت کر جانے والے کو چھوڑے ہوئے مقام میں دوبارہ بس جانا حرام اور ممنوع ہے، حضرت عثمان رض، ظاہر ہے کہ مستقلاً تو مکہ میں قیام کا ارادہ نہیں کر چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فتح مکہ کے موقع پر وہاں پندرہ دن مقیم رہے تھے۔ ابن عباس رض طائف کے امیر تھے اور وہیں پر انہوں نے وفات پائی تھی، اور اسی طرح حضرت علی رض نے کوفہ میں وفات پائی نہ کہ مدینہ میں۔ بعض کا خیال یہ بھی ہے کہ جب تک ہجرت فرض تھی اس وقت تک یہی حکم تھا، جب سارا عرب دارالاسلام بن گیا تو پہلا حکم باقی نہ رہا تھا۔

۱۹۶۲۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِنَّ عُثْمَانَ صَلَّى أَرْبَعًا لِأَنَّهُ اتَّخَذَهَا وَطَنًا۔

ابراہیم نخعی نے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری نماز اس لیے پڑھی تھی کہ انہوں نے مکہ کو وطن بنا لیا تھا (یعنی وہاں پر نکاح کے باعث مکہ ان کے لیے وطن ثانی ہو گیا تھا۔ مولانا رح نے فرمایا کہ یہ تاویل حنفیہ کے مسلک کے زیادہ موافق ہے۔ منذری رح کے بقول ابراہیم نخعی کا یہ قول بھی روایۃً منقطع ہے کیونکہ انہوں نے حضرت عثمان رض کو نہیں دیکھا تھا۔ مگر جیسا کہ اوپر کہا گیا ابراہیم یا زہری حضرت عثمان رض سے روایت نہیں کر رہے بلکہ ان کے اس فعل کی تاویل بتا رہے ہیں۔

۱۹۶۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ لَمَّا اتَّخَذَ عُثْمَانُ الْأَمْوَالَ بِالطَّائِفِ وَأَرَادَ أَنْ يُقِيمَ بِهَا صَلَّى أَرْبَعًا قَالَ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ الْأَئِمَّةُ بَعْدَهُ۔

زہری سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان رض نے طائف میں جائداد بنائی اور وہاں پر اقامت کا ارادہ کیا تو پوری نماز چار رکعت پڑھی۔ زہری نے کہا پھر ان کے بعد ائمہ نے اسے اختیار کیا (یعنی بنی امیہ کے وہ حکام جو شاید مکہ میں مقیم تھے انہوں نے پوری نماز پڑھنی شروع کی)۔

۱۹۶۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَتَمَّ الصَّلٰوةَ بِمِنًى مِنْ أَجْلِ الْأَعْرَابِ لِأَنَّهُمْ كَثُرُوا عَامَئِذٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ أَرْبَعًا لِيُعَلِّمَهُمْ أَنَّ الصَّلٰوةَ أَرْبَعٌ

زہری سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضؓ نے اُن بدو لوگوں کی وجہ سے منیٰ میں پوری نماز پڑھی جو اس سال کثرت سے آئے تھے پس انہوں نے لوگوں کو چار رکعت نماز پڑھائی تاکہ انہیں یہ تعلیم دیں کہ نماز در اصل چار رکعت ہے (ممکن ہے اسی سال اتفاق سے یہ بھی ایک سبب بن گیا ہو اور مکہ میں تأہل کے باعث مقیم ہونے کی نیت کے ساتھ یہ بھی مل گیا ہو۔ ورنہ صرف یہ سبب چار رکعات پڑھانے کا باعث نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ حضورؐ کے آخری حج کے موقع پر بے شمار دیہاتی اور صحرائی لوگ جمع تھے مگر آپؐ نے دو ہی رکعات پڑھائیں)

بَابُ الْقَصْرِ لِأَهْلِ مَكَّةَ

(اہل مکہ کے لیے قصر کا باب)

۱۹۶۵ - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا أَبُو إِسْحٰقَ حَدَّثَنِي حَارِثَةُ ابْنُ وَهْبٍ الْخُزَاعِيُّ وَكَانَتْ أُمُّهُ تَحْتَ عُمَرَ فَوَلَدَتْ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى وَالنَّاسُ أَكْثَرُ مَا كَانُوا فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔

حارثہ بن وہبؓ خزاعی جس کی والدہ (پہلے خاوند کی وفات کے بعد) حضرت عمرؓ کے نکاح میں تھی اور اُس سے حضرت عمرؓ کا بیٹا عبید اللہؓ بن عمر پیدا ہوا تھا، نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام منیٰ میں نماز پڑھی اور لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، پس حضورؐ نے ہمیں حجۃ الوداع میں دو رکعت نماز پڑھائی (بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ابوداؤد نے کہا کہ حارثہؓ بنی خزاعہ میں سے تھا اور ان کی رہائش مکہ میں تھی۔ حارثہ بن وہبؓ عبید اللہ بن عمرؓ کا ماں شریک بھائی تھا)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ حارثہ کے اس قول میں فَصَلّٰی بِنَا رَكْعَتَيْنِ، اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ مکی منیٰ میں نماز قصر کرے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں مسافر تھے اس لیے آپ نے مسافر کی نماز پڑھی۔ شاید اگر حارثہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتا تو حضورؐ اسے اتمام کا حکم دیتے۔ بعض دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ جگہوں میں بعض امور کا بیان ترک کر دیتے تھے کیونکہ اس سے پہلے اسے بیان فرما چکے ہوتے تھے۔ خاص کر اس قسم کا عام اور ظاہر معاملہ جسے ہر کوئی جانتا ہے۔ اور عمر بن الخطابؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل مکہ کو نماز قصر پڑھا کر فرما دیتے تھے کہ اے مکہ والو! اپنی نماز پوری کر لو کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں۔

خطابی کہتے ہیں کہ اس امر میں علماء میں کچھ اختلاف ہوا ہے۔ پس شافعی نے کہا کہ امام اور مسافر سب قصر کریں اور امام کی نماز ختم ہو تو مکہ والے اٹھ کر اپنی نماز مکمل کر لیں، پس سفیان اور احمد اور حنفیہ کا قول ہے اور یہی عطاء

مجاہد اور زہری سے مروی ہے۔ اور مالک اور اوزاعی کا مذہب یہ ہے کہ امام جب قصر کرے گا تو مکہ والے یا دوسرے سب لوگ بھی قصر کریں گے۔ پھر خطابی نے اپنی سند سے ولید بن مسلم کا قول نقل کیا ہے کہ میں مکہ گیا اور اسکا حاکم محمد بن ابراہیم تھا اور اُسے حکم ملا تھا کہ منیٰ اور عرفہ میں نماز قصر کرے، پس اس نے قصر نماز پڑھائی تو سفیان ثوری نے اٹھکر نماز لوٹائی اور ابن جریج نے پہلی دو رکعات پر دو اور کا اضافہ کرکے چار پڑھ لی۔ پھر میں مدینہ میں داخل ہوا، مالک بن انس سے ملا اور یہ واقعہ انہیں سنایا۔ مالک نے کہا: امیر نے درست کیا اور ابن جریج نے خطا کی۔ پھر میں شام میں پہنچا اوزاعی سے ملا اور انہیں یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا: مالک نے درست کہا، امیر نے درست کیا اور سفیان اور ابن جریج نے غلطی کی۔ پھر میں مصر گیا اور شافعی سے ملا اور یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا: امیر نے غلطی کی، مالک نے غلطی کی، اوزاعی نے غلطی کی اور سفیان اور ابن جریج نے درست کیا۔ خطابی نے کہا کہ ابن جریج نے تو اپنی پہلی دو رکعتوں پر بناء کی کیونکہ اس کا مذہب یہ تھا کہ فرض والا نفل والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ سفیان نے نماز کا اعادہ اس لیے کیا کہ اس کے نزدیک فرض والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہ تھی اور امیر کی نماز اس کے نزدیک نفل تھی کیونکہ وہ مکہ کا والی تھا اور مکہ میں مقیم تھا، اس پر قصر نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سفیان نے نماز لوٹائی۔ اور اس مسئلے میں حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ حارثہ رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ نہیں کہ مقیم لوگوں نے بھی دو ہی رکعات پڑھی تھیں۔ یہ مسئلہ تو سب کو معلوم ہے کہ مقیم مقتدی ہو تو امام کے سلام کے بعد نماز پوری کرے گا۔ دوسرے یہ بھی ثابت نہیں کہ حارثہ رضی اللہ عنہ کی رہائش اس وقت بھی مکہ میں تھی، تیسرے صَلّیت ہے کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے خود بھی دو رکعات پڑھیں اور دوسرے سب مسافروں نے بھی، یہ ضروری نہیں کہ وہ خود بھی اس میں شامل ہو۔

بَابٌ فِي رَمْيِ الْجِمَارِ

(یہ باب رمی جمار میں ہے)

۱۹۶۶ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ أَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ عَنْ أُمِّهِ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي وَهُوَ رَاكِبٌ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَرَجُلٌ مِّنْ خَلْفِهِ يَسْتُرُهُ فَسَأَلْتُ عَنِ الرَّجُلِ فَقَالُوا الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ وَازْدَحَمَ النَّاسُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا يَقْتُلْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَإِذَا رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ فَارْمُوا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ۔

اُمِّ جندب رضی اللہ عنہا ازدیہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وادی کے وسط میں جمرہ پر رمی کرتے دیکھا اور آپ اس وقت اونٹنی پر سوار تھے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور ایک آدمی پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا۔ پس میں نے اس مرد کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے کہا وہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ ہے۔ اور لوگوں نے بھیڑ ڈال دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! ایک دوسرے کو (بڑے بڑے پتھروں) مت مار دینا اور جب جمرہ پر رمی کرو تو چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے ساتھ رمی کرو (ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: منذری نے کہا کہ سلیمان کی ماں ام جندب رضی اللہ عنہا ازدیہ تھی، اس حدیث کے بعض طرق میں یہ نام واضح طور پر آیا ہے۔ یزید بن ابی زیاد ایک ضعیف راوی ہے، آخری عمر میں مختلط ہو گیا تھا اور سلیمان بن الاحوص کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا۔ سلیمان کا باپ عمرو بن الاحوص صحابی تھا۔

۱۹۶۷ - حَدَّثَنَا أَبُو ثَوْرٍ إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ وَوَهْبُ بْنُ بَيَانٍ قَالَا نَا عَبِيدَةُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ عَنْ أُمِّهِ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ رَاكِبًا وَرَأَيْتُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ حَجَرًا فَرَمَى وَرَمَى النَّاسُ۔

اُمِّ جندب نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرۂ عقبہ کے پاس دیکھا، آپ سوار تھے اور میں نے آپ کی انگلیوں میں ایک پتھر (کنکر) تھا، پس آپ نے رمی کی تو لوگوں نے بھی کی۔

۱۹۶۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ نَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ بِإِسْنَادِهِ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ زَادَ وَلَمْ يَقُمْ عِنْدَهَا۔

اسی حدیث کی ایک اور روایت میں یہ لفظ زائد ہے: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ کے پاس نہیں ٹھہرے (بلکہ رمی کے بعد اپنی فرودگاہ پر تشریف لے گئے)

۱۹۶۹ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا عَبْدُ اللهِ يَعْنِي ابْنَ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي الْجِمَارَ فِي الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ مَاشِيًا ذَاهِبًا وَرَاجِعًا وَيُخْبِرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔

ابن عمر رضہ سے روایت ہے کہ وہ (یعنی ابن عمر رضہ) تینوں دنوں میں جمروں پر یوم النحر کے بعد آمد و رفت میں پیدل آتے تھے اور بتاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے (منذری نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن عمر بن حفص عمری متکلم فیہ ہے اور مسلم نے اس کی روایت اس کے بھائی عبیداللہ کے ساتھ ملا کر لی ہے۔

۱۹۷۰ - حَدَّثَنَا ابْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي عَلَى رَاحِلَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى فَأَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَبَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ ۔

ابو الزبیر نے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو کہتے سُنا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم النحر میں بوقت چاشت اپنی سواری پر بوقتِ چاشت رمی کرتے دیکھا۔ مگر اس کے بعد زوالِ آفتاب کے بعد رمی کرتے تھے (اس مسئلے پر سب علماء کا اجماع ہے اور یہ حدیث مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے)

۱۹۷۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي عَلَى رَاحِلَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ يَقُولُ لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ قَالَ لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِهِ ۔

ابو الزبیر نے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضہ کو کہتے سُنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم النحر میں اپنی سواری پر رمی کرتے دیکھا آپ فرماتے تھے کہ: اپنے مناسک حج مجھ سے سیکھ لو، حضورؐ نے فرمایا کہ شاید اس کے بعد میں حج نہ کروں۔ (یہ بعض نسخوں کی حدیث ہے جو ابو داؤد کے حاشئے پر درج ہے اسے مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

۱۹۷۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ نَا سُفْيَانُ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ وَبْرَةَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ مَتَى أَرْمِي الْجِمَارَ قَالَ إِذَا رَمَى إِمَامُكَ فَارْمِ فَأَعَدْتُ عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ فَقَالَ كُنَّا نَتَحَيَّنُ زَوَالَ الشَّمْسِ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا ۔

وبرہ بن عبدالرحمان سلمی نے کہا کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا: میں رمی کب کروں؟ انہوں نے کہا کہ جب تیرا امام (حج) رمی کرے تو تو بھی کر۔ پھر میں نے یہ سوال ان سے دوبارہ کیا تو کہا: ہم زوال آفتاب کے منتظر رہتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے تھے (اس حدیث کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے) یہ سوال یوم النحر کے بعد تین دن کی رمی کے متعلق تھا۔

۱۹۷۳ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ الْمَعْنَى قَالَا نَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَفَاضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ حِينَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مِنًى فَمَكَثَ بِهَا لَيَالِيَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ يَرْمِي الْجَمْرَةَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ كُلَّ جَمْرَةٍ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَيَقِفُ عِنْدَ الْأُولَى وَالثَّانِيَةِ فَيُطِيلُ الْقِيَامَ وَيَتَضَرَّعُ وَيَرْمِي الثَّالِثَةَ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج ڈھل جانے کے بعد ظہر کی نماز (مکہ میں) پڑھ کر طواف افاضہ کیا پھر آپ منیٰ کو واپس تشریف لائے پھر وہاں پر ایام تشریق میں ٹھہرے رہے، زوالِ آفتاب کے بعد جمرہ کی رمی کرتے تھے، ہر جمرے پر سات کنکریاں مارتے تھے۔ ہر کنکرے کے ساتھ تکبیر کہتے اور پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس ٹھہرتے اور طویل قیام کرتے اور عاجزی سے دعائیں کرتے اور تیسرے پر کنکریاں مارتے تو اس کے پاس نہ ٹھہرتے تھے۔

شرح: یہ حدیث جابرؓ کی طویل حدیث کے موافق ہے۔ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اسی دن مکہ سے واپس ہوئے پھر ظہر پڑھی۔ بیہقی نے معرفت میں کہا ہے کہ ابن عمرؓ کی حدیث سند کے اعتبار سے اس حدیث سے صحیح تر ہے۔ مگر منذری نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے اور اسے ابن حبان نے اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور اسے صحیح علی شرط مسلم کہا ہے۔

۱۹۷۴ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَعْنَى قَالَا نَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا انْتَهَى إِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى جَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ وَ

مِنًى عَنْ يَمِينِهِ وَرَمَى الْجَمْرَةَ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ وَقَالَ هٰكَذَا رَمَى الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ۔

عبدالرحمٰن بن یزید یدرضؓ نے کہا کہ ابن مسعودؓ جب بڑے جمرے پر پہنچے تو بیت اللہ کو بائیں ہاتھ پر اور منیٰ کو دائیں ہاتھ پر رکھا اور جمرہ پر سات کنکریاں ماریں اور کہا: جس ذات پر سورۃ البقرہ اُتری تھی اُس نے یوں رمی کی تھی (اسے بخاری نے کتاب الحج میں تین بار اور مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا) ابن مسعودؓ نے خاص طور پر سورۂ بقرہ کا ذکر اس لیے کیا کہ اس میں مناسک حج کا ذکر ہے۔

۱۹۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ ح وَنَا ابْنُ السَّرْحِ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ يَرْمُونَ الْغَدَ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ بِيَوْمَيْنِ وَيَرْمُونَ يَوْمَ النَّفْرِ۔

عاصم بن عدی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے چرواہوں کو منیٰ کے علاوہ باہر رات گزارنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ یوم النحر کی رمی کرتے پھر اگلے دن رمی کرتے اور اس کے بعد اگلے روز رمی کرتے یعنی دو دن کے لیے اور پھر یوم النحر یعنی ۱۳ کی رمی کرتے تھے (ترمذی، النسائی، ابن ماجہ اور مؤطا میں بھی یہ حدیث آئی ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ یہ رخصت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شرعی ضرورت سے صرف اونٹوں کے چرواہوں کو دی تھی، کسی اور کا یہ حکم نہیں ہے۔ مسند کی روایت میں ہے کہ انہیں یہ اجازت دی گئی تھی کہ یوم النحر کی رمی کے بعد اگلے روز یا اس کے اگلے روز دو دن کی اکٹھی رمی کرتے اور پھر آخری دن کی رمی کرتے۔

۱۹۷۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَمُحَمَّدٍ ابْنَيْ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِمَا عَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا وَيَدَعُوا يَوْمًا۔

عاصم بن عدی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو اجازت دے دی تھی کہ ایک دن

رمی کریں اور ایک دن چھوڑ دیں (یوم النحر کی رمی کریں پھر ۱۲ کو دو دن کی اکٹھی رمی کریں اسے ترمذی نے بھی روایت کیا ہے)

۱۹۷۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ نَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ نَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مِجْلَزٍ يَقُولُ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ الْجِمَارِ فَقَالَ مَا أَدْرِي أَرَمَاهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسِتٍّ أَوْ بِسَبْعٍ ـ

ابو مجلز کہتے تھے کہ میں نے ابن عباس رضہ سے جمار کے متعلق کچھ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ کنکریاں پھینکی تھیں یا سات (یہ حدیث نسائی میں بھی موجود ہے۔ اور کئی حدیثوں میں سات کا عدد مذکور ہے پس اُمت کا عمل سات کنکریوں پر ہے جو جابر رضہ، ابن مسعود رضہ اور حضرت عائشہ رضہ کی احادیث سے ثابت ہے)

۱۹۷۸ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ نَا الْحَجَّاجُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَمَى أَحَدُكُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا حَدِيثٌ ضَعِيفٌ الْحَجَّاجُ لَمْ يَرَ الزُّهْرِيَّ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ ـ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب تم میں سے کوئی جمرۂ عقبہ پر رمی کرے تو اس کے لیے بیوی کے سوا سب (ممنوع یعنی احرام کی حالت میں) چیزیں حلال ہو گئیں۔ ابوداؤد کہا یہ حدیث ضعیف ہے، حجاج نے زہری کو نہیں دیکھا اور نہ اس سے کچھ سُنا (یعنی یہ حدیث منقطع ہے بیہقی نے یہ حدیث ایک اور طریق سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے رمی کی اور حلق کرا لیا تو تمہارے لیے خوشبو اور کپڑے اور ہر (احرام کی ممنوع) چیز حلال ہے سوائے عورتوں کے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ حاجی کے ساتھ ہدی نہ ہو ورنہ جانور ذبح کر کے ہی حلال ہو گا)

بَابُ الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ

(سر منڈانے اور بال کٹوانے کا باب)

۱۹۷۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالْمُقَصِّرِيْنَ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالْمُقَصِّرِيْنَ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرما، لوگوں نے کہا یا رسول اللہ: اور بال کٹوانے والوں پر بھی۔ آپؐ نے فرمایا: اے اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرما۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اور بال کتروانے والوں پر بھی۔ آپؐ نے فرمایا: اور بال کتروانے والوں پر بھی (بخاری، مسلم اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: اس حدیث میں تو مقصرین کے لیے دوسری مرتبہ میں دعاء فرمائی ہے مگر بیہقی کی روایت میں مقصرین کا ذکر چوتھی مرتبہ ہوا ہے ظاہر ہے کہ اس دعاء میں حلق کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور اس کی ترغیب پائی جاتی ہے کیونکہ حق عبادت میں بلیغ تر اور خضوع میں واضح تر اور صدقِ نیت پر زیادہ دلالت کرتا ہے کیونکہ سر منڈوا دینا گویا ہر زینت سے فارغ ہوجاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ صلحاء نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ توبہ کے وقت حلق کرایا جائے۔ امام مالک اور احمد کے نزدیک سارا سر منڈوانا واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے اور شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ پھر مقدار میں اختلاف ہوا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ¼ مگر ابو یوسف نے ½ کہا۔ شافعی نے کہا کہ کم از کم تین بال منڈوانا واجب ہے اور ان کے بعض اصحاب نے ایک بال تک بھی کہا ہے۔ اور تقصیر (بال کٹوانا) بھی حلق کی مانند ہے یعنی افضل سارے سر کے بالوں کو کٹوانا ہے اور مستحب یہ ہے کہ انگلی کے پور سے کم نہ کٹوائے۔ اس پر اجماع ہے کہ عورتوں کے حق میں تقصیر ہی مشروع ہے جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے۔

محدث علی القاری نے مرقات وغیرہ میں لکھا ہے کہ بخاری و مسلم وغیرہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء میں قصر کرایا تھا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ دونوں کے جواز پر دلالت کرتا ہے مگر حلق افضل ہے اجماعًا۔ اور بظاہر اس کے سارے سر کا حلق ثابت ہوتا ہے۔ اور حضورؐ نے یہ جو فرمایا: خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ، سو یہ ثابت نہیں ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اصحاب کرام نے سر کے صرف بعض حصے پر اکتفاء کیا ہو۔ اس مسئلے کا قیاس مسح پر کرنا غلط ہے کیونکہ مسح میں باء استعمال ہوئی ہے جو تبعیض پر دلالت کرتی ہے: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ اور حدیث میں مسح ناصیہ کا لفظ موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مسح میں سر کے بعض حصے پر اکتفاء جائز ہے اور اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں آئی۔ لیکن حلق کا مسئلہ اس کے خلاف ہے کیونکہ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ میں اور وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى الخ میں باء تعدیہ نہیں آئی، اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب

سے یہ ثابت ہوا ہے کہ انہوں نے سر کے بعض حصے کے حلق پر اکتفاء کیا ہو۔ بلکہ قزعہ سے نہی وارد ہے خواہ بچوں کا ہی کیوں نہ ہو۔ اور قزعہ کا معنی یہی ہے کہ سر کا کچھ حصہ مونڈھ دیا جائے اور باقی چھوڑ دیں۔ پس ظاہر تو یہی کہ بقول امام مالک۔ آدمی اس وقت تک احرام سے نہیں نکلتا جب تک کہ سارا سر نہ منڈوائے اور حنفیہ میں سے ابن الہمام کا بھی یہی قول ہے،

مولانا نے فرمایا کہ اس اشکال کا جواب یہ دیا جا سکے کہ مشکوٰۃ المصابیح میں ایک حدیث مروی ہے کہ ابن عباس رضؓ نے کہا مجھ سے معاویہ رضؓ نے بیان کیا کہ میں نے مروہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال ایک بڑے تیر کے پھل سے کاٹے تھے۔ پس بظاہر اس حدیث کے الفاظ قصّرت من رأس النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مِن کا لفظ تبعیض ظاہر کرتا ہے۔ اور مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ معاویہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے اطراف میں سے کچھ کاٹے تھے۔ پس اگر یہ حدیث ثابت ہے تو اس سے حلق وقصر کی تبعیض ثابت ہو جاتی ہے۔

۱۹۸۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا يَعْقُوبُ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ رَأْسَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔

ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر منڈوایا تھا۔ (بخاری، مسلم اور ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے)

۱۹۸۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ نَا حَفْصٌ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ بِمِنًى فَدَعَا بِذِبْحٍ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ فَأَخَذَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ فَحَلَقَهُ فَجَعَلَ يَقْسِمُ بَيْنَ مَنْ يَلِيهِ الشَّعْرَةَ وَالشَّعْرَتَيْنِ ثُمَّ أَخَذَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْسَرِ فَحَلَقَهُ ثُمَّ قَالَ هٰهُنَا أَبُو طَلْحَةَ فَدَفَعَهُ إِلَى أَبِي طَلْحَةَ۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کو جمرۂ عقبہ پر رمی کی پھر منیٰ میں اپنی فرودگاہ کی طرف واپس آئے، پس بھیڑ بکریوں کو قربان کرنے کیلئے منگوایا اور انہیں ذبح کیا۔ پھر سر مونڈھنے والے کو بلایا تو اس نے آنجناب کے سر کی دائیں جانب کو پکڑا اور مونڈھ دیا اور اپنے قریب والوں میں ایک

ایک دو بال تقسیم کر دیئے۔ پھر حضورؐ کے سر کی بائیں جانب کو پکڑا اور اسے مونڈھ دیا پھر حضورؐ نے فرمایا: کیا ابو طلحہؓ یہاں ہے؟ پس یہ بال ابو طلحہؓ کو عطا فرما دیئے۔ (بخاری، مسلم، نسائی اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سب اُمور میں حتیٰ کہ سر منڈوانے میں بھی تیمن (دائیں طرف سے شروع کرنا) مستحب ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہی پسند تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ گو حضورؐ کے یہ بال بطور تبرک تقسیم ہوئے تھے مگر بنی آدم کے بال طاہر ہیں اور اس طہارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور حضورؐ نے جو سر منڈوانے والوں کے لیے دعا فرمائی تھی اس میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ جن لوگوں نے اپنے سر میں تلبید (بالوں کو چپکانا اور جمانا) کی ہوئی تھی یہ ان کے لیے تھا، اور جس نے تلبید نہ کی ہو اس کے لیے قصر کافی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبید کر رکھی تھی۔ اور ایک حدیث بھی ہے کہ جس نے اپنا سر بلند کیا ہو وہ حلق کرائے (یہ ابن عمر اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے)

مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث میں فَدَعَا بِذِبْحٍ فَذَبَحَ آیا ہے۔ ذِبح ان بھیڑ بکریوں کو کہا جاتا ہے جنہیں ذبح کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آنجنابؐ نے حجۃ الوداع میں اونٹوں کا نحر کیا تھا اور یوم النحر میں بھیڑ بکری کا ذبح کرنا ثابت نہیں ہوا۔ پس ظاہر یہ ہے کہ ذبح سے مراد اونٹ اور انہی کو نحر کیا گیا تھا۔ یہی حدیث مسلم میں ابوداؤد کی سند اور الفاظ سے مروی ہے مگر اس میں نحر کا لفظ ہے اور بیہقی کی اس حدیث کی روایت میں بھی نحر کا لفظ آیا ہے ذبح کا نہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ غالباً کسی راوی کا تصرف ہے کہ سنن ابی داؤد میں ذبح کے الفاظ روایت کر دیئے۔

اس حدیث میں حسب روایت مسلم جب حضورؐ نے ابو طلحہؓ کے متعلق دریافت فرمایا اور وہ موجود نہ تھا تو آپؐ نے وہ بال اُم سلیمؓ کو دے دیئے۔ مسلم کی روایت میں بالوں کی مانند کٹے ہوئے ناخنوں کی تقسیم بھی آئی ہے۔ اور اس حدیث سے حضورؐ کے بالوں اور ناخنوں سے تبرک حاصل کرنا اور انہیں محفوظ رکھنا ثابت ہوا۔

۱۹۸۲ - حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ هِشَامٍ أَبُو نُعَيْمٍ الْحَلَبِيُّ وَعَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ الْمَعْنَى قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ بِإِسْنَادِهِ بِهَذَا قَالَ لِلْحَالِقِ ابْدَأْ بِالشِّقِّ الْأَيْمَنِ فَاحْلِقْهُ۔

ہشام بن حسان نے انہی سند سے وہی اوپر کی حدیث بیان کی اور اس میں کہا کہ: حضورؐ نے نائی سے کہا کہ سر کے دائیں طرف سے شروع کر اور اُسے مونڈھ (مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ روایت نسخۂ احمدیہ مکتوبہ میں آئی ہے اور کہیں نہیں)

۱۹۸۳ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ أَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ أَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسْئَلُ يَوْمَ مِنًى فَيَقُولُ لَا حَرَجَ فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنِّي حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ قَالَ إِنِّي أَمْسَيْتُ وَلَمْ أَرْمِ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ۔

ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ منیٰ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کئے جاتے تو آپ فرماتے: کوئی حرج نہیں۔ پس ایک آدمی نے آپ سے پوچھا: میں ذبح سے پہلے حلق کرا لیا ہے تو فرمایا: ذبح کر اور کوئی حرج نہیں۔ اس نے کہا کہ پچھلا پہر ہو گیا ہے اور میں نے رمی نہیں کی تو فرمایا: رمی کر اور کوئی حرج نہیں۔ (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے بیان کیا)

شرح: علامہ علی القاری رح کے نزدیک اس حدیث کا لفظ: اَمْسَیْتُ سے مراد بعد از غروب آفتاب ہے اور طیبی نے جو بعد العصر کہا اس پر یہ تنقید کی ہے کہ یہ تو بالاتفاق جائز ہے اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں۔ حنفیہ کا مذہب اس ضمن میں یہ ہے کہ یوم النحر میں طلوع فجر کے بعد وقتِ جواز ہے کراہت سمیت اور طلوع آفتاب سے زوال تک وقتِ مسنون ہے۔ بعد از زوال سے غروب تک بلا کراہت وقتِ جواز ہے اور رات کراہت کے ساتھ وقتِ جواز ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ قارن اور متمتع کے لیے رمی ذبح اور حلق میں ترتیب واجب ہے (حنفیہ کے ہاں) اسی طرح ذبح کی تخصیص ایام النحر کے ساتھ اور جہاں تک ذبح کی تخصیص حرم کے ساتھ ہے وہ بالاتفاق شرط پس اگر کوئی حرم سے باہر ذبح کرے تو ادا نہ ہوا جب تک کہ حرم کے اندر ذبح نہ کرے۔ اور حلق اور طواف میں پس یہ جو کہا گیا ہے کہ رمی، حلق اور طواف میں ترتیب واجب ہے یہ صحیح نہیں (علی القاری رح)

ان افعال میں حنفیہ کے نزدیک مذہبِ حق یہ ہے کہ طوافِ افاضہ کا وقت ایام نحر ہے۔ اس کا اول وقت یوم النحر کی فجر ثانی کا طلوع ہے اور اس میں حنفیہ میں اختلاف نہیں۔ اس سے قبل طوافِ افاضہ جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک لیلۃ النحر کی نصف رات اس کا پہلا وقت ہے اور یہ حد نہیں کیونکہ لیلۃ النحر ایک اور رکن کا وقت ہے یعنی وقوف عرفات کا۔ پس یہ دوسرے رکن کا وقت نہیں ہو سکتا یعنی طواف کا۔ سبب یہ ہے کہ سب ارکان کا وقت معیّن و مؤقت ہے اور انہی سے خاص ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک طوافِ افاضہ ایام النحر کے ساتھ مؤقت ہے وجوبًا، پس اگر کوئی اس سے مؤخر کر دے گا تو اس پر دم آئے گا۔ ابو یوسف اور محمد کے نزدیک یہ بالکل مؤقت نہیں حتیٰ کہ اگر کوئی اسے ایام النحر سے مؤخر کر دے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں اور یہی شافعی کا قول ہے ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رمی سے پہلے ذبح کرنے والے سے حضور ؐ نے فرمایا تھا۔ اِرْمِ وَلَا حَرَجَ۔ اور اس دن حضور ؐ سے افعالِ حج کی تقدیم و تاخیر کے متعلق جو سوال بھی ہوا اس کا جواب حضور ؐ نے یہی دیا کہ: کرلو کوئی حرج نہیں۔ اس سے پتہ چلا ان افعال کا آخری وقت مقرر نہیں اور نہ تاخیر سے دم واجب

ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں لفظ نفی حرج فرمایا گیا ہے، یعنی گناہ نہیں ہوا اور اس سے یہ لازم نہیں ہوا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی عذر کے باعث سر کا حلق وقت سے پہلے کرا دے تو گناہ تو نہیں ہوا مگر دم لازم آیا۔

رمی کے وقت کا جہاں تک سوال ہے پس ایام رمی چار ہیں ایک یوم النحر اور تین ایام تشریق۔ یوم النحر میں رمی کا پہلا وقت طلوع فجر ثانی کے بعد ہے، طلوع فجر سے قبل جائز نہیں۔ اس کا مستحب اول وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال سے پہلے تک ہے، یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ شافعی رح کے نزدیک لیلۃ النحر کے نصف آخر سے رمی جمار کا وقت داخل ہو جاتا ہے، جیسا کہ انہوں نے وقوف عرفہ و مزدلفہ میں بھی اسی قسم کی بات کہی ہے۔ طلوع آفتاب کے بعد ان کے نزدیک رمی کا وجوبی وقت ہے۔ سفیان ثوری نے کہا کہ طلوع آفتاب سے پہلے رمی جائز نہیں۔ اور اس کا آخری وقت دن کا آخری حصہ ہے۔ ابو حنیفہ رح نے بھی یہی کہا کہ یوم النحر میں رمی کا وقت غروب آفتاب تک پھیلا ہوا ہے۔ ابو یوسف نے کہا کہ وقت زوال تک پھیلا ہوا ہے، پس جب سورج ڈھل جائے تو وقت فوت ہو گیا۔ ابو حنیفہ نے یوم النحر کی رمی کو بھی باقی ایام کی رمی پر اعتبار کیا کیونکہ باقی دنوں میں زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک رمی کا وقت ہے۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ اگر کسی نے غروب شمس تک بھی رمی نہ کی تو وہ دوسرے دن طلوع فجر سے پہلے کرے۔ یہ کفائت کرے گی۔ اور ہمارے ائمہ کے نزدیک رمی کا وقت محدود ہے اور صاحبین اور شافعی کے نزدیک محدود نہیں۔

جہاں تک حلق کا تعلق ہے وہ زمان و مکان دونوں کیساتھ مختص ہے۔ وقت اس کا ایام نحر ہیں اور جگہ اس کی اندرون حرم ہے۔ یہ ابو حنیفہ کا قول ہے۔ ابو یوسف کے نزدیک حلق زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں، محمد بن الحسن کے نزدیک مکان کیساتھ مختص ہے زمان سے نہیں۔ زفر نے اس کے برخلاف زمان سے مختص اور مکان سے غیر مختص قرار دیا ہے۔ اگر کوئی آدمی حلق کو ایام النحر کے بعد یا حرم سے باہر کرے تو ابو حنیفہ کے نزدیک دم واجب ہے۔ ابو یوسف کے نزدیک دونوں میں سے کسی صورت میں دم واجب نہیں۔ محمد کے ہاں مکان میں دم واجب ہے زمان میں نہیں اور زفر کے نزدیک اس کے برعکس ہے۔

جہاں تک ذبح کا سوال ہے وہ قارن اور متمتع پر واجب ہے مفرد پر نہیں۔ اس کے لیے مکان یعنی حرم مقرر ہے اللہ تعالے نے فرمایا: أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ۔ اور محل سے مراد حرم ہے اور مراد اس سے ہدیٔ متمتع ہے۔ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ اور ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو بیت اللہ کی طرف بطور نیاز و تحفہ لے جایا جائے۔ اور زمانہ اس کا ایام نحر ہیں، اگر کوئی ان سے پہلے ذبح کر دے تو جائز نہیں کیونکہ اضحیہ کی مانند وہ بھی ایام نحر کے ساتھ مختص ہے۔

۱۹۸۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَتَكِيُّ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ بَلَغَنِي عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ بْنِ عُثْمَانَ قَالَتْ أَخْبَرَتْنِي أُمُّ عُثْمَانَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ حَلْقٌ إِنَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيرُ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں پر حلق نہیں، عورتوں پر صرف تقصیر ہے (اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے جسے بَلَغَنِي کا لفظ ظاہر کر رہا ہے۔ عورتوں کے لیے انگلی کی پور کے برابر تقصیر واجب ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بتایا ہے۔ ترمذی میں عورت کو سر منڈانے کی نہی وارد ہے)

۱۹۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو يَعْقُوبَ الْبَغْدَادِيُّ ثِقَةٌ نَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جُبَيْرِ ابْنِ شَيْبَةَ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ أَخْبَرَتْنِي أُمُّ عُثْمَانَ بِنْتُ أَبِي سُفْيَانَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ الْحَلْقُ إِنَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيرُ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے ذمہ حلق نہیں، ان پر صرف تقصیر ہے۔

بَابُ الْعُمْرَةِ

(عمرہ کا باب)

۱۹۸۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا مُخَلَّدُ بْنُ يَزِيدَ وَيَحْيَى ابْنُ زَكَرِيَّا عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی ادائیگی سے قبل عمرہ ادا فرمایا تھا (بخاری نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: لغت میں عمرہ کا معنیٰ زیارت ہے۔ شافعی اور احمد وغیرہ کے نزدیک یہ واجب ہے، مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ عمرہ نفل ہے اور حنفیہ کا قول اس میں مختلف ہوا ہے۔ بدائع میں اسے واجب لکھا اور جس نے مسنون کہا ہے اس کی مراد یہ ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہوا ہے۔ جو احادیث عمرہ کے واجب یا فرض ہونے میں پیش کی گئی ہیں ان میں سے اکثر معلول ہیں۔ حنفیہ نے ترمذی کی حدیث سے

استدلال کیا ہے جسے اس نے حسن صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کے جواب میں فرمایا تھا عمرہ واجب نہیں ہاں اس کا ادا کرنا بہتر ہے۔

۱۹۸۷ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ عَنِ ابْنِ أَبِي زَائِدَةَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَاللهِ مَا أَعْمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ فِي ذِي الْحِجَّةِ إِلَّا لِيَقْطَعَ بِذٰلِكَ أَمْرَ أَهْلِ الشِّرْكِ فَإِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنْ قُرَيْشٍ وَ مَنْ دَانَ دِيْنَهُمْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ إِذَا عَفَا الْوَبَرُ وَبَرَأَ الدَّبَرُ وَدَخَلَ صَفَرُ فَقَدْ حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرَ فَكَانُوْا يُحَرِّمُوْنَ الْعُمْرَةَ حَتّٰى يَنْسَلِخَ ذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ میں حضرت عائشہ کو صرف اس لیے عمرہ کرایا تھا کہ اس طرح اہل شرک کے خیال اور رسم کو توڑ دیں۔ قریش اور ان کے ہم مذہب کہا کرتے تھے: جب اونٹوں کی پشت کے بال کثرت سے اُگ آئیں اور ان کی پشت کا زخم درست ہو جائے اور ماہ صفر داخل ہو جائے تو عمرہ کرنے والوں کے لیے عمرہ حلال ہو جاتا ہے، پس وہ ذوالحجہ اور محرم میں عمرہ حرام قرار دیتے تھے (اس کا کچھ حصہ بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے)

۱۹۸۸ - حَدَّثَنَا أَبُوْ كَامِلٍ نَا أَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَنِي رَسُوْلُ مَرْوَانَ الَّذِيْ أَرْسَلَ إِلَى أُمِّ مَعْقِلٍ قَالَتْ كَانَ أَبُوْ مَعْقِلٍ حَاجًّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَتْ أُمُّ مَعْقِلٍ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ عَلَيَّ حَجَّةً فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ حَتّٰى دَخَلَا عَلَيْهِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ عَلَيَّ حَجَّةً وَإِنَّ لِأَبِي مَعْقِلٍ بَكْرًا قَالَ أَبُوْ مَعْقِلٍ صَدَقَتْ جَعَلْتُهُ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطِهَا فَلْتَحُجَّ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ

فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاَعْطَاہُ الْبَکْرَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّی امْرَاَۃٌ قَدْ کَبِرْتُ وَسَقِمْتُ فَھَلْ مِنْ عَمَلٍ یُجْزِئُ عَنِّیْ مِنْ حَجَّتِیْ قَالَ عُمْرَۃٌ فِیْ رَمَضَانَ تُجْزِئُ حَجَّۃً

ابو بکر بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ مروان نے جو قاصد اُمِ معقل رضؓ کے پاس بھیجا تھا اُس نے مجھے بتایا کہ اُمِ معقل رضؓ نے کہا: ابو معقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کو گیا ہوا تھا، جب وہ واپس آیا تو اُمِ معقل نے کہا کہ مجھے معلوم ہے میرے ذمہ حج ہے۔ پس وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اُمِ معقل رضؓ نے کہا یا رسول اللہ میرے اوپر حج ہے اور ابو معقل کے پاس ایک جوان اونٹ ہے۔ ابو معقل رضؓ نے کہا: اس نے سچ کہا، میں نے وہ اونٹ خدا کی راہ میں (جہاد کے لیے) ٹھہرا رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اونٹ اسے دے دو تاکہ یہ اُس پر حج کرے کیونکہ یہ بھی فی سبیل اللہ ہے، پس ابو معقل نے وہ اونٹ اسے دے دیا پھر اُم معقل رضؓ نے کہا یا رسول اللہ میں ایک بوڑھی بیمار عورت ہوں، کیا کوئی عمل میرے لیے حج سے کفایت کر سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: رمضان میں عمرہ کرنا حج سے کفایت کرتا ہے (نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: مروان کا قاصد معلوم نہیں ہو سکا کہ کون تھا؟ یوں اس حدیث کی سند میں انقطاع ماننا پڑتا ہے لیکن اس حدیث کی دوسری روایات سے یہ انقطاع دُور ہو جاتا ہے۔ مسند احمد میں یہ روایت ابو بکر بن عبدالرحمٰن القرشی عن معقل بن ابی معقل الخ کے طریق سے آئی ہے اور اس میں مروان کے نامعلوم الاسم قاصد کا کوئی ذکر نہیں

۱۹۸۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ الطَّائِیُّ ثَنَا اَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ الْوَھْبِیُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحٰقَ عَنْ عِیْسَی بْنِ مَعْقِلٍ قَالَ لَمَّا حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَجَّۃَ الْوَدَاعِ وَکَانَ لَنَا جَمَلٌ فَجَعَلَہٗ اَبُوْ مَعْقِلٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَصَابَنَا مَرَضٌ وَھَلَکَ اَبُوْ مَعْقِلٍ وَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ حَجِّہٖ جِئْتُہٗ فَقَالَ یَا اُمَّ مَعْقِلٍ مَا مَنَعَکِ اَنْ تَخْرُجِیْ مَعَنَا قَالَتْ لَقَدْ تَھَیَّأْنَا فَھَلَکَ اَبُوْ مَعْقِلٍ وَکَانَ لَنَا جَمَلٌ ھُوَ الَّذِیْ نَحُجُّ عَلَیْہِ فَاَوْصٰی اَبُوْ مَعْقِلٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ فَھَلَّا خَرَجْتِ فَاِنَّ الْحَجَّ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاَمَّا اِذَا فَاتَتْکِ ھٰذِہِ الْحَجَّۃُ

مَعَنَا فَاعْتَمِرِي فِي رَمَضَانَ فَإِنَّهَا كَحَجَّةٍ فَكَانَتْ تَقُولُ الْحَجُّ حَجَّةٌ وَالْعُمْرَةُ عُمْرَةٌ وَقَدْ قَالَ هٰذَا لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَدْرِي أَلِيَ خَاصَّةً ۔

ام معقل رضؓ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا اور ہمارا ایک اونٹ تھا جسے ابو معقل نے فی سبیل اللہ وقف کیا تھا اور ہمیں ایک بیماری آئی اور ابو معقل رضؓ فوت ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے گئے ۔ پس جب آپ حج سے فارغ ہو گئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُم معقل تو ہمارے ساتھ حج کو کیوں نہ گئی ؟ ام معقل رضؓ نے کہا کہ ہم نے تیاری کی تھی مگر ابو معقل رضؓ فوت ہوگیا اور ہمارا ایک اونٹ تھا جس پر ہم حج کرتے تھے، ابو معقل رضؓ نے وصیت کر دی کہ یہ فی سبیل اللہ وقف ہے ۔ حضور صؐ نے فرمایا کہ تو اسی اونٹ پر سوار ہو کر کیوں نہ گئی ۔ لیکن اب جب کہ ہمارے ساتھ تو حج نہیں کر سکی تو رمضان میں عمرہ کرلے کیونکہ وہ بھی حج کی مانند ہے ۔ ام معقل رضؓ کہتی تھیں کہ حج حج ہے اور عمرہ عمرہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا تھا، مجھے معلوم نہیں کہ یہ میرے ہی ساتھ مخصوص ہے ؟

شرح: اس حدیث میں بہت اضطراب اور شدید اختلاف ہے ۔ کیونکہ اس کی پہلی روایت میں ہے کہ ابو معقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرکے واپس آیا تھا اور اپنی بیوی کے ساتھ حضور صؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور حضور صؐ کی گفتگو ان دونوں کے ساتھ ہوئی تھی ۔ جبکہ اس دوسری روایت میں ہے کہ ابو معقل حضور صؐ کے حج کو تشریف لے جانے سے قبل ہی ہلاک ہوگیا تھا اور حج کے بعد ام معقل رضؓ اکیلی حضور صؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور حج کے بارے میں گفتگو کی تھی ۔ مولانا رحؒ فرماتے ہیں کہ مولانا محمد یحییٰؒ نے حضرت گنگوہی رحؒ کی تقریر میں اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے سوا میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی نے ان دو احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا ہو ۔ حضرت نے رحؒ فرمایا کہ معقل کے والدین کے قصے میں روایات مختلف ہیں ۔ ان کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ابو معقل رضؓ کے پاس تین اونٹ تھے ایک زراعت کی خاطر، دوسرا بار برداری کے لیے اور تیسرا وہ جسے اس نے فی سبیل اللہ وقف کیا تھا ۔ ابو معقل رضؓ اور اس کا بیٹا دونوں حج کو جانا چاہتے تھے اور ام معقل رضؓ کے پاس سواری کا انتظام نہ تھا پس ام معقل رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے اُسے اس اونٹ پر حج کرنے کی اجازت دے دی جو فی سبیل اللہ وقف تھا ۔ پھر اس فتویٰ کے بعد ابو معقل رضؓ بیمار ہوگیا اور وفات پا گیا اور ام معقل رضؓ بھی بیمار تھی، علاوہ بریں اسے عدتِ وفات کا عذر بھی تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت حج کو تشریف لے گئے اور جب واپس تشریف لائے تو ام معقل آنجنابؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور صؐ نے اس سے حج کو نہ جانے کا سبب پوچھا ۔ ام معقل رضؓ نے وہ مواقع و اسباب بیان کیے جن کے باعث وہ جا نہ سکی تھی ۔ ان اعذار میں سے ایک عذر یہ تھا کہ وہ اونٹ جس پر اسے جانا تھا فی سبیل اللہ وقف تھا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اسی اونٹ پر حج کیوں نہ کیا، حج بھی سبیل اللہ ہے۔ پھر ام معقل رضی اللہ عنہا نے دوسرے اعذار پیش کئے جن میں سے ایک اس کے خاوند کی موت تھی اور اس کی اپنی بیماری اور مصائب وغیرہا تھے۔ پھر اس سب کچھ کے بعد ام معقل رضی اللہ عنہا نے وہ ذریعہ پوچھا جس سے اُسے فوت شدہ فضیلت حاصل ہو سکے اس کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ اس طرح سے بہت سی روایات تو متعلق ہو جاتی ہیں۔ رمضان میں عمرہ کا ثواب بڑا عظیم ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے فرض حج بھی ادا ہو جاتا ہے۔

۱۹۹۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَرَادَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَجَّ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ لِزَوْجِهَا أَحِجَّنِي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عِنْدِي مَا أُحِجُّكِ عَلَيْهِ قَالَتْ أَحِجَّنِي عَلَى جَمَلِكَ فُلَانٍ قَالَ ذَاكَ حَبِيسٌ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَأَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ امْرَأَتِي تَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَإِنَّهَا سَأَلَتْنِي الْحَجَّ مَعَكَ قَالَتْ أَحِجَّنِي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا عِنْدِي مَا أُحِجُّكِ عَلَيْهِ فَقَالَتْ أَحِجَّنِي عَلَى جَمَلِكَ فُلَانٍ فَقُلْتُ ذَاكَ حَبِيسٌ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَحْجَجْتَهَا عَلَيْهِ كَانَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَإِنَّهَا أَمَرَتْنِي أَنْ أَسْأَلَكَ مَا يَعْدِلُ حَجَّةً مَعَكَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأْهَا السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللهِ وَبَرَكَاتِهِ وَأَخْبِرْهَا أَنَّهَا تَعْدِلُ حَجَّةً مَعِي يَعْنِي عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ.

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا تو ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے لے چلو۔ خاوند نے کہا کہ میرے پاس سواری نہیں جس پر تجھے حج کراؤں۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنے فلاں اونٹ پر حج کراؤ۔ اس نے کہا کہ وہ تو اللہ عزوجل کی راہ میں وقف ہے۔ پھر وہ مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میری بیوی آپ کو سلام اور اللہ کی رحمت عرض کرتی ہے اور اس نے مجھے کہا ہے کہ میں اُسے آپ کے ساتھ حج کراؤں۔ میں نے کہا کہ میرے

پاس کوئی سواری نہیں جس پر تجھے حج کراؤں تو اُس نے کہا کہ اپنے فلاں اونٹ پر حج کراؤ۔ میں نے کہا کہ وہ تو فی سبیل اللہ عزّوجل وقف ہے۔ حضور ؐ نے فرمایا کہ اگر تو اُسے اس اونٹ پر حج کرا دے تو یہ کام بھی فی سبیل اللہ ہے۔ اس نے کہا کہ میری بیوی نے مجھے کہا ہے کہ میں آپ سے پوچھوں وہ کون سا عمل ہے جو آپ کے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے میری طرف سے السلام اور رحمۃ اللہ و برکاتہ کہہ دو اور بتا دو کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے (ابن ماجہ نے بھی اسے مختصراً روایت کیا ہے اور نسائی نے اسے ابو معقل رضؓ سے مختصراً روایت کیا ہے) یہ عورت وہی ام رضؓ معقل تھی گو حافظ ابن حجر نے اسے کوئی اور عورت قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ام سنان رضؓ یا ام سلیمؓ تھی۔ اور دلیل اس کی یہ دی ہے کہ حدیث ابن عباس رضؓ والی عورت انصاری تھی جبکہ ام معقل رضؓ اسدیہ تھی۔ لیکن حافظ صاحب نے تقریب اور تہذیب میں ام معقل رضؓ کے متعلق لکھا ہے کہ اُسے انصاریہ کہا جاتا ہے۔

۱۹۹۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ نَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ عُمْرَتَيْنِ عُمْرَةً فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً فِيْ شَوَّالٍ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عمرے کیے تھے ایک ذوالقعدہ میں اور دوسرا شوال میں۔

شرح: مولانا فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں عروہ بن زبیر نے ابن عمر رضؓ سے پوچھا کہ حضور ؐ نے کتنے عمرے کئے تو انہوں نے جواب دیا کہ چار، جن میں سے ایک رجب میں تھا۔ پھر عروہ نے اپنی خالہ عائشہ صدیقہ رضؓ سے کہا کہ اماں جان! آپ وہ بات نہ سنیں گے جو ابو عبدالرحمٰن نے کہی ہے؟ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ عروہ نے کہا کہ وہ کہتے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے تھے جن سے ایک رجب میں تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر عمرے میں موجود تھے اور حضور ؐ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ کی یہ حدیث مسلم کی روایت کردہ حدیث انس رضؓ کے بھی خلاف ہے جس میں انس رضؓ کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے تھے ایک تو حج کے ساتھ تھا اور باقی تینوں ذوالقعدہ میں تھے، یعنی ایک عمرہ حدیبیہ والا، دوسرا اگلے سال والا۔ اور تیسرا جعرانہ سے جہاں آپ نے غزوۂ حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائی تھیں۔ اور یہ حدیث ابن ماجہ میں مروی حدیث عائشہ رضؓ کے بھی خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ اس حدیث میں جناب عائشہ رضؓ صدیقہ رضؓ نے دو عمروں کا ذکر چھوڑ دیا ہے ایک حدیبیہ والا جس سے مشرکوں نے روک دیا تھا (گو ثواب کے لحاظ سے وہ عمرہ ہی تھا) اور دوسرا وہ جو حج کے ساتھ ادا فرمایا تھا۔ پس ام المؤمنین نے اس حدیث میں صرف انہی دو عمروں کو ذکر فرمایا جو مستقل اور منفرد تھے۔ ہاں! اس حدیث میں شوال کے عمرے کا

جو ذکر ہے اس کا جواب حافظ ابن القیم نے الہدیٰ میں دیا ہے کہ یہ عمرہ جسے حضرت عائشہ رضؓ نے شوال میں فرمایا ہے غالباً جعرانہ والا عمرہ ہے، کیونکہ آپ شوال میں تشریف لے گئے مگر احرام ذی القعدہ میں باندھا ۔ ہمارے استاذ الاساتذہ شاہ محمد اسحاق دہلوی نے بھی یہی جواب دیا ہے کہ حضورؐ مدینہ سے شوال میں نکلے تھے لہذا یہ عمرہ اُسی کی طرف منسوب ہوگیا ۔

۱۹۹۲ - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا اَبُوْ اِسْحٰقَ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ كَمِ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَرَّتَيْنِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لَقَدْ عَلِمَ ابْنُ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِ اعْتَمَرَ ثَلَاثًا سِوَى الَّتِيْ قَرَنَهَا بِحَجَّةِ الْوَدَاعِ

مجاہد نے کہا کہ ابن عمر رضؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمروں کی تعداد پوچھی گئی تو انہوں نے دو بتائی ۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ آخری حج والے عمرے کے علاوہ حضورؐ نے تین عمرے کئے تھے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا) شاید ابن عمر رضؓ بھول گئے یا حدیبیہ اور حج والا عمرہ چھوڑ کر دو کی تعداد بیان کی تھی ۔

۱۹۹۳ - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ وَقُتَيْبَةُ قَالَا نَا دَاؤُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَطَّارُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عُمَرٍ عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ وَالثَّانِيَةَ حِيْنَ تَوَاطَؤُا عَلٰى عُمْرَةٍ مِنْ قَابِلٍ وَالثَّالِثَةَ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ وَالرَّابِعَةَ الَّتِيْ قَرَنَ مَعَ حَجَّتِهٖ ۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے ادا کئے تھے ۔ پہلا حدیبیہ کا عمرہ، دوسرا وہ عمرہ جو دوسرے سال معاہدہ صلح کے مطابق ہوا تھا، تیسرا وہ عمرہ جو جعرانہ سے ادا کیا گیا تھا اور چوتھا وہ عمرہ جسے حضورؐ نے حج کے ساتھ کیا تھا (ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضورؐ کا حج قران تھا)

۱۹۹۴ - حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ الطَّيَالِسِيُّ وَهُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَا نَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِي ذِي الْقَعْدَةِ إِلَّا الَّتِي مَعَ حَجَّتِهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَتْقَنْتُ مِنْ هَهُنَا مِنْ هُدْبَةَ وَسَمِعْتُهُ مِنْ أَبِي الْوَلِيدِ وَلَمْ أَضْبِطْهُ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ أَوْ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً مِنَ الْجِعِرَّانَةِ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ ۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے جو سب ذوالقعدہ میں تھے سوائے اس کے جو آپ نے حج کے ساتھ کیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس کے بعد مجھے ہدبہ سے یہ عبارت اچھی طرح یاد ہے اور ابوالولید سے سُنی تو تھی مگر خوب یاد نہیں، حدیبیہ کے زمانے کا خطبہ یا وہ خطبہ جو حدیبیہ سے ہوا وہ ذی القعدہ میں تھا، جعرانہ سے جو عمرہ حضور نے کیا جہاں کہ آپ نے حُنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائی تھیں اور یہ بھی ذی القعدہ میں تھا اور ایک عمرہ جو آپ نے حج کے ساتھ کیا تھا۔ (مولانا نے فرمایا کہ ابوداؤد کے صرف ایک نسخے میں یہاں پر چوتھے عمرے یعنی عمرۃ القضاء کا ذکر ہے (یہ حدیث بخاری میں تین جگہ، مسلم اور ترمذی میں بھی مروی ہے)

شرح: ابوداؤد کے حمصی نسخے میں بھی عمرۃ القضاء کا ذکر موجود ہے۔ بخاری کی روایت میں بھی عمرۃ القضاء کا نام آیا ہے اور اس کی وہ حدیث ایسی سند کے ساتھ ہے جس کے ساتھ سنن ابی داؤد میں ہے۔ مسلم اور بیہقی میں بھی ایسا ہی ہے۔ پس یہاں پر اگر یہ لفظ اکثر نسخوں میں ساقط ہوگیا تو کسی ناقل یا کاتب کی غلطی سے ہوا ہے۔

بَابُ ۸۱ الْمُهِلَّةِ بِالْعُمْرَةِ تَحِيضُ فَيُدْرِكُهَا الْحَجُّ فَتَنْقُضُ عُمْرَتَهَا وَتُهِلُّ بِالْحَجِّ هَلْ تَقْضِي عُمْرَتَهَا

(اس عورت کا باب جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور حیض آگیا تو عمرہ توڑ کر حج کا احرام باندھ لے)

۱۹۹۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى ابْنُ حَمَّادٍ نَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ ابْنِ خُثَيْمٍ عَنْ يُوسُفَ ابْنِ مَاهَكَ عَنْ حَفْصَةَ

بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ عَنْ اَبِیْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ یَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ اَرْدِفْ اُخْتَكَ عَائِشَةَ فَاَعْمِرْهَا مِنَ التَّنْعِیْمِ فَاِذَا هَبَطْتَ بِهَا مِنَ الْاَکَمَةِ فَلْتُحْرِمْ فَاِنَّهَا عُمْرَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے عبدالرحمٰن! اپنی بہن عائشہؓ کو اپنے پیچھے سوار کر لو اور انہیں تنعیم سے احرام بندھواؤ۔ اور جب تم انہیں ٹیکم ٹیلے سے نیچے اترو تو یہ احرام باندھ لیں پس بے شک یہ قبول کیا جانے والا عمرہ ہے۔ (منذری نے کہا کہ بقول محدث البزار حفصہ بنت عبدالرحمٰنؓ نے ہمارے علم میں اس حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث اپنے باپ سے روایت نہیں کی۔ بخاری، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث عمرو بن اوس عن عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے طریق سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰنؓ کو حکم دیا کہ حضرت عائشہؓ کو تنعیم سے عمرہ کرائیں۔ یہ مضمون سنن ابی داؤد کی کئی حدیثوں میں گزر چکا ہے)

شرح: اس سے قبل اس مضمون پر کافی بحث گزر چکی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جناب ام المؤمنین نے ماہواری کے عذر کے باعث عمرہ توڑ دیا تھا جو حج کے بعد قضاء کرایا گیا اور شوافع نے کہا کہ عمرہ توڑا نہ تھا بلکہ اس کے افعال حج کے افعال میں داخل ہو گئے تھے اور تنعیم سے جو عمرہ کرایا گیا یہ ایک نیا عمرہ تھا جو حضرت عائشہؓ کے رنج و غم کو دور کرنے کے لیے کرایا گیا۔ یہ حدیث اور اس پر باندھا ہوا ابو داؤد کا عنوانِ باب حنفیہ کے خیال کی تائید کرتا ہے۔

۱۹۹۶ - حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ ثَنَا سَعِیْدُ بْنُ مُزَاحِمٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ مُزَاحِمٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُسَیْدٍ عَنْ مُحَرِّشٍ الْکَعْبِیِّ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْجِعْرَانَةَ فَجَاءَ اِلَی الْمَسْجِدِ فَرَکَعَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَحْرَمَ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی رَاحِلَتِهٖ فَاسْتَقْبَلَ بَطْنَ سَرِفَ حَتّٰی لَقِیَ طَرِیْقَ الْمَدِیْنَةِ فَاَصْبَحَ بِمَکَّةَ کَبَائِتٍ۔

محرش کعبی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں داخل ہوئے، پس مسجد میں جا کر جب تک اللہ نے چاہا نماز پڑھتے رہے پھر احرام باندھا پھر اپنی سواری پر سیدھے ہو بیٹھے اور بطنِ سرف کی طرف منہ کیا

حتیٰ کہ مدینہ کی راہ کو جا ملے اور صبح کو مکہ میں تھے اسی طرح جس طرح وہیں رات گزارنے والا ہوتا (ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: مولانا فرماتے ہیں کہ سنن ابی داؤد کی اس حدیث کا سیاق ترمذی، نسائی اور مسند احمد کے سیاق کے خلاف ہے۔ ترمذی نے ابن جریج کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جعرانہ سے عمرہ کرنے کو نکلے، مکہ میں داخل ہوئے، عمرہ ادا کیا اور رات ہی کو جعرانہ واپس تشریف لے گئے بوقت صبح آپ جعرانہ میں تھے اس طرح کہ گویا وہیں رات گزاری ہو۔ دوسرے دن جب سورج ڈھلا تو مزدلفہ کے راستے سے بطن سرف میں پہنچے اس وجہ سے آپ کا عمرہ لوگوں پر پوشیدہ رہا۔ اسی طرح مسند احمد میں بھی ہے۔ فتح الودود میں ہے کہ یہ الفاظ: فَاَصْبَحَ بِمَكَّةَ كَبَائِتٍ، بتاتے ہیں کہ آپ مکہ میں تھے، پھر رات کو جعرانہ آئے پھر مکہ واپس گئے اس طرح کہ آپ کے وہاں سے نکلنے کا علم نہ ہو سکا۔ مگر فتح الودود کی یہ تاویل خلافِ مشہور ہے۔ مشہور یہی ہے کہ آپ جعرانہ میں حنین کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، جب مدینہ کو واپسی کا ارادہ فرمایا تو راتوں رات مکہ جا کر عمرہ کیا اور پھر واپس جعرانہ پہنچ گئے۔ صبح کو آپ وہیں تھے اور عام لوگوں کو آپ کے اس رات کے سفر کا علم نہ ہوا۔ پس ظاہر یہ ہے کہ کسی کاتب یا ناقل نے غلطی کی ہے اور درست وہی بات ہے جو ترمذی اور نسائی کی روایت میں ہے کہ حضور جعرانہ سے رات کو عمرہ کرنے کو مکہ گئے اور رات ہی کو عمرہ کی ادائیگی کے بعد جعرانہ واپس پہنچ گئے، صبح کو آپ پھر جعرانہ ہی میں تھے۔ دوسرے دن زوال آفتاب کے وقت بطن سرف سے نکلے حتیٰ کہ مشہور راستے پر جا ملے۔ پس ابو داؤد کی روایت میں یہ لفظ کسی راوی کا وہم ہے کہ: فَاَصْبَحَ بِمَكَّةَ، یہاں پر کسی راوی نے جعرانہ کے بجائے مکہ کا لفظ بول دیا ہے۔ اور یہ حدیث عنوانِ باب سے مناسبت نہیں رکھتی۔

بَابُ[۸۲] الْمُقَامِ فِی الْعُمْرَةِ

(عمرہ میں مکہ کے قیام کا باب)

۱۹۹۷ - حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ نَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا نَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ وَعَنِ ابْنِ نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ ثَلَاثًا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء میں تین دن (مکہ میں) مقیم رہے (بخاری نے اس حدیث کو کئی بار روایت کیا ہے)

شرح: صحابہ اور تمام سلف نے اس عمرے کا نام عمرۃ القضاء رکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سب کے نزدیک یہ اس عمرہ کی قضاء تھی جو حدیبیہ میں مشرکین کی رکاوٹ کے سبب نہ ہو سکا اور حسب معاہدہ

آئندہ سال ہوا تھا۔ فتح القدیر میں علامہ ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ اسے عمرۃ القضیہ بھی کہا گیا ہے یعنی فیصلے کا عمرہ، کہ صلح حدیبیہ کے فیصلے کے مطابق ہونے کے باعث اس کا یہ نام ہوا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بقول امام مالک یہ ایک جدید عمرہ تھا، بلکہ یہ وہی حدیبیہ والا فوت شدہ عمرہ تھا۔ رہی یہ بات کہ وہاں پر قربانی کی گئی، احرام کھولے گئے لہٰذا وہ عمرہ تھا، تو ظاہر ہے کہ اسے فقط ایک مجبوری کے باعث بلحاظ اجر و ثواب تو عمرہ کہہ سکیں گے مگر یہ درحقیقت عمرہ نہ تھا کیونکہ اس میں نہ بیت اللہ کا طواف ہوا اور نہ صفا و مروہ کی سعی، اور اسی کو عمرہ کہا جا سکتا ہے۔ صحابہ میں سے ہر شخص جانتا تھا کہ یہ عمرہ وہی حدیبیہ والا فوت شدہ عمرہ ہے لہٰذا اس کی صراحت و وضاحت کی ضرورت نہ تھی ہاں اگر اس کے خلاف صراحت ہوتی تو البتہ ایک بات بھی تھی۔

بَابُ ۸۳ الْإِفَاضَةِ فِي الْحَجِّ

(حج میں طوافِ افاضہ کا باب)

۱۹۹۸ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ نَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَاضَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى يَعْنِي رَاجِعًا۔

ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر میں طوافِ افاضہ کیا پھر واپس ہو کر ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی (بقولِ منذری یہ حدیث بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی روایت کی ہے اور بخاری کے الفاظ مختصر ہیں)

شرح: اس طواف کا نام طوافِ افاضہ، طوافِ زیارت اور طوافِ رکن ہے۔ جابر رضؓ کی طویل حدیث کے مطابق ظہر کی نماز حضور صلعم نے مکہ میں پڑھی تھی اور پھر بعد میں واپس منیٰ تشریف لائے۔ اس پر قبل ازیں بحث گزر چکی ہے۔

۱۹۹۹ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَيَحْيَى بْنُ مَعِينٍ الْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا نَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَقَ نَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَمْعَةَ عَنْ أَبِيهِ وَعَنْ أُمِّهِ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَتْ لَيْلَتِيَ الَّتِي يَصِيرُ إِلَيَّ فِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَاءَ يَوْمِ النَّحْرِ فَصَارَ إِلَيَّ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَهْبُ بْنُ زَمْعَةَ وَمَعَهُ رَجُلٌ مِنْ آلِ أَبِي أُمَيَّةَ مُتَقَمِّصَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَهْبٍ هَلْ أَفَضْتَ أَبَا عَبْدِ اللهِ قَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْزِعْ عَنْكَ الْقَمِيصَ قَالَ فَنَزَعَهُ مِنْ رَأْسِهِ وَنَزَعَ صَاحِبُهُ قَمِيصَهُ مِنْ رَأْسِهِ ثُمَّ قَالَ وَلِمَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ رُخِّصَ لَكُمْ إِذَا أَنْتُمْ رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ أَنْ تَحِلُّوا يَعْنِي مِنْ كُلِّ مَا حُرِمْتُمْ إِلَّا النِّسَاءَ فَإِذَا أَمْسَيْتُمْ قَبْلَ أَنْ تَطُوفُوا هٰذَا الْبَيْتَ صِرْتُمْ حُرُمًا كَهَيْئَتِكُمْ قَبْلَ أَنْ تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطُوفُوا بِهِ

حضرت ام سلمہ رضہ نے فرمایا کہ وہ میری باری کی رات تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر کو پچھلے پہر میرے پاس تشریف لائے۔ پھر میرے ہاں وہب بن زمعہ آئے۔ (یہ حضرت ام سلمہ رضہ کے ایک قریبی رشتہ دار تھے) اور ان کے ساتھ ابوامیہ کے خاندان کا ایک اور آدمی تھا (جو حضرت ام سلمہ رض کا خاندان ہے) ان دونوں نے قمیص پہن رکھے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہب رض سے فرمایا: اے ابوعبداللہ کیا تو نے طواف افاضہ کرلیا ہے؟ اس نے کہا نہیں واللہ یارسول اللہ۔ حضور م نے فرمایا: اپنی قمیص اتار دو، راوی کہتا ہے کہ وہب رضہ نے سر کی طرف سے قمیص اتار دی اور اس کے ساتھی نے بھی اسی طرح قمیص اتار دی پھر اس نے پوچھا یارسول اللہ ایسا کیوں ہے؟ حضور م نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا دن ہے کہ جس میں جمرہ پر رمی کرنے کے بعد تم پر عورتوں کے سوا سب کچھ (ممنوعات احرام میں سے) حلال ہوگیا لیکن جب طواف افاضہ سے قبل رات ہوگئی تو تمہاری وہی ہیئت ہوگئی جو جمرہ کی رمی سے پہلے تھی جب تک کہ تم بیت اللہ کا طواف نہ کرلو۔ (مسند احمد اور بیہقی میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

شرح: مسند احمد میں اس حدیث کے بعد یہ اضافہ بھی ہے کہ: ام قیس رض بنت محصن کا بیان ہے کہ یوم النحر میں میرے ہاں سے عکاشہ رض بن محصن اور بنو اسد کے کچھ لوگ قمیصیں پہنے ہوئے پچھلے پہر نکلے پھر عشاء کے وقت واپس آئے اور ان کی قمیصیں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ میں نے پوچھا اے عکاشہ رض! کیا بات ہے کہ جب تم لوگ گئے تھے تو قمیصیں پہنے ہوئے تھے پھر جب آئے ہو تو تمہاری قمیصیں ہاتھوں میں ہیں۔ پس راوی نے کہا کہ ہمیں ام قیس رض نے بتایا کہ یہ ایک ایسا دن تھا کہ جب ہم اس میں جمرہ پر رمی کرلیں تو ہر چیز حلال ہوجاتی ہے۔ مگر عورتوں کی ملاقات صرف اسی وقت حلال ہوتی ہے جبکہ ہم بیت اللہ کا طواف کرلیں۔ عکاشہ رض نے کہا کہ چونکہ ہم نے بھی طواف کیا تھا لہذا ہماری پھر وہی حالت ہوگئی جو رمی جمرہ سے پہلے تھے، اس لئے ہم نے قمیصیں اتار دی ہیں، اور اسی طرح یہ اضافہ بیہقی کی حدیث میں بھی ہے۔ لیکن ابوداؤد نے صرف پہلی سند سے احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین سے روایت کیا ہے، دوسری سند سے جو ام قیس رض کی ہے۔ اس حدیث کو بیان کرنے سے پہلے بیہقی نے کہا ہے کہ: یہ لفظ ام سلمہ رض کی حدیث میں ایک اور حکم سمیت مروی ہے اور میں نہیں جانتا کہ کسی فقیہ نے اسے

لیا ہو، اور حاشیہ میں فتح الودود سے نقل کیا ہے کہ شاید جن کا یہ قول نہیں وہ اسے تغلیظ اور تشدید پر محمول کرتے ہیں کہ یوم النحر میں طواف کی تاخیر نہ کی جائے اور اسے دن میں ادا کیا جائے۔ مگر ظاہر حدیث اس تاویل کے خلاف ہے۔
مولانا محمد یحییٰ نے حضرت گنگوہی کی تقریر میں لکھا ہے کہ حضور نے جو اس شخص کو قمیص اتارنے کا حکم دیا تھا بظاہر وہ قمیص خوشبو سے معطر تھی اور یہ چیز جماع کے دواعی میں سے ہے۔ اور اصحاب رسول کو تو اس معاملے میں زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔ پس حضور نے اسے قمیص اتار دینے کا حکم دیا تھا۔ یہ احتیاط اور سد ذرائع پر مبنی تھا۔ اسی وجہ سے بعض فقہاء عورت کے سوا ہر شئی حلال ہو جانے پر بھی خوشبو کا استعمال احتیاطاً ناجائز بتاتے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مباح سے فتنے کا اندیشہ ہو تو اسے ترک کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تاخیر طواف کے سبب سے محض تشدید کے طور پر یہ حکم دیا ہو۔ علی ہذا یہ جو ارشاد ہے کہ: تم پہلی حالت کی مانند محرم ہو گئے ہو، یہ بھی محض قمیص پہننے سے روکنے کے لیے تھا اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ قمیص کے علاوہ کسی اور چیز کے اتارنے کا حکم نہیں ملا مثلاً عمامہ، ٹوپی وغیرہ۔

۲۰۰۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ نَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَّرَ طَوَافَ يَوْمَ النَّحْرِ إِلَى اللَّيْلِ۔

حضرت عائشہ رضہ اور ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کے طواف کو رات تک مؤخر کیا تھا (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے بھی اسے روایت کیا۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے)

شرح: یہ حدیث جابر رضہ کی طویل حدیث اور ابن عمر رضہ کی حدیث کے خلاف ہے۔ جن میں سے پہلی میں گزرا کہ حضور نے طواف افاضہ یوم النحر میں ظہر سے قبل کیا اور ظہر مکہ میں پڑھ کر منیٰ کو لوٹے تھے۔ دوسری میں گزرا ہے کہ حضور نے ظہر کی نماز طواف کرنے کے بعد منیٰ میں آ کر پڑھی تھی۔ حافظ ابن القیم نے الہدیٰ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل طواف جو ثابت و معلوم ہے اور اہل علم کو اس کے وقت کے متعلق کوئی شک نہیں ہے یہ حدیث واضح طور پر اس کے خلاف ہے۔ ترمذی نے کتاب العلل میں کہا ہے کہ میں نے اس حدیث کے متعلق محمد بن اسماعیل بخاری سے پوچھا اور کہا کہ کیا ابو الزبیر رضہ کا سماع حضرت عائشہ اور ابن عباس رضہ سے ثابت ہے۔ بخاری نے کہا کہ ابن عباس رضہ سے سماع ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کے سماع میں کلام ہے ابو الحسن قطان نے کہا کہ میرے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ یوم النحر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کے وقت طواف کیا تھا، اختلاف صرف اس میں ہے کہ نماز ظہر مکہ میں پڑھی یا منیٰ میں واپس تشریف لا کر پڑھی۔ جابر رضہ پہلی بات کہتے ہیں اور ابن عمر رضہ دوسری بات۔ بظاہر اس حدیث کی روایت ابو الزبیر حضرت عائشہ رضہ سے نہیں کرتا بلکہ کسی اور شخص سے ہے جس کا نام اس نے ظاہر نہیں کیا کیونکہ ابو الزبیر مدلس ہے اور وہ اس جگہ عن

سے روایت کرتا ہے، نیز ابو الزبیر کا سماع حضرت عائشہ رض سے نہیں ہے لہٰذا اس حدیث میں توقف واجب ہے۔ اور اس روایت کے خلاف جو دوسری ثابت شدہ صحیح احادیث ہیں ان میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور ابو الزبیر کی غلطی پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت عائشہ رض سے حجۃ الوداع کے متعلق جو حدیث روایت کی ہے اس میں صراحۃً طواف افاضہ کا یوم النحر میں واقع ہونا مذکور ہے۔

مولانا رح نے فرمایا کہ غلطی اصل میں طواف کے نام میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طواف کو رات تک مؤخر کیا تھا وہ طواف وداع ہے نہ کہ طواف افاضہ۔ پس ابو الزبیر نے یا اس سے اوپر یا نیچے کے کسی راوی نے یوم النحر کا لفظ بول کر غلطی کی ہے۔ اور اس کی یہ تاویل بھی ممکن ہے جو بخاری نے ایک معلق حدیث میں یہ لفظ بول کر ظاہر کی ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کو رات تک مؤخر فرمایا تھا۔ یہ وہی ابو الزبیر عن عائشہ رض وابن عباس رض کی حدیث ہے۔ پس اصل لفظ یہاں صرف زیارت کا تھا اور اس سے مراد بیت اللہ کی زیارت ہے نہ کہ طواف زیارت حافظ ابن حجر رح نے ابن ابی شیبہ سے طاؤس کا ایک اثر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب کو افاضہ (زیارت) کرتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ ہر شب کو طواف زیارت نہیں ہوتا تھا، پس مراد اس سے طواف زیارت نہیں بلکہ منیٰ سے ہر رات مکہ کا نزول ہے۔

۲۰۰۱ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْمُلْ مِنَ السَّبْعِ الَّذِي اَفَاضَ فِيهِ .

ابن عباس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طواف افاضہ کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا تھا۔ (نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی ہے) مولانا رح نے فرمایا کہ یہ طواف حضور ص نے سوار ہو کر کیا تھا اور رمل کا سوال پیدل کے لیے ہوتا ہے سوار کے لیے نہیں۔

بَابُ الْوَدَاعِ

(وداع کا باب)

۲۰۰۲ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ نَا سُفْيَانُ عَنْ سُلَيْمَانَ الْاَحْوَلِ عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُونَ فِي كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ اَحَدٌ حَتّٰى يَكُونَ اٰخِرَ عَهْدِهِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ .

ابن عباس رضنے کہا کہ لوگ (طوافِ زیارت کے بعد) ہر طرف کو چل دیتے تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی واپس روانہ نہ ہو جبتک آخری کام بیت اللہ کا طواف نہ کرے (مسلم، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: یہ طواف وداع یا صدر کے نام سے موسوم ہے۔ یہ طواف باہر والوں پر واجب ہے اور مکہ والوں پر نہیں اور یہ طواف صرف حاجی پر واجب ہے، مُفرِد ہو یا متمتع یا قارن۔ اور عمرہ کرنے والے پر واجب نہیں اگرچہ وہ باہر کا رہنے والا ہو۔ اور جو یہ طواف نہ کرے اس پر بلا احرام واپسی واجب ہے بشرطیکہ میقات کے اندر رہو، باہر چلا گیا تو رجوع کے ساتھ دم بھی واجب ہے۔

بَابُ^۸۵ الْحَائِضِ تَخْرُجُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ

(حائضہ کا باب کہ وہ طواف افاضہ کے بعد جا سکتی ہے)

۲۰۰۳ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ فَقِيلَ إِنَّهَا قَدْ حَاضَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّهَا حَابِسَتُنَا فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ فَقَالَ فَلَا إِذًا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ رض بنت حُیَیّ کا ذکر فرمایا تو کہا گیا کہ وہ تو ماہواری سے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید وہ ہمیں سفر سے روک دے گی گھر والوں نے کہا کہ یا رسول اللہ اس نے طوافِ افاضہ کر لیا تھا، حضور نے فرمایا: تب نہیں (بخاری، مسلم، موطا ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: شوکانی نے کہا کہ اس حدیث میں طوافِ وداع کے وجوب کی دلیل ہے اور یہی اکثر علماء کا قول ہے اور اس کے ترک سے دم واجب ہے۔ مالک، داؤد اور ابن المنذر نے کہا کہ وہ سنت ہے اور اس کے ترک سے کچھ لازم نہیں آیا۔

۲۰۰۴ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَنَا أَبُو عَوَانَةَ أَنَا يَعْلَى بْنُ عَطَاءٍ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ أَتَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْمَرْأَةِ تَطُوفُ بِالْبَيْتِ يَوْمَ النَّحْرِ

ثُمَّ تَحِيضُ قَالَ لِيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهَا بِالْبَيْتِ فَقَالَ الْحَارِثُ كَذٰلِكَ أَفْتَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ أَرِبْتَ عَنْ يَدَيْكَ سَأَلْتَنِي عَنْ شَيْءٍ سَأَلْتَ عَنْهُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكَيْمَا أُخَالِفَ۔

حارث بن عبداللہ بن اوس نے کہا کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے عورت کے متعلق پوچھا جو یوم النحر میں بیت اللہ کا طواف کرے پھر اسے حیض آجائے تو انہوں نے کہا کہ اس کا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہونا چاہیئے۔ راوی نے کہا کہ اس پر حارث نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فتویٰ دیا تھا۔ حارث نے کہا کہ تب حضرت عمر رضی نے فرمایا: تیرے ہاتھ نہ رہیں تو نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ چکا تھا تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف حکم دوں (یہ حدیث نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: خطابی نے کہا کہ یہ حکم حائض کے بارے میں استحبابی اختیاری ہے جبکہ وقت میں مہلت ہو۔ لیکن جب واپسی کی جلدی ہو تو حضرت صفیہ رض والی حدیث کی دلیل سے بلا طواف وداع ہی رخصت ہونا جائز ہے۔ یہی مالک، اوزاعی، شافعی، احمد، اسحاق، حنفیہ اور سفیان کا مذہب ہے۔ امام طحاوی نے حضرت عائشہ اور ام سلیم رض کی حدیثوں کی دلیل سے اس حدیث منسوخ قرار دیا ہے۔

بَابُ ۸۶ طَوَافِ الْوَدَاعِ

(طواف وداع کا باب)

۲۰۰۵۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَفْلَحَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ أَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِي وَانْتَظَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ وَأَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيلِ قَالَتْ وَأَتٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ فَطَافَ بِهِ ثُمَّ خَرَجَ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے تنعیم سے عمرے کا احرام باندھا، پھر میں مکہ میں داخل ہوئی اور اپنا عمرہ قضاء کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابطح (محصب) میں میرا انتظار کیا حتی کہ میں فارغ ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کوچ کا حکم دیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں آئے پس اس کا طواف فرمایا پھر مکہ سے نکلے۔

۲۰۰۶ - **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا اَبُوْ بَكْرٍ يَعْنِي الْحَنَفِيَّ نَا اَفْلَحُ عَنِ الْقٰسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْتُ مَعَهُ تَعْنِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّفْرِ الْاٰخِرِ فَنَزَلَ الْمُحَصَّبَ فِي هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَتْ ثُمَّ جِئْتُهُ بِسَحَرٍ فَاَذَّنَ فِي اَصْحَابِهِ بِالرَّحِيْلِ فَارْتَحَلَ فَمَرَّ بِالْبَيْتِ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَطَافَ بِهِ حِيْنَ خَرَجَ ثُمَّ انْصَرَفَ مُتَوَجِّهًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ -

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آخری کوچ میں تھی (۱۳ ذی الحجہ کو) پس آپ محصّب میں اترے ۔ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ میں بوقت سحر آپ کے پاس آئی تو آپ نے اپنے اصحاب میں کوچ کا اعلان کرادیا۔ پھر آپؐ نے کوچ فرمایا اور بیت اللہ کے پاس سے گزرے نماز صبح سے قبل۔ پس آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا جبکہ مکہ سے نکل رہے تھے پھر مدینہ کو متوجہ ہوکر چل کھڑے ہوئے (ابوداؤد کے حمصی نسخے میں فنزل المحصب کے بعد یہ عبارت بھی ہے: ابوداؤد نے کہا کہ ابن بشار نے حضرت عائشہؓ کے تنعیم بھیجے جانے کا قصہ بیان نہیں کیا۔ اس عبارت کے بعد فی ہذا الحدیث کا لفظ ہے۔

شرح: مولانا نےرح فرمایا کہ حافظ ابن القیم نے یہاں پر دو اشکال بیان کرکے جواب دیا ہے۔ پہلا اشکال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے جبکہ آپ مکہ سے جا رہے تھے اور میں مکہ میں آرہی تھی۔ دوسری طرف یہ ہے جو کہ بالکل اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آرہے تھے اور میں وہاں سے جارہی تھی۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ ہے کہ دونوں کی ملاقات راستے میں ہوئی تھی اور پہلی میں ہے کہ حضورؐ نے اپنی فرودگاہ میں جناب عائشہ رضہ کا انتظار کیا تھا جب وہ آگئیں تو آپؐ نے اپنے اصحاب میں کوچ کا اعلان کرایا۔ حافظ ابن القیم نے کہا کہ اگر اسود کی یہ حدیث محفوظ ہے تو اس کی صحیح عبارت یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ وسلم مجھ سے ملے جبکہ میں مکہ سے واپس جارہی تھی اور آپ مکہ میں تشریف لارہے تھے، کیونکہ حضرت عائشہ نے طواف فرمایا اور اپنا عمرہ قضاء کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ تشریف لے گئیں اور اس وقت آپ سے ملیں جبکہ آپ طواف وداع کے لیے مکہ چلے آئے تھے، پس آپ نے کوچ فرمایا اور اصحاب میں اس کا اعلان کرایا۔ اسود کی اس حدیث کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں ہوسکتا۔

۲۰۰۷ - **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ نَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِي يَزِيْدَ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ طَارِقٍ اَخْبَرَهُ عَنْ اُمِّهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا جَازَ مَكَانًا مِنْ دَارِ

يَعْلَى نَسِيَهُ عُبَيْدُ اللهِ اسْتَقْبَلَ الْبَيْتَ فَدَعَا۔

عبدالرحمان بن طارق نے اپنی ماں (جو صحابیہ تھیں) کی طرف سے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یعلیٰ کے گھر سے ایک جگہ سے گزرتے جس جگہ کو راوی عبید اللہ بھول گیا ہے، تو بیت اللہ کی طرف منہ کرتے تھے اور دعاء مانگتے تھے (بخاری اور نسائی نے بھی روایت کی)

شرح: امام احمد نے اپنی مسند میں یہ حدیث مختلف طرق سے روایت کی ہے۔ ایک طریق میں ہے: اِذَا دَخَلَ مَكَانًا مِن دَارِ يعلى الخ۔ ایک طریق میں عبدالرحمٰن بن طارق بن علقمہ عن عمہ یہ لفظ ہیں: اِذا جاء مكانا من دار يعلى۔ اسد الغابہ میں ہے: كان يأتي مكانا في دار يعلى فيستقبل البيت فيدعو فيخرج يعلى مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فيدعو ونحن مسلمات۔ فتح الودود میں ہے کہ شاید یہ وہی جگہ ہے جسے قبولیت دعاء کا مقام کہتے ہیں اور وہ المعلیٰ کی طرف سے بازار میں واقع ہے۔

بَابُ التَّحْصِيبِ

(تحصیب کا باب)

۲۰۰۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّمَا نَزَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَصَّبَ لِيَكُوْنَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهِ وَلَيْسَ بِسُنَّةٍ فَمَنْ شَاءَ نَزَلَهُ وَمَنْ شَاءَ لَمْ يَنْزِلْهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محصب میں اس لیے اُترے تھے کہ مکہ سے روانگی آسان تر ہو جائے اور یہ سنت نہیں ہے، پس جو چاہے وہاں اترے اور جو چاہے نہ اُترے (بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

شرح: تحصیب کا معنی ہے مقام محصب میں اترنا، اور یہ مقام ابطح کہلاتا ہے۔ خطابی کہتے ہیں کہ پہلے لوگ اسے سنت سمجھتے تھے مگر پھر اسے ترک کر دیا گیا۔ حافظ ابن القیم نے کہا ہے کہ سلف کا اس میں اختلاف رہا ہے کہ آیا محصب میں ٹھہرنا سنت ہے یا یہ محض ایک اتفاقیہ فرودگاہ تھی؟ کچھ لوگوں نے اسے حج کی سنتوں میں شمار کیا ہے کیونکہ بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے روانگی کا ارادہ فرمایا تو اعلان کیا کہ ہم ان شاء اللہ کل خیف بنی کنانہ (محصب) میں اتریں گے جہاں پر مشرکوں نے کفر پر قائم رہنے کی قسم کھائی تھی۔ اور مسلم میں ابن عمر رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس جگہ اُترتے تھے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر رضی تحصیب کو سنت جانتے تھے۔

اور سلف کی ایک جماعت، حضرت عائشہ رضؓ اور ابن عباس رضؓ وغیرہما اسے سُنّت نہیں جانتے تھے بلکہ ایک اتفاقی منزل سمجھتے تھے۔ صحیحین میں ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ محصب کوئی چیز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پر اس لیے اُترے تھے کہ مدینہ کو روانگی میں آسانی رہے۔ اور صحیح مسلم میں ابورافع رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ میں اپنے ساتھ والوں سمیت محصب میں اُتروں، لیکن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبہ وہاں پر لگا دیا، پھر آپ تشریف لائے تو وہیں اُترے اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کی بات کو سچا کر دیا کہ: نحن نازلون غدًا بخیف بنی کنانۃ۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے تحصیب کے سنت ہونے سے انکار کیا ہے مثلاً حضرت عائشہ رضؓ اور ابن عباس رضؓ، ان کی مراد یہ ہے کہ یہ مناسک حج میں سے نہیں ہے اور اس کے ترک سے کوئی گناہ یا کفارہ لازم نہیں آتا۔ اور جن لوگوں نے اسے ثابت کیا ہے مثلاً ابن عمر رضؓ، ان کی مراد یہ ہے کہ بالعموم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی پیروی مسنون ہے جو لازم تو نہیں مگر باعثِ برکت ہے۔ اور محصب میں ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازیں پڑھنا مستحب ہے اور رات کا کچھ حصہ ٹھہرنا بھی جیسا کہ انس رضؓ اور ابن عمر رضؓ کی حدیث بتاتی ہے۔

۲۰۰۹ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْمَعْنَى ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالُوا نَا سُفْيَانُ نَا صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ أَبُو رَافِعٍ لَمْ يَأْمُرْنِي أَنْ أَنْزِلَهُ وَلَكِنْ ضَرَبْتُ قُبَّتَهُ فَنَزَلَهُ قَالَ مُسَدَّدٌ وَكَانَ عَلَى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ عُثْمَانُ يَعْنِي فِي الْأَبْطَحِ ـ

ابورافع رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نزول کا حکم نہیں دیا تھا لیکن میں نے آپؐ کا قبہ وہاں لگا دیا اور آپؐ اس میں اُترے تھے مسدد نے کہا کہ ابورافع رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سازوسامان پر مقرر تھے اور عثمان راوی نے کہا کہ ابورافع رضؓ کی مراد ابطح ہے (یہ حدیث مسلم نے بھی روایت کی ہے)

۲۰۱۰ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَيْنَ تَنْزِلُ غَدًا فِي حَجَّتِهِ قَالَ هَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ نَحْنُ نَازِلُونَ بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ قَاسَمَتْ قُرَيْشٌ عَلَى الْكُفْرِ يَعْنِي الْمُحَصَّبَ وَذَلِكَ أَنَّ بَنِي كِنَانَةَ حَالَفَتْ قُرَيْشًا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ أَنْ

لَا يُنَاكِحُوهُمْ وَلَا يُؤْوُوهُمْ وَلَا يُبَايِعُوهُمْ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَالْخَيْفُ الْوَادِي۔

اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کل کہاں اتریں گے (یعنی حج کے موقع پر) تو حضور نے فرمایا، کیا عقیل نے ہماری کوئی منزل چھوڑی ہے؟ پھر فرمایا کہ ہم خیف بنی کنانہ میں اتریں گے (یعنی محصّب میں) جہاں پر قریش نے کفر پر قسمیں کھائی تھیں۔ اور اس کا قصہ یہ ہے کہ بنی کنانہ نے قریش کے ساتھ بنی ہاشم کے خلاف معاہدہ کیا تھا کہ ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کریں گے اور مکہ میں انہیں ٹھکانہ نہ دیں گے اور ان کے ساتھ خرید و فروخت نہ کریں گے۔ زہری نے کہا کہ خیف کا معنیٰ ہے وادی۔ (یہ حدیث بخاری نے حج، جہاد، مناقب الانصار، مغازی اور کتاب التوحید میں روایت کی ہے اور ابن ماجہ اور مسند احمد میں بھی کئی جگہ آئی ہے اور بقول منذری نسائی میں بھی ہے)

شرح: عقیل سے مراد اس حدیث میں عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہیں۔ اس حلف سے مراد وہ مشہور معاہدہ ہے جو قریش میں بنی ہاشم اور بنی المطلب کو مکہ سے خیف بنی کنانہ کی طرف خارج کرنے پر حضور ؐ کی مخالفت میں ہوا تھا۔ اس میں کئی باطل اور سرکشانہ شرائط تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے دیمک کو حکم دیا تو اس نے ذکر اللہ کے علاوہ جو جو کچھ اس معاہدے میں لکھا تھا سے چٹ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر اپنے رسول ؐ کو دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اطلاع اپنے چچا ابو طالب کو دی۔ انہوں نے وہ صحیفہ دیکھا تو اسے ویسا ہی پایا اور وہ سخت حیران و پریشان ہوئے۔

یہ واقعہ ہجرت حبشہ اور اسلام عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کے بعد کا ہے۔ قریش نے ان چیزوں کو دیکھا اور یہ بھی کہ اسلام قبائل میں پھیل رہا ہے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ ابو طالب کو پتہ چلا تو اس نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو جمع کیا اور ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس محفوظ پہاڑی گھاٹی میں داخل کر کے محفوظ کر لیا جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ بنی ہاشم اور بنی المطلب خواہ مومن ہوں یا کافر وہ سب قدیم عادت کے مطابق حمیت و عصبیت کی بنا پر اس چیز پر متفق ہو گئے تھے۔ قریش نے جب یہ دیکھا تو اس وقت یہ معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب کے ساتھ شادی بیاہ، تعلقات، خرید و فروخت اور امن و صلح ہمیشہ کے لیے بند کر دی جائے الا یہ کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کی خاطر ہمارے سپرد کر دیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ بن ہشام نے یا بقول بعض بغیض بن عامر نے لکھا تھا جس کا ہاتھ بعد میں شل ہو گیا تھا۔ یہ صحیفہ ۷ نبوی میں یکم محرم کو کعبہ کے اندر لٹکا یا گیا۔ ابو لہب کے علاوہ تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر شعب ابی طالب میں داخل ہو گئے۔ قریش دو یا تین سال تک اس معاہدے پر قائم رہے تھے۔ شعب کے اندر نہایت شدید حالات گذرے۔ ان لوگوں کا غلہ اور سامان حیات بند کر دیا گیا۔ پوشیدہ طور پر کچھ اندر پہنچ جاتا تو الگ بات ہے ورنہ قریش نے شدید حصار اور پہرہ لگا رکھا تھا۔ شعب کے اندر سے لوگ زمانۂ حج میں ہی باہر نکل سکتے تھے۔

پھر کچھ لوگ اس معاہدے کو توڑنے پر تل گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا کہ صحیفہ میں اللہ کے نام کے سوا ہر لفظ اور حرف کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ حضورؐ نے یہ ابو طالب کو بتایا اور اس نے قریش مکہ کو بتا دیا۔ جب اس معاہدے کو اتارا گیا تو واقعی اسے ایسا پایا گیا، پس قریش نے مقاطعہ ختم کرنے کا اعلان کیا اور بنی ہاشم اور بنی المطلب کو اس پہاڑی گھاٹی سے نکلنے کا موقع ملا۔ اس وقت حضورؐ کی عمر ۴۹ سال تھی اور یہ نبوت کا دسواں سال تھا۔ اس کے چھ ماہ بعد ابو طالب کی وفات ہوئی اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجہ بھی وفات پا گئیں۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ اس گھاٹی کا نام شعب ابی یوسف تھا۔ یہ عبدالمطلب کی ملکیت تھی اور اس نے ضعیف العمر ہونے کے باعث اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی حضورؐ کو اپنے والد کا حصہ ملا تھا۔ اور اسی مقام پر بنی ہاشم کے منازل و مساکن تھے۔

اس حدیث میں وارد ہوا ہے کہ: هَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مَنْزِلًا؟ یہ حجۃ الوداع کا قصہ تھا، لیکن مسند احمد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ فتح مکہ کے موقع پر فرمائے تھے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ دونوں مواقع پر ان الفاظ کا فرمایا جانا ممکن اور ثابت مانا جا سکتا ہے، حضورؐ کی ہجرت مدینہ کے بعد آپ کے آبائی مکان پر عقیل رضؓ اور طالب قابض ہو گئے تھے۔ طالب تو جنگ بدر میں مفقود ہو گیا اور عقیل رضؓ ابھی مسلمان نہ تھے اور جنگ بدر کے قیدیوں میں تھے۔ رہا ہو کر گئے تو سارا گھر بیچ ڈالا مگر بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس گھر پر اولادِ عقیل رضؓ کا قبضہ رہا حتیٰ کہ ایک لاکھ دینار میں محمد بن یوسف ثقفی (حجاج کا بھائی) ان سے خرید لیا۔ چوں کہ عقیل رضؓ اس گھر پر قابض تھے یا حسب روایت ثانیہ اسے بیچ دیا تھا اس لیے حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔ ویسے بھی ہجرت کے باعث آپ اسے ترک کر چکے تھے۔

۲۰۱۱ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ نَا عُمَرُ ثَنَا اَبُو عَمْرٍو يَعْنِي الْاَوْزَاعِيَّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حِيْنَ اَرَادَ اَنْ يَّنْفِرَ مِنْ مِّنًى نَحْنُ نَازِلُوْنَ غَدًا فَذَكَرَ نَحْوَهٗ لَمْ يَذْكُرْ اَوَّلَهٗ وَلَا ذَكَرَ الْخَيْفُ الْوَادِيْ ـ

ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب منیٰ سے روانگی کا ارادہ فرمایا تو فرمایا کہ ہم کل اتریں گے الخ لیکن اس روایت میں راوی نے پچھلی حدیث کا پہلا حصہ (اسامہ رضؓ کا سوال اور حضورؐ کا جواب) بیان نہیں کیا اور نہ یہ کہ خیف وادی کو کہتے ہیں (یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں نے کتاب الحج میں روایت کی ہے۔)

۲۰۱۲ - حَدَّثَنَا اَبُو سَلَمَةَ مُوْسٰى نَا حَمَّادٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ بَكْرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَهْجَعُ هَجْعَةً بِالْبَطْحَاءِ

ثُمَّ يَدْخُلُ مَكَّةَ وَيَزْعَمُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ۔

نافع نے کہا کہ ابن عمرؓ بطحاء میں تھوڑا سا سوتے تھے، پھر مکہ میں داخل ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے (یہ حدیث بھی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے) بطحاء، ابطح، محصب ایک ہی جگہ کے نام ہیں۔

۲۰۱۳ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَفَّانُ نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ اَنَا حُمَيْدٌ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْبَطْحَاءِ ثُمَّ هَجَعَ بِهَا هَجْعَةً ثُمَّ دَخَلَ مَكَّةَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء بطحاء میں پڑھیں پھر تھوڑا سا عرصہ سو گئے اور پھر مکہ میں داخل ہوئے۔ اور ابن عمرؓ بھی یہی کام کرتے تھے (پچھلی روایت کی سند میں کچھ گڑبڑ تھی جس کی وضاحت کے لیے امام ابو داؤد نے یہ روایت درج کی ہے)

بَابٌ فِيْ مَنْ قَدَّمَ شَيْئًا قَبْلَ شَيْءٍ فِيْ حَجِّهٖ

(جو شخص حج میں ایک عمل کو دوسرے پر مقدم کر دے)

۲۰۱۴ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عِيْسَى ابْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى يَسْاَلُوْنَهٗ فَجَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ وَجَاءَ رَجُلٌ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ قَالَ اِرْمِ

وَلَا حَرَجَ قَالَ فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ أَوْ أُخِّرَ إِلَّا قَالَ اصْنَعْ وَلَا حَرَجَ.

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں منیٰ میں وقوف کر رہے تھے، لوگ آپ سے سوال کرتے تھے۔ پس ایک شخص آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ مجھے معلوم نہ تھا میں نے ذبح سے پہلے حلق کرا لیا، حضورؐ نے فرمایا: ذبح کر کوئی حرج نہیں۔ ایک اور آدمی آیا اور بولا یا رسول اللہ مجھے معلوم نہ تھا تو میں نے رمی سے قبل نحر کر دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: رمی کر کوئی حرج نہیں۔ عبداللہ رضؓ نے کہا کہ حضورؐ سے اس دن تقدیم و تاخیر کے متعلق جو سوال بھی ہوا آپ نے فرمایا: کر لو کوئی حرج نہیں (بخاری، مسلم، مؤطا، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: اس سے قبل یہ حدیث کہیں اوپر گزر چکی ہے اور وہاں اس پر کلام ہو چکا۔ ابوحنیفہؒ کے نزدیک نفیٔ حرج سے مراد گناہ کی نفی ہے جو فدیئے کی نفی کو مستلزم نہیں، پس ان کے نزدیک اگر کوئی شخص ذبح سے قبل حلق کرائے تو فدیہ لازم ہوگا جو قارن پر دہرا ہوگا۔ ان کا استدلال ابن ابی شیبہ کی حدیث ابن عباس رضؓ سے ہے کہ اعمالِ حج کی تقدیم و تاخیر سے دَم واجب ہے۔ باقی ائمہ بشمولیت صاحبین کے نزدیک ان صورتوں میں نہ گناہ ہے نہ فدیہ۔ یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ حاجی قارن یا متمتع ہو ورنہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی کوئی فدیہ نہیں۔

۲۰۱۵ - حَدَّثَنَا عُثْمٰنُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا جَرِيْرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَأْتُوْنَهٗ فَمَنْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَيْتُ قَبْلَ أَنْ أَطُوْفَ أَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا أَوْ أَخَّرْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَا حَرَجَ لَا حَرَجَ إِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِيْ حَرِجَ وَهَلَكَ.

اسامہ بن شریک رضؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے گیا۔ لوگ آپ سے سوال کرنے آتے تھے، پس جو کہتا کہ یا رسول اللہ! میں نے طواف سے قبل سعی کر لی یا کسی چیز کو مقدم یا مؤخر کر دیا تو آپ فرماتے: کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں، سوائے اس شخص کے جس نے کسی مسلمان کی آبرو کو قطع کیا اور ظالم ہوتے ہوئے ایسا کیا، پس وہی شخص ہے جو گناہ گار رہا اور ہلاک ہوا (اس حدیث کا ایک راوی زیاد بن علاقہ ناصبی ہونے کی وجہ سے متکلم فیہ ہے۔ حافظ ابن القیم نے کہا ہے کہ اس حدیث میں سعیتُ قبل ان اطوف کا لفظ محفوظ نہیں، محفوظ صرف رمی

نحر اور حلق کی تقدیم و تاخیر ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ لاحرج کا معنیٰ نفیٔ اثم ہے نہ کہ نفیٔ فدیہ۔ کیونکہ دوسرے کی حق تلفی اگر مالی معاملات میں ہے تو حق رسی لازم ہے اور گناہ الگ جو دوسرے کی معافی سے ہی معاف ہوگا)

بَابٌ فِي مَكَّةَ

(یہ باب مکہ کے بارے میں ہے)

۲۰۱۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنِي كَثِيرُ بْنُ كَثِيرِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِي وَدَاعَةَ عَنْ بَعْضِ أَهْلِهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِمَّا يَلِي بَابَ بَنِي سَهْمٍ وَالنَّاسُ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ قَالَ سُفْيَانُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ سُتْرَةٌ قَالَ سُفْيَانُ كَانَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنَا عَنْهُ قَالَ أَنَا كَثِيرٌ عَنْ أَبِيهِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لَيْسَ مِنْ أَبِي سَمِعْتُهُ وَلَكِنْ مِنْ بَعْضِ أَهْلِي عَنْ جَدِّي۔

مطلب بن رضی ابی وداعہ سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باب بنی سہم کے پاس نماز پڑھتے دیکھا اور لوگ آپ کے آگے سے گزرتے تھے اور حضورؐ میں اور ان میں کوئی سترہ نہ تھا، سفیان نے کہا کہ آپؐ میں اور کعبہ میں کوئی سترہ نہ تھا۔ اور سفیان نے کہا کہ ابن جریج نے ہمیں کثیر کی طرف سے خبر دی تھی اور کہا تھا کہ: اخبرنا کثیر عن ابیہ۔ پس میں نے خود کثیر سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے اپنے باپ سے یہ حدیث نہیں سنی بلکہ میں نے اپنے بعض گھر والوں سے اور اس نے میرے دادا سے سنی تھی (ابن ماجہ اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)۔

شرح: مسند احمد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز طواف کے بعد والی تھی۔ باب بنی سہم کو آجکل باب عمرہ کہتے ہیں کیونکہ لوگ اس دروازے سے نکل کر تنعیم کی طرف احرام کی خاطر جاتے ہیں۔ نماز کے آگے سے گزرنا بڑی مسجد اور صحرا میں مختلف فیہ ہے۔ بعض ائمہ نے کہا کہ قدموں اور سجدہ گاہ کے درمیان سے گزرنا مکروہ ہے اور یہی مختار ہے اور اسی کی تائید اس حدیث میں ہے۔

بَابُ تَحْرِيمِ مَكَّةَ

۲۰۱۷ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ نَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مَكَّةَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ ثُمَّ هِيَ حَرَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ فَقَالَ عَبَّاسٌ أَوْ قَالَ قَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ لِقُبُورِنَا وَبُيُوتِنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْإِذْخِرَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَزَادَ فِيهِ ابْنُ الْمُصَفَّى عَنِ الْوَلِيدِ فَقَامَ أَبُو شَاهٍ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اكْتُبُوا لِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ قُلْتُ لِلْأَوْزَاعِيِّ مَا قَوْلُهُ اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ قَالَ هٰذِهِ الْخُطْبَةَ الَّتِي سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ کی فتح عطا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں کھڑے ہوئے پس اللہ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مکہ سے ہاتھی کو روک دیا تھا اور اس پر اپنے رسول ﷺ اور مومنوں کو مُسلّط کیا ہے۔ اور اس کی حرمت میرے لیے دن کی ایک گھڑی میں حلال کی گئی تھی۔ پھر یہ قیامت تک حرام ہے۔ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور اسکے شکار کو نہ ڈرایا جائے اور اس کا لقطہ صرف اس کے لیے حلال ہے جو اس کا اعلان کرنے والا ہو۔ پس عباس رضہ تھے یا ابوہریرہ رضہ نے کہا کہ عباس رضہ نے کہا: یا رسول اللہ اذخر بوٹی کے سوا کیونکہ وہ ہماری قبروں کے لیے اور گھروں کے لیے ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذخر کے سوا۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث میں

ابن المصفا نے ولید سے یہ اضافہ کیا ہے کہ یمن کا ایک آدمی ابوشاہ رضی اللہ عنہ اٹھا تو کہنے لگا یا رسول اللہ مجھے لکھوا دیجئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوشاہ کو لکھ دو۔ میں نے اوزاعی سے کہا کہ حضور کے اس ارشاد کا کیا مطلب تھا کہ ابوشاہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دو؟ اس نے کہا کہ اس سے مراد یہ خطبہ تھا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا (بخاری نے جنائز، بیوع، لقطہ، جزیہ، مغازی، دیات میں اور مسلم نے حج میں نسائی نے حج میں اور ابن ماجہ نے حج میں روایت کیا ہے)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ: ان اللہ حبس عن مکۃ الفیل الخ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ مکہ بزور فتح ہوا تھا نہ کہ صلح سے۔ دوسروں نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد بلا احرام داخلہ تھا کیونکہ حضور سیاہ عمامہ باندھے ہوئے احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ حضور کے لیے وہاں پر جو کچھ حلال کیا گیا وہ خونریزی تھی نہ کہ دوسری اشیاء مثلاً شکار اور درخت قطع کرنا وغیرہ (مگر یہ تاویلیں لفظ حدیث سے بہت دُور نظر آتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ خونریزی اگر حلال کی گئی تو کیوں؟ اسی لیے کہ بزور شمشیر مکہ کو فتح کیا گیا تھا ورنہ بصورت صلح خونریزی کا سوال پیدا نہ ہو سکتا تھا) بعض ملحدین نے یہاں پر ایک چبھتا ہوا سوال کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں تو ہاتھی والوں کو مکہ سے روکا گیا اور وہ حد حرم سے تجاوز نہ کر سکے مگر زمانۂ اسلام میں حجاج بن یوسف کو کیوں نہ روکا گیا حالانکہ اس نے مکہ کا محاصرہ کیا، منجنیق سے سنگ باری کی اور کعبہ میں آگ بھڑکائی اور باحرمت خون بہایا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو اور ان کے ساتھیوں کو مسجد حرام کے اندر قتل کیا؟ اور پھر باطنی شیعوں (قرامطوں) کو کیوں نہ روکا گیا جنہوں نے کعبہ کو لوٹا، اس کا پردہ اور زیورات اتارے، حجر اسود کو اکھاڑا، بہت سے حاجیوں کو قتل کیا اور بہترین اہل اسلام کو عین کعبہ کے سامنے ذبح کر دیا تھا؟ اس سوال کا جواب بعض علماء نے یہ دیا کہ دور جاہلیت میں ہاتھی کو کعبہ سے روکا جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی نشانی اور آپ کے آباء و اجداد کے اعزاز و اکرام کی خاطر تھا جو کہ کعبہ کے متولی اور خادم تھے۔ پس یہ کام گویا عنقریب مبعوث ہونے والے پیغمبر آخر الزمان کی پیش گوئی اور اس کی پیدائش کا پیش خیمہ تھا۔ اگر ہاتھی کو روکا نہ جاتا اور کعبہ کے حرم کی حفاظت نہ کی جاتی تو دو باتیں پیش آتیں:

۱- اہل حرم کا قتل جو کہ عامۃ المسلمین کے آباء و اجداد تھے اور ان کی اولاد کے ہاتھوں اقامت دین مقدر تھی۔

۲- یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا نشان تھا اور زمانۂ جاہلیت کے لوگ صرف اپنی باتوں کو جانتے اور سمجھتے تھے جو محسوس اور مشاہد ہوں۔ اگر یہ واقعہ یوں پیش نہ آتا تو ان کے سامنے کوئی عینی اور حسی شہادت آنجناب کی نبوت و رسالت کی نہ ہوتی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا اور اس کے جھنڈوں کو بلند کر دیا تو اس کے انصار و اعوان کافی ہو گئے اور اس کے دلائل کھل کر سامنے آ گئے تو حجاج یا قرامطہ کا الحاد دین کو نقصان پہنچانے والا اور اس کی حقانیت میں قدح کرنے والا نہ رہا، نہ عامۃ المسلمین کو ان افعال سے کوئی شک و شبہ لاحق ہو سکتا تھا۔ جو کچھ پیش آیا یہ مومن بندوں کے صبر و ثبات اور پختگی ایمان کی آزمائش تھی۔ لہٰذا زمانۂ جاہلیت میں جو کچھ پیش آیا اس کی اُس وقت ضرورت تھی نہ کہ ظہور اسلام کے بعد۔ واللہ اعلم

خطابی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے علم کی کتابت اور اسکی تحریری نشر واشاعت کی دلیل ثابت ہوتی ہے۔
مولانا نے فرمایا کہ یمن کے حاکم ابرہہ کا قصہ یہ تھا کہ وہ ہاتھی لے کر اپنے لشکر سمیت کعبہ کو گرانے کی نیت سے نکلا حتی کہ مکہ کے قریب آپہنچا اور اس کے لشکر نے عبدالمطلب بن ہاشم کے دوسو اونٹ پکڑ لیے عبدالمطلب ان دنوں قریش کے سردار اور رئیس تھے۔ ابرہہ نے حیاطہ حمیری نامی ایک شخص کو مکہ میں بھیجا اور کہا کہ اس شہر کے رئیس اور سردار کا پتہ چلاؤ اور اس سے کہو کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا بلکہ صرف کعبہ کو ڈھانا چاہتا ہوں۔ اگر تم لوگ آڑے نہ آؤ تو میں تم سے تعرض نہ کروں گا، مجھے تمہاری خونریزی سے غرض نہیں ہے اگر وہ لڑائی کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اسے میرے پاس لاؤ۔ جب حیاطہ مکہ میں داخل ہوا تو شہر کے سردار اور رئیس کا پتہ چلایا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔ حیاطہ عبدالمطلب کے پاس آیا اور اسے ابرھہ کا پیغام دیا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ واللہ ہمارا ابرہہ سے لڑنے کا نہ ارادہ ہے نہ اس کی طاقت ہے۔ یہ اللہ کا باحرمت گھر ہے اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنا کردہ گھر ہے۔ اگر وہ اسے بچائے تو اس کا گھر اور حرم ہے اور اگر ابرہہ کو اس کی تخریب کی اجازت دے دے تو ہم اسے کیونکہ ہٹا سکتے ہیں؟
حیاطہ نے کہا کہ بادشاہ کے پاس چلو کیونکہ اس نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کے سامنے لے چلوں۔ عبدالمطلب اپنے بعض بیٹوں سمیت ابرہہ کے لشکر میں گئے۔ ابرہہ کے درباری کہنے لگے کہ اے بادشاہ! قریش کا سردار تیرے دروازے پر ہے، اور حاضری کی اجازت چاہتا ہے اسے اندر آنے اور اپنی ضرورت بیان کرنے کی اجازت دو۔ ابرہہ نے اجازت دی۔ عبدالمطلب ایک جسیم، پُرہیبت خوبصورت آدمی تھا، جب ابرہہ نے اسے دیکھا تو اس کا اعزاز واکرام کیا اور اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ پھر ترجمان سے کہا کہ اس شخص سے پوچھو تمہاری کیا حاجت ہے؟ عبدالمطلب نے کہا کہ بادشاہ سے میری ضرورت یہ ہے کہ میرے دوسو اونٹ جو اس نے پکڑے ہیں انہیں مجھ کو واپس کر دے۔ ابرہہ نے ترجمان سے کہا کہ اس سے کہو: میں نے تجھے دیکھ کر سمجھا تھا کہ تو ایک عظیم آدمی ہے، مگر تیری گفتگو سے میں نے جانا کہ تو اس کے خلاف ہے، تو مجھ سے اپنے دوسو اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے مگر تو اس گھر کا ذکر نہیں کرتا جو تیرا اور تیرے باپ دادوں کا دین ہے؟ میں اس گھر کو گرانے آیا ہوں مگر تو مجھ سے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کرتا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مگر اس گھر کا مالک اس کا رب ہے جو اسے خود بچائے گا۔ ابرہہ نے کہا کہ وہ اسے مجھ سے نہیں بچا سکتا۔ عبدالمطلب نے کہا تو پھر تو جان اور تیرا کام، میرے اونٹ واپس کر دے۔ ابرہہ نے اونٹ واپس کر دیئے اور عبدالمطلب قریش کے پاس واپس آیا اور انہیں سارا واقعہ سُنا دیا اور انہیں حکم دیا کہ مکہ سے نکل کر پہاڑوں میں چلے جائیں اور گھاٹیوں اور غاروں میں پناہ گیر ہو جائیں کیونکہ ابرہہ کے حملے کا خوف ہے۔
دوسرے دن صبح کو ابرہہ نے مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی، اپنے ہاتھی کو آگے بڑھایا اور لشکر کو حرکت دی۔ ہاتھی کا نام محمود تھا اور ابرہہ بیت اللہ کو گرانے پر تُلا ہوا تھا، وہ چاہتا تھا کہ یہ کام انجام دے کر ہی یمن کو

واپس ہو گا۔ جب انہوں نے ہاتھی کو آگے بڑھایا تو نفیل بن خبیب خثعمی آگے بڑھا اور ہاتھی کے پہلو میں جا کھڑا ہوا اور اس کا کان پکڑ کر کہا: اے ہاتھی بیٹھ جا اور بچ کر واپس چلا جا۔ تو جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا کیونکہ تو اللہ تعالےٰ کے با حرمت حرم میں ہے۔ پس ہاتھی بیٹھ گیا۔ انہوں نے اسے مار کر اٹھانا چاہا۔ مگر اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے آنکڑا اس کے سر پہ مارا تو بھی نہ اٹھا، ڈنڈوں سے پیٹا اور اس کے جسم میں چبھوئے مگر وہ نہ اٹھا، پھر انہوں نے اس کا منہ یمن کی طرف موڑا تو اٹھ کر بھاگنے لگا۔ پھر شام کو پھیرا تو وہ بھاگنے لگا، پھر مکہ کا رخ کر کے اسے چلایا تو بیٹھ گیا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اُن پر سمندر کی جانب سے کچھ پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں۔ ہر پرندے کے پاس تین پتھر تھے۔ دو دو پتھر پنجوں میں اور ایک ایک چونچ میں یہ کنکریاں چنے اور مسور کے دانوں جیسی تھیں۔ وہ جس جس کو لگتی وہیں ہلاک ہو جاتا۔ اور وہ کنکر ہر ایک کو نہیں لگے۔ وہ لشکر واپس مڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو لوگ ہر راستے میں اور ہر پڑاؤ میں گرنے لگے۔ ابرہہ کو وہ کنکری جسم پر لگی تھی، وہ اسے لے کر واپس چلے تو اس کی انگلیوں کی پوریں ایک ایک کر جھڑ گئیں، جو پور گرتی اس کی جگہ سے پیپ اور خون بہتا تھا حتیٰ کہ وہ صنعاء جا پہنچے اور وہ اس وقت پرندے کے چوزے کی مانند ہو چکا تھا وہ اس وقت تک نہ مرا جب تک اس کا دل نہ پھٹ گیا۔

مولانا نے فرمایا کہ حنفیہ اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ مکہ بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا۔ اس حدیث میں اس کی دلیل موجود ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ مکہ کو میرے لیے دن کی ایک گھڑی میں حلال کیا گیا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اور ایمانداروں کو اس پر مسلط کر دیا۔ مکہ میں خود بخود اگنے والی نباتات اور درخت محترم ہیں مگر لوگ جن چیزوں کو خود اگاتے ہیں تاکہ اُن سے نفع پائیں انہیں کاٹنا جائز ہے۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے مگر شافعی رحؒ نے کہا کہ اس کا بھی فدیہ ہے خود رو درختوں اور بوٹیوں کے متعلق امام مالکؒ نے کہا کہ انہیں کاٹنے کا گناہ تو ہے مگر فدیہ کوئی نہیں۔ عطاءؒ نے کہا کہ کاٹنے اور اکھاڑنے والا استغفار کرے۔ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اس کی قیمت کی ہدی واجب ہے۔ امام شافعیؒ بڑے درخت میں گائے اور چھوٹے میں بھیڑ بکری کا فدیہ بتایا ہے۔ ابن العربیؒ نے کہا کہ علماء حرم کے درختوں کو قطع کرنے کی حرمت پر متفق ہیں لیکن شافعیؒ نے درختوں کی شاخوں سے مسواک کاٹنا جائز کہا ہے۔ اور درختوں کے پتے اور پھل لینا بھی بقول شافعی جائز ہے بشرطیکہ اس سے ان درختوں کے کٹ جانے یا سوکھ جانے کا خدشہ نہ ہو۔ اور مجاہد اور عطاء وغیرہ کا یہی مذہب ہے جو شاخیں خود بخود گر جائیں ان کو کام میں لانا جائز ہے۔

۲۰۱۸ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي هٰذِهِ الْقِصَّةِ وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا۔

دوسری سند سے یہ حدیث ابن عباس رضؓ سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا: اور اس کی

تر نباتات نہ کاٹی جائے (بخاری و مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے) حنفیہ نے تر گھاس کو چرانا بھی ناجائز کہا ہے اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے، یہی امام مالک کا مذہب ہے۔ شافعی رحمہ اللہ نے اسے چارپاؤں کی ضرورت کی خاطر چرانا حلال اور گھاس کھودنا یا کاٹنا حرام کہا ہے)

۲۰۱۹ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ نَا اِسْرَائِيْلُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ عَنْ يُوْسُفَ ابْنِ مَاهَكٍ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نَبْنِيْ لَكَ بِمِنًى بَيْتًا اَوْ بِنَاءً يُظِلُّكَ عَنِ الشَّمْسِ فَقَالَ لَا اِنَّمَا هُوَ مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ اِلَيْهِ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم آپ کے لیے منیٰ میں ایک گھر یا عمارت نہ بنا دیں تاکہ آپ اس کے سائے میں دھوپ سے آرام کر سکیں؟ تو حضور نے فرمایا: نہیں، منیٰ میں جو پہلے چلا جائے جہاں چاہے ڈیرہ لگا لے (ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: اگر منیٰ میں حضور اپنے لیے کوئی جھونپڑا وغیرہ بنانے کی اجازت دے دیتے تو اب تک اس میں بے شمار مکانات اور عمارتیں تعمیر ہو چکی ہوتیں اور لوگوں کو اعمالِ حج کی ادائیگی میں دقت پیش آجاتی منیٰ میں نحر و ذبح، حلق اور رمی ہوتی ہے اور اس میں سب لوگ شریک ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں بیٹھنے کی جگہوں کا بھی یہی حکم ہے، بلکہ حرم کی ساری زمین اللہ کے لیے وقف ہے لہذا اس کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا۔ منیٰ میں مکان بنانے کے عدم جواز کی جو علت حضور نے بیان فرمائی اس سے خطابی کی اس تاویل کا رد ہوتا ہے کہ حضور کے لیے اور مہاجرین و انصار کے لیے مکہ میں گھر بنانا اس لیے ناجائز تھا کہ یہ دار الہجرت تھا اور وہ حضرات اسے اللہ کی خاطر چھوڑ چکے تھے، مگر سوال یہ ہے کہ منیٰ کا تو یہ حکم نہ تھا نہ وہاں کسی نے کوئی جائداد یا مکان چھوڑا تھا؟ پھر بھی اس میں مکان بنانا ممنوع ٹھہرایا گیا۔ افسوس تو یہ ہے کہ اب منیٰ میں کئی مکانات اور عمارتیں تعمیر ہو گئی ہیں۔

۲۰۲۰ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا اَبُوْ عَاصِمٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ يَحْيٰى ابْنِ ثَوْبَانَ اَخْبَرَنِيْ عُمَارَةُ بْنُ ثَوْبَانَ حَدَّثَنِيْ مُوْسَى بْنُ بَاذَانَ قَالَ اَتَيْتُ يَعْلَى بْنَ اُمَيَّةَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِحْتِكَارُ

الطَّعَامِ فِي الْحَرَمِ إِلْحَادٌ فِيهِ ۔

یعلی رضؓ بن امیہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرم میں کھانے پینے کی اشیاء کو روک کر رکھنا الحاد ہے (بخاری نے اس حدیث کو تاریخ کبیر میں یعلی بن امیہ عن عمر بن الخطابؓ روایت کیا ہے)

شرح: بخاری نے موسیٰ بن باذان کو تاریخ میں مسلم بن باذان کہا ہے اور ابو زرعہ نے اسے مجہول کہا ہے۔ حرم میں الحاد نص قرآنی سے حرام ہے۔ الحاد کا معنیٰ ہے ظلم و تعدی اور حد سے تجاوز لفظی معنیٰ اس کا ہے ایک طرف کو جھکنا اور یہیں سے لحد کا لفظ ہے۔ احتکار ہر جگہ ناجائز ہے لیکن حرم میں اس کی حرمت مستزاد ہے کیونکہ یہ وادی غیر ذی زرع ہے لہذا اس میں رزق کی ترقی ہونی چاہیے تاکہ باہر سے آنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

بَابٌ ۹۱ فِي نَبِيذِ السِّقَايَةِ

حاجیوں کو نبیذ پلانے کا باب

۲۰۲۱ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَنَا خَالِدٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا بَالُ أَهْلِ هٰذَا الْبَيْتِ يَسْقُونَ النَّبِيذَ وَبَنُو عَمِّهِمْ يَسْقُونَ اللَّبَنَ وَالْعَسَلَ وَالسَّوِيقَ أَبُخْلٌ بِهِمْ أَمْ حَاجَةٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَا بِنَا مِنْ بُخْلٍ وَلَا بِنَا مِنْ حَاجَةٍ وَلٰكِنْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَخَلْفَهُ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَدَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ فَأُتِيَ بِنَبِيذٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَدَفَعَ فَضْلَهُ إِلَى أُسَامَةَ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنْتُمْ وَأَجْمَلْتُمْ كَذٰلِكَ فَافْعَلُوا فَنَحْنُ هٰكَذَا لَا نُرِيدُ أَنْ نُغَيِّرَ مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابن عباس رضؓ سے کسی آدمی نے کہا: کیا وجہ ہے کہ عباسؓ کا گھرانا تو لوگوں کو نبیذ پلاتا ہے اور ان کے چچا زاد لوگوں کو دودھ، شہد اور ستو پلاتے ہیں؟ کیا یہ ان کا بخل ہے یا افلاس؟ ابن عباس رضؓ نے کہا: نہ ہم میں کوئی بخل ہے اور نہ فقر و فاقہ۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف لائے اور اسامہ بن زیدؓ

حضورؐ کی سواری پر آپ کا ردیف تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مشروب طلب فرمایا۔ آپکو نبیذ دی گئی اور آپ نے اس میں سے خود پیا اور بقیہ اُسامہ بن زیدؓ کو عطا فرمایا اور اس نے بھی پیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے بہت اچھا کام کیا ہے، تم اسی طرح کرو۔ پس ہم اسی طرح کرتے اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اس میں تبدیلی نہیں کرتے (صحیح مسلم اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: نبیذ اس مشروب کا نام ہے جو پانی میں کھجور، کشمش اور شہد وغیرہ ملا کر بنایا جاتا ہے۔ اگر یہ اسی طرح ان چیزوں سمیت پڑا رہے تو کچھ دیر بعد نشہ آور ہو جاتا ہے۔ پس اُس وقت سے پہلے پہلے اس کا پینا جائز ہے۔ زمزم کا سقایۂ (پانی پلانا) زمانۂ جاہلیت سے ہی عباس رضؓ کے زیر اہتمام تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی کنجی اور زمزم کا انتظام بحال رکھا تھا۔ عباسؓ اور ان کا خاندان حج کے دنوں میں لوگوں کو پانی پلایا کرتا تھا اور پانی کو نبیذ بنا دیتے تھے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اُمیّہ مقابلۃً لوگوں کو بہتر مشروب پیش کرتے تھے مگر زمزم کا انتظام ان کے پاس نہ تھا۔

بَابُ ٩٢ الْاِقَامَةِ بِمَكَّةَ

مکہ میں اقامت کا باب

۲۰۲۲ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حُمَيْدٍ اَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَسْاَلُ السَّائِبَ ابْنَ يَزِيدَ هَلْ سَمِعْتَ فِي الْاِقَامَةِ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ اَخْبَرَنِي ابْنُ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِلْمُهَاجِرِيْنَ اِقَامَةٌ بَعْدَ الصَّدَرِ ثَلَاثًا۔

عمر بن عبد العزیزؒ نے سائب بن یزید سے پوچھا کہ کیا تو نے مکہ کی اقامت کے متعلق کوئی حدیث سُنی ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے علاءؓ بن الحضرمی نے بتایا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا کہ مہاجرین طواف صدر کے بعد (یعنی حج کے مناسک پورے کر کے) تین دن مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور مسلم میں: "مناسکِ حج پورے کرنے کے بعد" کے الفاظ آئے ہیں)

شرح: حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ فتح مکہ سے قبل مہاجرین کے لیے مکہ کی اقامت حرام تھی۔ فتح مکہ کے

بعد ہجرت موقوف ہوگئی اور مکہ دارالاسلام بن گیا تو اب مہاجرین کو حج اور عمرہ کے لیے مکہ میں ٹھہرنا اور مناسک پورے کرنے کے بعد تین دن تک (تیاری وغیرہ کے لیے) وہاں رہنا جائز رکھا جائز رکھا گیا۔ اس سے زائد مدت جائز نہ تھی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن خولیؓ کی مکہ میں موت پر اظہار رنج و غم فرمایا تھا۔ داؤدی کے کلام میں اس حکم کو مہاجرین اوّلین کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے حالانکہ اوّلین کی شرط لگانے کا کوئی معنیٰ نہیں۔ نوویؒ نے کہا کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ مہاجرین کے لیے مکہ کو از سر نو وطن بنانا جائز نہ تھا۔ قاضی عیاضؒ نے اسے جمہور کا قول بتایا ہے۔ اور قاضی نے کہا کہ یہ حکم اس زمانے تک تھا جب کہ ہجرت فرض تھی، بعد کا یہ حکم نہیں ہے۔ اور اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ فتح مکہ سے قبل ہجرت فرض تھی اور مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور اسلام کے اعزاز کی خاطر رہنا ضروری تھا۔ لیکن غیر مہاجرین کے لیے یہ پابندی نہیں وہ جس جگہ چاہیں جب تک چاہیں رہیں۔

مگر اس حکم سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے علاوہ اور جگہ رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ قرطبی نے کہا ہے اس حدیث میں مہاجرین سے مراد فقط مکہ کے مہاجر ہیں کیونکہ انہوں نے اسے اللہ کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ یہ اختلاف اس وقت کے مہاجرین کے متعلق ہے۔ بعد میں اگر کوئی اپنے وطن سے کسی اور جگہ ہجرت کر جائے اور یہ ہجرت محض للہ ہو تو آیا فتنہ فرو ہو جانے کے اس کے لیے واپسی جائز ہوگی یا نہیں، سو احسن تو یہی ہے کہ اس کا بھی یہی حکم مانا جائے کیونکہ اس کی ہجرت للہ تھی، اور اس کی تائید نسائی کی حدیث ابن مسعودؓ سے ہوئی ہے۔ جس میں ہے کہ سود خوار اور سود دہندہ پر اللہ کی لعنت الخ اور اس پر بھی اللہ کی لعنت جو ہجرت کے بعد پھر صحرائی بن جائے۔

باب ۹۳ الصَّلٰوةِ فِی الْكَعْبَةِ

کعبہ کے اندر نماز کا باب

۲۰۲۳۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَاُسَامَةُ ابْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ وَبِلَالٌ فَاَغْلَقَهَا عَلَيْهِ فَمَكَثَ فِيْهَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَسَاَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجَ مَاذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهٖ وَعَمُوْدَيْنِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَثَلٰثَةَ اَعْمِدَةٍ وَّرَآءَهٗ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ حجبی اور بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ نے دروازہ بند کر دیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کعبہ کے اندر رہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا جبکہ وہ کعبہ سے باہر نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ پس بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے ایک ستون اپنے بائیں طرف رکھا اور دو ستون دائیں طرف اور تین ستون پیچھے، اور بیت اللہ کے ان دنوں چھ ستون تھے، پھر آپ نے نماز پڑھی (بخاری نے یہ حدیث اپنی صحیح میں آٹھ مقامات پر درج کی، مسلم، موطا، ترمذی، اور نسائی میں بھی یہ مروی ہے۔)

شرح: بخاری کتاب الجہاد میں صراحت ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا تھا۔ ازدہام کے خوف سے دروازہ بند کر دیا گیا تاکہ ہر آدمی آنے کی کوشش نہ کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور کی نماز کی نفی آئی ہے ہمارے استاذ الاستاذ حضرت سید انور شاہ رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے مولانا نے ایک اور راستہ اختیار فرمایا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ میں حضور کے ساتھ نہ تھے اور وہ نفی کو کبھی اُسامہ رضی اللہ عنہ کی طرف اور کبھی اپنے بھائی فضل رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ کا بیان صحیح تر ہے کیونکہ اس میں اثبات ہے اور بلال رضی اللہ عنہ اس وقت ساتھ موجود تھے۔ علاوہ ازیں فتح مکہ کے موقع پر فضل رضی اللہ عنہ کا ساتھ ہونا بھی سوائے ایک شاذ روایت کے کہیں ثابت نہیں ہوا۔ اگر کبھی اللہ تعالیٰ کسی کو یہ سعادت عطا کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ آداب کا پورا خیال رکھے، خشوع وخضوع اور تواضع کو ملحوظ رکھے۔ دعا میں کوشش کرے، چھت کی طرف نہ سر اٹھائے نہ نگاہ کرے۔ حضور کی جائے نماز پر نماز پڑھے۔ دیوار پر اپنا رُخسار رکھے۔ ہر طرف گھوم پھر کر استغفار کرے اور تسبیح وتہلیل وتحمید میں مشغول رہے اور حضور پر صلاۃ وسلام کی کثرت کرے۔

۲۰۲۴ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ ابْنِ اِسْحَاقَ الْاَذْرَمِيُّ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مَالِكٍ بِهٰذَا لَمْ يَذْكُرِ السَّوَارِيَ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ ثَلٰثَةُ اَذْرُعٍ۔

وہی حدیث دوسری سند کے ساتھ۔ اس میں ستونوں کا ذکر نہیں اور راوی نے کہا کہ آپ نے نماز پڑھی جبکہ آپ کے اور قبلہ کے درمیان تین گز کا فاصلہ تھا۔

۲۰۲۵ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنٰى حَدِيْثِ الْقَعْنَبِيِّ قَالَ وَنَسِيْتُ اَنْ سَاَلَهٗ كَمْ صَلّٰى۔

ابن عمرؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی (ا باب کی پہلی حدیث کی مانند) اس میں یہ لفظ بھی ہیں کہ: میں اپنے شیخ سے یہ پوچھنا بھول گیا کہ حضورؐ نے کتنی نماز پڑھی تھی۔

۲۰۲۶ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا جَرِيرٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَفْوَانَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ كَيْفَ صَنَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ قَالَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ۔

عبدالرحمٰن بن صفوان نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ بن الخطاب سے پوچھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے کیا کیا تھا؟ انھوں نے کہا کہ حضورؐ نے دو رکعت نماز پڑھی تھی (عبدالرحمٰن بن صفوانؓ بھی صحابی تھے)

۲۰۲۷ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْحَجَّاجِ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَبٰى أَنْ يَّدْخُلَ الْبَيْتَ وَفِيهِ الْاٰلِهَةُ فَأَمَرَ بِهَا فَأُخْرِجَتْ قَالَ فَأُخْرِجَ صُورَةُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَفِي أَيْدِيهِمَا الْأَزْلَامُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمُوا مَا اسْتَقْسَمَا بِهَا قَطُّ قَالَ ثُمَّ دَخَلَ الْبَيْتَ فَكَبَّرَ فِي نَوَاحِيهِ وَفِي زَوَايَاهُ ثُمَّ خَرَجَ وَلَمْ يُصَلِّ فِيهِ ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب (فتح کے موقع پر) مکہ تشریف لائے تو آپؐ نے بتوں کی وہاں موجودگی میں کعبہ کے اندر داخل ہونے سے گریز فرمایا۔ پس آپؐ نے انہیں وہاں سے نکالنے کا حکم دیا اور ان مورتیوں کو نکالا گیا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ کعبہ سے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی مورتیاں بھی نکالی گئیں اور ان کے ہاتھوں میں فال کے تیر (پانسے) تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مشرکوں کو ہلاک کرے، واللہ انہیں معلوم تھا کہ ان دونوں بزرگوں نے کبھی فال کے تیر استعمال نہیں کئے تھے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ پھر حضورؐ کعبہ میں داخل ہوئے اور اس کے اطراف اور کونوں میں تکبیر کہی، پھر باہر

نکلے اور اس میں نماز نہیں پڑھی۔ (بخاری نے کتاب الحج اور کتاب المغازی میں یہ حدیث روایت کی ہے)

شرح: ان دونوں پیغمبروں کی مورتیوں کے ہاتھوں میں ازلام تھے۔ یہ زلم کی جمع ہے جس کا معنی ہے بے پھل کے تیر۔ ان میں سے کسی تیر پر اِفعَلُ، کسی پر لاَ تَفعَلُ لکھا ہوتا اور بعض خالی ہوتے تھے۔ کسی کام کا ارادہ کرتے تو بتوں کا پجاری تیروں کو کسی برتن میں ڈال کر ملاتا اور پھر ایک کو نکالتا، اگر پہلا نکلتا تو وہ کام کر لیتے، دوسرا نکلتا تو نہ کرتے اور تیسرا نکلتا تو پھر وہی عمل دُہراتا حتی کہ ہاں یا نہ والا تیر نکل آتا۔ ابن اسحاق سے منقول ہے کہ قریش مکہ کا سب سے بڑا بت ہُبل تھا جو کعبہ کے اندر ایک گہرے گڑھے میں تھا اور اسی گڑھے میں وہ چیزیں جمع ہوتی تھیں جو کعبہ پر بطور نذر لائی جاتیں۔ اور ہُبل کے پاس سات تیر تھے جن میں سے ہر ایک پر اوٹ پٹانگ باتیں لکھی ہوتی تھیں۔ دیتوں کے فیصلے، نسب کے فیصلے وغیرہ انہی سے کئے جاتے تھے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الْحِجْرِ ۹۴

حجر میں نماز کا باب

۲۰۲۸ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَدْخُلَ الْبَيْتَ وَأُصَلِّيَ فِيهِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ فَأَدْخَلَنِيْ فِي الْحِجْرِ فَقَالَ صَلِّيْ فِي الْحِجْرِ إِذَا أَرَدْتِّ دُخُولَ الْبَيْتِ فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِّنَ الْبَيْتِ فَإِنَّ قَوْمَكِ اقْتَصَرُوْا حِيْنَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ فَأَخْرَجُوْهُ مِنَ الْبَيْتِ۔

حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ میں داخل ہوں اور اس میں نماز پڑھوں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حجر میں داخل کیا اور فرمایا کہ حجر میں نماز پڑھ لے جب کہ تو بیت اللہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے کیونکہ یہ بیت اللہ کا ایک ٹکڑا ہے۔ تیری قوم نے جب کعبہ بنایا تو بیت اللہ کو چھوٹا کر دیا تھا اور حجر کو کعبہ سے نکال دیا تھا۔ ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے، ابن عمر رضؓ نے اسی سے استدلال کر کے رُکن شامی اور عراقی کو مس نہ کیا تھا کیونکہ درحقیقت وہ رُکن نہیں کیونکہ بیت اللہ ابراہیمی بنیادوں پر تمام نہیں کیا گیا اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ حطیم کے باہر سے طواف فرمایا تھا۔ لیکن فقہاء نے کہا ہے کہ اگر نمازی صرف حطیم کا استقبال کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ نماز میں استقبال بیت اللہ تو قطعی ہے اور حطیم کا بیت اللہ

میں داخل ہونا دلیل ظنی سے ثابت ہوا ہے، پس اس کے ساتھ بیت اللہ کے کسی جزء کا استقبال بھی واجب ہوا)

بَابٌ ۹۵ فِي دُخُولِ الْكَعْبَةِ

دخول کعبہ کا باب

۲۰۲۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ اِسْمٰعِيلَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا وَهُوَ مَسْرُوْرٌ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيَّ وَهُوَ كَئِيبٌ فَقَالَ اِنِّي دَخَلْتُ الْكَعْبَةَ وَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا دَخَلْتُهَا اِنِّي اَخَافُ اَنْ اَكُوْنَ قَدْ شَقَقْتُ عَلَى اُمَّتِي ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے خوشی خوشی سے باہر گئے پھر واپس آئے تو غمگین تھے، پس فرمایا: میں کعبہ میں داخل ہوا اور اگر میں وہ کچھ جانتا ہوتا جس کا بعد میں علم ہوا تو کعبہ میں داخل نہ ہوتا۔ مجھے خوف ہے کہ میں نے اپنی اُمت کو مشقت میں ڈال دیا ہے (ترمذی و ابن ماجہ، ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: بظاہر یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ انہی دنوں میں حضور کے ساتھ تھیں۔ فتح مکہ کے سال تو آپ نے کعبہ میں نماز بھی پڑھی تھی اور حجۃ الوداع میں فقط داخل ہوئے تھے اور تکبیر و تہلیل کی تھی۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ جن لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضور فقط فتح مکہ کے زمانے میں ہی کعبہ میں داخل ہوئے تھے یہ حدیث ان کا رد کرتی ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ عمرۃ القضاء (یا عمرۂ جعرانہ) کے دنوں میں آپ کعبہ میں داخل نہیں ہوئے، پس بالیقین یہ ثابت ہوا کہ یہ دخول حجۃ الوداع میں تھا اور یہی بیہقی کا قول ہے۔ اور یہ بات بہت بعید ہے کہ اس حدیث والی بات حضور نے فتح مکہ کے بعد فرمائی ہو۔ اور حضور نے اس پر جو اظہار غم فرمایا اور اس کا سبب یہ بتایا کہ مجھے خوف ہے میں نے اپنی امت کو مشقت میں نہ ڈال دیا ہو، یہ نہایت گہری شفقت کا اظہار ہے۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ لوگ اسے مسنون جان کر دخول کعبہ کی کوشش کریں گے۔ بھیڑ بھاڑ ہوگی اور کشمکش پیش آئے گی۔ حمصی نسخے میں اس حدیث پر باب فی دخول الکعبۃ ۹۵ کا عنوان درج ہے۔

۲۰۳۰ - حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ وَسَعِيدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَّمُسَدَّدٌ قَالُوْا نَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ الْحَجَبِيِّ حَدَّثَنِي خَالِي عَنْ اُمِّي قَالَتْ

سَمِعْتُ الْاَسْلَمِيَّةَ تَقُوْلُ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا قَالَ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ دَعَاكَ قَالَ اِنِّيْ نَسِيْتُ اَنْ اٰمُرَكَ اَنْ تُخَمِّرَ الْقَرْنَيْنِ فَاِنَّهُ لَيْسَ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يَّشْغَلُ الْمُصَلِّيْ قَالَ ابْنُ السَّرْحِ خَالِيْ مُسَافِعُ بْنُ شَيْبَةَ۔

صفیہ رضؓ بنت شیبہ (الحجبیہ) نے کہا کہ میں نے اسلمیہ سے سُنا، وہ کہتی تھی کہ میں نے عثمان رضؓ بن طلحہ حجبی سے پوچھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بلایا تھا تو کیا فرمایا تھا؟ اس نے کہا یہ فرمایا تھا کہ: میں تم سے یہ کہنا بھول گیا تھا کہ تم ان سینگوں کو ڈھانک دو کیونکہ بیت اللہ میں کسی ایسی چیز کا ہونا مناسب نہیں جو نمازی کی توجہ کو ہٹا دے۔ ابن السرح نے کہا کہ میرا ماموں (راوی حدیث) مسافع بن شیبہ تھا (یہ سینگ اس مینڈھے کے تھے جسے اسمعیلؑ کے فدیے میں جناب ابراہیمؑ نے قربان کیا تھا۔ شاید بطور یادگار انہیں کعبہ میں لگا یا لٹکا دیا ہوگا۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ لگانے والا کون تھا اور وہ سینگ محفوظ کیوں کر رہے؟)

بَابٌ ۹۶ فِيْ مَالِ الْكَعْبَةِ

یہ باب کعبہ کے مال کے متعلق ہے

۲۰۳۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُحَارِبِيُّ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ وَاصِلٍ الْاَحْدَبِ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ شَيْبَةَ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ قَالَ قَعَدَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِيْ مَقْعَدِكَ الَّذِيْ اَنْتَ فِيْهِ فَقَالَ لَا اَخْرُجُ حَتّٰى اُقَسِّمَ مَالَ الْكَعْبَةِ قَالَ قُلْتُ مَا اَنْتَ بِفَاعِلٍ قَالَ بَلٰى لَاَفْعَلَنَّ قَالَ قُلْتُ مَا اَنْتَ بِفَاعِلٍ قَالَ لِمَ قُلْتُ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَاٰى مَكَانَهُ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَهُمَا اَحْوَجُ مِنْكَ اِلَى الْمَالِ فَلَمْ يُحَرِّكَاهُ فَقَامَ فَخَرَجَ۔

شیبہ بن عثمان رضؓ نے شقیق سے کہا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ تمہاری اسی جگہ پر بیٹھے تھے کہ انہوں نے کہا کہ میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ کعبہ کا مال تقسیم نہ کر دوں۔ میں نے کہا کہ آپ ایسا نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ میں ضرور ایسا کروں گا۔ شیبہ نے کہا کہ میں نے کہا آپ ایسا نہیں کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا

کیوں ؟ میں نے کہا: اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مال کی موجودگی کو دیکھا اور حضرت ابوبکرؓ کو بھی یہ معلوم تھا، اور ان دونوں کو اس مال کی آپ سے زیادہ حاجت تھی مگر انہوں نے اسے نہیں ہلایا بس حضرت عمرؓ اٹھے اور چلے گئے (بخاری اور نسائی میں بھی یہ حدیث مروی ہے شیبہؓ بن عثمان صحابی تھا، اس کی کنیت ابو عثمان ہے۔ عثمان سے مراد ابن طلحہ حجبی ہے۔ یہ عبد الدار کے قبیلے کے لوگ تھے جو کعبۃ اللہ کے حاجب یعنی کنجی بردار تھے اور ہیں۔ مال سے مراد نذر و نیاز کی وہ چیزیں تھیں جو کعبہ پر چڑھائی جاتیں اور کعبہ کے اندر ایک گہرے گڑھے (کنویں) میں محفوظ تھیں)

باب ۹۷

۲۰۳۲ - حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ يَحْيَى نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ إِنْسَانٍ الطَّائِفِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ لَمَّا أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ لِيَّةَ حَتَّى إِذَا كُنَّا عِنْدَ السِّدْرَةِ وَقَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَرَفِ الْقَرْنِ الْأَسْوَدِ حَذْوَهَا فَاسْتَقْبَلَ نَخِبًا بِبَصَرِهِ وَقَالَ مَرَّةً وَادِيَهُ وَوَقَفَ حَتَّى اتَّقَفَ النَّاسُ كُلُّهُمْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَعِضَاهَهُ حَرَمٌ مُحَرَّمٌ لِلّٰهِ وَذٰلِكَ قَبْلَ نُزُولِهِ الطَّائِفَ وَحِصَارِهِ لِثَقِيفٍ۔

زبیرؓ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیّہ سے آئے حتیٰ کہ جب ہم بیری کے درخت کے پاس تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرن اسود نامی پہاڑ کی ایک طرف اس کے سامنے کھڑے ہوئے اور طائف کی وادی نخب کی طرف نگاہ کی، اور ایک دفعہ راوی نے وادی کا لفظ بولا۔ اور ٹھہرے رہے حتیٰ کہ سب لوگ ٹھہر گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وَجّ کا شکار اور اس کے درخت حرام ہیں اللہ کے لیے باحرمت ہیں۔ اور یہ واقعہ آپؐ کے طائف پہنچنے اور وہاں پر ثقیف کے قلعے کا محاصرہ کرنے سے پہلے کا ہے (مسند احمد میں یہ روایت موجود ہے) حمصی نسخے میں یہاں پر اس حدیث سے پہلے باب کا لفظ موجود

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ لیّہ طائف کے قریب ایک پہاڑ ہے جس کے ایک طرف ثقیف اور دوسری طرف قبیلہ نصر بن معاویہ قابض تھا۔ نخب طائف کی ایک وادی تھی۔ وَجّ یا تو خود طائف تھا یا اس کی ایک وادی کا نام۔ عضاہ کانٹے دار درخت کو کہتے تھے۔ خطابی نے کہا کہ حضورؐ نے جو وَجّ کو حرام ٹھہرایا اس کا کوئی سبب مجھے معلوم نہیں۔ ممکن ہے اسے مسلمانوں کے منافع کی خاطر وقف فرمایا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حرمت ایک خاص مدت کے لیے ہو اور پھر منسوخ ہوگئی ہو اور زبیرؓ کا قول: وَ ذٰلِک

قبل نزلہ الطائف وحصارہ لثقیف، اس پر دلالت کرتا ہے۔ پھر حل کے تمام علاقوں کی مانند اس کی اباحت لوٹ آئی ہو۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر جب طائف کا محاصرہ کئے پڑا تھا تو لوگوں نے شکار، درخت اور ضروریات کی اشیاء کا استعمال کیا تھا اس سے اس کا حلال اور مباح ہونا معلوم ہو گیا۔ خطابی نے کہا کہ اس کے سوا کوئی وجہ میری نظر میں نہیں۔ کعب الاحبار سے اس بارے میں جو منقول ہے میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ وہ ایک بڑا دعویٰ ہے جو دین و فطرت اور عقل و فکر کے یکسر خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

مولانا نے تاریخ خمیس سے نقل کیا ہے کہ وج کے حرم ہونے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ حرم نہیں اور امام مالک اور شافعی کے نزدیک وہ حرم مکہ و مدینہ کی طرح حرم ہے۔ الوجیز میں ہے کہ طائف کے وج کے شکار اور درخت کاٹنے سے نہی وارد ہوئی ہے اور نہی کراہت ہے جو تادیب کو واجب کرتی ہے فدیے کو نہیں۔ مالکیہ کے امام اور مفتی محمد بن عمر قسطلانی سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے وج کے شکار کے مسئلہ میں مالکی مذہب میں کچھ پڑھا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں اسے نہیں جانتا اور میرے لیے اس کے شکار کی حرمت کا فتویٰ دینے کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ حدیث ان احادیث میں سے نہیں جن پر تحلیل و تحریم کا مدار ہو سکے شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ یہ حدیث وج کے شکار اور درختوں کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور شافعیؒ اور یحییٰ (زیدی فقیہ) اسی طرف گئے ہیں۔ البحر میں ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو قیاس یہی ہے کہ یہ تحریم کو ثابت کرتی ہے مگر اجماع نے اس سے روکا ہے۔ مگر اس اجماع میں بھی کلام ہے۔ کیونکہ شافعی کے جمہور اصحاب کا مذہب تحریم ہے۔

بَابٌ فِي إِتْيَانِ الْمَدِينَةِ

یہ باب مدینہ آنے کے متعلق ہے

۲۰۳۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِي هَذَا وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف، مسجد حرام، اور میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا اور اسی حدیث کو ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

شرح: خطابی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون نذر کے متعلق ہے، یعنی آدمی یہ نذر کرے کہ میں کسی مسجد میں

جا کر نماز پڑھوں گا پس اور مسجدوں میں تو چاہے نذر پوری کرے یا نہ کرے لیکن اگر اس نے ان تین مسجدوں میں سے کسی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی تو اس نذر کا ایفاء واجب ہے۔ ان تین مسجدوں کو اس امر میں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ تینوں مسجدوں انبیاء کی ہیں اور ہمیں ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس نذر سے مراد اعتکاف کی نذر ہے۔

بظاہر حدیث کا جو مطلب نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ تقرب الٰہی کی نیت سے صرف ان تین مساجد کا سفر جائز ہے۔ شدِ رحال سفر کا کنایہ ہے کیونکہ اونٹ پر کجاوہ اسی وقت کستے ہیں جب سفر کا ارادہ ہو۔ ان تین مساجد کا درجہ اور فضیلت باقی تمام مساجد پر ثابت ہے۔ مسجد حرام میں نماز کا ثواب ایک لاکھ، مسجد اقصیٰ میں اور مسجد نبوی ﷺ میں پچاس پچاس ہزار درجے زائد ہیں (ابن ماجہ) اس حدیث ابن ماجہ میں ابوالخطاب راوی پر کلام ہے۔ محدث علی القاری رحؒ نے کہا ہے کہ جن دوسری احادیث میں اس سے کم ثواب مذکور ہے وہ پہلے کی ہیں، اس وقت کا ثواب اسی قدر ہوگا۔ پھر اس میں اضافہ ہوگیا۔ ثواب کے اضافے میں بعض اور احادیث سے موجود ہیں۔

یہ مسئلہ تو مساجد کا تھا۔ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کا سوال ہے، بعض نے اس حدیث کی بنا پر اس کی خاطر سفر کرنے کو ناجائز بتایا ہے۔ مگر حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس نیت سے سفر کرنا مستحب ہے اور اس حدیث میں صرف مساجد کا بیان ہے نہ کہ کسی اور جگہ یا شخص وغیرہ کا ورنہ ہر سفر جو کسی دوسرے جائز مقصد کے لیے ہو مثلاً طلب رزق حلال، طلب علم، زیارت صالحین، احباب اور اہل و عیال کی ملاقات وغیرہ ناجائز ٹھہرے گا اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ بالفرض اگر اس حدیث کا وہی معنیٰ لیا جائے جو بعض مانعین (مثلاً حافظ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن القیم وغیرہما نے لیا ہے تو بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان مساجد کے سفر کا جواز ان کی فضیلت کے باعث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک آپ کی مسجد ہی کے ایک حجرے میں ہے لہٰذا وہ اس سے باہر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حضور ﷺ کی قبر کی زیارت افضل الطاعات اور اعظم القربات سے ہے۔ اس کا درجہ تقریباً واجب کے برابر ہے۔ اور ابن عدی کی ایک حدیث سے وجوب کا استدلال کیا گیا ہے: "جس نے کعبہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی، اس نے مجھ پر جفا کی۔ اس کی سند حسن ہے۔ بعض مالکیہ نے جزم و یقین سے کہا ہے کہ مدینہ کی طرف پیدل جانا کعبہ اور بیت المقدس کے سفر سے افضل ہے صحیح تر بات یہی ہے کہ حضور ﷺ کی قبر شریف کی زیارت عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے۔ ویسے بھی زیارت قبور کی اجازت جس حدیث میں دی گئی ہے وہ مطلق ہے اور اس میں مردوں اور عورتوں میں فرق وامتیاز نہیں ہے ہاں بعض شرعی شروط و قیود لازم ہیں۔

باب ۹۸ فی تحریم المدینۃ

تحریم مدینہ کا باب

مولانا نے فرمایا کہ مدینہ کی تحریم و عدم تحریم میں علماء کا اختلاف ہے، یعنی جس طرح حرم مکہ کے آداب و احکام ہیں آیا مدینہ کا بھی کوئی ایسا حرم ہے اور اس کے بھی وہ احکام ہیں یا نہیں؟ ابن ابی ذئب، زہری، شافعی، مالک احمد اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ مدینہ کا بھی حرم ہے جس میں درخت کاٹنا اور شکار کرنا حرام ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں پر فدیہ نہیں ہے، ہاں ابن ابی ذئب نے اس جزاء کے وجوب کا بھی حکم دیا ہے۔ اسی طرح یہاں پر شکار کرنے والے یا درخت کاٹنے والے کا سامان نہیں چھینا جاتا۔ شافعی کے قول قدیم میں سلب بھی جائز ہے (یعنی شکاری کا سامان چھین لینا) مگر قول جدید اس کے خلاف ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ مدینہ کی بیریاں اور درخت کاٹنے سے صرف اس لیے روکا گیا تھا کہ اس کی رونق اور سرسبزی و شادابی میں فرق نہ آجائے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ جو شخص حرم مدینہ سے ایندھن جمع کرے اس کا سارا سامان چھین لیا جائے گا اور صرف ستر عورت کے لیے کپڑا اس کے پاس رہنے دیں گے۔ سفیان ثوری، عبداللہ بن المبارک، ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد بن الحسن نے کہا کہ مدینہ میں مکہ جیسا کوئی حرم نہیں ہے۔ لہٰذا کسی کو شکار یا درخت وغیرہ کاٹنے سے نہیں روکا جا سکتا۔ اور جس حدیث میں اس کی ممانعت ہے وہ صرف مدینہ کی زینت اور شادابی کو باقی رکھنے کے لیے تھا۔ طحاوی کی روایت کے مطابق تو مدینہ کے ٹیلوں کو ہموار کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اور انس رض کے بھائی ابو عمیر کی لال چڑیا (نغیر) والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے اگر وہاں شکار حرام تھا تو حضور اس کی کبھی اجازت نہ دیتے، ظاہر ہے کہ مکہ میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ امام طحاوی نے (اور امام احمد نے مسند میں) عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی ہے کہ ہمارے ہاں ایک وحشی جانور تھا، جب حضور باہر تشریف لے جاتے تو باہر نکل کر ناچتا ٹاپتا اور کھیلتا کودتا تھا مگر جب حضور گھر میں ہوتے تو آرام سے بیٹھا رہتا تھا تاکہ حضور کو تکلیف نہ ہو۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور طحاوی نے سلمہ بن اکوع کی حدیث نقل کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکار کر کے لایا کرتے تھے اور حضور ان کے انتظار میں رہتے۔ یہ حدیث طبرانی میں بھی مروی ہے۔ سعد بن ابی وقاص رض کی حدیث سلب علماء کے نزدیک منسوخ ہے۔

۲۰۳۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْقُرْآنَ وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَائِرٍ إِلَى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ عَدْلٌ وَلَا صَرْفٌ وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَ

النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا تُقْبَلُ مِنْهُ عَدْلٌ وَّلَا صَرْفٌ وَمَنْ وَالٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ عَدْلٌ وَّلَا صَرْفٌ ۔

علیؓ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے سوا اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے، اس کے سوا کچھ نہیں لکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ عائر سے ثور تک محترم ہے پس جس نے کوئی بدعت نکالی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت۔ اس سے کوئی فریضہ اور نفل قبول نہ ہوگا۔ اور مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے، دُور والے بھی اسے نبھائیں گے پس جس نے کسی مسلم کا عہد توڑا تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت۔ اس سے کوئی فریضہ اور نافلہ قبول نہیں کیا جائے گا اور جس نے اپنے موالی کی اجازت کے بغیر کسی قوم کے ساتھ موالات کر لی پس اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت اس سے کوئی فریضہ اور کوئی نفل قبول نہیں کیا جائے گا (بخاری، مسلم، احمد اور ترمذی نے اسے روایت کیا)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ عائر اور ثور پہاڑوں کے نام ہیں، مگر بعض علماء نے کہا کہ مدینہ میں ثور نامی کوئی پہاڑ نہیں، ثور تو مکہ میں ہے، پس ان کے نزدیک حدیث کے لفظ دراصل: "عائر سے اُحد تک" ہیں۔ یہاں تک مدینہ کی تحریم کا سوال ہے اس سے مراد اس کی تعظیم و اکرام ہے نیز یہ کہ اس کا شکار اور درخت کاٹنا حرام ہے۔ اور انسؓ کی نُغیر والی حدیث حرمتِ شکار کی نفی کرتی ہے کیونکہ نُغیر شکار رہے محدث کا معنیٰ بدعتی ہے اور مُحدَث کا معنیٰ بدعت اور غیر شرعی کام ہے۔ عدل سے مراد فریضہ اور صرف سے نفل ہے۔ اگر کوئی مسلم کسی شخص یا چند اشخاص کو امان دے دے تو امام اسے جائز رکھے گا، لیکن سب کفار کو یا ان کی جماعت کو امام کے سوا کوئی امان نہیں دے سکتا، اگر دے تو امام اسے ردّ کر دے گا کیونکہ اس سے جہاد و قتال کے معاملات میں خلل واقع ہوگا۔ اور غیر موالی سے موالات کی حُرمت اس حدیث سے ثابت ہے ظاہر ہے کہ اگر وہ موالی سے اس کی اجازت مانگے گا تو وہ نہ دیں گے، پس اگر وہ خفیہ طور پر ایسا کرے گا تو موالات باطل ہوگی۔

علیؓ کے قول کا باعث یہ تھا کہ بعض روافض کہتے تھے کہ علیؓ کے پاس بہت سا علم ہے جو کتاب اللہ پر زائد ہے اور اس کے ہزار دروازے پھر ہر دروازے سے ہزار دروازے کھلتے ہیں۔ اس قسم کی خرافات کے باعث علیؓ کے بعض دوستوں نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ یہ صحیفہ جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ان کی تلوار کی نیام میں تھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال کئی بار ہوا ہوگا اور اس کا جواب علیؓ نے اپنے خطبے میں بھی دیا اور انفرادی طور پر بھی۔ روافض کی یہ خرافات اب بھی کتابوں میں موجود ہیں جو عجیب و غریب من گھڑت علم الاصنام جیسی چیزوں پر مشتمل ہیں مثلاً جعفر کی روایت، مصحفِ فاطمہؓ

کی روایت، سترگنہ لمبے قرآن کی روایت۔ اسی قسم کے سوال پر ایک پر علی رضؓ نے کہا تھا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ کے سوا کچھ نہیں، ہاں اللہ تعالیٰ اگر کسی کو اپنی کتاب کا فہم عطا کر دے تو اس کا فضل ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ بخاری کی روایت عائر الیٰ ثور کے بجائے من کذا الیٰ کذا ہے ایک اور جگہ من عائر الیٰ کذا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ مصعب زبیری نے عائر اور ثور دونوں کا انکار کیا ہے۔ لیکن ثور تو خیر ٹھیک ہے مکہ میں ہے عائر کے بارے میں اس کے انکار کا لوگوں نے رد کیا ہے۔ لوگ اسے عیر بھی کہتے ہیں۔ اس بناء پر حدیث کا معنیٰ کیا ہوگا؟ ابن قدامہ نے کہا کہ اس سے مراد بعینہٖ پہاڑ نہیں ہیں بلکہ ایک وسیع مقدار مراد ہے۔ نوویؒ نے کہا کہ حضورؐ نے اُحد یا کسی اور پہاڑ کا نام ثور رکھا۔ محبّ طبری نے کہا کہ ثقہ عالم ابو محمد عبدالاسلام بصری کا بیان ہے کہ اُحد پہاڑ کے قریب ایک چھوٹا پہاڑ ہے جس کا نام ثور ہے اور یہ بات میں نے اُس سرزمین کو اچھی طرح جاننے پہچاننے والے کئی لوگوں سے سُنی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ حدیث کا یہ لفظ ثور صحیح ہے اور اس نام کا پہاڑ مدینہ میں موجود ہے۔ اور علماء نے چونکہ بحث و تحقیق نہیں کی لہٰذا یہ غیر معروف پہاڑ ان سے پوشیدہ رہا۔ یہی چیز قطب حلبی نے بھی لکھی ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ قاموس میں اس کا ذکر موجود ہے اور اس میں اس حدیث کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ ابو عبید القاسم بن سلام کا یہ قول درست نہیں ہے کہ صحیح لفظ من عَیرٍ الیٰ اُحد تھا۔

عدل اور صرف کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک صرف سے مراد فریضہ اور عدل سے مراد نفل ہے۔ ثوری اور حسن بصری نے اس کے برعکس کہا ہے۔ اصمعی نے کہا کہ صرف کا معنیٰ توبہ اور عدل کا معنیٰ فدیہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ صرف کا معنیٰ دیت ہے اور عدل کا معنیٰ اس پر اضافہ ہے۔ بیضاوی کے نزدیک صرف سے مراد شفاعت اور عدل سے مراد فدیہ ہے۔ موالات سے مراد اگر ولاءِ عتاقہ ہے تو اذن کو بطور شرط نہیں لایا گیا بلکہ تحریم کی تاکید کی خاطر بولا گیا ہے اور اگر موالاتِ حلف مراد ہے تو اس سے انتقال واقعی موالی کی اجازت سے ہی ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

۲۰۲۶ - حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى نَا عَبْدُ الصَّمَدِ نَا هَمَّامٌ نَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي حَسَّانَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي هٰذِهِ الْقِصَّةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمَنْ أَشَادَ بِهَا وَلَا يَصْلُحُ لِرَجُلٍ أَنْ يَحْمِلَ فِيهَا السِّلَاحَ لِقِتَالٍ وَلَا يَصْلُحُ أَنْ يُقْطَعَ مِنْهَا شَجَرَةٌ إِلَّا أَنْ يَعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيرَهُ۔

اسی قصہ میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کی تازہ گھاس نہ کاٹی جائے اور اس کے شکار کو نہ ڈرایا جائے اور اس کا لقطہ نہ اٹھایا جائے مگر وہ شخص لے سکتا ہے جو اس کا اعلان کرے اور کسی آدمی کے لیے درست نہیں کہ قتال کی خاطر اس میں ہتھیار اٹھائے اور نہ یہ مناسب ہے کہ اس کا درخت کاٹے مگر یہ کہ کوئی اپنے اونٹ کے لیے چارہ لے (امام احمد نے اسے مسند میں روایت کیا ہے) اس حدیث سے پتہ چلا کہ افساد اور ویرانی کی خاطر مدینہ کی نباتات کاٹنا حرام اور شرعی اغراض کے لیے جائز ہے۔ یہی مضمون مسلم کی حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ میں بھی موجود ہے۔ اگر کوئی اپنی کھیتی کی درستی کے لیے جڑی بوٹیاں اور خودرو پودے اکھاڑ دے تو اس کا جواز بھی اس سے ثابت ہو گیا)

۲۰۳۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اَنَّ زَيْدَ بْنَ الْحُبَابِ حَدَّثَهُمْ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ كِنَانَةَ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ اَبِي سُفْيَانَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ زَيْدٍ قَالَ حَمَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّ نَاحِيَةٍ مِنَ الْمَدِيْنَةِ بَرِيْدًا بَرِيْدًا لَا يُخْبَطُ شَجَرَةٌ وَلَا يُعْضَدُ اِلَّا مَا يُسَاقُ بِهِ الْجَمَلُ۔

عدی بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف کو ایک ایک برید (خدا اور رسول کی) محفوظ چراگاہ قرار دیا، اس کے درخت کے پتے نہ جھاڑے جائیں اور شاخیں نہ کاٹی جائیں مگر جس چھڑی کے ساتھ اونٹ کو چلا جائے۔ (یا جس قدر کہ اونٹ پر لاد کر لے جائی جا سکے)

شرح: مدینہ کے حرم کی حدبندی میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں: مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا ہے ایک میں: مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا اور لابہ کا معنی حرہ ہے جو سیاہ پتھر ہیں مسند احمد میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مَا بَيْنَ حَرَّتَيْهَا ہے ایک میں مَازِمَيْهَا ہے۔ مَازِم کا معنی ہے دو پہاڑوں کے درمیان کا تنگ راستہ۔ یہاں سنن ابی داؤد میں: مِنْ كُلِّ نَاحِيَةٍ بَرِيْدًا بَرِيْدًا ہے یعنی مدینہ کی ہر طرف سے ایک ایک برید۔ اسی لیے بعض حنفیہ نے کہا کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ حافظ نے کہا ہے کہ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا والی روایت راجح تر ہے کیوں کہ زیادہ تر راوی یہی کہتے ہیں اور بَيْنَ جَبَلَيْهَا کی روایت اس کے خلاف نہیں، یعنی ہر لابہ کے پاس ایک پہاڑ ہے۔ یا یہ کہ شمالاً جنوباً تو بَيْنَ لَابَتَيْهَا ہے اور شرقاً غرباً جَبَلَيْهَا۔ اور برید چار فرسنگ کا ہے اور فرسنگ تین میل کا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (بخاری و مسلم) کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے دونوں لابوں (حرّوں) کے درمیان کا علاقہ اور مدینہ کے گرد بارہ میل کی حد کو حمٰی قرار دیا تھا۔ حمٰی سرکاری زمین ہوتی ہے جس میں کوئی دخل انداز نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆☆☆

۲۰۳۷- حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ نَا جَرِيرٌ يَعْنِي ابْنَ حَازِمٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَعْلَى بْنُ حَكِيمٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ قَالَ رَأَيْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ أَخَذَ رَجُلًا يَصِيدُ فِي حَرَمِ الْمَدِينَةِ الَّذِي حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَبَهُ ثِيَابَهُ فَجَاءَ مَوَالِيهِ فَكَلَّمُوهُ فِيهِ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ هٰذَا الْحَرَمَ وَقَالَ مَنْ وَجَدَ أَحَدًا يَصِيدُ فِيهِ فَلْيَسْلُبْهُ وَلَا أَرُدُّ عَلَيْكُمْ طُعْمَةً أَطْعَمَنِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ إِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُ إِلَيْكُمْ ثَمَنَهُ.

سلیمان بن ابی عبداللہ نے کہا کہ میں نے سعد بن ابی وقاص کو دیکھا، انہوں نے ایک آدمی کو پکڑا جو حرم مدینہ میں شکار کر رہا تھا، حرم مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا تھا۔ سعدؓ نے اس کے کپڑے چھین لیے، اس کے موالی آئے اور اس کے متعلق سعدؓ سے بات کی سعدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرم کو محترم ٹھہرایا تھا اور فرمایا تھا کہ جو کسی کو اس میں شکار کرتا ہوا پائے تو اس کے کپڑے وغیرہ چھین لے، اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تحفہ مجھے عطا کیا ہے اسے واپس نہیں کروں گا لیکن اگر تم چاہو تو میں اس کی قیمت تمہیں واپس کر دیتا ہوں (احمد نے اسے مسند میں روایت کیا ہے)

شرح: مسلم اور مسند احمد میں ایک روایت میں ہے کہ عامر بن سعد نے کہا کہ سعد سوار ہو کر مقام عقیق کی طرف اپنے محل کو چلے تو انہوں نے ایک غلام کو درخت کاٹتے اور اس کے پتے جھاڑتے دیکھا دیکھا تو انہوں نے اس کے کپڑے چھین لیے۔ جب سعدؓ عقیق سے واپس آئے تو اس غلام کے گھر والے آئے کہ وہ کپڑے واپس کر دیں۔ سعدؓ نے فرمایا معاذ اللہ! جو چیز مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور غنیمت عطا فرمائی میں اسے کیسے رد کر دوں؟ شوکانی نے کہا کہ بظاہر اس حدیث سے تمام کپڑے سلب کر لینے کا حکم نکلتا ہے۔ اور شافعیؒ کا قول قدیم یہی ہے۔ نوویؒ نے کہا کہ سعدؓ کا اور صحابہ کی ایک جماعت کا یہی مسلک تھا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ یہ حکم بطور تشدید ہو تو ہو، ورنہ بطور فدیہ اور جزاء نہیں ہے۔ اگر یہ فدیہ ہوتا تو سعدؓ یہ نہ کہتے کہ: اگر تم چاہو تو میں اس کی قیمت دے دوں۔ طحاوی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اگر اس حدیث کا معنی یہ لیا جائے کہ مدینہ کا حرم بھی اپنے سب احکام میں حرم مکہ جیسا ہے تو دوسری صحیح احادیث کے خلاف ہو گا لہذا یہ حدیث منسوخ ہے۔ باب تحریم المدینہ کی ابتدائی بحث کو پھر ایک مرتبہ دیکھ لیا جائے۔

۲۰۳۸ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا يَزِيدُ بْنُ هَرُونَ أَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ عَنْ مَوْلًى لِسَعْدٍ أَنَّ سَعْدًا وَجَدَ عَبِيدًا مِنْ عَبِيدِ الْمَدِينَةِ يَقْطَعُونَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِينَةِ فَأَخَذَ مَتَاعَهُمْ وَقَالَ يَعْنِي لِمَوَالِيهِمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى أَنْ يُقْطَعَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِينَةِ شَيْءٌ وَقَالَ مَنْ قَطَعَ مِنْهُ شَيْئًا فَلِمَنْ أَخَذَهُ سَلَبُهُ.

سعدؓ کے ایک آزاد کردہ غلام سے روایت ہے کہ سعدؓ نے مدینہ کے غلاموں میں سے بعض کو مدینہ کے درخت کاٹتے دیکھا تو ان کا سامان لے لیا اور ان کے موالی سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کے درختوں میں سے کسی کو کاٹنے سے منع فرماتے سُنا تھا۔ اور آپؐ نے فرمایا تھا کہ جو کوئی ان میں سے کچھ کاٹے تو اسے پکڑنے والے کو اس کا سامان لے لینا چاہیے (اوپر گزری ہوئی سند کی حدیث دیکھ لیجئے)

۲۰۳۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَفْصٍ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَطَّانُ نَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ الْحَارِثِ الْجُهَنِيُّ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُخْبَطُ وَلَا يُعْضَدُ حِمَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ يُهَشُّ هَشًّا رَفِيقًا.

جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظ سرزمین (حمیٰ) کے پتے نہ جھاڑے جائیں اور درخت نہ کاٹے جائیں بلکہ انہیں آہستہ سے ہلایا جائے (یعنی ضرورت کے وقت آہستہ سے پتے اُتارے جائیں۔ یہ الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں کہ حرم مدینہ کا حکم حرم مکہ سے کچھ مختلف ہے۔ اس حدیث کی سند میں الحارث الجہنی مجہول ہے۔

۲۰۴۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى ح وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنِ ابْنِ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبَاءَ مَاشِيًا وَرَاكِبًا زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ.

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں پیدل اور سوار آیا کرتے تھے۔ ابن نمیر نے اضافہ کیا کہ: اور دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے (بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی موجود ہے) قبا میں حضورؐ ہجرت کے بعد پہلے پہل ٹھہرے تھے اور ایک مسجد بھی بنائی تھی۔ اس مسجد کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے اور اس کی بہت فضیلت ہے۔ قبا میں تشریف آوری وہاں کے لوگوں سے ملاقات کے لیے اور اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے ہوتی تھی یہ مسجد اُن تین مساجد کے علاوہ ہے جس کا ذکر اوپر گزرا کہ صرف انہی کے لیے شدِّ رحال کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ قباء کی تشریف آوری شدِّ رحال کی حد سے باہر تھی)

بَابُ ۹۹ زِيَارَةِ الْقُبُورِ

قبروں کی زیارت کا باب

۲۰۴۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ نَا الْمُقْرِئُ نَا حَيْوَةُ عَنْ أَبِي صَخْرٍ حُمَيْدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی مجھے سلام کہے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دے گا حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں گا۔

شرح: حدیث سے مراد حضورؐ کی قبر مبارک پہ جا کر سلام کہنا ہے جیسا کہ عنوان سے بھی ظاہر ہے، اور اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے اور جب کوئی سلام کہے تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی روح کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ابن الملک نے کہا کہ روح سے مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کا سلام نام بنام پہنچاتا ہے اور یہ ردِّ روح ابلاغ سلام کا کنایہ ہے۔ معاملہ چونکہ عالمِ برزخ کا ہے لہٰذا اس کی حقیقت کوئی نہیں جان سکتا۔ اس اعتبار سے یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔

۲۰۴۲ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَرَأْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ اور میری قبر کو میلہ مت بناؤ اور مجھ پر صلوات پڑھو کیونکہ تم جہاں بھی ہو گے تمہاری صلوٰۃ مجھے پہنچے گی۔

شرح: گھروں کو قبریں بنانا کنایہ اس بات کا ہے کہ انہیں نماز، ذکر الٰہی اور تلاوت کلام پاک سے خالی رکھا جائے۔ قبرستان میں یہ چیزیں نہیں ہوتیں، وہاں نماز ویسے بھی جائز نہیں اور اصحاب قبور کا عمل کا وقت گزر چکا ہے۔ پس گھروں میں نفل نماز اور ذکر و تلاوت کا اہتمام ہونا چاہیے ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے: گھروں میں نفل نماز اور ذکر و تلاوت کا اہتمام ہونا چاہیے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے: گھروں میں مردوں کو دفن مت کرو۔ جہاں تک حضورؐ کی ذات اقدس کا تعلق ہے کہ آپ گھر میں ہی دفن کیے گئے، تو یہ حضورؐ کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ قبروں کو جائے رہائش مت بناؤ مبادا رقت و رحمت اور عبرت جاتی رہے، بلکہ انہیں دیکھنے جاؤ، عبرت و موعظت حاصل کرو اور گھروں کو واپس آجاؤ۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ گھروں کو فقط رہنے سہنے اور نیند کی جگہ مت بناؤ کہ وہاں نماز نہ پڑھو۔ وجہ یہ کہ نیند بھی موت کی بہن ہے، سو جس نے گھر کو صرف نیند کا مقام بنایا اُس نے اُسے قبر بنا ڈالا۔ حافظ تورپشتی نے کہا کہ یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ جو گھر میں نماز نہیں پڑھتا وہ مُردے کی مانند اور اُس کا گھر قبر کی طرح ہے جو نماز کا محل نہیں صحیح مسلم میں اس معنیٰ کی تائید کی ایک حدیث موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس گھر میں اللہ کا ذکر ہوتا ہو اُس کی مثال زندہ کی طرح اور جس میں ذکر اللہ نہیں ہوتا اس کی مثال میّت کی مانند ہے۔ پس اس لحاظ سے حدیث کا معنیٰ یہ ہوا کہ مُردوں کی طرح مت ہو جاؤ جو اپنے گھروں یعنی قبروں میں نماز نہیں پڑھتے ورنہ تمہارے گھر قبروں کی مانند ہو جائیں گے۔

یہ جو ارشاد فرمایا کہ: میری قبر کو عید مت بناؤ، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عید کا دن سرور اور اکل و شرب کا ہوتا ہے اس طرح میری قبر کو لہو و لعب اور سرور اور اکل و شرب کا مرکز مت بناؤ، یعنی وہاں پر کوئی سالانہ میلہ وغیرہ منعقد مت کرو۔ الحمد للہ کہ اُس نے اپنے پاک رسولؐ کی تربت مقدسہ کو ان خرافات اور میلوں ٹھیلوں سے پاک رکھا ہے جو لوگ دوسری قبور پر کسی نہ کسی نام یا کسی نہ کسی بہانے سے منعقد کرتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو میلے ٹھیلے اور خرافات کا مرکز بنا لیتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل سخت ہو گئے اور وہ محض ظاہری خود ساختہ رسوم کے پابند ہو کر رہ گئے۔ اسی لیے فرمایا کہ مجھ پر صلوٰۃ پڑھو جو ہر جگہ سے مجھے پہنچ جائے گی۔

۲۰۴۳ - حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ يَحْيَى نَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْنٍ الْمَدِينِيُّ أَخْبَرَنِي دَاوُدُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ رَبِيعَةَ يَعْنِي ابْنَ الْهُدَيْرِ قَالَ مَا سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا قَطُّ غَيْرَ حَدِيثٍ وَاحِدٍ قَالَ قُلْتُ وَمَا هُوَ قَالَ خَرَجْنَا

مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُرِيدُ قُبُورَ الشُّهَدَاءِ حَتَّى إِذَا أَشْرَفْنَا عَلَى حَرَّةِ وَاقِمٍ فَلَمَّا تَدَلَّيْنَا مِنْهَا فَإِذَا قُبُورٌ بِمَحْنِيَةٍ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَقُبُورُ إِخْوَانِنَا هٰذِهِ قَالَ قُبُورُ أَصْحَابِنَا فَلَمَّا جِئْنَا قُبُورَ الشُّهَدَاءِ قَالَ هٰذِهِ قُبُورُ إِخْوَانِنَا۔

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہداء کی قبروں کی زیارت کے لیے گئے حتی کہ ہم حرۂ واقم نامی ٹیلے پر چڑھے، جب ہم اس کے نیچے اترے تو وہاں موڑ پر کچھ قبریں تھیں، ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں۔ پھر جب ہم شہداء کی قبروں پر پہنچے تو فرمایا: یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں (امام احمد نے اسے مسند میں روایت کیا ہے)

شرح: پیچھے گزر چکا ہے کہ حرّہ سیاہ رنگ کی پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔ واقم مدینہ منورہ کے ایک ٹیلے کا نام ہے اور اسی کے نام سے وہ حرّہ موسوم ہوا جو وہاں پر واقع ہے اور حرّہ شرقیہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جگہ واقم نامی کسی شخص کے نام سے منسوب ہوئی جو قدیم زمانے میں وہاں اترا تھا۔ اس حدیث میں اصحاب اور اخوان کے الفاظ آئے ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ سوال کرنے والوں نے جب پہلی قبروں کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں تو حضورؐ نے نسبی اخوت کی نفی فرمائی اور محبت اسلامی کا اثبات فرمایا۔ شہداء کے متعلق فرمایا کہ یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں، کیونکہ وہ مہاجرین وانصار کے نسبی بھائی تھے۔ ایک حدیث میں ان لوگوں کے لیے جو آپ کی امت میں آپ کے بعد آنے والے تھے اخوان کا لفظ آیا ہے، وہاں پر اخوت ایمانی و اسلامی مراد ہے۔

۲۰۴۴۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَصَلَّى بِهَا فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔

عبد اللہ بن عمر رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذو الحلیفہ کی کنکریوں والی زمین میں سواری کو بٹھایا اور وہاں نماز پڑھی۔ نافع نے کہا کہ عبد اللہ بن عمر رضی بھی ایسا ہی کرتے تھے (بخاری، نسائی، مسلم میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: حجۃ الوداع کی احادیث میں اس مقام پر حضورؐ کی نماز کا ذکر گزر چکا ہے۔ حضورؐ نے وہاں پر صلوٰۃ احرام پڑھی اور احرام باندھا تھا۔ اور مکہ سے مدینہ کو واپسی پر بھی وہاں ٹھہرے تھے اور نماز ادا فرمائی تھی۔ اس کا ذکر آئندہ حدیث میں امام مالکؒ نے کیا ہے۔

۲۰۴۵ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ قَالَ قَالَ مَالِكٌ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُجَاوِزَ الْمُعَرَّسَ إِذَا قَفَلَ رَاجِعًا إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى يُصَلِّيَ فِيهَا مَا بَدَا لَهُ لِأَنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَّسَ بِهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ ابْنَ إِسْحَقَ الْمَدِينِيَّ قَالَ الْمُعَرَّسُ عَلَى سِتَّةِ أَمْيَالٍ مِنَ الْمَدِينَةِ۔

مالک رحمہ نے کہا کہ مدینہ کی طرف واپسی کے وقت کسی کے لیے مناسب نہیں کہ مُعرّس پر نماز پڑھے بغیر آگے بڑھے۔ کیونکہ مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے وہاں پر رات کے پچھلے پہر آرام فرمایا تھا۔ ابو داؤد نے کہا کہ میں نے محمد بن اسحاق مدنی سے سُنا کہ مُعرّس مدینہ سے چھ میل پر واقع ہے (یہی مسجد ذی الحلیفہ کی جگہ ہے جیساکہ معجم البلدان سے مولانا رحمہ نے نقل کیا ہے۔ محمد بن اسحاق مُسیبی ہے ابو داؤد کے بعض نسخوں میں یہاں پر ایک اضافہ ہے: حدثنا احمد بن صالح قال قرأتُ علی عبد اللہ بن نافع حدثنی عبداللہ یعنی العمریّ عن نافع عن ابن عمر ان رضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قدم بات بالمعرس حتی یغتدی۔ "ابن عمر رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (کسی سفر سے) تشریف لاتے تو مُعرّس میں رات گذارتے حتی کہ صبح ہو جاتی۔

اٰخِرُ كِتَابُ الْمَنَاسِكِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اوّل کتاب النکاح

(اس میں پچاس باب اور ۱۲۹ احادیث ہیں)

بقول حافظ ابن حجر لغت میں نکاح کا معنیٰ چمٹنا اور تداخل ہے۔ فراء نے کہا نُکح عورت کے اندام نہانی کا نام ہے اور نِکح بھی جائز ہے۔ اس کا استعمال وطی میں کثیر ہے اور عقد نکاح چونکہ اس کا سبب ہے لہذا اس کا نام نکاح ہوا۔ ابو القاسم زجاجی نزدیک عقد اور وطی دونوں لفظ نکاح کے حقیقی معنی ہیں۔ فارسی نے کہا کہ جب بیوی کے لیے نکاح کا لفظ بولیں تو مراد وطی ہے اور جب کہیں: نَکَحَ فلانۃ تو اس سے مراد عقد ہے۔ کچھ اور اہل لغت کا قول ہے کہ اس لفظ کا معنیٰ ہے غالبانہ حیثیت سے کسی چیز کو لازم کر لینا۔ محسوسات اور معانی دونوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، مثلاً اہل عرب کہتے ہیں: نَکَحَ المطرُ الارضَ۔ بارش زمین پر چھا گئی۔ نَکَحَ النُّعاسُ عینہٗ۔ اُونگھ اس کی آنکھ پہ غالب آگئی۔ نَکَحتُ القمحَ فی الارض۔ میں نے گندم کو زمین میں بویا نَکَحَتِ الحصاۃُ اَخفافَ الاِبلِ۔ کنکریاں اونٹ کے پاؤں میں چبھ گئیں۔ یہ تو ہوا اس لغوی معنیٰ۔

شرع میں نکاح کا حقیقی معنیٰ عقد اور مجازی معنیٰ وطی ہے۔ کتاب اللہ اور سنت و حدیث میں لفظ زیادہ تر عقد کے معنیٰ میں آیا ہے۔ حتیٰ کہ کہا گیا ہے یہ لفظ قرآن میں صرف عقد کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اور حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ میں بھی سنت سے ثابت ہوا کہ نکاح کا معنیٰ اس آیت میں وطی ہے۔ اور یہ تو واضح ہے کہ وطی کے لیے نکاح لازم ہے۔ گویا ازروئے قرآن تو اس آیت سے صرف تزوّج ثابت ہوا اور سُنّت نے وضاحت کی کہ اس مسئلہ میں صرف عقد نکاح کافی نہیں جب تک کہ وطی نہ ہو وہ عورت پہلے خاوند کی طرف نہیں لوٹ سکے گی۔ اور یہ بات بھی مُسلّم ہے کہ دوسرے خاوند کی طرف لوٹنے کے لیے طلاق اور عدت بھی واجب ہے۔ ابوالحسن بن التفارسی نے کہا ہے کہ لفظ نکاح قرآن میں ہر جگہ عقد پہ بولا گیا ہے سوائے اس آیت کے۔ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ''یتامیٰ کی آزمائش کرو جب تک کہ وہ بلوغت (احتلام) کو پہنچ جائیں بعض شوافع نے کہا ہے کہ نکاح کا لفظ وطی میں مجاز ہے۔ اور بعض احناف کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ لفظ ان دونوں معنوں میں مشترک ہے اور خارجی دلائل سے پتہ چلے گا کہ کہاں پر کون سا معنیٰ مراد ہے۔ زجاجی نے بھی بالجزم یہی کہا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میری نظر میں بھی راجح ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ درحقیقت اس لفظ کا معنیٰ جماع ہے اور مجازاً عقد پہ بولا جاتا ہے، کیونکہ جماع کے

تمام تر کنایات ہیں، وجہ یہ کہ اس کا عریاں ذکر قبیح ہے۔ ابن القطاع نے نکاح کے نام جمع کئے ہیں جو ہزار سے زائد ہیں۔

البدائع میں ہے کہ غلبۂ شہوت کے وقت نکاح فرض ہے۔ جو شخص عورت کی خواہش میں بے قابو ہو جائے اور وہ حق مہر اور نفقہ کی ادائیگی پر قادر ہے مگر اس کے باوجود نکاح نہ کرے تو گنہ گار ہوگا۔ جب غلبۂ شہوت نہ ہو تو اس وقت اس کے حکم میں اختلاف ہے کہ آیا واجب ہے یا مستحب۔ داؤدؒ بن علی اصفہانی وغیرہ اصحاب ظواہر نے کہا ہے کہ نکاح بھی نماز روزہ کی مانند فرض عین ہے۔ لہٰذا اس کا بلا عذر تارک گنہ گار ہوگا۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ نکاح بیع وشراء کی مانند مباح ہے۔ احناف میں سے بعض نے اسے مستحب کہا ہے یہ کرخیؒ کا قول ہے۔ بعض نے اسے فرض کفایہ قرار دیا ہے جیسے جہاد اور نمازِ جنازہ۔ بعض نے اسے واجب کہا ہے اور اس کے وجوب کی کیفیت میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے کہا کہ سلام کا جواب (مجمع میں سے) دینے کی مانند یہ نکاح بھی واجب علی الکفایہ ہے۔ بعض نے اسے واجبِ عین کہا ہے مگر عملی حیثیت سے نہ کہ اعتقاداً۔ جیسے کہ صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے مگر ہر فرد پر متعین نہیں بلکہ شرائط کے ساتھ واجب ہے۔

اصحاب ظواہر کی دلیل آیاتِ قرآنی کے امر کے صیغے ہیں: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ۔ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: تَزَوَّجُوا۔ تَنَاكَحُوا تَكْثُرُوا۔ اللہ تعالیٰ کا امر نکاح مطلق ہے اور مطلق امر فرضیت کے لیے ہوتا ہے الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ زنا سے بچنا فرض ہے، امام شافعیؒ کا استدلال اس آیت سے ہے: وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ۔ لفظِ حلال سے اباحت ثابت ہوتی ہے۔ اور لَكُمْ کا لفظ بھی مباحات میں آتا ہے۔ اور نکاح چونکہ قضائے شہوت کا ذریعہ ہے اور قضائے شہوت فی نفسہٖ مباح ہے کیونکہ یہ اپنے نفس کو نفع پہنچانا ہے، اور یہ چیز مباح ہے واجب نہیں۔ جیسے کہ کھانا پینا وغیرہ، اور آیت قرآنی: سَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ اس میں اللہ تعالےٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی مدح کی ہے کہ: وہ سردار تھا، حصور تھا اور صالحین میں سے نبی تھا۔ پس حصور ہونا، یعنی عورت سے بے نیاز رہنا اللہ تعالےٰ کے نزدیک لائق مدح ہوا۔ اگر نکاح فرض ہوتا تو یحییٰؑ اس کے ترک پر لائق مدح نہ ہوتا۔

حنفیہ میں سے جن حضرات نے نکاح کو مستحب کہا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَلْيَصُمْ۔ پس اس حدیث سے صوم کو نکاح کا قائم مقام ہونا ثابت ہوا اور نفلی روزہ واجب نہیں لہٰذا اس کا قائم مقام بھی واجب نہیں۔ اور بعض اصحاب کی بیویاں نہ تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا، اس کے باوجود آپؐ نے ان پر نکیر نہ فرمائی۔ اگر نکاح واجب ہوتا تو آپؐ ضرور نکیر فرماتے۔ اور جن حنفی حضرات نے نکاح کو فرض یا واجب کہا ہے انہوں نے نکاح کے باب میں وارد ہونے والے اوامر سے استدلال کیا ہے کیونکہ مطلق امر فرضیت کے لیے ہوتا ہے۔ مگر نکاح ہر ہر فرد کی تعیین کے ساتھ فرض نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص اسے ترک کر دے تو گنہ گار نہ ہوگا (گویا خلافِ سنت فعل ہوگا اگر بلا عذر شرعی ہو) پس نکاح فرضِ کفایہ مثلاً جہاد (یعنی عام حالات میں جبکہ نفیرِ عام نہ ہو) اور نمازِ

جنازہ کی مانند فرض کفایہ ہے۔ جنہوں نے اسے عملی فرض کہا ہے نہ کہ اعتقادی، ان کی دلیل یہ ہے کہ مطلق امر میں فرضیت و وجوب اور استحباب دونوں کا احتمال ہوتا ہے کیونکہ امر دراصل طلب و دعاء کا نام ہے اور طلب فرض اور مستحب دونوں میں پائی جاتی ہے پس عمل تو لامحالہ ادا ہوگا مگر اعتقاد فرضیت کا نہ ہوگا، عملی وجوب کی یہ تشریح ہے۔ اس صورت میں عقیدہ یہ ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مراد فرضیت ہے تو وہ بھی ادا ہوگیا اور اگر ندب و استحباب ہے تو وہ بھی ادا ہوگا۔ پس اس طرح سے اسے واجب کہنا احتیاط کا تقاضا ہے اور معلق حد تک ضرر اور گناہ سے بچنے کا سبب ہے۔

اور اباحت اور حلال ہونے کے جو دلائل امام شافعیؒ نے دیئے ہیں ہم انہیں بھی نتیجۃً مانتے ہیں، یعنی نکاح فی نفسہٖ تو حلال اور مباح، لیکن وہ واجب للغیر ہے اس حیثیت سے کہ اس سے نفس کو بدکاری سے بچایا جا سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک فعل ایک جہت سے محض حلال اور مباح ہو مگر دوسری حیثیت سے وہ واجب یا مستحب ٹھہرے۔ اور یحییٰ کے بارے میں جو حصور کا لفظ ہے تو ممکن ہے اُس شریعت میں نفلی عبادت نکاح سے افضل رہی ہو۔ مگر آخری کامل شریعت میں ایسا نہیں ہے۔

حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانیؒ نے (فتح الملہم ص۴۲۲) فخر الاسلام بزدوی حنفی سے نقل کیا ہے کہ نکاح اُس عقدِ شرعی کا نام ہے جس پر بعض احکام و مقاصد مترتب ہوتے ہیں۔ اور بعض دفعہ لفظ نکاح سے وطی مراد ہوتی ہے۔ ایک قول میں لفظِ نکاح عقد اور وطی دونوں معنوں میں حقیقت ہے کیونکہ نکاح کا معنیٰ ہے ضم اور اجتماع، اور یہ معنیٰ دونوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن صحیح تر یہ ہے کہ یہ لفظ وطی میں حقیقت ہے کیونکہ اس میں ضم کا معنیٰ بلیغ تر ہے۔ اور دونوں معنی حقیقی نہیں ہو سکتے کیونکہ اس سے لفظِ نکاح کا مشترک ہونا ثابت ہوگا۔ الدر المختار میں بھی اسکے قریب قریب آیا ہے۔ اور یہ کہ جب لفظِ نکاح کتاب و سنّت میں قرائن سے مجرّد آئے گا تو مراد وطی ہوگی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ نکاح حکمتِ منزلیہ کا عظیم ترین رکن ہے اور اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ یہ دین پر مددگار، شیطان کو ذلیل و رسوا کرنے والا اور اس دشمن خدا کے مقابلے میں ایک مضبوط قلعہ ہے۔ یہ امّت کی تکثیر کا سبب ہے جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیگر انبیاء پر اظہارِ فخر و مباہات کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے اسباب اختیار کرکے اور سنن و آداب کی حفاظت اور اس کے مقاصد کی شرح و تفصیل پر خاص توجہ دی جائے۔ حکیم الاسلام شاہ ولی اللہؒ نے نکاح کو معاشرے کی بنیاد، زوجین کے ارتباط و اصطحاب کا سبب، شفقت علی الاولاد، غیرت کے بچاؤ کا ذریعہ، نسلِ انسانی کے بقاء کا باعث، انسانی معاشرے کی بنیادوں کے استحکام، عصبات و ذوی الارحام میں محبت و شفقت اور محبت و مودّت اور نفسِ انسانی کو گناہ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے نکاح کے پانچ فوائد گنوائے ہیں: اولاد، کسرِ شہوت، تدبیرِ منزل، رشتہ داروں کی کثرت، اور عورت کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں نفس کا مجاہدہ اور ریاضت یہ مقاصد انسانی معاشروں کے قیام و بقاء اور نسلِ انسانی کے توالد و تناسل کے لیے سخت ضروری ہیں اسیطرح غزالیؒ نے آفات النکاح کے ضمن میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے جنہیں ذہن میں رکھنا اور ان کی برائیوں سے گریز اور پرہیز ضروری ہے۔

(۱) یہ کہ اہل و عیال کے باعث بعض دفعہ آدمی طلبِ حلال سے عاجز آکر کسبِ حرام پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ کہ آدمی بعض دفعہ عورت کے حقوق کی ادائیگی نہیں کر سکتا اور صبر و ثبات اور تحمل کے ساتھ اس کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتا جو معاشرے کی تباہی کا باعث ہے۔

(۳) بعض دفعہ اہل وعیال انسان کو حقوق اللہ کی ادائیگی میں مخل ہیں اور اس طرح وہ دنیا و آخرت میں خسارہ پاتا ہے۔

بَابُ التَّحْرِيضِ عَلَى النِّكَاحِ

نکاح کی ترغیب کا باب

۲۰۴۶ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ إِنِّي لَأَمْشِي مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ بِمِنًى إِذْ لَقِيَهُ عُثْمَانُ فَاسْتَخْلَاهُ فَلَمَّا رَأَى عَبْدُ اللهِ أَنْ لَيْسَتْ لَهُ حَاجَةٌ قَالَ لِي تَعَالَ يَا عَلْقَمَةُ فَجِئْتُ فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ أَلَا نُزَوِّجُكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ جَارِيَةً بِكْرًا لَعَلَّهُ يَرْجِعُ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ مَا كُنْتَ تَعْهَدُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لَئِنْ قُلْتَ ذَاكَ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ۔

علقمہ نے کہا کہ میں منیٰ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ چل رہا تھا کہ اچانک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور خلوت طلب کی۔ پس جب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ انہیں اس امر کی (جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تھا) ضرورت نہیں تو مجھ سے کہا: اے علقمہ آؤ۔ پس میں آیا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن کیا ہم تمہارا نکاح ایک دوشیزہ لڑکی سے نہ کرا دیں جس کے باعث تمہارا شباب یا پہلا وقت واپس آجائے پس عبداللہ نے کہا کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے: تم میں سے جس کو نکاح کی استطاعت ہو وہ نکاح کرے کیونکہ اس سے اس کی آنکھ میں حیا اور شرمگاہ میں حفاظت ہو گی اور جو یہ طاقت نہ رکھے تو وہ روزہ رکھے کیونکہ وہ اس کے لیے قطع شہوت کا سبب ہے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے اسے روایت کیا۔)

شرح: الباءۃ کا معنیٰ نکاح ہے اور وجاء خصتین کو کچل دینے کو کہتے ہیں۔ جانور کو یا تو اس طرح سے خصی کرتے ہیں اور یا خصیتین نکال کر جسے خصاء کہتے ہیں، بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ عبداللہؓ کے ساتھ تنہا ہوئے تو اس وقت نکاح کی پیشکش کی تھی۔ اکثر راویوں کے نزدیک بقول حافظ یہی ہے جو بخاری میں آیا۔ مگر مسلم کی ایک روایت میں، ابن حبان کی روایت میں اور یہاں ابو داؤد کی روایت میں اس کے خلاف ہے شائد یہاں کچھ تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بات شاید اس لیے کہی کہ انہوں نے عبداللہؓ کو شکستہ حال دیکھا کیونکہ ان کی بیوی فوت ہو چکی تھی۔ خطابی رحؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ شہوت کا زور کم کرنے کی خاطر دواؤں وغیرہ کا استعمال جائز ہے مگر قوت جماع کو یکسر ختم کر دینا درست نہیں مبادا بعد میں پشیمانی ہو۔

بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنْ تَزْوِيجِ ذَاتِ الدِّينِ

دیندار عورت سے نکاح کرنے کے حکم کا باب

۲۰۴۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُنْكَحُ النِّسَاءُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔

ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: عورتوں سے چار مقاصد کے لیے نکاح کیا جاتا ہے، ان کے مال کی خاطر، ان کے حسب و نسب کی خاطر، ان کی خوبصورتی کی خاطر پس اللہ تیرا بھلا کرے تو دیندار عورت کے ساتھ نکاح کر کے کامیاب ہو (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: مطلب یہ ہے کہ عورت کے نکاح میں عموماً ان چیزوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ لیکن دیندار عورت حقوق و فرائض سے واقف ہوگی، خاوند کی مطیع ہوگی، دینی کاموں میں مددگار ہوگی اور انجام کار گھر بسانے اور راحت پہنچانے میں معاون ہوگی لہذا ترغیب دی گئی کہ اس کا لحاظ رکھو۔ تَرِبَتْ يَدَاكَ (تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں، تو ذلیل ہو) دراصل یہ بد دعا ہے مگر یہاں بد دعا کا معنیٰ مراد نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اگر کوئی آدمی اس ارشاد کو مدنظر نہ رکھے گا تو اس کے لیے بد دعا ہے، یا یہ کہ انجام کار وہ ایسی ویسی عورت سے کسی خالص دنیوی غرض کے باعث نکاح کر کے ذلیل و رسوا ہوگا جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔

بَابٌ فِیْ تَزْوِیْجِ الْاَبْکَارِ

دوشیزاؤں کے ساتھ نکاح کا باب

۲۰۴۸ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا اَبُوْ مُعَاوِیَةَ اَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَزَوَّجْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِکْرًا اَمْ ثَیِّبًا فَقُلْتُ ثَیِّبًا قَالَ اَفَلَا بِکْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُکَ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ کَتَبَ اِلَیَّ حُسَیْنُ بْنُ حُرَیْثٍ الْمَرْوَزِیُّ۔

جابر بن عبداللہ رضی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تو نے نکاح کر لیا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا: دوشیزہ سے یا ثیبہ سے؟ میں نے کہا ثیبہ سے۔ فرمایا: دوشیزہ سے کیوں نہ کیا کہ تو اس سے کھیلتا یا ہنسی مذاق کرتا وہ تجھ سے کرتی؟ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) کسی عذر یا شرعی ضرورت کی بات تو دوسری ہے، ورنہ ایک نوجوان کنوارے مرد کا نکاح دوشیزہ سے ہی مناسب ہے اور اس میں بہت سی معاشرتی واخلاقی مصلحتیں ہیں۔ جابر رضی نے کچھ عمر رسیدہ عورت سے نکاح غالبًا اس لیے کیا تھا کہ ان کا باپ عبداللہ شہید ہو گیا تھا اور جابر رضی کی متعدد بہنیں تھیں، گھر کو چلانے اور ان کی دیکھ بھال کے لیے عمر رسیدہ عورت کو ترجیح دی۔ بعض روایات میں ایسا ہی آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کے حالات کے لیے یہی مناسب تر تھا۔

۲۰۴۹ - حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰی عَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ اَبِیْ حَفْصَةَ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ امْرَاَتِیْ لَا تَمْنَعُ یَدَ لَامِسٍ قَالَ غَرِّبْهَا قَالَ اَخَافُ اَنْ تَتْبَعَهَا نَفْسِیْ قَالَ فَاسْتَمْتِعْ بِهَا۔

ابن عباس رضی نے کہا کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میری بیوی کسی مس کرنے والے کا ہاتھ نہیں روکتی۔ حضور ص نے فرمایا کہ اسے جدا کر دو۔ اس نے کہا مجھے خوف ہے کہ میرا دل اس کا پیچھا کرے گا۔ فرمایا کہ پھر اس سے فائدہ اٹھا (نسائی میں بھی یہ حدیث مروی ہے) حمصی نسخے میں اس

حدیث پر باب کا عنوان ہے: باب النہی عن تزدیج من لم یلد من النساء: "بانجھ عورتوں سے نکاح کی نہی۔ لیکن مولانا نے لکھا ہے کہ یہ عنوان بعض نسخوں میں اگلی حدیث (۲۰۵۰) پر ہے۔

شرح: بظاہر لَا تَمْنَعُ يَدَ لَامِسٍ کا معنیٰ یہی ہے کہ وہ عورت نیکوکار نہیں ہے، کسی کا ہاتھ نہیں جھٹکتی۔ خطابی نے کہا کہ اس حدیث سے فاجرہ کے نکاح کا جواز ثابت ہوا ورنہ حضور اس شخص سے ضرور طلاق دلوا دیتے۔ اور آیت قرآنی (النور۔ ۳) وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ الخ بقول خطابی ایک مخصوص کافر عورت کے بارے میں ہے جس کا نام عناق تھا اور مکہ میں بدکاری کرتی تھی۔ مسلم زانیہ عورت سے نکاح ہو جائے تو صحیح ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ کا معنیٰ احمد بن حنبل نے یہ بیان کیا کہ: وہ میرا مال دوسروں کو دے ڈالتی ہے۔ احمد سے کہا گیا کہ ابو عبید کہتا ہے اس سے مراد فجور ہے۔ احمد نے کہا کہ ہمارے نزدیک اس کا یہی معنیٰ ہے کہ وہ اُس شخص کا مال اڑا دیتی ہے، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجرہ عورت کو گھر رکھے رکھنے کا حکم نہ دے سکتے تھے۔ لیکن ابن الاعرابی نحوی و لغوی نے اس کا معنیٰ فجور ہی کیا ہے۔

مولانا نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے لفظ: لَا تَمْنَعُ يَدَ لَامِسٍ کا معنیٰ بقول ابی عبید و ابن الاعرابی اور حسب جزم خطابی فجور ہے مگر اصمعی اور حسب بیان نسائی، احمد بن حنبل نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ عورت گھر کا مال لوگوں کو دے ڈالتی اور کھانے پینے کی اشیاء اڑاتی اور اسراف کرتی تھی۔ قاضی ابوالطیب نے پہلے معنیٰ کو ترجیح دی ہے، کیونکہ دوسرا معنیٰ محاورۂ عرب کے خلاف ہے۔ ذہبی نے المختصر میں کہا ہے کہ اس شخص کی مراد یہ تھی کہ وہ عورت لمس کرنے والوں سے لذت پاتی ہے، اس سے بدکاری مراد نہیں ورنہ اس شخص کا قول قذف سمجھا جاتا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس شخص کا کلام مبہم تھا جس سے قذف ثابت نہیں ہوتا، قذف کے لیے صراحت درکار تھی۔ حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ لمس سے زنا مراد لینا بہت بعید ہے۔ اقرب یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی بیوی پر شبہ تھا اور ظن غالب یا یقین نہ تھا، اس نے قرائن سے پہچان لیا تھا کہ یہ کسی کا ہاتھ نہیں جھٹکتی اور شارع علیہ اسلام نے احتیاطاً اسے مفارقت کا حکم دیا اور جب اُس شخص نے اظہار محبت کیا کہ محبت تو یقینی ہے اور شک محض شک ہی ہے لہٰذا اُسے گھر رکھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ خوف تھا کہ اگر طلاق دے دیگا تو یہ عاشق مزاج شخص مبادا زنا کا ارتکاب کر بیٹھے۔ سنن کے حمصی نسخے میں جیسا کہ اوپر گزرا یہاں جو باب کا عنوان ہے حدیث اس سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ ہاں باب فی تزدیج الابکار کے عنوان سے اس کی مناسبت یوں بنتی ہے کہ دوشیزہ عورت سے یہ بہت کم خدشہ ہوتا ہے کہ وہ کسی کا ہاتھ نہ جھٹکے۔ اسی طرح اگر وہ عنوان باب النہی عن تزویج من لم یلد اگلی حدیث یعنی ۲۰۵۰ پر ہو تو اس عنوان کی مناسبت ظاہر ہے۔

۲۰۵۰ ۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَنَا مُسْتَلِمُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أُخْتِ مَنْصُورِ ابْنِ زَاذَانَ عَنْ مَنْصُورٍ يَعْنِي ابْنَ

زَاذَانَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ جَمَالٍ وَحَسَبٍ وَإِنَّهَا لَا تَلِدُ فَأَتَزَوَّجُهَا قَالَ لَا ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَنَهَاهُ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمْ۔

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک صاحب جمال وحسب عورت پائی ہے مگر اس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی (عقیم یعنی بانجھ ہے) کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ پھر وہ دوسری مرتبہ آیا تو آپ نے اسے روکا پھر تیسری مرتبہ آیا تو حضورؐ نے فرمایا: بہت محبت کرنے والی بہت اولاد جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کے باعث پچھلی امتوں پر فخر کروں گا (سنن نسائی)

شرح: آخری الفاظ سے معلوم ہوگیا کہ حضورؐ کی نہی صرف اس غرض سے تھی۔ وہ شخص چونکہ ایک ذاتی معاملے میں مشورہ لے رہا تھا، حلت وحرمت کا کوئی مسئلہ نہیں پوچھتا تھا، اس لیے آپؐ نے پہلے تو اُسے مشورہ دیا اور پھر اس کا سبب بیان فرما دیا۔ پس نہی تحریم کی غرض سے نہ تھی۔

بَابٌ فِي قَوْلِهِ الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً

باب اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ: "لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً"

۲۰۵۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ التَّيْمِيُّ نَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْأَخْنَسِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ مَرْثَدَ بْنَ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيَّ كَانَ يَحْمِلُ الْأُسَارَى بِمَكَّةَ بَغِيٌّ يُقَالُ لَهَا عَنَاقُ وَكَانَتْ صَدِيقَتَهُ قَالَ جِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْكِحُ عَنَاقًا قَالَ فَسَكَتَ عَنِّي فَنَزَلَتْ وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ فَدَعَانِي فَقَرَأَهَا عَلَيَّ وَقَالَ لَا تَنْكِحْهَا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مرثد رضی اللہ عنہ ابن ابی مرثد رضی اللہ عنہ غنوی مکہ سے مسلمان قیدیوں کو مدینہ لے جاتا تھا اور مکہ میں ایک فاحشہ عورت عناق نامی تھی اور وہ (زمانہ جاہلیت میں) مرثد رضی اللہ عنہ کی دوست تھی

مرثدؓ نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟ مرثدؓ نے کہا کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تو یہ آیت اُتری: اور زانیہ سے وہی نکاح کرتا ہے جو زانی ہو یا مشرک ہو۔ پس آپؐ نے مجھ کو بلایا اور یہ آیت پڑھ کر سُنائی اور فرمایا: اُس سے نکاح مت کر (ترمذی اور نسائیؒ نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: مولاناؒ نے فرمایا کہ دراصل یہ ایک طویل روایت ہے جسے ابوداؤد نے مختصراً روایت کیا ہے: ترمذی کے الفاظ یہ ہیں کہ: مرثدؓ بن ابی مرثدؓ مکہ سے قیدیوں کو مدینہ لے جاتا تھا اور مکہ میں عناق نامی ایک فاحشہ عورت تھی جو اس کی دوست رہ چکی تھی۔ ایک قیدی سے مرثدؓ نے وعدہ کیا تھا کہ اسے اٹھا لے جائے گا۔ مرثدؓ نے کہا کہ میں مکہ آیا، چاندنی رات تھی، میں ایک دیوار کے سائے میں پہنچا، عناق آئی اور میرا سایۂ دیوار کے پہلو میں دیکھا، جب وہ مجھ تک پہنچی تو بولی: مرثد ہے؟ میں نے کہا مرثد ہوں۔ اس نے کہا: خوش آمدید، آؤ آج کی رات ہمارے پاس رہو۔ مرثدؓ نے کہا کہ میں بولا: اے عناق اللہ تعالےٰ نے زنا حرام کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگی: اے خیموں والو! یہ مرد تمہارے قیدیوں کو اٹھا لے جاتا ہے۔ مرثدؓ نے کہا کہ آٹھ آدمی میرے پیچھے لگ گئے اور میں نے خندمہ (پہاڑی راستہ) اختیار کیا، ایک غار میں، یا کہف (بڑی غار) میں جا پہنچا تو اندر جا داخل ہوا۔ وہ آئے اور اوپر پہاڑ پر میرے سر پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے پیشاب کیا، ان کا پیشاب میرے سر پر پڑا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھے دیکھنے سے اندھا کر دیا۔ پھر وہ واپس چلے گئے اور میں اپنے ساتھی (قیدی) کے پاس واپس پہنچ گیا۔ پس میں نے اسے اٹھایا اور وہ ایک بوجھل آدمی تھا، حتی کہ میں اذخر (خوشبودار بوٹی) میں جا پہنچا اور اس کی بیڑیاں وغیرہ کاٹیں، میں اسے اٹھاتا تو وہ مجھے تھکا دیتا، حتی کہ میں مدینہ میں آ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے مجھے کوئی جواب نہ دیا حتی کہ یہ آیت اتری: اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مرثد! زانی مرد زانیہ عورت یا مشرک عورت سے نکاح کرتا ہے اور زانیہ سے زانی یا مشرک کے سوا کوئی نکاح نہیں کرتا، پس تو اس سے نکاح نہ کر۔

ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ اہل تاویل اس کی تاویل میں مختلف ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ آیت بعض ان عورتوں کے نکاح کے متعلق اتری تھی جو مشرکوں میں زنا میں مشہور تھیں۔ وہ جھنڈوں والی تھیں (جو اپنے مکان پہ سُرخ جھنڈا لگاتی تھیں) اور اپنے جسم کرائے پہ چلاتی تھیں پس اللہ تعالےٰ نے اُن فاحشہ عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کا نکاح حرام ٹھہرایا۔ انہیں زانیہ یا مشرک فرمایا کیونکہ ان میں یہی صفات تھیں۔ پس ان فاحشہ عورتوں میں سے کسی کے ساتھ ایمانداروں یا مشرکوں میں سے ہی کوئی زانی نکاح کر سکتا تھا کیونکہ وہ مشرک تھیں، وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ، پس اللہ تعالےٰ نے اُن کا نکاح مومنوں پر اس تاویل والوں کے قول میں حرام فرمایا: پھر ابن جریر نے اس کی متعلقہ روایات بیان کی ہیں۔ اور کچھ اور لوگوں نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ: زانی مرد زانی عورت یا مشرک عورت سے زنا کرتا ہے اور زانیہ عورت کے ساتھ صرف

زانی مرد یا مشرک زنا کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نکاح کا معنیٰ یہاں جماع ہے۔ پھر ابن جریر نے اس مضمون کی متعلقہ احادیث بیان کیں۔ اور پھر کہا کہ کچھ اور لوگوں کا قول یہ ہے کہ اللہ کا یہ حکم ہر زانی اور زانیہ کے متعلق ہے حتیٰ کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے منسوخ فرمایا: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ، پس اللہ تعالیٰ نے ہر مسلم مرد اور ہر مسلم عورت کا نکاح حلال فرمایا، پھر طبری نے اس کے متعلقہ آثار نقل کئے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ میرے نزدیک صحیح ترین قول ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کہا کہ نکاح سے مراد یہاں وطی ہے اور یہ آیت مشرک فاحشہ، جھنڈوں والی (کوٹھوں والی!) عورتوں کے متعلق ہے کیونکہ اس بات پر دلیل قائم ہو چکی ہے کہ مسلم زانی عورت ہر مشرک پر حرام ہے اور مسلم زانی مرد پر ہر مشرک بت پرست عورت حرام ہے۔ جب یہ ہے تو آیت کی مراد یہ نہیں ہے کہ کوئی زانی مسلم کسی عفیف مسلم عورت سے عقد نکاح نہیں کر سکتا اور اسے یا زانی عورت سے یا مشرکہ سے نکاح کرنا ہوگا۔ اور جب ثابت ہو گیا تو واضح ہو چکا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ زانی صرف اس زانیہ سے زنا کرتا ہے جو اسے حلال جانتے یا مشرکہ سے زنا کرتا ہے جو اسے حلال جانتی ہے۔ اور وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کے مفہوم میں اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد مذمت یا تحریم۔ اور کیا ذٰلِکَ کا اشارہ زنا کی طرف ہے یا نکاح کی طرف۔ جمہور نے آیت کو مذمت کیلئے اس واسطے کہا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنی زوجہ کے متعلق کہا: اِنَّهَا لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ زنا نکاح کو فسخ کر دیتا ہے، اس قول کی اصل بھی یہی ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ البحر میں علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، عروہ رحمہ اللہ، زہری رحمہ اللہ اور ائمہ عترت اور مالک رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ، ربیعہ رحمہ اللہ اور ابی ثور رحمہ اللہ کے متعلق کہا ہے کہ ان کے نزدیک زانیہ زانی پر (نکاح کرے تو) حرام نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: حرام حلال کو حرام نہیں کر دیتا (ابن ماجہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ) اور حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ مزنیہ کے ساتھ زانی کا نکاح حرام ہے اور حسن رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا (یعنی ان کے نزدیک ذٰلِکَ کا اشارہ نکاح کی طرف ہے) اور احمد اور قتادہ سے بھی یہی روایت ہے، ہاں جب وہ تائب ہو جائیں تو تحریم کا سبب جاتا رہا لہٰذا تحریم بھی نہ رہی۔

مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مزنیہ کی حرمت برائے زانی کے لیے اس آیت سے استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ آیت کا صریح حکم یہ ہے کہ زانیہ عفیف پر اور عفیف زانی پر حرام ہے۔ اور بطور استثناء زانیہ زانی پر اور زانی زانیہ پر حلال ہے، پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس آیت سے زانی پر زانیہ کے حرام ہونے کے لیے استدلال کیا جائے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو بھی توبہ سے تو گناہ معاف ہوگا زانی اور زانیہ کا نام تو نہیں مٹے گا۔ اور جب یہ ہے تو توبہ کے بعد حرمت کیونکر اٹھ جائے گی؟ شوکانی نے منذری کا قول نقل کیا ہے کہ علماء کے اس آیت میں پانچ قول ہیں:

(۱) یہ کہ وہ منسوخ ہے اور ناسخ یہ آیت ہے: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ اس بناء پر اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ جس نے کسی عورت سے زنا کیا ہو وہ بھی اور کوئی اور بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۲) نکاح سے مراد یہاں وطی ہے۔
(۳) سزا یافتہ زانی صرف سزا یافتہ زانیہ سے نکاح کر سکتا ہے یا مشرکہ سے اور یہی حکم زانیہ کا ہے۔
(۴) یہ آیت ان عورتوں کے متعلق ہے جن سے مرد اس لیے نکاح کرتے تھے کہ ان کے کسب سے خرچ حاصل کریں
(۵) یہ آیت زانیہ کے عفیف پر اور عفیف کے زانیہ پر حرام ہونے میں عام ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ زمخشری نے کشاف میں پہلا قول اختیار کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجماع سے یہ نکاح جائز ہوا ہے۔ اور حنفیہ کا مذہب اس باب میں جمہور کا مذہب ہے کہ زانیہ کا نکاح زانی سے ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں حرمت کو اختیار کیا ہے۔

۲۰۵۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَأَبُو مَعْمَرٍ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ حَبِيبٍ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْكِحُ الزَّانِي الْمَجْلُودُ إِلَّا مِثْلَهُ وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ نَا حَبِيبٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ۔

ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ سزا یافتہ (مجلود) زانی صرف اپنے جیسی سے نکاح کر سکتا ہے۔ ابو معمر نے کہا کہ حَدَّثَنَا حَبِيبٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ۔

شرح: الامیر الیمانی نے سبل السلام میں کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کا زنا ظاہر ہو اس سے عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ اور شاید سزا یافتہ (مجلود) کا وصف اس شخص کے لیے ہے جس کا زنا ظاہر ہو۔ اور اسی طرح مرد کے لیے اس عورت سے نکاح ناجائز ہے، جس کا زنا ظاہر ہو جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ حدیث کا صیغہ اگر نہی پر محمول ہے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سزا یافتہ لوگ دوسروں پر حرام ہیں اور صرف نکاح کر سکتے ہیں۔ اور مجلود کی صفت اس لیے ہے کہ زنا کا ثبوت یا اقرار سے ہوتا ہے یا شہادت سے، اور دونوں صورتوں میں سزا (جلد۔ اگر کنوارے ہوں تو) نافذ ہوگی۔ لیکن جب زنا ثابت نہ ہو تو انہیں زانی یا زانیہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس بناء پر جمہور علماء کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ بھی وہی آیت ہے، وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ۔ اور: وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ۔ اور اس مسئلے پر اجماع ہو چکا ہے جس کے خلاف کسی سے ثابت نہیں۔ ہاں اگر حدیث کو نہی پر نہیں بلکہ نفی پر یعنی بطور جملۂ خبریہ نافیہ لیا جائے تو اس سے تحریم ثابت نہیں ہو سکتی۔

بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ أَمَتَهُ ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا

یہ باب اس شخص کے متعلق ہے جو لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے

۲۰۵۳ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ ثَنَا عَبْثَرٌ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ جَارِيَتَهُ وَ تَزَوَّجَهَا كَانَ لَهُ أَجْرَانِ ۔

ابوموسیٰ رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنی لونڈی کو آزاد کیا اور اس سے نکاح کر لیا تو اس کو دو اجر ملیں گے (بخاری، مسلم، نسائی میں بھی مروی ہے)

شرح: ایک اجر آزاد کرنے کا اور دوسرا نکاح کا۔ ایک قول میں یہ مطلب ہے کہ اسے ہر عمل کا دوہرا اجر ہو گا مثلاً نماز روزہ وغیرہ۔ بخاری میں یہ حدیث طویل ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمیوں کا دگنا اجر ہے۔ ایک وہ جو اہل کتاب میں سے اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ اور غلام بندہ جب اللہ کا حق اور اپنے حاکموں کا حق ادا کرے، اور وہ آدمی جس کی ایک لونڈی تھی جس سے وہ وطی کرتا تھا، اس کی تادیب کی اور اچھی طرح تادیب کی، اسے تعلیم دی تو اچھی طرح دی، پھر اسے آزاد کیا اور اس کے ساتھ نکاح کر لیا تو اس کا دوہرا اجر ہے۔
محدث علی القاری نے کہا کہ ایک اجر آزادی کا دوسرا نکاح کا۔ بعض نے کہا کہ ایک اجر اس کی تادیب اور مابعد کا اور دوسرا آزادی اور مابعد کا۔ کرمانی نے کہا کہ ہر شخص جو دوہرا کام کرے اس کا اجر دوہرا ہے تو پھر ان تین کی تخصیص کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان تینوں کاموں کا کرنے والا دو دو مخالف چیزوں چیزوں کو جمع کرتا ہے لہٰذا وہ دو ضدوں کو جمع کرتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ ضدیت بعینہ اللہ تعالےٰ کے حق اور والد کے حق میں موجود ہے، پس بہتر یہ ہے کہ کہا جائے: حضور کی مراد یہ تین چیزیں اور ان جیسی اور چیزیں ہیں نہ کہ صرف یہی تین۔

۲۰۵۴ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ وَ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا ۔

انس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضؓ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا حق مہر قرار دیا (مسلم، ترمذی، نسائی، بخاری)

شرح: معالم السنن میں خطابی فرماتے ہیں کہ کئی علماء اس حدیث کے ظاہر کی طرف گئے ہیں اور کہا ہے کہ لونڈی کو آزاد کر کے اس کی آزادی کو اس کا حق مہر ٹھہرانا جائز ہے۔ یہ سعید بن المسیب رضؓ، حسن بصری، ابراہیم نخعی، زہری رحؒ، احمد بن حنبل رحؒ اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے اور اوزاعی رحؒ سے بھی مروی ہے۔ مالک بن انس نے

اسے مکروہ اور ناجائز کہا اور یہی رائے حنفیہ کی ہے۔ شافعیؒ نے کہا کہ جب لونڈی اس کا مطالبہ کرے اور خود ہی یہ شرط لگائے اور مالک مان لے تو جائز ہے۔ جن لوگوں نے عدم جواز کہا ہے ان کے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ اور کتاب وسنت سے یہ امر معلوم ہے کہ نکاح کے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خصائص تھے۔ اور کوئی ویسا نہیں کر سکتا۔ بعض نے کہا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہؓ کو کوئی حق مہر اس لیے نہ دیا تھا کہ وہ موہوبہ تھیں اور نفس کا ہبہ کسی عورت کی طرف سے یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ احمد بن حنبل کا قول ہے کہ صفیہؓ کے نکاح کا سبب وہی تھا جو اس حدیث میں مذکور ہے کیونکہ ان کا زوجۂ رسول ہونا بھی معلوم شدہ امر ہے اور اس سبب کے سوا ہم اس کا کوئی سبب بھی نہیں جانتے جو یہاں مذکور ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ صفیہؓ بنت حُیَیّ بن اخطب اسرائیلیہ ہارون کی اولاد سے تھیں، خیبر میں قید ہوئیں اور حضورؐ نے ان سے نکاح کر کے ازواج میں داخل فرمایا۔ آزادی کو مہر ٹھہرانا خطابی کے بیان کردہ علماء کے علاوہ عطاء، قتادہ، طاؤس، حسن بن حُیّ، سفیان ثوری اور ابو یوسف کا مذہب ہے۔ لیثؒ، ابن شبرمہ، جابر بن زید ابو حنیفہ، محمد بن الحسن زفر اور مالک کے نزدیک یہ جائز نہیں اور یہ حضورؐ کے خصائص میں سے تھا۔ ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو لونڈی آزاد ہو گی، نکاح جائز ہو گا اور مہر مثل واجب ہے پہلے فریق کی دلیل یہ حدیث ہے۔ دوسرے فریق نے کہا کہ یہ انسؓ کا غیر مسند قول ہے، شائد انسؓ نے اس کی تاویل کی ہو کیونکہ صفیہؓ کا حق مہر معلوم نہیں طحاویؒ نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ بنت الحارث کے معاملے میں بھی وہی کچھ کیا تھا جو صفیہؓ کے معاملے میں کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابن عمرؓ نے کہا کہ اور کوئی ایسا کرے تو حق مہر کی تجدید واجب ہے، پس اس سے حضورؐ کی خصوصیت ثابت ہوئی، اور یہ بھی ممکن ہے خصوصیت کے علاوہ ابن عمرؓ نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہو۔ بہر صورت اس میں پہلے فریق کی دلیل نہیں بنتی مولاناؒ نے فرمایا کہ بیہقی کی ایک حدیث سے ابن عمرؓ کے کلام کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہؓ کو آزاد فرمایا اور رُزینہ نامی ایک لونڈی اسے بطور حق مہر دی۔ ابن المرابطہ نے کہا کہ یہ بات انسؓ کا اپنا خیال ہے کہ حضورؐ نے صفیہؓ کو کوئی مہر نہ دیا تھا۔ اور انسؓ کو صفیہؓ کا زوجۂ رسولؐ ہونا صرف حجاب سے معلوم ہوا تھا، پس کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حضورؐ نے اس کی آزادی کو ہی حق مہر قرار دیا تھا۔

بَابُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ

باب۔ رضاعت سے بھی نسب والے رشتے حرام ہیں

۲۰۵۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ دِينَارٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے ہوتے ہیں (ترمذی، نسائی، مسلم، بخاری، ابن ماجہ)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں فرمایا کہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ نکاح کے معاملے میں رضاعت کی حرمت نسبی حرمت کی مانند ہے۔ جس مرد اور عورت نے ایک دودھ پیا ہو وہ ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ رضاعی ماں نسبی ماں کی مانند ہے اور اس کے سب رشتے نسبی رشتوں جیسے ہیں۔ مگر وہ دودھ پینے والے کے باپ یا بھائی پر حرام نہیں ہاں اس کی اولاد اور اولاد در اولاد پر حرام ہے۔ اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ زنا کا دودھ پینے سے اس بچے اور زانی یا اس کی اولاد میں یہ رشتہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اور دو رضاعی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے جیسا کہ نسبی بہنوں کا معاملہ ہے۔

حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ رضاعت سے نکاح کی تحریم اور اس کے توابع کی تحریم ہو جائے گی اور رضیع (دودھ پینے والا بچہ) اور دودھ پلانے والی کی اولاد میں حرمت پھیل جائے گی اور وہ لوگ اس کے اقارب شمار ہوں گے ان مسائل میں: نظر کا جواز خلوت کا جواز اور سفر کا جواز۔ لیکن امومت (ماں ہونا) کے باقی احکام مثلاً توارث، وجوب نفقہ، ملکیت کے باعث آزادی وغیرہ احکام اس پر مترتب نہیں ہوتے۔

۲۰۵۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِي أُخْتِي قَالَ فَأَفْعَلُ مَاذَا قَالَتْ فَتَنْكِحُهَا قَالَ أُخْتَكِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَوَ تُحِبِّينَ ذَاكِ قَالَتْ لَسْتُ بِمُخْلِيَةٍ بِكَ وَأَحَبُّ مَنْ شَرِكَنِي فِي خَيْرٍ أُخْتِي قَالَ فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي قَالَتْ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ أُخْبِرْتُ أَنَّكَ تَخْطُبُ دُرَّةَ أَوْ ذُرَّةَ شَكَّ زُهَيْرٌ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ بِنْتُ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَمَا وَاللّٰهِ لَوْ لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حِجْرِي مَا حَلَّتْ لِي إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ أَرْضَعَتْنِي

وَ اَبَاهَا ثُوَيْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا اَخَوَاتِكُنَّ۔

ام سلمہ رضؓ سے روایت ہے کہ ام حبیبہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یا رسول اللہ کیا آپ کو میری بہن کی طرف رغبت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ پھر میں کیا کروں؟ ام حبیبہؓ نے کہا کہ آپ اس سے نکاح کر لیں۔ حضورؐ نے فرمایا: تمہاری بہن سے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تو اس بات کو پسند کرتی ہے؟ اُس نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ منفرد نہیں رہنا چاہتی اور مجھے وہ شخص اچھا لگے گا جو مجھے میری بہن کی بھلائی میں شریک کرے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ تو میرے لیے حلال نہیں۔ ام حبیبہ رضؓ نے کہا کہ واللہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ دُرّہ، یا ذرّہ، زہیر راوی کو شک ہے، بنت ابی سلمہ رضؓ کو پیغام نکاح دینے والے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: ام سلمہ رضؓ کی بیٹی؟ اس نے کہا ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا اگر وہ میری گود میں پلی ہوئی نہ ہوتی تو بھی مجھ پر حلال نہ تھی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ مجھ کو اور اُس کے باپ کو ثُویبہ نے دودھ پلایا تھا، تم لوگ مجھ پر اپنی لڑکیاں اور اپنی بہنیں مت پیش کیا کرو (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: ام حبیبہ رضؓ بنت ابی سفیان ام المؤمنین۔ ان کی اس بہن کا نام مسلم اور نسائی نے عزّہ بتایا ہے۔ سوال ہو سکتا ہے کہ ام حبیبہ رضؓ نے یہ پیش کش کیوں کی جبکہ قرآن کی نص میں اس کی حرمت موجود ہے: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ احتمال موجود ہے کہ ابھی اس وقت یہ آیت نازل نہ ہوئی ہو۔ مگر حدیث کا سیاق ظاہر کرتا ہے کہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ شاید ام حبیبہ رضؓ نے اسے نکاح کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے سمجھا ہو اور انہیں یہ خبر ملی ہو کہ حضورؐ ام سلمہ کی بیٹی دُرّہ رضؓ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ حضورؐ کی ربیبہ تھی (بیوی کی پہلے خاوند سے بیٹی) اور چونکہ یہ خبر غلط تھی لہذا ام حبیبہ رضؓ کا گمان شائد یہ ہو کہ یہ حضورؐ کے خصائص میں سے ہے کہ دو بہنوں سے بیک وقت نکاح رکھیں۔ حضورؐ نے بتا دیا کہ دُرّہ سے نکاح کا ارادہ کرنے کی خبر غلط ہے اور اس سے دو سبب سے میرا نکاح جائز نہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ میری ربیبہ ہے، دوسرا یہ کہ وہ میرے دودھ شریک بھائی ابو سلمہ رضؓ کی بیٹی ہے۔ ثُویبہ حضورؐ کے چچا ابو لہب کی لونڈی تھی۔ حلیمہ کی گود میں جانے سے قبل چند دن تک ثُویبہ نے حضورؐ کو دودھ پلایا تھا۔ اُس وقت ثُویبہ کی گود میں مسروح تھا۔ اس سے قبل وہ حمزہ رضؓ کو بھی دودھ پلا چکی تھی جو نسب میں آپؐ کا چچا اور رضاعی رشتے میں بھائی تھا۔ اس کے بعد اس نے ابو سلمہ رضؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل از ہجرت ثُویبہ کے ساتھ صلہ رحمی کیا کرتے تھے۔ خدیجہ طاہرہ رضؓ نے ابولہب سے کہا تھا کہ یہ لونڈی ہمارے ہاتھ فروخت کر دو مگر ابو لہب نے انکار کر دیا تھا۔ حضورؐ کی ہجرت کے بعد ابولہب نے اسے آزاد کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد بھی اسے بطور صلہ رحمی کئی چیزیں اور کپڑے بھیجا کرتے تھے۔ خیبر سے واپسی پر ثُویبہ کی موت کی خبر آپ کو ملی اور اس کا بیٹا مسروح اس سے پہلے وفات پا چکا تھا۔

بَابٌ فِي لَبَنِ الْفَحْلِ

دودھ میں مرد کے تعلق کا باب

۲۰۵۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ أَفْلَحُ بْنُ أَبِي الْقُعَيْسِ فَاسْتَتَرْتُ مِنْهُ قَالَ تَسْتَتِرِينَ مِنِّي وَأَنَا عَمُّكِ قَالَتْ قُلْتُ مِنْ أَيْنَ قَالَ أَرْضَعَتْكِ امْرَأَةُ أَخِي قَالَتْ إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ إِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ.

عائشہ رضی نے فرمایا کہ میرے ہاں افلح بن ابی القعیس آیا تو میں نے اس سے پردہ کر لیا (پردے کی اوٹ میں ہو گئی) اس نے کہا: آپ مجھ سے پردہ کرتی ہیں حالانکہ میں آپ کا چچا ہوں۔ عائشہ رضی نے فرمایا کہ میں نے کہا وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ میری بھاوج نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ عائشہ رضی نے کہا کہ میں نے جواب دیا: مجھے عورت نے دودھ پلایا تھا نہ کہ مرد نے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ بات کی۔ آپ نے فرمایا: وہ تیرا چچا ہے وہ تیرے پاس آسکتا ہے۔

شرح: شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رضاعی رشتہ پہلے سے معلوم تھا یا بذریعہ وحی آپ کو پتہ چل گیا۔ جمہور علماء و تابعین اور فقہائے امصار مثلاً اوزاعی رح، شافعی، ابو حنیفہ رح اور ان کے صاحبین ابن جریج مکی، مالک، احمد، اسحاق، ابو ثور اور ان کے اتباع کا یہی مسلک ہے کہ رضاعی حرمت مردوں تک بھی متعدی ہوتی ہے، یعنی رضاعی ماں کا خاوند دودھ پینے والے بچے کا رضاعی باپ ہے، رضاعی باپ کا بھائی اس بچے کا رضاعی چچا ہے و علی ہذا القیاس۔ اور ان کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے۔ قاضی عبدالوہاب نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ فرض کرو ایک شخص کی دو بیویاں ہیں۔ ایک کی گود میں لڑکا اور دوسری کی گود میں لڑکی ہے، تو ان بچوں کا نکاح آپس میں جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں ایک باپ کی اولاد ہیں جا ہے ان کی مائیں مختلف ہیں۔ سبب یہ کہ دودھ کا باعث ان کا باپ تھا۔ اس بناء پر اس مسئلے کو لبن الفحل کا مسئلہ کہتے ہیں۔ دور اول میں اس مسئلے میں کچھ اختلاف رہا ہے اور شاید ظاہری حضرات کا مسلک اب بھی اس کے خلاف ہو مگر جمہور کا مذہب وہی ہے جو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ خطابی نے بھی یہی کچھ کہا ہے،

بَابٌ فِي رَضَاعَةِ الْكَبِيرِ

بڑی عمر والے کی رضاعت کا باب

۲۰۵۸ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ الْمَعْنَى وَاحِدٌ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ قَالَ حَفْصٌ فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ وَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ ثُمَّ اتَّفَقَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ فَقَالَ انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے پاس ایک مرد تھا، حفص راوی نے کہا کہ یہ بات حضورؐ پر شاق گزری اور آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا، حضرت عائشہ رضؓ نے کہا یارسول اللہ یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ دیکھ لیا کرو تمہارے بھائی کون ہیں کیونکہ رضاعت اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ بھوک مٹانے کا باعث ہو (بخاری، مسلم، نسائی)

شرح: خطابی معالم السنن میں کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس رضاعت کے ساتھ حرمت واقع ہوتی ہے وہ بچپن میں ہوتی ہے۔ (یعنی دو سال کی عمر تک) رضیع وہ بچہ ہے جس کی خوراک دودھ ہو اور اسی سے اس کی بھوک دور ہو۔ لیکن جب روٹی وغیرہ سے اس کی بھوک دور ہوتی ہے اس وقت کا پیا ہوا دودھ حرمت ثابت نہیں کرتا، یعنی وہ شرعی معتبر رضاعت نہیں ہے۔ مدت رضاعت جمہور علماء سفیان، اوزاعی، شافعی، احمد، اسحاق، ابو یوسف، محمد بن الحسن کے نزدیک دو سال ہے: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ (البقرہ ۲۳۳) پس دو سال پر مدت رضاعت پوری ہو جاتی ہے: وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا: امام مالکؒ نے دو سال کے اوپر معمولی مدت کو بھی دو ہی سال میں شمار کیا ہے۔

اوپر کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ ابو القعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی باپ تھا۔ پس یہ شخص جوان کے ہاں آیا تھا یہ ابو القعیس کا بیٹا ہوگا جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ جن لوگوں نے اسے عبداللہ بن یزید قرار دیا ہے، انہیں غلطی لگی ہے۔ یہ عبداللہ صحابی نہیں بلکہ تابعی تھا۔ اس کی ماں جس نے حضرت عائشہ رضؓ کو دودھ پلایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تک زندہ رہی تھی اور اسی زمانے میں عبداللہ پیدا ہوا تھا۔ حضورؐ نے اس حدیث میں ایک اصولی بات فرمائی ہے کہ رضاعت سے حرمت اور رشتہ قائم ہو جاتا ہے لہٰذا خیال رکھا جائے کہ واقعی کون رضاعی بھائی ہے۔ رضاعت صرف وہ ہے جس پر بچے کا گزارا ہو اور وہ

مدتِ رضاعت کے اندر اندر ہے، اسی سے رشتہ چلتا اور حرمت قائم ہوتی ہے۔ اس مدت میں دودھ چاہے کسی طور سے پلایا جائے، مثلاً بطورِ دوا، بطور مزاح، نا دانستگی کے ساتھ وغیرہ وغیرہ، اس سے حکم حرمت ثابت ہو جاتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ایک ہی دفعہ چوسنا حرمت ثابت کر دیتا ہے۔ المقتنہ والمصتان اور خمس رضاعت میں اضطراب ہے۔ ابو بکر رازی نے ابن عباس رضؓ سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کا یہ قول کہ، لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ وَلَا الرَّضْعَتَانِ " ایک دو مرتبہ چوسنا حرمت پیدا نہیں کرتا" یہ حکم پہلے تھا لیکن اب ایک ہی دفعہ کا چوسنا حرمت کا باعث ہے۔ پس ابن عباس رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کی روایت کو منسوخ قرار دیا ہے۔

۲۰۵۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ اَنَّ سُلَيْمٰنَ بْنَ الْمُغِيْرَةِ حَدَّثَهُمْ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنٍ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا رَضَاعَ اِلَّا مَا شَدَّ الْعَظْمَ وَاَنْبَتَ اللَّحْمَ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰی لَا تَسْئَلُوْنَا وَهٰذَا الْحَبْرُ فِيْكُمْ۔

ابن مسعود رضؓ نے فرمایا کہ رضاعت صرف وہ ہے جو ہڈی مضبوط کرے اور گوشت پیدا کرے۔ پس ابو موسیٰ رضؓ نے کہا: جب تک یہ حبر (عالم) تم میں موجود ہے ہم سے سوال مت کیا کرو۔ (پہلے ابو موسےٰ سے مراد ابو موسیٰ ہلالی ہے اشعری نہیں جیسا کہ آئندہ حدیث میں آتا ہے)

شرح: اگلی حدیث میں ابن مسعود رضؓ نے اس روایت کو مرفوع قرار دیا ہے۔ اس حدیث کا قصہ صاحب البدائع نے یہ لکھا ہے کہ ایک بادیہ نشین شخص کی بیوی نے بچہ جنا جو مر گیا اور اس عورت کے پستان سوج گئے، وہ آدمی اُسے چوستا اور پھینک دیتا، اتفاقاً ایک گھونٹ حلق میں اتر گیا تو اس نے ابو موسیٰ اشعری رضؓ سے یہ مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ عورت تجھ پر حرام ہوگئی۔ پھر وہ عبداللہ بن مسعود رضؓ کے پاس آیا اور اُن سے مسئلہ پوچھا: انہوں نے کہا کیا تو نے پہلے کسی سے پوچھا ہے؟ اُس نے ابو موسیٰ رضؓ کا نام لیا اور ان کا فتویٰ سنایا۔ اس پر عبداللہ رضؓ ابو موسیٰ رضؓ کے پاس گئے اور وہاں جا کر یہ مسئلہ بیان کیا، جس پر ابو موسیٰ رضؓ نے کہا کہ جب تک یہ عالم موجود ہے ہم سے مت پوچھا کرو۔

۲۰۶۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْاَنْبَارِیُّ نَا وَكِيْعٌ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ عَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْهِلَالِیِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ وَقَالَ اَنْشَزَ الْعَظْمَ۔

ابن مسعود رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی اسی طرح جس طرح گذری اور اس میں لفظ یہ ہے: ہڈی کو

قوی کرے۔ (مسند احمد میں یہ حدیث مروی ہے)

بَابُ فِي مَنْ حَرَّمَ بِهِ

باب۔ جنہوں نے بڑی عمر والے کی رضاعت کو حرمت کا سبب کہا

۲۰۶۱ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ اَبَا حُذَيْفَةَ بْنَ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ ابْنِ عَبْدِ شَمْسٍ كَانَ تَبَنَّى سَالِمًا وَ اَنْكَحَهُ ابْنَةَ اَخِيهِ هِنْدَ بِنْتَ الْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَهُوَ مَوْلًى لِامْرَاَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ كَمَا تَبَنَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا وَّ كَانَ مَنْ تَبَنَّى رَجُلًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ دَعَاهُ النَّاسُ اِلَيْهِ وَوُرِّثَ مِيرَاثَهُ حَتّٰى اَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي ذٰلِكَ اُدْعُوهُمْ لِاٰبَائِهِمْ اِلٰى قَوْلِهِ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيكُمْ فَرُدُّوا اِلٰى اٰبَائِهِمْ فَمَنْ لَّمْ يُعْلَمْ لَهُ اَبٌ كَانَ مَوْلًى وَاَخًا فِي الدِّيْنِ فَجَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلِ ابْنِ عَمْرٍو الْقُرَشِيِّ ثُمَّ الْعَامِرِيِّ وَهِيَ امْرَاَةُ اَبِي حُذَيْفَةَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ اِنَّا كُنَّا نَرٰى سَالِمًا وَلَدًا فَكَانَ يَاْوِي مَعِيَ وَمَعَ اَبِي حُذَيْفَةَ فِي بَيْتٍ وَّاحِدٍ وَيَرَانِي فُضْلًا وَقَدْ اَنْزَلَ اللهُ فِيهِمْ مَا قَدْ عَلِمْتَ فَكَيْفَ تَرٰى فِيهِ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْضِعِيهِ فَاَرْضَعَتْهُ خَمْسَ رَضَعَاتٍ فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ فَبِذٰلِكَ كَانَتْ عَائِشَةُ تَاْمُرُ بَنَاتِ اَخَوَاتِهَا وَبَنَاتِ اِخْوَتِهَا اَنْ يُّرْضِعْنَ مَنْ اَحَبَّتْ عَائِشَةُ اَنْ يَّرَاهَا وَيَدْخُلَ عَلَيْهَا وَاِنْ كَانَ كَبِيرًا خَمْسَ رَضَعَاتٍ ثُمَّ يَدْخُلُ عَلَيْهَا وَاَبَتْ اُمُّ

سَلَمَةَ وَسَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُدْخِلْنَ عَلَيْهِنَّ بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ حَتَّى يُرْضَعَ فِي الْمَهْدِ وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ وَاللهِ مَا نَدْرِي لَعَلَّهَا كَانَتْ رُخْصَةً مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَالِمٍ دُونَ النَّاسِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس نے سالم رض کو متبنیٰ بنایا اور اس سے اپنی بھتیجی کا نکاح کیا جس کا نام ہند بنت بن عتبہ بن ربیعہ تھا اور سالم رض انصار کی ایک عورت کا آزاد کردہ غلام تھا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رض کو متبنیٰ بنا لیا تھا۔ اور زمانۂ جاہلیت کا رواج تھا کہ متبنیٰ اُسی کا بیٹا پکارا جاتا جس نے متبنیٰ بنایا ہوتا۔ اور وہ اس کی میراث لیتا تھا، حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے متعلق آیت اتاری: انہیں اُن کے باپوں کے نام سے پکارو الخ پس وہ تمہارے دینی بھائی اور موالی (آزاد کردہ غلام) ہیں۔ پس انہیں ان کے باپوں کی طرف لوٹا یا گیا اور جس کا باپ معلوم نہ ہوتا وہ مولی اور دینی بھائی ہوتا۔ پس سہلہ رض بنت سہیل بن عمرو قرشی عامری آئی، اور وہ ابوحذیفہ رض کی بیوی تھی، وہ کہنے لگی: یارسول اللہ ہم تو سالم رض کو بیٹا جانتے تھے پس وہ میرے ساتھ ابوحذیفہ رض کے ساتھ ایک گھر میں اولاد کی مانند رہتا تھا اور وہ مجھے عام کپڑوں میں دیکھتا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کے بارے میں جو احکام اتارے ہیں وہ آپ جانتے ہی ہیں، سو آپ فرمائیں ہم کیا کریں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے دودھ پلا دو، پس سہلہ رض نے اسے پانچ بار دودھ پلا دیا تو وہ اس کے بیٹے کی مانند تھا جو رضاعت کے باعث تھا۔ پس عائشہ رض اپنی بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حکم دیتی تھیں کہ جسے عائشہ رض دیکھنا اور اپنے ہاں آنا پسند کریں، اگرچہ وہ بڑا ہو، اسے پانچ بار دودھ پلادیں پھر وہ حضرت عائشہ رض کے سامنے آجاتا۔ اور اُم سلمہ رض اور باقی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کیا کہ ایسی رضاعت کے باعث اپنے پاس کسی شخص کو آنے دیں حتیٰ کہ اُس نے گھوڑے میں دودھ نہ پیا ہو، اور انہوں نے عائشہ رض سے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم شاید یہ رخصت صرف سالم رض کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھی اور کسی کے لیے نہیں (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا کہ عامہ اہل علم نے اس مسئلے میں اُم سلمہ رض کا قول اختیار کیا ہے اور سالم رض کے معاملے کو یا تو خصوصیت پر محمول کیا ہے یا نسخ پر۔ اور شافعی رح نے اس حدیث کی بنا پر رضاع کا عدد جس سے حرمت واقع ہوتی ہے پانچ قرار دیا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ رضاعت کبیر کے قائل نہیں ہوئے۔ گویا شافعی رح کے نزدیک اس حدیث میں دو چیزیں ہیں: ایک رضاع کبیر اور دوسرا حرمت کا پانچ کے عدد پر مبنی ہونا۔ اور جب کسی دلیل یا سبب سے نسخ ایک چیز میں جاری ہو جائے تو جب دوسری چیز میں وہ معنیٰ نہ پایا جائے تو اس میں نسخ جاری نہیں ہوتا۔ اور واجب کے لیے اس چیز سے استدلال صحیح ہے جو

غیر واجب ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بول کر رہے تھے اور کسی گذرنے والے نے سلام کہا تو آپؐ نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ مٹی سے تیمم کیا، پس آپ نے اس موقع پہ دو ضربیں لگائیں ایک منہ کے لیے اور دوسری ہاتھوں کے لیے، پس علماء نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ حدیث تیمم میں دو ضربوں کے لیے اصل ہے اگرچہ یہ تیمم حضورؐ نے موضع وجوب میں نہیں کیا تھا۔ یعنی اس وقت تیمم محض استحباباً تھا۔

منذریؒ نے حافظ ابن القیم کے حوالے سے لکھا ہے کہ رضاع کبیر کے مسئلے میں حضرت عائشہؓ کے قول کو لیث بن سعد، عطاء اور اہل ظاہر نے اختیار کیا ہے۔ اور اکثر علماء نے حدیث کو یا تو خصوصیت پہ محمول کیا ہے یا نسخ پر۔ اور نسخ پہ ان کا استدلال اس سے ہے کہ سالمؓ کا قصہ ہجرت کی ابتداء میں تھا کیونکہ جس آیت کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ اوائل ہجرت میں نازل ہوئی تھی اور سہلہؓ نے اس آیت کے نزول کے بعد ہجرت کی تھی، لیکن وہ احادیث جس میں یہ آتا ہے کہ تحریم کا حکم بچپن کے ساتھ متعلق ہے وہ ان لوگوں نے روایت کی ہیں جن کا اسلام متأخر تھا مثلاً ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ، پس انہی احادیث پر عمل اولیٰ ہے۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ابو حذیفہؓ کا نام ہشم یا ہشیم یا ہاشم تھا اور بعض کے نزدیک قیس۔ وہ اولین مسلمانوں میں سے تھے، اسلام لانے میں ان کا نمبر ۴۳ واں تھا۔ وہ معاویہؓ کے ماموں تھے، ان کی بہن ہند بنت عتبہ معاویہؓ کی والدہ تھیں۔ ابو حذیفہؓ نے دونوں ہجرتیں کی، جنگ بدر میں شامل تھے اور بعمر ۵۳ سال جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ سالمؓ مولی ابی حذیفہؓ کا نام سالمؓ بن عبید بن ربیعہ تھا اور کنیت ابو عبداللہ۔ وہ فارسی تھے یعنی اصطخر کے رہنے والے۔ فضلائے صحابہ میں ان کا شمار تھا۔ انہیں مہاجرین اور انصار دونوں میں شمار کیا گیا ہے۔ مہاجر اس لیے کہ جب ابو حذیفہؓ کی بیوی ثبیتہ انصاریہؓ نے انہیں آزاد کیا تو انہوں نے ابو حذیفہؓ سے عقد ولاء کر لیا اور ابو حذیفہؓ نے انہیں بیٹا بنا لیا۔ اور چونکہ ان کو آزاد کرنے والی انصاری عورت تھی لہٰذا یہ انصار میں شمار ہوئے۔ اور ابو حذیفہؓ کا متبنیٰ ہونے کی وجہ سے انہیں قریشی بھی کہا جاتا تھا حالانکہ وہ دراصل عجمی تھے۔ یہ بہت بڑے قاری قرآن تھے۔ حضورؐ کی ہجرت مدینہ سے قبل سالم مہاجرین کے امام صلوٰۃ تھے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اسلامی لشکر کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ دایاں بازو کٹ گیا تو جھنڈا بائیں سے پکڑ لیا، پھر وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو سینے سے لگا لیا اور وہ زبان سے یہ آیت پڑھ رہے تھے: وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ۔ جب نیچے گرے تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ ابو حذیفہؓ کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ شہید ہو گئے۔ پھر ایک صحابی کا نام لیا تو بتایا گیا کہ وہ بھی شہید ہوئے۔ فرمایا: مجھے ان دونوں کے درمیان میں لٹا دو۔

طبری نے تہذیب الآثار میں سند صحیح سے روایت کی ہے کہ امہات المؤمنین میں سے حفصہؓ کا قول بھی عائشہؓ کے قول کی مانند تھا۔ شوکانی نے کہا ہے کہ رضاع کبیر میں علی بن ابی طالبؓ کا قول بھی حضرت عائشہؓ کی مانند تھا۔ ابن حزم نے یہ قول علیؓ سے نقل کیا ہے مگر حافظ ابن عبدالبر نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ راوی حارث اعور ضعیف ہے۔ ابن عُلیّہ، عروہ بن زبیرؓ اور حافظ ابن حزم کا بھی یہی مذہب تھا۔ ان لوگوں کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے: وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ

مِنَ الرَّضَاعَةِ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رضاعت کا حکم بچپن سے متعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ الخ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ الخ اور وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔ اور گزشتہ باب کی احادیث سے بھی مدت رضاعت یہی معلوم ہوتی ہے۔ اور ام سلمہ کی حدیث جو ترمذی میں ہے: لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ۔ اسی طرح ابن ماجہ میں عبداللہ بن زبیر رض کی حدیث ہے۔ اور ابن عمر رض کی موقوف حدیث: لَا رَضَاعَةَ إِلَّا لِمَنْ أَرْضَعَ فِي الصِّغَرِ۔ اور ابن عباس کی حدیث: مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ وَإِنْ كَانَتْ مَصَّةً وَاحِدَةً فَهِيَ تُحَرِّمُ۔ اور ابن عدی دار قطنی اور بیہقی میں ابن عباس رض کی مرفوع حدیث: لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ۔ اور طیالسی اور بیہقی میں جابر رض کی مرفوع حدیث: لَا رَضَاعَ بَعْدَ الْفِصَالِ وَلَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ۔

حافظ ابن حجر نے سالم رض کی حدیث کے کئی جواب نقل کئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور محب طبری نے اسی پر جزم کیا ہے وجہ یہ کہ سالم رض کا قصہ اوائل ہجرت میں تھا اور دو سال کے اعتبار کی احادیث جو نوعمر صحابہ رض کی روایات ہیں ان کے متاخر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن یہ ایک ضعیف استدلال ہے کیونکہ راوی کے متاخر الاسلام ہونے اور کم عمر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی روایت متقدم نہ ہو (مرسلات صحابہ تو بالاتفاق مقبول ہیں) ایک جواب یہ ہے کہ یہ حکم سالم رض اور ابو حذیفہ رض کی بیوی کے ساتھ مخصوص تھا۔ اور اس میں اصل ام سلمہ رض کا قول ہے اور دیگر ازواج رض مطہرات نے بھی کہا کہ یہ ایک خاص حکم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سالم رض کے لیے دیا تھا۔ ابن الصباغ وغیرہ نے اسی جواب کو پسند کیا ہے۔ لہٰذا اس قصے سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

فقہاء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ رضاع کون سی مدت میں معتبر ہے۔ اس سلسلے میں پہلا قول تو دو سال کا ہے اور یہ حضرت عمر رض، ابن عباس رض، ابن مسعود رض، ابو حنیفہ رح، شافعی رح، حسن بن صالح رح، مالک رح، زفر بن ہذیل، محمد بن الحسن رح سے منقول ہے اور ابو ہریرہ رض، ابن عمر رض، احمد رح، ابو یوسف رح، سعید بن المسیب رح، شعبی رح، ابن شبرمہ رح، اسحاق رح، ابو عبید رح اور ابن المنذر رح سے مروی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ رضاع جو تحریم کا مقتضی ہے وہ لطام یعنی دودھ چھڑانے سے پہلے پہلے کا ہے۔ اور یہ قول ام سلمہ رض کا ہے اور ابن عباس رض سے بھی مروی ہے۔ اور حسن رح، زہری رح، اوزاعی رح، عکرمہ رح اور قتادہ کا یہی مذہب ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ بچپن کا رضاع تحریم پیدا کرتا ہے مگر بچپن کی حد اس قول والوں نے مقرر نہیں کی۔ یہ حضرت عائشہ رض کے علاوہ دیگر ازواج مطہرات سے مروی ہے اور ابن عمر رض اور سعید بن المسیب رح سے بھی مروی ہے۔ چوتھا قول تیس ماہ کا ہے جو ابو حنیفہ رح اور زفر رح کی ایک روایت ہے۔ پانچواں قول دو سال اور اس کے قریب کا ہے اور یہ مالک رح سے مروی ہے، مگر مؤطا میں ہے کہ دو سال کے بعد رضاع کم ہو یا زیادہ، اس سے تحریم نہیں آتی۔ چھٹا قول تین سال کا ہے اور یہ کوفی فقہاء کی ایک جماعت سے اور حسن رح بن صالح سے مروی ہے۔ ساتواں قول سات سال کا ہے جو عمر بن عبدالعزیز رح سے مروی ہے۔ آٹھواں قول دو سال بارہ دن کا ہے جو ربیعہ رح سے منقول ہے۔ نواں قول یہ ہے کہ رضاعت بچپن کی مقید ہے مگر بوقت حاجت شرعی کبیر کی رضاعت بھی معتبر ہے۔ مثلاً کوئی ایسا شخص ہو جس کا اس عورت کے

سامنے آنا ناگزیر ہو اور اس سے پردہ باعث مشقت ہو۔ یہ حافظ ابن ابن تیمیہ کا قول مختار ہے۔

بَابُ هَلْ يُحَرِّمُ مَا دُونَ خَمْسِ رَضَعَاتٍ

باب۔ کیا پانچ رضعات سے کم حرمت پیدا کرتے ہیں؟

۲۰۶۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ فِيمَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ فَتُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُنَّ مِمَّا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ۔

عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ بھی اتارا تھا کہ دس بار دودھ پلانا حرام کر دیتا ہے پھر وہ پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ ہو گئے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو یہ قرآن میں پڑھے جاتے تھے۔ (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: مقدار رضاع کے مسئلے میں اختلاف ہوا ہے۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ مدت رضاع کے اندر قلیل و کثیر رضاع باعث حرمت ہے۔ یہ مالکؒ، ابوحنیفہؒ، اوزاعیؒ، ثوریؒ اور احمد بن حنبلؒ کا مشہور مذہب ہے۔ پھر کچھ اور لوگوں کا خیال ہے کہ تحریم ایک رضعت (ایک بار پینے) سے زائد میں ہے اب اس زاید کی مقدار میں اختلاف ہے۔ پس حضرت عائشہ رضؓ سے اور حضرت حفصہ رضؓ سے دس رضعات کی روایت آئی ہے۔ حضرت عائشہ سے سات رضعات کی روایت بھی ہے جو ابن ابی خیثمہ نے بسند صحیح بواسطہ عبداللہ بن زبیر حضرت عائشہ رضؓ سے نقل کی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں "سات یا پانچ" رضعات کی روایت ہے۔ مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ سے پانچ رضعات کی روایت بھی ہے اور یہی شافعیؒ کا قول ہے اور ایک روایت میں احمدؒ کا بھی۔ اور یہی ابن حزم ظاہری کا مذہب ہے۔ ابو عبید، ابو ثور، ابن المنذر اور داؤد ظاہری اور ان کے متبعین سوائے ابن حزم کے، کا قول یہ ہے کہ تین رضعات سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ قرطبی نے ایک روایت میں کہا کہ: ایک یا دو رضعات اور ایک یا دو بار چوسنا حرمت پیدا نہیں کرتا، اس سے زیادہ سے حرمت آ جائے گی۔ لیکن جمہور نے کہا کہ مقصہ یا مقتے (چوسے) اس وقت خارج از بحث ہوں گے جب کہ ثابت ہو جائے کہ دودھ رضیع کے پیٹ میں نہیں پہنچا۔ جمہور کا مذہب اس وجہ سے قوی ہے کہ عدد رضعات میں اختلاف ہے اور خود حضرت عائشہ رضؓ جو اس کی راوی ہیں ان سے مختلف روایات ہیں۔ پس کم از کم جس پر رضاعت کا نام آ جائے اسے ہی اختیار کیا جائے گا۔ اور بلحاظ نظر اس کی تائید یوں ہو جاتی ہے کہ رضاعت کے ساتھ دائمی حرمت وابستہ ہے لہٰذا اس میں عدد کا کوئی لحاظ رکھنا درست نہیں

جیسے مثلاً رشتۂ دا مادی۔ نیز جو مانع چیز پیٹ میں جائے اور اس سے حرمت وابستہ ہو اس میں عدد کا کوئی سوال نہیں ہو سکتا مثلاً منی۔ یہ روایت متواتر نہیں اور قرآن کے کسی حصّے کی قرآنیت تواتر کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی لہٰذا حضرت صدیقہ رض کا یہ قول کہ پہلے دس رضعات تھے پھر پانچ ہوئے اور حضورؐ کی وفات تک قرآن میں پڑھے گئے، اس سے استدلال صحیح نہیں ہے (فتح الباری) حضورؐ کے بعد نسخ کا سوال نہیں ہو سکتا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ آیت منسوخ تھی اور کچھ لوگوں کو نسخ معلوم نہ تھا لہٰذا وہ بعد میں بھی پڑھتے رہے (خطابیؒ)

۲۰۶۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ نَا اِسْمٰعِيْلُ عَنْ اَيُّوْبَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چوسا یا دو چوسے حرمت پیدا نہیں کرتے (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اس حدیث میں اضطراب ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا، لہٰذا یہ استدلال میں نہیں لائی جا سکتی۔

بَابٌ فِي الرَّضْخِ عِنْدَ الْفِصَالِ

دودھ چھڑاتے وقت مرضعہ کی عطا کا باب

۲۰۶۴ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْعَلَاءِ اَنَا ابْنُ اِدْرِيْسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حَجَّاجِ بْنِ الْحَجَّاجِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُذْهِبُ عَنِّيْ مَذَمَّةَ الرَّضَاعَةِ قَالَ الْغُرَّةُ الْعَبْدُ اَوِ الْاَمَةُ قَالَ النُّفَيْلِيُّ حَجَّاجُ بْنُ الْحَجَّاجِ الْاَسْلَمِيُّ وَهٰذَا لَفْظُهٗ۔

حجاج بن مالک بن عویمر اسلمی سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ مجھ سے رضاعت کا حق کیونکر دور (ادا) ہو سکتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ایک جان، غلام یا لونڈی (نسائی، ترمذی، ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ مَذَمَّت اور مَذِمَّت دونوں کا معنیٰ ذمام یعنی ذمہ داری اور حق ہے۔ سوال کا منشاء یہ تھا کہ دودھ پلانے والی نے جو احسان کیا تھا اس کا حق کیسے ادا ہو؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی خدمت

کے لیے غلام یا لونڈی مہیا کرو۔

بَابُ ۱۲ مَا يُكْرَهُ اَنْ يُجْمَعَ بَيْنَهُنَّ مِنَ النِّسَاءِ

ان عورتوں کا باب جنہیں جمع کرنا ناجائز ہے

۲۰۶۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا زُهَيْرٌ نَا دَاوُدُ ابْنُ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا الْعَمَّةُ عَلٰى بِنْتِ اَخِيْهَا وَلَا الْمَرْاَةُ عَلٰى خَالَتِهَا وَلَا الْخَالَةُ عَلٰى بِنْتِ اُخْتِهَا وَلَا تُنْكَحُ الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى وَلَا الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کو اس کی پھوپھی پر، پھوپھی کو اس کی بھتیجی پر، بھانجی کو خالہ پر اور خالہ کو بھانجی پر اور بڑی کو چھوٹی پر اور چھوٹی کو بڑی پر نکاح میں نہ لایا جائے (بخاری، ترمذی، نسائی)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس نہی کا باعث قطع رحمی کا انسداد ہے۔ ایک خاوند کی بیویوں میں منافست پیدا ہو جاتی ہے اور جب وہ قریبی رشتہ دار ہوتیں تو قطع رحمی پیدا ہو جاتی لہٰذا اسے حرام فرما دیا گیا۔ ابوداؤد کے عنوان باب میں کراہت کا لفظ ہے جو حرمت اور اس سے کم درجے کی محض ناپسندیدگی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ حقیقی پھوپھی بھتیجی اور حقیقی خالہ بھانجی کے علاوہ مجازی پھوپھی اور خالہ بھی اس میں داخل ہیں مثلاً دادی کی بہن، نانی کی بہن، نانی کی بہن اوپر تک اور یہ حرمت اجماعی ہے۔ ان کے علاوہ جو اقارب ہیں ان میں حرمت نہیں مثلاً دو پھوپھیوں کی لڑکیاں، دو خالاؤں کی لڑکیاں۔ یہ حدیث مشہور ہے لہٰذا اس سے کتاب اللہ کی آیت وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ کی تخصیص جائز رکھی گئی ہے۔ حنفیہ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے جو ان تمام مسائل پر حاوی ہے کہ ہر وہ دو عورتیں جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کریں تو دوسری کے ساتھ اس کا نکاح شرعاً ناجائز ہے، انہیں ایک شخص کے ہاں جمع کرنا حرام ہے۔ اور اس کی دلیل معجم طبرانی کی حدیث ہے کہ، جب تم ایسا کرو گے تو قطع رحمی کرو گے۔ ابوداؤد کی مراسیل میں بھی ایک مرسل حدیث اس مضمون کی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع رحمی کے خوف سے قرابتوں کو باہم جمع کرنا حرام قرار دیا ہے۔ داؤد ظاہری کے علاوہ روافض و خوارج کا مسلک بھی اس کے برخلاف ہے۔ کبریٰ و صغریٰ کے الفاظ حدیث کے پہلے حصے کے مؤید ہیں یعنی مثلاً بھتیجی۔ پھوپھی اور پھوپھی۔ بھتیجی۔

۲۰۶۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَنْبَسَةُ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي قَبِيصَةُ بْنُ ذُؤَيْبٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا

ابوہریرہ رضؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت اور اس کی خالہ اور عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنے سے منع فرمایا (بخاری، مسلم، نسائی)

۲۰۶۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا خَطَّابُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ الْعَمَّةِ وَالْخَالَةِ وَبَيْنَ الْخَالَتَيْنِ وَالْعَمَّتَيْنِ۔

ابن عباس رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی اور خالہ کے درمیان اور دو خالاؤں اور دو دو پھوپھیوں کے درمیان جمع کرنے کی ناپسندیدگی ظاہر فرمائی (مسند احمد، ترمذی)

شرح: اس حدیث کا راوی خطاب بن القاسم متکلم فیہ ہے، ابوزرعہ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ عقیلی نے اسے غیر معروف کہا ہے۔ خصیف راوی ضعیف ہے۔ اوپر کی حدیث کی روشنی میں اس حدیث کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی اور اس کی بھتیجی یا بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں نہ رکھے۔ فتح الودود میں ہے کہ بیوی کی پھوپھی اور اس کی خالہ سے نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح جو عورتیں بیوی کی خالہ ہوں اوپر تک اور جو اس کی پھوپھی ہوں اوپر تک۔ خالتین سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیوی کی خالہ کی خالہ۔ اس حدیث کو مشکل جان کر شارحین نے اس کی ایسی شرح کی ہے جو دوسری احادیث کے خلاف نہ پڑے۔ ضابطہ اس سلسلے میں وہی ہے جو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔

۲۰۶۸ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ الْمِصْرِيُّ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِهِ وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ قَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي هِيَ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا تُشَارِكُهُ فِي مَالِهِ فَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا فَيُرِيدُ وَلِيُّهَا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ أَنْ يُقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا فَيُعْطِيَهَا

مِثْلَ مَا يُعْطِيهَا غَيْرُهُ فَنُهُوا عَنْ أَنْ يَنْكِحُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ وَيَبْلُغُوا بِهِنَّ عَلَى سُنَّتِهِنَّ مِنَ الصَّدَاقِ وَأُمِرُوا أَنْ يَنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هَذِهِ الْآيَةِ فِيهِنَّ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ قَالَتْ وَالَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ أَنَّهُ يُتْلَى عَلَيْهِمْ فِي الْكِتَابِ الْآيَةُ الْأُولَى الَّتِي قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهَا وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ قَالَتْ عَائِشَةُ وَقَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْآيَةِ الْآخِرَةِ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ هِيَ رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ عَنْ يَتِيمَتِهِ الَّتِي تَكُونُ فِي حَجْرِهِ حِينَ تَكُونُ قَلِيلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ فَنُهُوا أَنْ يَنْكِحُوا مَا رَغِبُوا فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا مِنْ يَتَامَى النِّسَاءِ إِلَّا بِالْقِسْطِ مِنْ أَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ قَالَ يُونُسُ وَقَالَ رَبِيعَةُ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى قَالَ يَقُولُ اتْرُكُوهُنَّ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى قَالَ يَقُولُ اتْرُكُوهُنَّ إِنْ خِفْتُمْ فَقَدْ أَحْلَلْتُ لَكُمْ أَرْبَعًا۔

عروہ بن زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے: اور اگر تم کو خوف ہو کہ یتیموں میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے شادی کر لو جو تمہیں پسند آئیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھانجے یہ یتیم عورت ہے جو اپنے ولی کے ہاں پرورش پا رہی ہو اور اس کے مال میں شریک ہو۔ پس اس شخص کو اس کا مال اور جمال پسند آئے اور وہ ولی اس کے حق مہر میں انصاف کئے بغیر اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہے اور اتنا حق مہر نہ دے جتنا کوئی اور دے سکتا ہو۔ پس ایسے لوگوں کو ان یتیم عورتوں سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا سوائے اس صورت کے کہ ان کے ساتھ انصاف کریں اور انہیں ان کا زیادہ سے زیادہ مہر مثل ادا کر دیں۔ اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ان کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کر لیں۔ عروہ نے

کہا کہ پھر حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد پھر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یتیم لڑکیوں کا مسئلہ پوچھا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور لوگ تم سے عورتوں کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہو کہ اللہ تعالےٰ ان کے متعلق تمہیں جواب دیتا ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ یتیم لڑکیوں میں تم پر جو احکام نازل ہوئے ہیں، جن کو تم ان کا حق مہر نہیں دیتے اور ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ تم پر کتاب کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اُس سے مراد وہی پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ: تم ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اُس یتیم لڑکی سے نکاح نہیں کرنا چاہتے ہو جو تم میں سے کسی کی کفالت میں ہو جب کہ اس کا مال اور جمال کم ہو، پس لوگوں کو ان یتیم لڑکیوں کے نکاح سے روک دیا گیا جن کے مال اور جمال میں رغبت ہو مگر یہ کہ اس سے انصاف کریں کیونکہ لوگ ایسی لڑکیوں سے نکاح کی رغبت نہ کرتے تھے۔ اور یونس نے کہا کہ ربیعہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہا ہے: وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامٰى، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمہیں بے انصافی کا خوف ہو تو انہیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے تمہارے لیے چار عورتیں حلال کر دی ہیں۔
(بخاری، مسلم، نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان آیات کی جو تفسیر بیان فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یتیم لڑکیاں دو قسم کی تھیں: ایک مالدار صاحب حسن وجمال اور دوسری وہ جو ان دونوں سے محروم تھی یعنی مفلس بھی تھی اور صاحب جمال بھی نہ تھی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جب لڑکیاں مال اور جمال میں کم ہوں تو تم انہیں چھوڑ دیتے ہو اور نکاح کی رغبت نہیں رکھتے۔ اور جب وہ مال اور جمال والی ہوں تو ان کے مال کی خاطر اور اس لیے کہ انہیں معمولی حق مہر میں ہی ٹرخا دوگے ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو۔ چنانچہ ان آیات میں ان دونوں باتوں سے منع فرمایا گیا اور بہر صورت یتیموں کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم دیا گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث کی مناسبت باب کے عنوان سے بظاہر کوئی نہیں۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ کسی شخص کی کفالت میں زیادہ یتیم لڑکیاں ہوں تو بشرطِ عدل ان سے نکاح کر سکتا ہے لیکن گزشتہ احادیث کے مطابق محرمات کو جمع نہ کرے۔

۲۰۶۹- **حَدَّثَنَا** أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ نَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ ابْنَ سَعْدٍ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ كَثِيْرٍ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدِّيْلِيُّ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ حَدَّثَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ حَدَّثَهُ أَنَّهُمْ حِيْنَ قَدِمُوْا الْمَدِيْنَةَ مِنْ عِنْدِ يَزِيْدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ مَقْتَلَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا لَقِيَهُ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ فَقَالَ لَهُ هَلْ لَكَ إِلَيَّ مِنْ حَاجَةٍ تَأْمُرُنِيْ بِهَا قَالَ فَقُلْتُ لَهُ قَالَ هَلْ أَنْتَ مُعْطِيَّ سَيْفَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّغْلِبَکَ الْقَوْمُ عَلَیْهِ وَاَیْمُ اللّٰهِ لَئِنْ اَعْطَیْتَنِیْهِ لَا یُخْلَصُ اِلَیْهِ اَبَدًا حَتّٰی یَبْلُغَ اِلٰی نَفْسِیْ اِنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ خَطَبَ بِنْتَ اَبِیْ جَهْلٍ عَلٰی فَاطِمَةَ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یَخْطُبُ النَّاسَ فِیْ ذٰلِکَ عَلٰی مِنْبَرِهٖ هٰذَا وَاَنَا یَوْمَئِذٍ مُحْتَلِمٌ فَقَالَ اِنَّ فَاطِمَةَ مِنِّیْ وَاَنَا اَتَخَوَّفُ اَنْ تُفْتَنَ فِیْ دِیْنِهَا قَالَ ثُمَّ ذَکَرَ صِهْرًا لَهٗ مِنْ بَنِیْ عَبْدِ الشَّمْسِ فَاَثْنٰی عَلَیْهِ فِیْ مُصَاهَرَتِهٖ اِیَّاهُ فَاَحْسَنَ قَالَ حَدَّثَنِیْ فَصَدَقَنِیْ وَوَعَدَنِیْ فَوَفَانِیْ فَاِنِّیْ لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَلَا اُحِلُّ حَرَامًا وَلٰکِنْ وَاللّٰهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ مَکَانًا وَاحِدًا اَبَدًا۔

علی بن الحسین رضؓ نے ابن شہاب کو حدیث سُنائی کہ جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے قتل کے بعد وہ یزید بن معاویہ رضؓ کے پاس سے مدینہ میں آئے تو مسور بن مخرمہ رضؓ ان سے ملے اور کہا کہ آپ کو کوئی ضرورت ہو تو مجھے حکم دیجئے۔ علی بن الحسین رضؓ نے کہا کہ نہیں۔ مسورؓ نے کہا کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار (ذوالفقار) مجھے عطا کریں گے کیونکہ مجھے خوف ہے کہ یہ لوگ آپ سے وہ لے لیں گے، اور واللہ اگر وہ تلوار آپ مجھے دے دیں تو بخدا جب تک میری جان میں جان ہے کوئی اسے مجھ سے نہیں لے سکے گا۔ علی بن ابی طالب رضؓ نے ابوجہل کی بیٹی کو پیغامِ نکاح دیا اور اُسے فاطمہ رضؓ پر (بطور سوت) لانا چاہا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا، آپ لوگوں کو اس بارے میں اپنے اس منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور میں ان دنوں میں جوان ہو چکا تھا پس حضورؐ نے فرمایا کہ فاطمہ رضؓ مجھ سے ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ (اس نکاح کی صورت میں) وہ اپنے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا ہوگی۔ پھر حضورؐ نے بنی عبد شمس میں سے اپنے ایک رشتہ دار (داماد۔ ابوالعاص رضؓ بن ربیع) کا ذکر فرمایا اور اس کے حضورؐ سے حُسنِ معاملہ کی تعریف فرمائی اور اچھا ذکر فرمایا۔ فرمایا اُس نے مجھ سے بات کی تو سچی کی اور مجھ سے وعدہ کیا تو پورا کیا۔ (یعنی زینب رضؓ بنت رسول اللہ کو مکہ سے مدینہ بھیجنے کا وعدہ کیا) اور میں کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہیں کرتا، مگر واللہ رسول اللہؐ کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک مکان میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں (بخاری، مسلم، النسائی، ابن ماجہ)

شرح: ابوالعاص رضؓ اُموی کے ساتھ حضرت زینب رضؓ کا نکاح قبل از بعثتِ نبوی ہو چکا تھا۔ ابوالعاص جنگ بدر میں بحالتِ شرک گرفتار ہوئے اور اس شرط پر رہا ہوئے کہ زینب رضؓ کو مدینہ پہنچا دیں گے۔ یہ وعدہ انہوں نے

پورا کیا۔ پھر دوبارہ گرفتار ہوئے اور زینبؓ نے انہیں پناہ دے دی پس وہ اسلام لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ کا نکاح ان سے بحال رکھا۔ حافظ ابن حجر اور حافظ ابن القیم نے حضورؐ کے اس قول کی کہ: واللہ رسول اللہؐ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک مکان میں جمع نہیں ہوسکتیں، یہ علت بیان کی ہے کہ اس صورت میں حضورؐ کو اذیت پہنچتی جو فعل حرام ہے۔ علیؓ کے لیے ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح حلال تھا مگر حضورؐ کی اذیت کے باعث اس سے منع فرمایا گیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے حضورؐ کے خصائص میں شمار کیا جائے کہ آپ کی بنات پر دوسرا نکاح ناجائز تھا، یا بالخصوص فاطمہؓ کے سلسلے میں یہ ناجائز تھا۔ بقول حافظ ابن القیم اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ کے گھر والوں کی اذیت خود حضورؐ کی اذیت ہے، کیونکہ حضورؐ نے اس سلسلے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ: یُرِیبُنِی مَا اَرَابَهَا۔ جو چیز میری بیٹی کو دکھ دیتی ہے۔ مقام تعجب و صد افسوس ہے کہ حضورؐ کا یہ کلمہ جسے صراحۃً حضرت علیؓ کے قصے میں بیان فرمایا تھا اسے بعض سازشی طبع منافقوں نے یہاں سے اٹھا کر دیگر اصحاب کبار مثلاً جناب عمر رضی اللہ عنہ پر بعض فرضی الزامات کی بنا پر چپکانے کی کوشش کی ہے۔ خزنہم اللہ تعالیٰ۔

۲۰۷۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ وَعَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ بِهَذَا الْخَبَرِ قَالَ فَسَكَتَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ عَنْ ذَلِكَ النِّكَاحِ۔

عبدالرزاق نے اپنی سند سے اس حدیث میں ابن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے کہ مسورؓ نے کہا: اس پر علیؓ نے اس نکاح کے بارے میں خاموشی اختیار کرلی (حوالہ سابقہ یعنی بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

۲۰۷۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَعْنَى قَالَ أَحْمَدُ نَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ ابْنُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ الْقُرَشِيُّ التَّيْمِيُّ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ إِنَّ هِشَامَ بْنَ الْمُغِيرَةِ اسْتَأْذَنُوا أَنْ يُنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ مِنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَلَا آذَنُ ثُمَّ لَا آذَنُ ثُمَّ لَا آذَنُ إِلَّا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ أَنْ يُطَلِّقَ ابْنَتِي وَيَنْكِحَ ابْنَتَهُمْ فَإِنَّمَا ابْنَتِي بِضْعَةٌ مِنِّي يُرِيبُنِي مَا أَرَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا وَالْإِخْبَارُ فِي

حَدِيثِ أَحْمَدَ ۔

مسور بن مخرمہؓ نے عبید اللہ بن ابی ملیکہ قرشی تیمی کو حدیث سنائی کہ اس نے (مسورؓ نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سنا کہ بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کریں، بس میں اجازت نہیں دیتا، پھر اجازت نہیں دیتا، پھر اجازت نہیں دیتا، مگر یہ کہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیدے اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لے میری بیٹی میرا ایک ٹکڑا ہے اس کا دکھ میرا دکھ ہے اور اس کی میری اذیت ہے۔ اخبار کا لفظ احمد کی روایت میں ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی ابن ماجہ اور نسائی)

شرح: علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ تھے۔ فاطمہؓ حضورؐ کی محبوب بیٹی تھیں اور اس وقت نہ ان کی والدہ زندہ نہیں نہ کوئی بہن نہ بھائی۔ ان حالات میں اگر علیؓ وہ نکاح کر لیتے تو فاطمہؓ کو فطری لحاظ سے جو دکھ ہوتا وہ ناقابل تصور ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر بالفرض فاطمہؓ کو اس سے اذیت نہ ہوتی تو حضورؐ یہ نہ فرماتے اور نہ نکاح میں حائل ہوتے، لیکن روایات میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شدید غیظ و غضب آیا ہے اور اس نے حضورؐ سے سخت لفظوں میں شکائت کی تھی۔ کوئی نفاق زدہ انسان یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ خود حضورؐ نے متعدد خواتین سے نکاح کیا اور ازواج مطہرات میں رشک و غیرت کے معاملات بھی پیش آئے تو پھر حضورؐ نے علیؓ کو ان سخت الفاظ سے کیوں روکا اور بنی ہشام بن مغیرہ کو کیوں برسر منبر ڈانٹا؟ سبب یہی تھا کہ ایک تو ازواج النبی کے لئے سب سے بڑا اعزاز یہی تھا کہ حضورؐ نے ان سے نکاح فرمایا، دوسرے ان کے حالات ایسے نہ تھے جیسے فاطمہؓ کے تھے، تیسرے حضورؐ کی شفقت، رحم اور ملاطفت ان کی شکایات کا ازالہ کر دیتی تھی۔ ابوجہل کی اس بیٹی کا نام روایات میں جویریہؓ (یہ مشہور تر ہے) عوراء، حیفاء، جرہمہ اور جمیلہ آیا ہے۔ علیؓ نے جب اس طرف سے توجہ ہٹالی تو کہتے ہیں کہ عتابؓ بن اسید نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔

بَابٌ ۱۳ فِي نِكَاحِ الْمُتْعَةِ

نکاح متعہ کا باب

۲۰۷۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ إِسْمٰعِيلَ ابْنِ أُمَيَّةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَتَذَاكَرْنَا مُتْعَةَ النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ رَبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ أَشْهَدُ عَلَى أَبِي أَنَّهُ حَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ ۔

زہری نے کہا کہ ہم لوگ عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس تھے تو ہم نے عورتوں کے متعہ کے متعلق بات چیت کی ایک شخص جس کا نام ربیع بن سبرہ تھا اس نے کہا کہ میں اپنے باپ پر گواہ ہوں کہ اس نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے حجۃ الوداع میں منع فرمایا تھا (مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ نکاحِ متعہ کی تحریم مسلمانوں میں ایک اجماعی مسئلے کی مانند ہے۔ اسلام کی ابتداء میں یہ مباح تھا، پھر حضورؐ نے اسے حجۃ الوداع میں حرام فرمادیا۔ اور یہ تحریم حضورؐ کی عمر کے آخری وقت میں ہوئی، پس آج بعض روافض کے سوا کسی کا بھی یہ مسلک نہیں۔ ائمہ اسلام میں اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں کہ یہ حرام ہے۔ ابن عباسؓ اس کی اباحت میں اضطرار کی تاویل کرتے تھے کہ مثلاً اگر کوئی شخص طویل عرصہ تک رنڈوا رہے، نکاح کے لیے پاس حق مہر اور نفقہ نہ ہو تو اس کے لیے مباح ہو گا۔ پھر ابن عباسؓ نے اس میں توقف کیا اور یہ فتویٰ دینے سے رُک گئے۔ پھر خطابی نے اپنی سند سے سعید بن جبیر کی روایت بیان کی ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کیا کیا اور کیسا فتویٰ دیڈالا؟ وہ فتویٰ دُور دُور تک پھیل چکا ہے اور شعراء اس میں شعر کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ نے پوچھا کہ شعراء نے کیا کہا ہے؟ میں نے کہا ہے کہ انہوں نے کہا ہے ؎

قد قلتُ للشیخ لمّا طال مجلسہٗ　　یا صاحِ ھل لک فی فتیا ابن عباسٍ
ھل لک فی رخصۃ الاطراف آنسۃٍ　　تکون مثواک حتی یصدر الناس

(جب شیخ ایک طویل عرصہ رکا رہا تو میں نے کہا: اے دوست! کیا تم ابن عباسؓ کے فتوے سے فائدہ نہ اٹھاؤ گے؟ کیا تمہیں ایک نرم اعضاء والی دوشیزہ درکار نہیں ہے جو لوگوں کی روانگی تک تمہارا ٹھکانا بنی رہے؟)
اس پر ابن عباسؓ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور کہا: واللہ میں نے اس کے لیے فتویٰ نہیں دیا اور نہ میرا یہ ارادہ تھا اور میں نے تو ایک حرام چیز کو بحالتِ اضطرار اس طور پہ حلال کہا تھا جیسے مردار اور خون اور لحم خنزیر اس وقت حلال ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیزیں سوائے مضطر کے کسی کے لیے حلال نہیں۔ اور متعہ بھی مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی طرح ہے۔

خطابی نے کہا کہ اس سے تم پر واضح ہو جاتا ہے کہ ابن عباسؓ نے اس میں ایک قیاس کا مذہب اختیار کیا تھا اور متعہ کو طعام کے ساتھ مضطر کے لیے تشبیہ دی تھی۔ مگر یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ اس باب میں ضرورت اس طرح ثابت نہیں ہو سکتی جیسی کہ طعام کی ضرورت ہے جس پر انسانی زندگی موقوف ہے اور اس کے بغیر موت اور ہلاکت کا خدشہ ہے۔ یہ چیز تو غلبۂ شہوت کے باب سے تھی جس پہ صبر ممکن ہے، اس میں موت کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا اور اس کے مادے کو صوم سے قطع کیا جا سکتا ہے، اور اس کا علاج بھی ممکن ہے۔ پس یہ طعام کی مانند ایک ناگزیر انسانی ضرورت نہ تھی۔

مولانا نے فرمایا کہ متعہ کی تعریف یہ ہے کہ کسی عورت سے ایک معین مدت کے لیے نکاح کیا جائے۔ جب وہ مدت گزر جائے تو از خود فرقت واقع ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متعہ ایک مؤقت نکاح تھا،

گواسے لفظِ تزویج کے ساتھ بطورِ عقد باندھا جاتا اور شاہدوں کی موجودگی میں منعقد ہوتا۔ متعہ خیبر کے زمانے میں مباح قرار دیا گیا تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ پھر فتح مکہ میں مباح ٹھہرایا گیا اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے اس کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔ بعض اصحاب کو نسخ کی اطلاع نہ ملی اس لیے انہوں نے اسے مباح کہا مگر معلوم ہو جانے پر انہوں نے بھی تحریم کا فتویٰ دیا اور اس پر اجماع ہوگیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی حرمت کا واضح اعلان ثابت ہے پس جو لوگ متعہ کو حلال جانیں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اپنا انتساب کریں ان پر تعجب ہے کہ وہ یہ کیونکر کہتے ہیں؟ ہوائے نفسانی اور اغوائے شیطانی کے علاوہ اسے اور کیا کہا جائے گا۔ روافض کے اکثر مسائل کا یہی حال ہے۔ متعہ کی طویل ابحاث کے لیے فتح الباری، عمدۃ القاری اور نیل الاوطار کا مطالعہ کیا جائے۔

اس حدیث کا راوی صحابی سبرہ رضی اللہ عنہ بن معبد جہنی ہے۔ اس حدیث سے یہ تاثر ملتا ہے کہ متعہ کی ابدی حرمت حجۃ الوداع میں ہوئی تھی مگر ربیع بن سبرہ کی ہی حدیث جو مسلم میں آئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ہی متعہ کی حرمت کا آخری اعلان ہوگیا تھا۔ اس بارے میں مسلم کی حدیث کو بوجوہ ترجیح حاصل ہے۔ قصہ ایک ہے، حدیث ایک ہے لہذا قوت طریق کے وسند کے لحاظ اسی مسلم کی حدیث کو ترجیح حاصل ہے۔ محل کے تعیین میں سنن ابی داؤد میں یہ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ مگر ہم نے دیکھا کہ خطابی اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ آخری اعلان حرمت حجۃ الوداع میں ہوا تھا۔ ممکن ہے مزید تاکید و توثیق کے لیے سود کی حرمت کے اعلان کی مانند حجۃ الوداع میں بھی اس کا اعلان کرایا گیا ہو۔ بعض روایات میں گھریلو گدھوں کی حرمت کا بھی حجۃ الوداع میں اعلان ہوا تھا حالانکہ ان کی حرمت غزوہ خیبر میں ہو چکی تھی۔

۲۰۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ رَبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ مُتْعَةَ النِّسَاءِ۔

ربیع بن سبرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا متعہ حرام قرار دیا تھا (مسند احمد میں بھی یہ حدیث آئی ہے۔ راوی ایک ہی ہے اور یہاں پر تحریم کا محل اور وقت نہیں بتاتا لہذا اسے اوپر کی حدیث پر محمول کیا جائے گا)

بَابٌ فِي الشِّغَارِ

یہ باب شغار کے بیان میں ہے

۲۰۷۴۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ نَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ كِلَاهُمَا عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الشِّغَارِ زَادَ مُسَدَّدٌ فِی حَدِیْثِہٖ قُلْتُ لِنَافِعٍ مَا الشِّغَارُ قَالَ یَنْکِحُ ابْنَۃَ الرَّجُلِ وَیُنْکِحُہٗ ابْنَتَہٗ بِغَیْرِ صَدَاقٍ وَیَنْکِحُ اُخْتَ الرَّجُلِ فَیُنْکِحُہٗ اُخْتَہٗ بِغَیْرِ صَدَاقٍ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا مسدد نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا کہ عبید اللہ نے کہا میں نے نافع سے پوچھا شغار کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ایک آدمی دوسرے کی لڑکی سے نکاح کرے اور اپنی لڑکی کا نکاح اسے دے دے مگر حق مہر کے بغیر۔ اسی طرح دو آدمی اپنی اپنی بہن دوسرے کو نکاح میں بلا حق مہر دے دیں۔ (بخاری، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایت کی ہے)

شرح: نووی کے بقول شغار کا اصل معنیٰ رفع (اٹھانا) ہے، جب کتا پیشاب کرنے کے لیے ٹانگ اٹھائے تو کہتے ہیں۔ شغر الکلب اور شغار کا معنی خالی ہونا بھی ہے، یہ نکاح چونکہ نکاح تھا ہی نہیں، محض ایک تبادلہ تھا کہ ایک دوسرے کی بہن یا بیٹی یا دیگر محرمات کا تبادلہ بلا عقد اور بلا حق مہر ہوتا تھا۔ گویا اس میں سے مہر کو اٹھا دیتے تھے یا یوں کہئے کہ گویا یوں کہتے تھے: تم میری بہن یا بیٹی کی ٹانگ نہیں اٹھا سکتے جبتک میں تمہاری بہن یا بیٹی کی ٹانگ نہ اٹھاؤں۔ یہ بھی نکاح متعہ کی طرح سے جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک نکاح شمار ہوتا تھا۔ علماء امت اس کے ممنوع ہونے پر اجماع کر چکے ہیں، لیکن اختلاف فقط یہ ہے کہ آیا یہ نہی اس نکاح کے باطل ہونے کی بناء پر ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اور بقول خطابی احمدؒ، اسحاقؒ اور ابو عبیدؒ کے نزدیک یہ نکاح سرے سے باطل ہے، یعنی منعقد ہی نہیں ہوتا۔ مالکؒ نے کہا کہ اگر نکاح کیا گیا (یعنی باقاعدہ عقد ہوا مگر بلا مہر ہوا) تو قبل از دخول اور بعد از دخول اسے فسخ کیا جائے گا اور ایک روایت میں قبل از دخول نہ کہ بعد از دخول۔ ایک جماعت نے کہا کہ جاہلیت میں تو محض تبادلہ ہوتا تھا عقد نہیں، اگر عقد ہوا تو مہر مثل واجب ہوگا (کیونکہ عقد نکاح تو ذکر مہر کے بغیر بھی ہو جاتا ہے) یہ مذہب ابو حنیفہؒ کا ہے اور عطاءؒ، زہریؒ اور لیثؒ سے بیان ہوا ہے۔ احمدؒ اور اسحاقؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور ابو ثورؒ اور ابن جریر طبری کا بھی یہی قول ہے۔ اور سب فقہاء کا اجماع ہے کہ بہن یا بیٹی کی طرح بھتیجی، بھانجی پھوپھی کی بیٹی، خالہ کی بیٹی وغیرہن کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اس کی واضح صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے: میں اپنی بیٹی کا نکاح تم سے اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دو، اور ان دونوں کا حق مہر تبادلے میں ایک دوسری کی شرم گاہ ہے۔ دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اوسے بدلے کے نکاح کا جو رواج ہے یہ شغار نہیں۔ کیونکہ اس میں دونوں طرف مہر ہوتا ہے۔

۲۰۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیَی بْنِ فَارِسٍ نَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنِ ابْنِ اَبِیْ اِسْحٰقَ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ

بْنُ هُرْمُزَ الْاَعْرَجُ اَنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْعَبَّاسِ اَنْكَحَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ الْحَكَمِ ابْنَتَهُ وَاَنْكَحَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنَتَهُ وَكَانَا جَعَلَا صَدَاقًا فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ اِلٰى مَرْوَانَ يَاْمُرُهُ بِالتَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا وَقَالَ فِيْ كِتَابِهِ هٰذَا الشِّغَارُ الَّذِيْ نَهٰى عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

عباس بن عبداللہ بن عباسؓ نے عبدالرحمٰن بن الحکم کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور عبدالرحمٰن نے اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور ان دونوں نے مہر ٹھہرایا تھا۔ پس معاویہؓ نے مروان کو یہ حکم لکھا کہ ان دونوں میں تفریق کرا دے۔ اپنے خط میں لکھا کہ یہی وہ شغار ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

شرح: مولاناؒ نے فرمایا کہ سنن ابی داؤد کے تمام نسخوں میں یہی عبارت ہے: وَكَانَا جَعَلَا صَدَاقًا۔ لیکن شوکانی نے منتقی الاخبار کے نسخے سے: وَكَانَا جَعَلَاهُ صَدَاقًا لکھا ہے، یعنی ہ کی ضمیر کے ساتھ۔ اس صورت میں معنیٰ یہ بنتا ہے کہ ان دونوں نے اسی عقد کو مہر بنایا تھا اور ظاہر ہے کہ یہی شغار تھا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے (مولاناؒ فرماتے ہیں کہ شوکانی کے علاوہ میں نے یہ اور کہیں نہیں دیکھا۔ شوکانی نے کہا ہے کہ شغار کی دو صورتیں ہیں، ایک وہ جو احادیث میں مذکور ہے یعنی یہ کہ دونوں طرف سے کوئی حق مہر نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں طرف سے اولیاء یہ شرط رکھیں کہ ہم تمہیں اپنی لڑکی نکاح میں دیتے ہیں تم ہمیں اپنی لڑکی دے دو۔ بعض علماء نے صرف پہلی صورت کو شغار ٹھہرایا اور اس سے منع کیا ہے دوسری سے نہیں (کیونکہ دوسری صورت میں عقدِ نکاح بھی ہے اور مہر بھی۔ یا یہ کہ کم از کم دوسری صورت میں صرف مہر کے ذکر سے خاموشی ہے) انہوں نے کہا کہ مہر کے ذکر کا ترک کرنا بطلانِ نکاح کا مقتضی نہیں ہے (مہر پہ تو کسی وقت بھی اتفاق ہو سکتا ہے۔ اور قرآن کی بیان کردہ طلاق وعدّت کی صورتوں میں یہ موجود ہے کہ اگر فلاں عورت کو طلاق ہوئی اور مہر مقرر نہ تھا تو کیا حکم ہے؟) نکاح بلا تقررِ مہر صحیح ہے۔ پس شغار میں جو صورت اس نکاح کے باطل ہونے کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ شرمگاہ کو حق مہر ٹھہرایا جائے۔ اور جب اس کا ذکر نہ ہو تو علماء کے نزدیک صحیح تر یہی ہے کہ نکاح صحیح ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ امام شافعیؒ سے اس مسئلہ میں مختلف روایتیں ہیں کہ اگر تبادلے کے نکاح میں حق مقرر ہو تو کیا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ املاء میں تو یہ ہے کہ پھر بھی نکاح باطل ہے لیکن مختصر میں بظاہر صراحت یہ ہے کہ نکاح صحیح ہے۔ یہی سبب ہے نقل مذاہب کرنے والوں نے شافعیؒ سے نقل کرنے میں کسی ایک رائے پر اقتصار کیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ جب یہ واضح ہو گیا تو اس حدیث میں جو عقد طرفین کی طرف سے بیان کیا گیا ہے اس میں شغار کا شائبہ تک نہ تھا جس سے حضورؐ نے روکا ہے۔ وجہ یہ کہ ان دونوں عقدوں میں مہر موجود تھا اور یہ شرط نہ تھی کہ ہر عورت کی شرمگاہ دوسری کا مہر ہے۔ پس اس صورت میں اس نکاح کے فساد کی کوئی وجہ نہ تھی اور علماء میں سے کسی کے نزدیک بھی یہ ناجائز نہ تھا پس معاویہؓ کا تفریق کا حکم صرف احتیاط پر مبنی مانا جائے گا

اور یہ سدِ ذرائع کی قسم سے تھا۔ رہا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط کا مضمون کہ یہ وہ شغار ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا، سو یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فہم تھا اور یہ بات معلوم ہے کہ راوی کا فہم دوسروں کے نزدیک معتبر اور حجت نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں یہ شغار کے لغوی معنیٰ کے بھی خلاف ہے۔ اس حدیث میں گو محمد بن اسحاق راوی ہے مگر اس میں وہ حدثنی کا صیغہ استعمال کر رہا ہے لہٰذا معتبر و مقبول ہے۔

بَابٌ فِي التَّحْلِيلِ

یہ باب تحلیل میں ہے

۲۰۷۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ نَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنِيْ اِسْمٰعِيْلُ عَنْ عَامِرٍ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِسْمٰعِيْلُ وَاُرَاهُ قَدْ رَفَعَهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لُعِنَ الْمُحَلِّلُ وَالْمُحَلَّلُ لَهُ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اور بقول اسمٰعیل راوی حدیث علی رضی اللہ عنہ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں پر خدا کی لعنت ہے۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد)

شرح: علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اگر محلّل اور محلّل لہٗ کے درمیان کسی فاسد شرط کی بنا پر نکاح ہو تو نکاح فاسد ہے کیونکہ وہ متعہ کی مانند نکاح مؤقت ہے۔ لیکن جب نیت ہی ہو مگر شرط نہ ہو تو مکروہ ہے۔ پس اگر یہ دوسرا خاوند اس عورت سے جماع کرے اور اسے طلاق دیدے تو عدت گزر جانے پر پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔ بہت سے علماء نے اس بات کو مکروہ کہا ہے کہ نکاح کرنے کرانے والوں کے دلوں میں یہ خیال یا نیت پوشیدہ ہو یا ان میں سے ایک کے دل میں یہ نیت ہو کہ میں اسے پہلے خاوند کے لیے حلال کر رہا ہوں، اگرچہ شرط نہ لگائیں۔ ابراہیم نخعی نے کہا کہ جب تک رغبت کا نکاح نہ ہو وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ پس اگر پہلے خاوند یا دوسرے یا عورت میں سے کسی ایک کی نیت بھی تحلیل کی ہو تو نکاح باطل ہے اور پہلے خاوند کے لیے وہ عورت حلال نہیں ہوتی۔ سفیان ثوری نے کہا کہ اگر کسی شخص نے تحلیل کے ارادے سے نکاح کیا (شرط سے نہیں) پھر وہ اُسے اپنے ہی پاس روک لینا چاہے تو مجھے یہ صرف اس صورت میں پسند آتا ہے کہ اُسے چھوڑ کر از سر نو نکاح کرے۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہر حال میں ان کے اندر تفریق کی جائے گی۔ علماء میں سے حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم رحمہ اللہ اس مسئلے میں بڑے سخت ہیں۔ ان کے نزدیک سرے سے نکاح ہوتا ہی نہیں۔ ان دونوں نے اس مسئلے پر سینکڑوں صفحات لکھے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں انتہا پسندی تک جا پہنچے ہیں۔ شاید سبب یہ ہو کہ اس مسئلے کو ان کے وقت غلط طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اور اس مضمون کی اور احادیث تحلیل کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ لعنت فقط گناہِ کبیرہ پر ہوتی ہے حافظ صاحب نے تلخیص میں کہا ہے کہ جب دوسرا شخص یہ شرط کر کے نکاح کرے کہ جب وہ جماع کرے گا تو عورت بائن ہے یا یہ شرط کہ وہ اسے تحلیل کے بعد طلاق دے دیگا تو اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ نکاح باطل ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس حدیث کا اطلاق اس صورت کو بھی مشتمل ہے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ حدیث ہر محلّل کے بارے میں عام نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس میں ہر واہب اور بایع اور مزوّج داخل ہوتا۔ پس صحیح یہ ہے کہ اس میں بعض محلل ہی داخل ہیں اور وہ وہ محلّل ہے جو کسی دوسرے کی خاطر حرام کو بلا دلیل حلال کرے۔ سو یہ متعین ہو گیا کہ اس سے مراد وہ محلّل ہے جس کے ساتھ یہ شرط کی گئی ہو۔ فقہاء کا اس میں اختلاف نہیں کہ یہ شخص جب اس عورت کو اس کے پہلے خاوند کیلیے حلال کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو اور عورت کی یہ نیت ہو تو بھی وہ اس لعنت میں داخل نہیں ہوتی۔ سو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس حدیث سے مراد شرط ہے، یعنی نکاح بشرطِ تحلیل۔ شرط کے بغیر جن لوگوں نے کہا ہے کہ تحلیل جائز ہے ان میں ابو ثور اور بعض حنفیہ اور مؤید باللہ اور ہادویہ ہیں۔ انہوں نے احادیث تحریم کو اس صورت پر محمول کیا ہے جس میں کہ شرط کی گئی ہو کہ یہ نکاح تحلیل کی خاطر ہے۔ انہوں نے کہا کہ عبدالرزاق نے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے ایک مرد کو پیغام بھیجا اور اس کے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ اسے پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس عورت کے ساتھ مقیم رہے، اسے طلاق نہ دے ورنہ اسے سزا ملے گی پس اس کا نکاح صحیح تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تجدیدِ نکاح کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور عبدالرزاق نے عروہ بن زبیر سے یہ روایت بھی کی ہے کہ جب زوجین میں سے کوئی جانتا نہ ہو تو عروہ تحلیل میں حرج نہیں جانتے تھے۔ ابن حزم نے کہا کہ یہی قول سالم بن عبداللہ اور القاسم بن محمد کا ہے۔ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں کہا ہے کہ عطاء سے صحیح طور پر ثابت ہوا ہے کہ جس شخص نے تحلیل کے لیے نکاح کیا پھر اسے اس عورت کی طرف رغبت ہو گئی اور اسے روک لیا (طلاق نہ دی) تو عطاء نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں (پس نکاح کی صحت عطاء کے نزدیک بشرطِ تحلیل ثابت ہو گئی۔ شعبی نے کہا کہ جب پہلا خاوند حکم نہ دے تو تحلیل میں کوئی حرج نہیں۔ لیث بن سعد نے کہا کہ جب اس شرط سے نکاح کیا پھر اسے طلاق دے دی اور وہ اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئی تو درست ہے (یعنی وہ اس کے لیے حلال ہو چکی) شافعی رحمہ اللہ اور ابو ثور نے کہا کہ نکاح فاسد اس شخص کا ہے جو بشرطِ تحلیل نکاح کرے اور پھر اسے طلاق دیدے۔ لیکن جس نے عقد میں یہ شرط نہ کی ہو تو اس کا نکاح صحیح ہے چاہے عقد کے انعقاد سے پہلے یہ شرط کی ہو یا نہ اور محلّل نے یہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ ابو ثور نے کہا کہ محلّل کو اس صورت میں ثواب ہوگا (کہ اس نے فریقین کو ایک بڑی الجھن سے نکالا) اور بشر بن الولید نے ابو یوسف سے اور انہوں نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اسی طرح کی روایت کی ہے (مگر یہ ایک خاص قسم کے نکاح کی فقہی تاویل ہے) اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے صاحبین نے اُن سے یہ روایت کی ہے کہ جب دوسرے شخص نے اور عورت نے پہلے خاوند کے لیے تحلیل کی نیت کی ہو تو وہ حلال نہیں ہوتی۔ اور حسن بن زیاد نے زفر اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ اگر نفسِ عقد میں یہ شرط کی گئی کہ یہ شخص اس عورت کو اُس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کر رہا ہے تو

شرط باطل ہے اور نکاح صحیح ہے اور وہ شخص اس عورت کو بطور زوجہ رکھ سکتا ہے۔

پس امام ابو حنیفہؒ سے یہ تین روایات ہیں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ اور یہ شخص جس نے دوسرا نکاح کیا ہے یہ زوج ہے، اس نے مہر کے ساتھ، ولی کے ساتھ اُس عورت کی رضا سے نکاح کیا ہے اور وہ عورت مانع شرعی سے خالی ہے اور یہ شخص اسے اُس کے پہلے خاوند کی طرف لوٹانے پر راغب ہے۔ پس یہ حدیث ابن عباس رضؓ میں داخل ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ لَا اِلَّا نِكَاحَ رَغْبَةً اور یہ نکاح رغبت ہے کہ وہ اس عورت کو ایک مسلم کے لیے حلال کرنا چاہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹنے کی صرف یہ شرط فرمائی ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کا مزہ چکھ لیں۔ پس یہ عورت نفس کے ساتھ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو گئی۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا سوال ہے، تو اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہر مُحلِّل یا مُحلَّل لہٗ اس لعنت سے مراد نہیں ہے کیونکہ نکاح کا ولی بھی محلِّل ہے، وہ عقد سے قبل جو کچھ حرام تھا اسے حلال کرتا ہے۔ نکاح کرنے والا حاکم محلِّل ہے اسی مذکورہ اعتبار سے اور اپنی لونڈی کو فروخت کرنے والا اُسے خریدار کے لیے حلال کرنے والا (محلِّل) ہے۔ اور ہم نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو مطلقہ ثلاثہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے وہ بھی محلِّل ہے اگرچہ تحلیل کی شرط نہ بھی کرے یا اس کی نیت نہ بھی کرے، کیونکہ اس کی وطی سے وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو گئی (یعنی اگر اب وہ اسے طلاق دیدے تو) اور یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ یہ شخص اس حدیث کے حکم لعنت میں داخل نہیں ہے۔ پس حضورؐ کی مراد اس لعنت سے وہ شخص ہے جو حرام کو اپنے فعل سے حلال کرے اور اس کے پاس کوئی شرعی حجت نہ ہو اور ہر مسلم کو بے شک معلوم ہے کہ وہ شخص لعنتی ہے۔ اور جو اپنے مسلم بھائی کے ساتھ احسان کا ارادہ کرے اور اُسے اس کی جدا شدہ بیوی سے ملانے کی رغبت کرے اور اس کے مصائب کو دور کرنے اور اولاد کی تکالیف کو مٹانے کی کوشش کرے تو وہ محسن ہے اور: وَمَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ، چہ جائیکہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت پہنچے۔ پھر اس کے بعد شوکانی نے اس عبارت کو نقل کر کے اس پر اعتراض کیا ہے۔ مگر اس اعتراض کا کوئی سر پیر نہیں بنایا۔

علامہ محدث علی القاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے کہ اس حدیث سے نکاح بشرط تحلیل کی کراہت (یعنی حرمت) پر استدلال کیا گیا ہے فقہاء نے کہا ہے کہ جب شرطِ تحلیل کے ساتھ نکاح کرے مثلاً یوں کہے: میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تجھے تیرے پہلے خاوند کے لیے حلال کر دوں۔ یا عورت یہ کہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور فقہاء نے کہا کہ وہ دونوں اگر اشتراطِ تحلیل کی نیت کریں اور زبان سے یہ شرط نہ کہیں تو مرد کو اجر ہو گا اور وہ لعنت کا مستوجب نہ ہو گا۔ لیکن بعض نے کہا کہ اگر زبان سے بھی کہیں تو مرد ماجور ہے کیونکہ اس کا قصد اصلاح کا ہے۔ لیکن لعنت اس وقت ہو گی جبکہ وہ اس پر اجرت کی شرط لگائے۔ ہدایہ میں ہے کہ شرط لگانے والا محلِّل ہی اس حدیث کا محمل ہے، کیونکہ حدیث کا عموم (یعنی فقط محلِّل) اجماعاً مراد نہیں ہے۔ ابن الہمام نے کہا ہے کہ فتویٰ

کے لیے قول مختار یہ ہے کہ اگر مطلقہ ثلاثہ غیر کفو سے نکاح کرے یا وہ اس سے جماع کرے تو وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں۔ لیکن اگر ولی اس کا نکاح کرائے تو پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی۔ اس مسئلے کو ذرا غور سے جانچنا ضروری ہے کیونکہ محلل غالبًا غیر کفو ہی ہوتا ہے۔ خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ حدیث میں جو لعنت مذکور ہے وہ مشروط ہے اور جن حنفی فقہاء نے اس فعل کو جائز کہا ہے انہوں نے چند شرطوں کو ملحوظ رکھ کر کہا ہے نہ کہ مطلقاً اور عمومًا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۰۷۷۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَامِرٍ عَنِ الْحَارِثِ الْأَعْوَرِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَرَأَيْنَا أَنَّهُ عَلِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ۔

حارث اعور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے، پس ہم نے دیکھا کہ وہ علیؓ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر کی حدیث کے معنیٰ کے مطابق روایت کرتے ہیں (اوپر کی حدیث کا مسند و مرفوع ہونا مشکوک رہا تھا۔ اس سند کے الفاظ بھی یقینی نہیں۔ حارث اعور متکلم فیہ راوی ہے جیسا کہ اوپر کئی مقامات پر گزرا۔ ہاں یہ حدیث دیگر اصحاب سے بھی مروی ہے۔ مثلاً ترمذی نے اسے عن ہزیل بن شرجیل عن ابن مسعودؓ روایت کیا ہے اور نسائی نے بھی، ترمذی نے اُسے حسن صحیح کہا ہے اور اُسی طریق سے مسند احمد میں بھی ہے حارث کی روایت ضعیف ہے کیونکہ اسے کذاب تک کہا گیا ہے۔

بَابٌ ۱۶ فِي نِكَاحِ الْعَبْدِ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ

یہ باب غلام کے نکاح میں ہے اس کے موالی کی اجازت کے بغیر

۲۰۷۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَهٰذَا لَفْظُ إِسْنَادِهِ وَكَلَامُهُ عَنْ وَكِيعٍ نَا الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ عَقِيلٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَهُوَ عَاهِرٌ۔

جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم نے فرمایا: جو غلام اپنے موالی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے (ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور اسے حدیث حسن کہا)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ عاھر کا معنیٰ زانی ہے اور عھر زنا کو کہتے ہیں۔ غلام کا نکاح اس لیے باطل ہے

کہ اس کی جان اور منفعت اس کے مالک کی مملوک ہے اور جب وہ نکاح میں مشغول ہوگا تو مالک کے کام کے لیے فارغ نہ رہے گا۔ حنفی فقہاء اور مالک نے کہا کہ اگر مالک نکاح کو جائز ٹھہرائے تو جائز ورنہ باطل ہے۔ اوزاعی، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ یہ نکاح سرے سے باطل ہے۔ شافعی نے کہا کہ اگر مالک اس نکاح کو جائز بھی ٹھہرا دے تب بھی باطل ہے کیونکہ ان کے نزدیک نکاح ولی کی اجازت موقوف پر منعقد ہی نہیں ہوتا۔ شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مالک کی اجازت کے بعد نکاح کرنے والے غلام کو عاہر فرمایا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نکاح منعقد نہیں ہوتا کیونکہ زنا باطل ہے۔ داؤد ظاہری کہا کہ چونکہ نکاح فرض عین ہے لہذا یہ نکاح صحیح ہے۔ فرض عین مالک کی اجازت پر موقوف نہیں ہوتا لیکن داؤد کا یہ قیاس نص کے مقابلے میں ہے۔ حنفیہ نے اسے مالک کی اجازت پر موقوف کہا ہے۔ شافعی نے سرے سے باطل اور مالک نے نکاح کو نافذ کہا مگر کہا ہے کہ مالک اسے فسخ کر سکتا ہے۔

۲۰۷۹۔ حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ نَا اَبُوْ قُتَيْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَكَحَ الْعَبْدُ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُ فَنِكَاحُهُ بَاطِلٌ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ ضَعِيْفٌ وَهُوَ مَوْقُوْفٌ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ دراصل یہ موقوف ہے ابن عمرؓ کا قول ہے۔ (ابوداؤد نے اس کے ضعف کا حکم شاید عبد اللہ بن عمر العمری کی وجہ سے لگایا ہے جو اس حدیث کا راوی ہے اور ضعیف ہے۔ صحیح تر یہی ہے کہ اس سند میں عبد اللہ بن عمر العمری ہے، مولانا نے فرمایا کہ ابوداؤد کے مجتبائی نسخے کے حاشیے پر عبید اللہ بن عمر ثقہ راوی ہے۔ یہ دونوں بھائی عمری کہلاتے ہیں۔

باب ۱۷ فِيْ كَرَاهِيَةِ اَنْ يَّخْطُبَ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ

اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام دینے کی کراہیت کا باب

۲۰۸۰۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ۔

ابو ہریرہ رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر اپنا پیغام نہ دے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: اپنے بھائی سے یہاں پر مسلم بھائی مراد ہے۔ معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ یہ نہی تادیب واستحباب کے لیے ہے نہ کہ تحریم کی خاطر۔ دوسری صورت اگر ہوتی تو عقد کی صورت میں وہ باطل ٹھہرتا اکثر علماء کا یہی قول ہے مگر مالکؒ بن انس نے کہا کہ اگر نکاح ہو جائے تو قبل از دخول ان میں تفریق کر دی جائے، بعد از دخول نہیں۔ داؤد نے اس عقد کو باطل کہا ہے۔ اخیہ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس سے مراد مسلم ہے۔ اگر کوئی مسلم کسی ذمی (یہودی یا نصرانی) عورت کو پیغام نکاح دیتا ہے اور پہلے سے کسی یہودی یا عیسائی کی بات چل رہی ہے تو یہ ناجائز نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے مسلمانوں اور کفار میں اخوت کو قطع کر دیا ہے۔ شافعی نے کہا ہے کہ نہی کا تعلق خاص حالات سے ہے ہر وقت نہیں، اور وہ یہ حالت ہے کہ مثلاً مخطوبہ سے کسی کی بات چل رہی ہے اور وہ کسی خاص معین شخص کے ساتھ نکاح کا اذن دے دیتی ہے۔ پس اس حالت میں جبکہ ایک کی بات پختہ ہو گئی کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں کہ اُس پہلے خاطب کی اجازت کے بغیر بات چیت شروع کرے۔ اس مضمون میں شافعی رحؒ کی دلیل فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث ہے۔ پھر خطابی نے وہ حدیث اپنی سند سے بیان کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیسؓ سے کہا جبکہ وہ اپنے خاوند کی طلاق کی عدت میں تھی کہ جب تیری عدت گزر جائے تو مجھے بتانا۔ فاطمہ رضؓ نے کہا کہ میں نے عدت گزرنے پر بتایا تو معاویہ رضؓ اور ابوجہم رضؓ نے مجھے پیغام نکاح دیا ہے پس حضورؐ نے فرمایا کہ معاویہ رضؓ تو مفلس ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں اور ابوجہم رضؓ کا ڈنڈا ہر وقت اس کے کندھے پر رہتا ہے، تو اُسامہ رضؓ سے نکاح کر لے فاطمہ رضؓ نے کہا کہ میں نے اُسامہ رضؓ سے نکاح کیا اور مجھے رشک کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔

خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی شرعی مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عدت کے دوران میں مطلقہ یا بیوہ کو اشارۃً کنایۃً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے (غالباً خطابی نے سمجھا کہ ان دونوں حضرات نے عدت کے دوران میں ہی بطورِ اشارہ پیغام دیا تھا مگر یہ بات اس حدیث سے صراحۃً ثابت نہیں ہوتی، ممکن ہے انقضائے عدت پر ان کا پیغام ملا ہو) دوسرا یہ کہ حسن سلوک کی بعض صورتوں میں مال کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ غلام زادے کا نکاح قریشی سے جائز ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ مرد عورت کو تادیب کر سکتا ہے۔ اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ مشورہ دینے والا بطورِ خیر خواہی اور اظہارِ حقیقت اگر کسی کے عیوب ظاہر کرے تو یہ غیبت نہ ہوگی۔ اور حضورؐ کا ابوجہم رضؓ کے متعلق یہ ارشاد کہ: وہ اپنا ڈنڈا کندھے سے نہیں اُتارتا، اس کے دو مطلب ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بیوی کو تادیب کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ بالعموم سفر پر رہتا ہے کیونکہ یہ محاورہ سفر پر بھی بولا جاتا ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ جمہور کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لیے ہے اور عقد کا باطل ہونا نہ ہونا الگ بات ہے نوویؒ کا بیان ہے کہ یہ نہی بالاجماع تحریم کے لیے ہے لیکن اس کی شروط میں اختلاف ہے۔ پس شافعیہ اور حنابلہ نے کہا کہ جب مخطوبہ یا اس کا ولی ایک خاطب سے بات پکی کرے تو کسی دوسرے کو خطبہ حرام ہوگا،

اگر ایک کو نفی میں جواب دے دیا تو دوسرے خاطب کا خطبہ جائز ہے۔ اگر خاطبوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے خطبے کو نہ جانتا ہو یا ابھی تک کسی کے ساتھ بات پکی نہ ہوئی ہو تو بیک وقت دو یا زیادہ خطبے جائز ہیں کیونکہ اصل تو اباحت ہے۔ حنابلہ سے اس مسئلے میں دو روایتیں ہیں۔ اگر مخطوبہ یا اس کے ولی کی اجابت صراحۃً نہیں بلکہ اشارۃً ہوئی ہو تو اس صورت میں شافعیہ سے بھی دو روایتیں ہیں اور صحیح تر روایت یہ ہے، اور مالکیہ اور حنفیہ کا قول بھی یہی ہے کہ اس صورت میں بھی دوسرے خاطبوں کا خطبہ حرام نہیں۔ اور جب ہاں یا نہ میں کوئی جواب نہ ہوا ہو تو دوسروں کا خطبہ جائز ہے۔ اور حجت اس میں فاطمہ بنت قیس رض کا واقعہ ہے۔ اسے دو پیغام پہلے مل چکے تھے اور تیسرا اسامہ رض کا پیغام حضورؐ نے دیا۔ اگر یہ ناجائز ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ایسا ہوتا۔

جب شروط تحریم پائی گئیں اور عقد بھی دوسرے خاطب سے ہو گیا تو جمہور کے نزدیک ارتکاب حرام کے باوجود عقد ہو گیا کیونکہ خطبہ حرام تھا جو نکاح میں شرط نہیں ہے۔ پس جب عقد ہو گیا تو گو خطبہ غلط طریقے سے ہوا تھا نکاح جائز ہے اور اسے فسخ نہیں کیا جائے گا۔ پہلا خاطب اگر دوسرے کو اجازت دے دے یا پہلے کا خطبہ مثلاً عدت میں ہوا تو دوسرے کا خطبہ جائز ہے۔ مخطوبہ اگر دو ہوں تو دونوں سے خطبہ جائز ہے چاہے نکاح ایک سے ہی کریں

۲۰۸۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْطُبُ اَحَدُكُمْ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ وَلَا يَبِيْعُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔

ابن عمر رض نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی دوسرے کے پیغام پر پیغام نکاح نہ دے اور دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے مگر اس کے اذن سے (مسلم، ابن ماجہ) بعض روایات میں یہ نہی کے صیغے ہیں یعنی: لَا یَخْطُبْ اور لَا یَبِعْ اور بعض میں مضارع کے صیغے ہیں۔ مفاد دونوں کا ایک ہے بیع کی صورت میں بھی وہی کلام ہے جو اوپر گزرا کہ پہلے کی بیع تڑوانے یا سودا خراب کرنے کو ایسا نہ کرے۔

بَابُ ۱۸ الرَّجُلِ يَنْظُرُ اِلَى الْمَرْاَةِ وَهُوَ يُرِيْدُ تَزْوِيْجَهَا

آدمی اس عورت کی طرف دیکھ لے جس سے نکاح کا ارادہ ہو

۲۰۸۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحٰقَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ وَاقِدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ قَالَ فَخَطَبْتُ جَارِيَةً فَكُنْتُ أَتَخَبَّأُ لَهَا حَتَّى رَأَيْتُ مِنْهَا مَا دَعَانِي إِلَى نِكَاحِهَا وَتَزَوُّجِهَا فَتَزَوَّجْتُهَا ۔

جابرؓ بن عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مرد عورت کو پیغام نکاح دے تو اگر وہ نکاح کی رغبت کے لیے اسے دیکھ سکے تو دیکھ لے۔ جابرؓ نے کہا کہ میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اسے چھپ چھپ کر دیکھتا تھا یہاں تک کہ میں نے اس کا چہرہ دیکھ لیا جس سے مجھے اس کے نکاح کی رغبت پیدا ہوگئی، پس میں نے اس سے نکاح کر لیا (اسی مطلب کی ایک حدیث مسلم نے ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے)

شرح: ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میری موجودگی میں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح (کا ارادہ) کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تو نے اسے دیکھ لیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: جا اُسے جا کر دیکھ کیونکہ انصار کی آنکھوں میں نقص ہوتا ہے شارع کا مقصد دراصل یہ تھا کہ جس عورت کے ساتھ زندگی گزارنا ہو اسے نکاح کے بعد چھوڑنے سے بہتر ہے کہ پہلے ہی دیکھ لیا جائے کیونکہ نکاح کا معاملہ اہم اور نازک ہے اور گھریلو کھٹ پٹ سے زندگیاں برباد ہوتی ہیں۔ خطابی نے کہا ہے کہ نکاح کی غرض سے صرف چہرے اور ہاتھوں کی طرف نظر کرنا مباح ہے۔ اُسے عریاں نہ دیکھے اور اس کے ستر پہ نگاہ نہ ڈالے۔ عورت کا اذن ہو یا نہ ہو برابر ہے۔

بقول شوکانی جابرؓ کی اس حدیث کو شافعی، عبدالرزاق، بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ نے اس کے رجال کو ثقات کہا ہے مگر اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے اور ابن القطان نے اسے واقد بن عبدالرحمن کی وجہ سے معلول کہا ہے اور کہا ہے کہ معروف واقد بن عمرو ہے جیسا کہ حاکم کی روایت میں ہے اور اس طرح شافعی اور عبدالرزاق کی روایت میں بھی۔ واقد بن عبدالرحمان بقول صاحب تقریب مجہول ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے۔ شوکانی نے کہا کہ جمہور علماء کا مذہب اس حدیث کے مطابق ہے۔ قاضی عیاض نے مخطوبہ کی طرف دیکھنے کو مکروہ کہا ہے مگر یہ قول دلائل شرع کے خلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک صرف ہاتھ اور منہ دیکھنا جائز ہے اور داؤد نے سارا بدن دیکھنا جائز کہا ہے (یعنی لباس میں) اوزاعی نے کہا کہ مواضع لحم (موٹاپے کی جگہیں) کا دیکھنا جائز ہے۔

باب ۱۹ فِي الْوَلِيِّ

یہ باب ولی کے بارے میں ہے

بقول محقق ابن الہمام ولی وہ ہے جو عاقل و بالغ اور وارث ہو، پس بچہ، مجنون، غلام اور کافر کسی مسلم عورت کے ولی نہیں ہو سکتے۔ نکاح میں ولایت دو قسم کی ہے: ایک ندب و استحباب کی ولایت یعنی عاقل و بالغ

عورت کی ولایت چاہے دوشیزہ ہو چاہے ثیبہ۔ اور دوسری جبری ولایت، اور وہ نابالغ عورت کی ولایت ہے خواہ دوشیزہ ہو یا ثیبہ، اس طرح بڑی عمر کی احمق اور مجنون عورت۔

۲۰۸۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَالْمَهْرُ لَهَا بِمَا أَصَابَ مِنْهَا فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے موالی۔ (اولیاء) کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے تین بار فرمایا۔ اگر خاوند نے اس کے ساتھ خلوت کر لی تو مہر واجب ہے۔ اگر جھگڑا اٹھ کھڑا ہو تو جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی حاکم ہے (ابن ماجہ اور ترمذی)

شرح: حنفیہ نے اس حدیث کو نابالغ لڑکی، لونڈی اور مکاتبہ پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جس میں فرمایا ہے: اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا "بے نکاح عورت ولی کی نسبت اپنے آپ کی زیادہ حقدار ہے" پس حنفیہ نے اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا ہے جبکہ عورت غیر کفو میں نکاح کرے۔ اور اولیاء کے اختلاف کی صورت میں وہ سب ساقط و معدوم سمجھے جائیں گے اور عورت کا ولی حاکم مجاز ہو گا۔ اس حدیث میں جو بلا ولی نکاح کی صورت میں تاوان اور حد وغیرہ کا حکم نہیں آیا اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح ہو گیا اور دخول کی صورت میں مہر واجب ہو گیا۔ اور بطلان کے لفظ کا معنی غیر تمام اور غیر مناسب ہے یعنی اگر ولی کا اس میں نقصان ہوا ہو تو نکاح ساقط ہو سکتا ہے۔ مثلاً مہر کم ہو یا کفو میں ہو۔ اور بعض روایات کے یہ لفظ ہیں: فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا پس یہ استحلال کا لفظ صریحاً دلالت کرتا ہے کہ نکاح منعقد ہو گیا تھا۔

۲۰۸۴ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ جَعْفَرٍ يَعْنِي ابْنَ رَبِيعَةَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَجَعْفَرٌ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنَ الزُّهْرِيِّ كَتَبَ إِلَيْهِ ۔

یہ اُسی حدیث کی دوسری روایت ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس کے راوی جعفر نے زہری سے سن کر روایت نہیں کی بلکہ زہری نے جعفر بن ربیعہ کو خط لکھا تھا۔

۲۰۸۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ ابْنِ اَعْيَنَ نَا اَبُوْ عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ يُوْنُسَ وَ اِسْرَآئِيْلَ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَهُوَ يُوْنُسُ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ وَ اِسْرَآئِيْلَ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ۔

ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ابو داؤد نے کہا کہ روایت یوں ہے: یونس عن ابی بردہ، واسرائیل عن ابی اسحاق ابی بردہ (اصل حدیث ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے)

شرح: مولانا نے فرمایا کہ علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہوا ہے۔ شافعیؒ کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ بالغ عورت میں ولی کا اعتبار نہیں کیونکہ حدیث میں ہے: اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا۔ اور حدیث زیر نظر سے مراد وہ نکاح ہے جس میں بالاجماع ولی کی ضرورت ہو مثلاً نابالغ اور مجنون۔ سیوطیؒ نے شرح ترمذی میں کہا ہے کہ اس حدیث کو جمہور نے نفیٔ صحت پر اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نفیٔ کمال پر محمول کیا ہے، یعنی نکاح کامل وہ ہے جو ولی کرائے، بصورت دیگر نکاح ہو جائیگا مگر ناقص اور نامناسب، اور ولی کو غیر کفو کی صورت میں حق اعتراض و فسخ حاصل ہوگا۔ زین العرب نے کہا ہے کہ عورت اگر کم درجے کی ہو تو وہ ولی کے بغیر خود ہی اپنا نکاح کر سکتی ہے، اور یہ امام مالکؒ کی رائے ہے، یا وہ کسی کو ولی یا وکیل ٹھہرا سکتی ہے۔ اور اگر شریف (صاحب حیثیت) ہو تو اس کے لیے ولی کا وجود لازم ہے۔

امام ابن الہمامؒ نے کہا ہے کہ ولی کے مسئلے میں ہمارے علماء سے سات روایتیں آئی ہیں۔ دو روایتیں امام ابوحنیفہؒ سے ہیں، ایک یہ کہ عاقل و بالغ عورت اپنے نکاح کو خود منعقد کر سکتی ہے مگر یہ غیر مستحب ہے اور حنفیہ کا ظاہر مذہب یہی ہے۔ ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت حسن کی ہے کہ اگر عورت نے کفو میں نکاح کیا تو جائز ہے۔ اور فتویٰ کے لیے یہی روایت اختیار کی گئی ہے۔ ابن الہمام نے کہا کہ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ کی حدیث اس حدیث کے معارض ہے۔ اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا (بے نکاح عورت اپنے نفس کی خود زیادہ حقدار ہے (مسلم اور مؤطا) اور اس سے استدلال یوں ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عورت اور اس کے ولی دونوں کے لیے حق ثابت فرمایا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ ولی کو عقد کرنے کے سوا اور کوئی حق نہیں بشرطیکہ عورت راضی ہو اور حضورؐ نے عورت کو اَحَقُّ فرما کر زیادہ حقدار ثابت کیا ہے۔ اب یا تو ان دونوں حدیثوں میں معارضہ اور ترجیح کا قاعدہ چلے گا یا پھر جمع کا طریق اختیار کرنا ہوگا۔ پہلی صورت اختیار کریں تو اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا کی حدیث قوتِ سند میں اور اس کی صحت کے اندر عدم اختلاف میں اس سے ترجیح حاصل ہے

بخلاف حدیث لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ کے، کیونکہ یہ ضعیف ہے اور اس کی سند میں اضطراب ہے اسیطرح اس کے موصول یا منقطع یا مرسل ہونے میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث یعنی حدیث نمبر ۲۰۸۳ کیونکہ زہری نے اس کا انکار کیا ہے، طحاوی نے کہا کہ ابن جریج نے بتایا اس نے ابن شہاب زہری سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ غیر معروف ہے۔ اب دوسرا طریقہ جمع کا ہے کہ اس کے عموم کو خصوص پر محمول کریں اور یہ شائع طریقہ ہے۔ یہ طریقہ ابوموسیٰ رض کی حدیث لانکاح الا بولی کو مخصوص کرتا ہے وہ اس طرح کہ ہم نفی سے مراد نفی کمال ہے اور یہ کہ سنت طریقہ یہی ہے کہ نکاح ولی کی اجازت کیساتھ ہو اور عائشہ رض کی حدیث کو یہ طریقہ یوں مخصوص کرتا ہے کہ اس سے مراد وہ نکاح ہے جو وہ عورت غیر کفو میں کرے۔ اور باطل کے لفظ سے مراد یہ ہے کہ ولی کے بغیر اگر غیر کفو میں نکاح ہو تو (ایک قول میں جو نکاح کو صحیح نہیں کہتے) وہ غیر صحیح ہے اور جو عقد نکاح کو صحیح کہتے ہیں ان کے نزدیک باطل سے مراد یہ ہے کہ ولی کو اس نکاح کے فسخ میں حق خصومت حاصل ہے۔ اور یہ سب جو بیان ہوا اطلاقات نصوص میں شائع ہے اور حدیثوں کا معارضہ دور کرنے کی خاطر اس کا ارتکاب واجب ہے۔ علاوہ ازیں حدیث عائشہ رض ان قائلین بطلان کے مذہب کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ جب وہ عورت ولی کے اذن سے خود نکاح کرے تو اس کا نکاح صحیح ہے اور حدیث یہی کہہ رہی ہے کیونکہ اس میں نکاح کی مباشرت اور عمل کو عورت کی طرف منسوب کیا گیا ہے: اَیُّمَا امْرَأَۃٍ نَکَحَتْ بِغَیْرِ اِذْنِ مَوَالِیْھَا الخ۔ پس ثابت ہوا کہ شرع منقول میں تو عورت کو اپنے نفس کا ولی کی نسبت زیادہ حق ہے۔ معنوی و عقلی طور پر بھی یہ ثابت ہے۔ اور وہ یوں کہ وہ عورت اپنے مال میں تصرف کی اہل ہے اسی طرح اس حدیث کی رو سے اپنے نفس میں جائز تصرف کی اہل ہے اور وہ اس کا نکاح ہے۔ پس خلافِ اولیٰ ہونے کے باوجود اس حدیث کی تصحیح واجب ٹھہری اور ماننا پڑا کہ وہ (باوجود خلافِ اولیٰ ہونے کے) اپنے نکاح میں خود مختار ہے۔ ابن الہمام کی تحریر ختم ہوئی۔

فتح الباری میں حافظ صاحب نے کہا ہے کہ جمہور ان احادیث کے باعث کہتے ہیں کہ عورت اپنا نکاح خود بالکل نہیں کر سکتی۔ اور قرآن کی آیت: فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ معقل بن یسار رض کے واقعہ میں نازل ہوئی تھی۔ معقل رض نے کہا کہ میں نے اپنی ایک بہن کا نکاح ایک مرد کے ساتھ کیا اس نے اسے طلاق دے دی اور جب عدت گذر ی تو پھر نکاح کی درخواست لے کر آ گیا تو میں نے کہا کہ وہ کبھی بھی اب تیری طرف نہیں لوٹ سکتی اور عورت اس کے پاس جانے کی خواہش رکھتی تھی۔ پس ولی کے اعتبار پہ یہ صریح ترین دلیل ہے ورنہ اس کے عضل (رکاوٹ) کا کوئی معنیٰ نہ تھا۔ علاوہ ازیں اگر وہ خود نکاح کر سکتی تھی تو بھائی کی کیا ضرورت تھی اور جس کا معاملہ خود اپنے ہاتھ میں ہے اس کے لیے یہ نہیں کہا جاتا کہ کسی دوسرے نے اسے روک دیا ہے (حافظ صاحب کے اس استدلال کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ معاملہ برعکس ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء سے حق چھین کر عورت کو دے رہا ہے حافظ صاحب منطقی و فلسفی استدلال سے اس کے خلاف ثابت کر رہے ہیں!) اور ابوحنیفہ رح اس طرف گئے ہیں کہ

ولی کی شرط اصلاً نہیں اور عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے اگرچہ ولی کے اذن کے بغیر ہو جبکہ وہ کفو میں نکاح کرے۔ اور انہوں نے بیع پر قیاس سے استدلال کیا ہے کہ وہ اپنے مال میں مستقل اور خود مختار ہے۔ اور اشتراطِ ولی میں جو احادیث وارد ہیں ان کو انہوں نے صغیر پر محمول کیا ہے اور اس قیاس کے ذریعے سے ان احادیث کے عموم میں خصوص پیدا کیا ہے۔ اور اصول میں یہ جائز ہے کہ قیاس کے ذریعے سے عموم میں تخصیص پیدا کی جائے مگر معقل رضؓ کی مذکورہ حدیث نے اس قیاس کو رفع کر دیا ہے۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ حافظ رحمہ اللہ کے ظن کے مطابق ابوحنیفہؒ نے احادیث کے عموم کو صرف قیاس سے مخصوص نہیں کیا۔ حافظ صاحبؒ جیسے آدمی کا یہ سمجھنا بڑا عجیب ہے۔ بلکہ ابوحنیفہؒ کا استدلال کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ؐ سے ہے۔ کتاب اللہ سے استدلال اس طرح کہ قرآن کہتا ہے: وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا پس یہ آیت اس بات میں نص ہے کہ عورت کی عبارت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہ نکاح بلفظ ہبہ بھی منعقد ہو جاتا ہے یہ آیت ان دونوں مسئلوں پر مخالف پر حجت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ اس آیت سے استدلال دو طرح پر ہے: ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی اضافت عورت کی طرف کی ہے کہ وہ جب تک کسی اور سے نکاح نہ کرے پہلے خاوند پر حلال نہیں۔ دوسرا یہ کہ حرمت کی انتہا کو اللہ تعالیٰ عورت کا نکاح کرنا قرار دیا ہے یعنی جب وہ اپنا نکاح کرے گی تو حرمت رفع ہو جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا۔ اس میں تراجع یعنی باہم نکاح کرنے کو مرد و عورت کی طرف منسوب فرمایا ہے اور ولی کا کہیں ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ۔ اس آیت سے استدلال دو طرح پر ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کو عورتوں کی طرف منسوب فرمایا کہ وہ نکاح کریں (أَنْ يَنْكِحْنَ) پس عورت کا نکاح ولی کی شرط کے بغیر اس کی اپنی عبارت سے جائز ہوا۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو اس بات سے روکا کہ ان میں نکاح کرنے میں رکاوٹ ڈالیں جبکہ فریقین راضی ہوں۔ (یہ ہے وہ آیت جس سے حافظ ابن حجرؒ نے اولیاء کے اختیار پر استدلال کیا ہے!)

اب رہی سنت، پس ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ولی کو ثیب کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ ولی کی ولایت کو ثیبہ سے قطع کر دیا گیا ہے۔ اور حضورؐ کی حدیث مسلم اور موطا وغیرہما میں ہے کہ: اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا۔ ایم کا معنیٰ ہے بے خاوند عورت۔ اور از روئے استدلال جب عورت عقل و حریت میں بالغ ہو تو نکاح میں بھی اپنی ولی خود ہے۔ بچے کی مانند جب وہ بالغ ہو جائے تو خود مختار ہے۔ اور جامع مسئلہ یہ ہے کہ باپ کو نکاح کرنے کی ولایت اگر نابالغ میں حاصل ہے تو اس کی نیابت میں ہے کیونکہ نکاح ایک نافع تصرف ہے جو دین و دنیا کی مصلحت کو متضمن ہے۔ اور ایسی عورت کو اب بھی اور آئندہ بھی اس کی حاجت

ہے۔ جب تک وہ نابالغ تھی خود اس مصلحت کو حاصل نہ کر سکتی تھی، عاقل و بالغ ہونے کے بعد اس کا عجز جاتا رہا اور وہ اپنے نفس پہ تصرف میں قادر ہو گئی لہذا اس حقیقت کی وجہ سے غیر کی ولایت زائل ہو گئی ولایت ایک نیابت ہے جو ضرورت کے وقت ثابت ہوتی ہے اور ضرورت نہ رہے تو زائل ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں حریت اس بات کے منافی ہے کہ ایک حُرّ (آزاد) کو دوسرے حُرّ پہ حاصل ہو اور منافی کا ثبوت صرف ضرورت تک ہوتا ہے اس کے بعد نہیں۔ عاقل بالغ مرد کے بھی ولایت کے زائل ہونے کا یہی سبب ہے۔ اس باب میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اَلنِّسَآءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ۔ عورتیں مردوں ہی کا حصہ اور انہی کی مانند ہیں۔ اسی طور پہ عاقل بالغ عورت کو اپنے مال میں تصرف کا اور اپنی ولایت خود حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ جب وہ مال کی مانند اپنی ولی نکاح میں خود ہے تو کسی اور کو اس کا ولی بنانا درست نہ ہوا (یعنی اس معنی میں جس میں کہ مخالف مانتا ہے) اور قرآنی آیت: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ کا خطاب مردوں کی طرف اس سبب سے ہے کہ عرف و عادت یہی ہے اور اولیٰ یہی ہے، کیونکہ عرفاً عورتیں اپنے نکاح خود نہیں کیا کرتیں کیونکہ نکاح میں چلت پھرت، ملاقاتیں اور مردوں کی محفل میں آنا جانا ہوتا ہے۔ پس یہ ندب و استحباب ہے نہ کہ حکم وایجاب۔ اور دلیل اس کی اگلا قول ہے: وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اور ہر کوئی جانتا ہے۔ کہ غلاموں اور لونڈیوں کی صلاح شرطِ جواز نہیں ہے اور اس کی مثال یہ ارشاد الٰہی ہے: فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا۔ حالانکہ خیر کا ہونا مکاتب بنانے کی شرط نہیں ہے۔ یا پھر اس آیت کریمہ کو تمام دلائل کو جمع کرنے کی خاطر نابالغوں کے نکاح پہ محمول کیا جائے گا (یعنی وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى میں) اور حضورؐ کا یہ قول کہ: لَا تُزَوِّجُ النِّسَاءَ اِلَّا الْاَوْلِيَاءُ بھی بطور ندب و استحباب ہے کیونکہ عرف وعادت یہی ہے کہ عورتیں اپنے نکاح کا انتظام خود نہیں کیا کرتیں بلکہ ان کے اقارب کرتے ہیں۔ اور اسی طرح لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ۔ علاوہ ازیں ناقلین اخبار نے کہا ہے کہ تین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوتیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور یہی باعث ہے کہ یہ بخاری و مسلم نے روایت نہیں کی۔ اس کے باوجود ہم ان احادیث پہ عمل کرتے اور ان کا صحیح محمل نکالتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدار زہری پر ہے اور اوپر گزر چکا ہے کہ زہری نے اس کا انکار کیا تھا۔ اس کے مصنف کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو اس حدیث کی راویہ ہیں انہوں نے خود اپنی بھانجی کا نکاح عبدالرحمٰن بن منذر بن زبیر سے کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہؓ کا اپنا مذہب اس روایت کے خلاف تھا۔ اور اس حدیث کے لفظ ولی سے موالی بھی مراد لیا جا سکتا ہے جیسا کہ اوپر کی حدیث میں یہی لفظ موجود ہے، گویا یہ حدیث لونڈی کے متعلق ہے کہ وہ اپنے موالی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی

۲۰۸۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى بْنِ فَارِسٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ

ابْنِ جَحْشٍ فَهَلَكَ عَنْهَا وَكَانَ فِيمَنْ هَاجَرَ إِلَى أَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ عِنْدَهُمْ۔

حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ وہ (حبشہ میں) ابن جحش کے ساتھ تھیں، وہ فوت ہو گیا اور وہ حبشہ کی ہجرت کرنے والوں میں سے تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح نجاشی نے وہیں حبشہ میں کر دیا (نسائی میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: ام حبیبہؓ کا قصہ یہ ہے کہ وہ عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور انہی کے ساتھ حبشہ کو دوسری ہجرت کی۔ ان کا خاوند حبشہ میں مرتد ہو کر (عیسائی ہو کر) ہلاک ہو گیا۔ ام حبیبہؓ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ یہ ابو سفیان کی بیٹی تھیں ان کا بیان ہے کہ خواب میں مجھ سے کسی نے کہا: اے مومنوں کی ماں۔ میں گھبرا گئی اور خواب کی تعبیر یہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے نکاح کریں گے۔ جب میری عدت گزر گئی تو نجاشی شاہ حبشہ کا قاصد میرے دروازے پر آیا۔ اس کے ساتھ ایک لونڈی تھی جس کا نام ابرہہ تھا اور وہ بادشاہ کے کپڑوں اور تیل عطر پر مامور تھی۔ وہ لونڈی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خط لکھوایا ہے کہ میں تیرا نکاح حضورؐ سے کر دوں۔ میں نے کہا: اللہ تجھے بھلائی کی بشارت دے۔ لونڈی نے کہا کہ بادشاہ کہتا ہے کہ اپنی طرف سے کوئی وکیل نکاح مقرر کر دو۔ پس میں نے خالد بن سعید بن العاصؓ کو پیغام بھیجا اور اسے اپنا وکیل بنایا۔ اور سیرت یعمری میں ہے کہ ام حبیبہؓ کے ولی نکاح عثمان بن عفان تھے اور خالد بن العاصؓ کا نام بھی لیا گیا ہے۔ پس ام حبیبہؓ نے ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور اپنے پاؤں کی دو پازیبیں اور پاؤں کی انگلیوں کی چاندی کی انگوٹھیاں اس بشارت کی خوشی میں دے دیں۔ جب پچھلا پہر ہوا تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالبؓ اور دوسرے مسلمانوں کو جو وہاں تھے بلوایا، وہ آ گئے تو نجاشی نے خطبۂ نکاح پڑھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّهُ الَّذِي بَشَّرَ بِهِ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ۔ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيَّ أَنْ أُزَوِّجَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ فَأَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَصْدَقْتُهَا أَرْبَعَمِائَةِ دِينَارٍ۔ وَفِي رَوْضَةِ الْأَحْبَابِ أَرْبَعَ مِائَةِ مِثْقَالٍ مِنَ الذَّهَبِ ثم سكب الدنانير بين يدي القوم۔ فتكلم خالد بن سعيد بن العاص فقال: الحمد لله أحمده وأستعينه وأستغفره وأشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدًا عبده ورسوله۔ أرسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون۔ أما بعد فقد أجبت إلى ما دعا إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وزوجته أم حبيبة بنت أبي سفيان فبارك الله لرسوله۔ اور شاہ نجاشی نے دینار خالد بن سعیدؓ کے حوالے کئے (یعنی چار ہزار دینار بطور حق مہر) اور خالدؓ نے وہ لے لیے۔ پھر ان لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا، بیٹھے رہیے کیونکہ نکاح پر

کھانا کھلانا نبیوں کی سنت ہے، پھر اس نے کھانا منگوایا اور لوگوں نے کھایا، پھر وہ رخصت ہو گئے۔ یہ ہجرت کے ساتویں سال کا واقعہ تھا۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جب مال (مہر) میرے پاس آیا تو میں نے ابرہہ کو پیغام بھیجا جس نے مجھے بشارت دی تھی۔ پس میں نے اس سے کہا کہ میں نے تجھے جو کچھ دیا تھا سو دیا مگر اس وقت میرے پاس مال نہ تھا یہ پچاس مثقال ہیں انہیں سے لو اور انہیں خرچ کرو۔ پس ابرہہ نے وہ تمام چیزیں جو میں نے اسے دی تھیں، سب نکالیں اور مجھے واپس کرتے ہوئے کہا: بادشاہ نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں تم پر کوئی کوئی بوجھ نہ ڈالوں اور میں ہی اس کے کپڑوں اور تیل کا انتظام کرنے پر مامور ہوں اور میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کیا ہے اور اللہ کے لیے مسلم ہو گئی ہوں اور بادشاہ نے اپنی بیویوں کو حکم دیا ہے کہ تمہیں وہ تمام عطر بھیج دیں جو ان کے پاس ہے۔ دوسرے دن وہ میرے پاس بہت سا ورس اور عنبر اور دیگر خوشبوئیں لائی پس میں وہ سب لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ اسے میرے پاس دیکھتے اور نکیر نہ فرماتے تھے۔

اور نجاشی رحمہ اللہ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو شرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ اور جب ابوسفیان کو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی خبر ملی تو اس نے کہا کہ: وہ ایک ایسا نر ہے جسے جھکایا نہیں جا سکتا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت کچھ اوپر تیس سال تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تقریباً چار سال رہیں اور ۴۲ھ یا ۴۴ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ میں فوت ہوئیں اور ان کا جنازہ مروان بن الحکم نے پڑھایا۔

اس حدیث کی مناسبت باب کے عنوان سے یہ ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نجاشی نے کیا تھا جو ان کا ولی نہ تھا، لہٰذا ثابت ہوا کہ تزویج میں ولی کی شرط نہیں ہے۔ یا یوں کہئے کہ نجاشی رحمہ اللہ حاکم تھا اور جس کا کوئی اور ولی نہ ہو اس کا ولی حاکم ہوتا ہے لہٰذا اس کا عقد ولی کا عقد ہوا۔ اور یہ بات صحیح طور پہ ثابت نہیں ہو سکی کہ خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ولی تھے اور انہوں نے بحیثیت ولی یہ نکاح کیا تھا علامہ خطابی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی رحمہ اللہ نے مہر ادا کیا تھا لہٰذا تزویج اس کی طرف منسوب ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے عمرو بن امیہ ضمری کو وکیل بنا کر حبشہ میں بھیجا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولیٔ نکاح خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ تھے جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے چچازاد تھے، ابوسفیان اس وقت بباعث کفر ولی نہیں ہو سکتے تھے۔ بہر حال اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ ولی کے بغیر نکاح منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ اس واقعہ میں ولی کی وضاحت و صراحت موجود نہیں۔

بَابٌ ۲۰ فِی الْعَضْلِ

یہ باب عضل (یعنی روکنے) میں ہے

۲۰۸۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنِي اَبُوْعَامِرٍ نَا عَبَّادُ ابْنُ رَاشِدٍ عَنِ الْحَسَنِ حَدَّثَنِيْ مَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ قَالَ كَانَتْ لِيْ اُخْتٌ تُخْطَبُ اِلَيَّ فَاَتَانِي ابْنُ عَمٍّ لِيْ فَاَنْكَحْتُهَا اِيَّاهُ ثُمَّ طَلَّقَهَا طَلَاقًا لَهُ رَجْعَةٌ ثُمَّ تَرَكَهَا حَتّٰى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَلَمَّا خُطِبَتْ اِلَيَّ اَتَانِي يَخْطُبُهَا فَقُلْتُ لَا وَاللّٰهِ لَا اُنْكِحُهَا اَبَدًا قَالَ فَفِيَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ الْاٰيَةَ قَالَ فَكَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ فَاَنْكَحْتُهَا اِيَّاهُ۔

معقل بن یسارؓ نے کہا کہ میری ایک بہن تھی جس کے نکاح کی خواستگاری مجھ سے کی جاتی تھی میرا ایک چچازاد خواستگار ہوا تو میں نے اُس کا نکاح اس سے کر دیا۔ پھر اس نے اُسے رجعی طلاق دے دی اور عدت گزرنے تک اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس کی عدت گزر گئی۔ پھر جب بعض لوگوں نے اس سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ بھی خواستگار بن کر آگیا۔ میں نے کہا نہیں، واللہ میں اس سے تیرا نکاح کبھی نہ کرونگا معقلؓ نے کہا کہ اس پر یہ آیت اتری: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (البقرہ ۲۳۲) معقلؓ نے کہا کہ میں نے اپنی قسم کا کفارہ دیا اور اسی کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا (بخاری نے اسے کتاب النکاح، طلاق اور تفسیر میں اور ترمذی نے تفسیر میں روایت کیا)

شرح: حدیث نمبر ۲۰۸۵ کی شرح میں حافظ ابن حجر کا استدلال اس آیت سے گزر چکا، علامہ خطابی نے بھی بڑے زور شور سے یہی استدلال کیا ہے کہ اگر ولی کے بغیر نکاح ہو سکتا تو اس واقعہ میں معقلؓ کی رکاوٹ بے معنی ہوتی۔ مگر حیرت ہے کہ ان بزرگوں کی نظر اس طرف کیوں نہ گئی کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اولیاء کو رکاوٹ ڈالنے سے منع فرما رہا ہے اور اپنے نکاح کا اختیار عورتوں کو بخش رہا ہے۔ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ۔ کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کر لیں، ان الفاظ میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے کہ وہ نکاح کر لیں۔ یہ استدلال مانعین کے استدلال سے واضح تر اور قوی تر ہے۔ مزید بحث گزر چکی۔ معقلؓ کی بہن کا نام حافظ صاحب نے جمیل اور سہیل نے لیلیٰ اور بعض نے فاطمہ بتایا ہے۔ جس سے اس کا نکاح تھا وہ بقول حافظ ابن حجر اور اسمٰعیل قاضی ابوالبداح بن عاصم انصاری تھا۔ مگر شیخ عز الدین بن عبدالسلام نے عبداللہ بن رواحہؓ لکھا ہے۔ اس حدیث کا راوی عباد بن راشد متکلم فیہ ہے۔

باب ۲۱ اِذَا اَنْكَحَ الْوَلِيَّانِ

دو ولیوں کے نکاح کرنے کا باب

۲۰۸۸ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا هِشَامٌ ح وَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا هَمَّامٌ ح وَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا حَمَّادٌ الْمَعْنَى عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا وَأَيُّمَا رَجُلٍ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا۔

سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت کا نکاح دو ولیوں نے کرایا تو وہ ان میں سے پہلے کے لیے ہے۔ اور جس آدمی نے دو شخصوں سے بیع کی وہ ان میں سے پہلے کے لیے ہے (ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد اسے حسن کہا ہے اور لکھا ہے تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ پہلے ولی کا نکاح جائز اور دوسرے کا منسوخ (کالعدم) ہے۔ اور اگر وہ اکٹھے ہی نکاح کریں (یعنی دونوں الگ الگ مردوں سے) تو دونوں کا نکاح باطل ہے اور یہ ثوری، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ علامہ خطابی نے کہا کہ اہل علم اس پر متفق ہیں جب تک کہ دوسرے مرد کی خلوت واقع نہ ہو جائے۔ اس صورت میں مالکؒ نے کہا کہ ان میں تفریق نہ کرائی جائے اور یہی قول عطاء کا ہے۔ اگر یہ نہ معلوم ہو سکے کہ کس کا نکاح پہلے تھا تو بقول ابو ثور دونوں سے طلاق دلوائی جائے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا مذہب ہے جو ترمذی نے بیان کیا۔ صرف اتنی شرط اور ہے کہ دونوں ولی درجہ میں برابر ہوں مثلاً دونوں بھائی ہیں یا دونوں چچا ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو تزویج کا حق ہے جبکہ نکاح کفو میں ہو۔ اور کافی مہر کے ساتھ ہو۔ نکاح کی ولایت قرابت کی بناء پہ ہے اور اس کا تجزیہ ممکن نہیں۔ گویا ہر ایک کی ولایت علی وجہ الکمال ہے۔ تفصیلات اس مسئلہ کی فقہ میں ہیں۔

بَابٌ ۲۲ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ

اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا۔ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ

۲۰۸۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ نَا أَسْبَاطُ نَا الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ الشَّيْبَانِيُّ وَذَكَرَهُ عَطَاءٌ أَبُو الْحَسَنِ السُّوَائِيُّ وَلَا أَظُنُّهُ إِلَّا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ إِذَا مَاتَ كَانَ أَوْلِيَاؤُهُ أَحَقَّ بِامْرَأَتِهِ مِنْ وَلِيِّ نَفْسِهَا إِنْ شَاءَ بَعْضُهُمْ زَوَّجَهَا أَوْ زَوَّجُوهَا وَإِنْ شَاءُوا لَمْ يُزَوِّجُوهَا فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ۔

اس آیت کی تفسیر عکرمہ اور ابوالحسن عطاء السوائی (غیر معروف) نے ابن عباس رض سے یہ نقل کی ہے کہ جب کوئی آدمی مر جاتا تھا تو اُس کے اولیاء عورت کے اولیاء سے اس عورت کے زیادہ حق دار ہوتے تھے، وہ اگر چاہتے یا ان میں کوئی چاہتا تو اس کا نکاح ثانی کراتے اور چاہتے تو نہ کرواتے، اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی (یہ سورۂ نساء کی آیت ۱۹ ہے اور بخاری میں یہ روایت آئی ہے)

شرح: سُدّی کی روایت میں اسے زمانۂ جاہلیت کا اور ضحاک کی روایت میں اہل مدینہ کا رواج لکھا ہے۔ واحدی نے کہا کہ رواج جاہلیت کا تھا اور مسلمانوں میں بھی چلا آ رہا تھا۔ طبرانی نے اس آیت کا نزول اوس کی ایک عورت کبشہ رض بنت معن کے قصے میں بتایا ہے۔ اسی حدیث کی جو روایت صرف عکرمہ نے ابن عباس رض سے کی ہے اس میں یہ تخصیص بھی ہے کہ یہ رواج اس عورت کے متعلق تھا جس سے خلوت کے بغیر ہی اس کا خاوند فوت ہو جاتا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ: اِن شاء بعضهم تزوجها او زوجوها الخ بذل المجهود کے حاشیے پر تزوجها کا لفظ موجود ہے یہی صحیح تر ہے۔ طبری نے ابن عباس رض سے روایت کی ہے کہ خاوند کی موت پر اس کا کوئی قریبی رشتہ دار اپنا کپڑا اس عورت پر ڈال دیتا تھا، پھر اگر وہ حسین و جمیل ہوتی تو خود نکاح کر لیتا ورنہ اسے موت تک روکے رکھتا اور اس کا وارث بن جاتا تھا۔

۲۰۹۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ ثَابِتٍ الْمَرْوَزِيُّ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ النَّحْوِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَذٰلِكَ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَرِثُ امْرَأَةَ ذِي قَرَابَتِهِ فَيَعْضُلُهَا حَتّٰى تَمُوتَ أَوْ تَرُدَّ إِلَيْهِ صَدَاقَهَا فَأَحْكَمَ اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ وَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرْھًا الخ یہ اس طرح تھا کہ مرد کسی قرابتدار کی بیوی کا وارث بن بیٹھتا اور موت تک اسے روکے رکھتا تھا، یا پھر وہ حق مہر واپس کرتی (تو خلاصی پاتی) پس اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور روک دیا (بخاری، نسائی)

۲۰۹۱ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ شَبُّوَیْهِ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ عِیْسَی بْنِ عُبَیْدٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ مَوْلٰی عُمَرَ عَنِ الضَّحَّاكِ بِمَعْنَاهُ قَالَ فَوَعَظَ اللّٰهُ ذٰلِكَ۔

ضحاک بن مزاحم سے بھی گزشتہ حدیث جیسی روایت ہے۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ انہیں یہ نصیحت فرمائی (یعنی گزشتہ روایت نَا حَکَمَ اللہ عن ذالك ونھی عن ذالك کے لفظ تھے اس میں فوعظ اللہ ذالك یا بذالك کا لفظ ہے۔ مطلب وہی ہے۔ اَحْکَمَ کا معنیٰ بھی منع ہے)

بَابٌ ۲۳ فِی الْاِسْتِئْمَارِ

یہ باب عورت سے نکاح میں طلب امر کا ہے۔

۲۰۹۲ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ نَا اَبَانُ نَا یَحْیٰی عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُنْكَحُ الثَّیِّبُ حَتّٰی تُسْتَاْمَرَ وَلَا الْبِكْرُ اِلَّا بِاِذْنِهَا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا اِذْنُهَا قَالَ اَنْ تَسْكُتَ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثیب کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کا امر حاصل نہ کر لیا جائے اور دوشیزہ کا نکاح نہ کیا جائے مگر اس کے اذن کے ساتھ۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اس کا اذن کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ وہ خاموش رہے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: ثیب وہ عورت ہے جو خاوند کی موت یا طلاق کے باعث اس سے جدا ہو گئی ہو۔ اس حدیث کے بموجب اس سے امر لیے بغیر اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ ولی اس کا امر لیے بغیر نکاح نہیں کر سکتا۔ اور دوشیزہ کا اذن ضروری ہے۔ اس حدیث میں ثیب کے لیے امر اور دوشیزہ کے لیے اذن کا لفظ آیا ہے ان الفاظ کے فرق سے معلوم ہو سکتا ہے کہ پہلا لفظ یعنی استیمار تو تاکید مشاورت پر دلالت کرتا ہے لہٰذا ولی اس کے نکاح میں صریح اذن کا محتاج ہے۔ اگر وہ منع کی صراحت کر دے تو اتفاقاً نہیں منعقد نہیں ہو سکتا۔

دوشیزہ کا معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ اذن سکوت سے بھی ہوتا ہے اور قول سے بھی۔ دوشیزہ حیا کے باعث بعض دفعہ صرف خاموشی پہ اکتفاء کرتی ہے۔ بلکہ صریحاً انکار کے علاوہ وہ جو کچھ کرے مثلاً سکوت ہنسنا یا رونا، اسے رضاء ہی سمجھا جاتا ہے۔ جب ثیب اور باکرہ کا حکم مختلف ہے تو ضروری ہوا کہ ثیابت و بکارت کی معرفت ہو۔ لیکن یہ معرفت بالاتفاق حکمی ہے حقیقی نہیں۔ کیونکہ بکارت کی حقیقت دوشیزگی کا بقاء اور ثیابت کی حقیقت دوشیزگی کا زوال ہے۔ پس ہر عورت جس کی بکارت کسی بیماری یا چوٹ یا گرنے یا چھلانگ یا زیادہ دیر تک نکاح نہ ہونے کے باعث زائل ہو چکی ہو وہ نکاح میں دوشیزہ ہی سمجھی جاتی ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس کی بکارت جائز عقد سے یا فاسد عقد سے یا عقد کے شبہ سے زائل ہوگئی ہو جس سے کہ مہر واجب ہوتا ہو تو اس کا نکاح ثیب جان کر ہو گا۔ لیکن زنا سے جس کی بکارت زائل ہو چکی ہو اس کا نکاح امام ابوحنیفہؒ کے قول میں باکرہ کی مانند اور ابو یوسف، محمد اور شافعی کے نزدیک ثیب کی مانند ہو گا۔

۲۰۹۳۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ كَامِلٍ نَا يَزِيْدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ ح وَنَا مُوْسٰى ابْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ الْمَعْنٰى حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو نَا اَبُوْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُسْتَامَرُ الْيَتِيْمَةُ فِيْ نَفْسِهَا فَاِنْ سَكَتَتْ فَهُوَ اِذْنُهَا وَاِنْ اَبَتْ فَلَا جَوَازَ عَلَيْهَا وَالْاِخْبَارُ فِيْ حَدِيْثِ يَزِيْدَ قَالَ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ اَبُوْ خَالِدٍ سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ وَمُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَرَوَاهُ اَبُوْ عَمْرٍو ذَكْوَانُ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحْيِيْ اَنْ تَكَلَّمَ قَالَ سُكَاتُهَا اِقْرَارُهَا۔

ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یتیم لڑکی سے اس کے نفس کے بارے میں امر لیا جائے گا، اگر وہ خاموش رہے تو یہ اس کا اذن ہے اور اگر انکار کر دے تو اس پہ کوئی جواز (نکاح کا جواز) نہیں ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کے الفاظ یزید راوی کے ہیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس طرح ابو خالد سلیمان بن حبان اور معاذ بن معاذ نے محمد بن عمرو سے روایت کی۔ اور اسے ابو عمرو ذکوان نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ دوشیزہ تو بات کرنے سے شرماتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی خاموشی اس کا اقرار ہے (ترمذی اور نسائی نے حدیث ابی ہریرہ رضؓ کی روایت کی ہے اور حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث بخاری، مسلم اور نسائی میں ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ دوشیزہ کا نکاح اس کے اذن وسکوت کے بغیر اور ثیب کا نکاح اس کے قولی اذن وامر کے بغیر باطل ہے۔ یہی اذن احادیث کے ظواہر کی دلالت ہے۔ اوزاعی، سفیان ثوری اور حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ مالک بن انس، ابن ابی لیلیٰ، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ باپ بالغ دوشیزہ کا نکاح اس کے اذن کے بغیر کر سکتا ہے اور ان کے نزدیک استیذان (اس خاص صورت میں) وجوب کے لیے نہیں بلکہ اس کی خوش دلی کے لیے ہے۔ خطابی نے کہا اس حدیث ۲۰۹۳ سے یہ دلیل نکلی کہ نابالغ لڑکی کا نکاح باپ کے سوا اور کوئی نہ کرائے۔ اور یہ اس طرح کہ استیمار (امر و اذن حاصل کرنا) صرف بعد از بلوغ ہوتا ہے، اس سے قبل اس کے اذن یا انکار کا کوئی معنیٰ نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یتیم لڑکی کا نکاح صرف اس وقت کیا جائے جبکہ اس کا اذن یا انکار صحیح ہو (اور وہ وقت بعد از بلوغ ہے) یتیمہ وہ ہے جس کا باپ اس کی بلوغت سے قبل مر گیا تھا اور اب وہ بالغ تو ہے مگر اب وہ نام باقی رہ گیا ہے یا اسے یتیمہ کہا جاتا ہے۔ اہل عرب بعض دفعہ چیزوں کو پہلے نام سے پکارتے ہیں۔ اسے یتیمہ پہلی حالت وصفت کی وجہ سے کہا گیا، اب وہ صفت تو زائل ہو گئی مگر نام باقی رہ گیا جیسے جوان آدمی کو بعض دفعہ غلام (لڑکا) کہتے ہیں۔ خضرؑ نے جس شخص کو قتل کیا تھا وہ بقول ابن عباسؓ جوان تھا۔ لیلیٰ اخیلیہ نے اپنے اشعار میں حجاج کو بطور مدح غلام کہا ہے۔

خطابی کہتے ہیں کہ نابالغ کے نکاح میں (جبکہ ولی باپ نہ ہو) اختلاف ہے۔ شافعی کے نزدیک باپ یا دادا کے سوا کوئی اس کا نکاح نہیں کر سکتا مثلاً بھائی، چچا یا وصی وغیرہ۔ ثوریؒ نے کہا وصی نابالغ یتیمہ کا نکاح نہیں کر سکتا۔ حماد اور مالک نے کہا کہ وصی کر سکتا ہے اور شریح کا بھی یہی قول مروی ہے۔ حنفیہ نے کہا کہ وصی اگر ولی ہے تو نکاح کر سکتا ہے مگر بلوغت کے بعد لڑکی مختار ہے نکاح رکھے یا نہ رکھے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ شفقت ورحمت کی خاطر یتیمہ کا یہ نام باقی رہا ورنہ بالغ ہوئے بغیر تو اجازت لینے کا سوال نہیں تھا۔ اور جب اجازت لینے کا حکم دیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کا نکاح بعد از بلوغ کیا جائے گا۔ نابالغ لڑکی کا نکاح اگر باپ یا دادا کر دے تو نافذ ہے اگر وہ یتیمہ تھی تو دادا کر دے تو دادا کی صورت میں صرف یتیم کو بلوغت پر اپنا اختیار خود ہوگا اور نکاح نافذ ہو جائے گا۔ یہ مذہب حنفیہ کا ہے۔

۲۰۹۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ نَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَمْرٍو بِهٰذَا الْحَدِيثِ بِإِسْنَادِهٖ زَادَ فِيهِ قَالَ فَإِنْ بَكَتْ أَوْ سَكَتَتْ زَادَ بَكَتْ قَالَ أَبُودَاؤُدَ وَلَيْسَ بَكَتْ بِمَحْفُوظٍ هُوَ وَهْمٌ فِي الْحَدِيثِ الْوَهْمُ مِنَ ابْنِ إِدْرِيسَ

گزشتہ حدیث ابی ہریرہؓ کی یہ ایک اور روایت ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ: اگر وہ رو پڑے یا خاموش رہے۔ رو پڑے کا لفظ زائد ہے ابوداؤد نے کہا: بکت کا لفظ محفوظ نہیں اور یہ وہم ہے جو ابن ادریس راوی کی طرف سے ہے۔ یا محمد بن العلاء کی طرف سے یا کسی نچلے راوی سے (محمد بن العلاء والی عبارت حاشیے پر ہے اور حمصی نسخے میں متن کے اندر ہے)

۲۰۹۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَا مُعَاوِیَۃُ بْنُ ہِشَامٍ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ بْنِ اُمَیَّۃَ حَدَّثَنِی الثِّقَۃُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمِرُوا النِّسَاءَ فِیْ بَنَاتِہِنَّ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں سے ان کی بیٹیوں کے متعلق مشورہ لو (کیونکہ باپ سے ماں زیادہ ان کے حال کو جانتی ہے)

شرح: علامہ خطابی نے کہا ہے کہ بیٹیوں کے نکاح کے سلسلے میں ان کی ماؤں سے مشورہ کرنا اس سبب سے نہیں کہ عقد نکاح میں انہیں کوئی اختیار حاصل ہے بلکہ اس کا منشا، ان کی دلجوئی اور حسن معاشرت ہے۔ اور اس کا باعث یہ بھی ہے کہ اس طرح بیٹیوں اور ان کے خاوندوں میں الفت و یگانگت بڑھتی اور قائم رہتی ہے کیونکہ گھریلو معاملت کا انتظام عورتوں کے سپرد ہوتا ہے لہذا ان کی رضا سے بہت سے مصالح قائم رہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو فساد اور بگاڑ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بیٹیاں ماؤں کے ساتھ زیادہ مانوس ہوتی ہیں اور ان کی بات زیادہ تر مانتی ہیں۔ مائیں اپنی بیٹیوں کے بارے میں جو کچھ جانتی ہیں مثلاً ان کی دلی رضا و رغبت اور میلان و رجحان، اس کا علم باپ کو نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں بیٹیوں کی بعض خفیہ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو وہ ماں کو بتا دیتی ہیں، یا ماں کو اس کا علم ہو سکتا ہے مگر باپ کو نہیں۔ اس حدیث کی سند میں ابن عمرؓ سے نیچے کا راوی مجہول ہے۔

باب ۲۴ فِی الْبِکْرِ یُزَوِّجُہَا اَبُوْہَا وَلَا یَسْتَاْمِرُہَا۔

اس دوشیزہ کا باب جس کا باپ اس سے پوچھے بغیر اس کا نکاح کر دے

۲۰۹۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَا حُسَیْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ نَا جَرِیْرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ عِکْرِمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ جَارِیَۃً بِکْرًا اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَتْ اَنَّ اَبَاہَا زَوَّجَہَا وَہِیَ کَارِہَۃٌ فَخَیَّرَہَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دوشیزہ لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور بیان کیا کہ اس کے باپ نے اس کی کراہت کے باوجود اس کا نکاح کر دیا ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا (ابن ماجہ، مسند احمد)

شرح: اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ بالغ لڑکی چاہے دوشیزہ ہو ولی کو اسے مجبور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ مگر امام شافعی اور ان کے اصحاب اور احمد کا قول اس کے خلاف ہے۔

۲۰۹۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَیْدٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ لَمْ یَذْکُرِ ابْنَ عَبَّاسٍ وَھٰکَذَا رَوَاہُ النَّاسُ مُرْسَلًا مَعْرُوْفًا۔

عکرمہ نے (مرسلاً) یہی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ ابو داؤد نے کہا کہ حماد بن زید نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا اور معروف یہی ہے کہ لوگوں نے اسے اسی طرح مرسلاً روایت کیا ہے۔

شرح: حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں کہا کہ ہمارے اصحاب نے کہا کہ ولی کو بالغ دوشیزہ پر جبر کا اختیار نہیں ہے۔ اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ جسے ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں روایت کیا گیا ہے۔ ان کی روایت حسین بن محمد ثنا جریر عن ایوب عن عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے حسین بن محمد مروزی ثقہ ہے جو صحیحین کا راوی ہے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور کہا کہ اس میں جریر بن حازم نے خطا کی ہے کہ اسے موصول کر دیا ہے ورنہ محفوظ روایت مرسل ہے جیسا کہ ابوداؤد نے کہا ہے۔ ابن ماجہ نے اسے زید بن حبان عن ایوب موصولاً روایت کیا ہے۔ اور زید کا ثقہ ہونا مختلف فیہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب العلل میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کا موصول کرنا خطا ہے یہ حدیث مرسل ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہم کس کا ہے تو اس نے کہا کہ حسین کا ہونا چاہیئے کیونکہ جریر بن حازم سے روایت کرنے والا صرف وہی ہے۔ لیکن خطیب بغدادی کا قول التنقیح میں منقول ہے کہ بالکل حسین کی طرح سلیمان بن حرب نے بھی جریر بن حازم سے روایت کی ہے۔ پس حسین کی ذمہ داری تو ختم ہوئی اور اس کی خطا بھی جاتی رہی۔ اور ایوب بن سوید نے عن الثوری عن ایوب اس حدیث کو موصول روایت کیا ہے۔ اسی طرح معمر بن سلیمان نے عن زید بن حبان عن ایوب اسے موصول کیا ہے۔ ابن القطان نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔ اور یہ عورت خنساء رضی اللہ عنہا بنت خدام نہیں جس کا نکاح اس کے باپ نے کرایا تھا اور وہ ثیب تھی پس اس نے ناپسند کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے رد کر دیا اس کی حدیث بخاری میں ہے۔ وہ تو ثیب تھی اور یہ عورت جس کا ذکر اس حدیث میں ہے باکرہ تھی۔ پس یہ دو عورتیں تھیں۔ اور ان کے دو ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنواری اور ایک ثیب کا نکاح رد فرمایا تھا جن کا نکاح ان کی کراہت کے باوجود باپ نے کیا تھا۔

مولانا نے فرمایا کہ نسائی نے اپنی سنن میں خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث درج کی ہے جس میں ہے کہ وہ کنواری تھی۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ میرے باپ نے میری ناپسندیدگی کے باوجود میرا نکاح کیا اور میں دوشیزہ تھی اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو حضور نے میرے باپ کو منع کر دیا۔

عبدالحق نے احکام میں لکھا ہے کہ نسائی میں اس کا دوشیزہ ہونا مذکور ہے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ حسب روایت بخاری ثیب تھی۔ الجوہر النقی میں ہے کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

دوشیزہ کا نکاح رد کیا تھا جس کے باپ نے اس کا نکاح کیا مگر اس نے انکار کیا تھا۔ بیہقی کا طریق یوں ہے۔ جریر عن ایوب عن عکرمہ عن ابن عباس رض۔ پھر بیہقی نے کہا کہ اس میں جریر نے خطا کی ہے اور محفوظ یہ ہے کہ یہ روایت عکرمہ سے مرسلاً ہے۔ مولانا رح نے فرمایا کہ جریر بن حازم ایک جلیل القدر ثقہ ہے اور اس نے جب حدیث کے رفع کا اضافہ کیا ہے تو اس کو مرسل بیان کرنے والوں کا ارسال اسے مضر نہیں۔ درا نحالیکہ ثوری اور زید بن حبان دونوں نے اس کی متابعت کی ہے اور دونوں نے اس حدیث کو ایوب سے موصولاً روایت کیا ہے۔ دارقطنی اور ابن القطان نے بھی یہی کہا ہے۔ اور زید کی روایت اسی طرح نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں بیان کی ہے: معمر بن سلیمان عن زید عن ایوب۔ اور بیہقی نے اس کے بعد جو روایت درج کی وہ اس کی صحت کی شاہد ہے۔ بیہقی نے اسے بھی خطا ٹھہرایا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں ذماری ہے جو بقول دارقطنی غیر قوی ہے۔ اور اس نے اس میں وہم کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ مرسل ہے۔ مولانا رح نے فرمایا کہ یہ ذماری کا اضافہ، اور حاکم نے اس سے روایت لی ہے اور ابن حبان اور عمر بن علی نے اسے ثقہ کہا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ حدیث موصولاً صحیح ہے۔ حسین بن محمد مروزی ثقہ ہے، اس کی زیادتی مقبول ہے۔ اس کے متابع موجود ہیں اور شواہد بھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابٌ ۲۵ فِي الثَّيِّبِ۔

یہ باب ہے ثیب میں

۲۰۹۸۔ **حَدَّثَنَا** أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَا نَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا وَهَذَا لَفْظُ الْقَعْنَبِيِّ۔

ابن عباس رض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایم (بے نکاح عورت) اپنے ولی کی نسبت اپنی جان کی زیادہ حقدار ہے اور دوشیزہ سے اس کے نفس کے بارے میں مشورہ لیا جائے اور اس کا اذن اس کی خاموشی ہے، اور یہ قعنبی کے الفاظ ہیں۔ (مسلم، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی)

شرح: خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں الایم کا لفظ بکر کے مقابلے میں بولا گیا ہے لہذا اس سے مراد ثیب ہے اور خطابی نے یہ بھی بڑی عجیب بات کہی ہے کہ اس حدیث سے بطور مفہوم کے اصحاب شافعی نے اس کے بالکل برعکس استدلال کیا ہے۔ وہ یہ کہ ثیب کا ولی اس کی جان کا اس کی اپنی نسبت زیادہ حقدار ہے۔ اور پھر فلسفیانہ و منطقیانہ انداز میں ایک اصولی مسئلہ بیان کیا ہے جسے اس کے سوا اور کیا کہا جا سکے گا کہ وہ نص کے مقابلے میں قیاس ہے۔ ایم کے معنی میں حافظ ابن حجر نے بھی وہی بات کہی ہے جو خطابی نے کہی کہ یہ لفظ بے خاوند بھی بولا جاتا ہے مگر یہاں بسبب مقابلہ اس سے مراد ثیبہ ہے۔ مولانا رح نے قاموس سے نقل فرمایا کہ ایم خواہ دوشیزہ

ہو یا ثیب، بے خاوند عورت کو کہتے ہیں۔ قاضی عیاض نے ابراہیم حربی اور اسماعیل قاضی سے نقل کیا ہے کہ ایم کا معنیٰ ہے: خاوند کے بغیر، خواہ چھوٹی یا بڑی۔

امام شافعیؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی دو قسمیں فرمائی ہیں: ایک ثیب دوسری دوشیزہ۔ پھر ثیب کو مخصوص فرمایا کہ وہ ولی سے اپنی زیادہ حقدار ہے۔ مسلم نے بھی الایم کا لفظ بولا ہے جس کا معنیٰ ہے بلا زوج عورت خواہ ثیب ہو یا بکر۔ شافعی نے فرمایا کہ ایم سے بھی مراد ثیب ہے کیونکہ ایم اور بکر کا مقابلہ یہی بتاتا ہے۔ اس کا جواب حنفیہ نے یہ دیا ہے کہ حدیث کا منطوق ایم ہے اور مفہوم مخالف ہمارے نزدیک حجت نہیں، اگر مفہوم کو حجت مانا جائے تو بھی وہ منطوق کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اگر مفہوم کو معتبر مانیں تو حدیث کا باقی حصہ مفہوم کے خلاف ہے اور وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: وَالبکر تُستامَرُ فی نفسہا کیونکہ استیمار کا وجوب جیسا ہیں کہ حدیث کا لفظ بتاتا ہے اجبار کے منافی ہے۔ استیمار کا معنیٰ ہے طلب امر اور اذن لینا۔ اور اس کا ظاہری فائدہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کی رضا حاصل کی جائے یا عدم رضا کا پتہ چلے تو اس کے مطابق کیا جائے۔ طلب استیذان سے بظاہر یہی فائدہ ہے۔ پس اس کا باقی رہنا اور مفہوم پر مقدم کرنا واجب ہے اگر مفہوم اس کے معارض ہو۔ اور لفظ سے احقیت کا اثبات حاصل ہو رہا ہے کہ وہ ثیب کے لیے تو مطلقاً ہے اور بکر کے لیے اس حیثیت سے ہے کہ اس سے بھی استیمار کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ یوں کہیں گے کہ اگر ایم کا معنیٰ ثیب ہے تو حدیث نے دونوں کو اپنے نفس کی احقیت ان دونوں کے حسب حال دی ہے۔ اور بکر کو الگ بلفظ استیمار اس لیے بیان فرمایا ہے کہ ثیب کو تو براہ راست خطبہ کیا جا سکتا ہے مگر دوشیزہ کو عادۃً براہ راست نہیں بلکہ بذریعۂ ولی خطبہ کرتے ہیں پس ولی کو استیمار کا حکم دیا گیا تاکہ اس کی رضا کے بغیر اس کا نکاح واقع نہ ہو۔ اور ایم کا حکم جو بیان کیا گیا وہ بکر کے ساتھ بطور مقابلہ نہیں بلکہ پہلے بے خاوند عورت کو اس کے نفس کا خود زیادہ حقدار ثابت فرمایا: الایم احق بنفسہا من ولیہا۔ اور احق تو بکر بھی ہے کیونکہ وہ بھی بے خاوند ہے مگر چونکہ اسے براہ راست خطاب کا عرف و عادت نہیں ہوتا لہٰذا بطور تاکید مزید فرما دیا گیا کہ بکر کی احقیت یوں ثابت ہو گی کہ: وَالبکر تُستامَرُ فِی نَفسِہا۔

شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ بالغ دوشیزہ کا نکاح اگر اس کے اذن کے بغیر کیا جائے تو عقد صحیح نہیں ہوتا۔ اوزاعی، ثوری، عترت اور حنفیہ کا یہی مذہب اور بقول ترمذی اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ اور مالکؒ، شافعیؒ، لیثؒ، ابن ابی لیلیٰ، احمدؒ، اسحاقؒ نے کہا ہے کہ باپ بلا اذن نکاح کر دے تو صحیح ہے۔ یہ احادیث ان کے خلاف ہیں اور ابن بریدہؓ کی حدیث بھی جو باب کفارت میں ہے۔ اور مفہوم سے جو انہوں نے ولی کا حق زیادہ ثابت کرنا چاہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم منطوق کے مقابلے میں تمسک کے مقابل نہیں ہوتا۔ اور شافعیؒ نے یہ جو کہا ہے کہ استیمار اور استیذان صرف دلجوئی کے لیے ہے جیسا کہ ماؤں سے بھی مشورہ کا حکم اسی خاطر دیا گیا ہے۔ اور الجوہر النقی میں ہے کہ بیہقی نے شافعی سے نقل کیا ہے کہ اگر دوشیزہ کا نکاح صرف اس کے امر سے ہوتا ہو تو اس وقت تک اس کا نکاح جائز نہ ہو گا جب تک کہ اس کا امر اپنے نفس پر ثابت نہ ہو جائے۔ شوکانی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: لَا تُنکَحُ البکرُ حَتّٰی تُستَأذَن اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا باپ یا اور کوئی اس پر جبر نہیں

کر سکتا، شارحِ عمدہ نے کہا کہ یہی حنفیہ کا مذہب ہے اور اس کا تمسک حدیث سے قوی ہے کیونکہ بکر کے لفظ میں جو عموم ہے یہ معنیٰ اس سے قریب تر ہے۔ اور اس پر یہ بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ استیذان اس سے ہوتا ہے جس میں اذن دینے کی قوت و صلاحیت ہو۔ اور نابالغہ کا کوئی اذن نہیں لہذا وہ لفظاً ارادہ میں داخل نہیں ہے اور یہ حدیث بالغ لڑکیوں سے خاص ہے۔ ابن المنذر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ثابت شدہ ہے کہ: وَلَا تنکح البکر حتی تستاذن۔ اور یہ ایک عام قول ہے اور جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف عقد کرے گا وہ باطل ہو گا۔ خلق پر حجت تو رسول اللہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور کسی کے لیے بھی سنت میں استثناء اس جیسی سنت کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب عائشہ صدیقہ رض کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا اس وقت وہ بالغ نہ تھیں لہذا ان سے استیذان نہ کیا گیا اور یہ صورت شرعی حکم سے مستثنیٰ تھی۔ (رخصتی کے وقت بعض علماء کی تحقیق میں وہ بالغ تھیں)

اور ابن عباس رض کی حدیث میں حضور علیہ السلام کا قول کہ: دوشیزہ (بالغہ) سے اس کا باپ اذن لے، اس باب میں صریح ہے کہ باپ بالغ دوشیزہ پر جبر نہیں کر سکتا۔ اور اسی پر عکرمہ عن ابن عباس رض کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ امام شافعی رح نے اس حدیث کا منطوق ترک کیا اور مفہوم کا سہارا لیا، وہ اس طرح کہ ثیب تو اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے مگر بکر اس کے برخلاف ہے علامہ ابن رشد نے کہا ہے کہ عموم مفہوم کی نسبت اولیٰ ہوتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بالخصوص اس لیے کہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ بالغ دوشیزہ سے باپ اجازت لے۔ ابن حزم نے کہا کہ جن لوگوں نے بالغ دوشیزہ کے نکاح میں جبر کو جائز رکھا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ابن جریر طبری کا بھی یہی مذہب ہے کہ بالغ دوشیزہ پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ اور اَلایّم کا معنیٰ طبری نے بلا زوج عورت کیا ہے۔ اور اس نے کہا کہ حدیث میں آگے جو وَالبکر تستامر فی نفسھا ہے یہ اس لیے ہے کہ ثیب کا اذن اور ہے اور دوشیزہ کا اور۔

۲۰۹۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْفَضْلِ بِاِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ قَالَ اَلثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ يَسْتَامِرُهَا اَبُوْهَا قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ اَبُوْهَا لَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ۔

عبداللہ بن فضل رح نے اوپر کی حدیث کے اسناد اور معنی کے مطابق روایت کی، اس کے لفظ یہ ہیں کہ ثیب اپنے نفس کی اپنے ولی کی نسبت زیادہ حقدار ہے اور باکرہ سے اس کا باپ اذن لے گا۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابوھا کا لفظ محفوظ نہیں ہے (مگر منذری نے کہا کہ یہ اضافہ مسلم اور نسائی میں بھی ہے) بقول امام شافعی یہ اضافہ ابن عیینہ نے کیا ہے۔ مگر ثقہ کا اضافہ بالاتفاق مقبول ہے پھر امام ابوداؤد معلوم نہیں اسے غیر محفوظ کیوں بتاتے ہیں؟

۲۱۰۰۔ حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ اَمْرٌ وَالْيَتِيْمَةُ تُسْتَأْمَرُ وَصَمْتُهَا اِقْرَارُهَا۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ولی کو ثیب کے ساتھ کوئی سروکار نہیں اور یتیمہ سے امر حاصل کیا جائے اور اس کی خاموشی ہی اس کا اقرار ہے (نسائی)

شرح: یہ بحث اوپر گذر چکی ہے کہ یتیمہ سے مراد بالغ دوشیزہ ہے جو کبھی یتیم تھی۔ چونکہ بعض دفعہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسے پوچھنے کی حاجت نہیں یہ ہمارے ہی ہاں تو پلی ہے۔ لہذا فرما دیا گیا کہ اذن کے معاملے میں یہ بھی دوسری بالغ عورتوں کی مانند ہے۔ اس حدیث میں صالح بن کیسان، نافع بن جبیر سے روایت کرتا ہے۔ بعض محدثین نے اس پر سے دی کی ہے مگر مولانا رحؒ نے فرمایا کہ صالح کا سماع نافع بن جبیر سے باعث تعجب نہیں کیونکہ صالح نے صحابہ (ابن عمر رضؓ، ابن الزبیر رضؓ) کو بھی دیکھا ہے۔ اگر بعض دوسری روایات میں صالح نے عبداللہ بن فضل سے اور اس نے نافع بن جبیر سے روایت کی ہے تو ایسا ہونا ممکن ہے معمر کی طرف غلطی منسوب کی جاتی ہے جو ایک عظیم وجلیل ثقہ راوی ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ صالح بن کیسان عمر میں زہری سے بڑا تھا۔ اور اس نے ابن عمر رضؓ کو پایا تھا۔

۲۱۰۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمُجَمِّعٍ اِبْنَيْ يَزِيْدَ الْاَنْصَارِيَّيْنِ عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الْاَنْصَارِيَّةِ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَجَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَرَدَّ نِكَاحَهَا۔

خنساء رضؓ بن خذام انصاریہؓ سے روایت ہے کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا اور وہ ثیب تھی، پس اس نے اسے ناپسند کیا اور رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور یہ واقعہ بیان کیا تو حضورؐ نے اس کا نکاح ردّ کر دیا (بخاری، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: اس حدیث پر کچھ گفتگو حدیث نمبر ۲۰۹۷ کی شرح میں گذر چکی ہے۔ ثوری کی روایت میں خنساء رضؓ کا دوشیزہ ہونا آیا ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ وہ ثیب نہیں۔ عبدالرزاق کی روایت ...... میں ہے کہ ان کا خاوند جنگ احد میں شہید ہوا تھا اور اس کے بعد یہ قصہ پیش آیا جو یہاں پر مذکور ہے۔ مولانا رحؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے یہ قصہ دو دفعہ پیش آیا ہو، ایک بار دوشیزگی میں دوسری بار بیوگی میں۔ پھر اس عیلی کی روایت میں ہے کہ اپنے آپ کو اس قصہ میں دوشیزہ بتانے والی خود خنساءؓ ہے اور ابوداؤد کی روایت میں اسے بیوہ یا ثیب بتانے والا عبدالرحمٰن انصاری اور مجمع ابن یزید انصاری ہے لہذا اگر ترجیح کا سوال ہے تو خود خنساء رضؓ کا بیان ہی قابل ترجیح ہے جو

صاحب واقعہ ہے۔ مجمع بن یزید صحابی نہیں اس کا چچا مجمع بن جاریۃ انصاری صحابی تھا اور یہ جامعین قرآن میں سے ہے۔

بَابٌ ٢٦ فِي الْأَكْفَاءِ

یہ باب اکفاء کے بیان میں ہے۔

۲۱۰۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ غِيَاثٍ نَا حَمَّادٌ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَبَا هِنْدٍ حَجَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْيَافُوخِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بَنِي بَيَاضَةَ أَنْكِحُوا أَبَا هِنْدٍ وَانْكِحُوا إِلَيْهِ وَقَالَ إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِمَّا تَدَاوُونَ بِهِ خَيْرٌ فَالْحِجَامَةُ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ابوہندؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر کی چوٹی میں پچھنے لگائے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی بیاضہ ابوہند کا نکاح کر دو اس کی بیٹیوں کو پیغام نکاح دو۔ اور فرمایا: تمہاری دواؤں میں سے اگر کسی میں بھلائی ہے تو وہ حجامت ہے۔

شرح: علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں امام مالکؒ اور ان کے ہم خیالوں کی دلیل موجود ہے کہ کفارت میں صرف دین کا اعتبار ہے کسی اور چیز کا نہیں۔ ابوہند بنی بیاضہ کا آزاد شدہ غلام تھا، ان سے نسبتی تعلق نہ رکھتا تھا۔ اکثر علماء کے قول میں کفارت کا اعتبار چار چیزوں میں ہے: دین، حریت، نسب اور پیشہ۔ اور بعض علماء ان پر دو کا اضافہ کر کے چھ کہتے ہیں یعنی: عیوب سے سلامتی اور مال۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ اکفاء کفو کی جمع ہے۔ کفو کا معنیٰ ہے مثل اور نظیر۔ دین میں کفارت بالاجماع معتبر ہے اور لازم ہے۔ پس مسلم عورت کا نکاح کافر سے نہیں ہو سکتا۔ دین کے علاوہ دوسری چیزوں میں کفارت لازم نہیں (یعنی اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو حرج نہیں نکاح ہو جاتا ہے) جمہور نے نسب میں کفارت کا اعتبار کیا ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ قریش ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ اسی طرح عرب بھی۔ اور کوئی غیر قریشی عرب قریش کا کفو نہیں ہے اور کوئی غیر عربوں کا کفو نہیں۔ فتح الباری میں ہے کہ کفارت میں بنی ہاشم اور بنی المطلب کو دوسروں پر مقدم کرنا صحیح ہے۔ باقی سب لوگ یعنی عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ثوری نے کہا کہ جب غلام یا آزاد شدہ غلام عربی عورت سے شادی کرے تو نکاح کو فسخ کیا جائے گا۔ امام احمدؒ کا بھی ایک روایت میں یہی مذہب ہے۔ شافعیؒ نے متوسط راہ اختیار کی اور کہا کہ غیر کفو میں نکاح حرام نہیں کہ جس کے باعث اسے رد یا فسخ کیا جائے، یہ صرف عورت اور اولیاء کی ایک قسم کی حق تلفی ہے۔ اگر وہ راضی ہیں تو نکاح ٹھیک ٹھاک ہے، کیونکہ انہوں نے اپنا حق ترک کر دیا ہے۔ اگر دوسرے اولیاء راضی ہیں مگر ایک نہیں تو وہ نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ شافعیؒ نے یہ بھی کہا کہ نسبی کفارت کے اعتبار

کا اعتبار عورتوں کے لیے ہے نہ کہ مردوں کے لیے۔ یعنی عورت کے نکاح میں یہ سوچا جا سکتا ہے کہ فلاں مرد اس کا کفو ہے یا نہیں، مردوں کے نکاح میں یہ نہیں دیکھا جاتا۔ کیونکہ غیرت و حمیت اور عزت و ذلت کا جو تصور عورتوں میں ہے وہ مردوں میں نہیں ہوتا کیونکہ مرد کا ہاتھ بالاتر ہوتا ہے۔

دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کفاءت کا اعتبار ایک قانونی اور معاشرتی مصلحت کا مسئلہ ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ دین کے علاوہ اور کسی چیز کفاءت لازم نہیں ہے۔ معاشرت کے امن و امان اور گھریلو زندگی کے سکھ چین کے لیے اس کا اعتبار ہے۔ کیونکہ اگر غیر کفو میں نکاح ہو تو اکثر فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے جس سے مقصد نکاح ہی فوت ہو جاتا ہے۔

ابو ہندؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین صحابہؓ میں سے تھا۔ لوگ چونکہ موالی سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتے اس لیے حضورؐ نے یہ فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ: جو کوئی اس شخص کو دیکھنا چاہے جس کے دل میں اللہ نے ایمان کی تصویر کھینچ دی ہے وہ ابو ہندؓ کو دیکھ لے۔

باب ۲۷ فِي تَزْوِيجِ مَنْ لَمْ يُولَدْ۔

جو ابھی پیدا نہیں ہوا اس کی ترویج کا باب۔

۲۱۰۳۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْمَعْنَى قَالَا نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ مِقْسَمٍ الثَّقَفِيُّ مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ حَدَّثَتْنِي سَارَةُ بِنْتُ مِقْسَمٍ أَنَّهَا سَمِعَتْ مَيْمُونَةَ بِنْتَ كَرْدَمٍ قَالَتْ خَرَجْتُ مَعَ أَبِي فِي حَجَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَنَا إِلَيْهِ أَبِي وَهُوَ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ مَعَهُ دِرَّةٌ كَدِرَّةِ الْكُتَّابِ فَسَمِعْتُ الْأَعْرَابَ وَالنَّاسَ وَهُمْ يَقُولُونَ الطَّبْطَبِيَّةُ الطَّبْطَبِيَّةُ الطَّبْطَبِيَّةُ فَدَنَا إِلَيْهِ أَبِي فَأَخَذَ بِقَدَمِهِ فَأَقَرَّ لَهُ وَوَقَفَ عَلَيْهِ وَاسْتَمَعَ مِنْهُ فَقَالَ إِنِّي حَضَرْتُ جَيْشَ عِثْرَانَ قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى جَيْشَ غِثْرَانَ فَقَالَ طَارِقُ بْنُ الْمُرَقَّعِ مَنْ يُعْطِينِي رُمْحًا بِثَوَابِهِ قُلْتُ وَمَا ثَوَابُهُ قَالَ أُزَوِّجُهُ أَوَّلَ بِنْتٍ تَكُونُ لِي فَأَعْطَيْتُهُ رُمْحِي ثُمَّ غِبْتُ عَنْهُ حَتَّى عَلِمْتُ أَنَّهُ قَدْ وُلِدَ لَهُ جَارِيَةٌ وَبَلَغَتْ ثُمَّ جِئْتُهُ فَقُلْتُ لَهُ أَهْلِي جَهِّزْهُنَّ إِلَيَّ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَفْعَلَ حَتَّى أُصْدِقَ صَدَاقًا جَدِيدًا غَيْرَ الَّذِي كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ وَحَلَفْتُ أَنْ لَا أُصْدِقَ غَيْرَ الَّذِي أَعْطَيْتُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِقَرْنِ أَيِّ النِّسَاءِ هِيَ الْيَوْمَ قَالَ

قَدْ رَأَتِ الْقَتِيرَ قَالَ أَرٰى أَنْ تَتْرُكَهَا قَالَ فَرَاعَنِيْ ذٰلِكَ وَنَظَرْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأٰى ذٰلِكَ مِنِّيْ قَالَ لَا تَأْثَمُ وَلَا صَاحِبُكَ يَأْثَمُ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ الْقَتِيْرُ الشَّيْبُ۔

میمونہ بن کردم نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں گئی اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ پس میرا باپ حضورؐ کے قریب گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پہ سوار تھے اور آپ کے پاس ایک درّہ تھا جیسا کہ بچوں کے معلّموں کے پاس ہوتا ہے۔ پس میں نے صحرائیوں اور لوگوں کو سُنا وہ کہتے تھے۔ طبطبیہ، طبطبیہ، طبطبیہ (یعنی دُرّہ، یا یہ لوگوں کے اِدھراُدھر بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز کی حکایت ہے) پس میرا باپ آپؐ کے قریب ہوا اور اس نے حضورؐ کا پاؤں پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ روکا (یا یہ کہ میرے باپ نے آپ کی رسالت کا اقرار کیا) اور حضورؐ ٹھہر گئے اور اس کی بات غور سے سُنی۔ میرے باپ نے کہا میں عثران کے لشکر میں حاضر تھا، یا بقول ابن المثنیٰ عثران کے لشکر میں) پس طارق بن المرقع نے کہا کہ کون ہے جو مجھے اپنا نیزہ دے گا اُسے اس کا عوض ملے گا۔ میں نے کہا کہ اس کا عوض کیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ میرے ہاں جو پہلی بیٹی پیدا ہوگی وہ میں اس کے نکاح میں دوں گا۔ پس میں نے اسے اپنا نیزہ دے دیا، پھر میں اس سے غائب ہوگیا حتیٰ کہ مجھے معلوم ہوگیا کہ اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اب وہ بالغ ہو چکی ہے۔ پھر میں اس کے پاس گیا اور کہا: میرے گھر والوں کو میرے ساتھ تیار کر کے بھیجو۔ تو اس نے قسم کھائی کہ وہ ایسا نہ کرے گا حتیٰ کہ میں از سرِ نو مہر ادا نہ کروں، علاوہ اس کے جو میرے اور اس کے درمیان تھا۔ (یعنی نیزہ) اور میں نے قسم کھائی کہ جو دے چکا ہوں اس کے سوا کچھ اور نہ دوں گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب وہ عورت کس عمر میں ہے؟ کردم رضؓ نے کہا کہ وہ سفید بال دیکھ چکی ہے حضورؐ نے فرمایا میری رائے ہے کہ تم اُسے چھوڑ دو۔ کردم رضؓ نے کہا کہ میں اس بات سے گھبرا گیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کی۔ جب آپ نے میری یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ نہ تو گناہ گار ہو نہ تیرا ساتھی گنہ گار ہو۔ ابوداؤد نے کہا کہ قتیر کا معنیٰ سفید بال ہیں (منذری نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے اور اس میں بعض مجہول راوی ہیں۔ مثلاً سارہ بنت مِقسم بقول صاحبِ تقریب مجہول ہے)

شرح: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ معدوم کا نکاح باطل ہے، منعقد نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کردم رضؓ کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ اسے طلاق دے دو بلکہ یہ فرمایا تھا کہ: جانے دو، اس کا خیال ترک کر دو۔ یہ محض ایک وعدہ تھا جو اب باعثِ نزاع تھا۔ دونوں طرف سے قسما قسمی ہوگئی تھی مگر بے فائدہ۔ حضورؐ نے ایک حکیمانہ طریقے سے اس کا فیصلہ فرما دیا۔ اس کی عمر پوچھنے کی غرض یہی تھی کہ اسے احساس دلایا جائے کہ اب تم اس نے کر کیا کرو گے؟ وہ تو بڑھیا بھی ہو چکی۔

۲۱۰۴۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِي اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مَيْسَرَةَ اَنَّ خَالَتَهُ اَخْبَرَتْهُ عَنِ امْرَأَةٍ قَالَتْ هِيَ مُصَدَّقَةٌ اِمْرَأَةُ صِدْقٍ قَالَتْ بَيْنَا اَبِي فِي غَزَاةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِذْ رَمِضُوا فَقَالَ رَجُلٌ مَنْ يُعْطِيْنِي نَعْلَيْهِ وَاُنْكِحُهُ اَوَّلَ بِنْتٍ تُوْلَدُ لِي فَخَلَعَ اَبِي نَعْلَيْهِ فَاَلْقَاهُمَا اِلَيْهِ فَوُلِدَتْ لَهُ جَارِيَةٌ فَبَلَغَتْ فَذَكَرَ نَحْوَهُ لَمْ يَذْكُرْ قِصَّةَ الْقَتِيْرِ۔

ابراہیم بن میسرہ کی خالہ نے ایک عورت سے روایت کی جو سچی تھی (غالباً یہی میمونہ رضؓ بنت کردمؓ تھی) اس نے کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں میرا باپ ایک جنگ میں تھا کہ لوگوں کو زمین کی سخت گرمی پہنچی تو ایک آدمی بولا: کون ہے جو مجھے اپنے جوتے دیدے تو میں اسے اپنی پہلی پیدا ہونے والی لڑکی دے دوں گا۔ میرے باپ نے اپنے جوتے اتارے اور اس کی طرف پھینک دیئے۔ پھر اس کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر ابراہیم نے اوپر کی حدیث کی مانند بیان کیا مگر قتیر کا قصہ بیان نہیں کیا۔ (اگر یہ قصہ وہی کردمؓ والا ہے تو ممکن ہے اس شخص نے نیزہ اور جوتے دونوں چیزیں مانگی ہوں اور اوپر صرف نیزے کا اور اس حدیث میں صرف جوتوں کا ذکر آیا ہو۔ یا ممکن ہے کہ یہ کسی اور کا قصہ ہو کیونکہ جاہلیت میں ایسے قصے پیش آتے رہتے تھے)

بَابُ ۲۸ الصَّدَاقِ۔

مہر کا باب

۲۱۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ نَا يَزِيْدُ بْنُ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَدَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ ثِنْتَا عَشْرَةَ اُوْقِيَّةً وَنَشٌّ فَقُلْتُ وَمَا نَشٌّ قَالَتْ نِصْفُ اُوْقِيَّةٍ۔

ابوسلمہ نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مہر کی بابت سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ: بارہ اوقیہ اور نش۔ میں نے کہا نش کیا ہے؟ فرمایا نصف اوقیہ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: ایک اُوقیہ چالیس درہم کا تھا تو اس حساب سے ۱۲½ اُوقیے پانچ سو درہم ہوئے آج کل ہمارے سکے کے حساب سے یہ ایک بڑی رقم بنتی ہے۔ یہ ایک عمومی حساب تھا کہ حضورؐ نے بالعموم ازواجؓ کو اس قدر مہر دیا، ورنہ اوپر گزر چکا ہے کہ ام حبیبہؓ کا مہر نجاشی رحؒ نے حضورؐ کی طرف سے چار سو دینار (چار ہزار درہم) ادا کیا تھا

۲۱۰۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي الْعَجْفَاءِ السُّلَمِيِّ قَالَ خَطَبَنَا عُمَرُ فَقَالَ أَلَا لَا تُغَالُوا بِصُدُقِ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللَّهِ كَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَصْدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ وَلَا أُصْدِقَتِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً۔

ابو العجفاء سلمی نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا: خبردار عورتوں کے مہر میں غلو مت کرو کیونکہ اگر وہ دنیا میں عزت کا باعث یا اللہ کے نزدیک تقویٰ کا سبب ہوتا تو تم سب سے زیادہ اس کے حقدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے کسی کا حق مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں دیا اور آپ کی بیٹیوں میں سے کسی کو اس سے زیادہ مہر نہ دیا گیا (مسند احمد اور نسائی۔ ابو العجفاء کا نام ہرم بن نسیب تھا۔)

شرح: بخاری اور ابو احمد حاکم نے ابو العجفاء پر تنقید کی ہے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ ام حبیبہؓ اس مقدار سے مستثنیٰ تھیں اور ان کا مہر نجاشی نے مقرر کیا اور خود ادا کر دیا تھا جسے حضورؐ نے قبول فرما لیا۔ حضرت عائشہؓ نے ½ ۱۲ اوقیہ بیان فرمایا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسر کو چھوڑ دیا ہے اور یہ کلام عرب میں عام طور پر شائع تھا مہر کی مقدار کی زیادتی کا جواز تو ضرور ہے: وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا۔ مگر کلام افضلیت میں تھا اور بات وہی درست ہے جو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ ویسے بھی بطور حاکم وقت ان کا حق تھا کہ عمومی مصلحت سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ بعض دفعہ مہر کی زیادتی محض ایک دوڑ بن کر رہ جاتی ہے اور اس سے کئی معاشرتی قباحتیں اور الجھنیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت عمرؓ صرف غلو اختیار کرنے سے روک رہے تھے اور ان کا نظریہ بالکل درست تھا جیسے کہ دلیل بھی برمحل اور درست تھی۔

۲۱۰۷۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ الثَّقَفِيُّ نَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُورٍ نَا ابْنُ الْمُبَارَكِ نَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْهَرَهَا عَنْهُ أَرْبَعَةَ آلَافٍ وَبَعَثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيلَ بْنِ حَسَنَةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ حَسَنَةُ هِيَ أُمُّهُ۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حبشہ میں تھیں اور ان کا خاوند عبید اللہ بن جحش وہاں فوت ہو گیا تو نجاشیؒ نے ان کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا اور حضورؐ کی طرف سے انہیں چار ہزار درہم مہر دیا اور انہیں شرحبیلؓ بن حسنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ حسنہ ان کی

ماں کا نام تھا اور باپ کا نام عبداللہ تھا)

۲۱۰۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ نَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ شَقِيقٍ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ النَّجَاشِيَّ زَوَّجَ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدَاقِ أَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَكَتَبَ بِذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبِلَ۔

زہری سے (مرسلاً) روایت ہے کہ نجاشیؓ نے ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار ہزار درہم مہر پر کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھا تو آپ نے قبول فرمایا۔

باب ۲۹ قِلَّةِ الْمَهْرِ

قلت مہر کا باب

۲۱۰۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ أَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ وَحُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ وَعَلَيْهِ رَدْعُ زَعْفَرَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْيَمْ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً قَالَ مَا أَصْدَقْتَهَا قَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوفؓ کو دیکھا اور ان پر زعفران کے رنگ کا نشان تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ عبدالرحمن رضؓ نے کہا یا رسول اللہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: تو نے اسے کیا مہر ادا کیا؟ انھوں نے کہا کھجور کی گٹھلی کے وزن کا سونا۔ فرمایا: ولیمہ کر چاہے ایک بکری کے ساتھ (بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ) اس سونے کی مقدار پانچ درہم سونے کے برابر تھی۔ یہ بقول خطابی ان کے ہاں ایک معلوم مقدار تھی۔

شرح: مولانا نے فرمایا کہ اس مقدار کی قیمت کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان دنوں وہاں پر پانچ درہم تھی۔ بعض نے کہا ⅓ دینار۔ لیکن اعتراض یہ ہے کہ کھجور کی گٹھلیاں مختلف طول و عرض اور وزن کی ہوتی ہیں لہذا انہیں معیار کیونکر بنایا جا سکتا تھا؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نواۃ من ذھب کا لفظ ہر اس چیز پر بولا گیا جس کی قیمت پانچ درہم چاندی ہو۔ اور خطابی نے یہی بات جزم کے ساتھ کہی ہے۔ لیکن بقول ابن قتیبہ پانچ درہم وزنی سونا مراد ہے۔ درہم جس طرح ایک سکے کا نام تھا اسی طرح وہ ایک وزنی معیار بھی تھا اور یہاں پر وہی مراد ہے۔ بیضاوی نے اسے ظاہر تر بات

کہا ہے مگر اس لحاظ سے تو اس کا ۳/۱ مثقال ہونا لازم آتا ہے۔
ولیمہ کی اصل کسی چیز کو جمع کرنا اور پورا کرنا ہے اور یہ لفظ ہر خوشی کے کھانے پر بولتے تھے اور پھر یہ لفظ شادیوں کے کھانے پر بولا جانے لگا۔ شادی کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے اگر یہ لفظ بولیں تو اضافت کے ساتھ بولتے ہیں مثلاً فلاں مقصد کامیابی کا ولیمہ وغیرہ۔ حضور کا امر: اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ بظاہر وجوب کے لیے ہے اور بقول قرطبی مالکی مذہب یہی ہے۔ لیکن مالکی مشہور روایت یہ ہے کہ ولیمہ مستحب ہے۔ ابن التینی نے امام احمد کے مذہب سے وجوب کی حکایت کی ہے مگر بقول صاحب المغنی وہ سنت ہے۔ البحر میں شافعیؒ کا ایک قول بھی وجوب کا ہے۔ ابن حزم نے کہا کہ اہل ظاہر کا یہی مسلک ہے کہ ولیمہ واجب ہے۔ کتاب الام سے بظاہر ولیمہ واجب معلوم ہوتا ہے جبکہ سلیم الرازی نے کہا۔ اس بیان سے پتہ چلا کہ اس کے واجب یا غیر واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ وجوب کا استدلال طبرانی کی ایک حدیث سے کرتے ہیں کہ: الولیمۃ حق۔ مسلم میں ہے: شر الطعام الولیمۃ الخ اور آخر میں فرمایا: وھو حق۔ ابوالشیخ طبرانی کی ایک روایت میں ہے: ولیمہ حق اور سنت ہے، جسے اس میں بلایا گیا اور وہ نہ گیا تو وہ گنہ گار ہوا۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے بقول علی رضؓ جب فاطمہؓ سے ان کا نکاح ہوا) شادی میں ولیمہ لازمی ہے۔ ابن بطال نے حقؒ کا معنی یہ بتایا ہے کہ وہ باطل نہیں بلکہ پسندیدہ چیز اور مستحب ہے اور یہ سنتِ فضیلت ہے (نہ کہ سنت عبادت) اور حق سے مراد وجوب نہیں ہے اور چونکہ وہ ایک اضافی خوشی کا کھانا ہے لہٰذا اس قسم کے تمام کھانوں کی مانند ہی ہے اور امر یہاں استحباب کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے جو ایک بکری کا حکم دیا وہ بالاتفاق واجب نہیں ہے۔
ولیمہ کے وقت میں بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ عقد سے پہلے ہے یا اس کے بعد یا بیوی سے ملاقات کے وقت یا اس کے بعد یا ابتدائے عقد سے بعد از خلوت تک؟ علامہ تقی الدین سبکی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو منقول ہے وہ بعد از خلوت ہے جیساکہ بخاری میں انس رضؓ کی حدیث میں صراحت موجود ہے۔ وَلَوْ بِشَاۃٍ کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ لو امتناعی نہیں بلکہ تقلیل کے لیے ہے۔ حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کی تکثیر مطلوب ہے بشرطیکہ کوئی اس پر قادر ہو۔ قاضی عیاض رحؒ نے کہا فقہاء کا اجماع ہے کہ صاحب حیثیت آدمی ایک بکری سے زیادہ پر اور اس سے بھی زیادہ پر ولیمہ کرسکتا ہے، کم از کم مقدار یہ ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ وہ خاوند کی حالت کے مطابق ہو۔ اور اس حدیث سے دلہا کے لیے زعفران کے استعمال کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس مخصوص موقع پر جائز رکھنا نکلتا ہے۔ لیکن عبدالرحمٰن کے کپڑوں پر زعفران کا نشان بتاتا ہے کہ مالکی حضرات کے بقول کپڑوں پر زعفران لگانا جائز اور بدن پر لگانا جائز ہے اور مالکؒ نے اسے علمائے مدینہ سے نقل کیا ہے۔ ابوحنیفہ رحؒ، شافعی رحؒ اور ان کے اصحاب نے اسے ممنوع کہا ہے اور اس بارے میں وارد شدہ صحیح احادیث سے استدلال کیا ہے۔ عبدالرحمٰن رضؓ کے قصے کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے مثلاً: (۱) یہ واقعہ اوائل ہجرت کا تھا اور اس وقت زعفران مردوں کے لیے ممنوع نہ تھا۔ منع کی احادیث کی روایت کرنے والے اکثر وہ حضرات ہیں جنہوں نے دیر سے ہجرت کی تھی (۲) عبدالرحمٰن کے کپڑے پر زعفران کا نشان قصداً

نہیں لگایا گیا تھا بلکہ ان کی بیوی کے کپڑوں یا جسم وغیرہ سے منتقل ہوا تھا۔ نووی اور بیضاوی کا یہی قول ہے (۳) ممکن ہے بیوی سے خلوت کی خاطر انہوں نے خوشبو لگانا چاہی اور جلدی میں مردانہ خوشبو نہ ملی ہو تو زنانہ خوشبو کو ہی استعمال کر لیا ہو۔ جیسا کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانے کا حکم ہے خواہ عورت کی خوشبو میں سے ہی ہو۔ (۴) وہ نشان معمولی تھا لہذا حضور ؐ نے منع نہ فرمایا (۵) علامہ باجی نے یہ جواب دیا کہ ممنوع وہ زعفران ہے جو خوشبوئیات کا مجموعہ ہو اور جس میں خوشبو نہ ہو اس میں حرج نہیں (۶) زعفران کا استعمال مردوں پر حرام نہیں صرف تنزیہًا ناپسندیدہ ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے (۷) دُلہا کے لیے اس کا استثناء ہے اور عام طور پر ممنوع ہے۔

مقدارِ مہر میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے۔ شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ نے (فتح الملہم ۳/۴۷۸،۴۷۹) حضرت شاہ ولی اللہ ؒ دہلوی سے نقل کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ مہر کے بغیر نکاح نہ کرتے تھے۔ اس میں کئی مصلحتیں تھیں۔ ایک یہ کہ نکاح کا فائدہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک دائمی معاونت و رفاقت کے لیے دل سے آمادہ ہو۔ عورت کی طرف سے یہ چیز اپنی عصمت کی سپردگی سے حاصل ہوتی ہے اور مرد کا ہاتھ نکاح میں چونکہ بوجوہ اوپر ہوتا ہے لہذا لازم آیا کہ وہ مال خرچ کر کے اپنی آمادگی ثابت و ظاہر کرے۔ مرد کے ہاتھ میں مال ہی ایک ایسی چیز ہے جو شدید حرص و بخل کا باعث ہے، جب وہ اسے فراخ دلی سے حسب توفیق دے ڈالے تو گویا اس نے بخوشی اس عورت کے ساتھ زندگی گذارنے اور معاشرتی مصالح کے حصول کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کر دی۔ اس سے عورت کے اولیاء کی خوشدلی کا بھی سامان ہو جاتا ہے جنہوں نے اپنے لخت جگر اور عصمت کو اس مرد کے حوالے کیا ہوتا ہے۔ نکاح اور سفاح میں یہی فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔ یہی سبب تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم مہر کو علی حالہ باقی رکھا۔ حضرت ؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں مال کا لفظ جو آیا ہے اس سے مراد ہر وہ چیز نہیں جس پر مال کا لفظ بولا جا سکے ورنہ شرعی مصالح اور معاشرتی فوائد کا حصول ممکن نہ ہو گا، کیونکہ مال کا لفظ تو جَو کے ایک دانے اور کھجور کی ایک گٹھلی پر بولا جاتا ہے، اور ہر جلیل و حقیر شئی اس میں داخل ہے۔ ابتغاء کا لفظ جو آیت میں ہے اس سے مراد ہے: سعی و اجتہاد سے طلب کرنا۔ (راغب اصفہانی) پس یہ اموال جن سے کہ نکاح کا ابتغاء مطلوب ہے معتد بہ اور معقول مقدار کے ہونے چاہئیں۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا کہ: وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ آزاد عورت کا مہر لازمًا اتنی مقدار کا ہو جس سے اُس میں اور لونڈی میں فرق ہو سکے۔ طول سے مراد اگر ایک پیسہ، دو پیسے، ایک جَو کا دانہ، دو دانے ہوں تو وہ کون شخص ہے جس کے لیے مقدار کی ادائیگی کی استطاعت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: تم میں سے جسے طول (مال) کی استطاعت نہ ہو تو وہ لونڈی سے نکاح کرے (کیونکہ اس کا مہر کم ہو گا) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ عورت حلال کی گئی تھی (بطور خصوصیت) جو حضور ؐ کو اپنی جان کا ہبہ کر دے اور آپ اسے قبول فرمالیں۔ اس سلسلے میں فرمایا: لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ" "تاکہ تم پر حرج نہ رہے" اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی ادائیگی باعث حرج ہوتی ہے جسے شرعی مصلحت کی خاطر آپ سے اٹھا یا گیا۔ اور حرج صرف اس صورت میں متصور ہے کہ مہر کی ایک معقول مقدار ہو۔ اور حدیث میں جو "لوہے کی انگوٹھی" کا لفظ آیا ہے

وہ بطورِ مبالغہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ: صدقہ کرو خواہ جلی ہوئی کھُری کا ہو۔ ظاہر ہے کہ جلی ہوئی کھری تو کوئی نفع مند چیز نہ تھی، لہٰذا یہ بطورِ مبالغہ و محاورہ بولا گیا ہے۔

غرضیکہ حسب دلائل شرع مہر کی مقدار ایسی ہونی لازم ہے جسے عرفاً مال کہا جا سکے۔ اس کی کمی بیشی کی حد مقرر نہیں ہو سکتی اور یہ ہر شخص کے احوال کے مطابق ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ۔ یہاں پر درہم کا لفظ نہیں آیا اور مال کی کثرت و قلت کا مقابلہ قنطار اور دینار کے لفظوں سے ہوا ہے۔ گویا یہ بتایا گیا کہ ایک دینار مالِ خطیر کی کم از کم مقدار ہے جسے وزن دیا جا سکے۔ اور قواعدِ شرعیہ میں دینار دس درہم کے برابر ہوتا ہے (یعنی بابِ نکاح وغیرہ میں) اور جزیہ میں ۱۲ درہم کے مقابل شمار ہوتا ہے۔ پس یہی مناسب رہا کہ سرقہ کے باب میں اس مقدار کو قطع ید کا معیار بنایا جائے اور نکاح کے باب میں مہر کی کم سے کم مقدار اسے قرار دیں۔ اور مہر کی کثیر مقدار وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قنطار سے تعبیر فرمایا ہے: وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا۔ حنفیہ نے کتاب و سنت کے دلائل سے دس درہم کو کم سے کم مہر ٹھہرایا ہے۔ دارقطنی اور بیہقی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ: دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا۔ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں جنہیں محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ مگر کثرتِ طُرق کے باعث ایسی حدیث لائقِ احتجاج ہو جاتی ہے (نووی فی شرح المہذب) محقق ابن الہمام نے برہان الدین حلبی کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے کہ بقولِ بغوی یہ حدیث حسن ہے۔ پھر ابن الہمام نے بعض اور طُرق نقل کئے ہیں اور ایک طریق کے متعلق ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ یہ حسن ہے۔ ابن امیر الحاج نے بھی اسے حسن کہا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ حنفیہ نے جس طریق سے استدلال کیا وہ شائد یہی ہے جسے حسن کہا گیا ہے۔ امام محمد نے فرمایا کہ یہ حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمروؓ، عامر شعبیؒ اور ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے اور طحاوی نے اسے شرح معانی الآثار میں جابرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہ چیز ایسی نہیں جسے اجتہاد سے مقرر کیا جائے، اس میں سماع کی ضرورت ہے دارقطنیؒ نے اپنی سنن میں داؤد الاودی عن الشعبی عن علی رضہ روایت کیا ہے کہ ہاتھ دس درہم سے کم میں قطع نہیں کیا جا سکتا اور مہر دس درہم سے کم نہیں ہوتا۔ داؤد الاودی کو ضعیف کہا گیا ہے مگر حضرتؒ نے فرمایا کہ اس نام و نسبت کے دو راوی ہیں۔ ایک تو داؤد بن یزید بن عبدالرحمٰن اودی ہے اور یہ بلا اختلاف حدیث میں غیر قوی ہے مگر ابن عدی نے کہا ہے کہ میں نے اس کی کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی جو حد سے تجاوز ہو بشرطیکہ اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو۔ اس کی حدیث لکھی جا سکتی ہے اور جب اس کا شاگرد ثقہ ہو تو مقبول ہے۔ اور مذکورہ اثر کو اس سے محمد بن ربیعہ اور عبداللہ بن موسیٰ روایت کیا ہے اور وہ دونوں ثقہ ہیں۔ دوسرا داؤد بن عبداللہ راوی ہے جس کو احمدؒ، ابن معین، ابوداؤد اور ابن شاہین وغیرہم ائمہ نے ثقہ کہا ہے۔ نسائی نے کہا ہے کہ اب تک صحیح یہ بات متحقق نہیں ہو سکی کہ اس سند میں کونسا داؤد اودی مراد ہے۔ عینی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ یہ داؤد بن یزید ہے۔ اور شعبی کا مرسل مقبول ہے (عجلی) مزی نے کہا ہے کہ شعبی نے علی بن ابی طالبؓ سے سماع کیا ہے۔

مولاناؒ سہارنپوری نے فرمایا کہ کم از کم مقدارِ مہر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ کم از کم جسے مال کہا جا

سکے۔ایک قول ہے کہ جس میں قطع ید واجب ہے۔ بعض نے چالیس درہم، بعض نے پچاس درہم کیا ہے۔اور قطع ید کی کم از کم مقدار میں بھی اختلاف ہے کیونکہ تین درہم پانچ درہم اور دس درہم تک کہا گیا ہے۔حنفیہ نے ان روایات کی بناء پر جن کا اوپر ذکر ہوا دس درہم کہا ہے جو بہت سے اصحاب سے مروی ہے اور جہاں اس سے کم آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس قدر تو معجل ہے اور باقی بعد میں مکمل کیا جائے گا۔اور یہ بات تو متفق علیہ ہے۔سونے کی ایک گٹھلی کا مول تو دس پانچ درہم سے زیادہ ہو سکتا ہے۔آج کل تو اس قدر سونا ممکن ہے کہ سینکڑوں روپے کی مقدار تک جا پہنچے۔

۲۱۱۰ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ جِبْرِيْلَ الْبَغْدَادِيُّ أَنَا يَزِيْدُ أَنَا مُوْسَى بْنُ مُسْلِمِ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْطٰى فِي الصَّدَاقِ امْرَأَةً مِلْأَ كَفَّيْهِ سَوِيْقًا أَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ صَالِحِ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ مَوْقُوْفًا وَرَوَاهُ أَبُوْ عَاصِمٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَمْتِعُ بِالْقُبْضَةِ مِنَ الطَّعَامِ عَلٰى مَعْنَى الْمُتْعَةِ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ رَوَاهُ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَلٰى مَعْنٰى أَبِي عَاصِمٍ۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عورت کے مہر میں دو مٹھی بھر ستو یا جو دیئے تو اس نے اسے حلال کر لیا۔ ابو داؤد نے کہا اسے عبدالرحمن بن مہدی نے جابر پر موقوف روایت کیا ہے اور ابو عاصم نے اس کو اس سند سے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھانے کی چیز کی ایک مٹھی کے ساتھ ..... متعہ کرتے تھے، یہ متعہ کے معنی میں ہے اور ابو داؤد نے کہا ابن جریج نے جابر رضی اللہ عنہ سے ابو عاصم جیسی ہم معنی روایت کی ہے (مسند احمد، مگر اس میں موسیٰ بن مسلم بن رومان کے بجائے صالح بن مسلم بن رومان سے روایت ہے۔منذری نے ابو داؤد کی روایت کے راوی موسیٰ ابن مسلم کو ضعیف کہا ہے)

شرح: ابو داؤد نے موسیٰ ابن مسلم کے نام کی تصحیح کی ہے کہ وہ صالح بن رومان ہے۔اس حدیث میں استحلال کا ذکر ہے جسے اگر ابو عاصم کی روایت پر محمول کر کے استمتاع کہیں تو مراد یہ ہے کہ جب متعہ جائز تھا (جنگ خیبر اور فتح مکہ میں) تو اس وقت اس قلیل مقدار پر متعہ کر لیتے تھے۔اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کا شرعی نکاح کے مہر سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر اس سے مراد فرج کا حلال کرنا لیں تو اوپر گزر چکا ہے کہ بقول صاحب البدائع اس سے مراد مہر معجل ہے جو عورت کی ملاقات کے وقت دیتے تھے۔ بعد میں مہر کی تکمیل کی جاتی ہوگی کیونکہ اس حدیث میں زیادہ کی نفی نہیں ہے۔ اگر مہر کا نام بالکل نہ لیں تو نکاح تب بھی درست ہے۔اگر کم مقرر کریں تو بعد

میں تکمیل ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ اوپر کی حدیث کی شرح میں بیان شدہ روایات کے مطابق دس تک کی زیادتی ثابت ہے لہذا یہی معنیٰ کیا جائے گا کہ مہر کی تکمیل بعد میں ہوتی تھی۔

بَابٌ ۳۰ فِي التَّزْوِيجِ عَلَى الْعَمَلِ يُعْمَلُ

کئے جانے والے عمل پر تزویج کا باب

۲۱۱۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي حَازِمِ ابْنِ دِينَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي قَدْ وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ فَقَامَتْ قِيَامًا طَوِيلًا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا إِيَّاهُ قَالَ مَا عِنْدِي إِلَّا إِزَارِي هَذَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ إِنْ أَعْطَيْتَهَا إِزَارَكَ جَلَسْتَ لَا إِزَارَ لَكَ فَالْتَمِسْ شَيْئًا قَالَ لَا أَجِدُ شَيْئًا قَالَ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا لِسُوَرٍ سَمَّاهَا فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور بولی: یا رسول اللہ میں نے اپنی جان آپ کو بخشی (یعنی جان کا معاملہ آپ کے اختیار میں دیا) پھر وہ کافی دیر کھڑی رہی تو ایک آدمی اٹھا اور کہنے لگا یا رسول اللہ اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں تو مجھ سے اس کا نکاح فرما دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے جو تو اسے بطور مہر ادا کر دے؟ اس نے کہا میرے پاس میرے اس تہ بند کے سوا کچھ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اگر اسے اپنا تہ بند دے ڈالے گا تو پھر تہ بند کے بغیر ہی بیٹھا رہے گا پس تو کوئی چیز تلاش کر۔ اس نے کہا میں کوئی چیز نہیں پاتا۔ آپ نے فرمایا کہ کر تو تلاش کر اگرچہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ پس اس نے تلاش کی تو کچھ نہ پایا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے پاس قرآن کا کچھ حصہ ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں فلاں فلاں سورت ہے جن کا اس شخص نے نام لیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اس عورت کا نکاح تجھ سے کیا اس قرآن کے بدلے میں جو تیرے پاس ہے (یعنی

اتنا قرآن سکھانے کے عوض میں (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی، ترمذی نے اسے صحیح کہا)
شرح: ابو داؤد کے عنوان سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جتنا قرآن اس شخص کو یاد یا پڑھا ہوا تھا اتنا اس عورت کو پڑھانے اور سکھانے کے عوض میں نکاح کا عقد ہوا۔ اس عورت نے چونکہ اپنے نفس کا ہبہ کیا تھا لہذا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق ہوگیا کہ اس کا نکاح (جب خود قبول نہیں تو) کسی اور سے کر دیں۔ اس عورت کا نام ابن القطاع نے خولہ بنت حکیم یا ام شریک لکھا ہے۔ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے نفس کا ہبہ آپ کو کر دے تو آپ چاہیں تو اُسے قبول کرلیں۔ نفس کے ہبہ سے مراد نکاح ہے (بلا عوض) کیونکہ آزاد عورت کی جان کسی کی ملک نہیں ہوتی۔
بخاری کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اسے غور سے دیکھا مگر کوئی جواب نہ دیا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ تین بار کھڑی ہوئی اور اپنی پیشکش دہرائی۔ حضورؐ کی خاموشی یا تو وحی کے انتظار میں تھی، یا مناسب جواب سوچنے کے لیے دریا اس کے لیے کہ از راہ حیا اسے منہ توڑ کر جواب دینا نہ چاہتے تھے کیونکہ آپ شدید طور پہ با حیا تھے۔

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ مہر کا مال متقوم (قیمت دار) ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک مہر کا مال متقوم ہونا ضروری ہے کیونکہ قرآن نے کہا ہے: اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ۔ شافعی نے کہا کہ مہر کا مال متقوم ہونا لازم نہیں بلکہ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کا عوض لیا جا سکے مثلاً خدمت، تعلیم وغیرہ تو جائز ہے۔ شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے اور کہا کہ ظاہر ہے کہ قرآن کی سورتیں تو مال نہ تھیں اس مہر مسمّٰی کا مال ہونا شرط نہ رہا۔ حنفیہ نے ایک اور آیت سے استدلال کیا ہے: فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔ یعنی طلاق قبل از دخول کی صورت مقرر شدہ مہر کا نصف ادا کرو۔ پس مہر ایسا ہونا چاہیئے کہ اس کی تنصیف ہو سکے اور وہ صرف مال ہے۔ اور یہ حدیث آحاد میں سے ہے جو نص قرآنی کا مقابلہ یا نسخ نہیں کر سکتی۔ علاوہ ازیں حدیث کا ظاہر تو بالاجماع متروک ہے کیونکہ اس میں تعلیم کا ذکر نہیں صرف قرآنی سورتوں کا ذکر ہے۔ پھر ہم اس حدیث کی یہ تاویل بھی کر سکتے ہیں کہ بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ کا مطلب یہ ہے کہ تیرے قاریٔ قرآن ہونے کے باعث میں نے تیرا نکاح کر دیا۔ اس میں مہر کی نفی نہ تھی۔ مہر تو بعد میں بھی مقرر اور ادا ہو سکتا تھا۔

۲۱۱۲۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَفْصِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ حَفْصُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنِيْ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ الْحَجَّاجِ الْبَاهِلِيِّ عَنْ عِسْلٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ نَحْوَ هٰذِهِ الْقِصَّةِ لَمْ يَذْكُرِ الْاِزَارَ وَالْخَاتَمَ فَقَالَ مَا تَحْفَظُ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ اَوِ الَّتِيْ تَلِيْهَا قَالَ قُمْ فَعَلِّمْهَا عِشْرِيْنَ اٰيَةً وَهِيَ امْرَاَتُكَ۔

عطاء بن ابی رباح نے ابوہریرہ سے اسی قسم کا قصہ روایت کیا ہے مگر اس میں تہ بند اور انگوٹھی کا ذکر نہیں کیا۔ اور کہا: حضورؐ نے فرمایا: تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا سورۂ البقرہ یا اس کے بعد والی سورت (آل عمران) فرمایا اٹھ اور اسے بیس آیات سکھا دے اور یہ تیری بیوی ہے (اس حدیث کی سند میں عسل بن سفیان ضعیف راوی ہے۔ علاوہ ازیں ابراہیم بن طہمان راوی کبھی کبھی اس روایت کو مرسل بیان کرتا تھا جیسا کہ ذہبی نے

میزان میں لکھا ہے۔

۲۱۱۳۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَبِي الزَّرْقَاءِ نَا أَبِي حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ عَنْ مَكْحُولٍ نَحْوَ خَبَرِ سَهْلٍ قَالَ وَكَانَ مَكْحُولٌ يَقُولُ لَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

محمد بن راشد نے مکحول سے یہ حدیث سہل بن سعدرضؓ کی حدیث کی مانند روایت کی۔ محمد بن راشد نے کہا کہ مکحول کہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کے لیے نہیں ہے (یعنی یہ حضورؐ کے خصائص میں سے تھا کہ مہر کے بغیر کسی عورت کا نکاح کر دیں۔ مولانا گنگوہی رحؒ نے فرمایا کہ مکحول رحؒ نے غالباً اسے اس لیے بعید جانا تھا کہ نصِ قرآنی مہر کا مال ہونا واجب کرتی ہے: اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ الخ لہذا وہ اس حدیث کی تاویل پر مجبور ہوئے۔ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانی رحؒ نے امام احمدرحؒ کے مذہب کی دو روایات بیان کی ہیں، ایک یہ کہ قرآن پر یا تعلیم قرآن پر نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ (فتح الملہم ص۴۶۲) قرآن یا اس کی کوئی سورت بالاجماع مہر نہیں بن سکتا لہذا اوپر کی حدیث میں جو بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ گزرا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ قرآن کے حافظ و قاری ہونے کے باعث یا اس کی برکت کے باعث میں نے تیرا نکاح کیا۔ یہاں پر بآ تعلیل و سببیۃ کے لیے ہے جیسے اس آیت میں ہے: اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ اور ارشادِ باری تعالیٰ: وَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ اس حدیث کی ایک روایت میں عَلٰى مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ کے لفظ ہیں، وہاں بھی علیٰ سببیت کے لیے ہے جیسے قرآن میں ہے: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ غرض حضورؐ نے اس کا نکاح کیا اور تعلیم قرآن کی ترغیب بھی دلائی مگر حقِ مہر سے سکوت رہا اور وہ بعد میں بھی کسی وقت طے ہو سکتا تھا۔

بَابٌ ۳۱ فِيْمَنْ تَزَوَّجَ وَلَمْ يُسَمِّ صَدَاقًا حَتّٰى مَاتَ۔

اس شخص کا باب جس نے نکاح کیا اور مہر مقرر نہ کیا حتیٰ کہ مر گیا

۲۱۱۴۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ فِرَاسٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ فِي رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَمَاتَ عَنْهَا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا فَقَالَ لَهَا الصَّدَاقُ كَامِلًا وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيرَاثُ قَالَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِهٖ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ۔

مسروق نے عبداللہ بن مسعودرضؓ سے اس شخص کے متعلق روایت کی جس نے کسی عورت سے نکاح کیا پھر مر گیا اور

اس سے خلوت نہ کی اور مہر بھی مقرر نہ کیا۔ عبداللہ رض نے کہا کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا اور اس پر عدت ہے اور اس کے لیے میراث ہے۔ معقل بن سنان رض نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے بروع بنت واشق رض کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا)

۲۱۱۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِی شَیْبَةَ نَا یَزِیْدُ بْنُ هَارُوْنَ وَ ابْنُ مَهْدِیٍّ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ فَسَاقَ عُثْمَانُ مِثْلَهٗ۔

یہ حدیث نمبر ۲۱۱۴ کی ایک اور روایت ہے جو اسی کی مانند ہے اور علقمہ نے ابن مسعود رض سے روایت کی ہے۔
علامہ خطابی نے اس حدیث کی شرح میں مفوضہ کا لفظ لکھا ہے کہ اس کا خاوند جب قبل از دخول مر جاوے تو اسے مہر مثل ملے گا (لیکن حدیث میں مفوضہ کا کوئی ذکر نہیں) خطابی نے کہا کہ یہی مذہب حنفیہ کا ہے اور شافعی کے دو اقوال میں سے صحیح تر یہی ہے۔ اور مہر مثل میں اس عورت کے عصبات کی عورتوں کا لحاظ ہو گا یعنی بہن پھوپھی چچا زادیاں وغیرہن۔ اور ماں اور خالہ ان میں داخل نہیں ہیں۔

۲۱۱۶۔ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ نَا یَزِیْدُ بْنُ زُرَیْعٍ نَا سَعِیْدُ بْنُ اَبِی عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ خِلَاسٍ وَ اَبِی حَسَّانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ اُتِیَ فِی رَجُلٍ بِهٰذَا الْخَبَرِ قَالَ فَاخْتَلَفُوْا اِلَیْهِ شَهْرًا اَوْ قَالَ مَرَّاتٍ قَالَ فَاِنِّی اَقُوْلُ فِیْهَا اِنَّ لَهَا صَدَاقًا كَصَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَ اِنَّ لَهَا الْمِیْرَاثَ وَعَلَیْهَا الْعِدَّةَ فَاِنْ یَكُ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰهِ وَاِنْ یَكُ خَطَاً فَمِنِّیْ وَمِنَ الشَّیْطَانِ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ بَرِیْئَانِ فَقَامَ نَاسٌ مِنْ اَشْجَعَ فِیْهِمُ الْجَرَّاحُ وَاَبُوْ سِنَانٍ فَقَالُوْا یَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ نَحْنُ نَشْهَدُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَضَاهَا فِیْنَا فِیْ بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ وَاِنَّ زَوْجَهَا هِلَالُ بْنُ مُرَّةَ الْاَشْجَعِیُّ كَمَا قَضَیْتَ قَالَ فَفَرِحَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَرَحًا شَدِیْدًا حِیْنَ وَافَقَ قَضَاؤُهٗ قَضَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود رض کے پاس ایک شخص کے بارے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے لوگ ایک ماہ تک آتے جاتے رہے یا یہ کہ کئی بار عبداللہ رض کے پاس آئے عبداللہ نے ان سے کہا میں اس مسئلہ میں کہتا ہوں کہ اس عورت کا مہر اس کی دیگر عورتوں (یعنی قریبی رشتہ عورتوں) جیسا ہے نہ کم نہ زیادہ اور یہ کہ اس کے لیے میراث ہے اور اس پر عدت ہے۔ پس اگر یہ بات درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر خطاء ہے تو مجھ سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اس کا رسول دونوں اس سے بری ہیں۔ پس اشجع قبیلہ کے کچھ لوگ اٹھے

جن میں جراح رضؓ اور ابو سنان رضؓ تھے اور کہا: اے ابن مسعودؓ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان بروع رضؓ بنت واشق کے متعلق اسی قسم کا فیصلہ فرمایا تھا جو آپ نے کیا ہے .... اور اس کا خاوند ہلال بن مرہ رضؓ اشجعی تھا عبداللہ بن مسعود رضؓ اس بات پہ نہایت خوش ہوئے کہ ان کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے موافق رہا ہے (مسند احمد میں یہ حدیث مروی ہے)

شرح: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورت کا نکاح ہو جائے اور حق مہر مقرر ہو جائے مگر خاوند قبل از دخول مر جائے تو اسے پورا مہر ملے گا، میراث بھی ملے گی اور عدت بھی گزارے گی۔ بقول شوکانی ابن مسعود رضؓ، ابن سیرین رحؒ ابن ابی لیلیٰ رحؒ، ابو حنیفہ رحؒ اور ان کے اصحاب، اسحاق رحؒ احمد رحؒ کا یہی مذہب ہے اور علی رضؓ، ابن عباس رضؓ، ابن عمر رضؓ مالک رحؒ، اوزاعی رحؒ، لیث رحؒ، ہادی رحؒ اور شافعی رحؒ کی ایک روایت اور قاسم رحؒ کی ایک روایت ہے کہ وہ عورت فقط میراث کی مستحق ہے اور مہر اور جوڑے کی مستحق نہیں۔ اس حدیث کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ اس میں اضطراب ہے کبھی معقل بن سنان، کبھی اشجع کے آدمی، اور کبھی اشجع کے لوگوں سے مروی ہے۔ حالانکہ یہ حدیث صحاح خمسہ میں موجود ہے اور ترمذی رحؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حاکم، بیہقی اور ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا۔ ابن حزم نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس کی سند صحیح ہے۔ بیہقی نے کہا اس میں ابو سنانؓ کا نام آیا ہے جو مشہور صحابی تھا اور اس میں اختلاف مضر نہیں اور اس کی تمام روایت صحیح ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ اشجع کی ایک جماعت اس واقع میں حاضر تھی۔ امام شافعی رحؒ نے اس حدیث کے ثبوت میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو میں اس کو تسلیم کر لیتا۔ حاکم کہتا ہے کہ ہمارے استاد ابو عبداللہ نے کہا کہ اگر میں شافعی کے پاس موجود ہوتا تو لوگوں میں کھڑا ہو کر اعلان کرتا کہ یہ حدیث صحیح ہے لہذا آپ اسے اپنائیں۔ اور اس حدیث کا ایک شاہد ہے جسے ابو داؤد اور حاکم نے عقبہ بن عامر رضؓ کی حدیث سے بیان کیا ہے۔

۲۱۱۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ الذُّهْلِيُّ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنِي أَبُو الْأَصْبَغِ الْجَزَرِيُّ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ خَالِدِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ أَتَرْضَى أَنْ أُزَوِّجَكَ فُلَانَةَ قَالَ نَعَمْ وَقَالَ لِلْمَرْأَةِ أَتَرْضَيْنَ أَنْ أُزَوِّجَكِ فُلَانًا قَالَتْ نَعَمْ فَزَوَّجَ أَحَدَهُمَا صَاحِبَهُ فَدَخَلَ بِهَا الرَّجُلُ وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يُعْطِهَا شَيْئًا وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ الْحُدَيْبِيَةَ وَكَانَ مَنْ شَهِدَ الْحُدَيْبِيَةَ لَهُمْ سَهْمٌ بِخَيْبَرَ فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوَّجَنِي فُلَانَةَ وَلَمْ أَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ أُعْطِهَا شَيْئًا وَإِنِّي

أُشْهِدُكُمْ أَنِّي أَعْطَيْتُهَا مِنْ صَدَاقِهَا سَهْمِي بِخَيْبَرَ فَأَخَذَتْ سَهْمًا فَبَاعَتْهُ بِمِائَةِ أَلْفٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ زَادَ عُمَرُ فِي أَوَّلِ الْحَدِيثِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ النِّكَاحِ أَيْسَرُهُ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلرَّجُلِ ثُمَّ سَاقَ مَعْنَاهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ نَخَافُ أَنْ يَكُونَ هَذَا الْحَدِيثُ مُلْزَقًا لِأَنَّ الْأَمْرَ غَيْرُ هَذَا ۔

عقبہ بن عامر رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد سے فرمایا: کیا تو راضی ہے کہ میں تیرا نکاح فلاں عورت سے کر دوں اس نے کہا ہاں۔ اور اسی عورت سے فرمایا: کیا تو راضی ہے کہ میں تیرا نکاح فلاں مرد سے کر دوں؟ وہ بولی ہاں۔ پس حضور رضہ نے ان کا ایک دوسرے سے نکاح کر دیا۔ پھر اس عورت سے خلوت کی اور اس کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا تھا اور اسے کچھ نہ دیا تھا۔ اور وہ حدیبیہ میں حاضر ہونے والوں میں سے تھا اور حدیبیہ والوں کا حصہ خیبر میں تھا۔ پس جب اس مرد کو وفات آئی تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت سے میرا نکاح فرمایا تھا اور میں نے اس کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا تھا نہ اسے کوئی چیز دی تھی، اور میں تمہیں گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے اسے اس کے مہر میں اپنا خیبر کا حصہ دیا ہے۔ پس اس عورت نے حصہ لیا اور اسے ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ عمر راوی نے حدیث کے شروع میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین نکاح وہ ہے جو سب سے سستا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے فرمایا الخ پھر راوی عمر نے اس حدیث کا معنی روایت کیا ہے بعض نسخوں کے حاشیے پر یہ عبارت درج ہے کہ: ابو داؤد نے کہا، ڈر ہے کہ اس حدیث میں کمی بیشی ہوئی ہو کیونکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے (یعنی مرض الموت میں اس نے عورت کو مہر پر زائد دے دیا۔ مگر ورثا کو اگر اعتراض نہ ہو تو کوئی حرج نہیں)

بَابٌ ۳۲ فِي خُطْبَةِ النِّكَاحِ

خطبۂ نکاح کا باب

۲۱۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ فِي خُطْبَةِ الْحَاجَةِ فِي النِّكَاحِ وَغَيْرِهِ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ الْمَعْنَى نَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ وَأَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا

اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا لَمْ یَقُلْ مُحَمَّدُ بْنُ سُلَیْمَانَ اَنْ۔

عبداللہ بن مسعود رضؓ نے نکاح وغیرہ میں حاجت کا خطبہ مروی ہے، عبداللہ رضؓ نے کہا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے حاجت کا خطبہ سکھایا جو یہ ہے کہ: الحمد للہ نستعینہ الخ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اس سے مدد مانگتے ہیں اور اس سے مغفرت چاہتے ہیں اور اس سے اپنے نفوس کی برائی سے پناہ لیتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کرے تو اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمدؐ اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم باہم سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں کے معاملے سے ڈرو، بے شک اللہ تم پہ نگران ہے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم مت مرو مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی مضبوط بات کہو، وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو بے شک اس نے بڑی کامیابی پالی۔ اور محمد بن کثیر راوی نے الحمد للہ سے پہلے اَن کا لفظ نہیں بولا (ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ)

شرح: حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اہل علم کے نزدیک نکاح خطبہ کے بغیر بھی جائز ہے اور ثوری وغیرہ کا یہی قول ہے۔ بعض اہل ظاہر نے خطبہ کو نکاح کی شرط بتایا ہے مگر یہ شاذ ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ لفظ بھی ہے کہ کلمۂ شہادت کے بعد یہ تین آیات پڑھے (سورۂ نساء آیت ۱۔ آل عمران آیت ۱۰۲۔ اور سورۂ احزاب آیت ۷۰-۷۱) سورۂ نساء کی آیت میں اس روایت میں الفاظ کا اختلاف ہے کیونکہ وہاں پر ہے: وَاتَّقُوا اللّٰہَ الخ اور یہاں ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ الخ مولانا ؒ نے فرمایا کہ شاید یہ ابن مسعود رضؓ کی شاذ قرأت ہے ورنہ متواتر قرأت تو اس کے خلاف ہے۔ حَقَّ تُقَاتِہٖ کا معنیٰ ابن مسعودؓ اور ابن عباس رضؓ نے یہ بتایا کہ اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے، اور ایک قول یہ کہ: اُسے یاد رکھا جائے اور بھلایا نہ جائے۔ اس آیت کی وضاحت یا نسخ دوسری آیت میں ہوا ہے کہ: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ پہلی آیت میں عقائد اور دوسری میں اعمال مراد ہیں۔ مُسْلِمُوْنَ: یعنی مخلص اور محسن ایماندار ہو کہ جب بھی موت آئے حالت اسلام میں آئے۔

۲۱۱۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا اَبُوْعَاصِمٍ نَا عِمْرَانُ عَنْ قَتَادَۃَ عَبْدِ رَبِّہٖ عَنْ اَبِیْ عِیَاضٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا تَشَھَّدَ ذَکَرَ نَحْوَہٗ قَالَ بَعْدَ قَوْلِہٖ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ

فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَإِنَّهُ لَا يَضُرُّ إِلَّا نَفْسَهُ وَلَا يَضُرُّ اللهَ شَيْئًا ۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو اسی خطبہ کی مانند دیتے۔ اور عبدہٗ ورسولہٗ کے بعد یہ اضافہ کیا کہ: أَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا الخ اللہ نے اسے حق کے ساتھ بشیرو نذیر بناکر قیامت کے آگے بھیجا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو وہ ہدایت یاب ہوا اور جو ان کی نافرمانی کرے تو وہ اپنے سوا کسی کا نقصان نہیں کرتا اور اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (یہ حدیث مسند میں بھی ہے بقول منذری اس کا راوی عمران بن داؤد القطان متکلم فیہ ہے شیخ شاکر نے کہا کہ عمران القطان ابوزرعہ ثقہ ہے اور وہ قتادہ کا مخصوص ترین شاگرد تھا اور یہ حدیث وہ قتادہ سے روایت کرتا ہے)

۲۱۲۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ أَخِي شُعَيْبٍ الرَّازِيِّ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ قَالَ خَطَبْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَامَةَ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَأَنْكَحَنِي مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَشَهَّدَ ۔

بنی سُلیم کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمامہ بنت عبد المطلب کا نکاح طلب کیا تو آپؐ نے اس کا نکاح میرے ساتھ خطبے کے بغیر کیا تھا۔ (بخاری نے اسے تاریخ کبیر میں روایت کیا اور اس میں اختلاف کا ذکر کیا۔ سنن بیہقی میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں بنی سُلیم کے اس آدمی کا نام عباد بن شیبان رضی سلمی بتایا ہے، اسماعیل بن ابراہیم راوی حدیث اس عبادؓ کا پوتا ہے۔ جس اُمامہ کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ دراصل اُمیمہ بنت ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب ہے۔ اس روایت میں وہ اپنے پڑدادا کی طرف منسوب ہوئی ہے۔ اس حدیث سے نکاح بلا خطبہ کا جواز نکلتا ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ نابالغ لڑکی سے اذن نہیں لیا جاتا اور یہ نابالغ تھی۔ اذن کا سوال بالغہ سے ہے۔ مگر احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے کہ یہ لڑکی نو سال کی نہ تھی اور اگر اس عمر کی ہو تو باپ کے علاوہ کوئی اس کا نکاح اس کے اذن کے بغیر نہیں کر سکتا۔ خطابی نے کہا کہ شاید احمد کو یہ معلوم تھا کہ عرب لڑکیاں اس عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو اس کا نکاح نابالغی میں کیا یا اگر وہ بالغ تھی تو اس کے اذن سے کیا ہوگا۔

بَابٌ ۳۳ فِي تَزْوِيجِ الصِّغَارِ ۔

نابالغوں کے نکاح کا باب

۲۱۲۱۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا بِنْتُ سَبْعٍ قَالَ سُلَيْمَانُ أَوْ سِتٍّ وَدَخَلَ بِي وَأَنَا بِنْتُ تِسْعٍ ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جب نکاح کیا تو میں سات سال کی تھی، سلیمان نے کہا: یا چھ سال کی اور میری رخصتی جب ہوئی تو میں نو سال کی تھی (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ بقول مہلبؒ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ باپ اپنی نابالغ دوشیزہ لڑکی کا کر سکتا ہے اگرچہ وہ وطی کے قابل نہ ہو لیکن طحاویؒ نے ابن شبرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ وطی کے ناقابل لڑکی کا نکاح کرنے سے باپ کو روکا جائے گا۔ ابن حزم نے ابن شبرمہ سے مطلقاً ممانعت نقل کی، یعنی باپ اپنی نابالغ دوشیزہ کا نکاح کر نہیں سکتا حتٰی کہ وہ بالغ ہو اور اذن دے اور اس نے کہا کہ حضرت عائشہ کا صغیر سنی میں نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا۔ اس کے برعکس حسن بصریؒ اور نخعیؒ کا قول ہے کہ باپ اپنی بالغ لڑکی یا نابالغ کا نکاح خواہ دوشیزہ ہو یا نہ ہو کر ہی نہیں کر سکتا جب تک اس کا اذن نہ ہو۔ مولانا نے حافظ سے نقل کیا کہ تخصیص کا دعوٰی غلط ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کو ام کلثومؓ کے نکاح کا پیغام دیا تو علیؓ نے اس کی صغر سنی کا عذر کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر زندہ رہی تو بڑی بھی ہو جائے گی، پھر حضرت عمرؓ نے اس سے نکاح کیا۔ نوویؒ نے مسلم کی شرح میں کہا ہے کہ اہل اسلام کا اس پر اجماع کہ باپ اور دادا اپنی نابالغ دوشیزہ لڑکی، پوتی کا نکاح کر سکتے ہیں اور دلیل یہ حدیث ہے اور ایسی لڑکی کو بلوغت کے بعد فسخ کا حق نہیں ہوتا۔ یہ مذہب مالک، شافعی فقہائے عراق نے کہا کہ بلوغت کے بعد لڑکی کو فسخ کا اختیار ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ فقہائے حنفیہ کا مذہب اس باب میں وہی ہے جو فقہائے حجاز کا ہے کہ اس لڑکی کو بعد از بلوغت فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا۔ لیکن باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیا ایسی لڑکی کا نکاح نہیں کر سکتے۔ اور یہ مذہب شافعی، مالک ابن ابی لیلٰی، ابوثور اور ابو عبید اور جمہور علماء کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ اولیا نکاح کریں گے تو صحیح نہ ہوگا۔ اور اوزاعی اور ابوحنیفہ اور کئی اور سلف نے کہا کہ دوسرے اولیاء نکاح کر سکتے ہیں مگر لڑکی کو بلوغت کے بعد فسخ کا اختیار رہے۔ ابو یوسف نے کہا کہ اُسے فسخ کا اختیار اس صورت میں بھی نہیں۔

جہاں تک نابالغ لڑکی کی روانگی کا تعلق ہے تو اگر خاوند اور ولی کسی چیز پر متفق ہو جائیں جس میں نابالغ لڑکی کا ضرر نہ ہو تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اگر ان کا اختلاف ہو تو احمد اور ابو عبید نے کہا کہ نو سال کی لڑکی کو رخصتی پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور اس سے کم عمر کی لڑکی کو نہیں۔ مالک، شافعی، ابوحنیفہ نے کہا کہ اس کی حد یہ ہے کہ اسے جماع کی طاقت ہو اور یہ چیز لڑکیوں کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے اور کوئی عمر اس کا ضابطہ نہیں بن سکتی اور یہی صحیح مسلک ہے۔ اور حدیث عائشہؓ میں نہ کوئی تحدید ہے نہ اس سے روکا گیا ہے۔ داؤدی نے کہا ہے کہ عائشہؓ اس وقت خاصی جوان تھیں۔ روایات میں ان کی عمر بوقت نکاح میں اختلاف ہے، سب کو جمع کریں تو خلاصہ

یہ ہے کہ چھ اوپر چھ سال عمر تھی۔ ساتواں سال پورا نہ تھا۔

اوپر خطابی اور احمد بن حنبلؒ کا قول گزر چکا ہے کہ عرب لڑکیاں نو سال کی عمر میں جوان ہو جاتی ہیں۔ بالخصوص کھاتے پیتے گھرانوں کی لڑکیاں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ عرب کے ایک مشہور تاجر کی بیٹی تھیں، لہٰذا اس عمر میں ان کا جوان ہو جانا کوئی قابلِ تعجب نہیں ہو سکتا۔

بَابٌ ۳۴ فِي الْمُقَامِ عِنْدَ الْبِكْرِ

دوشیزہ بیوی کے پاس ٹھہرنے کا باب

۲۱۲۲۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي۔

ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو تین دن ان کے پاس ٹھہرے، پھر فرمایا تم اپنے خاوند (یا اپنے رشتہ داروں) کے نزدیک کم درجہ کی نہیں ہو۔ اگر چاہو تو میں تمہارے پاس پورا ہفتہ رہوں، اور اگر تمہارے پاس ایک ہفتہ رہوں گا تو اپنی سب عورتوں کے پاس ہفتہ ہفتہ بھر رہوں گا (مسلم، ابن ماجہ، اور نسائی)

شرح: مولانا نے فرمایا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر خاوند کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل واجب ہے۔ اور حنفیہ کا مذہب اس باب میں یہ ہے کہ خاوند پر زیادہ بیویوں میں باری، نفقہ، لباس میں عدل واجب ہے، مودت اور مجامعت میں نہیں (مودت کا تعلق دل سے ہے اور مجامعت کا نشاط نفس اور حاجت سے) اس بارے میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ زیادہ بیویوں میں نان و نفقہ اور باری میں انصاف نہ کر سکو گے تو صرف ایک سے نکاح کرو۔ اور آیت کے آخر میں ہے، أَلَّا تَعُولُوا۔ یعنی کہ تم جور نہ کرو۔ جور عدل کے منافی ہے۔ پس باری، نان و نفقہ وغیرہ میں دوشیزہ و ثیبہ، پرانی اور نئی، جوان اور بڑھیا، مسلم اور کتابیہ برابر ہیں۔ اور لونڈیوں میں کوئی تقسیم نہیں ہوتی۔ ہاں اگر لونڈی نکاح میں ہو تو اس کا ایک دن اور آزاد کے دو دن ہیں۔ کھانے پینے اور لباس سب بیویاں حتیٰ کہ لونڈی (منکوحہ) بھی برابر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عدل و انصاف کو اس باب میں بھی ملحوظ رکھا گو بعض کے نزدیک آپ پر قسم واجب نہ تھی۔

۲۱۲۳۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ هُشَيْمٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ

أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفِيَّةَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا زَادَ عُثْمَانُ وَكَانَتْ ثَيِّبًا وَقَالَ حَدَّثَنِي هُشَيْمٌ أَنَا حُمَيْدٌ نَا أَنَسٌ .

انس بن مالک رضہ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ رضہ کو نکاح میں لیا تو ان کے پاس تین دن مقیم رہے۔ عثمان راوی نے یہ اضافہ کیا کہ وہ ثیب تھیں۔

۲۱۲۴۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا هُشَيْمٌ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِذَا تَزَوَّجَ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا وَلَوْ قُلْتُ إِنَّهُ رَفَعَهُ لَصَدَقْتُ وَلَكِنَّهُ قَالَ السُّنَّةُ كَذَلِكَ .

انس بن مالک نے کہا کہ جب آدمی دوشیزہ سے شادی کرے اور پہلے گھر میں ثیب ہو تو اس کے پاس سات دن رہے اور جب ثیب سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن رہے۔ اور اگر میں کہوں (یعنی ابو قلابہ کہتا ہے) کہ انس رضہ نے یہ حدیث مرفوعًا بیان کی تو سچ ہے لیکن اس نے کہا کہ سنت اسی طرح ہے (مگر یہ صیغہ بھی مرفوع شمار ہو سکتا ہے گو صراحةً نہیں (بخاری، مسلم اور ترمذی)

بَابٌ ۳۵ فِي الرَّجُلِ يَدْخُلُ بِامْرَأَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَنْقُدَهَا

عورت کو مہر ادا کرنے سے پہلے اس سے ملاقات کا باب

۲۱۲۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الطَّالَقَانِيُّ نَا عَبْدَةُ نَا سَعِيدٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطِهَا شَيْئًا قَالَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ قَالَ أَيْنَ دِرْعُكَ الْحُطَمِيَّةُ .

ابن عباس رضہ نے کہا کہ جب علی رضہ نے فاطمہ رضہ کے ساتھ نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے فرمایا: کہ اسے کچھ دے دو (یعنی مہر میں سے کچھ بطور معجّل)، علی رضہ نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ حضور ؐ نے فرمایا تیری وہ حطمی زرہ کہاں ہے؟ (سنن نسائی)

شرح: اس سے معلوم ہوا کہ اول تو پورا مہر پہلے ادا کرنا مستحب ہے ورنہ کچھ نہ کچھ پہلے دیا جائے، اس سے بیوی کی دلجوئی اور پاس خاطر منظور ہے۔ حطمیہ، عبد القیس کے قبیلے کے ایک بطن حطم کی طرف منسوب ہے جو زرہیں بناتے تھے۔

۲۱۲۶- حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ عُبَيْدٍ الْحِمْصِيُّ نَا أَبُو حَيْوَةَ عَنْ شُعَيْبٍ يَعْنِي ابْنَ أَبِي حَمْزَةَ حَدَّثَنِي غَيْلَانُ بْنُ أَنَسٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا تَزَوَّجَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا فَمَنَعَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى يُعْطِيَهَا شَيْئًا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَيْسَ لِي شَيْءٌ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطِهَا دِرْعَكَ فَأَعْطَاهَا دِرْعَهُ ثُمَّ دَخَلَ بِهَا۔

محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص سے روایت کی۔ (شاید یہ ابن عباسؓ ہیں جیسا کہ پچھلی روایت میں گزرا) کہ علی رضی اللہ عنہ نے جب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا تو اُن سے ملنے کا ارادہ کیا مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا جب تک کہ وہ کچھ انہیں دے نہ ڈالیں۔ علیؓ نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اپنی زرہ دے دو۔ پس علیؓ نے اپنی زرہ اسے دی اور پھر ان سے ملاقات کی۔

شرح: عرب میں رواج تھا کہ نکاح کے بعد بیوی کے لیے ایک پر تکلف خیمہ لگاتے یا نئی عمارت میں اسے ملتے تھے اسی سے بنیٰ بہا یا دخل بہا کا محاورہ بنا ہے۔ اسی کو زفاف بھی کہتے تھے۔ شوکانی نے کہا کہ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد کے وقت مہر مقرر نہ ہوا تھا لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ حضورؐ نے بطور مہر معجل کوئی چیز پیش کرنے کا حکم دیا تھا۔ زرہ قیمتی چیز ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ کی گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحت نکاح یا صحتِ ملاقات کے لیے مہر پہلے ادا کرنا ضروری شرط نہیں اور مجھے اس میں کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔ مگر خطابیؒ نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ خلوت سے قبل کچھ دینا واجب ہے۔ ابن عباسؓ، قتادہؒ اور زہریؒ سے منقول ہے کہ بلا ادائگی مہر (پورا یا کچھ حصہ) خلوت مکروہ ہے۔ مالک بن انسؓ کا قول بھی اسی قسم کا ہے مگر انہوں نے صراحتہً اسے مکروہ نہیں کہا۔ شافعیؒ کا قولِ قدیم اور سفیان ثوری سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ دیگر علماء مثلاً سعید بن المسیب، حسن بصری، نخعی، احمد اور اسحاق اس میں رخصت دیتے ہیں۔

۲۱۲۷- حَدَّثَنَا كَثِيرٌ يَعْنِي ابْنَ عُبَيْدٍ أَنَا أَبُو حَيْوَةَ عَنْ شُعَيْبٍ عَنْ غَيْلَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مِثْلَهُ۔

عکرمہ نے بھی ابن عباسؓ سے اسی قسم کی روایت کی۔

۲۱۲۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ نَا شَرِيكٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ طَلْحَةَ

عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُدْخِلَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا قَبْلَ أَنْ يُعْطِيَهَا شَيْئًا قَالَ أَبُو دَاوُدَ خَيْثَمَةُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَائِشَةَ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں کسی عورت کو اس کے خاوند کے پاس نہ بھیجوں قبل اس کے کہ وہ اسے کچھ دے (ابن ماجہ) ابوداؤد نے کہا کہ راوی حدیث خیثمہ نے حضرت عائشہؓ سے سماع نہیں کیا

شرح: منذری کے حاشیئے میں درج ہے کہ خیثمہ ابن عبدالرحمٰن جعفی کے متعلق بخاری نے تاریخ کبیر میں کہا ہے کہ اس نے کہا: میں علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ تھا۔ پس اس سے معاصرت ثابت ہوگئی اور علمائے اصول حدیث ثقہ راوی کی معاصرت کو روایت کے لیے کافی جانتے ہیں۔ گو ابن القطان نے اس میں گفتگو کی ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ (یعنی خواتین) مدینہ میں حضورؐ کے وقت میں (اور اس کے بعد میں بھی) نکاح اور زفاف وغیرہ کے سلسلے میں حضرت ام المؤمنین عائشہ سلام اللہ علیہا سے مشورہ لیا کرتے تھے اور معاملات ان کے ارشاد سے طے ہوتے تھے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کا منشا یہی ہے۔ مگر اوپر گزرا کہ یہ امر ندب و استحباب اور خواتین کی تانیس و دلجوئی کے لیے ہے۔

۲۱۲۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ نُكِحَتْ عَلَى صَدَاقٍ أَوْ حِبَاءٍ أَوْ عِدَةٍ قَبْلَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ فَهُوَ لَهَا وَمَا كَانَ بَعْدَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ فَهُوَ لِمَنْ أُعْطِيَهُ وَأَحَقُّ مَا أُكْرِمَ عَلَيْهِ الرَّجُلُ ابْنَتُهُ أَوْ أُخْتُهُ۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت نے کسی مہر یا عطیے (تحفہ وغیرہ) یا کسی وعدے پر عقدِ نکاح کیا تو وہ اس کا ہے اور عقدِ نکاح کے بعد جو کچھ ہو وہ اس کا ہے جس کو ملا۔ اور آدمی کا سب سے بہتر احسان اس کی بیٹی یا بہن کی خاطر ہے۔ (نسائی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے کہا کہ بعد از نکاح والا تحفہ یا ہدیہ جو اس حدیث میں مذکور ہے اس سے مراد وہ تحفہ ہے جو ولی اپنے لیے شرط لگاتا ہے۔ اور لوگوں نے اس کے وجوب میں اختلاف کیا ہے۔ ثوری اور مالک بن انس نے کہا کہ باپ نے جس مال وغیرہ کی شرط کی ہو وہ سب عورت کے لیے ہے نہ کہ باپ کے لیے اور عطا اور طاؤس سے بھی یہی روایت ہے۔ احمد نے کہا کہ وہ باپ کا ہے مگر کسی اور ولی کے لیے ایسا جائز نہیں کیونکہ باپ کو اپنی اولاد کے مال پر اختیار ہوتا ہے۔ علی بن الحسینؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور اپنے لیے مال کی شرط رکھی مسروق کے متعلق منقول ہے کہ اس نے بیٹی کا نکاح کیا اور حج کرنے اور مساکین کے لیے دس ہزار درہم کی شرط لگائی۔ شافعی نے کہا کہ اگر کوئی ایسی شرط کرے تو ولی کو کچھ نہ ملے گا اور عورت کو مہر مثل ملے گا۔ شوکانی نے لکھا ہے کہ

عامۃ فقہاء و علماء و سادات کا بھی یہی خیال ہے کہ عقد سے پہلے یا عقد میں ایسی شرط فاسد ہے۔ بعد العقد کا جو ذکر حدیث میں ہے اس سے مراد اقارب کے ساتھ احسان ہے جو مستحسن ہے۔ اگر بیوی کے اقارب کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا جائے تو بہتر ہے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قبل از عقد کسی کو سوائے بیوی کے کچھ دینا شرط یا شرط کرنا وغیرہ جائز نہیں ہے۔

بَابُ ۳۶ مَا يُقَالُ لِلْمُتَزَوِّجِ

باب نکاح کرنے والے کو کیا کہا جائے۔

۲۱۳۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَّأَ الْإِنْسَانَ إِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللَّهُ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ۔

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی انسان کو نکاح کی مبارک باد دیتے تو فرماتے: اللہ تیرے لیے مبارک کرے اور تجھ پر برکت کرے اور تم دونوں کو خیر کے ساتھ جمع کرے (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی)

شرح: اہل عرب کی رسم تھی کہ نکاح کی مبارک یوں دیتے۔ بالرفاء والبنین۔ راحت و تسکین اور بیٹوں کے ساتھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقول علامہ خطابی اس سے منع فرمایا اور اس کے بجائے یہ دعا فرمائی جو اس حدیث میں ہے۔ جاہلیت کی مبارکباد میں بیٹوں کا ذکر اس لیے ہے کہ وہ لوگ بیٹیوں سے نفرت کرتے اور عورتوں کو حقیر جانتے تھے

بَابُ ۳۷ الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَيَجِدُهَا حُبْلَى

جو کسی عورت سے نکاح کرے اور اسے حاملہ پائے، اس کا باب

۲۱۳۱۔ حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي السَّرِيِّ الْمَعْنَى قَالُوا نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ ابْنُ أَبِي السَّرِيِّ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقُلْ مِنَ الْأَنْصَارِ ثُمَّ اتَّفَقُوا يُقَالُ لَهُ بَصْرَةُ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً بِكْرًا فِي سِتْرِهَا فَدَخَلْتُ عَلَيْهَا فَإِذَا هِيَ حُبْلَى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَا الصَّدَاقُ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَالْوَلَدُ عَبْدٌ لَكَ

فَإِذَا وَلَدَتْ قَالَ الْحَسَنُ فَاجْلِدْهَا وَقَالَ ابْنُ السَّرِيِّ فَاجْلِدُوهَا أَوْ قَالَ فَحُدُّوهَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ قَتَادَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَرَوَاهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ نُعَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَرْسَلُوهُ وَفِي حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ أَنَّ بَصْرَةَ بْنَ أَكْثَمَ نَكَحَ امْرَأَةً وَكُلُّهُمْ قَالَ فِي حَدِيثِهِ جَعَلَ الْوَلَدَ عَبْدًا لَهُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک انصاری صحابی جسے بصرہ رضؓ کہتے تھے، اس نے کہا میں نے ایک دوشیزہ باپردہ عورت سے نکاح کیا اور اس سے خلوت کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حاملہ ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے جو اس کی عصمت کو حلال کیا ہے اس کے باعث اس کے لیے مہر ہے اور لڑکا تیرا غلام ہے، اور جب وہ بچہ جنے تو اسے کوڑے لگانا۔ واحد کا لفظ تھا یا جمع کا۔ یا یہ فرمایا کہ اسے حد لگاؤ۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث قتادہ نے سعید بن یزید عن سعید بن المسیب۔ روایت کی اور یحیی بن ابی کثیر نے: عن یزید بن نعیم عن سعید المسیب، اور عطاء خراسانی نے عن سعید بن المسیب۔ انہوں نے یہ حدیث مرسل بیان کی ہے۔ اور یحیی بن ابی کثیر کی حدیث میں ہے کہ بصرہ رضؓ بن اکثم نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اور ان سب نے اپنی حدیث میں کہا کہ حضورؐ نے بچے کو اس کا غلام قرار دیا۔

شرح: علامہ خطابی نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کسی فقیہ نے اسے اختیار کیا ہو۔ اور علماء میں میرے علم کے مطابق اس امر پر اتفاق ہے کہ آزاد عورت کا بچہ جو ولدالزنا ہو وہ آزاد ہے، پس وہ اسے کیسے غلام بنا سکتا ہے؟ اور اگر یہ حدیث ثابت ہو تو اس کا معنی یہ بیان کیا جا سکتا ہے کہ حضورؐ نے اسے بچے کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیا، اس کی تعلیم و تربیت اور پرورش کا حکم دیا تاکہ اس کی خدمت سے فائدہ اٹھا سکے جبکہ وہ بالغ ہو جائے، گو اس کے احسان کے بدلے میں وہ اس کا غلام ہو گا۔ اور اگر یہ حدیث ثابت ہو تو اس میں یہ دلیل پائی جاتی ہے کہ جو شخص زنا کا حمل دیکھے اسے عقد نکاح سے منع کیا جائے گا۔ اور یہ سفیان ثوری، ابو یوسف، احمد بن حنبل اور اسحاق کا قول ہے۔ اور ابو حنیفہ شافعی اور محمد بن الحسن نے کہا کہ نکاح جائز ہے۔ مگر شافعی کے مذہب پر وطی مکروہ ہے۔ ابو یوسف اور شافعی کے نزدیک اس عورت پر کوئی عدت نہیں۔ خطابی نے کہا کہ ممکن ہے حضورؐ نے اس عورت کے لیے مہر مثل کا حکم دیا ہو نہ کہ مقرر شدہ مہر کا، کیونکہ اس حدیث میں زید بن نعیم عن سعید بن المسیب کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ان میں تفریق کر دی تھی۔ اگر نکاح صحیح ہوا ہوتا تو تفریق نہ ہوتی کیونکہ منکوحہ کے ساتھ زنا اس کے نکاح کو فسخ نہیں کرتا اور نہ خاوند کو تفریق کا اختیار واجب کرتا ہے۔ اگر اس حدیث کی کوئی اصل ہے تو ممکن ہے کہ یہ منسوخ ہو۔

مولانا رح نے فرمایا کہ اس حدیث کے راوی محمد بن ابی السری پر محدثین میں سے ابوحاتم، ابن عدی، مسلم بن القاسم، ابن وضاح نے تنقید کی ہے۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ علم نجوم کا ماہر تھا۔ حافظ صاحب نے لکھا ہے کہ بصرہ رض صحابی کا نام بسرہ، نضعہ اور نفرہ بھی آیا ہے مگر بصرہ ہی محفوظ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ بچے کے غلام ہونے کا مطلب تو یہ تھا کہ وہ تیرا خادم ہوگا اس لیے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ مگر جہاں تک حد اور سزا کا تعلق ہے امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اسے تعزیر و تادیب پر محمول کیا جائے گا، یا یوں کہو کہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا ہوگا۔

۲۱۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى نَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ نَا عَلِيٌّ يَعْنِي ابْنَ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيٰى عَنْ يَزِيْدَ بْنِ نُعَيْمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَجُلًا يُقَالُ لَهٗ بَصْرَةُ بْنُ اَكْثَمَ نَكَحَ امْرَاَةً فَذَكَرَ مَعْنَاهُ زَادَ وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَحَدِيْثُ ابْنِ جُرَيْجٍ اَتَمُّ۔

سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جس کو بصرہ رض بن اکثم کہا جاتا تھا، پھر گزشتہ حدیث کا معنی ذکر کیا۔ اس میں یہ اضافہ کیا کہ: اور حضور رض نے ان میں تفریق کر دی۔ اور ابن جریج کی گزشتہ حدیث اتم ہے۔

بَابٌ فِي الْقَسْمِ بَيْنَ النِّسَاءِ

عورتوں کے اندر تقسیم کا باب

۲۱۳۳۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ الطَّيَالِسِيُّ نَا هَمَّامٌ نَا قَتَادَةُ عَنِ النَّضْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ امْرَاَتَانِ فَمَالَ اِلٰى اِحْدٰهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشِقُّهٗ مَائِلٌ۔

ابوہریرہ رض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ ان میں سے ایک کی طرف جھک گیا تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی)

شرح: یعنی قیامت میں مفلوج آئے گا۔ علامہ علی القاری رح نے کہا کہ دو کا ذکر فرمایا ہے مگر دو سے زیادہ تین یا چار کا بھی یہی حکم ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کے میلان کے لحاظ سے جسم کا فالج ہو مثلاً تین میں سے ایک طرف جھک گیا تو ⅓ حصہ جسم ساقط ہوگا۔ چار میں سے ایک کی طرف جھکا تو ¼ چار میں سے دو کی طرف جھکا تو بھی ½ ، وعلی ہذا القیاس۔ ہمارے اصحاب حنفیہ نے کہا کہ دو میں سے ایک سے جماع ترک کر دینا جائز نہیں بلکہ احیاناً از روئے دیانت واجب ہے۔ لیکن قضاء اور الزام مہر کے لیے صرف پہلی وطی کافی ہے۔ اس کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کی جا سکتی مگر فقہاء نے کہا

ہے کہ عورت کی رضا اور خوشی کے بغیر مدتِ ایلاء تک وطی ترک کرنا جائز نہیں۔ اور مستحب یہ ہے کہ ہر قسم کے سلوک میں ان کے درمیان مساوات رکھے۔

۲۱۳۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ فَيَعْدِلُ وَيَقُولُ اللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ يَعْنِي الْقَلْبَ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے عدل کرتے تھے ...... اور فرماتے تھے: اے اللہ جن چیزوں کا مجھے اختیار ہے ان میں میری یہ تقسیم ہے اور جس چیز کا تو ہی مالک ہے اس میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمایئے، اور میں اس کا مالک نہیں ہوں یعنی دل کا۔ (نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

شرح: یعنی تمام معاملات میں مساوات رکھنے کے باوجود قلبی میلان میرے قبضے میں نہیں ہے لہذا اس پر مواخذہ نہ کیا جائے۔

۲۱۳۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَا ابْنَ أُخْتِي كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُفَضِّلُ بَعْضَنَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْقَسْمِ مِنْ مُكْثِهِ عِنْدَنَا وَكَانَ قَلَّ يَوْمٌ إِلَّا وَهُوَ يَطُوفُ عَلَيْنَا جَمِيعًا فَيَدْنُوا مِنْ كُلِّ امْرَأَةٍ مِنْ غَيْرِ مَسِيسٍ حَتّٰى يَبْلُغَ إِلَى الَّتِي هُوَ يَوْمُهَا فَيَبِيتُ عِنْدَهَا وَلَقَدْ قَالَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ حِينَ أَسَنَّتْ وَفَرِقَتْ أَنْ يُفَارِقَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ يَوْمِي لِعَائِشَةَ فَقَبِلَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا قَالَتْ نَقُولُ فِي ذٰلِكَ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَفِي أَشْبَاهِهَا أُرَاهُ قَالَ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ سے فرمایا: اے میرے بھانجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی کو کسی پہ باری میں فضیلت نہ دیتے تھے، ہر ایک کے پاس تشریف لے جاتے اور ٹھہرتے تھے۔ اور شاید ہی کوئی دن ہوتا کہ آپ ہم سب کے پاس نہ تشریف نہ لاتے ہوں۔ پس ہر بیوی سے ملتے مگر خاص ملاقات صرف اسی سے ہوتی جس کی باری کا دن ہوتا، پس آپ اس کے ہاں رات گزارتے سودہ بنت زمعہؓ جب بوڑھی ہوگئی اور اسے خوف ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے چھوڑ دیں گے تو اس نے کہا یا رسول اللہ میری باری عائشہؓ کے لیے ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات قبول فرمائی۔ عائشہ رضی نے فرمایا کہ ہم کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اسی بارے میں اور ایسے ہی واقعات میں نازل فرمائی تھی۔ ہشام نے کہا کہ میرے خیال میں عروہ نے کہا یہ آیت ہے: وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا الآیۃ (بخاری و مسلم میں یہ حدیث موجود ہے)

شرح: یہ آیت سورۂ النساء کی ۱۲۸ ویں ہے۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے بے رخی یا بے توجہی کا خوف کرے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح بہتر ہے۔ یعنی عورت اگر محسوس کرے کہ مجھ میں خاوند کے لیے کوئی کشش نہیں رہی تو آپس میں راضی نامہ کر لیں۔ مثلاً عورت اپنا کوئی حق چھوڑ دے اور مرد یہ وعدہ کرے کہ وہ بہر حال اس کے ساتھ نبھائے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ صلح فرقت اور طلاق سے بہر صورت بہتر ہے۔ حضرت سودہ رضؓ سے جب حضورؐ کا نکاح ہوا تو وہ کافی سن رسیدہ تھیں اور اب تو تقریباً بوڑھی ہو چکی تھیں۔ خانگی اطمینان قلب کی خاطر حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق میں کافی رعایتیں دے دی تھیں مبادا دین کے کام میں کوئی رکاوٹ ہو۔ سورہ احزاب اس کی شاہد ہے۔ حضرت سودہ رضؓ کو خود ہی خیال تھا کہ یہ حضورؐ کا حسن معاشرت ہے کہ میرے ساتھ نبھا رہے ہیں لہذا انہوں نے خود ہی بعض حقوق سے دست برداری دے دی تھی۔

۲۱۳۶ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْمَعْنَى قَالَا ثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ مُعَاذَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَأْذِنُنَا إِذَا كَانَ فِي يَوْمِ الْمَرْأَةِ مِنَّا بَعْدَ مَا نَزَلَتْ تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ قَالَتْ مُعَاذَةُ فَقُلْتُ لَهَا مَا كُنْتِ تَقُولِينَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كُنْتُ أَقُولُ إِنْ كَانَ ذَاكَ إِلَيَّ لَمْ أُوثِرْ أَحَدًا عَلَى نَفْسِي .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ وسلم ہم سے اجازت لیا کرتے تھے جبکہ ہم میں سے کسی کے باری میں ہوتے بعد اس کے کہ جب یہ آیت اتری تھی: پیچھے ڈال دے تو جس کو چاہے ان میں سے اور اپنے ہاں رکھے جسے چاہے۔ معاذہ رضؓ نے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہا کرتی تھیں (یعنی جب اجازت لیتے تو) عائشہؓ

نے کہا کہ میں کہا کرتی تھی : اگر فیصلہ مجھ پر ہے تو میں اپنے آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتی (بخاری، مسلم، نسائی)

شرح : یہ سورۂ احزاب کی آیت ۵۱ ہے ۔ فقہاء و مفسرین نے اس کے معنی میں اختلاف کیا ہے ۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ : تو ان میں سے جسے چاہے طلاق کے بغیر پیچھے ڈال دے اور جسے چاہے اپنے سے قریب کریں ۔ مطلب یہ کہ آپ پر تقسیم فرض نہ تھی اور ازواج کا معاملہ سراسر آپ کے سپرد تھا ۔ بعض نے کہا کہ اس آیت میں آپ کو حسب منشا ان میں سے کسی کو طلاق دینے یا نہ دینے کا اختیار تھا ۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اپنی امت کی عورتوں میں سے (حسب قواعد شرعیہ) کسی کو اپنے نکاح میں لانے یا نہ لانے کا اختیار دیا گیا تھا ۔ علامہ ابن جریر طبریؒ نے اس آخری معنی کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ یہ حکم صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منکوحہ بیویوں کے متعلق نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی تھی کہ حسب قواعد شرع مسلم خواتین کو نکاح میں لائیں اور جسے نہ چاہیں نہ لائیں اسی طرح جو خواتین آپ کے نکاح میں ہیں ان میں سے جس سے چاہیں اور جب چاہیں مقاربت کریں یا نہ کریں ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر منکوحہ خواتین سے حسب منشا نکاح کی اجازت دی گئی اور ازواج مطہرات میں تقسیم (باری) کا وجوب ختم کیا گیا ۔

نووی کا قول ہے کہ : اللہ تعالیٰ کا یہ قول تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ الخ اس آیت کا ناسخ تھا : لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ الخ ۔ اس ناسخ آیت نے حضورؐ کے لیے پابندی اٹھا دی تھی ۔ اور بعض کا قول ہے کہ سنت نے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ کو منسوخ کیا ہے ۔ زید بن ارقمؓ کا قول ہے کہ اس کے بعد حضورؐ نے میمونہؓ، مُلَیکہ، صفیہؓ اور جویریہؓ سے نکاح فرمایا تھا ۔ حضرت عائشہؓ کا قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ حضورؐ کو مزید نکاح کرنے کی اجازت مل گئی تھی ۔

کسی ایک زوجہؓ مطہرہ کی باری میں دوسری سے ملنے کا سوال اس صورت میں پیدا ہو سکتا تھا کہ مثلاً جس کی باری ہے وہ ضروری ایام میں ہے علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم واجب تھی یا نہیں مگر حضورؐ نے عدل کے ساتھ ساتھ اس چیز کو بھی ہمیشہ ملحوظ رکھا اور باقاعدہ تقسیم کرتے رہے ۔ عائشہ کا قول ان کی ذہانت اور اس خصوصی تعلق پر مبنی تھا جو انہیں حضورؐ سے حاصل تھا ۔

۲۱۳۷ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ بَابَنُوسَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى النِّسَاءِ يَعْنِي فِي مَرَضِهِ فَاجْتَمَعْنَ فَقَالَ إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَدُورَ بَيْنَكُنَّ فَإِنْ رَأَيْتُنَّ أَنْ تَأْذَنَّ لِي فَأَكُونَ عِنْدَ عَائِشَةَ فَعَلْتُنَّ فَأَذِنَّ لَهُ ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں اپنی ازواج کو بلا بھیجا جب

وہ جمع ہوئیں تو فرمایا کہ اب مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ تمہاری باری کے ایام تمہارے ہاں آسکوں۔ اگر تمہاری رائے ہو تو مجھے اجازت دے دو کہ میں عائشہ رضؓ کے ہاں رہوں، پس انہوں نے اجازت دے دی۔

شرح: یزید بن بابنوس پر بعض محدثین نے تنقید کی ہے۔ ابو حاتم نے اسے مجہول کہا ہے اور داؤد نے شیعہ ٹھہرا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پہ باری واجب تھی۔ لیکن اگر واجب نہ تھی تو حضورؐ نے یہ ان کی دلجوئی کے لیے فرمایا ہو گا۔

۲۱۳۸ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ وَكَانَ يَقْسِمُ لِكُلِّ امْرَاَةٍ مِّنْهُنَّ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا غَيْرَ اَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ عائشہ رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج میں قرعہ اندازی کرتے، پس جس کا نام نکلتا اسے ساتھ لیجاتے تھے۔ اور ہر عورت کے لیے اس کے دن اور رات کی باری مقرر فرماتے تھے مگر سودہ بنت زمعہ رضؓ نے اپنا دن عائشہ رضؓ کو بخش دیا تھا (بخاری، ابن ماجہ اور نسائی)۔

شرح: البدائع میں ہے کہ حالتِ سفر میں خاوند پر قسم واجب نہیں، وہ دن باری میں شمار نہیں ہوتے، اگر وہ کسی ایک بیوی کو سفر میں ساتھ لے جائے تو واپسی پہ دوسری یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ اب اتنے دن میرے ہاں رہو۔ کیونکہ سفر کے ایام گویا اس لحاظ سے ضائع ہیں۔ کیونکہ خاوند پہ کسی کو سفر میں ساتھ لے جانا ضروری نہیں، مگر افضل یہ ہے کہ ان میں قرعہ اندازی کرے۔ اس سے ازواج کی دلجوئی ہو گی اور ایک کی طرف جھکنے کا اعتراض نہ ہو گا۔ قرعہ اندازی محض فیصلے کی ایک استحبابی صورت ہے اس سے اظہارِ حق مطلوب نہیں ہوتا۔

بَابٌ ۳۹ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِطُ لَهَا دَارَهَا

بیوی کے ساتھ گھر کی شرط کرنے کا باب

۲۱۳۹ - حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ حَمَّادٍ اَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِي حَبِيْبٍ

عَنْ اَبِی الْخَیْرِ عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ اَحَقَّ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوَفُّوْا بِہٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِہِ الْفُرُوْجَ۔

عقبہ بن عامرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: جن شرطوں کا پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے وہ نکاح کی شرطیں ہیں جن کے ساتھ تم شرم گاہوں کو حلال کرتے ہو (بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

شرح: معاشرتی زندگی کے سکون پر انسان کے اطمینان و وقار کا اظہار ہے۔ معاشرتی زندگی کا سکون زوجین کے حقوق و فرائض کی بخوشی ادائیگی پر مبنی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے نکاح کی شروط کے ایفاء کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کا معاملہ بہت احتیاط پر مبنی ہے اور اس کا دروازہ بہت تنگ ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی سے بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے جو زندگی کے سکون و اطمینان کو غارت کر دیتا ہے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ نکاح کی شرطیں مختلف ہیں۔ بعض کی ادائیگی بالاتفاق ضروری ہے اور وہ وہی شرط ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ: فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ "یا معروف کے ساتھ روک رکھنا یا احسان کے ساتھ رخصت کر دینا" اور اس حدیث کا مطلب بعض نے یہی بتایا ہے۔ بعض ایسی شرطیں ہیں جنہیں اتفاقاً پورا نہیں کیا جاتا مثلاً یہ کہ بیوی یہ مطالبہ کرے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دو۔ اور بعض شرطیں وہ ہیں جن میں اختلاف ہوا ہے، مثلاً یہ شرط کہ اس پر کسی اور سے نکاح نہ کرے گا یا کوئی لونڈی نہ رکھے گا، یا یہ کہ بیوی کو اُس کے پہلے گھر سے دوسرے گھر میں منتقل نہ کرے گا۔

ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ صحابہ میں بعض اہل علم مثلاً حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے کہ جب آدمی کسی عورت سے شادی کرے اور شرط رکھے کہ اسے اس کے گھر سے باہر نہ لے جائے گا تو یہ شرط لازم ہو گئی۔ شافعیؒ احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ ترمذی نے یونہی کہا ہے مگر ترمذی کا امام شافعی کے متعلق یہ نقل کرنا عجیب ہے۔ بلکہ شافعیہ کے نزدیک اس حدیث سے وہ شروط مراد نہیں جو تقاضائے نکاح کے خلاف ہیں۔ بلکہ وہ شروط مراد ہیں جو نکاح کے مقتضیات سے ہیں اور اس کے مقاصد میں داخل ہیں مثلاً معاشرت بالمعروف کی شرط لگانا اور نفقہ اور لباس اور سکونت اور یہ کہ وہ اس کے حق میں مثلاً باری وغیرہ میں کمی نہ کرے گا۔ یا یہ کہ مثلاً مرد یہ شرط لگائے کہ تو میرے اذن کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی، میری فرمانبردار ہو گی اور میرے ساز و سامان میں میری اجازت کے بغیر تصرف نہ کرے گی۔ لیکن جو شرط مقتضائے نکاح کے خلاف ہے مثلاً یہ کہ میں اس کی باری مقرر نہیں کروں گا یا یہ کہ میں اس کے بعد کوئی لونڈی نہ رکھوں گا یا یہ کہ میں اسے نان و نفقہ نہ دوں گا، یہ شرط پوری کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ اگر نکاح کے عقد میں انہیں رکھا گیا تو لغو ہیں۔ اور نکاح مہر مثل کے وجوب کے ساتھ صحیح ہو گیا اور ایک صورت میں مہر مسمّٰی واجب ہو گا اور اس شرط کا کوئی اثر نہیں۔ اور شافعی کے نزدیک نکاح باطل ہوا۔ احمد اور ایک جماعت نے کہا کہ شرط جو بھی ہو گئی اس کا ایفاء واجب ہے۔ حافظ نے کہا کہ عقبہؓ کی حدیث کو ندب و استحباب پر محمول کرنے کی دلیل بریرہؓ کے قصے میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ: جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ

باطل ہے۔ اور یہ حدیث کہ: مسلمان اپنی شرطوں پر عمل کریں گے سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرے، اور یہ حدیث کہ: مسلمان پر اس شرط کو پورا کریں گے جو حق کے موافق ہو۔ طبرانی نے معجم صغیر میں سند حسن کے ساتھ جابرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے براءؓ بن مصرور کی بیٹی ام مبشر کو پیغام نکاح دیا تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے خاوند کے لیے یہ شرط کی ہے کہ اس کے بعد نکاح نہ کروں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ شرط نامناسب ہے۔ ترمذی نے کہا کہ علیؓ کا قول ہے: اللہ کی شرط اس کی شرط پر سبقت لے گئی ہے۔ ترمذی نے کہا کہ یہی ثوری اور بعض اہل کوفہ کا قول ہے۔ اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایات متضاد ہیں۔

بَابٌ فِي حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ

بیوی پر خاوند کے حق کا باب

۲۱۴۰ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ انا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ أَنْ يُسْجَدَ لَهُ قَالَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنِّي أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِي أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا لَوْ كُنْتُ آمِرُ أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ۔

قیس بن سعدؓ نے کہا کہ میں حیرہ میں گیا تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ایک سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ پس میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ قیسؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں حیرہ میں گیا تھا اور انہیں اپنے مرزبان کو سجدہ کرتے دیکھا تھا۔ یارسول اللہ آپ تو اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ حضورؐ نے فرمایا: اگر تو میری قبر کے پاس گزرے تو کیا اسے سجدہ کرے گا؟ قیسؓ کہتا ہے کہ میں نے کہا نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: پس مجھے سجدہ مت کرو اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ نے ان پر خاوندوں کا بڑا حق رکھا ہے۔

ترمذی عن ابی ہریرہؓ، مسند احمد عن معاذ بن جبل ابن ماجہ، النسائی عن انسؓ احمد عن قیس بن سعدؓ

شرح: یہ مضمون کئی احادیث میں وارد ہے۔ ترمذی نے حدیث ابی ہریرہؓ کی روایت کے بعد کہا ہے کہ اس باب

میں معاذ رضؓ، سراقہ رضؓ، عائشہ رضؓ، ابن عباس رضؓ، ابن ابی اوفی رضؓ، طلق بن علی رضؓ، ام سلمہ رضؓ، انس رضؓ اور ابن عمر رضؓ سے روایات موجود ہیں۔ ابن ابی اوفی رضؓ کی حدیث جو مسند میں ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ معاذ رضؓ جب شام سے آیا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا: اے معاذ یہ کیا؟ اس نے کہا کہ میں شام میں گیا تھا اور ان لوگوں کو اپنے مذہبی پادریوں اور پیشواؤں کو سجدہ کرتے دیکھا تھا۔ میرا جی چاہا کہ ہم آپ ؐ کو سجدہ کیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کرو، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی کو اللہ کے سوا سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عورت اپنے خدا کا حق ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ اپنے خاوند کا حق ادا کرے۔ وہ اگر تنور پر ہو اور خاوند اس سے اس کے نفس کا مطالبہ کرے تو اسے نہ روکے۔ نسائی کی روایت جو انس رضؓ سے ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر کسی بشر کا سجدہ کسی بشر کے لیے صحیح ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے کیونکہ اس کا حق عورت پر بہت بڑا ہے۔

مرزبان نمبردار، چوہدری یا رئیس یا سردار کو کہتے ہیں۔ اصل لفظ فارسی ہے جس کا معنی ہے مرد شجاع۔ حضورؐ نے قیس رضؓ سے یہ جو فرمایا تھا کہ اگر تو میری قبر پر گزرے تو کیا سجدہ کرے گا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ فقط اس زندہ کے لیے ہے جس کے لیے موت نہیں یعنی اللہ وحدہٗ۔

۲۱۴۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الرَّازِيُّ نَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَلَمْ تَأْتِهِ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ.

ابوہریرہ رضؓ نے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر بلائے اور وہ نہ آئے اور وہ بحالت غضب رات گزار دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں (بخاری، مسلم اور نسائی) عورت جب حقوقِ زوجیت سے انکار کرتی ہے تو اس سے معاشرے میں خرابیاں پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ خاوند کا دل پھر جائے تو وہ جائز یا ناجائز ذرائع سے اپنی تسکین چاہے گا اور گھریلو امن برباد ہو جائے گا۔ بعض دفعہ ایک ذرا سی بات بڑھ کر تفریق و طلاق کا باعث بن جاتی ہے۔ فرشتوں کی لعنت کا یہی راز ہے کہ انہیں فتنہ و فساد اور خونریزی سے شدید نفرت ہے اور عورت کا یہ فعل اس کا سبب بن سکتا ہے۔

بَابٌ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا

عورت کے حق کا باب بذمہ خاوند

۲۱۴۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ أَنَا أَبُو قَزَعَةَ الْبَاهِلِيُّ

عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ تُطْعِمُهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ .

معاویہ بن حیدہ قشیری نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ فرمایا کہ جب تو کھائے تو اسے کھلائے اور جب پہنے تو اسے پہنائے، یا یہ کہ جب تو کمائے تو اسے پہنائے اور چہرے پر ضرب نہ لگائے اور اسے گالیاں نہ دے اور اس سے قطع تعلق نہ کرے مگر گھر میں۔ ابو داؤد نے کہا کہ لا تقبح کا معنیٰ یہ ہے کہ تو اسے برا بھلا نہ کہے، بد کلامی نہ کرے۔ (ابن ماجہ اور نسائی)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں عورت کے نان و نفقہ اور لباس کا ذکر ہے مگر اس کی کوئی مقرر حد نہیں ہے۔ وہ معروف کے مطابق ہے (یعنی جیسا وقت کا بھلا رواج ہو) اور خاوند کی وسعت کے مطابق۔ حضور ص نے اسے عورت کا حق لازم فرمایا ہے پس خاوند موجود ہو تب بھی یہ اس کا حق ہے اور سفر وغیرہ پر ہو تب بھی۔ اگر اس کے پاس نہ ہو تو دوسرے واجب حقوق کی مانند یہ اس کے ذمہ فرض ہو گا۔ قاضی نے اگر اس کے لیے غیر حاضری کے دنوں کے لیے مقرر کیا ہو یا نہ کیا۔ منہ پر مارنے کی ممانعت سے بطور دلالۃ یہ نکلتا ہے کہ چہرے کے علاوہ تادیبًا مارنا جائز ہے بشرطیکہ عضو کا نقصان نہ ہو۔ حضور ص نے چہرے پر مارنے سے عام حکم کے طور پر روکا ہے، آدمی کا چہرہ ہو یا حیوان کا۔ لا تہجرہا کا مطلب یہ ہے کہ اگر شرعی مصلحت ہو تو عورت کو گھر میں رہتے ہوئے اس کا بستر الگ کیا جا سکتا ہے مگر خود کسی اور جگہ جا رہنا یا اسے بھیج دینا جائز نہیں۔ چہرا اشرف الاعضاء ہے اور اس میں سر، ناک، کان، آنکھیں، زبان جیسے اعضائے رئیسہ ہیں۔ یہ حدیث قرآن کی اس آیت کی وضاحت کرتی ہے جس میں فرمایا ہے۔ فَاضْرِبُوهُنَّ ۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ عورت کو چار اسباب پر پیٹا جا سکتا ہے۔ ایک ترک زینت ہے، یعنی جب مرد زینت چاہے تو وہ ترک زینت کرے۔ دوسرا ترک جماع ہے، یعنی جب خاوند بلائے تو انکار کرے بشرطیکہ پاکیزگی کی حالت میں ہو۔ تیسرا بعض روایات میں ترک صلوٰۃ پر، جنابت کے غسل کے ترک پر اور حیض سے پاکیزگی پر ترک غسل پر کیونکہ یہ بھی ترک صلوٰۃ کی مانند ہے۔ چوتھے خاوند کے گھر سے اس کے اذن کے بغیر نکل جانا۔

۲۱۴۳ ۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ نَا يَحْيَى نَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ نِسَاؤُنَا مَا نَأْتِي مِنْهُنَّ وَمَا نَذَرُ قَالَ ائْتِ حَرْثَكَ أَنَّى شِئْتَ وَأَطْعِمْهَا إِذَا طَعِمْتَ وَاكْسُهَا إِذَا اكْتَسَبْتَ وَلَا تُقَبِّحِ الْوَجْهَ وَلَا تَضْرِبْ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى شُعْبَةُ تُطْعِمُهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا

اِذَا اكْتَسَيْتَ ۔

بہز بن حکیم نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے میرے دادا کی طرف سے (معاویہ رضی اللہ عنہ بن حیدہ) حدیث سنائی کہ اس نے کہا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم عورتوں کے کس مقام کو اختیار کریں اور کس کو ترک کریں؟ فرمایا: اپنی کھیتی میں جاؤ جس طرح چاہو۔ اور جب کھاؤ تو اسے کھلاؤ، جب پہنو تو اسے پہناؤ اور چہرہ مت بگاڑو اور ضرب مت لگاؤ (نسائی، ابن ابی شیبہ، مسند احمد، ابوداؤد نے کہا کہ شعبہ نے روایت کی: جب تو کھائے تو اسے کھلائے اور جب پہنے تو اسے پہنائے۔ (شعبہ کی روایت ابن ابی شیبہ میں ہے)

۲۱۴۴ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ الْمُهَلَّبِيُّ النَّيْسَابُورِيُّ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَزِيْنٍ نَا سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنْ دَاوُدَ الْوَرَّاقِ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقُلْتُ مَا تَقُوْلُ فِيْ نِسَآءِنَا قَالَ اَطْعِمُوْهُنَّ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاكْسُوْهُنَّ مِمَّا تَكْتَسُوْنَ وَلَا تَضْرِبُوْهُنَّ وَلَا تُقَبِّحُوْهُنَّ ۔

معاویۃ القشیری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا کہ میں نے کہا: آپ ہماری عورتوں کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: جو خود کھاؤ وہ انہیں کھلاؤ اور خود پہنو وہ انہیں پہناؤ اور انہیں مت پیٹو اور مت گالیاں دو (نسائی)

بَابٌ ۴۲ فِيْ ضَرْبِ النِّسَآءِ

عورتوں کو پیٹنے کا باب

۲۱۴۵ - حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اَبِيْ حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنْ خِفْتُمْ نُشُوْزَهُنَّ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ قَالَ حَمَّادٌ يَعْنِيْ النِّكَاحَ ۔

ابو حرہ رقاشی نے اپنے چچا (عمر بن حمزہ رضی اللہ عنہ یا خذیم بن حنیفہ) سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں عورتوں کے نشوز (اعراض، بے پرواہی، نافرمانی) کا خطرہ ہو تو انہیں بستروں سے الگ کر دو۔ حماد نے کہا کہ یعنی جماع ترک کر دو۔ (مسند احمد میں یہ حدیث بہت طویل ہے لیکن اس میں حماد کی تفسیر مذکور نہیں ہے)

۲۱۴۶ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي خَلَفٍ وَأَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ قَالَا نَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ ابْنُ السَّرْحِ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ إِيَاسِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللهِ فَجَاءَ عُمَرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ فَرَخَّصَ فِي ضَرْبِهِنَّ فَأَطَافَ بِآلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أُولَئِكَ بِخِيَارِكُمْ۔

ایاس رضؓ بن عبداللہ بن ابی ذُباب (جس کی صحابیت میں اختلاف ہے) نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو مت پیٹو۔ پھر عمر رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کہا: عورتیں اپنے خاوندوں پہ جری ہوگئی ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیٹنے کی رخصت دی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کا شکوہ لے کر آئیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت سی عورتیں آلِ محمد (حضورؐ کی ازواج رضؓ) کے ہاں آئی ہیں جو اپنے خاوندوں کا شکوہ کرتی ہیں۔ وہ مرد تمہارے اچھے لوگ نہیں ہیں (ابن ماجہ، بخاری تاریخ کبیر، لیکن بخاری نے ایاس کے صحابی ہونے سے انکار کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد ابو حاتم اور ابو زرعہ کے حوالے سے بتایا کہ ایاسؓ صحابی تھے۔

شرح: مولاناؒ نے شرح السنۃ سے نقل کیا ہے کہ عورت اگر حقوقِ نکاح کی ادائیگی سے گریز کرے تو اسے معمولی ہلکی مار مارنا جائز ہے۔ احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول آیت: فَاضْرِبُوهُنَّ الخ کے نزول سے قبل مارنے سے روکا تھا۔ پھر جب عورتیں جری اور خود سر ہوگئیں تو آپؐ نے اجازت دے دی اور قرآن اسی کے موافق نازل ہوگیا۔ پھر جب مار پیٹ میں مبالغہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ تحمل تو بہر حال بہتر ہے اور ان کی خود سری اور بد خلقی کو مشہور نہ کیا جائے اور ترکِ ضرب افضل و اجمل ہے۔ امام شافعیؒ سے اسی قسم کے الفاظ منقول ہیں۔

۲۱۴۷ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَوْدِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُسْلِيِّ عَنِ الْأَشْعَثِ ابْنِ قَيْسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُسْأَلُ

الرَّجُلُ فِيمَا ضَرَبَ امْرَأَتَهُ ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: آدمی سے یہ نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو کیوں پیٹا (ابن ماجہ اور نسائی) ضرب سے مراد وہی ضرب خفیف ہے اور مرد کو چونکہ عورت کے نشوز کی صورت میں ہی پیٹنے کی اجازت دی گئی ہے لہذا اگر وہ پیٹے گا (بشرطیکہ حدود شرع کے اندر رہو) تو اس سے پوچھا نہ جائے ورنہ عورت کی رسوائی ہو گی۔

بَابٌ ۴۳ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنْ غَضِّ الْبَصَرِ

باب غض بصر کے حکم کے بیان میں

۲۱۴۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ جَرِيرٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظْرَةِ الْفَجْأَةِ فَقَالَ اصْرِفْ بَصَرَكَ ۔

جریر رضؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نگاہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ نگاہ پھیر لو (مسلم، ترمذی، احمد، نسائی)

شرح: خطابی نے فرمایا کہ ایک روایت میں اَطْرِقْ بَصَرَكَ بھی آیا ہے جس کا معنیٰ ہے کہ: اپنی آنکھ جھکا لو۔ مطلب یہ ہے کہ اچانک نظر تو معاف ہے مگر دوسری نظر مت ڈالو کیونکہ وہ نظر قصداً ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں جھکائیں قاضی عیاض نے کہا کہ اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ عورتوں کے لیے چہرہ چھپانا ایک پسندیدہ سنت تو ضرور ہے مگر فرض نہیں ہے ورنہ غض بصر کے حکم کا کیا معنیٰ ہو سکتا ہے؟ میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ اس مسئلے پر گفتگو کی گنجائش موجود ہے جس کا مقام یہ نہیں ہے۔

۲۱۴۹ - حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ أَنَا شَرِيكٌ عَنْ أَبِي رَبِيعَةَ الْإِيَادِيِّ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ ۔

بریدہ رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضؓ سے فرمایا: ایک نظر کے بعد دوسری نظر مت ڈالو کیونکہ پہلی تو تمہیں معاف ہے مگر دوسری جائز نہیں (ترمذی)

شرح: خطابی نے کہا ہے پہلی نظر کا جواز اسی وقت ہے جبکہ وہ اچانک (جیسا کہ اوپر کی حدیث میں آیا ہے) دوسری

نظر کا جواز نہیں خواہ از سر نو ہو یا پہلی نظر کا دوام ہو۔ جب نظر ہٹالی جائے گی تو یہ کام باعث اجر ہو گا اسی چیز کو نکتے کے لفظ سے بیان فرمایا ہے۔

۲۱۵۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُبَاشِرُ الْمَرْاَۃُ الْمَرْاَۃَ لِتَنْعَتَھَا لِزَوْجِھَا کَاَنَّمَا یَنْظُرُ اِلَیْھَا۔

ابن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عورت دوسری عورت سے اس غرض سے مباشرت نہ کرے کہ اسے اپنے خاوند سے یوں بیان کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے (بخاری، ترمذی، احمد، نسائی شاید سنن کبریٰ میں)

شرح: مباشرت کا لفظ بشیرہ سے نکلا ہے جس کا معنی ہے انسان کا عریاں جسم۔ یہاں پر اس سے مراد ہے: لمس اور مخالطت وغیرہ۔ طیبی نے کہا ہے اس حدیث میں عورتوں کے باہم ایک دوسری کے مستور جسم کو دیکھنے یا مس کرنے کی مخالفت ہے۔

۲۱۵۱۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ نَا ھِشَامٌ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی امْرَاَۃً فَدَخَلَ عَلٰی زَیْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقَضٰی حَاجَتَہٗ مِنْھَا ثُمَّ خَرَجَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ فَقَالَ لَھُمْ اِنَّ الْمَرْاَۃَ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِکَ فَلْیَاْتِ اَھْلَہٗ فَاِنَّہٗ یُضْمِرُ مَا فِیْ نَفْسِہٖ۔

جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت دیکھی تو آپ زینبؓ بنت جحش کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے ملاقات کی، پھر اپنے اصحاب کی طرف نکلے تو فرمایا کہ عورت ایک شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے، پس جو اس چیز کو پائے وہ اپنے اہل کے پاس جائے کیونکہ جماع اس کے خیال کو کمزور کر دیتا ہے (مسلم، ترمذی، نسائی)

شرح: ابن مسعودؓ کی روایت میں زینبؓ کے بجائے سودہؓ کا ذکر ہے۔ حضور ؐ کی یہ نظر اچانک تھی۔ مسلم اور ترمذی کی روایت میں حضرت زینبؓ کا ذکر ہے۔ دارمی کی ابن مسعودؓ کی روایت میں شاید کسی راوی کو وہم ہوا ہے۔ اور اس نے سودہؓ کا ذکر کر دیا فی صورۃ شیطان اس لیے فرمایا کہ عورت کو دیکھنا باعث فساد ہے اور فساد شیطانی کام ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے مگر انسانی عوارض تو آپ ؐ میں بھی تھے، علاوہ ازیں ہر بات میں امت کے لیے ایک نمونہ پیش کرنا مدنظر تھا۔ صحیح مسلم میں یہی حدیث جابرؓ سے مروی ہے اور اس کے باب

کا عنوان یوں ہے: باب من رائی امرأۃً فوقعت فی نفسہ الی ان یأتی امرأتہ او جاریتہ فیوا قعہا
اس کے تحت میں حدیث جابرؓ کی شرح میں حضرت الاستاذ شیخ الاسلام عثمانیؒ نے نووی رح سے نقل کیا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ کام لوگوں کے ارشاد و ہدایت کیلئے کیا تھا تاکہ اگر اس قسم کی صورت پیش آئے تو وہ یوں کریں۔ قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب المعنیٰ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو کچھ گزرا اور آپ نے جو کچھ کیا وہ ایک خفیہ چیز تھی جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا، مگر حضورؐ نے تعلیم کی خاطر اس کی اشاعت کر دی۔ اور حضورؐ کے دل میں جو اس عورت کو دیکھ کر خیال گزرا اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوسکتا نہ اس سے آپ قدر و منزلت کم ہوتی ہے کیونکہ یہ انسانی جبلت کا معاملہ ہے۔ (آخر آدمی دو چہرے دیکھتا ہے ایک حسین و جمیل اور دوسرا قبیح، تو پہلے کا حسن اور دوسرے کا قبح جو اس کے دل میں آتا ہے یہ انسانی فطرت میں داخل ہے) حضورؐ بباعث عصمت اس جبلت پر غالب تھے مگر جبلت کی نفی تو نہیں ہوتی تھی۔ اس حالت میں گھر تشریف لانا اور بیوی سے ملنا انسانی جائز خواہش کے تقاضے سے ہوا۔ حضرت الاستاذؒ نے فرمایا کہ حضورؐ کا میلان اس عورت کو دیکھ کر اس کی شخصیت کی طرف نہیں ہوا تھا ورنہ یہ آپ نے اصحاب سے فرمایا تھا بلکہ اسے دیکھ کر جنس نساء کی طرف خیال گیا تو گھر داخل ہوئے۔ فرمایا اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حضورؐ نے اصحاب کو یہ بتایا ہو کہ آج یہ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ پوری حدیث جو ترمذی میں ہے اس میں یہ لفظ بھی ہیں کہ اگر کسی کے ساتھ یہ پیش آئے تو وہ اپنے گھر جائے اور گھر والوں سے ملے کیونکہ اپنی بیوی کے پاس بھی وہ کچھ موجود ہے جو کسی اور عورت کے پاس ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ان الفاظ نے مطلع صاف کر دیا اور واضح ہو گیا کہ حضورؐ کا خیال کسی غیر عورت کی طرف نہیں گیا بلکہ ایک فوری اچانک واقعہ کی بناء پر عورت کی جنس کی طرف گیا اور آپ اپنے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس میں ان نام نہاد صوفیوں کا رد ہے جو شہوت کا قلع قمع کرنے کے درپے ہیں اور کہتے ہیں کہ عورت اور دیوار برابر ہو جائے، حالانکہ دین میں رہبانیت نہیں ہے (فتح الملہم ۳۶۸)

۲۱۵۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ نَا ابْنُ ثَوْرٍ عَنْ مَعْمَرٍ أَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مُحَالَةَ فَزِنَا الْعَيْنَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَيُكَذِّبُهُ۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ میں نے کوئی چیز لمم کے ساتھ اس سے زیادہ مشابہ نہیں دیکھی جو ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ پاکر ہی رہتا ہے۔ پس آنکھوں کا زنا نظر ہے، زبان کا زنا گفتگو ہے اور نفس میں تمنا اور خواہش ہوتی ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے (بخاری، مسلم اور نسائی)

شرح: علامہ خطابی نے کہا ہے کہ لمم سے مراد صغیرہ گناہ ہیں اور سورۂ نجم کی آیت ۳۲ کا یہی مطلب ہے: اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ۔ اس آیت میں کبائر و فواحش کے مقابلے میں لمم کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ وہ گناہ ہیں جن سے وہی بچے گا جسے اللہ کی عصمت یا حفاظت حاصل ہو۔ نظر اور قول کو مقدمات زنا ہونے کے باعث زنا کا نام دیا گیا کیونکہ آنکھ قاصد ہے، زبان خاطب ہے اور شرم گاہ زنا کی مصدق اور بالفعل اسے ثابت کرنے والی ہے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان ذنوب کے بارے میں جہنم کی دھمکی موجود ہے جو انہیں صغائر سے نکالکر کبائر میں پہنچاتی ہے مگر نصوص موجود ہیں کہ کبائر کی یہ ایک ایسی قسم ہے جن کی مغفرت دوسری حسنات مثلاً نماز وغیرہ کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ بعض احادیث میں نظر بازی کی سزا یہ مذکور ہے کہ آنکھوں میں جلتا ہوا چونا ڈالا جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ صغائر مشہور کبائر کے مقابلے میں بہرحال صغائر ہی ہیں۔ دراصل جس طرح کفر دون کفر اور شرک دون شرک کا قاعدہ ہے کہ بعض چیزیں کفر و شرک ہونے کے باوجود بعض اور چیزوں کی نسبت سے بہر صورت کمتر اور ہلکی ہوتی ہیں اس طرح کبائر کا حال بھی ہے کہ بعض بہت ہی بڑے ہیں مثلاً جن کے لیے اکبر الکبائر فرمایا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جو حسنات کے باعث ساتھ ہی ساتھ معاف ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو بغیر توبہ یا رحمت خداوندی کے معاف نہیں ہوتے۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ: شرم گاہ اس کی تصدیق و تکذیب کرتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ جب انتہا کو جا پہنچے تو آنکھ کی دیدہ بازی اور زبان کے چٹخارے کی عملاً تصدیق یا تکذیب ہوتی ہے۔ ورنہ اگر کوئی ناگہانی رکاوٹ آ جائے مگر انسان کا دل بہرحال یہی چاہتا ہو کہ میں اس گناہ کو ضرور کر گزروں تو عند اللہ اس کا ارتکاب ہو چکا، اگر بالفعل نہیں ہوا تو کوئی رکاوٹ آ گئی تھی۔ اور اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۱۵۳۔ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمٰعِیْلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ سُهَیْلِ بْنِ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِکُلِّ ابْنِ اٰدَمَ حَظُّهٗ مِنَ الزِّنَا بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَالْیَدَانِ تَزْنِیَانِ فَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلَانِ تَزْنِیَانِ فَزِنَاهُمَا الْمَشْیُ وَالْفَمُ یَزْنِیْ فَزِنَاهُ الْقُبَلُ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم کے ہر بیٹے کے لیے اس کے زنا کا حصہ ہے الخ یہی قصہ جو گزرا۔ پس ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا دست درازی، ہاتھ ڈالنا ہے اور پاؤں زنا کرتے ہیں پس ان کا زنا چل کر جانا ہے اور منہ زنا کرتا ہے اور اس کا زنا بوسہ بازی ہے (مسلم میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

۲۱۵۴۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ نَا اللَّیْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَکِیْمٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ

قَالَ وَالْاُذُنُ زِنَاهَا الْاِسْتِمَاعُ ۔
ابوہریرہ رضؓ اسی قصے کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہیں، اس میں یہ بھی فرمایا کہ کانوں کا زنا سننا ہے (یعنی اجنبی عورت کی آواز کو شہوت و تلذذ کے ساتھ سُننا کان کا زنا ہے) اس لفظ کا اضافہ اسی اوپر کی حدیث سے متعلق ہے

بَابٌ ۴۴ فِي وَطْيِ السَّبَايَا

لونڈیوں کی وطی کا باب

۲۱۵۵ ۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ نَا يَزِيْدُ ابْنُ زُرَيْعٍ نَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ صَالِحٍ اَبِي الْخَلِيْلِ عَنْ اَبِي عَلْقَمَةَ الْهَاشِمِيِّ عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ يَوْمَ حُنَيْنٍ بَعْثًا اِلٰى اَوْطَاسٍ فَلَقُوْا عَدُوًّا هُمْ فَقَاتَلُوْهُمْ فَظَهَرُوْا عَلَيْهِمْ وَاَصَابُوْا لَهُمْ سَبَايَا فَكَانَ اُنَاسًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّجُوْا مِنْ غِشْيَانِهِنَّ مِنْ اَجْلِ اَزْوَاجِهِنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَاَنْزَلَ اللهُ فِيْ ذٰلِكَ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اَيْ فَهُنَّ لَهُمْ حَلَالٌ اِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ ۔

ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حنین میں ایک لشکر اوطاس کی طرف بھیجا ۔ انہوں نے دشمن کا مقابلہ کیا، ان سے لڑے اور فتح پائی اور کچھ قیدی عورتیں گرفتار کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اصحاب اس بناء پر ان لونڈیوں سے مقاربت گناہ سمجھے کہ ان کے مشرک خاوند موجود تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ الخ یعنی وہ ان کے لیے حلال ہیں جبکہ ان کی عدت گزر جائے (مسلم، ترمذی، نسائی)

شرح: یہ آیت سورۂ نساء کی ۲۴ ویں آیت ہے۔ معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ محصنات کا معنیٰ ہے متزوجات ۔ اور اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ مشرک زوجین یا ان میں سے ایک جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں تو ان میں فرقت واقع ہو جاتی ہے۔ شافعی اور ابو ثور اور مالک کا مذہب یہی ہے اور ان کا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو تقسیم کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ حاملہ عورت جب تک بچہ نہ جنے اور حائضہ جب تک پاک نہ ہو اس سے وطی نہ کی جائے، اور یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ خاوند والی تھیں یا نہیں یا آیا ان کے ساتھ ان کے خاوند بھی گرفتار ہوئے تھے یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس باب کا حکم ایک ہی تھا۔ اور ابو حنیفہ نے کہا کہ جب مشرک یا کافر زوجین قید ہو جائیں تو ان کا پہلا نکاح برقرار ہے۔ اوزاعی نے کہا کہ جو زوجین مالِ غنیمت کی تقسیم میں آ جائیں ان کا نکاح قائم ہے۔ اگر کوئی شخص ان دونوں کو خرید لے اور دونوں کو بیوی خاوند کی حیثیت سے جمع کر دے تو جائز ہو گا۔ اور اگر چاہے تو ان میں تفریق کر دے اور ایک حیض آ جانے پر اس عورت کو اپنی لونڈی بنا لے۔ خطابی نے کہا کہ اس حدیث کا لفظ: اِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ، اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہلِ شرک کے

باہمی نکاح معتبر ہیں ورنہ عدت کا کوئی معنی نہ تھا ہاں ان کی عدت مختلف ہے یعنی فقط ایک حیض) اور ابن عباس رضی نے اس آیت کے معنی میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص لونڈی خریدے اور اس کا خاوند بھی موجود تھا تو اس کی بیع ہی اس کی طلاق ہے اور خریدار اسے اپنے لیے رکھ سکتا ہے، مگر یہ قول عام علماء کے قول کے خلاف ہے اور اس قول کے خلاف بریرہ رضہ کی حدیث دلیل ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ لونڈی جب فروخت ہو جائے اور اس کا کوئی مسلم خاوند ہو تو ابن عباس رضی کے سوا کوئی بھی اس کے نکاح کے فسخ کا قائل نہیں ہے اور قیدی کافر و مشرک عورت جو اہل کتاب میں سے نہ ہو اس کے ساتھ محض ملکیت کی بنا پر وطی کرنا علماء کے نزدیک جائز نہیں جب تک کہ وہ اسلام نہ لائے۔ نووی نے کہا اس مسئلہ میں حنفی اور شافعی فقہاء کا مسلک یہی ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ قید ہونے والی مشرک عورتیں (کیونکہ وہ بت پرستوں کی عورتیں تھیں) مسلم ہو گئی تھیں پھر بھی چونکہ متزوجات تھیں لہذا لوگوں نے ان سے وطی کرنا جائز نہ جانا تھا۔ واللہ اعلم۔

۲۱۵۶ - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا مِسْكِيْنٌ نَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ خُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ غَزْوَةٍ فَرَاٰى امْرَاَةً مُجِحًّا فَقَالَ لَعَلَّ صَاحِبَهَا اَلَمَّ بِهَا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَلْعَنَهٗ لَعْنَةً تَدْخُلُ مَعَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ كَيْفَ يُوَرِّثُهٗ وَلَا يَحِلُّ لَهٗ وَكَيْفَ يَسْتَخْدِمُهٗ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهٗ۔

ابو الدرداء رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تھے۔ آپ نے ایک حاملہ عورت دیکھی جس کا وضع حمل قریب تھا، فرمایا: شاید اس کے مالک نے اس سے وطی کی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ اس کی قبر میں جائے۔ وہ اس بچے کا وارث کیسے بنے گا جبکہ وہ اس کے لیے حلال نہیں اور وہ اس سے کیوں خدمت لے گا جبکہ وہ اس کے لیے حلال نہیں (صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث مروی ہے)

شرح: لونڈی کے ساتھ جن شرائط سے وطی جائز ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک حیض اسے آ جائے جسے استبراء کہتے ہیں۔ چونکہ اُس شخص نے اس فریضے کو ترک کیا تھا لہذا حضور صنے یہ شدید الفاظ استعمال فرمائے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص استبراء کے بغیر لونڈی سے مقاربت کرے اور اس کے ہاں چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو جائے تو ممکن ہے کہ وہ اسی کا ہو کیونکہ حمل کی کم از کم مدت یہی ہے۔ بعض دفعہ کسی بیماری مثلاً نفخ وغیرہ کے عورت کا پیٹ پھول جاتا ہے اور حمل کا شبہ ہوتا ہے۔ پھر وہ بیماری جاتی رہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حمل نہ تھا۔ اب ایسی حالت میں اگر کوئی وطی کرے تو لونڈی کے حاملہ ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ وہ

حمل واقعی حمل ہو اور بچہ پہلے مشرک خاوند کا ہو، اور جب وہ اس دوسرے شخص کا نہیں تو وہ اسے کیسے وارث قرار دے سکتا ہے۔ اور اگر فرض کرو کہ یہ بچہ اسی کا ہے اور وہ شخص پہلے کا سمجھ کر اسے غلام سمجھے اور اس سے غلاموں کی مانند خدمت لے تو یہ بھی جائز نہیں۔ غرض کسی صورت میں بھی یہ اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ یہ حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے کہ حاملہ لونڈی سے وضع حمل تک اور غیر حاملہ سے ایک حیض آئے بغیر وطی جائز نہیں ہے۔ شوکانی نے کہا کہ یہی مذہب شافعی، حنفی، ثوری، مالکی اور عترت کے علماء کا ہے اور ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے۔

۲۱۵۷ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ اَنَا شَرِيكٌ عَنْ قَيْسِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ اَبِي الْوَدَّاكِ عَنْ اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَرَفَعَهُ اَنَّهُ قَالَ فِي سَبَايَا اَوْطَاسٍ لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتّٰى تَضَعَ وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتّٰى تَحِيضَ حَيْضَةً۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے مرفوع حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی قیدی عورتوں کے متعلق فرمایا: کسی حاملہ عورت کے ساتھ وضع حمل تک وطی نہ کی جائے اور غیر حاملہ کے ساتھ جب تک اسے ایک حیض نہ آ جائے وطی نہ کی جائے۔

شرح: خطابی نے کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قید ہو جانا (یعنی جنگ میں کافر عورت کا مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو جانا) پہلے ملک کو توڑ دیتا ہے اور نکاح کو فسخ کر دیتا ہے (اس میں کچھ اختلاف ہے جس کا ذکر اوپر گزرا) اور لونڈی جب نئے ملک میں جائے تو استبراء واجب ہے۔ پس ثیب ہو یا کنواری جب تک ایک حیض آ نہ جائے اس سے وطی نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں وہ مکاتب عورت بھی داخل ہے جو بدل کتابت دینے سے عاجز ہو جائے اور پہلے مطلق ملک میں واپس آ جائے۔ اسی طرح بیع کے بعد اگر بیع کا اقالہ ہو جائے اور لونڈی پہلے ملک میں آ جائے۔ چاہے وہ لونڈی کسی سے خریدی ہوئی تھی یا کسی کی بیوی تھی۔ اور یہ قول کہ: حَتّٰى تَحِيضَ اس سے ثابت ہوا کہ جب وہ ملک میں ہی حالت حیض میں آئے تو وہ حیض استبراء شمار نہ ہوگا بلکہ اس کا استبراء آئندہ حیض سے ہوگا۔ اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ حاملہ کو جو خون آئے وہ حیض نہیں ہوتا اور اس کا حکم صلاۃ وصوم میں حیض کا نہیں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حیض کے خون کو رحم کے استبراء یعنی صفائی کا سبب قرار دیا گیا ہے اب اگر یہ مانا جائے کہ حاملہ کو حیض آ سکتا ہے تو استبراء میں اس کی دلالت باقی رہے گی، یعنی ایک حیض کے ساتھ استبراء کے سبب سے بھی حمل کا امکان ماننا پڑے گا۔ اور جو فرق اس حدیث میں آیا ہے اس کا کوئی معنی نہ رہیگا حنفی فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ مگر امام شافعی نے کہا کہ حاملہ کو خون حیض آ سکتا ہے اور جب اسے حسب عادت خون آ جائے تو صلوٰۃ و صوم میں اس کا وہی حکم ہے جو عام حیض کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کی بناء پر شافعی نے بہت سے مسائل میں حنفی فقہاء سے اختلاف کیا ہے۔

٢١٥٨ - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي مَرْزُوقٍ عَنْ حَنَشٍ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَامَ فِينَا خَطِيبًا قَالَ أَمَا إِنِّي لَا أَقُولُ لَكُمْ إِلَّا مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَوْمَ حُنَيْنٍ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ يَعْنِي إِتْيَانَ الْحَبَالَى وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَبِيعَ مَغْنَمًا حَتّٰى يُقْسَمَ ۔

رویفع بن ثابت انصاری نے خطبہ دیا تو کہا کہ میں تمہیں وہی کچھ کہوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ غزوۂ حنین میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ: جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنا پانی غیر کی کھیتی کو پلائے۔ یعنی حاملہ لونڈیوں سے جماع نہ کیا جائے۔ اور خدا اور قیامت پر ایمان رکھنے والے کے لیے حلال نہیں کہ کسی لونڈی سے وطی کرے جب تک کہ استبراء نہ کرے۔ اور اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے کے لیے حلال نہیں کہ تقسیم سے قبل مالِ غنیمت کو فروخت کرے (ترمذی نے اسے روایت کر کے اسے حسن کہا ہے)

٢١٥٩ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ ابْنِ إِسْحٰقَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ حَتّٰى يَسْتَبْرِئَهَا بِحَيْضَةٍ زَادَ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَرْكَبْ دَابَّةً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتّٰى إِذَا أَعْجَفَهَا رَدَّهَا فِيهِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبَسْ ثَوْبًا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتّٰى إِذَا أَخْلَقَهُ رَدَّهُ فِيهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ الْحَيْضَةُ لَيْسَتْ بِمَحْفُوظَةٍ ۔

گزشتہ حدیث کی دُوسری روایت اس میں ابو معاویہ راوی نے: بحیضۃ کا لفظ بڑھایا، جو اس حدیث میں ابو معاویہؓ کا وہم ہے مگر ابو سعیدؓ کی حدیث میں صحیح ہے۔ اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے مسلمانوں کی فئی میں سے کوئی سواری لے کر اس پر سوار ہونا اور تھکا کر پھر واپس کر دینا جائز نہیں۔ اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ مسلمانوں کی فئی میں سے کوئی کپڑا نہ لے کر پہنے کر پرانا کر کے پھر اسے واپس کر دے گا۔
ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث میں الحیضۃ کا لفظ محفوظ نہیں اور ابو معاویہؒ کا وہم ہے۔ (ترمذی) مطلب یہ کہ جب تک مالِ غنیمت یا مالِ فئی تقسیم نہ ہو وہ کسی کی مِلک میں نہیں جاتا لہٰذا اس میں تصرّف جائز نہیں ہے۔

بَابٌ ۴۵ فِی جَامِعِ النِّکَاحِ

نکاح میں ایک جامع باب

۲۱۶۰ - حَدَّثَنَا عُثْمٰنُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَا نَا اَبُوْ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُکُمُ امْرَاَۃً اَوِ اشْتَرٰی خَادِمًا فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا جَبَلْتَھَا عَلَیْہِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَھَا عَلَیْہِ وَاِذَا اشْتَرٰی بَعِیْرًا فَلْیَاْخُذْ بِذُرْوَۃِ سَنَامِہٖ وَلْیَقُلْ مِثْلَ ذٰلِکَ قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ زَادَ اَبُوْ سَعِیْدٍ ثُمَّ لْیَاْخُذْ بِنَاصِیَتِھَا وَلْیَدْعُ بِالْبَرَکَۃِ فِی الْمَرْاَۃِ وَالْخَادِمِ۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی لونڈی غلام خریدے تو یہ دعا کرے۔ اے اللہ میں تجھ سے اس کی خیر طلب کرتا ہوں اور اس کے بہتر جبلی و فطری اخلاق مانگتا ہوں۔ اور تجھ سے اس کے شر سے اور اس کے بُرے جبلی و فطری اخلاق سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور جب کوئی اونٹ خریدے تو اس کی کوہان کی چوٹی پکڑ کر اس طرح کہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابوسعید (عبداللہ بن سعید راوی) نے یہ اضافہ کیا ہے کہ: اس کی پیشانی کے بال پکڑے اور برکت کی دعا کرے، عورت اور لونڈی کے بارے میں (ابن ماجہ اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے)

۲۱۶۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِیْسٰی نَا جَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ عَنْ کُرَیْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّاْتِیَ اَھْلَہٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ثُمَّ اِنْ قُدِّرَ اَنْ یَّکُوْنَ بَیْنَھُمَا وَلَدٌ فِیْ ذٰلِکَ لَمْ یَضُرَّہٗ شَیْطَانٌ اَبَدًا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے مقاربت کرنا چاہے

تو اگر یہ دعا کرے کہ: اللہ کے نام سے، اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور تو اولاد ہمیں عطا کرے اسے بھی شیطان سے بچا، تو اس جماع سے اگر بچہ ہونا مقدر ہے شیطان اسے کبھی ضرر نہ دے سکے گا (بخاری کئی مقامات پر، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، سنن کبریٰ نسائی، مسند احمد اور دارمی)

شرح: اس حدیث سے تو عدم ضرر کا عموم ثابت ہوتا ہے مگر حدیث صحیح میں یہ بھی ہے کہ بچہ پیدائش کے وقت جو روتا چلاّتا ہے وہ شیطان کے کچوکے سبب سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی ضرر کی ہی ایک نوع ہے۔ پس اس حدیث میں بیان شدہ ضرر سے یہ مراد لیا جائے گا کہ وہ بچہ شیطان کے تسلط سے محفوظ ہوگا: اِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کبھی معصیت کر ہی نہ سکے گا بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ اللہ کے تائب و عابد مومن بندوں میں سے ہوگا، بے دین یا خدا نخواستہ کافر و مرتد نہ ہوگا۔ بخاری سے منقول ہے کہ یہ دعا اگر عربی میں یاد نہ ہو تو کسی اور زبان میں بھی ہو سکتی ہے۔

۲۱۶۲۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ عَنْ وَكِيعٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُهَيْلِ ابْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ مُخَلَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملعون ہے وہ شخص جو عورت کی پچھلی طرف جماع کرے (ابن ماجہ، نسائی)

شرح: یہ حدیث اور اس باب میں وارد ہونے والی بہت سی احادیث فرداً فرداً اگرچہ ضعیف ہیں مگر ان کا مجموعہ ایک دوسری کی تقویت کرتا ہے۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں سے دُبر میں جماع کرنا حرام ہے۔ اس مضمون پر قرآن کی آیت: فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ بھی دلالت کرتی ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ حرث۔ کھیتی۔ سامنے کی طرف ہے نہ کہ پچھلی طرف۔ اور قرآن کہتا ہے: قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ "کہو کہ وہ ایک تکلیف دہ چیز ہے پس تم حالتِ حیض عورتوں سے الگ رہو"، گویا اللہ تعالیٰ نے حائضہ عورت سے وطی کو اذیٰ کی علت کے باعث حرام ٹھہرایا۔ اور وطی فی الدبر میں تو بہت سے مفاسد اور اذیت ناک تکالیف ہیں لہذا بطور دلالۃ النص اس آیت نے وطی فی الدبر کو حرام کیا ہے۔ شوکانی اور حافظ ابن حجر نے اس سلسلے میں امام شافعیؒ اور امام محمد بن الحسن کے ایک مناظرے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے الفاظ کی رکاکت اور مضمون کی ظاہری عریانی ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ اسے یہاں پر درج کریں۔ مولاناؒ نے سچ فرمایا کہ یہ قصہ ہی سرے سے غلط ہے۔ ایک عامی بھی وہ زبان استعمال نہیں کر سکتا جو اس قصے میں اُمت کے ان دو عظیم عالموں کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ جو لوگ اس سلسلے میں احادیث کو ضعیف کہہ کر زیادہ زور دیتے ہیں ان کی نہ صرف سخن فہمی بلکہ اعلیٰ ذوق بھی ظاہر ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اگر غیر مسلموں بالخصوص مستشرقین کی دشمنِ اسلام خبیث جماعت کے ہاتھ میں یہ ہتھیار دے دیا جائے تو معلوم

نہیں کتنے لوگوں کے دین و ایمان کو متزلزل کرنے کا ایک حربہ ان کے ہاتھ میں آجائے گا۔ حافظ ابن القیم نے اس فعل بد کے دینی و دنیوی مفاسد پر مشبع کلام کیا ہے۔ اس فعل کی خساست کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ روافض کے سوا اور کوئی مسلمان بھی اسے اپنی یا اپنے کسی رہنما کی طرف منسوب کرنے کو آمادہ نہیں۔ روافض کے نزدیک یہ فعل محض معمولی مکروہ ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ جو ایسا کرے وہ اپنی بیوی کو نطفے کا عوض دس دینار جرمانہ ادا کرے۔ اور یہ مسئلہ ان کے ان مسائل میں سے ہے جو شاذ ہیں۔ امام مہدی نے تمام عترت سے اور اکثر فقہاء سے اس کی حرمت نقل کی ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ شاید شافعی کا قول قدیم اس فعل کی حرمت کو اتنا شدید نہ جانتا ہو مگر قول جدید میں ان کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ فعل حرام ہے۔ ماوردی نے الحاوی میں اور ابونصر صباغ نے شامل میں اور ان کے علاوہ اور علماء نے ربیع سے نقل کیا ہے کہ واللہ ابن عبدالحکم نے جھوٹ کہا، شافعی نے سات کتابوں میں اس کی حرمت کی تصریح کی ہے۔ بعض مغربی اور مصری مالکیوں نے امام مالکؒ سے بھی اس قسم کی روایت بیان کی ہے مگر عراقی مالکی اس کی صراحۃً نفی کرتے ہیں۔

۲۱۶۳ - حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ نَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ إِنَّ الْيَهُودَ يَقُولُونَ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ فِي فَرْجِهَا مِنْ وَرَائِهَا كَانَ وَلَدُهُ أَحْوَلَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ.

جابرؓ کہتے تھے کہ یہودیوں کا قول ہے: جب مرد اپنی بیوی کے ساتھ فرج میں پچھلی طرف سے جماع کرے تو اس کا بچہ بھینگا ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ۔ "تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتی ہیں سو تم اپنی کھیتی میں جیسے چاہو آؤ" (البقرہ ۲۲۳) (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی) یعنی جب جماع قبل میں ہو تو جس طور پر بھی ہو حرج نہیں۔

۲۱۶۴ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيٰى أَبُو الْأَصْبَغِ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ ابْنَ عُمَرَ وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ أَوْهَمَ إِنَّمَا كَانَ هٰذَا الْحَيُّ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُمْ أَهْلُ وَثَنٍ مَعَ هٰذَا الْحَيِّ مِنْ يَهُودَ وَهُمْ أَهْلُ كِتَابٍ وَكَانُوا يَرَوْنَ لَهُمْ فَضْلًا عَلَيْهِمْ فِي الْعِلْمِ فَكَانُوا يَقْتَدُونَ بِكَثِيرٍ مِّنْ فِعْلِهِمْ وَكَانَ مِنْ أَمْرِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَأْتُوا النِّسَاءَ إِلَّا عَلٰى حَرْفٍ وَذٰلِكَ أَسْتَرُ مَا

تَكُوْنُ الْمَرْاَةُ فَكَانَ هٰذَا الْحَيُّ مِنَ الْاَنْصَارِ قَدْ اَخَذُوْا بِذٰلِكَ مِنْ فِعْلِهِمْ وَكَانَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ قُرَيْشٍ يَشْرَحُوْنَ النِّسَآءَ شَرْحًا مُنْكَرًا وَيَتَلَذَّذُوْنَ مِنْهُنَّ مُقْبِلَاتٍ وَمُدْبِرَاتٍ وَمُسْتَلْقِيَاتٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْمَدِيْنَةَ تَزَوَّجَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ فَذَهَبَ يَصْنَعُ بِهَا ذٰلِكَ فَاَنْكَرَتْهُ عَلَيْهِ وَقَالَتْ اِنَّمَا كُنَّا نُؤْتٰى عَلٰى حَرْفٍ فَاصْنَعْ ذٰلِكَ وَاِلَّا فَاجْتَنِبْنِيْ حَتّٰى شَرِيَ اَمْرُهُمَا فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ اَيْ مُقْبِلَاتٍ وَمُدْبِرَاتٍ وَمُسْتَلْقِيَاتٍ يَعْنِيْ بِذٰلِكَ مَوْضِعَ الْوَلَدِ۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ اللہ ابن عمر رضؓ کو بخشے، اُسے یہ وہم ہوا بات تو یہ تھی کہ قبیلۂ انصار جب بُت پرست تھا تو یہودیوں کے قبائل کے ساتھ رہتا تھا اور انہیں علم میں اپنے سے افضل جانتا تھا، پس بہت سے کاموں میں ان کی اقتدا کرتا تھا۔ اور اہل کتاب کا طریقہ یہ تھا کہ عورتوں سے صرف ایک طریقے سے یعنی پہلو پر لٹا کر جماع کرتے تھے اور اس طرح عورت کا ستر زیادہ تر محفوظ رہتا تھا۔ اور انصار نے ان کا یہ فعل بھی اختیار کر لیا تھا اور اور قریش کے لوگ عورتوں کو بُری طرح لٹاتے تھے اور آگے سے اور پیچھے سے ان سے لذت حاصل کرتے تھے اور پہلو پر لٹا کر بھی۔ جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو ان میں سے ایک مرد نے ایک انصار کی عورت سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ اسی طرح کرنے لگا۔ اس نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ ہم سے تو جماع پہلو کے بل ہوتا تھا، پس تو ویسا ہی کر ورنہ مجھ سے پرے رہ۔ ان کا یہ معاملہ کھُل گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچا تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری: تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں، پس تم اپنی کھیتی میں جیسے چاہو آؤ۔ یعنی اگلی طرف سے، پچھلی طرف سے اور لٹا کر، یعنی جب کہ بچے کی پیدائش کی جگہ مقصود ہو۔

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ روایت میں اَوْهَمَ کا لفظ آیا ہے مگر صحیح لفظ وَہِمَ ہے جس کا معنیٰ ہے غلطی میں پڑا، اسے وہم ہوا اور وَهَمَ کا معنیٰ ہے کہ اس کا وہم فلاں چیز کی طرف گیا۔ ابن عباس رضؓ کو شاید یہ پتہ چلا تھا کہ ابن عمر رضؓ اس آیت کی تفسیر اور طرح سے کرتے ہیں اس لیے انہوں نے یہ کہا۔ شرح کا لفظی معنیٰ بچھانا ہے اور اسی سے مسئلے کی شرح کرنا، شرح صدر وغیرہ الفاظ نکلتے ہیں۔

بَابٌ ۴۶ فِي إِتْيَانِ الْحَائِضِ وَمُبَاشَرَتِهَا

حائضہ عورت سے جماع اور ہم آغوش کا باب

۲۱۶۵ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ أَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ الْيَهُودَ كَانَتْ إِذَا حَاضَتْ مِنْهُمْ امْرَأَةٌ أَخْرَجُوهَا مِنَ الْبَيْتِ فَسُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ وَاصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ غَيْرَ النِّكَاحِ فَقَالَتِ الْيَهُودُ مَا يُرِيدُ هٰذَا الرَّجُلُ أَنْ يَدَعَ شَيْئًا مِنْ أَمْرِنَا إِلَّا خَالَفَنَا فِيهِ فَجَاءَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ الْيَهُودَ تَقُولُ كَذَا وَكَذَا أَفَلَا نَنْكِحُهُنَّ فِي الْمَحِيضِ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمَا فَظَنَنَّا أَنَّهُ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہودیوں کی کوئی عورت حیض میں ہوتی تو وہ اسے کمرے سے نکال دیتے اور اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے تھے اور گھر میں اس کے ساتھ اکٹھے نہ رہتے تھے۔ پس اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ط قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ الخ (البقرہ ۲۲۲) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم گھروں میں عورتوں کے ساتھ اکٹھے رہو اور جماع کے سوا سب کچھ کرو۔ اس پر یہودیوں نے کہا کہ یہ شخص کوئی کام نہیں چھوڑنا چاہتا جس میں میری مخالفت نہ کرے۔ پس اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ یہود ایسا اور ایسا کہتے ہیں، کیا ہم حیض کی حالت میں عورتوں سے جماع نہ کر لیا کریں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا حتیٰ کہ ہم نے سمجھا کہ آپ ان پہ ناراض ہو گئے ہیں۔ پس وہ باہر نکلے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہوا دودھ کا تحفہ آتا ہوا ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے تو ہم

نے سمجھ لیا کہ آپ ان پہ ناراض نہیں ہیں (مسلم، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ، احمد)

شرح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے کا باعث یا تو یہود کا یہ اعتراض تھا کہ یہ شخص ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے، حالانکہ ان کی شریعت محرّف ومبدّل اور منسوخ تھی اور حضور پر جو کچھ اترا تو وہ پچھلی شریعتوں، رسموں اور رواجوں کا ناسخ تھا، پس یہ اعتراض محض ہوا پرستی اور عداوت کا نتیجہ تھا۔ یا رنگ بدلنے کا باعث ان حضرات کا یہ قول تھا مگر آپ ؐ نے فرمایا کچھ نہیں کیونکہ انہیں اس قول پہ اکسانے والی چیز یہود کا جاہلانہ اور متعصبانہ اعتراض تھا۔ حضور ؐ نے ان حضرات کو تحفہ دے کر ثابت کیا کہ آپ ؐ ان سے ناراض نہیں ہیں۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں دو دفعہ حیض کا لفظ آیا ہے۔ پہلے لفظ سے تو بالاتفاق خون مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اذیٰ فرمایا ہے۔ دوسرے لفظ میں تین اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے بھی خون مراد ہے۔ دوسرا یہ کہ اس سے زمانۂ حیض مراد ہے اور تیسرا یہ کہ اس سے جائے حیض مراد ہے یعنی شرم گاہ۔ جمہور مفسرین اور ازواج رضی اللہ عنہن مطہرات کا قول یہی ہے۔ اذیٰ کا معنیٰ ہے: دکھ دینے والی چیز، چونکہ اس خون کا رنگ مکروہ، بدبو نہایت متعفن ہوتی ہے اور وہ ایک ایسی نجاست ہے جو عبادت سے مانع ہے لہٰذا اس کا یہ نام ہوا۔ پس فَاعْتَزِلُوا کا معنیٰ یہ ہے کہ صرف جماع سے پرہیز کرو اور کسی شئے سے نہیں۔ یہ حدیث کتاب الطہارت میں اسی سند اور متن کے ساتھ گزر چکی ہے اور اس پر وہاں گفتگو ہو چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۵۸۔

۲۱۶۶ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ جَابِرِ بْنِ صُبْحٍ سَمِعْتُ خِلَاسًا الْهَجَرِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُولُ كُنْتُ اَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيتُ فِي الشِّعَارِ الْوَاحِدِ وَاَنَا حَائِضٌ طَامِثٌ فَاِنْ اَصَابَهُ مِنِّي شَيْءٌ غَسَلَ مَكَانَهُ لَمْ يَعْدُهُ وَاِنْ اَصَابَ تَعْنِي ثَوْبَهُ مِنْهُ شَيْءٌ غَسَلَ مَكَانَهُ لَمْ يَعْدُهُ وَصَلَّى فِيهِ -

خلاس ہجری نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی کپڑے میں رات گزارتے اور میں ماہواری ایام میں ہوتی تھی۔ پس اگر آپ کو مجھ سے کوئی چیز یعنی خون لگ جاتا تو صرف اس جگہ کو دھو دیتے تھے اور اس سے آگے نہ جاتے اور اگر آپ کے کپڑے کو کچھ لگ جاتا تو صرف اسی جگہ کو دھو دیتے اس سے تجاوز نہ کرتے اور اس میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ (یہ حدیث اوپر کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے نمبر ۲۶۹۔ نسائی میں بھی ہے)

۲۱۶۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَمُسَدَّدٌ قَالَا نَا حَفْصٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ خَالَتِهِ مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّ رَسُولَ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یُّبَاشِرَ امْرَاَۃً مِّنْ نِّسَائِہٖ وَھِیَ حَائِضٌ اَمَرَھَا اَنْ تَتَّزِرَ ثُمَّ یُبَاشِرُھَا۔

میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی کسی بیوی سے حالتِ حیض ملنا چاہتے تو اُسے حکم دیتے کہ کپڑا باندھ لے۔ پھر اس سے ملتے تھے (یہ حدیث بھی اوپر کتاب الطہارت میں ۲۶۸ نمبر پر گزر چکی ہے۔ اور اسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے) اس حدیث پر بھی گفتگو وہیں گزری، دیکھ لیا جائے۔

بَابٌ فِیْ کَفَّارَۃِ مَنْ اَتٰی حَائِضًا

حائضہ عورت کے ساتھ جماع کرنے والے کے کفارے کا باب

۲۱۶۸ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا یَحْیٰی عَنْ شُعْبَۃَ غَیْرُہٗ عَنْ سَعِیْدٍ حَدَّثَنِی الْحَکَمُ عَنْ عَبْدِ الْحَمِیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ مِّقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الَّذِیْ یَاْتِیْ امْرَاَتَہٗ وَھِیَ حَائِضٌ قَالَ یَتَصَدَّقُ بِدِیْنَارٍ اَوْ بِنِصْفِ دِیْنَارٍ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے متعلق جو اپنی عورت سے حالتِ حیض میں جماع کرے، یہ روایت کی ہے کہ وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے (یہ حدیث بھی اوپر سنن ابی داؤد میں نمبر ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶ پر گزر چکی ہے۔ اس پر کلام بھی وہیں ہوا۔ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے)

۲۱۶۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَہَّرٍ نَا جَعْفَرٌ یَعْنِی ابْنَ سُلَیْمَانَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحَکَمِ الْبُنَانِیِّ عَنْ اَبِی الْحَسَنِ الْجَزَرِیِّ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِذَا اَصَابَھَا فِی الدَّمِ فَدِیْنَارٌ وَاِذَا اَصَابَھَا فِی انْقِطَاعِ الدَّمِ فَنِصْفُ دِیْنَارٍ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر وہ عورت سے خون کے اندر جماع کرے تو ایک دینار ہے اور اگر خون منقطع ہو گیا تھا تو نصف دینار (نسائی نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: اس حدیث کی سند اور متن میں اضطراب ہے۔ کبھی مرفوع اور کبھی موقوف مروی ہے۔ کبھی مرسل یعنی:

مقسم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور کبھی معضل یعنی: عبدالحمید بن عبدالرحمن عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ کبھی شک کے ساتھ مروی ہے کہ دینار یا نصف دینار۔ اور کبھی اول دم اور آخر دم میں تفرقہ کرتے ہوئے۔ اسی لیے منذری نے کہا ہے کہ شافعیؒ نے اسے غیر ثابت کہا ہے اور یہ فعل کرنے والے کو توبہ و استغفار کرنے کو کہا ہے۔ یہ حدیث بھی کتاب الطہارت میں گزر چکی اور اس پر وہاں گفتگو ہو گئی تھی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْعَزْلِ

عزل میں جو کچھ آیا ہے اس کا باب

۲۱۷۰ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ الطَّالَقَانِيُّ نَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ذُكِرَ ذٰلِكَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي الْعَزْلَ قَالَ فَلِمَ يَفْعَلُ أَحَدُكُمْ وَلَمْ يَقُلْ وَلَا يَفْعَلْ أَحَدُكُمْ فَإِنَّهُ لَيْسَتْ مِنْ نَفْسٍ مَخْلُوقَةٍ إِلَّا اللّٰهُ خَالِقُهَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَزَعَةُ مَوْلٰى زِيَادٍ۔

ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عزل کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا کیوں کرتا ہے؟ اور یہ نہ فرمایا کہ کوئی ایسا نہ کرے، (فرمایا) جو جان پیدا ہونے والی ہے اللہ اسے ضرور پیدا کرے گا۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ قزعہ (راوی حدیث) زیاد کا غلام تھا۔ (مسلم، الترمذی، النسائی)

شرح: عزل کا معنیٰ ہے جماع کرنا مگر انزال کے وقت نطفہ باہر پھینک دینا اس حدیث سے فقط یہ پتہ چلا کہ عزل ایک بے فائدہ فعل ہے اور اگر بچہ پیدا ہونے ہی والا ہے تو وہ ہو کر رہے گا۔ یہ محض ایک انسانی تدبیر ہے۔

۲۱۷۱ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا أَبَانُ نَا يَحْيٰى أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ حَدَّثَهُ أَنَّ رِفَاعَةَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ لِي جَارِيَةً وَأَنَا أَعْزِلُ عَنْهَا وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ وَأَنَا أُرِيدُ مَا يُرِيدُ الرِّجَالُ وَإِنَّ الْيَهُودَ تُحَدِّثُ أَنَّ الْعَزْلَ مَوْؤُدَةُ الصُّغْرٰى قَالَ كَذَبَتْ يَهُودُ لَوْ أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَصْرِفَهُ

ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ میری ایک لونڈی ہے، میں اس سے عزل کرتا ہوں اور اس کا حاملہ ہونا پسند نہیں کرتا اور ارادہ رکھتا ہوں جو لوگ ارادہ کیا کرتے ہیں (کہ اسے بیچ کر رقم کماؤں - حمل سے اس کی قیمت گھٹ جائے گی) اور یہود کہتے ہیں کہ عزل چھوٹی موؤدہ ہے (زندہ درگور لڑکی) حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہود نے جھوٹ کہا اور اللہ اگر پیدا کرنا چاہے گا تو تو اسے پھیر نہ سکے گا۔

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یحییٰ بن ابی کثیر پر اختلاف کیا گیا ہے۔ کسی نے کہا: عن یحییٰ عن محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان عن جابر رضؓ بن عبد اللہ۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔ اور کسی نے کہا: عن رفاعۃ، کسی نے کہا: عن ابی مطیع عن رفاعۃ، اور کسی نے کہا: عن ابی رفاعۃ۔ مولانا نے فرمایا کہ مسلم کی حدیث جو جدامہ سے روایت ہے اس میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: یہ مخفی وأد ہے (وأد کا معنی لڑکی کو زندہ گاڑ دینا)

شوکانی نے حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ یا تو اسے کراہت تنزیہہ پر محمول کریں گے اور یہ بیہقی کا طریق ہے۔ بعض نے جدامہ کی حدیث کو ضعیف کہہ دیا کیونکہ دوسری احادیث جن کے طرق زیادہ ہیں یہ ان کے خلاف ہے۔ حافظ نے کہا کہ اس کا مطلب احادیث صحیحہ کا انکار ہے۔ اور وہ بھی محض وہم کے ساتھ۔ جدامہ کی حدیث بلا ریب صحیح ہے اور اسے دوسری احادیث کے ساتھ جمع کرنا ممکن ہے۔ اور جس نے اسے منسوخ کہا ہے وہ اس کا اپنا خیال ہے کیونکہ نسخ کے لیے مقدم و مؤخر کا علم ضروری ہے۔

طحاوی نے کہا ہے کہ ممکن ہے جدامہ کی حدیث اس وقت کی ہو جبکہ ان امور میں اہل کتاب کی موافقت کی جاتی تھی جن میں وحی کا نزول نہ ہوا ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مطلع فرما دیا تو آپ نے یہود کی تکذیب فرمائی۔ ابن رشد اور ابن العربی نے طحاوی کا تعقب کیا اور کہا کہ محض یہود کی موافقت میں ممکن نہ تھا کہ حضور ﷺ پہلے ایک کام کو حرام ٹھہرائیں اور پھر ان کی تکذیب کی صراحت فرمائیں علماء میں سے بعض نے جدامہ کی حدیث کو صحیح کہہ کر دوسری احادیث کو اضطراب متن وسند کے باعث ضعیف کہا ہے (جیسا کہ اوپر منذری سے نقل کیا گیا) حافظ نے اس تاویل کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ کسی حدیث کی ایک سند میں اگر اضطراب ہو یا اس کے متن میں ہو تو اس کے باعث دوسری احادیث کو رد نہیں کیا جا سکتا، اور ان احادیث کو جمع کرنا ممکن ہے۔

ابن حزم نے یہ کہہ کر جدامہ کی حدیث کی ترجیح تحریم کی بناء پر ہے اور دوسری احادیث سے اباحت ثابت ہوتی ہے لہذا انہیں ترک کر دیں گے۔ اور جس نے یہ کہا ہے کہ پہلے حرمت کا حکم تھا اور پھر اباحت کا ہوا۔ اسے یہ ثابت کرنا پڑے گا۔ ابن حزم کا تعقب اس طرح کیا کہ جدامہ کی حدیث سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اس میں تو لفظ ایک تشبیہ ہے کہ وہ مخفیہ وأد ہے، گویا اسے وأد کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ ابن القیم نے ان احادیث کو اس طرح جمع کیا ہے کہ جس حدیث میں حضور ﷺ نے یہود کی تکذیب فرمائی ہے اس میں ان کے اس قول کی تکذیب ہے کہ عزل سے حمل کا تصور نہیں ہو سکتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس کے باوجود حمل ممکن ہے۔ چونکہ یہود نے عزل کو قطع نسل کا باعث بنایا تھا لہذا ان کی تکذیب کی گئی کیونکہ عزل حقیقت میں وأد نہیں ہے جیسا کہ یہود سمجھتے تھے۔ اور جدامہ کی حدیث میں جو اسے وأد خفی فرمایا ہے وہ اس بناء پر کہ آدمی عزل کرتا اسی لیے ہے کہ وہ حمل سے بھاگنا چاہتا ہے، پس اس کا یہ مقصد ایک چھپا ہوا وأد ہے۔ اور وأد اور عزل میں فرق یہ رہا کہ فعل اور مباشرۃ کے باعث وأد تو قصد اور فعل کا مجموعہ ہو گیا اور

عزل میں محض مقصد ہے فعل وِ آدنہیں ہے لہذا اسے وأدِ خفی فرمایا۔ اور ابن القیم کا یہ جمع قوی ہے۔ جدامہ کی حدیث کے آخر میں جو اضافہ ہے وہ لفظ سعید بن ابی ایوب عن ابی الاسود کی روایت میں ہے، ورنہ اس حدیث کو ابوالاسود سے مالک اور یحییٰ نے روایت کیا ہے تو اس میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ اور اس اضافے کو سنن اربع میں کسی اور نے روایت نہیں کیا۔

۲۱۷۲ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَرَأَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَأَصَبْنَا سَبَايَا مِنْ سَبْيِ الْعَرَبِ فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ وَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ وَأَحْبَبْنَا الْفِدَاءَ فَأَرَدْنَا أَنْ نَعْزِلَ ثُمَّ قُلْنَا نَعْزِلُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا قَبْلَ أَنْ نَسْأَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ ۔

ابن محیریز نے مسجد میں داخل ہو کر ابوسعیدؓ سے عزل کے متعلق سوال کیا تو ابوسعیدؓ نے کہا کہ ہم لوگ غزوہ بنی مصطلق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے اور عرب کے قیدیوں میں سے ہمیں قیدی عورتیں ملیں۔ پس ہمیں عورتوں کی خواہش پیدا ہوئی اور بیویاں نہ ہونے کے باعث ہمیں شدید تنگی محسوس ہوئی اور ہم لونڈیوں کی قیمت کو بھی محبوب رکھتے تھے لہذا ہم نے عزل کا ارادہ کیا۔ پھر ہم نے کہا کہ ہم عزل کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر موجود ہیں تو آپ سے پوچھے بغیر یہ کیسے کریں۔ پس ہم نے آپ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم یہ نہ کرو تو کوئی حرج نہیں، جو جان بھی قیامت تک آنے والی ہے وہ آکر ہی رہے گی (بخاری، مسلم، نسائی)

شرح: یہ وہ غزوہ تھا جسے غزوۂ مریسیع بھی کہا گیا۔ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں جمہور کی دلیل ہے اس مسئلے میں کہ عجم کی مانند اہل عرب پر بھی غلامی جاری ہوتی ہے کیونکہ انس رضؓ نے کہا: فَأَصَبْنَا سَبْيًا مِنْ سَبْيِ الْعَرَبِ۔ بنی المصطلق جن کے افراد کو قید کیا گیا یہ عرب تھے۔ جب عرب مشرک ہوں اور انہیں قید کیا جائے تو غلامی ان پر نافذ ہوگی۔ یہی قول مالک کا اور شافعی کا جدید قول ہے اور جمہور علماء یہی کہتے ہیں۔ شافعی کا قدیم قول یہ ہے اور ابوحنیفہ کا مذہب بھی کہ عرب کے شرف کے باعث ان پر غلامی جاری نہیں ہوتی۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کا مذہب اس مسئلہ میں بقولِ صاحب الہدایہ یہ ہے کہ عرب کے مشرکوں پر جزیہ عائد نہیں ہوتا اور نہ مرتدوں پر کیونکہ ان کا کفر دوسروں کی نسبت زیادہ شدید ہے۔ مشرکین عرب اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

اندر نشو و نما پائی اور قرآن اُن میں اترا، ان کی زبان میں اترا لہذا قرآن معجزہ ان کے حق میں ظاہر تر ہے۔ مرتد اس لیے کہ وہ اسلام لاکر پھر گیا۔ اسلام لاکر گمراہ ہوگیا، لہذا ان دونوں فریقوں سے اسلام یا تلوار کے سوا کچھ قبول نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کی عقوبت شدید تر ہے اور امام شافعی کے نزدیک مشرکین عرب کو غلام بنایا جاسکتا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان ان پہ غالب آئیں تو ان کی عورتیں اور بچے مالِ فئی ہیں کیونکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم نے مرتدین بنی حنیفہ کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا تھا اور انہیں گرفتار کرنے والوں میں تقسیم کیا تھا۔ اور ابن الہمام نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس اور ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حنفیہ کی طرف جو یہ بات منسوب ہے کہ وہ اہل عرب کو غلام بنانے کو ناجائز کہتے ہیں، یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ جہاں تک عزل کا تعلق ہے اس پہ ابھی گفتگو گزر چکی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ: مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا سے بھی اس کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان الفاظ سے یہ نکلتا ہے کہ یہ فعل کراہت تنزیہ سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۱۷۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ نَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِي جَارِيَةً أَطُوفُ عَلَيْهَا وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا قَالَ فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ أَتَاهُ فَقَالَ إِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَمَلَتْ قَالَ قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا

جابر رضؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری ایک لونڈی ہے جس کے ساتھ میں جماع کرتا ہوں اور اس کے حاملہ ہوجانے کو ناپسند کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم اگر چاہو تو اس سے عزل کرو کیونکہ جو کچھ مقدر ہے وہ تو اس پہ آکر ہی رہے گی۔ پس وہ آدمی کچھ عرصہ ٹھہرا اور پھر حاضر ہوا تو کہا کہ اس لونڈی کو حمل ہوگیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تجھے بتا دیا تھا کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہوکر رہے گا (مسلم اور ابن ماجہ)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے فرمایا کہ اس حدیث میں لونڈیوں سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بعض صحابہ اور تابعین نے اس کی رخصت دی ہے اور بعض نے اسے مکروہ بتایا ہے۔ ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ آزاد عورت سے عزل اس کے مشورے کے بغیر نہیں ہوتا اور لونڈی سے مشورے کی حاجت نہیں اور یہی احمد بن حنبل کا قول ہے۔ مالک سے بھی ایسی ہی روایت اتنی ترمیم کے ساتھ مروی ہے کہ لونڈی اگر بیوی ہو تو اس کے مالکوں کے اذن کے بغیر عزل جائز نہیں۔ اس حدیث میں یہ دلالت بھی موجود ہے کہ مرد جب اپنی لونڈی سے وطی کرنے کا اقرار کرے مگر عزل کا مدعی ہو تو بھی اولاد اُسی کی شمار ہوگی۔ کیونکہ بقولِ نووی کبھی کبھی نطفہ عزل پہ سبقت لے جاتا ہے۔ حضرت

علی رضہ سے مروی ہے کہ جو آدمی عزل کرے مگر بول سے قبل پھر وطی کرے تو اس کی بقیہ منی ذکر کے اندر ہونے کے باعث دوسری مرتبہ انزال سے پہلے ہی قرار پا سکتی ہے۔ اسی بناء پر امام ابو حنیفہ رح نے کہا کہ جو آدمی بول سے قبل غسلِ جنابت کرے، پھر بول کرے اور منی نکلے تو اس پر غسل کا اعادہ واجب ہے۔

شوکانی نے کہا ہے کہ سلف میں عزل کے بارے میں اختلاف تھا۔ فتح الباری میں ابن عبد البر سے منقول ہے کہ علماء میں اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ آزاد بیوی سے اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں کیونکہ جماع اس کے حقوق میں داخل ہے جس کا وہ مطالبہ کر سکتی ہے، اور عزل کے ہوتے ہوئے جماع معروف نہیں رہتا۔ حافظ نے کہ اس نقل میں ابن ہبیرہ نے ابن عبد البر کی موافقت کی ہے لیکن اس کا تعقب اس بناء پر کیا گیا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک جماع آزاد بیوی کے حقوق میں شامل نہیں لہذا ان کے اس قول کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ آزاد بیوی سے عزل کی اجازت ضروری نہیں۔ لونڈی اگر بیوی ہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔

بابٌ مَا يُكْرَهُ مِنْ ذِكْرِ الرَّجُلِ مَا يَكُونُ مِنْ اِصَابَتِهِ اَهْلَهُ

مرد کے لیے اپنی بیوی کے ساتھ خاص معاملات کا ذکر کسی اور سے کرنا مکروہ ہے

۲۱۷۴ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا بِشْرٌ نَا الْجُرَيْرِيُّ ح وَحَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ نَا اِسْمٰعِيْلُ ح وَحَدَّثَنَا مُوْسٰى نَا حَمَّادٌ كُلُّهُمْ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ حَدَّثَنِيْ شَيْخٌ مِّنْ طُفَاوَةَ قَالَ تَثَوَّيْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلَمْ اَرَ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ تَشْمِيْرًا وَلَا اَقْوَمَ عَلٰى ضَيْفٍ مِّنْهُ فَبَيْنَمَا اَنَا عِنْدَهُ يَوْمًا وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرٍ لَهُ مَعَهُ كِيْسٌ فِيْهِ حَصًى اَوْ نَوًى وَاَسْفَلَ مِنْهُ جَارِيَةٌ لَهُ سَوْدَاءُ وَهُوَ يُسَبِّحُ بِهَا حَتّٰى اِذَا نَفِدَ مَا فِى الْكِيْسِ اَلْقَاهُ اِلَيْهَا فَجَمَعَتْهُ فَاَعَادَتْهُ فِى الْكِيْسِ فَرَفَعَتْهُ اِلَيْهِ فَقَالَ اَلَا اُحَدِّثُكَ عَنِّيْ وَعَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ بَيْنَا اَنَا اُوْعَكُ فِى الْمَسْجِدِ اِذْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ مَنْ اَحَسَّ الْفَتَى الدَّوْسِيَّ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ ذَا يُوْعَكُ فِيْ جَانِبِ الْمَسْجِدِ فَاَقْبَلَ يَمْشِيْ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَيَّ فَوَضَعَ يَدَهُ

عَلَيَّ فَقَالَ لِي مَعْرُوفًا فَنَهَضْتُ فَانْطَلَقَ يَمْشِي حَتَّى أَتَى مَقَامَهُ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ وَمَعَهُ صَفَّانِ مِنْ رِجَالٍ وَصَفٌّ مِنْ نِسَاءٍ أَوْ صَفَّانِ مِنْ نِسَاءٍ وَصَفٌّ مِنْ رِجَالٍ فَقَالَ إِنْ نَسَّانِي الشَّيْطَانُ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِي فَلْيُسَبِّحِ الْقَوْمُ وَلْيُصَفِّقِ النِّسَاءُ قَالَ فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَنْسَ مِنْ صَلَاتِهِ شَيْئًا فَقَالَ مَجَالِسَكُمْ مَجَالِسَكُمْ زَادَ مُوسَى هٰهُنَا ثُمَّ حَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ ثُمَّ اتَّفَقُوا ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى الرِّجَالِ قَالَ هَلْ مِنْكُمُ الرَّجُلُ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ فَأَغْلَقَ عَلَيْهِ بَابَهُ وَأَلْقَى عَلَيْهِ سِتْرَهُ وَاسْتَتَرَ بِسِتْرِ اللّٰهِ قَالُوا نَعَمْ قَالَ ثُمَّ يَجْلِسُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَيَقُولُ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلْتُ كَذَا قَالَ فَسَكَتُوا قَالَ فَأَقْبَلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ هَلْ مِنْكُنَّ مَنْ تُحَدِّثُ فَسَكَتْنَ فَجَثَتْ فَتَاةٌ عَلَى إِحْدَى رُكْبَتَيْهَا وَتَطَاوَلَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَرَاهَا وَيَسْمَعَ كَلَامَهَا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهُمْ لَيَتَحَدَّثُونَ وَإِنَّهُنَّ لَيَتَحَدَّثْنَهُ فَقَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَا مَثَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّمَا مَثَلُ ذٰلِكَ مَثَلُ شَيْطَانَةٍ لَقِيَتْ شَيْطَانًا فِي السِّكَّةِ فَقَضَى مِنْهَا حَاجَتَهُ وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ إِنَّ طِيبَ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَلَمْ يَظْهَرْ لَوْنُهُ أَلَا إِنَّ طِيبَ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَلَمْ يَظْهَرْ رِيحُهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ مِنْ هٰهُنَا حَفِظْتُهُ عَنْ مُؤَمَّلٍ وَمُوسَى أَلَا لَا يُفْضِيَنَّ رَجُلٌ إِلَى رَجُلٍ وَلَا امْرَأَةٌ إِلَى امْرَأَةٍ إِلَّا إِلَى وَلَدٍ أَوْ وَالِدٍ وَذَكَرَ ثَالِثَةً فَنَسِيتُهَا وَهُوَ فِي حَدِيثِ مُسَدَّدٍ وَلٰكِنِّي لَمْ أُتْقِنْهُ وَقَالَ مُوسَى نَا حَمَّادٌ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنِ الطُّفَاوِيِّ .

اخر كتاب النكاح

طفاوہ کے ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں ابوہریرہ رضؓ کے ہاں مہمان ہوا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو بھی اتنا عبادت گزار اور اس قدر مہمان نواز نہیں پایا۔ ایک دن میں جب اس کے پاس تھا اور وہ اپنی چار پائی پر تھا، اور اس کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں کنکریاں یا گٹھلیاں تھیں اور چار پائی کے آگے زمین پر اُن کی ایک سیاہ فام لونڈی بیٹھی تھی حتیٰ کہ جب تھیلی کی تمام کنکریاں ختم ہو گئیں تو اس نے تھیلی اس کی طرف پھینکی اس نے کنکریاں جمع کیں اور انہیں دوبارہ تھیلی میں ڈال کر اسے واپس دے دی۔ ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ کیا میں تجھے اپنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ نہ سُناؤں؟ طفاوی نے کہا کہ میں نے کہا ہاں۔ ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ ایک دن مجھے مسجد میں بخار تھا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا: دُوسی جوان کے متعلق کون کچھ جانتا ہے؟ تین بار فرمایا: ایک شخص بولا یا رسول اللہ وہ یہ مسجد کی ایک جانب میں بخار میں مبتلا پڑا ہے۔ پس حضور رضؓ چل کر میری طرف تشریف لائے اور اپنا ہاتھ مجھ پر رکھا اور تسلی آمیز باتیں فرمائیں۔ پس میں اُٹھ کھڑا ہوا تو آپ پھر چل کر اس جگہ تشریف لے گئے جہاں پر آپ نماز پڑھاتے تھے اور لوگوں کی طرف توجہ فرمائی اور اس وقت آپ کے ساتھ مردوں کی دو صفیں اور عورتوں کی ایک صف تھی یا عورتوں کی دو صفیں اور مردوں کی ایک صف تھی۔ پس آپ نے فرمائی: اگر شیطان مجھے کچھ نماز میں بھلانے کی کوشش کرے تو مردوں کو تسبیح اور عورتوں کو تصفیق (ہاتھ پر ہاتھ مارنا) کرنی چاہیئے۔ ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور کچھ نہ بھولے۔ پھر فرمایا: اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہو۔ موسیٰ راوی نے: هَاهُنَا (یہاں) کے لفظ کا اضافہ کیا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی۔ پھر فرمایا: اما بعد (یہاں سب راوی متفق ہو گئے ہیں) پھر مردوں کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ کیا تم میں سے وہ مرد موجود ہے کہ جب اپنے گھر جائے اور اپنا دروازہ بند کرے اور پردہ گرا دے اور اللہ کے پردے میں چھپ جائے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ پھر وہ اس کے بعد بیٹھ جائے اور کہے میں نے یوں کیا، میں نے یوں کیا۔ ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ اس پر لوگ خاموش رہے۔ پھر آپ نے عورتوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی اس قسم کی گفتگو کرتی ہے؟ پس وہ خاموش رہیں۔ پس ایک جوان لڑکی گھٹنوں کے بل ہو گئی، مؤمل نے اپنی حدیث میں کہا کہ: وہ ایک نوجوان لڑکی تھی، وہ اپنے ایک گھٹنے کے بل ہوئی اور گردن اٹھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئی تا کہ آپ اسے دیکھ لیں اور اس کی بات سُن لیں۔ پس وہ بولی: کہ مرد بھی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں اور عورتیں بھی کرتی ہیں۔ پس حضور رضؓ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے اس کی کیا مثال ہے؟ پھر فرمایا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شیطان عورت ایک شیطان مرد سے گلی میں ملے اور وہ مرد اس سے اپنی حاجت پوری کرے درآنحالیکہ لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہوں۔ خبردار! مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی ہوا غالب ہو اور رنگ ظاہر نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے کہ اس کا رنگ غالب ہو اور ہوا ظاہر نہ ہو۔

ابو داؤد رضؓ نے کہا کہ میں نے یہاں سے مؤمل اور موسیٰ سے حدیث یاد کی کہ: خبردار کوئی مرد کسی مرد کے بستر پر نہ جائے اور نہ عورت کسی عورت سے یوں ملے، مگر اپنی اولاد سے یا والدین سے۔ اور راویوں نے ایک تیسری بات بھی بیان کی جسے میں بھول گیا۔ اور مسدّد کی حدیث میں ہے کہ وہ مجھے اس قدر یاد نہیں جتنی میں چاہتا ہوں۔ اور موسیٰ نے کہا: ہم سے حماد نے حدیث بیان کی اس نے جریری سے اُس نے ابو نضرہ سے اس نے طفاوی سے سُنی (ترمذی

نے اسے روایت کر کے تحسین کی ہے مگر کہا کہ طفاوی اس حدیث کے سوا غیر معروف ہے اور اس کا نام معلوم نہیں۔ ابو الفضل محمد بن طاہر نے کہا کہ طفاوی مجہول ہے۔ ابو موسیٰ اصفہانی نے اسے مرسل بتایا مگر اس میں کلام ہے۔ یہ ایک مجہول کی روایت ہے۔ مسلم نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ: قیامت کے دن برے ٹھکانے والوں میں سے وہ مرد بھی ہوگا جو اپنی عورت سے ملاقات کرے اور وہ اس سے ملے، پھر وہ اس کا بھید ظاہر کرے)

کتاب النکاح تمام ہوئی اور آگے کتاب الطلاق شروع ہے۔ اس میں پچاس باب اور ۱۳۸ حدیثیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَوَّلُ كِتَابِ الطَّلَاقِ

بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ الطَّلَاقِ بَابٌ فِي مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا

اس شخص کا باب جو کسی عورت کو اس کے خاوند کے خلاف اکسائے اور بگاڑے)

۲۱۷۵ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ نَا عَمَّارُ بْنُ رُزَيْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عِيسَى عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلَى سَيِّدِهِ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے خاوند پر بگاڑے یا غلام کو اس کے مالک پر بگاڑے (نسائی) مرد کو عورت سے متنفر کیا جائے اور اس کے خلاف اکسایا جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہے مگر عورتیں مردوں کی نسبت چونکہ جلدی بھڑک اٹھتی اور جلدی آمادۂ فساد ہو جاتی ہیں لہذا ان کا ذکر فرمایا اور اس قسم کی حرکت چونکہ طلاق تک نوبت پہنچا دیتی ہے لہذا اس کا ذکر ابو داؤد نے کتاب الطلاق کی ابتداء میں کیا ہے۔

بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ تَسْأَلُ زَوْجَهَا طَلَاقَ امْرَأَةٍ لَهُ

اس عورت کا باب جو کسی دوسری عورت کی طلاق اپنے خاوند سے طلب کرے

۲۱۷۶ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْكِحْ فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت اپنی بہن کی طلاق طلب نہ کرے تاکہ اُس کا پیالہ (اپنے برتن میں) اُنڈیل لے۔ اسے نکاح کرنا چاہیئے جو اس کے مقدر میں ہوگا وہ اُسے ملے گا۔ (بخاری، مسلم، نسائی اور ترمذی)

شرح: استفراغِ صحفہ ایک محاوراتی کلام ہے جس کا مطلب ہے: دوسرے کی چیز کو خود لے لینا۔ اس حدیث میں جو ممانعت ہے وہ بہت وسیع ہے۔ اس میں وہ عورت بھی داخل ہے جو کسی دوسری عورت کی طلاق دلوا کر خود نکاح کی خواہشمند ہو، وہ بھی جو اپنی سوت کو طلاق دلوانے کا قصد کرے تاکہ اس کا حصّہ بھی اس کو مل سکے اور لِتَنْکِح کے لفظ کا معنیٰ یہ بھی ہے کہ یہ عورت کسی اور کو طلاق دلوانے کے بجائے خود کسی اور مرد سے نکاح کرلے یا یہ کہ اُس مرد سے طلاق دلوا کر خود نکاح کرنے کی خواہش میں اگر یہ کوشش کرے گی تو ناجائز ہوگا۔ یا وہ اگر سوت کو طلاق دلوانا چاہتی ہے تو اس کے بجائے خود اس خاوند سے خلاصی حاصل کرکے (اگر کوئی جائز سبب طلاق کا موجود ہو تو) کسی اور مرد سے نکاح کرے۔ علماء نے عورت کے اس فعل کو حرام تک کہا ہے۔

بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ الطَّلَاقِ

یہ باب طلاق کی کراہیت میں ہے۔

۲۱۷۷ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا مُعَرِّفٌ عَنْ مُحَارِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ شَيْئًا أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ۔

محارب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ نے طلاق سے زیادہ کوئی اپنے کو ناپسندیدہ چیز حلال نہیں فرمائی (یہ حدیث مرسل ہے خطابی نے لکھا ہے کہ اس میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس میں کراہیت اس سبب کی طرف منسوب ہے جو باعثِ طلاق ہو، مثلاً بدخلقی، حقوق و فرائض میں کوتاہی وغیرہ۔ ورنہ جہاں تک صرف طلاق کا سوال ہے وہ جائز اسباب کی بنا پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عورتوں کو دی اور پھر رجوع فرمایا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ایک محبوب بیوی کو طلاق دے دی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ایسا نہیں ہو سکتا تھا جسے اللہ ناپسند کرتا ہو اور پھر بھی وہ اس پر اصرار کرتے۔ حاکم نے بقولِ مولانا رحمہ اللہ اس حدیث کو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے موصول کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔ بیہقی نے بھی اسے مرسل روایت کیا ہے۔ ابوحاتم، دارقطنی اور بیہقی نے اس کے مرسل ہونے کو راجح کہا ہے)

۲۱۷۸۔ حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ عُبَيْدٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ مُعَرِّفِ بْنِ وَاصِلٍ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ الطَّلَاقُ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے مبغوض ترین طلاق ہے (ابن ماجہ)

شرح: اس حدیث کے مرسل یا موصول ہونے پر گفتگو اوپر گزر رہی ہے۔ علامہ علی القاری نے کہا ہے کہ طلاق کا مبغوض ہونا اس کے حلال ہونے کے منافی کہا گیا ہے کیونکہ اس کا مبغوض ہونا یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کے ترک کو فعل پر ترجیح حاصل ہوا اور حلال ہونا یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کا فعل اور ترک مساوی ہو۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حلال سے مراد یہ نہیں کہ اس کی دونوں طرفیں برابر ہوں کیونکہ حلال مشروع ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں مثلاً گھر میں بلا عذر نماز ادا کرنا، مغصوب زمین میں نماز پڑھنا، جمعہ کے دن نداء کے وقت بیع وشراء اور غیر معتکف کے لیے مسجد میں کھانا پینا وغیرہ۔ اور چونکہ شیطان کی پسندیدہ ترین چیز زوجین کی تفریق ہے لہذا طلاق اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہے۔ یہ طیبی وغیرہ کا قول ہے اور شمنی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حلال سے مراد یہاں وہ چیز ہے جس کا ترک لازم نہ ہو گویا یہ مندوب، واجب، مکروہ اور مباح سب کو مشتمل ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ طلاق گو فی نفسہ حلال ہے لیکن اس کا ابغض ہونا معصیت اور نتائج کے لحاظ سے ہے۔

بَابٌ فِي طَلَاقِ السُّنَّةِ

طلاق سنت کا باب

۲۱۷۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ ثُمَّ تَطْهُرَ ثُمَّ اِنْ شَاءَ اَمْسَكَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ اَنْ يَمَسَّ فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو حالت حیض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانے میں طلاق دی۔ پس حضرت عمر بن الخطاب نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کر لے، پھر پاک ہونے تک اسے روک رکھے پھر اسے حیض آئے اور پھر پاک ہو تو اس کے بعد اگر چاہے تو اسے روک رکھے اور اگر چاہے تو اسے چھونے سے پہلے طلاق دیدے، پس یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کے لیے حکم دیا ہے (مسلم، ابن ماجہ، النسائی)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ عدت کا حساب حیض سے نہیں بلکہ طہر کے اعتبار سے ہوگا (بحث آگے آتی ہے) اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حیض میں طلاق دینا بدعت ہے اور جو شخص مدخول بہا عورت کو طلاق دے اور اگر طلاق میں سے کچھ باقی ہو (یعنی طلاق ثلاثہ مغلظہ نہ ہو) تو اُسے رجوع کرنا چاہیئے، اور یہ لفظ کہ: طلق قبل ان یمس، ثابت کرتا ہے کہ جس طہر میں عورت سے ہم بستری کی ہو اگر اس میں طلاق دی جائے تو یہ خلافِ سنت ہے اور طلاق دینے والے کو رجوع کرنا چاہیے۔ اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ طلاق بدعت بھی اسی طرح واقع ہو جاتی ہے جیسے کہ طلاقِ سنت واقع ہوتی ہے۔ خوارج اور روافض نے کہا ہے کہ حیض میں طلاق سرے سے واقع نہیں ہوتی۔ اور حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ مراجعت کے لیے ولی کا اذن یا عورت کی رضامندی ضروری نہیں کیونکہ حضور نے یہ حکم مطلقاً دیا ہے اس میں کوئی شرط نہیں رکھی۔ اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ سنت یہی ہے کہ فقط ایک طلاق دی جائے اگر بیک وقت دو یا تین طلاق دے گا تو بدعت ہوگی، گو واقع ہو جائے گی۔ یہ مالک اور حنفیہ کا قول ہے۔ شافعیؒ نے کہا ہے کہ طلاقِ سنت میں فقط وقت کا لحاظ ہے کہ طہر میں ہو، عدد میں کوئی لحاظ نہیں۔ پس بیک وقت ایک، دو یا تین طلاق دی جا سکتی ہیں اور ایسا کرنا طلاق بدعت نہیں ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ بخاری نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ طلاقِ سنت یہ ہے کہ طہر کی حالت میں جماع کے بغیر طلاق دی جائے اور دو گواہ مقرر کئے جائیں۔

علامہ عینی نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ بقولِ بخاری ان تین شرطوں میں سے ایک نہ پائی جائے تو طلاق بدعی شمار ہوگی۔ فقہاء کا طلاقِ سنت میں اختلاف ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ طلاقِ سنت یہ ہے کہ آدمی طہر میں بیوی کو صرف ایک طلاق دے اور اس طہر میں اس سے جماع نہ کرے، اسے چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے جو تیسرے حیض کے شروع ہوتے ہی گزر جائے گی۔ لیث اور اوزاعی کا قول بھی یہی ہے۔ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ یہ طلاقِ حسن ہے۔ اور ابو حنیفہ کا ایک اور قول بھی ہے کہ جب آدمی اسے تین طلاقیں دینا چاہے تو ہر طہر میں جماع کے بغیر ایک طلاق دے اور یہی قول ثوری اور اشہب کا ہے۔ مرغینانی نے کہا کہ اصحاب ابی حنیفہ کے نزدیک طلاق کی تین صورتیں ہیں۔ احسن، حسن اور بدعی۔ احسن یہ ہے کہ مدخول بہا بیوی کو طہر میں ایک طلاق بلا جماع دے اور اسے چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے۔ اور حسن جو طلاقِ سنت بھی ہے وہ یہ ہے کہ مدخول بہا کو تین اطہار میں بلا جماع تین طلاق دے، اور بدعی یہ ہے کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاق دے دے یا ایک طہر میں تین طلاق دیدے، یہ طلاق واقع ہو جائے گی مگر دینے والا گنہگار ہوگا۔ مولاناؒ نے فرمایا، کہ اسی طرح اگر کوئی حالتِ حیض میں طلاق دے تو وہ بھی بدعی ہوگی اور واقع ہو جائے گی۔ اگر واقع نہ ہوتی ہوتی تو حضور ابن عمرؓ کو رجوع کا حکم نہ دیتے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں صاحب البدائع کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ صفت کے لحاظ سے طلاق کی دو قسمیں ہیں، ایک طلاق سنت اور دوسری طلاق بدعت۔ پھر طلاق سنت کی دو قسمیں ہیں، ایک کا تعلق وقت سے ہے اور دوسری کا عدد سے۔ اور ان دونوں میں ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں، احسن اور حسن۔ اور ان طلاقوں میں سے ہر ایک کی معرفت اسوقت تک ممکن نہیں جب تک کہ عورتوں کی اصناف کی معرفت حاصل نہ ہو جائے۔ اصولی طور پر عورتوں کی دو قسمیں ہیں: آزاد اور غلام، اور انہیں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں، حائلات اور حاملات۔ پھر حائلات کی دو قسمیں ہیں: حیض والیاں اور مہینوں کے حساب والیاں۔

صاحب البدائع نے کہا کہ پھر ہم کہتے ہیں کہ احسن طلاق حیض والیوں میں یہ ہے کہ انہیں طہر کی حالت میں، جس میں جماع نہ کیا ہو ایک رجعی طلاق دی جائے، اور کوئی طلاق نہ دے، حیض کی حالت میں نہ دے اور جماع نہ کرے، اور پھر اس مطلقہ کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت تین حیض گزر جائے، بشرطیکہ آزاد ہو اور لونڈی ہو تو دو حیض گزر جائیں۔ اور اس میں بنیاد ابراہیم نخعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس کو مستحسن جانتے تھے کہ بطور طلاق سنت صرف ایک طلاق دیں پھر عدت گزر جانے تک کوئی طلاق نہ دیں اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ بات ان کے نزدیک اس صورت کی نسبت احسن تھی کہ آدمی تین طہر میں تین طلاق دے۔ اور آزاد عورت میں جو حیض والی بھی ہو طلاق حسن یہ ہے کہ اسے تین طہر میں تین طلاق بلا جماع دے۔ اگر لونڈی ہو تو اسے طہر میں ایک طلاق دے پھر جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو دوسری طلاق دے (یعنی اسی طرح بلا جماع) اور یہ عام علماء کا قول ہے مگر امام مالکؒ نے کہا کہ میں طلاق سنت صرف اس کو جانتا ہوں کہ بیوی کو ایک طلاق دے اور پھر اسے چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے۔

علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مدخول بہا عورت کی طلاق سنت یہ ہے کہ اسے طہر میں ایک طلاق دے اور اس طہر میں اسے مس نہ کرے۔ جماع کر چکنے کی صورت میں یا زمانۂ حیض میں طلاق دینے والا طلاق سنت نہیں دے رہا۔ اور فقہاء نے اس باب میں تین جگہوں پر اختلاف کیا ہے۔ پہلی یہ کہ کیا اس کی یہ شرط بھی ہے کہ پھر وہ عدت گزرنے تک اسے اور طلاق نہ دے؟ دوسری یہ کہ ایک لفظ کے ساتھ تین طلاق دینے والا آیا سنت کے مطابق طلاق دینے والا ہے یا نہیں؟ تیسری یہ کہ جو شخص حیض میں طلاق دے اس کا کیا حکم ہے؟

پہلی بات میں مالکؒ اور ابو حنیفہ اور ان کے متبعین میں اختلاف ہے، مالک نے کہا کہ اس کی شرط یہ ہے کہ پھر عورت کو عدت میں طلاق نہ دے، مگر ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اگر وہ اسے ہر طہر پر ایک طلاق دے تو یہ طلاق سنت ہی ہو گی۔ دوسری بات میں مالکؒ کا موقف یہ ہے کہ ایک ہی لفظ سے تین طلاق دینے والا خلاف سنت طلاق دیتا ہے اور شافعیؒ نے کہا کہ وہ سنت کے مطابق ہے۔ اختلاف کا باعث یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جس شخص نے تین طلاقیں دی تھیں اور حضورؐ نے انہیں برقرار رکھا تھا یہ اقرار کتاب اللہ کے مفہوم کے خلاف ہے جو تین طلاق والی عورت کے بارے میں ہے۔ اور جس حدیث سے شافعیؒ نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عجلانی نے اپنی بیوی کو ملاعنہ سے فراغت کے بعد تین طلاق دی تھیں۔ اگر یہ طلاق بدعت ہوتی تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم نہ رکھتے۔ مالکؒ نے جب دیکھا کہ تین کے ایک ہی لفظ

کے ساتھ طلاق دینے والا اس رخصت کو رفع کرتا ہے جو اللہ نے عدد میں مقرر کی ہے لہذا اس نے کہا کہ یہ طلاق خلاف سنت ہے۔ اور مالکؒ کے اصحاب نے عجلانی کے واقعہ والی حدیث کا یہ عذر پیش کیا کہ خود تلاعن سے ہی فریقین میں فرقت واقع ہو گئی تھی اور وہ طلاق ثلاثہ بے محل تھی لہذا نہ وہ سنت تھی نہ بدعت۔ اور مالکؒ کا قول یہاں پر شافعی کے قول سے زیادہ واضح ہے۔

نووی نے تہذیب میں کہا ہے کہ جس عورت کو ابن عمرؓ نے طلاق دی تھی اس کا نام آمنہ بنت غفار تھا اور مسند احمد میں ہے کہ اس کا نام نوار تھا شاید نام آمنہ اور لقب نوار ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمرؓ کو جو مراجعت کا حکم دیا تھا جمہور کے نزدیک وہ استحباب پر مبنی تھا یہی احمد کی مشہور روایت بھی ہے، اور ایک روایت میں احمد سے اور مالک کے مذہب میں ایسی صورت میں رجوع واجب ہے۔ حنفیہ میں سے صاحب ہدایہ بھی اسے واجب بتاتے ہیں۔

حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ: یہ وہ عدت ہے جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے لیے عورتوں کو طلاق دی جائے۔ اس کا ارشاد اس آیت کی طرف ہے: فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔ یعنی ایسے طور پر طلاق دو جس سے عورتوں کی عدت صحیح طور پر شمار ہو۔ اور وہ یہی ہے کہ طہر میں بلا جماع طلاق دی جائے تاکہ اس کے بعد پورے تین حیض عدت شمار ہو سکے۔ اگر عدت کا حساب طہر سے کیا جائے جیسے کہ شافعی مذہب میں ہے تو تین طہر سے کم رہیں گے یا بڑھ جائیں گے۔ جس طہر میں طلاق دی ہے اس کو شمار کریں تو تین سے کم اور شمار نہ کریں تو تین مزید طہر شمار کئے جائیں گے اور عدت کا عدد تین سے بڑھ جائے گا، لہذا اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ اقراء سے مراد حیض ہیں کیونکہ اس صورت میں پورے تین حیض ہوں گے اور عورت کی عدت تین سے کم یا زیادہ نہ ہوگی۔

۲۱۸۰ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَاَةً لَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلِيْقَةً بِمَعْنٰى حَدِيْثِ مَالِكٍ۔

نافعؒ نے کہا کہ ابن عمرؓ نے اپنی ایک بیوی کو ایک طلاق دی جبکہ وہ حائضہ تھی۔ گزشتہ حدیث کے معنیٰ میں (اس حدیث میں تَطْلِيْقَةً کا لفظ ہے جس کے باعث ابوداؤدؒ نے اسے یہاں درج کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ "ایک طلاق" تھی)۔

۲۱۸۱ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَوْلٰى اٰلِ طَلْحَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ ذٰلِكَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا اِذَا طَهُرَتْ اَوْ وَهِيَ حَامِلٌ۔

سالم نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی، آپ نے فرمایا: اُسے حکم دو کہ وہ اُس سے رجوع کرے پھر وہ اسے اس وقت طلاق دے جبکہ پاک ہو، یا تب جبکہ وہ حاملہ ہو۔

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جب بیوی کو حالت حمل میں طلاق دے تو یہ بھی طلاق سنت ہے اور وہ جب بھی چاہے حمل میں طلاق دے سکتا ہے اور عامہ علماء کا یہی قول ہے۔ ابو حنیفہؒ اور ابو یوسف نے کہا کہ ہر دو طلاق میں ایک ماہ کا فاصلہ رکھے حتیٰ کہ تین طلاقیں پوری ہو جائیں۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ ابو داؤد نے اس روایت کو اس لیے بیان کیا ہے تاکہ یہ ظاہر کرے کہ یہ طریق گزشتہ حدیث کے خلاف ہے۔ اس میں گزشتہ حدیث کے یہ الفاظ نہیں آئے: پھر اسے حیض آئے اور پھر وہ پاک ہو۔ علامہ علی القاریؒ نے کہا ہے کہ بقول شارح طیبی یہ حدیث حیض اور حمل کے اجتماع پر دلالت کرتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ حاملہ عورت جب حیض میں ہو تو اسے طلاق دینا حلال ہے (مگر یہ تو گزشتہ حدیث کے صریحاً خلاف ہے!) کیونکہ عدت میں تطویل نہیں ہے اور اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ بقول قاریؒ حاملہ کو حیض نہیں آتا، اگر خون آئے تو وہ استحاضہ ہے (اور جدید و قدیم طب کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا، مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ دلیل تو نہیں ہے کہ حاملہ کو حیض آتا ہے بلکہ اس کے برعکس اس میں یہ دلیل ہے کہ اسے حیض نہیں آتا کیونکہ اس حدیث کے مطابق حضورؐ نے طاہرہ اور حاملہ ہر دو کو طلاق دینے میں برابر کیا ہے۔ اور اس سے قبل یہ گزر چکا ہے کہ حائضہ کی طلاق بدعت ہے اور اس سے معلوم ہوگیا کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا اسی لیے اسے طاہرہ کے مساوی ٹھہرایا ہے۔

٢١٨٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَنْبَسَةُ نَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ ذٰلِكَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ ثُمَّ إِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ فَذٰلِكَ الطَّلَاقُ لِلْعِدَّةِ كَمَا أَمَرَ اللهُ تَعَالٰى ذِكْرُهُ۔

سالم بن عبداللہؓ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ اس نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کا ذکر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو گئے، پھر فرمایا: اسے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر اسے روک رکھے حتیٰ کہ پاک ہو جائے، پھر حیض آئے پھر پاک ہو پھر اگر چاہے تو پاکیزگی میں اسے طلاق دے قبل اس کے کہ اسے چھوئے۔ پس یہ ہے طلاق عدت والی (یعنی قرآن کی مذکورہ) جیسا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے (بخاری، مسلم) اس حدیث میں رجوع کے

بعد دو طہر کا ذکر ہے اور یہ نافع کی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ رجوع کے بعد پہلے، دوسرے یا تیسرے طہر میں طلاق دینے پر کوئی پابندی نہیں اور اس کی کئی قانونی اور معاشرتی مصلحتیں ہیں۔

۲۱۸۳ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ جُبَيْرٍ أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ كَمْ طَلَّقْتَ امْرَأَتَكَ فَقَالَ وَاحِدَةً ۔

یونس بن جبیر نے ابن عمرؓ سے پوچھا کہ آپ نے اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دی تھیں؟ انہوں نے کہا کہ ایک۔

۲۱۸۴ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ رَجُلٌ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ تَعْرِفُ ابْنَ عُمَرَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ عُمَرُ فَإِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَأَتَى عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لْيُطَلِّقْهَا فِي قُبُلِ عِدَّتِهَا قَالَ قُلْتُ فَيُعْتَدُّ بِهَا قَالَ فَمَهْ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ ۔

یونس بن جبیر نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ ایک آدمی حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے (تو اس کا کیا حکم ہے) ابن عمرؓ نے کہا: کیا تو ابن عمرؓ کو پہچانتا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ پس عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تھی۔ پس عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے سوال کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسے رجوع کرنے کا حکم دو پھر اس کی عدت کی ابتداء میں اسے طلاق دے (یعنی جبکہ عدت صحیح طور پر شمار ہو سکے)، یونس نے کہا کہ میں نے پوچھا کیا یہ طلاق شمار ہوگی؟ ابن عمرؓ نے کہا: اور کیا؟ بھلا اگر وہ عاجز رہا اور حماقت کی (تو کیا طلاق شمار نہ ہوگی؟) بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

شرح: یونس کا مطلب شاید یہ تھا کہ کیا حیض میں دی جانے والی واقع ہو جائے گی؟ ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ گو اُس طلاق دینے والے نے جہالت و حماقت کا ارتکاب کیا مگر وہ طلاق تو ضرور شمار ہوگی، اسی لیے تو حضورؐ نے رجوع کا حکم دیا تھا۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر طلاق دینے والا از راہ جہالت وحماقت رجوع نہ کرے تو بھی اس کی دی ہوئی طلاق نافذ ہوگی۔ ایک مطلب اور بھی ہے کہ اس کے بعد اگر وہ شخص از راہ جہالت و حماقت پھر اور طلاق دے گا تو مثلاً اگر ایک دے گا تو دو ہو جائیں گی اور دو دے گا تو تین ہو جائیں گی کیونکہ

ایک شخص کے پاس بیوی کے لیے بس یہی تین طلاقیں ہیں. اگر ایک یا دو دے کر رجوع کرے اور پھر بعد میں مزید طلاق دیدے تو پہلی بھی شمار ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۱۸۵ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِيْ اَبُو الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَيْمَنَ مَوْلٰى عُرْوَةَ يَسْاَلُ ابْنَ عُمَرَ وَاَبُو الزُّبَيْرِ يَسْمَعُ قَالَ كَيْفَ تَرٰى فِيْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ حَائِضًا قَالَ طَلَّقَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ امْرَاَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ عُمَرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَرَدَّهَا عَلَيَّ وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا وَّقَالَ اِذَا طَهُرَتْ فَلْيُطَلِّقْ اَوْ لِيُمْسِكْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَقَرَاَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ فِيْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ قَالَ اَبُو دَاوُدَ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ يُوْنُسُ بْنُ جُبَيْرٍ وَاَنَسُ بْنُ سِيْرِيْنَ وَسَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَزَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ وَاَبُو الزُّبَيْرِ وَمَنْصُوْرٌ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ مَعْنَاهُمْ كُلُّهُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهُ اَنْ يُّرَاجِعَهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ اِنْ شَاءَ طَلَّقَ وَاِنْ شَاءَ اَمْسَكَ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَمَّا رِوَايَةُ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ وَنَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهُ اَنْ يُّرَاجِعَهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيْضَ ثُمَّ تَطْهُرَ ثُمَّ اِنْ شَاءَ طَلَّقَ اَوْ اَمْسَكَ وَرُوِيَ عَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوُ رِوَايَةِ نَافِعٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَالْاَحَادِيْثُ كُلُّهَا عَلٰى خِلَافِ مَا قَالَ اَبُو الزُّبَيْرِ۔

ابو الزبیر نے عبدالرحمٰن بن ایمن (مولائے عروہ) کو ابن عمرؓ سے سوال کرتے سنا اور ابو الزبیر وہیں سن رہا

تھا کہ: آپ کا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جو اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدے۔ انہوں نے کہا کہ عبد اللہ بن عمر نے (یعنی خود میں نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی عورت کو طلاق دی تھی۔ پس عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عبد اللہ بن عمر رضا نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے، ابن عمر رضا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کو مجھ پر رد کر دیا (اور مجھے رجوع کا حکم دیا) اور اس طلاق کو کچھ نہ سمجھا (بحث آگے دیکھیے) اور فرمایا کہ جب وہ عورت پاک ہو پھر چاہے طلاق دے چاہے روک رکھے۔ ابن عمر رضا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تھی: اے نبی! مومنوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں اُن کی عدت کی ابتدا میں طلاق دو (یہ حدیث نسائی میں بھی ہے اور اس میں: وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا کا لفظ نہیں ہے) ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو ابن عمر رضا سے یونس ابن جبیر اور انس بن سیرین اور سعید بن جبیر اور زید بن اسلم اور ابو الزبیر اور منصور نے عن ابی وائل روایت کیا اور ان سب کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضا کو رجوع کا حکم دیا تھا حتی کہ وہ پاک ہو جائے، پھر اگر چاہے تو طلاق دے اور چاہے تو روک لے۔ اور اسی طرح محمد بن عبد الرحمٰن نے عن سالم عن ابن عمر رضا روایت کی۔ لیکن زہری کی روایت جو سالم اور نافع سے عن ابن عمر رضا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجوع کا حکم دیا حتی کہ وہ پاک ہو لے پھر اسے حیض آئے پھر پاک ہو، پھر اگر چاہے تو طلاق دے اور چاہے تو روک لے۔ اور عطا الخراسانی سے عن الحسن عن ابن عمر رضا کے طریق سے روایت ہے وہ بھی نافع اور زہری کی روایت کی طرح ہے (کہ اس میں دو طہر کا ذکر ہے) اور تمام احادیث اس کے خلاف ہیں جو ابو الزبیر نے کہا (یعنی یہ لفظ کہ: وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا)

شرح: منذری کا قول ہے کہ شافعی نے کہا کہ نافع عن ابن عمر کی روایت ابو الزبیر کی روایت سے ثابت تر ہے اور حدیثوں میں اختلاف ہو تو اثبت کی حدیث کا لینا اولیٰ ہے۔ جیسا کہ تمام احادیث میں ہے کہ ابن عمر رضا کی طلاق واقع ہو گئی تھی اس لیے حضور ؐ نے رجوع کا حکم دیا تھا اور ابو داؤد کی محدثانہ بحث سے بھی یہی ثابت ہوا اور بقول منذری امام شافعی رح کے قول سے بھی یہی معلوم ہوا، لہذا: وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا کے لفظ کا معنی اگر یہ لیا جائے کہ وہ طلاق واقع نہ ہوئی تھی تو یہ تمام احادیث کے خلاف ہو گا۔ پس ترجیح کے قاعدے سے تو ابو الزبیر کی روایت کو مرجوح قرار دیا جائے گا اور دیگر احادیث کو راجح کہیں گے۔ مگر مولانا ؒ نے اس کی ایک لطیف تاویل کی ہے جس سے اس حدیث کو دوسری احادیث کے ساتھ جمع کیا جا سکتا ہے، اور یہ کہ: وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا کا معنی یہ ہے کہ حضور ؐ نے اس طریقے کو غیر مشروع ٹھہرایا یا یہ کہ حضور ؐ اس طلاق کو رجوع سے مانع قرار نہ دیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہا کی ضمیر کو رجعت کی طرف پھیریں اور مطلب یہ لیں کہ حضور ؐ نے رجوع کو اس صورت میں کوئی ممنوع چیز نہ جانا۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ ابو داؤد نے اپنی بحث میں جن روایات کا حوالہ دیا ہے ان میں سے یونس بن جبیر کی روایت اوپر گزری۔ انس بن سیرین کی حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ سعید بن جبیر کی حدیث کو نسائی نے مختصراً روایت کیا۔ زید بن اسلم کی حدیث مجھے نہیں ملی۔ ابو الزبیر کی حدیث ابھی گزری اور منصور عن ابی وائل کی روایت مجھے اپنے ذخیرۂ حدیث میں نہیں ملی۔ ان سب کی حدیث میں اُس حیض کے گزرنے کے بعد اگلے طہر میں ابن عمر رضا کو طلاق دینے یا روک لینے کا اختیار مذکور ہے۔ محمد بن عبد الرحمٰن کی حدیث میں بھی دوسرے طہر کا ذکر نہیں آیا۔ سالم کی

روایت جو زہری نے کی ہے اس میں دو طہروں کا ذکر ہے، نافع کی روایت میں دو طہروں کا ذکر ہے، عطا الخراسانی کی روایت میں بھی دو طہروں کا ذکر ہے۔ گویا ابوداؤدؒ نے دو طہر والی احادیث کو ایک طہر والی روایات پر ترجیح دی ہے۔ حافظؒ نے کہا ہے کہ ثقہ کا اضافہ مقبول ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اضافہ اس صورت میں مقبول ہے جبکہ وہ اصل حدیث کے خلاف اور معارض نہ ہو۔ اور خود حافظؒ کا اصول مانتے ہیں۔ یہاں پر یہی صورت ہے کہ ثقہ کا اضافہ ثقہ تر کی روایت کے خلاف اور معارض ہے۔ ابوداؤد کی بحث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس اضافے کو شاذ کہتے ہیں۔ پس ابوداؤد کی بحث سے دو باتیں ثابت ہوئیں (۱) ایک طہر کے ذکر والی روایات قابل ترجیح ہیں (۲) وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا کا اضافہ شاذ ہے لہذا سے ترک کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي نَسْخِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيقَاتِ الثَّلٰثِ

تین طلاقوں کے بعد رجوع کے منسوخ ہونے کا باب

عون المعبود کے نسخے میں باب کا عنوان یہ ہے: بَابُ الرَّجُلِ يُرَاجِعُ وَلَا يُشْهِدُ۔ باقی تمام نسخوں کا عنوان وہی ہے جو اوپر درج ہوا۔ حمصی نسخے میں عون المعبود والا عنوان درج ہے۔

۲۱۸۶۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ اَنَّ جَعْفَرَ بْنَ سُلَيْمَانَ حَدَّثَهُمْ عَنْ يَزِيْدَ الرِّشْكِ عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ اَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَاَتَهُ ثُمَّ يَقَعُ بِهَا وَلَمْ يُشْهِدْ عَلٰى طَلَاقِهَا وَلَا عَلٰى رَجْعَتِهَا فَقَالَ طَلَّقْتَ لِغَيْرِ سُنَّةٍ وَرَاجَعْتَ لِغَيْرِ سُنَّةٍ اَشْهِدْ عَلٰى طَلَاقِهَا وَعَلٰى رَجْعَتِهَا وَلَا تَعُدْ۔

عمران بن حصین سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو اپنی عورت کو طلاق دے پھر اس سے جماع کرے اور اس نے نہ اس کی طلاق پر گواہی رکھی نہ رجوع پر، پس عمران نے کہا: تو نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا، اس کی طلاق اور رجوع پر گواہ رکھ اور پھر ایسا کرنا (ابن ماجہ)

شرح: اس حدیث کا راوی یزید الرشک متکلم فیہ ہے۔ شوکانی نے کہا کہ جن لوگوں نے طلاق اور رجعت پر گواہ رکھنا واجب کہا ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور عدم وجوب کے قائلین ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، قاسمیہ اور ایک قول میں شافعی ہیں۔ اور ان کا استدلال ابن عمرؓ کی گزشتہ حدیث سے ہے کہ حضورؐ نے انہیں رجوع کا حکم تو دیا مگر گواہ مقرر کرنے کا نہیں دیا تھا۔ مالکؒ، شافعی (ایک قول میں) اور الناصر گواہ رکھنے کو واجب کہتے ہیں۔ بدایۃ المجتہد میں عدم وجوب کی یہ دلیل مذکور ہے کہ یہ ان امور میں سے ہے جن کو انسان اپنے لیے انشا کرتا ہے اور ان میں اشہاد واجب نہیں ہے۔ اور عدم وجوب کے

دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ طلاق میں گواہ رکھنے کے عدم وجوب پر اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ تیسیر البیان میں موزعی نے بیان کیا ہے اور رجوع بھی طلاق کی ساتھی ہے لہٰذا اس میں بھی اشہاد واجب نہیں ہے۔ اور یہ اثر جو ایک صحابی عمران رضؓ کا قول ہے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ یہ قول ایک ایسے امر میں ہے جس میں اجتہاد چل سکتا ہے اور جس چیز کی حیثیت یہ ہو اس سے استدلال صحیح نہیں ہوتا۔ مولانا نے فرمایا کہ عمران رضؓ کا قول: تو نے خلافِ سنت طلاق دی اور خلافِ سنت رجوع کیا، اس میں کوئی حجت نہیں ہے اور اس سے ایجاب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ احتمال موجود ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ اشہاد مندوب و مستحب ہے (تاکہ بعد میں تنازع نہ ہو) اس حدیث کی مناسبت عون المعبود کے نسخے کے مطابق ترجمۃ الباب سے ہے اور کسی اور نسخے کے مطابق بالکل نہیں ہے۔

الف ۲۱۸۶ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ ابْنِ وَاقِدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ النَّحْوِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ الْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ وَّلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ الْآيَةَ وَذٰلِكَ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِرَجْعَتِهَا إِنْ طَلَّقَهَا ثَلٰثًا فَنُسِخَ ذٰلِكَ فَقَالَ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ الْآيَةَ۔

ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ط وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ الخ اور یہ اس طرح ہے کہ مرد جب اپنی عورت کو طلاق دیتا تھا تو وہ اس سے رجوع کا زیادہ حق دار ہوتا تھا اگرچہ وہ تین طلاق دیتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا اور فرمایا: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الخ (نسائی نے بھی اسے روایت کیا) ابو داؤد کا حمیصی نسخہ جسے ہم نے احادیث کے عدد میں بنیاد بنا رکھا ہے، اس میں یہ حدیث ۲۱۹۵ ہے لیکن ہم نے اپنا شمار درست رکھنے کی غرض سے اسے درج تو وہیں کیا جہاں بذل المجہود کے نسخے میں ہے اور آسانی کی خاطر اس پر ۲۱۸۶ الف کا عدد لکھا ہے۔ مزید وضاحت آگے آتی ہے)

شرح: مولانا نے اس حدیث کے ضمن میں ایک طویل بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ ہم درج کرنے کی کوشش کریں گے۔ فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت، اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رجوع کا اختیار جس طلاق میں دیا ہے وہ دو عدد تک ہے پس جب کوئی آدمی تین طلاق دے دے تو اسے رجوع کا اختیار نہیں رہتا۔ عون المعبود میں ہے کہ تین طلاقیں صرف اس وقت نافذ ہیں جب کہ انہیں متفرق طور پر دیا جائے یعنی تین اطہار میں، اور جب یہ طلاقیں ایک ہی مجلس میں ہوں تو وہ حدیث ابن عباسؓ کی بنا پر ایک طلاق ہوگی ابن عباس رضؓ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر کے زمانے میں (خلافت فاروقی میں پہلے دو سال تک) طلاق ثلاثہ ایک شمار ہوتی تھی۔ مسلم اور ابو داؤد میں یہ حدیث آئے گی۔ پس جس شخص نے اپنی

بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی ہوں اس کے لیے رجوع جائز ہے جیساکہ ایک طلاق کے بعد رجوع جائز ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ بخاری نے باب کا عنوان رکھا ہے : بَابُ مَنْ جَوَّزَ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ۔ اس عنوان میں یہ اشارہ موجود ہے کہ سلف میں سے کچھ لوگوں نے طلاقِ ثلاثہ کا وقوع جائز نہیں رکھا شاید بخاری کی مراد یہ ہو کہ بیک، لفظ طلاقِ ثلاثہ دینا چونکہ جائز نہیں لہذا ان کا وقوع نہیں ہوتا اور یہ شیعہ اور بعض ظاہریہ کا قول ہے اور بعض لوگوں نے حائضہ کی طلاق میں بھی یہی کہا ہے کہ وہ واقع نہیں ہوتی اور یہ قول شاذ ہے۔ اور کثیر سلف کا یہی مذہب ہے کہ یہ طلاق ممنوع ہونے کے باوجود نافذ ہو جاتی ہے اور بعض نے اس پر نسائی کی حدیث محمود بن لبیدؓ سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ایک شخص نے تین طلاقیں بیک وقت دی ہیں تو آپ غضب ناک ہو کر اُٹھے اور فرمایا: کیا میری موجودگی میں اللہ کی کتاب سے کھیلا جاتا ہے؟ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو محمود بن لبیدؓ کی پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ثابت ہے سماع ثابت نہیں ہوا اور اسے صحابہ میں اس لیے شمار کرتے ہیں کہ اسے حضورؐ کی رؤیت حاصل ہوئی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نسائی نے اس حدیث کی تخریج کے بعد کہا ہے کہ میں نہیں جانتا اسے مخرمہ بن بکیر عن ربیعہ کے علاوہ کسی اور نے روایت کیا ہو اور کہا گیا ہے مخرمہ کو اپنے باپ بکیر سے سماع کا موقع نہیں ملا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث محمود رضؓ کی حجت کی تقدیر پر اس میں یہ نہیں آیا کہ حضورؐ نے آیا اس طلاق کو نافذ قرار دیا تھا یا نہیں (کیونکہ بیک وقت تین طلاق ممنوع ہونے کے باوجود نافذ ہیں) پس کم از کم اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظاً حرام ہے۔ اگرچہ لازم ہو گیا جیساکہ حدیث ابن عمر میں طلاق حائض کے میں گزرا ہے کہ تین طلاق دینے والے کو انہوں نے یہ کہا تھا کہ تو نے اپنے رب کی نافرنی کی اور تیری بیوی جدا ہو گئی۔ اور ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا میں ابن عباسؓ کے پاس تھا تو ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاقِ ثلاثہ دی ہے پس ابن عباس رضؓ خاموش رہے حتٰی کہ میں نے سمجھا کہ وہ اس کی طلاق کو رد کر دیں گے، مگر ابن عباس رضؓ نے کہا کہ تم میں سے کوئی آدمی حماقت پر سوار ہو جاتا ہے پھر کہتا ہے اے ابن عباس رضؓ اے ابن عباس رضؓ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے کہ : جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے مخرج بنا دیتا ہے اور تو اللہ سے نہیں ڈرا، تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے بائن ہو گئی ہے۔ (حافظ صاحبؒ کی بحث جاری ہے) تحریم اور لزوم کے قائلین میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ فعل حرام ہے مگر ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہ قول محمد بن اسحاق صاحب مغازی کا ہے۔ اور اس کی دلیل داؤد بن حصین عن عکرمہ عن ابن عباس رضؓ کی حدیث ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں الخ اور اس میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک ہی ہے تو ہے تو چاہے تو رجوع کر لے، اور یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے اور اس کے چار جواب ہیں : پہلا یہ ہے کہ محمد بن اسحاق اور اس کا استاد دونوں مختلف فیہ ہیں مگر اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ علماء نے چند احکام میں انہیں معتبر مانا ہے جن میں سے ایک یہ سند بھی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ابن عباس رضؓ کے فتوے سے معارض ہے جیساکہ اوپر گزرا۔ پس ابن عباس رضؓ سے یہ ظن نہیں ہو سکتا کہ ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو اور پھر بھی وہ اس کے خلاف فتویٰ دیں جب تک کہ کسی قابلِ ترجیح دلیل کا علم نہ ہو جائے۔ حدیث کا راوی دوسرے سے سن کر روایت کرتا ہے، ضروری نہیں کہ اس کا اپنا علم اور

رائے بھی وہی ہو، اور اس جواب کا جواب الجواب یہ دیا گیا ہے کہ راوی کی روایت کا اعتبار ہے نہ کہ اس کی رائے کا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ابو داؤد نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ رکانہ رضؓ نے اپنی بیوی کو طلاق البتۃ دی تھی، جیسے کہ ابو داؤد نے رکانہ کے گھر والوں سے روایت درج کی ہے۔ اور یہ ایک قوی تعلیل ہے کیونکہ جائز ہے کہ کسی راوی نے البتۃ کو تین سمجھ کر تین کی روایت کر دی ہو۔ اور اس نکتے کے ساتھ ابن عباس رضؓ کی حدیث سے بھی استدلال موقوف ہو سکتا ہے۔ چوتھا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ایک شاذ مذہب ہے لہذا اس پہ عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا یہ جواب الجواب دیا گیا ہے کہ اسی طرح کا مسلک علی رضؓ، ابن مسعود رضؓ، عبدالرحمن بن عوف رضؓ اور زبیر رضؓ سے منقول ہوا ہے اور عنوی نے قرطبہ کے کچھ مشائخ، جیسے محمد بن تقی بن مخلد اور عبدالسلام خشنی سے اسے نقل کیا ہے اور ابن المنذر نے اسے ابن عباس رضؓ کے اصحاب مثلاً عطاء، طاؤس اور عمرو بن دینار سے نقل کیا ہے۔ ابن عباس رضؓ کی مذکورہ حدیث کو مسلم کی حدیثِ ابن عباس رضؓ قوت دیتی ہے کہ ابن عباس رضؓ نے کہا: رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، ابو بکر رضؓ کے دور میں اور عمر رضؓ کی خدمت کے پہلے دو سال میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ پس عمر بن الخطاب رضؓ نے کہا کہ لوگوں کو جس معاملے میں ڈھیل تھی انہوں نے اس میں جلدی کی ہے پس اگر ہم ان پہ جاری کر دیں (تو بہتر ہے) پس حضرت عمر رضؓ نے اسے لوگوں پہ جاری و نافذ کر دیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابو الصہباء نے ابن عباس رضؓ سے کہا کہ کیا ایسا نہ تھا کہ تین طلاقیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضؓ کے عہد میں اور حضرت عمر رضؓ کی امارت کے تین سالوں میں ایک شمار ہوتی تھیں؟ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ ہاں! اور ایک اور روایت میں ابن عباس رضؓ نے اس کا سبب یہ بتایا کہ حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں لوگ دھڑا دھڑ طلاق دینے لگے تو حضرت عمر رضؓ نے اسے ان پہ جاری کر دیا، اور اس آخری روایت کی تخریج ابو داؤد نے بھی کی مگر اس میں ایک لفظ زائد ہے کہ: لوگ عورت کی خلوت سے پہلے اسے تین طلاق دیتے تو اسے ایک ہی شمار کرتے تھے؟ پس جن لوگوں نے حدیثِ ابن عباس رضؓ کو معلول ٹھہرایا ہے وہ اس لفظ سے تمسک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابن عباس رضؓ کا قول غیر مدخول بہا عورت کے متعلق تھا، اور اس حدیث کے کئی جوابوں میں سے یہ ایک جواب ہے۔ یہ جواب اسحاق بن راہویہ نے اور ایک جماعت نے دیا ہے اور شافعیہ میں سے زکریا ساجی نے اسے جزم کے ساتھ کہا ہے۔ اور اس کی توجیہ انہوں نے یہ کی ہے کہ غیر مدخول بہا ایک طلاق سے ہی بائن ہو جاتی ہے لہذا باقی کا عدد لغو ہے۔ قرطبی نے اسی پہ یہ تعقب کیا ہے کہ آدمی جب ایک لفظ سے تین طلاقیں دیتا ہے کہ: انت طالق ثلاثاً، تو یہ اس کا ایک متصل کلام ہوتا ہے نہ کہ منفصل، پس اسے دو کلمے قرار دینا اور ہر ایک کو الگ الگ حکم دینا کیونکر جائز ہو گا؟

جہاں تک دوسرے جواب میں طاؤس کی روایت کے شاذ ہونے کا سوال ہے یہ طریقہ بیہقی نے اختیار کیا ہے۔ اس نے ابن عباس رضؓ کی وہ روایات بیان کی ہیں جن میں تین کا لزوم ثابت ہے۔ پس ابن المنذر کا کلام نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضؓ سے یہ امید نہیں ہو سکتی کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم یاد ہو اور پھر اس کے خلاف فتویٰ دیں، پس ضروری ہوا کہ ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اور اکثر کے قول کو لینا ایک کے قول کو اختیار کرنے سے اولیٰ ہے جس نے اکثر کی مخالفت کی ہے۔

تیسرے جواب میں بیہقی نے شافعی سے نقل کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ابن عباس رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے نسخ کا علم ہوگیا تھا۔ بیہقی نے کہا ہے کہ ابو داؤد کی روایت نسخ کی تائید کرتی ہے کہ: یزید النحوی عن عکرمہ عن ابن عباس رض، انہوں نے کہا کہ آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا تو اس سے رجوع کرنے کا اسی کو زیادہ حق ہوتا تھا اگرچہ اس نے تین طلاقیں دی ہوں، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ مازری نے دعوائے نسخ کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ: بعض کا یہ خیال غلط ہے کہ یہ نسخ تھا کیونکہ حاشا وکلا عمر رض کسی حکم کو منسوخ نہ کر سکتے تھے اور اگر وہ ایسا کرتے تو صحابہ فی الفور اس کا انکار کر دیتے۔ اور اگر نسخ کا قائل یہ کہتا ہے کہ نسخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا تھا تو یہ حدیث اس کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں یہ حکم حضرت ابوبکر رض کے عہد میں اور حضرت عمر رض کے ابتدائی عہد میں کیوں کر باقی رہا؟ مولانا نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے نسخ پر ایک طویل بحث کی ہے جسے ہم نے اختصار کی خاطر چھوڑ دیا ہے۔

چوتھا جواب حدیث ابن عباس رض میں اضطراب کا دعویٰ ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ابن عباس رض پر اختلاف کے علاوہ لفظی اضطراب بھی پایا جاتا ہے۔ اس حدیث کا سیاق بظاہر یہ بتاتا ہے کہ یہ چیز تمام صحابہ سے مروی ہونی چاہیئے تھی کیونکہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں، حضرت ابوبکر رض کے دور میں اور حضرت عمر رض کے ابتدائی دور میں اتنی شائع و ذائع تھی کہ اکثر لوگ اسے جانتے تھے تو یہ کیونکر ممکن ہوا کہ وہ فقط واحد عن واحد کے طریقے سے روایت ہوئی ہے؟ پس جب اتنی مشہور چیز کا راوی فقط ایک ہے تو اس سبب سے اس پر عمل میں توقف لازم ہے، یعنی کم از کم توقف، گو اس کا بطلان ہونا چاہیئے تھا۔

پانچواں جواب یہ کہ اس طلاق کے الفاظ کسی خاص صورت میں وارد ہوتے تھے، ابن سریج وغیرہ کا قول ہے کہ قول ابن عباس رض کا یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے وقت میں شاید لوگ اپنی بات کی محض تاکید کے لیے دو یا تین بار: انتِ طالق، انت طالق، انت طالق کہتے ہوں گے ان کے دلوں میں سادگی اور زبان پر صداقت طاری ہوتی تھی۔ طلاق ہو چکنے کے بعد وہ کہتے تھے کہ ہم نے دوسرے دو الفاظ محض پہلے لفظ کی تائید کے لیے بولے تھے اور ان کی نیک دلی اور خلوص کے باعث ان کا دعویٰ قبول کر لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رض کے دور میں جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی اور دھوکا فریب ترقی پذیر ہونے لگا تو پھر ان کا دعویٰ کہ: ہم نے محض ایک طلاق دی تھی مگر اس لفظ کی تاکید کے لیے دو یا تین بار یہ کلمہ کہا تھا تو اب نئے وقت اور نئے لوگوں کے باعث ان کی یہ بات نہیں مانی جا سکتی تھی لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے الفاظ کے تکرار کو حقیقت تکرار اور تعدّدِ طلاق پر محمول کرنا ضروری سمجھا اور فرمادیا کہ کوئی جتنی بار طلاق دے گا وہی شمار ہوگی۔ قرطبی نے اس جواب کو پسند کیا ہے اور اسے جناب عمر رض کے اس قول سے قوی کیا ہے کہ: جس معاملے میں لوگوں پر ڈھیل تھی انہوں نے اس میں جلدی شروع کر دی ہے۔ نووی رح نے کہا ہے کہ یہ صحیح ترین جواب ہے۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ ابن عباس رض کے لفظ واحدۃ کی تاویل کی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ پہلے زمانے میں فقط ایک طلاق دیتے تھے اور اس پر اکتفا کرتے تھے، حضرت عمر رض کے دور میں تین طلاقیں دینا شروع کر دیں۔ مطلب یہ کہ پہلی ایک طلاق ہوتی تھی اب تین ہونے لگیں پہلے ایک سے ہی وہ کام لیا جاتا تھا جو اب تین سے لیا جانے لگا، پہلے ایک ہی طلاق کو کافی سمجھتے تھے مگر اب حد سے بڑھ کر تین تین دینے لگے جس کا سد باب

جناب عمر رضؓ نے کیا۔ اور اَمْضَاهُ اور اَجَازَہٗ کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے جس طرح پہلے ایک کو ایک سمجھا تھا اب تین کو تین ہی سمجھنے لگے۔ اس تاویل کو ابن العربی نے ترجیح دی ہے اور اسے ابو زرعہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ نووی نے کہا کہ اس صورت میں حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت بدل گئی تھی نہ یہ کہ ایک یا تین کا حکم بدل گیا تھا۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے موقوف ہونے کا دعویٰ کیا جائے کیونکہ اس میں یہ بات بالکل نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں کے اس فعل کی خبر پہنچی تھی اور آپؐ اس پر خاموش رہے تھے، اور حجت تو صرف قول وفعل و تقریر رسول میں ہے۔ لیکن اس جواب کا تعقب یہ کہہ کر کیا گیا ہے کہ صحابی کا یہ قول: کُنَّا نَفْعَلُ کَذَا فِی عَھْدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قولِ راجح کی بنا پر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ اس قسم کے معاملات کی خبر حضورؐ کو ہو جاتی تھی، نزولِ وحی کا زمانہ تھا، احکام حلت و حرمت دیئے جا رہے تھے۔ لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اتنی ضروری بات مخفی رہ گئی ہو۔

آٹھواں جواب یہ ہے کہ ابن عباس رضؓ کے قول ثلاثًا سے مراد البتہ لیا جائے جیسا کہ حدیث رکانہ رضؓ میں گزرا اور وہ بھی ابن عباس رضؓ ہی کی روایت ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بخاری نے اس باب میں وہ آثار داخل کئے ہیں جن میں البتہ کا لفظ یا ذکر ہے اور وہ آثار بھی جن میں ثلاث کا ذکر ہے گویا وہ اس چیز کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اُس وقت البتہ اور ثلاث میں فرق نہیں کرتے تھے اور البتہ کا لفظ بول کر ثلاث مراد لیتے تھے لیکن اگر اس لفظ سے طلاق دینے والا ایک کا ارادہ کرتا تو اس کی بات قبول کی جاتی تھی پس ان الفاظ کی اس وقت مشابہت کے باعث راوی نے البتہ سے مراد ثلاث لے لیں ورنہ اصل میں البتہ مراد ہے۔ حضرت عمر رضؓ کے دور میں ثلاث سے ثلاث ہی مراد لیا جائے گا۔

الغرض اس مسئلے میں جو کچھ واقع ہوا ہے وہ بھی متعہ کے مسئلہ کی مانند تھا، یعنی جابر رضؓ کا قول کہ: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے دور میں اور خلافت فاروقی کے ابتدائی وقت میں ہوا کرتا تھا، پھر حضرت عمر رضؓ نے اس سے روک دیا۔ مطلب وہاں بھی یہی ہے کہ متعہ حرام ہو چکا تھا اور اس کے ناسخ کا صحابہ کو علم تھا مگر بعض سے مخفی تھا لہذا اجماع نے اُس ناسخ کی بنا، پر از سرنو اس حکم نسخ کو تازہ اور واضح کیا تھا۔ طلاقِ ثلاثہ میں بھی شائد کچھ خفا اور غلط فہمی ہو گی جس کا فیصلہ اجماع سے ہو گیا اور اب اس اجماع کو توڑنے والا جمہور کے نزدیک بدعتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابٌ فِیْ سُنَّةِ طَلَاقِ الْعَبْدِ

غلام کی طلاق کی سنت کا باب

۲۱۸۷ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ نَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ مُعَتِّبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا حَسَنٍ مَوْلَى بَنِي نَوْفَلٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ اسْتَفْتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فِي مَمْلُوكٍ كَانَتْ

تَحْتَهٗ مَمْلُوْكَةٌ فَطَلَّقَهَا التَّطْلِيْقَتَيْنِ ثُمَّ عُتِقَا بَعْدَ ذٰلِكَ هَلْ يَصْلُحُ لَهٗ اَنْ يَّخْطُبَهَا قَالَ نَعَمْ قَضٰى بِذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابو حسن مولائے بنی نوفل نے ابن عباس رضؓ سے اس غلام کا مسئلہ پوچھا جس کے نکاح میں ایک لونڈی تھی اور اس نے اسے دو طلاقیں دے دیں، پھر اس کے بعد وہ دونوں آزاد ہو گئے تو کیا اب اس کے لیے درست ہے کہ اُس عورت کو پیغام نکاح دے؟ ابن عباس رضؓ نے کہا ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ فرمایا تھا (مسند احمد، منذری نے اسی کی سند کو حسن کہا ہے)

شرح: خطابی نے کہا کہ میرے علم کے مطابق علماء میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ اس کی سند میں کلام ہے۔ ابوداؤد نے احمد بن حنبل عن عبدالرزاق کے حوالے سے ابن المبارک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ ابوالحسن کون ہے جس نے اتنی بڑی چٹان اٹھا لی ہے؟ خطابی نے کہا کہ تمام علماء کا مذہب یہی ہے کہ صورتِ مذکورہ میں وہ عورت دو طلاقوں سے ہی (بوقت طلاق لونڈی ہونے کے باعث) جدا ہو چکی اور اب دوسرے خاوند سے نکاح کئے بغیر وہ اس مرد کے لیے حلال نہیں رہی۔ اس حدیث کے راوی عمر بن معتب پر بھی شدید تنقید ہوئی ہے۔ مولانا ئ نے فرمایا کہ ابوداؤد کا یہ قول عون المعبود کے نسخے کے سوا اور کہیں نہیں مل سکا۔ بہرحال اس حدیث پر کسی کا عمل نہیں ہے۔

۲۱۸۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى نَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ اَنَا عَلِيٌّ بِاِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ بِلَا اِخْبَارٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَقِيَتْ لَكَ وَاحِدَةٌ قَضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اُسی حدیث سابق کی دوسری روایت۔ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ: تیرے لیے ایک طلاق اور باقی ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے (ابن ماجہ اور نسائی میں بھی یہ روایت آئی ہے)

شرح: شوکانی نے کہا کہ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ غلام بھی آزاد کی مانند تین طلاقوں کا مالک ہے۔ شافعی نے کہا کہ غلام کی بیوی لونڈی ہو یا آزاد، دونوں صورتوں میں اسے صرف دو طلاق کا اختیار ہے۔ ابوحنیفہ اور الناصر نے کہا کہ غلام کو لونڈی میں صرف دو طلاق کا اختیار ہے اور آزاد عورت میں تین کا۔ اور ان کا استدلال ابن مسعود رضؓ کی حدیث ہے کہ: "الطلاق بالرجال والعدۃ بالنساء" طلاق کا حساب مردوں سے اور عدت کا عورتوں سے چلتا ہے (دارقطنی، بیہقی) اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ موقوف ہے، دارقطنی نے ابن عباس رضؓ سے بھی اسی مضمون کی موقوف حدیث روایت کی ہے۔ احمد نے علی رضؓ سے بھی ایک موقوف حدیث اسی معنی کی روایت کی ہے۔ ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی نے ابن عمر رضؓ سے حدیث مرفوع روایت کی ہے کہ: لونڈی کی طلاق دو عدد اور اس کی عدت دو حیض ہے۔ دوسری طرف سے کہا گیا کہ اس کی سند میں عمر بن شبیب اور عطیہ عوفی

ہر دو راوی ضعیف ہیں اور دارقطنی اور بیہقی نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ پھر سنن میں حضرت عائشہؓ
کی ایک مرفوع روایت اسی مضمون کی ہے جس کی سند میں مظاہر بن اسلم ہے۔ ترمذی نے مظاہر کے باعث اس
حدیث کو غریب کہا ہے اور بتایا ہے کہ اس کی صرف یہی ایک روایت ہے جو مرفوع نہیں ہے۔ مگر صحابہ کا عمل
اسی پر تھا اور سفیان ثوری اور شافعی کا یہی قول ہے۔

محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ عیسیٰ بن ابان نے امام شافعی سے پوچھا اے فقیہ! آزاد مرد کو
تین طلاق کا اختیار ہو تو وہ طلاق سنت کیوں کر دے؟ شافعی نے کہا کہ طہر میں ایک طلاق دے، پھر دوسرے طہر میں
دوسری طلاق دے۔ پھر جب شافعی نے یہ کہنا چاہا کہ جب وہ عورت دوسرے حیض سے پاک ہو جائے تو تیسری
طلاق دے تو عیسیٰ بن ابان بولا: بس بس اس کی عدت تو گزر چکی، شافعی حیران ہو گئے تو کہا کہ: اکٹھی طلاقوں میں
کوئی بدعت اور متفرق میں کوئی سنت نہیں ہے۔ مولاناؒ نے کہا کہ اوپر کی بحث میں جس قدر موقوف حدیثیں
تھیں کہ ان سے استدلال کیا گیا ہے وہ مرفوعات کے حکم میں ہیں کیونکہ یہ مسئلہ رائے اور اجتہاد پر مبنی نہیں ہے،
لہذا موقوفات سے بھی اسی طرح استدلال کیا جائے گا جیسا کہ مرفوعات سے کیا جاتا ہے۔ ابن الہمام نے فتح القدیر
میں کہا ہے کہ ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: لونڈی کی طلاق دو عدد ہے اور اس کی عدت
دو حیض (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی) حضرت عائشہؓ نے اسے مرفوع بیان کیا ہے اور یہی راجح اور
ثابت ہے برخلاف شافعی کی روایت کے۔ اگر کہا جائے کہ مظاہر بن اسلم کی وجہ سے بقول ترمذی یہ حدیث
ضعیف ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کی تضعیف کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حدیث معدوم ہو گئی۔ دوسری
بات یہ کہ یہ تضعیف ضعیف ہے کیونکہ ابن عدی نے مظاہر سے عن المقبری، عن ابی ہریرہؓ عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ ہر رات کو آل عمران کی آخری دس آیات پڑھتے تھے اور اسی طرح
طبرانی میں بھی ہے۔ پھر بعض محدثین نے مظاہر کو فقط ابی عاصم نبیل میں ضعیف قرار دیا ہے اور ابن حبان نے
اسے ثقہ کہا ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ ہمارے متقدمین اساتذہ میں سے کسی نے اس میں جرح نہیں کی۔ پس
یہ حدیث اگر صحیح نہیں تو کم از کم حسن ہے۔ اور اس کی صحت کی ایک دلیل علماء کا اس کے موافق عمل ہے خود ترمذی
نے اس کی تضعیف کے بعد کہا ہے کہ صحابہ وغیرہم کا عمل اسی پر ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ سالم اور القاسم نے کہا:
اس حدیث پر سب مسلمانوں کا عمل ہے۔ مالک نے کہا ہے کہ مدینہ میں حدیث کی شہرت اس کی سند کی صحت
سے اسے بے نیاز کر دیتی ہے۔

۲۱۸۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْعُودٍ نَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ
مُظَاهِرٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
طَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ وَقُرْؤُهَا حَيْضَتَانِ قَالَ أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنِي مُظَاهِرٌ حَدَّثَنِي
الْقَاسِمُ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ وَعِدَّتُهَا

حَيْضَتَانِ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَهُوَحَدِيْثٌ مَجْهُوْلٌ۔

حضرت عائشہ رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ: لونڈی کی طلاق دو عدد ہے اور اس کی عدت دو حیض، ابو عاصم نے کہا کہ مجھ سے مظاہر نے حدیث بیان کی اس نے القاسم کے حوالہ سے اس نے حضرت عائشہ رضؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی روایت کی مانند مگر اس میں یہ لفظ ہیں: وعدّتہا حیضتان اوپر تھا: وَقُرْءُ هَا حيضتان) ابوداؤد نے کہا کہ یہ مجہول حدیث ہے (ترمذی، ابن ماجہ)

شرح: اس حدیث پر کچھ گفتگو اوپر گزر چکی ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ طلاق کا حساب مردوں سے اور عدت کا عورتوں کے موافق ہے۔ یہ ابن عمرؓ زید بن ثابتؓ اور ابن عباس رضؓ سے مروی ہے اور عطاء، مالکؒ، شافعیؒ، احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ جب آزاد مرد کے نکاح میں لونڈی ہو تو اس کی عدت دو قرء اور طلاق تین عدد ہے۔ اگر آزاد عورت غلام کے نکاح میں ہو تو اس کی طلاق دو عدد اور عدت ان حضرات کے نزدیک تین قرء ہے۔ ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری نے کہا کہ آزاد عورت تین حیض سے عدت گزارے گی اور اس کی طلاق تین عدد ہے خواہ آزاد کے نکاح میں ہو یا غلام کے۔ اور لونڈی کی عدت بہرحال دو قرء ہے اور طلاق دو عدد ہے خواہ غلام کے نکاح میں ہو یا آزاد کے۔ خطابی نے کہا کہ یہ حدیث اگر ثابت ہو تو اہل عراق کی حجت ہے مگر محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ وہ صورت ہے جب کہ خاوند غلام ہو۔ (اوپر بحث ہو چکی ہے۔ اور ترمذی نے باوجود اس حدیث کی تضعیف کے صحابہ وغیر صحابہ کا عمل اس پر بتایا ہے اور مالکؒ کے نزدیک سند سے زیادہ کسی حدیث کی مدینہ میں شہرت کا اعتبار ہے)

بَابٌ فِي الطَّلَاقِ قَبْلَ النِّكَاحِ

طلاق قبل از نکاح کا باب

۲۱۹۰۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ ح وَنَا ابْنُ الصَّبَّاحِ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ قَالَ نَا مَطَرٌ الْوَرَّاقُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاطَلَاقَ اِلَّا فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا عِتْقَ اِلَّا فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا بَيْعَ اِلَّا فِيْمَا تَمْلِكُ زَادَ ابْنُ الصَّبَّاحِ وَلَا وَفَاءَ نَذْرٍ اِلَّا فِيْمَا تَمْلِكُ۔

عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طلاق صرف

اس وقت ہے جبکہ تو اس کا مالک ہو اور عتق (آزاد کرنا) صرف اس صورت میں ہے کہ تو اس چیز کا مالک ہو اور پہلے صرف اس چیز کی ہے جس کا تو مالک ہو۔ ابن الصباح نے اضافہ کیا کہ: نذر پوری کرنا صرف اس چیز میں ہے جس کا تو مالک ہو (ابن ماجہ اور ترمذی، ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے اور اس باب میں اسے احسن چیز قرار دیا ہے۔)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ لاَطَلاَقَ سے یہ مراد ہے کہ جو عورت تمہارے عقد نکاح میں نہیں اس پر تم طلاق مرسل نہیں وارد کر سکتے خواہ ایک معین عورت ہو یا کئی غیر معین عورتیں۔ علی، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے کہ طلاق صرف بعد از نکاح ہے۔ شریح، ابن المسیب، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عروہ، عکرمہ قتادہ اور شافعی کا یہی مذہب ہے۔ اور ابن مسعودؓ سے قبل از نکاح طلاق کا واقع کرنا مروی ہے یہی قول زہری کا ہے اور حنفیہ کا مذہب یہی ہے۔ مالک اور اوزاعی نے کہا کہ اگر کسی معین عورت کو مخصوص کیا ہو یا کسی قبیلہ یا شہر کا نام لیا ہو تو جائز ہے ورنہ کوئی چیز نہیں۔ ابن ابی لیلیٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کا بھی یہی قول ہے اور سفیان ثوری نے بھی اسی طرح کہا بشرطیکہ مثلاً ایک سال تک یا معین وقت تک کی قید لگائی ہو۔ احمد بن حنبل اور ابو عبید نے کہا کہ اگر وہ نکاح کر چکا ہو تو جدائی کا حکم نہ دیا جائے اور اگر نکاح نہ کیا ہو تو تزویج کا حکم نہ دیا جائے اور اسی طرح کا قول اوزاعی سے منقول ہے خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے متعلق سب سے بہتر مسلک ان لوگوں کا جو اس کے ظاہر کے قائل ہیں اور یہ حدیث حسن ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ حدیث کا راوی ابن الصباح معلوم نہیں کونسا ہے کیونکہ ابو داؤد کے تین استادوں کا یہی نام تھا۔ ایک محمد بن الصباح جرجرائی، دوسرا احمد الصباح دولابی اور تیسرا الحسن بن الصباح البزار۔ علامہ محدث علی القاری نے کہا کہ احناف کے نزدیک سببیۃ ملک کی طرف طلاق کا اضافہ کرنا صحیح ہے۔ مثلاً اگر کوئی کسی اجنبی عورت سے کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے تو جب اس سے نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائے گی (مطلب یہ کہ یہ طلاق فی الحال نہیں جس کی حدیث میں نفی ہے جس سے یہ حدیث خاموش ہے۔ اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے یوں کہے کہ تجھے طلاق ہے تو یہ ایک لغو کلام ہے کیونکہ وہ طلاق کا محل ہی نہیں ہے۔ اور قاری کی بیان کردہ صورت میں طلاق کی نسبت ملک کے سبب کی طرف ہے۔ ان دونوں صورتوں میں فرق ہے) اسی طرح اگر کوئی شخص غلام کی ملک کی طرف آزادی کو منسوب کرے، یعنی یوں کہے کہ اگر میں کسی غلام کا مالک بنوں تو وہ آزاد ہے۔ پس آزادی اس وقت ہوگی جبکہ ملک کا وجود ہوگا اور حدیث میں نفی اس صورت کی ہے کہ کسی ایسے غلام کو یا شخص کو آزاد کرے جس پر اس کا ملک ثابت نہیں تو یہ بھی ایک لغو کلام ہوگا۔

جہاں تک بیع کا تعلق ہے اس کے لیے واقعی ملک شرط ہے کیونکہ ملک کے بغیر بیع کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ فضولی کی بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہے۔ فضولی وہ ہے جو کسی کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر بیچے، یہ بیع منعقد نہیں، ہاں اگر مالک اسے جائز ٹھہرائے تو اس کا انعقاد صحیح ہے۔ فضولی کی بیع میں حکیم بن حزام کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے اسے ایک دینار دیا اور ایک بکری خرید لانے کا حکم دیا اس نے اس دینار کے ساتھ دو بکریاں خریدیں اور ایک کو ایک دینار میں بیچ کر دینار اور ایک بکری حضورؐ کو لا دی۔ حضورؐ نے اس کے لیے برکت کی دعا

فرمائی۔ اب یہ بیع صراحۃً فضولی کی تھی کیونکہ حضور ؐ نے تو اسے صرف ایک بکری لانے کا حکم دیا تھا، آگے جو کچھ حکیم ؓ نے کیا وہ از خود کیا اور حضور ؐ نے اسے جائز رکھا۔ یہ حدیث ابو داؤد اور ترمذی میں ہے اور اس پر بحث انشاء اللہ اس کے مقام پر آئے گی۔

حدیث زیر بحث میں مطر الوراق متکلم فیہ ہے۔ نذر کا بھی یہی حال ہے۔ اگر اس کا متعلق مال سے ہے تو غیر مملوکہ چیز کی نذر صحیح نہیں اگر ملک یا سبب ملک کی طرف ہے تو جائز ہے مثلاً: کل جو کچھ میں کماؤں گا وہ صدقہ ہے۔ پس یہ صدقہ سبب ملک کی طرف منسوب ہے اگر وہ کل کچھ کمائے گا تو صدقہ ہو جائے گا۔ ہاں اگر کسی چیز کو جو اس کی ملک میں نہیں اپنی نذر میں یوں استعمال کرے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو یہ اونٹ صدقہ ہے، حالانکہ وہ اونٹ اس کا نہیں، لہذا یہ کلام لغو ہے۔

۲۱۹۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ بِإِسْنَادِهٖ مَعْنَاهُ زَادَ وَمَنْ حَلَفَ عَلٰى مَعْصِيَةٍ فَلَا يَمِيْنَ لَهٗ وَمَنْ حَلَفَ عَلٰى قَطِيْعَةِ رَحِمٍ فَلَا يَمِيْنَ لَهٗ۔

وہی اوپر کی حدیث سنداً و معناً۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ: جس نے معصیت پر قسم کھائی اس کی کوئی قسم نہیں اور جس نے قطع رحمی پر قسم کھائی اس کی کوئی قسم نہیں (ابن ماجہ اور ترمذی)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا کہ اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ حضور ؐ کی مراد یمین مطلقہ ہے یعنی وہ شخص قسم پوری نہ کرے بلکہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کرے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو کوئی قسم کھائے اور پھر کسی اور چیز کو اس سے بہتر دیکھے تو اس بہتر چیز کو اختیار کرے اور قسم کا کفارہ دے دے، خلاصہ یہ کہ قسم تو منعقد ہو گئی مگر حکم یہ ہوا کہ اسے توڑ ڈالو، پس نفی سے مراد نہی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ قسم ہے جو دراصل نذر ہے مگر بطور قسم مانی گئی ہے مثلاً: اگر میں ایسا کروں تو اللہ کی طرف سے مجھ پر واجب ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دوں، پس یہ ایک باطل قسم ہے اور اس کا کوئی ایفا نہیں ہے۔ نہ اس کا کوئی کفارہ یا فدیہ ہے۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو صاحب البدائع نے بیان کیا ہے کہ یمین معقودہ (منعقدہ)، یعنی وہ قسم جو مستقبل کے بارے میں کھائی جائے تو وہ یا تو کسی واجب پر ہو گی یا کسی مستحب کے ترک پر یا ترک مباح پر یا اس کے فعل پر۔ پس اگر وہ کسی واجب فعل پر ہے مثلاً یوں کہنا کہ: واللہ آج میں نماز ظہر ضرور پڑھوں گا یا رمضان کا روزہ ضرور رکھوں گا، تو اس کا ایفا واجب ہے اور اس سے امتناع جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو اللہ کی اطاعت کی قسم کھائے تو وہ ضرور اطاعت کرے، اور اگر وہ باز رہے گا تو گنہگار بھی ہو گا اور قسم بھی ٹوٹے گی اور اس کا کفارہ لازم آئے گا۔ دریں احتمال تو پہلے سے ہی فرض تھے، قسم سے یہ فرق پڑا کہ عدم ادائیگی کی صورت میں گناہ کے ساتھ ساتھ قسم کا کفارہ بھی واجب ہو گا۔

اگر قسم کسی واجب کے ترک پر یا گناہ پر ہو تو اسے فوراً توبہ و استغفار سے کفارہ لازم ہے اور قسم توڑ کر قسم کا کفارہ دے۔ مثلاً یوں کہنا کہ واللہ میں فرض نماز نہ پڑھوں گا، یا واللہ میں شراب پیوں گا، یا فلاں کو قتل کروں گا یا بدکاری کروں گا۔ یا واللہ میں اپنے باپ سے کلام نہ کروں گا۔ پس اس قسم کا منعقد کرنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ توبہ و استغفار ہے جیسا کہ تمام جنایات جن کا کوئی مقررہ کفارہ نہیں ہوتا۔ اور حضورؐ کا وہ ارشاد اسی پر محمول ہے کہ فرمایا: جس نے کوئی قسم کھائی اور پھر اس کے سوا اور چیز کو بہتر دیکھا تو وہ اس بہتر کام کو کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔ اور عامہ علماء کا یہی قول ہے مگر شعبی نے کہا کہ گناہ پر قسم کھانے سے کفارۂ معہودہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ وہ قسم کو توڑ بھی دے۔

۲۱۹۲ - حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ الْمَخْزُومِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي هٰذَا الْخَبَرِ زَادَ وَلَا نَذْرَ إِلَّا فِيمَا ابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُ اللهِ تَعَالٰى ذِكْرُهُ۔

عبداللہ بن عمرو ابن العاص سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا الخ اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ نذر صرف اس چیز میں ہے جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء مقصود ہو (ابن ماجہ و ترمذی) معاصی کی نذر کالعدم ہے کیونکہ نذر تو ہوتی ہی رضائے الٰہی کے لیے ہے اور معصیت سے رضاء الٰہی کا حصول محال ہے۔

بَابٌ فِي الطَّلَاقِ عَلٰى غَيْظٍ

۲۱۹۳ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدٍ الزُّهْرِيُّ أَنَّ يَعْقُوبَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَهُمْ نَا أَبِي عَنِ ابْنِ إِسْحٰقَ عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ الْحِمْصِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ الَّذِي كَانَ يَسْكُنُ إِيلِيَا قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عَدِيِّ بْنِ أَبِي عَدِيِّ الْكِنْدِيِّ حَتّٰى قَدِمْنَا مَكَّةَ فَبَعَثَنِي إِلٰى صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ وَكَانَتْ قَدْ حَفِظَتْ مِنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي غِلَاقٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ الْغِلَاقُ أَظُنُّهُ فِي الْغَضَبِ۔

محمد بن عبید بن ابی صالح جو بیت المقدس میں رہتا تھا اس نے کہا کہ میں عدی بن عدی کندی کے ساتھ مکہ پہنچا، پس اس نے مجھے صفیہ بنت شیبہ کی طرف بھیجا اور صفیہ نے حضرت عائشہ رضؓ سے کئی احادیث یاد کی تھیں۔ اس نے کہا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہتے سُنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ مجبوری میں طلاق اور عتاق نہیں۔ ابو داؤد نے کہا کہ میرے خیال میں غلاق کا معنیٰ ہے غضب میں (ابن ماجہ)

شرح: منذری نے کہا کہ بعض نسخوں میں غلاق لفظ ہے اور محفوظ اغلاق ہے اور اس کی تفسیر اکراہ ہے کیونکہ جسے مجبور کیا گیا گویا کہ اس کا تصرّف بند کر دیا گیا۔ اغلاق یا غلاق بقول ابی داؤد غضب کو بھی کہتے ہیں کیوں کہ وہ حالت بھی انسان کے امور کو بند کر دیتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یک مرتبہ تین طلاقیں دے کر زوجین پر ایک دوسرے کی راہ بند کر دینا مراد ہے کیونکہ اس صورت میں پھر اور کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ پس اس سے روکا گیا اور طلاق سنت کا حکم دیا گیا۔ ابن السید نے ابو داؤد کا قول کہ غلاق کا معنیٰ غضب ہے یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ پھر تو کوئی طلاق واقع ہی نہ ہوگی کیونکہ طلاق تو ہوتی ہے غیظ و غضب کی وجہ سے ہے۔ یعنی خوشی سے تو کوئی اپنا گھر برباد نہیں کرتا۔ طلاق کا تو منشا ہی غضب ہے۔

اس حدیث کی بنا پر کہا گیا ہے کہ مُکرَہ کی طلاق نہیں ہوتی اور یہ عمر رضؓ، علی رضؓ، ابن عباس رضؓ، ابن عمر رضؓ، زبیر رضؓ، حسن بصری، عطاءؒ، مجاہدؒ، طاؤسؒ، شریحؒ، اوزاعی، حسن بن صالحؒ، مالکؒ، شافعیؒ سے مروی ہے اور دیگر حضرات سے منقول ہے کہ مُکرَہ کی طلاق ہو جاتی ہے اور یہ نخعیؒ، ابن المسیبؒ، ثوریؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب سے مروی ہے (شوکانی) مولاناؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اکراہ کے باوجود مُکرَہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ نصوص کا اطلاق و عموم یہی تقاضا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ہے: كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَعْتُوْهِ بچے اور مجنون کے سوا ہر ایک کی طلاق جائز ہے (ہو جاتی ہے)۔ اکراہ سے اگر کوئی چیز فوت ہوتی ہے تو وہ فقط طبعی رضا ہے اور وہ وقوعِ طلاق میں شرط نہیں ہے کیونکہ ہازل (ہنسی ہنسی میں) کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور وہ بھی طبعًا اس پر راضی نہیں ہوتا۔ اور بعض دفعہ آدمی صاحبِ حسن و جمال بیوی کو محض ہنسی مذاق میں طلاق دے بیٹھتا ہے اور دل سے راضی نہیں ہوتا۔ حدیث کا جہاں تک سوال ہے اس سے مراد اکراہ علی الکفر لیا گیا ہے نہ کہ اکراہ علی الطلاق، کیونکہ وہ لوگ نو مسلم تھے اور ان دنوں انہیں فتنے میں مبتلا کیا جانا عام تھا لہٰذا خطاءً یا سہو سے کلماتِ کفر ان کی زبان پر جاری ہو جاتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا تھا۔

بَابٌ فِي الطَّلَاقِ عَلَى الْهَزْلِ

برہنائے ہزل طلاق کا باب

۲۱۹۴۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَبِيبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ مَاهَكٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ۔

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ تین چیزیں جان بوجھ کر کہی جائیں تو بھی واقع ہو جاتی ہیں اور اگر ہنسی مزاح میں کہی جائیں تب بھی واقع ہو جاتی ہیں، نکاح، طلاق اور رجوع (ترمذی اور ابن ماجہ)

شرح: شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو حاکم نے روایت کر کے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور اس قسم کی حدیث طبرانی میں فضالہ بن عبید رضؓ سے آئی ہے کہ حضور ؐ نے فرمایا: تین چیزوں میں کھیل جائز نہیں، طلاق، نکاح اور عتق۔ اور اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ جس شخص نے ہنسی ہنسی میں نکاح، طلاق، رجوع یا عتاق (غلام آزاد کرنا) لفظ بول دیا تو وہ واقع ہو گئیں، طلاق میں تو حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ وغیرہم کا یہی مذہب ہے احمد اور مالک نے اس کے خلاف کہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ لفظ صریح نیت کا محتاج ہے، اور ائمہ کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے مثلاً صادق، باقر اور ناصر کا۔ اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے: وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ۔ پس طلاق کے لیے عزم کی ضرورت ہے اور ہازل کا عزم نہیں ہوتا۔ صاحب بحر نے آیت و حدیث کو جمع کر کے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ: عزم کا اعتبار غیر صریح میں ہے، صریح میں اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اور آیت مُولی (ایلاء کنندہ) کے متعلق ہے لہذا اس میں یہ مسئلہ ہے ہی نہیں، قاری نے کہا کہ نکاح، طلاق، رجعت، عتاق، ہبہ اور بیع وغیرہ تمام تصرفات میں جدّ و ہزل برابر ہیں اور حدیث میں ان تین کا ذکر اس لئے ہے کہ یہ بڑی بڑی چیزیں ہیں اور ان کا گناہ زیادہ ہے۔ قاضی نے کہا کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی عاقل و بالغ کی زبان پر صریح طلاق کا لفظ جاری ہو جائے تو وہ لازم ہو گیا چاہے وہ یہ کہنے کہ میں مزاح کر تا تھا۔ اگر اس کی یہ بات مان لیں تو سارے احکام شرع معطل ہو جائیں گے اور ہر شخص یہی بہانہ بنا لیا کرے گا۔

بَابُ بَقِيَّةِ نَسْخِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيقَاتِ الثَّلٰثِ

طلاق ثلاثہ کے بعد رجوع کے نسخ کا بقیہ باب

یہ باب اس سے قبل گزر چکا ہے جس میں ایک حدیث طلاق ثلاثہ کے بعد رجوع کے نسخے پر روایت ہوئی، لہذا یہاں پر بقیہ کے لفظ کا اضافہ کیا گیا۔ اس باب میں جو پہلی حدیث آئی ہے یہ اس سے پہلے نمبر الف ۲۱۸۶ میں گزر چکی ہے۔ ہم نے اس کتاب کے اعداد کو درست رکھنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے ورنہ بذل المجہود کے نسخے میں یہ حدیث یہاں نہیں بلکہ نمبر ۲۱۸۶ پر درج ہے۔ یہاں نمبر ۲۱۹۵ جو حمصی نسخے کا ہے اسے بذل کے ساتھ ملا کر ہم نے ۲۱۹۵/۲۱۹۶ اور الگ حدیث کے نمبر کو ۲۱۹۶ لکھا ہے۔

۲۱۹۵/۲۱۹۶ اس کا ترجمہ اور شرح دیکھئے نمبر الف ۲۱۸۶ پر۔ جس میں وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ الخ کی تفسیر ابن عباس رضؓ سے ہے۔

۲۱۹۵ / ۲۱۹۶ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي بَعْضُ بَنِي أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيدَ أَبُو رُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ أُمَّ رُكَانَةَ وَنَكَحَ امْرَأَةً مِنْ مُزَيْنَةَ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ مَا يُغْنِي عَنِّي إِلَّا كَمَا يُغْنِي هٰذِهِ الشَّعْرَةُ لِشَعْرَةٍ أَخَذَتْهَا مِنْ رَأْسِهَا فَفَرِّقْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَأَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِيَّةٌ فَدَعَا بِرُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ ثُمَّ قَالَ بِجُلَسَائِهِ أَتَرَوْنَ فُلَانًا يُشْبِهُ مِنْهُ كَذَا وَكَذَا مِنْ عَبْدِ يَزِيدَ وَفُلَانًا يُشْبِهُ مِنْهُ كَذَا وَكَذَا قَالُوا نَعَمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَبْدِ يَزِيدَ طَلِّقْهَا فَفَعَلَ قَالَ رَاجِعِ امْرَأَتَكَ أُمَّ رُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ فَقَالَ إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا وَتَلَا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ حَدِيثُ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَرَدَّهَا إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ لِأَنَّهُمْ وَلَدُ الرَّجُلِ وَأَهْلُهُ أَعْلَمُ بِهِ أَنَّ رُكَانَةَ إِنَّمَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ عبد یزید نے (جو رکانہ اور اس کے بھائیوں کا باپ تھا) ام رکانہ کو طلاق دے دی اور مزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ پس وہ مزینہ کی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اپنے سر کا ایک بال پکڑ کر بولی کہ وہ میرے اتنے کام بھی نہیں آتا جتنا یہ بال ہے (یعنی وہ نامرد ہے) سو آپ مجھ میں اور اس میں تفریق فرمائیے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیرت آ گئی اور رکانہ اور اس کے بھائیوں کو بلایا، پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ کیا تم دیکھتے ہو کہ ان میں فلاں کی عبد یزید کے ساتھ فلاں فلاں چیز میں مشابہت ہے؟ اور فلاں کی فلاں فلاں چیز میں! پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یزید سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو پس اس نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے فرمایا اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کر لو۔ اس نے کہا

یارسول اللہ! میں اسے تین طلاق دے چکا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے معلوم ہے اس سے رجوع کرلو اور یہ آیت تلاوت فرمائی: اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے حساب سے طلاق دو۔ ابوداؤد نے کہا: اور نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ کی حدیث اپنے باپ سے اس کی اپنے دادا سے کہ رکانہ نے اپنی عورت کو طلاق دی تو پھر اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اُس کی طرف لوٹادیا بہت صحیح ہے کیونکہ وہ اس کی اولاد تھے اور گھر والے آدمی کو زیادہ جانتے ہیں کہ رکانہ رضؓ نے اپنی عورت کو طلاق البتہ دی تھی (نہ کہ ثلاثہ) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک قرار دیا (مسند احمد ایک دوسری سند کے ساتھ جو صحیح متصل ہے: داؤد بن الحصین عن عکرمہ...)

شرح: خطابی نے اس حدیث کی سند میں گفتگو کی ہے کہ ابن جریج کا اُستاد مبہم و مجہول ہے۔ اور ابوداؤد نے ہی اسے ایک جید تر سند سے روایت کیا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو حضورؐ نے فرمایا: کیا تیرا ارادہ فقط ایک کا تھا؟ اس نے کہا کہ فقط ایک کا۔ پس اس بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کرا دیا۔ اس نے دوسری طلاق حضرت عمرؓ کے دور میں اور تیسری حضرت عثمانؓ کے زمانے میں دی۔ خطابی نے کہا کہ احتمال یہ ہے کہ حدیث ابن جریج کو راوی نے معنی پر روایت کیا ہو، اور وہ یوں کہ بتہ کے معنیٰ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض نے اسے طلاق ثلاثہ ٹھہرایا ہے اور بعض نے ایک، پس راوی کا مذہب یہ تھا کہ بتہ سے مراد ثلاثہ ہے لہٰذا اس نے اسے اسی لفظ (ثلاثہ) سے روایت کر دیا۔ واللہ اعلم۔ اور احمد بن حنبل ان سب احادیث کے طرق کو ضعیف کہتے ہیں۔

مولانا رحؒ نے فرمایا کہ یہی حدیث حاکم نے مستدرک میں اپنی سند سے عن ابن جریج عن محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عکرمہ عن ابن عباس رضؓ الخ بیان کی ہے اور اس میں ثلاثاً کا ذکر نہیں ہے۔ حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ لیکن محمد بن عبیداللہ مذکور بہت ضعیف ہے بخاری رحؒ نے اسے منکر الحدیث، ابن معین نے لیس بشیئ، ابوحاتم نے منکر الحدیث ضعیف الحدیث جداً ذاہب کہا ہے۔ ابن عدی نے اسے کوفی روافض میں شمار کیا ہے۔ دارقطنی نے اسے متروک کہا ہے اور یہ کہ اس کی بہت سی مفصل احادیث ہیں۔ ذہبی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث غلط ہے عبد یزید نے تو اسلام کو پایا تک نہیں ابن القیم نے الہدیٰ میں کہا کہ ابن جریج کا مبہم استاد اگر عبداللہ ہے تو وہ ثقہ معروف ہے اگر کوئی اور ہے تو مجہول العدالت ہے، اور اس سے حجت قائم نہیں ہوسکتی۔

مولانا رحؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں احسن بات یہی ہے کہ عبد یزید کی طلاق البتہ تھی جسے کسی راوی نے اپنے خیال سے ثلاثہ بنا دیا یہ حدیث آگے باب البتہ میں آتی ہے اور اس پر مزید کلام وہاں ہوگا۔

۲۱۹۷ - حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ نَا إِسْمٰعِيلُ أَنَا أَيُّوبُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ كَثِيرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَالَ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ رَادُّهَا إِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَنْطَلِقُ

أَحَدُكُمْ فَيَرْكَبُ الْحُمُوقَةَ ثُمَّ يَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَإِنَّ اللَّهَ قَالَ
وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَإِنَّكَ لَمْ تَتَّقِ اللَّهَ فَلاَ أَجِدُ لَكَ مَخْرَجًا عَصَيْتَ
رَبَّكَ وَبَانَتْ مِنْكَ امْرَأَتُكَ وَإِنَّ اللَّهَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ
فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ حُمَيْدٌ الأَعْرَجُ
وَغَيْرُهُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ
ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَيُّوبُ وَابْنُ جُرَيْجٍ جَمِيعًا عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ
عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ عَطَاءٍ
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كُلُّهُمْ قَالُوا فِي الطَّلاَقِ الثَّلاَثِ أَنَّهُ أَجَازَهَا قَالَ وَبَانَتْ مِنْكَ
نَحْوَ حَدِيثِ إِسْمَعِيلَ وَرَوَاهُ الأَعْمَشُ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَثِيرٍ قَالَ أَبُو
دَاوُدَ رَوَى حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذَا قَالَ أَنْتِ
طَالِقٌ ثَلاَثًا بِفَمٍ وَاحِدٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَرَوَى إِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ
عَنْ عِكْرِمَةَ هَذَا قَوْلُهُ لَمْ يَذْكُرِ ابْنَ عَبَّاسٍ وَجَعَلَهُ قَوْلَهُ عِكْرِمَةَ قَالَ أَبُو
دَاوُدَ وَصَارَ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيمَا۔

مجاہد نے کہا کہ میں ابن عباس رضؓ کے پاس تھا تو ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہے۔ مجاہد نے کہا کہ ابن عباس رضؓ خاموش رہے حتیٰ کہ میں نے سمجھا وہ اس عورت کو واپس رد کریں گے پھر کہا، تم میں سے کوئی جا کر حماقت وجہالت پر سوار ہوتا ہے پھر کہتا ہے: اے ابن عباس رضؓ! اے ابن عباس رضؓ! اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنائے گا اور تو اللہ سے نہیں ڈرا اس میں تیرے لیے کوئی مخرج نہیں پاتا۔ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کی ابتداء میں دو۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث حمید الاعرج وغیرہ نے عن مجاہد عن عباس رضؓ روایت کی ہے۔ اور اسے شعبہ نے عن عمرو بن مرۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضؓ روایت کیا۔ اور ایوب اور ابن جریج دونوں نے عن عکرمۃ بن خالد عن سعید بن

جُبیر عن ابن عباس رض روایت کیا۔ اور ابن جریج نے عن عبد الحمید نے رافع عن عطاء عن ابن عباس رض روایت کیا۔ اور اعمش نے اسے عن مالک بن الحارث عن ابن عباس رض روایت کیا۔ اور ابن جریج نے عن عمرو بن دینار عن ابن عباس رض روایت کیا۔ ان سب نے کہا کہ ابن عباس رض نے اسے نافذ کیا اور کہا کہ عورت تجھ سے جدا ہو گئی۔ جیسا کہ اسمٰعیل کی حدیث میں عن ایوب عن عبداللہ بن کثیر آیا ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ حماد بن زید نے عن ایوب عن عکرمہ عن ابن عباس سے روایت کی کہ جب کوئی بیک لفظ کہے: تجھے تین طلاق، پس وہ ایک ہے۔ اور اسے اسماعیل بن ابراہیم نے عن ایوب عن عکرمہ روایت کیا بطور قول عکرمہ اور ابن عباس رض کا ذکر نہیں کیا اور اسے عکرمہ کا قول بتایا۔

شرح: جیسا کہ واضح ہے اصل حدیث میں یہ فتویٰ ابن عباس رض کا ہے پھر کسی روایت میں یہ عکرمہ کا قول بتایا گیا اور زیادہ تر راوی اسے ابن عباس رض کا فتویٰ قرار دیتے ہیں۔ مزید وضاحت اگلی روایت میں ہے۔

۲۱۹۸۔ **حَدَّثَنَا** اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى وَهٰذَا حَدِيْثُ اَحْمَدَ قَالَا نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِيَاسٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا هُرَيْرَةَ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ سُئِلُوْا عَنِ الْبِكْرِ يُطَلِّقُهَا زَوْجُهَا ثَلَاثًا فَكُلُّهُمْ قَالَ لَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْاَشَجِّ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ عَيَّاشٍ اَنَّهٗ شَهِدَ هٰذِهِ الْقِصَّةَ حِيْنَ جَاءَ مُحَمَّدُ بْنُ اِيَاسِ ابْنِ الْبُكَيْرِ اِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ وَعَاصِمِ بْنِ عُمَرَ فَسَاَلَهُمَا عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَا اذْهَبْ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ فَاِنِّيْ تَرَكْتُهُمَا عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ثُمَّ سَاقَ هٰذَا الْخَبَرَ۔

محمد بن ایاس سے روایت ہے کہ ابن عباس رض اور ابوہریرہ رض اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رض سے پوچھا گیا کہ دوشیزہ کو جب اس کا خاوند طلاق ثلاثہ دیدے تو ان سب نے کہا کہ دوسرے خاوند سے نکاح کیے بغیر اب وہ اس کے لیے حلال نہیں رہی۔ ابوداؤد نے کہا کہ مالک کی سند سے محمد بن ایاس سے مروی ہے کہ اس نے ابن زبیر رض اور عاصم رض بن عمر سے یہ سوال کیا، انہوں نے کہا کہ ابن عباس رض اور ابوہریرہ رض کے پاس جاؤ جنہیں ہم نے حضرت عائشہ رض کے ہاں چھوڑا ہے، پھر یہ حدیث بیان کی۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن عباس رض کا یہ قول ہے کہ مدخولہ عورت ہو یا غیر مدخولہ وہ تین طلاق سے جدا ہو جاتی ہے اور دوسرے خاوند سے نکاح ہوئے بغیر اس کے لیے حلال نہیں۔ یہ بیع صرف والی حدیث کی مانند ہے۔ اس میں یہ کہا کہ ابن عباس رض نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ (بیع صرف کا مسئلہ یہ تھا کہ ابن عباس رض کا

قول پہلے یہ تھا کہ سونے چاندی کی بیع بطورِ اُدھار حرام ہے پھر انہوں نے اس سے رجوع کیا، اسی طرح پہلے ان کا قول تھا کہ تین طلاقیں ایک ہیں مگر پھر اس سے رجوع کر لیا تھا۔

۲۱۹۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ نَا أَبُو النُّعْمَانِ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ عَنْ طَاوُسٍ أَنَّ رَجُلًا يُقَالُ لَهُ أَبُو الصَّهْبَاءِ كَانَ كَثِيرَ السُّؤَالِ لِابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلَى كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ فَلَمَّا رَأَى النَّاسَ قَدْ تَتَابَعُوا فِيهَا قَالَ أَجِيزُوهُنَّ عَلَيْهِمْ۔

طاؤس سے روایت ہے کہ ایک شخص جسے ابو الصہباء کہا جاتا تھا، ابن عباس رضؓ سے بہت سوال کیا کرتا تھا، اس نے ابن عباس رضؓ سے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور حضرت ابوبکر رضؓ کے زمانے میں اور حضرت عمر رضؓ کی خلافت کے شروع سالوں میں جب کوئی آدمی عورت سے خلوت کئے بغیر اسے تین طلاق دیتا تو اسے ایک سمجھتے تھے؟ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ ہاں! جب کوئی آدمی بیوی سے ملے بغیر اس کو طلاق ثلاثہ دیتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور حضرت ابوبکر رضؓ کے دور میں اور حضرت عمر رضؓ کی خلافت کے پہلے سالوں میں اُسے ایک قرار دیتے تھے۔ پھر جب حضرت عمر رضؓ نے دیکھا کہ لوگوں نے اس قسم کی طلاق دھڑا دھڑ دینا شروع کر دی ہے تو کہا کہ: تین طلاق کو لوگوں پر جاری کر دو۔

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ یہ اس حدیث (ابن عباس رضؓ) کی تیسری تاویل ہے کہ یہ حدیث غیر مدخول بہا عورت کے بارے میں تھی نہ کہ مطلقاً طلاق ثلاثہ میں۔ اصحاب ابن عباس رضؓ سے سعید بن جبیر، طاؤس، ابو الشعثاء، عطاء اور عمرو بن دینار کا یہی قول ہے کہ دوشیزہ کی طلاق ثلاثہ ایک ہے۔ مگر عام اہل علم اس کو بھی تین طلاق کہتے ہیں۔ پس ربیعہ، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی، لیث بن سعد اور مالک بن انس نے کہا کہ جس نے اپنی بیوی سے خلوت نہیں کی اور اسے کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق۔ تو اب وہ اس پر حرام ہے جب تک کہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے۔ لیکن مالک نے کہا کہ یہ تب ہے جب اس کی کوئی نیت نہ ہو۔ سفیان ثوری، حنفیہ، شافعی، احمد اور اسحاق نے کہا کہ وہ پہلی طلاق سے جدا (بائن) ہوگئی اور بعد والی طلاق کا کوئی حکم نہیں (وہ لغو ہیں)

حافظ ابن القیم نے الھدیٰ میں کہا ہے کہ کلمۂ واحدہ کے ساتھ تین طلاق کے وقوع میں لوگوں کا اختلاف ہے

اس میں چار مذاہب ہیں: پہلا یہ کہ وہ واقع ہوجاتی ہیں۔ یہ ائمہ اربعہ، جمہور تابعین اور کثیر صحابہ کا مذہب ہے۔
دوسرا یہ کہ وہ واقع نہیں ہوتی بلکہ حرام بدعت ہونے کے باعث اسے رد کیا جائے گا کیونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے:
جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے امر کے موافق نہیں تو وہ مردود ہے اس مذہب کو ابن حزم کے متعلق بیان کیا
گیا ہے اور امام احمد سے روایت کیا گیا مگر انہوں نے کہا کہ یہ تو روافض کا قول ہے۔ تیسرا یہ کہ اس سے ایک رجعی طلاق
واقع ہوگی اور یہ ابن عباس رضؓ سے ثابت ہے اور ابوداؤد نے ان سے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور امام احمد نے کہا کہ
یہ ابن اسحاق کا مذہب ہے، وہ کہتا ہے کہ اس نے خلاف سنت کیا پس اسے سنت کی طرف پھیرا جائے گا۔
اور یہ طاؤس اور عکرمہ کا اور اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اختیار کیا ہے۔ چوتھا مذہب یہ ہے کہ مدخول بہا
اور غیر مدخول بہا میں اس مسئلے میں فرق کیا جائے گا پس مدخول بہا کو تین اور غیر مدخول بہا کو ایک واقع ہوگی۔
اور اصحاب ابن عباس رضؓ کی ایک جماعت کا یہ قول ہے اور یہی اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے جیسا کہ محمد بن
نصر مروزی نے اختلاف العلماء میں ذکر کیا ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ طاؤس کی حدیث جس میں ابوالصہباء کا ابن عباس رضؓ سے سوال مذکور ہے اس میں نہ
باعتبار سند اور نہ باعتبار متن کوئی حجت ہے۔ سند کے لحاظ سے یوں کہ طاؤس یہ نہیں بتاتا کہ آیا وہ اس سوال
کے وقت حاضر تھا اس لیے وہ ابن عباس رضؓ سے روایت کرتا ہے۔ اگر یہ روایت ابوالصہباء سے ہے تو نسائیؒ
نے اسے ضعیف اور ابوزرعہ نے ثقہ کہا ہے۔ پس اس کی توثیق میں اختلاف ہوگیا۔ اگر خود طاؤس ابن عباسؓ
سے روایت کرتا ہے تو پھر حجت ہے۔ پس اس حدیث سے احتجاج حسب قاعدہ محدثین نہیں ہوسکتا کیونکہ
ان کے ہاں جب کسی حدیث میں اس قسم کا اختلاف ہو جائے تو وہ اسے لائق احتجاج نہیں مانتے کیونکہ جرح کو
توثیق پر مقدم کیا جاتا ہے۔ پھر یہ حدیث فتوائے ابن عباس رضؓ سے بھی خلاف ہے اور ابن عباس رضؓ سے بقیہ روایات
جو اوپر گزریں ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان میں گزر چکا کہ ابن عباس رضؓ نے تین کو تین کہا اور اس کے اجراء کا حکم دیا
جہاں تک اس کے متن کا تعلق ہے اس میں بہت سے احتمالات ہوسکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اس میں یہ جو کہا گیا ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یوں ہوتا تھا، اس میں صراحت نہیں ہے کہ یہ حضورؐ کے حکم سے ہوتا تھا
یا آپ کو اس کی خبر تھی لہذا آپ کی تقریر و توثیق سے ہوتا تھا پس اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ حضورؐ کے حکم کے بغیر
ہوتا تھا، اور زمانۂ جاہلیت سے رواج چلا آتا تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی یہی رہا کہ تین طلاق دینے والا رجوع کا
حقدار ہوتا تھا پھر یہ منسوخ ہوا۔ پس ہوسکتا ہے کہ جن کو نسخ نہیں پہنچا تھا وہ ایسا کرتے ہو جیسا کہ متعہ کے مسئلہ
میں ہوا تھا۔ اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسا ہوتا تھا تو شاید وہ اس عورت
کے بارے میں ہو جس نے کہا، تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، یعنی الفاظ کی تفریق کرے۔ اور لوگ حضورؐ کے
عہد میں اور ابوبکر رضؓ کے عہد میں صدق و سلامتی پر تھے، ان میں دھوکا فریب نہ تھا، پس اس صورت میں جب وہ کہتے
کہ ہم نے طلاق تو ایک دی تھی مگر اس کی تاکید و توثیق کے لیے دوسرا یا تیسرا لفظ بولا تھا تو ان کی تصدیق کردی جاتی
مگر حضرت عمر رضؓ نے اپنے وقت میں جب لوگوں میں تغیر و تبدل دیکھا تو ان الفاظ کو تاکید پر محمول کرنے سے روک دیا
اور تینوں طلاقیں لازم کردیں۔ اور مسلم کی حدیث میں حضرت عمر رضؓ کا قول اس کی تصدیق کرتا ہے کہ: لوگوں نے

ایک معاملے میں جلدی کر ڈالی جس میں ان پر آسانی اور نرمی تھی لہذا کیوں نہ اب ہم ان تین کو ہی لازم کر دیں۔ اور علماء نے اس حدیث میں اور کئی احتمالات کا بھی ذکر کیا ہے، پس ان کی موجودگی میں اس سے استدلال نہیں ہو سکتا نیز مسلم کی حدیث میں ہے کہ ابو الصہباء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ھات من ھناتک۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کا مطلب ہے عجیب و غریب امور۔ اور یہ امر چونکہ غریب تھا اور اسلام میں شائع نہ تھا لہذا اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں یہ حکم دیا تھا اور انہوں نے اس پر نکیر نہ کی۔ پس اول تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان غلط ہے کہ وہ کسی صریح امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ گمان ناممکن تھا کہ ایسی صورت میں وہ خاموش رہتے پس اس مسئلے پر اجماع ہو گیا اور باطل پر اجماع ممکن نہیں۔

۲۲۰۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ أَبَا الصَّهْبَاءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَتَعْلَمُ إِنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَثَلَاثًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ۔

طاؤس سے روایت ہے کہ ابو الصہباء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ جانتے ہیں کہ تین کو ایک بنایا جاتا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی اور عمر رضی اللہ عنہ کی امارت کے تین سالوں میں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں (مسلم، النسائی، نسائی نے عنوان باب میں ظاہر کر دیا ہے کہ یہ متفرق تین الفاظ میں تھا)

خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ قول غلط ہے کہ حضرت عمر نے طلاق ثلاثہ کے ایک ہونے کے حکم کو منسوخ کر دیا تھا۔ نسخ کا سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تو تھا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نہیں، نبوت ختم ہو چکی تھی وحی کا نزول بند تھا۔ اس دور میں اجتہاد کا سوال تھا نسخ کا نہیں۔ پھر علامہ خطابی نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نقل کیا جو اس حدیث کے یکسر خلاف ہے، اور کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پر یہ گمان غلط ہے کہ ان کے پاس حضور کا کوئی حکم ہوتا اور اس کے خلاف فتویٰ دیتے۔

خطابی نے کہا ہے کہ اس طلاق ثلاثہ سے مراد البتہ بھی ہو سکتی ہے۔ رکانہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم البتہ کو ایک سمجھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسے ایک جانتے تھے۔ پھر جب لوگوں نے دھڑا دھڑ طلاق ثلاثہ دینا شروع کر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لازم کر دیا۔ اور کئی صحابہ کا یہی مذہب تھا۔ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے البتہ کو تین قرار دیا اور یہی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور طلاق البتہ کو تین قرار دینے کا مذہب سعید بن المسیب، عروہ، عمر بن عبد العزیز، زہری اور مالک، اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ اور احمد بن حنبل کا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ بالفاظ متفرقہ کو ایک سمجھا جاتا تھا کیوں کہ ان لوگوں میں سلامتی اور نیکی کا غلبہ تھا اور مکر و فریب نہیں تھا۔ جب وہ تین لفظوں سے تین مرتبہ طلاق کا لفظ کہتے تو ان کا یہ قول مان لیا جاتا تھا کہ ہماری مراد پہلی ایک طلاق کی تاکید ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں

اس کی کثرت ہوگئی تو انہوں نے اسے تین قرار دے دیا۔

بَابٌ فِي مَا عُنِيَ بِهِ الطَّلَاقُ وَالنِّيَّاتُ

طلاق کے الفاظ اور نیتوں کا باب

۲۲۰۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ.

حضرت عمر بن الخطاب کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یقیناً اعمال نیتوں پر ہیں اور آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کی ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی (بخاری ۸ جگہ، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، دار قطنی، ابن حبان، بیہقی، موطا امام محمد)

شرح: حسی اور مادی لحاظ سے تو بلا نیت بھی اعمال کا صدور ممکن ہے، مثلاً خطاء و نسیان اس کا واضح ثبوت ہے۔ پس کسی چیز کو مقدر ماننا پڑے گا تاکہ نفی اعمال کو اس کی طرف متوجہ کیا جا سکے۔ امام شافعیؒ کی رائے میں تو صحیحۃ یا تصح مقدر ہے یعنی انما الاعمال تصح بالنیات۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی رائے میں کاملۃ یا تکمل مقدر ہے یعنی انما الاعمال تکمل بالنیات اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ معتبرۃ یا تعتبر کو مقدر مانا جائے یعنی انما الاعمال تعتبر بالنیات۔ تاکہ حدیث سب اعمال کو حاوی ہو سکے خواہ وہ محض عبادات ہوں جن کی صحت کے لیے اجماعاً نیت معتبر ہے مثلاً نماز، روزہ اور زکوٰۃ و حج وغیرہا۔ اور طاعات کی شروط میں نیت معتبر ہے مثلاً ستر عورت اور طہارت، ان میں حصول ثواب کے لیے نیت شرط ہے نہ کہ صحت کے لیے عند الحنفیہ (شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے) اور مباح امور کبھی نیت کے باعث نیکی بن جاتے ہیں اور کبھی بدی (یعنی جیسی نیت ہو)

حدیث میں کسی عورت کے ساتھ نکاح کی نیت کا ذکر ہے یہ تعمیم کے بعد تخصیص کے طور پر ہے، کیونکہ پہلے دنیا کا ذکر ہوا ہے جو عام ہے اور عورت کا نکاح بھی اس میں داخل تو ہے مگر یہ بتانے کے لیے کہ حدیث کا مورد ایک خاص واقعہ تھا ایسا فرمایا گیا ہے۔ اور وہ خاص مورد حسب روایت ابن مسعودؓ (طبرانی) ایک شخص تھا جس نے

ام قیس نامی ایک عورت کی خاطر ہجرت کی تھی، اور اس بنا پر اسے مہاجر ام قیس کہا جاتا تھا۔ اس حدیث کی مناسبت باب کے ساتھ یہ ہے کہ طلاق کے بعض الفاظ واقع ہونے کے لیے نیت کے محتاج ہیں۔ اور وہ کنایات ہیں جہاں تک صریح لفظِ طلاق کا سوال ہے اس میں نیت ہو یا نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق میں جد و ہزل کو برابر ٹھہرایا ہے۔ یہ حدیث گزر چکی ہے۔

۲۲۰۲ ۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ وَسُلَيْمٰنُ بْنُ دَاؤُدَ قَالَا اَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ فَاَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ كَعْبٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِّنْ بَنِيْهِ حِيْنَ عَمِيَ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فَسَاقَ قِصَّتَهٗ فِيْ تَبُوْكَ قَالَ حَتّٰى اِذَا مَضَتْ اَرْبَعُوْنَ مِنَ الْخَمْسِيْنَ اِذَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُكَ اَنْ تَعْتَزِلَ امْرَاَتَكَ قَالَ فَقُلْتُ اُطَلِّقُهَا اَمْ مَاذَا اَفْعَلُ قَالَ لَا بَلِ اعْتَزِلْهَا فَلَا تَقْرَبَنَّهَا فَقُلْتُ لِامْرَاَتِي الْحَقِيْ بِاَهْلِكِ فَكُوْنِيْ عِنْدَهُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ۔

عبداللہ بن کعبؓ بن مالک سے واقعۂ تبوک کے سلسلے میں سُنا کہ انہوں نے کہا: جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میں نے آتا دیکھا، اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے حکم دیتے ہیں کہ تو اپنی عورت سے الگ رہے۔ کعبؓ نے کہا کہ میں نے پوچھا کہ آیا میں اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے الگ رہ اور اس کے قریب مت جا۔ پس میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے والدین کے گھر چلی جا اور جب تک اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ نہ کر دے انہیں کے پاس رہ
(بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

شرح: کعبؓ بن مالک ان تین اصحاب میں سے تھے جن کا معاملہ جنگ تبوک میں بلا عذر شامل نہ ہونے کے باعث مؤخر کیا گیا اور بعد میں ان کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ باقی دو ہلال بن امیہؓ اور مرارہ بن ربیعؓ تھے سورۂ توبہ میں یہ قصہ مذکور ہے۔ کعبؓ بن مالک نے اپنی بیوی کو اس کے میکہ بھیجنے کے لیے اِلْحَقِیْ بِاَھْلِكِ فرمایا تھا۔ یہ لفظ طلاق کے کنایات میں سے ہے جبکہ بہ نیت طلاق بولا جائے، لیکن انہوں نے طلاق کی نیت سے نہیں بولا تھا لہذا طلاق واقع نہ ہوئی۔ صریح الفاظ کا معاملہ دوسرا ہے۔

بَابٌ فِي الْخِيَارِ ۱۲

خیار کا باب

۲۲۰۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَاهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذَلِكَ شَيْئًا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے آپؐ کو اختیار کر لیا اور اسے کچھ بھی (طلاق وغیرہ میں سے) شمار نہ کیا گیا (بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: خیار کا معنیٰ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اختیار دیدے۔ جب تک بیوی اس اختیار کو استعمال نہ کرے طلاق واقع نہ ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج رضؓ کے کچھ مطالبات پر بطور اظہار ناراضگی پہلے تو ایک ماہ تک ان سے علیحدگی اختیار کی اور ان دنوں میں آپ کو ایک چوٹ بھی لگی ہوئی تھی لہذا مسجد کے بالاخانے میں فروکش رہے۔ پھر آیت تخییر اتری تو حضورؐ نے باری باری سب پر وہ پیش کی اور انہوں نے حضورؐ کو اختیار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت اگر طلاق کو اختیار نہ کرے تو اس تخییر کی صورت میں طلاق نہیں ہوتی۔

علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جن کے نزدیک تخییر سے کچھ واقع نہیں ہوتا جبکہ بیوی خاوند کو اختیار کرے۔ جمہور صحابہ و تابعین اور فقہائے امصار کا یہی مذہب ہے۔ لیکن جب وہ اپنے نفس کو اختیار کرے تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس صورت میں صرف ایک رجعی یا بائن یا تین طلاق واقع ہوں گی۔ ترمذی نے علی رضؓ سے حکایت کی ہے کہ عورت جب اپنے نفس کو اختیار کرے گی تو ایک بائن، خاوند کو اختیار کرے گی تو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ زید بن رضؓ ثابت سے مروی ہے کہ اگر وہ اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک بائن (اور ایک رجعی کی روایت بھی ہے) اور اگر خاوند کو اختیار کرے تو کچھ نہیں ہوگا۔

اور جمہور کے قول کی تائید یہ چیز کرتی ہے کہ تخییر کا معنی ہے دو چیزوں میں اختیار دینا، پس اگر خاوند کو اختیار کرنے کی صورت میں بھی طلاق ہو جائے تو اپنے نفس کو اختیار کرنا اور خاوند کو اختیار کرنا برابر ہو جائیں گے اور تخییر کا معنی باطل ہوگا۔ پس اس سے یہ دلیل نکلی کہ عورت کا اپنی جان کو اختیار کرنا بمعنیٰ فراق ہے اور خاوند کو اختیار کرنا اس کے نکاح میں رہنے کا ہم معنی ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے زاذان کے طریق سے روایت بیان کی ہے، اس نے کہا کہ ہم حضرت علی رضؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ سے خیار کے بارے میں سوال کیا گیا تو علی رضؓ نے کہا یہ سوال مجھ سے حضرت عمرؓ نے بھی کیا تھا تو میں نے کہا تھا کہ اگر عورت اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک بائن طلاق اور اگر خاوند کو اختیار کرے تو ایک رجعی طلاق، حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ بات یوں نہیں جو تو نے کہی بلکہ اگر وہ اپنے خاوند کو اختیار کرے تو کچھ بھی واقع نہیں ہوتا۔ پس نے اس کی متابعت کے بغیر چارہ نہ پایا۔

پھر جب میں والی ہوا تو اپنی اُسی بات کی طرف رجوع کر لیا جو مجھے معلوم تھی۔ علیؓ نے کہا کہ عمرؓ نے زید بن ثابت کو بلا بھیجا اور ان سے بھی وہی کچھ ذکر کیا جو ترمذی نے بیان کیا ہے۔

امام مالکؒ نے زید بن ثابتؓ کا قول اختیار کیا ہے اور ان کے بعض پیروؤں نے اس کے لیے یہ دلیل دی ہے کہ جب وہ اپنے نفس کو اختیار کرے تو تین طلاقیں اس لیے واقع ہوتی ہیں کہ خیار کا معنیٰ یہ ہے کہ دو طریقوں میں سے ایک کے ساتھ علیحدہ ہو جا، یا خاوند کو اختیار کرے یا اُسے ترک کرے۔ اور اگر ہم کہیں کہ اپنے نفس کو اختیار کرنے کی صورت میں ایک رجعی طلاق آئے گی تو یہ مقتضائے لفظ کا لحاظ نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کے بعد بھی خاوند کی قید میں رہے گی۔ اس کی مثال یوں ہوں گی کہ کسی کو دو اموریں اختیار ملا مگر اس نے تیسرا امر اختیار کر لیا۔

امام ابو حنیفہؒ نے حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ کے قول کو لیا ہے کہ جب بیوی اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک بائن طلاق ہوگی۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ تخییر کنایہ ہے، پس جب خاوند عورت کو اختیار دے کہ عورت اس سے آزاد ہو جائے یا اس کے قبضے میں رہے، پس اس نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو اگر اس نے اس سے مراد طلاق لی ہو تو طلاق واقع ہو گی اور اگر وہ کہے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کرنے میں طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ آیت تخییر کا ظاہر بتاتا ہے کہ اپنے نفس کو اختیار کرنے کی صورت میں طلاق اور حضورؐ کو اختیار کرنے کی صورت آنجناب کے نکاح میں رہنے کے اندر تخییر نہ تھی۔ بلکہ آیت تخییر اس لیے نازل ہوئی کہ اگر ازواجؓ دنیوی زندگی اور اس کی زینت کو پسند کریں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں طلاق دیکر الگ کر دیں اور اگر وہ یہ ظاہر کریں کہ وہ اللہ و رسولؐ اور آخرت کی زندگی چاہتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت میں رہیں گی اور اجر عظیم کی حقدار بنیں گی، پس اس آیت میں یہ صراحت ہے کہ جب وہ دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت و آرائش کو اختیار کر بیٹھیں تو پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دے کر رخصت فرماتے۔ پس صرف دنیوی زندگی کو اختیار کرنے کی صورت میں طلاق واقع ہو جانے کا اس میں ذکر ہی نہیں اور نہ اس آیت سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بَابُ ۱۳ فِيْ أَمْرُكِ بِيَدِكِ

باب اَمرُکِ بِیدِکِ کے بیان میں

۲۲۰۴ ۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قُلْتُ لِأَيُّوبَ هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا قَالَ بِقَوْلِ الْحَسَنِ فِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ قَالَ لَا إِلَّا شَيْءٌ حَدَّثَنَاهُ قَتَادَةُ عَنْ كَثِيرٍ مَوْلَى بْنِ سَمُرَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ قَالَ أَيُّوبُ فَقَدِمَ عَلَيْنَا كَثِيرٌ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ مَا حَدَّثْتُ بِهَذَا قَطُّ فَذَكَرْتُهُ لِقَتَادَةَ فَقَالَ بَلَى وَلَكِنَّهُ نَسِيَ۔

حماد بن زید کا بیان ہے کہ میں نے ایوب سے پوچھا: کیا آپ کوئی شخص جانتے ہیں جس نے اَمْرُکِ بِیَدِکِ میں حسنؒ جیسی بات کہی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ ہاں ..... ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ ایوب نے کہا کہ پھر کثیر ہمارے پاس آیا تو میں نے اُس سے اس روایت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے کبھی یہ روایت نہیں کی۔ پھر میں نے قتادہ سے یہ ذکر کیا تو اُس نے کہا: کیوں نہیں؟ لیکن وہ (یعنی کثیر) بھول گیا ہے (نسائیؒ نے اسے روایت کر کے حدیث منکر کہا، ترمذی نے روایت کر کے اسے حدیث غریب کہا اور بخاری نے نقل کیا کہ یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں)

شرح: الحسن کا قول یہ ہے کہ جو مرد اپنی بیوی سے کہے: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے (اَمْرُکِ بِیَدِکِ) تو یہ تین طلاقیں ہیں۔ ترمذی نے یہ حدیث روایت کر کے کہا ہے کہ اصحاب میں سے عمر بن الخطابؓ اور ابن مسعودؓ کا قول یہ ہے کہ یہ ایک طلاق ہے اور یہی کئی تابعین اور ان کے اتباع کا مذہب ہے۔ اور عثمان بن عفانؓ اور زیدؓ بن ثابت نے کہا کہ اس چیز کا فیصلہ خود وہ عورت کرے گی۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ اس صورت میں عورت نے اگر اپنے آپکو تین طلاقیں دے دیں مگر خاوند نے کہا کہ میں نے تو اسے صرف ایک کا اختیار دیا تھا تو خاوند کو قسم دلوائیں گے اور اس کا قول مقید ہوگا۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔ مالک بن انس نے کہا کہ اس کا فیصلہ عورت کے ہاتھ میں ہوگا اور یہی احمد کا قول ہے۔ مگر اسحاق نے ابن عمرؓ کا قول اختیار کیا ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ اس باب میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب مرد اپنی بیوی سے کہے: اَمْرُکِ بِیَدِکِ (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے) پس یہ مرد کی طرف سے تملیک ہے، اب وہ اس میں نہ رجوع کا مالک ہے اور نہ فسخ کا۔ وجہ یہ کہ اُس نے عورت کو طلاق کا مالک بنا دیا ہے اور جو شخص کسی اور کو اپنی کسی چیز کا مالک بنا دے اس کی ملکیت کا اقتدار زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو کیونکہ یہ طلاق کے کنایات میں سے ہے لہذا نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا سوائے اس صورت کے وہ غضب و خصومت کی حالت ہو یا مذاکرۂ طلاق کی حالت ہو تو ایسے شخص کو قضاءً میں سچا نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ احوال و قرائن ارادۂ طلاق پر دلالت کرتے ہیں اور یہ چیز ظاہر ہے جس سے عدول نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عورت کو اگر وہ غائب ہو، یا حاضر ہو مگر سنتی نہ ہو، اس بات کا علم ہونا ضروری ہے، کہ اس کے نفس کا معاملہ اس کے اختیار میں دے دیا گیا ہے۔ پس اگر عورت کو علم نہ ہوا تو اس کے نفس کا اختیار اُسے حاصل نہ ہوگا جب تک کہ وہ سن نہ لے یا اسے خبر نہ پہنچ جائے۔ اور جب یہ اختیار مطلق ہو، غیر معلق ہو اور مؤقت نہ ہو (اس میں کسی وقت کی قید نہ ہو) تو اس کی شرط مجلس کا باقی رہنا ہے۔ یعنی تفویض کے بارے میں عورت کے علم کی مجلس۔ سو جب تک وہ اس مجلس میں ہو گی اُسے اختیار باقی ہوگا، بالفاظ دیگر جب تک وہ مجلس قائم رہے گی عورت کا

معاملہ اس کے ہاتھ میں رہے گا۔ سو اگر وہ اپنی مجلس سے اٹھ گئی تو اختیار باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ مجلس سے اٹھ کھڑا ہونا اعراض کی دلیل ہے۔ سو گویا اس نے تملیک کو رد کر دیا۔ اسی طرح اگر اس کا کوئی فعل یا قول ایسا پایا گیا جو اعراض کی دلیل ہو تو بھی اختیار باطل ہو گیا۔ مثلاً اس نے کھانے کے لیے کھانا منگوا لیا یا اپنے وکیل کو کسی بات کا حکم دے دیا وغیرہ۔

اور تفویض کی وجہ سے جو حکم ثابت ہے وہ عورت پر لازم نہیں ہوتا کیونکہ وہ اسے رد کرنے کا اختیار صراحۃً یا دلالۃً رکھتی ہے۔ کیونکہ تخییر لزوم کے منافی ہے اور یہ اختیار اسے صرف ایک بار حاصل ہو گا کیونکہ مرد کا قول: أمرك بيدك تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن اس قول کے ساتھ اگر مرد کوئی ایسا لفظ ملا دیتا ہے جو تکرار کا مقتضی ہے تو تکرار ثابت ہو گا۔ مثلاً وہ کہے: "تو جب کبھی چاہے تیرا معاملہ تیرے اختیار میں ہے"۔ اس صورت میں وہ عورت ہر مجلس میں اپنے نفس کو ایک طلاق دے سکتی ہے حتیٰ کہ تین کا عدد پورا ہو جائے اور وہ اس مرد سے جدا ہو جائے۔ لیکن اس صورت میں اسے ہر مجلس میں صرف ایک طلاق کا اختیار ہے کیونکہ مرد گویا ہر مجلس میں اسے ایک اختیار دے رہا ہے، پس جب اس نے یہ اختیار استعمال کر لیا تو اس تملیک کا موجب ختم ہو گیا۔

اب رہی یہ بات کہ امر بالید کا جواب کون کون سے الفاظ سے درست ہے اور کون سے الفاظ سے درست نہیں ہے، تو اس معاملے میں اصل یہ ہے کہ جو الفاظ خاوند کی طرف سے طلاق ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہی عورت کی طرف سے جواب ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جو الفاظ خاوند اگر بولے تو طلاق نہیں ہو سکتے وہ عورت کی طرف سے امر بالید کے جواب میں بھی طلاق نہیں ہو سکتے۔ مثلاً جب وہ جواب میں کہے: میں نے اپنے نفس کو طلاق دی، یا میں نے اپنے نفس کو بائن کیا یا میں نے اپنے نفس کو حرام کیا تو ان الفاظ سے واقع ہونے والی طلاق ایک بائن طلاق ہو گی (حنفیہ کے نزدیک) بشرطیکہ تفویض قرینۂ طلاق سے مطلق ہو، مثلاً مرد نے کہا، تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اور اس نے تین طلاق کی نیت نہیں کی۔ اور ایک طلاق اس لیے واقع ہو گی کہ تفویض میں کوئی لفظ ایسا نہ تھا جو عدد کی خبر دیتا۔ اور یہ طلاق بائن اس لیے ہے کہ یہ الفاظ طلاقِ بائن کے کنائے کے جواب میں ہیں اور کنائے ہمارے نزدیک طلاقِ بائن کو واجب کرتے ہیں۔ اگر مرد نے کہا: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اور تین کی نیت کی تو جب عورت اپنے آپ کو تین طلاق دے دے گی تو وہ واقع ہو جائیں گی، کیونکہ مرد نے اس کا معاملہ مطلقاً اس کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اس صورت میں ایک کا بھی احتمال ہے، اور تین کا بھی۔ اور جب اس نے تین کی نیت کر لی تو ایک ایسے امر کی نیت کی جسے مطلق امر میں مراد لینے کا احتمال موجود تھا۔ اور اس صورت میں جب وہ دو کی نیت کرے تو ہمارے اصحاب ثلاثہ کے نزدیک تو ایک ہو گی مگر اس میں امام زفر کا اختلاف ہے۔

اس حدیث کی سند اس قبیل سے ہے جسے کہا جاتا ہے کہ: فلاں نے روایت کی اور پھر بھول گیا اس میں محدثین کا مذہب وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ میں بیان کیا ہے کہ جب استاد سے کسی نے روایت کی اور استاد اس کا انکار کرے، پس اگر انکار جزم و یقین کے الفاظ کے ساتھ ہو مثلاً: اس نے مجھ پہ جھوٹ بولا، یا یہ کہ

یں نے یہ روایت اس سے نہیں کی۔ تو اس صورت میں وہ روایت رد کی جائے گی کیونکہ ان میں سے ایک نے جھوٹ ضرور بولا ہے گو یہ نہیں معلوم کہ کس نے بولا ہے۔ اور چونکہ تعارض موجود ہے لہذا ان میں سے کسی کی عدالت میں یہ قادح نہ ہو گا۔ اور انکار اگر احتمال کے طور پر ہو مثلاً مجھے یہ یاد نہیں، یا میں اسے نہیں پہچانتا، تو صحیح ترین قول میں اس حدیث کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ اسے استاد کی نسیان پر محمول کیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حدیث قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ فرع اصل کے تابع ہوتی ہے، سو جب اصل کی حدیث ثابت نہیں یعنی استاد کی تو فرع یعنی شاگرد کی کیسے قبول ہو گی؟ اس حدیث میں صورت یہی پہلی ہے کہ کثیر نے جزم و یقین کے ساتھ انکار کیا ہے کہ میں نے یہ حدیث نہیں بیان کی۔ یہ تو ہے ابوداؤد کی روایت میں۔ ترمذی کی روایت میں کثیر نے جزم و یقین کے ساتھ انکار نہیں کیا بلکہ اجمال و ابہام لکھا ہے لہذا حسب قاعدہ محدثین سنن ابی داؤد کی یہ روایت غیر مقبول ہے مگر ترمذی کی روایت میں ابہام ہے لہذا اسے بھی ابوداؤد کی روایت پر محمول کیا جائے گا۔

۲۲۰۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ نَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ فِي اَمْرُكِ بِيَدِكِ قَالَ ثَلَاثٌ۔

حسن بصری سے اَمْرُكِ بِيَدِكِ میں مروی ہے کہ وہ تین طلاق ہیں (گزشتہ حدیث میں اس کا ذکر گزرا)

بَابٌ ۱۴ فِي الْبَتَّةِ

یہ باب البتہ میں ہے

۲۲۰۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ وَاِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ الْكَلْبِيُّ فِي اٰخَرِيْنَ قَالُوْا نَا مُحَمَّدُ بْنُ اِدْرِيْسَ الشَّافِعِيُّ حَدَّثَنِيْ عَمِّيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ شَافِعٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ السَّائِبِ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ اَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيْدَ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ فَاُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ وَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتَ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً ۔۔۔۔۔۔۔۔ فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَؓ وَالثَّالِثَةَ فِيْ زَمَانِ عُثْمَانَؓ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ اَوَّلُهٗ لَفْظُ اِبْرَاهِيْمَ وَاٰخِرُهٗ لَفْظُ ابْنِ السَّرْحِ

رکانہ رضؓ ابن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاقِ البتہ دے دی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی تو رکانہ رضؓ نے کہا: واللہ میرا ارادہ فقط ایک طلاق کا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واللہ تیرا ارادہ فقط ایک کا تھا؟ رکانہ رضؓ نے کہا: واللہ میں نے صرف ایک کا ارادہ کیا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عورت اس کی طرف لوٹا دی۔ پھر اس نے دوسری طلاق حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور تیسری حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں دی۔ ابو داؤدؒ نے کہا کہ اس حدیث کی ابتدا میں ابراہیم کے اور آخر میں ابن السرح کے الفاظ ہیں۔

شرح: طلاقِ البتہ کنایات میں سے ہے اور کنایہ سے نیت کے ساتھ ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ پس حنفیہ کے نزدیک رکانہ رضؓ کی بیوی جو واپس لوٹائی گئی اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے ساتھ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ طلاق رجعی تھی (جیساکہ خطابی نے معالم السنن میں صراحت کی ہے) لہذا رکانہ رضؓ کی بیوی ان کے نزدیک نکاح کے بغیر لوٹائی گئی تھی۔ ترمذی نے کہا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے البتہ کو ایک طلاق قرار دیا ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضؓ نے تین طلاق قرار دیا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا کہ اس میں مرد کی نیت کا اعتبار ہے، ایک کی نیت کرے تو ایک، تین کی نیت کرے تو تین اور دو کی صورت میں بھی ایک طلاق ہوگی، اور یہ ثوری اور فقہائے کوفہ کا مذہب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اگر مدخول بہا عورت ہو تو تین طلاق ہیں۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ ایک کی نیت کرے تو ایک رجعی طلاق ہے، دو کی کرے تو دو اور تین کی کرے تو تین۔

۲۲۰۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ النَّسَائِيُّ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُمْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِدْرِيسَ حَدَّثَنِي عَمِّي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ عَنِ ابْنِ السَّائِبِ عَنْ نَافِعِ ابْنِ عُجَيْرٍ عَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيدَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ

اس حدیث کی یہ دوسری روایت ہے جو حسب سابق ہے۔

۲۲۰۸ - حَدَّثَنَا سُلَيْمٰنُ بْنُ دَاوُدَ نَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا اَرَدْتَ قَالَ وَاحِدَةً قَالَ آللّٰهِ قَالَ آللّٰهِ قَالَ هُوَ عَلٰى مَا اَرَدْتَ قَالَ اَبُو دَاوُدَ وَهٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ ثَلَاثًا لِاَنَّهُمْ اَهْلُ بَيْتِهِ وَهُمْ اَعْلَمُ بِهِ وَحَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ رَوَاهُ عَنْ بَعْضِ بَنِي اَبِي رَافِعٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

رکانہ رضؓ سے روایت ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دے دی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

آیا اور کہا کہ میرا ارادہ فقط ایک کا تھا، حضورؐ نے فرمایا: کیا اللہ کی قسم کھاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں اللہ کی قسم کھاتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ تیرے ارادے کے مطابق ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث ابن جریج کی حدیث سے صحیح تر ہے جس میں ہے کہ رکانہ رضؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں، سبب یہ ہے کہ رکانہ رضؓ سے روایت کرنے والے اس حدیث میں اس کے گھر کے لوگ ہیں اور وہ اسے زیادہ جانتے تھے۔ اور حدیث ابن جریج عن بعض بنی ابی رافع عن عکرمۃ عن ابن عباس ہے۔ (اصل حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے ترمذی نے اسے حدیث غریب کہا ہے اور بخاری کے حوالے سے اس میں اضطراب بتایا ہے۔ بخاری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں کبھی ایک کا اور کبھی تین کا ذکر آیا ہے اور صحیح تر بات یہ ہے کہ وہ البتہ تھی اور روایت بالمعنی کے طور پر ثلاث کہہ دیا گیا)

شرح: مولانا ئےؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد کے سب نسخوں میں ایسا ہی ہے کہ ابن جریج کی حدیث میں رکانہ رضؓ کے تین طلاق دینے کا ذکر ہے حالانکہ حقیقت میں اس حدیث میں رکانہ رضؓ کے باپ عبد یزید کا قصہ ہے۔ اس حدیث پر کچھ دیر پہلے بھی بحث ہو چکی ہے۔

بَابٌ۱۵ فِي الْوَسْوَسَةِ بِالطَّلَاقِ

باب طلاق میں وسوسہ کے متعلق

۲۲۰۹ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ ابْنِ أَبِي أَوْفَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا لَمْ يَتَكَلَّمْ بِهِ أَوْ تَعْمَلْ بِهِ وَبِمَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا۔

ابوہریرہ رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لیے ان چیزوں سے درگزر فرمایا ہے جو زبان سے نہ کہیں یا ان پر عمل نہ کریں اور جو کچھ ان کے دل میں بے اختیار گزرے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ حدیث النفس اور انسان کے دلی وساوس کو دینی امور میں کسی حکم کے تحت نہیں لایا گیا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپنے دل سے بیوی کو طلاق دے تو جب تک زبان سے نہ بولے گا طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہی مذہب عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، قتادہ، ثوری، حنفیہ، شافعی، احمد اور اسحاق کا ہے۔ زہری اور مالک کا قول یہ ہے کہ جب طلاق کا عزم کر لیا تو زبان سے بولے یا نہ بولے، طلاق واقع ہو گئی۔ اور یہ حدیث ان پر حجت ہے۔ اس مسئلے پر علماء کا اجماع ہے کہ ظہار کے عزم سے کچھ نہیں ہوتا جب تک زبان سے اس کا اظہار نہ ہو۔ اگر کسی کے دل میں بطور حدیث نفس قذف کا خیال آئے تو یہ قذف نہیں۔ نماز میں اگر حدیث النفس واقع ہو تو نماز کا اعادہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے نماز میں کلام کو

حرام کیا ہے پس حدیث النفس اگر کلام کے حکم میں ہوتی تو نماز باطل ہو جاتی۔ کتابت چونکہ ایک عمل ہے لہذا زبان سے ادا نہ بھی ہو تب بھی کتابت سے طلاق ہو جاتی ہے۔ محمد بن الحسنؒ نے یہی کہا ہے۔ اور احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے۔ مگر مالکؒ اور اوزاعیؒ نے کہا کہ طلاق لکھ کر گواہی بھی ڈال دی جائے تو جب تک اسے بھیجا نہ جائے، جب بیوی کو طلاق بھیج دی تو واقع ہو گئی، اگر بے ارادہ لکھ ڈالی تو واقع نہیں ہوئی۔ یہ قول شافعیؒ کا ہے۔ بعض فقہاء نے کہا کہ کتابت کے سامان مثلاً کاغذ وغیرہ پر لکھنے اور زمین پر لکھنے میں فرق ہے۔ زمین پر لکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ وسوسہ زدہ، بے عقل اور مجنون کی طلاق اس حدیث کی رُو سے واقع نہیں ہوتی۔ امام طحاوی نے جمہور کے حق میں اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کوئی آدمی لفظ صریح سے اپنی بیوی کو کہے: تجھے طلاق ہے، اور دل میں نیت تین کی کرے تو صرف ایک واقع ہو گی۔ کیونکہ صرف نیت کے ساتھ طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک اس کے مطابق لفظ نہ بولا جائے۔ اس حدیث کی آسانیاں امت مسلمہ کے لیے ہیں پس جو شخص دل سے کفر و شرک پر مصر ہو وہ چونکہ امت میں داخل نہیں لہذا اُسے ان آسانیوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح کی گزشتہ معصیت پر اصرار یا آئندہ کے لیے کسی گناہ کا پختہ ارادہ بھی حدیث النفس اور وسوسے میں نہیں آتا۔ یہ چیزیں اعمال سے متعلق ہیں نہ کہ خطرات نفس سے۔

بَابٌ ۱۶ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ يَا أُخْتِي

اس شخص کا باب جو اپنی بیوی کو اے بہن کہہ کر پکارے

۲۲۱۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ ح وَنَا أَبُو كَامِلٍ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ وَخَالِدٌ الطَّحَّانُ الْمَعْنَى كُلُّهُمْ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ الْهُجَيْمِيِّ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِامْرَأَتِهِ يَا أُخَيَّةُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْتُكَ هِيَ فَكَرِهَ ذٰلِكَ وَنَهٰى عَنْهُ۔

ابو تمیمہ ہجیمی سے روایت ہے کہ ایک مرد نے اپنی عورت کو کہا: اے میری پیاری بہن! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ تیری بہن ہے؟ پس آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور اس سے منع کیا۔

شرح: یہ حدیث مرسل ہے۔ بقول منذری ابو تمیمہ کا نام طریف بن خالد بصری تھا جو تابعین کے طبقہ ثانیہ میں سے تھا اور محدثین کے نزدیک وہ جلیل القدر ثقہ ہے۔ خطابی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی بات کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ اس میں تحریم کا گمان موجود تھا۔ یہ اس لیے کہ اگر کوئی شخص ظہار کے ارادے سے اپنی عورت کو یوں کہہ دے: تو میرے لیے یوں ہے جیسے میری بہن ہے۔ یا مثلاً ماں، بیٹی، بھانجی، بھتیجی جیسی محرمات سے اُسے تشبیہ دیدے تو ظہار ہو جائے گا اور کفارہ واجب ہو گا۔ عام اہل علم یا ان میں سے اکثر اس پر

متفق ہیں کہ یہ ظہار ہے، ابو یوسف کا قول ہے کہ اگر کہنے والے کی نیت کوئی نہ ہو تو اس سے مراد تحریم ہوگی اور محمد بن الحسن نے اسے بھی ظہار قرار دیا۔ ابراہیمؑ کا قول برحق تھا کیونکہ سارہؓ ان کی چچا زاد تھیں۔ لہذا اس قصے کو اس سے مشابہت دینا درست نہیں ہے۔

۲۲۱۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْبَزَّازُ نَا أَبُو نُعَيْمٍ نَا عَبْدُ السَّلَامِ يَعْنِي ابْنَ حَرْبٍ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ يَا أُخَيَّةُ فَنَهَاهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اسی حدیث کی دوسری روایت جس میں ابو تمیمہ اپنی قوم کے کسی آدمی سے روایت کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو اپنی عورت کو "اے میری پیاری بہن" کہتے سنا تو اُسے منع فرمایا۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابو عثمان کی روایت میں ابو تمیمہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کرتا ہے اور خالد کی روایت میں ایک (مبہم مجہول) شخص کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتا ہے۔ (حافظ ابن حجر نے التقریب میں اس مبہم شخص کا نام ابوجُرَیّ بتایا ہے، حافظ نے اس روایت کو متصل کہا ہے۔

۲۲۱۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ نَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكْذِبْ قَطُّ إِلَّا ثَلَاثًا ثِنْتَانِ فِي ذَاتِ اللَّهِ قَوْلُهُ إِنِّي سَقِيمٌ وَقَوْلُهُ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا وَبَيْنَمَا هُوَ يَسِيرُ فِي أَرْضِ جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ إِذْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَأُتِيَ الْجَبَّارُ فَقِيلَ لَهُ إِنَّهُ نَزَلَ هَهُنَا رَجُلٌ مَعَهُ امْرَأَةٌ هِيَ أَحْسَنُ النَّاسِ قَالَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَنْهَا فَقَالَ إِنَّهَا أُخْتِي فَلَمَّا رَجَعَ إِلَيْهَا قَالَ إِنَّ هَذَا سَأَلَنِي عَنْكِ فَأَنْبَأْتُهُ أَنَّكِ أُخْتِي وَإِنَّهُ لَيْسَ الْيَوْمَ مُسْلِمٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ وَإِنَّكِ أُخْتِي فِي كِتَابِ اللَّهِ فَلَا تُكَذِّبِينِي عِنْدَهُ وَسَاقَ الْحَدِيثَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هَذَا الْخَبَرَ

شُعَیْبُ بْنُ اَبِیْ حَمْزَةَ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ.

ابوہریرہ رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین بار کے سوا کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ دو تو اللہ تعالیٰ کی خاطر تھے: اس کا یہ قول کہ: میں بیمار ہوں اور اس کا یہ قول کہ: بلکہ یہ کام اُن کے اس بڑے (بُت) نے کیا ہے۔ اور اس دوران میں کہ وہ جابروں میں سے ایک جابر کی سرزمین (حکومت۔ علاقہ) میں سے گزر رہا تھا کہ ایک فرودگاہ میں اُترا۔ اس جبار کے پاس کوئی شخص آیا اور اس سے کہا گیا کہ یہاں پر ایک مرد اُترا ہے اس کے ساتھ ایک نہایت حسین عورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے ابراہیمؑ کو بلا بھیجا اور اس سے اس عورت کے متعلق پوچھا تو ابراہیمؑ نے کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر جب ابراہیمؑ سارہؓ کی طرف واپس لوٹے تو کہا کہ اس شخص نے مجھے تیرے متعلق پوچھا تھا اور میں نے کہا کہ تو میری بہن ہے اور آج میرے اور تیرے سوا اور کوئی مسلم نہیں اور تو خدا کی کتاب میں میری بہن ہے پس اس کے پاس میری تکذیب نہ کرنا۔ اور پھر پوری حدیث بیان کی۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث شعیب بن ابی حمزہ نے اپنی سند سے مرفوعًا بیان کی ہے (بخاری، مسلم، ترمذی، احمد، نسائی۔ ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے)

شرح: مسلم کی ایک روایت میں تین کذبات کا ذکر ہے جو حدیث الشفاعۃ میں ہے۔ دوسری روایت میں ابراہیمؑ کا قول ستارے کے متعلق کہ: ھٰذا ربّی الخ مذکور ہے۔ بقول قرطبی اس حساب سے یہ چار واقعات ہو گئے نہ کہ تین اور کوکب کے متعلق تاویل کرنی ضروری ہو گئی۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ بظاہر یہ کسی راوی کا وہم ہے کہ سارہؓ کے متعلق جو قول تھا اس کی بجائے اس نے کوکب والا قول نقل کر دیا۔ اور حدیث کے تمام طرق میں اس پر اتفاق ہے کہ یہاں پر سارہؓ کا ذکر ہے نہ کہ کوکب کا۔ اور باوجودیکہ سارہؓ کے ذکر کے بارے میں جو کچھ مروی ہے اس سے زیادہ کوکب والا قول کذبات میں دخل رکھتا ہے، اسے اس لیے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ابراہیمؑ کے بچپن کا قصہ تھا اور بچپن کی عمر تکلیف شرعی سے خارج ہے اور جس طریق میں یہ وارد ہے کہ یہ بچپن کا قصہ ہے وہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابراہیمؑ کا یہ قول بلوغت کے بعد کا ہے اور انہوں نے یہ کفار سے بطریق استفہام کہا تھا جس سے مراد توبیخ و تبکیت تھی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بات ابراہیمؑ نے اپنی قوم پر حجت تمام کرنے کو کہی تھی تاکہ ثابت کر دیں کہ جسے تغیر آ جائے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ اور اکثر کا قول یہی ہے کہ یہ قول توبیخ و تبکیت تھا۔ حافظؒ نے کہا کہ اسی پر اعتماد ہے۔ اس لیے اسے کذبات میں شمار نہیں کیا گیا۔

ان تین امور پر کذبات کا اطلاق اس لیے ہے کہ سننے والا اسے کذب سمجھے گا مگر حقیقت میں وہ کذب نہیں تھے یعنی یہ اقوال معاریض کی قسم سے تھے جن میں دونوں احتمال ہوتے ہیں۔ اِنِّیْ سَقِیْمٌ کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں، یا کہ میں تمہارے شرک کے باعث دل ہی دل میں کڑھ رہا ہوں۔ میرا دل بیزار ہے۔ یا یہ کہ تمہارے ساتھ میلے میں جانے کی میری حجت سقیم ہے، یا یہ کہ مستقبل اور موت کے خوف سے میرا دل سقیم ہے اور نوویؒ کا یہ قول بعید ہے کہ ابراہیمؑ کو اس وقت بخار ہوا کرتا تھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ قول نہ صریحًا نہ تعریضًا

کذب ہوتا۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر ابراہیمؑ کو نوبت کا بخار ہوا کرتا تھا اور وہ دن بخار کا نہ تھا بلکہ خالی تھا، پھر بھی کمزوری کے باعث یہ کہنا صحیح تھا کہ میں بیمار ہوں۔ کیونکہ طویل بیماری سے جب تک پوری طرح چھٹکارا نہ ہو جائے اسے بیماری کی حالت ہی مانا جاتا ہے۔

اور ابراہیمؑ کا یہ قول کہ: بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا، بقول قرطبی مشرکین کے خلاف استدلال کی تمہید تھا کہ اصنام معبود نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں کوئی طاقت نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ابراہیمؑ نے فرمایا فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۔ گویا وہ مشرکوں کے منہ سے کہلوانا چاہتے تھے کہ یہ بت بولتے نہیں، اور جب بولتے نہیں تو نفع ونقصان کے مالک کیونکر ہو سکتے ہیں؟ ابن قتیبہ نے کہا کہ اصل عبارت شرط اور جواب شرط ہے: "اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھو، ان کے بڑے نے ہی یہ کام کیا ہے"۔ یعنی اگر ان میں بولنے یا کچھ کرنے کی طاقت ہے تو پھر یہ کام اس بڑے کا ہے۔ جب یہ کلام شرط ومشروط ہو گیا تو کذب کا سوال جاتا رہا۔

رہا تیسرا قول کہ یہ میری بہن ہے۔ اس سے مراد اسلامی اخوت کی بہن تھی (اور رشتے میں بھی وہ چچا زاد تھی!)

ابن عقیل نے کہا ہے کہ عقل کی دلالت ظاہرًا ابراہیمؑ پر کذب کا اطلاق نہیں کر سکتی کیونکہ رسول کی رسالت اس کے صدق پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر اس میں کذب کا شائبہ بھی آجائے تو جو کچھ وہ اللہ کی طرف لاتا اور پیش کرتا ہے اُس پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ یہ اقوال چونکہ بصورتِ کذب تھے کہ سامع ان کا مطلب کچھ اور سمجھ گئے اور حقیقت میں کذب نہ تھے، لہٰذا ان پر کذب کا اطلاق کیا گیا۔ شدتِ خوف واضطرار کے مواقع میں تو کذب محض بھی جائز ہو جاتا ہے (بلکہ بعض احوال میں فرض ہوتا ہے!) اصل بات یہ ہے کہ کذب کا لفظ چونکہ صدق کے مقابلے میں آتا ہے اور ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے صِدِّيْقًا نَّبِيًّا فرمایا ہے لہٰذا ان جوابات کی ضرورت پڑتی ہے، ورنہ لغت میں کذب کے لفظ کے جو معانی آتے ہیں ان پر اگر غور کریں تو غبار چھٹ جاتا ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دو کذب اللہ کی خاطر تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تیسرا کذب ابراہیمؑ کی ذات کی خاطر تھا، وہ بھی اللہ کی خاطر تھا مگر بظاہر اس میں ابراہیمؑ کی ذات کا بھی سوال تھا اس لیے یہ فرمایا گیا۔ اور بعض روایات میں یہ لفظ بھی آیا ہے کہ یہ تینوں کذب محض اللہ کے لیے تھے۔ مصر کے جس جبار کا ذکر حدیث میں ہے اس کا نام عمرو بن امرء القیس بن سبا آیا ہے۔ ابن قتیبہ نے اس کا نام صادوق لکھا ہے اور یہ کہ وہ اردن کا بادشاہ تھا۔ طبری نے اس کا نام سنان بن علوان بتایا ہے۔ ابراہیمؑ کا سارہؑ سے یہ کہنا کہ آج میرے اور تیرے سوا کوئی بھی مسلم نہیں ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اُس ملک میں اور کوئی مسلم نہ تھا۔ ورنہ قرآن خود کہتا ہے کہ: فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ۔ مگر لوطؑ اس وقت سرزمین مصر میں ابراہیمؑ کے ساتھ نہ تھے۔

بخاری میں یہ روایت لمبی ہے جس میں آیا ہے کہ اُس جبار نے سارہؑ کو بلوایا اور بدنیتی سے دست درازی کا ارادہ کیا مگر ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ پھر ہاجرہ کو ان کے ساتھ کیا اور عزت واحترام سے پیش آیا وغیرہ۔ حافظ صاحب نے کہا ہے کہ اس حدیث سے کئی مسائل ثابت ہوتے ہیں مثلاً اسلامی اخوت کا مشروع ہونا، معاریض کا مباح ہونا، ظالم کی بوقت ضرورت اطاعت کرنا، مشرک کا ہدیہ قبول کرنا، خلوص نیت سے دعا کی جائے تو اس کا مقبول ہونا۔ ابو داؤد نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی شرعی ضرورت سے بیوی کو بہن کہہ دیں تو نکاح پر اثر نہیں پڑتا۔

(الف) ۲۲۱۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْبَزَّازُ نَا عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ الْقَطَّانُ نَا هِشَامُ ابْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَّتَهَا حَيْضَةً قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے اس سے خلع حاصل کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت ایک حیض ٹھہرائی۔ ابو داؤد نے کہا عبد الرزاق نے یہ روایت عکرمہ سے مُرسلاً بیان کی ہے۔ (یہ حدیث حمصی نسخے کے ۲۲۲۹ نمبر پر ہے اعداد کا حساب درست رکھنے کی خاطر ہم نے اس پر الف ۲۲۱۲ کا عدد لکھا ہے اسے ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

شرح: ثابت بن قیس رضؓ بن شماس خطیب الانصار اور ایک عظیم صحابی تھے۔ ان کی اس بیوی کا نام جمیلہ تھا اور وہ عبد اللہ بن اُبیّ رئیس المنافقین کی بہن یا بعض کے نزدیک اس کی بھانجی تھی۔ نسائی اور طبرانی کی روایت میں اُسے عبد اللہ بن اُبیّ کی بیٹی بتایا گیا ہے۔ پہلے اس کا نکاح حنظلہ رضؓ بن عامر غسیل الملائکہ کے ساتھ تھا، وہ جنگ احد میں شہید ہوئے تو ثابت رضؓ نے اس سے نکاح کیا اور اس کے ہاں محمد بن ثابت پیدا ہوا۔ پھر ثابت رضؓ سے خلع کے بعد اس کا نکاح مالک بن دخشم سے اور پھر اس کے بعد خبیب بن اساف سے ہوا۔ دارقطنی میں اس کا نام زینب بنت عبد اللہ بن اُبیّ آیا ہے دارقطنی کی روایت مرسل ہے لہذا صحیح تر پہلی بات ہے نووی اور ابن الاثیر کے نزدیک جمیلہ کا عبد اللہ بن اُبیّ کی بہن ہونا صحیح تر ہے۔

خلع میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا وہ طلاق ہے یا فسخ۔ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور ابن ابی لیلیٰ رحؒ اور شافعی رحؒ کے ایک قول میں یہ طلاق بائن ہے اور یہ حضرت عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور احمد بن حنبل، طاؤس اسحاق، ابو ثور، ابن المنذر اور دوسرے قول میں شافعی رحؒ کے نزدیک یہ فسخ ہے طلاق نہیں، اور یہ ابن عباس رضؓ اور عکرمہ سے منقول ہے۔ ان حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ اگر یہ طلاق ہوتی تو عدت ایک حیض نہ ہوتی بلکہ تین حیض ہوتی۔ ایک حیض کی عدت بتاتی ہے کہ یہ فسخ تھا، بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حیضۃ سے مراد ایک حیض نہیں بلکہ جنس حیض ہے، یعنی اس کی عدت حیض کے حساب سے تھی نہ کہ مہینوں سے۔ نسائی میں حیضۃ واحدۃ کا لفظ اس جواب کے خلاف ہے مگر کہا گیا ہے کہ وہ راوی کا اپنا فہم ہے۔ فتح الودود میں ہے کہ تین قروء کا لفظ نص قرآنی میں موجود ہے لہذا جو لوگ خلع کو طلاق کہتے ہیں ان کے نزدیک نص قرآنی کو خبر واحد کے ساتھ ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اور ابن عباس رضؓ کی حدیث میں موجود ہے کہ حضور صؐ نے ثابت کو طلاق کا حکم دیا تھا اور دارقطنی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کو ایک بائن طلاق قرار دیا بلکہ اس روایت

میں ایک راوی عباد متروک ہے۔ عبدالرزاق نے سعید بن المسیب سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کو ایک بائن طلاق ٹھہرایا تھا اس طرح ابن ابی شیبہ میں بھی ہے۔ مالک نے اپنی سند سے حضرت عثمانؓ کا فتویٰ اور فیصلہ روایت کیا ہے کہ خلع ایک بائن طلاق ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ فدیہ یا ایلاء میں طلاق بائن شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح کی روایت حضرت علیؓ سے بھی ہے۔ حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں ابن عمرؓ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ خلع کی عدت مطلقہ جیسی ہے۔ مالکؒ نے سعید بن المسیب، سلیمان یسار اور ابن شہاب سے یہی نقل کیا ہے کہ خلع کی عدت طلاق جیسی۔ سعید بن المسیبؒ کے مراسیل میں ہے کہ خلع ایک بائن طلاق ہے۔

(ب) ۲۲۱۲۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عِدَّةُ الْمُخْتَلِعَةِ حَيْضَةٌ ۔

مالک کی روایت میں ابن عمرؓ کا قول ہے کہ خلع والی کی عدت ایک حیض ہے (یا حیض سے شمار ہوگی) یہ روایت حمصی نسخے میں ۲۲۳۰ نمبر پہ آئی ہے لہٰذا ہم نے اس پہ عدد درست رکھنے کے لیے ۲۲۱۲ ب کا عدد لکھا ہے۔

بَابٌ فِي الظِّهَارِ

ظہار کا باب

۲۲۱۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْمَعْنَى قَالَا نَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ ابْنُ الْعَلَاءِ بْنِ عَلْقَمَةَ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ قَالَ ابْنُ الْعَلَاءِ الْبَيَاضِيُّ قَالَ كُنْتُ امْرَأً أُصِيبُ مِنَ النِّسَاءِ مَا لَا يُصِيبُ غَيْرِي فَلَمَّا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ خِفْتُ أَنْ أُصِيبَ مِنِ امْرَأَتِي شَيْئًا يُتَابَعُ بِي حَتَّى أُصْبِحَ فَظَاهَرْتُ مِنْهَا حَتَّى يَنْسَلِخَ شَهْرُ رَمَضَانَ فَبَيْنَمَا هِيَ تَخْدِمُنِي ذَاتَ لَيْلَةٍ إِذْ تَكَشَّفَ لِي مِنْهَا شَيْءٌ فَلَمْ أَلْبَثْ أَنْ نَزَوْتُ عَلَيْهَا فَلَمَّا أَصْبَحْتُ خَرَجْتُ إِلَى قَوْمِي فَأَخْبَرْتُهُمُ الْخَبَرَ وَقُلْتُ امْشُوا مَعِي إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا لَا وَاللّٰهِ فَانْطَلَقْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَنْتَ بِذَاكَ

يَا سَلَمَةُ قُلْتُ أَنَا بِذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَرَّتَيْنِ وَأَنَا صَابِرٌ لِأَمْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَاحْكُمْ فِيَّ مَا أَرَاكَ اللَّهُ قَالَ حَرِّرْ رَقَبَةً قُلْتُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَمْلِكُ رَقَبَةً غَيْرَهَا وَضَرَبْتُ صَفْحَةَ رَقَبَتِي قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ وَهَلْ أَصَبْتُ الَّذِي أَصَبْتُ إِلَّا مِنَ الصِّيَامِ قَالَ فَأَطْعِمْ وَسْقًا مِنْ تَمْرٍ بَيْنَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ بِتْنَا وَحْشَيْنِ مَا لَنَا طَعَامٌ قَالَ فَانْطَلِقْ إِلَى صَاحِبِ صَدَقَةِ بَنِي زُرَيْقٍ فَلْيَدْفَعْهَا إِلَيْكَ فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا وَسْقًا مِنْ تَمْرٍ وَكُلْ أَنْتَ وَعِيَالُكَ بَقِيَّتَهَا فَرَجَعْتُ إِلَى قَوْمِي فَقُلْتُ وَجَدْتُ عِنْدَكُمُ الضِّيقَ وَسُوءَ الرَّأْيِ وَوَجَدْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّعَةَ وَحُسْنَ الرَّأْيِ وَقَدْ أَمَرَنِي بِصَدَقَتِكُمْ زَادَ ابْنُ الْعَلَاءِ قَالَ ابْنُ إِدْرِيسَ وَبَيَاضَةُ بَطْنٌ مِنْ بَنِي زُرَيْقٍ ۔

سلمہ بن صخر بیاضی نے کہا کہ میں ایک ایسا مرد تھا کہ عورتوں کی رغبت اور قوتِ جماع مجھ میں اتنی تھی جتنی کسی اور میں نہ تھی۔ پس جب ماہ رمضان داخل ہوا تو مجھے خوف ہوا کہ میں اپنی بیوی کو چھیڑ بیٹھوں اور اس کا شر مجھے چمٹ جائے حتیٰ کہ صبح ہو جائے۔ پس میں نے اس سے ظہار کر لیا تاکہ رمضان تو گزر جائے۔ پس ایک رات جبکہ وہ میری خدمت کر رہی تھی کہ اچانک اس کا کوئی عضو کھل گیا تو میں صبر نہ کر سکا فوراً اس پر کود پڑا جب صبح ہوئی تو میں اپنی قوم کی طرف نکلا اور یہ بات انہیں بتادی اور ان سے کہا کہ میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں واللہ ہم نہیں جاتے۔ پس میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو قصہ بتا دیا۔ آپ نے فرمایا: اے سلمہ تو نے یہ فعل کیا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے یہ فعل کیا۔ دو مرتبہ یہ بات ہوئی اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے صابر ہوں پس جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے میرا وہ فیصلہ فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا! ایک گردن آزاد کر۔ میں نے کہا جس نے آپ کو برحق بھیجا اسی کی قسم میں اس گردن کے سوا کسی اور کا مالک نہیں، اور میں نے اپنی گردن کے ایک طرف اپنا ہاتھ مارا۔ فرمایا پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ۔ سلمہ نے کہا کہ جو کچھ مجھ پر گزرا ہے وہ روزے کے باعث گزرا ہے آپ نے فرمایا ایک وسق کھجور ساٹھ محتاجوں میں تقسیم کر۔ میں نے کہا: اسی ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی رات بھر خالی پیٹ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو بنی زریق کے صدقہ کے تحصیلدار کے پاس جا وہ تجھے کھجور دے گا تو انہیں ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے (کھجور کا ایک وسق) اور باقی تو اور تیرے گھر والے کھا لیں۔ پس میں اپنی قوم میں واپس آیا اور کہا:

میں نے تمہارے پاس تنگی اور بُری رائے پائی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وسعت اور اچھی رائے پائی ہے اور حضورؐ نے مجھے صدقے کا حکم دیا ہے۔ ابن العلاء نے کہا کہ بقولِ ابن ادریس بیاضہ بنی زُریق کی ایک شاخ تھی (ترمذی، ابن ماجہ، ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے)

شرح: ظہار کا معنی ہے کسی شخص کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ: تو مجھ پر میری ماں کی پُشت کی مانند ہے۔ ظہر (پشت) کا خصوصی ذکر اس لئے ہے کہ جانور کی پشت پر سواری کی جاتی ہے اور اُسے ظہر بھی کہتے ہیں۔ بیوی کو اس سے بدیں سبب تشبیہ دی گئی کہ وہ مرد کی سواری ہے اگر کسی اور عضو سے تشبیہ دے مثلاً پیٹ تو شافعیہ کی ظاہر ترین روایت کے مطابق وہ بھی ظہار ہوگا۔ اگر ماں کے علاوہ کسی اور محرم کا نام لے مثلاً بہن، تو شافعیؒ کے قولِ قدیم میں ظہار نہ ہوگا کیونکہ قرآن نے اسے ماں سے مخصوص کیا ہے اور خولہ کی حدیث میں بھی ایسا ہی ہے۔ مگر شافعیؒ کے قول جدید میں یہ بھی ظہار ہے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے۔ اور ان محرمات میں جو ابدی نہیں ہیں شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ ظہار نہیں ہے۔ امام مالکؒ سے روایت ہے کہ وہ ظہار ہے اور امام احمد سے دونوں روایتیں ہیں۔ اگر کوئی کظھر ابی کہے تو جمہور کے نزدیک ظہار نہیں ہوتا مگر احمدؒ کی ایک روایت میں یہ بھی ظہار ہے۔ اور احمدؒ نے کہا کہ ہر وہ چیز جس سے وطی حرام ہے اس سے تشبیہ دینے سے ظہار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بہیمہ سے بھی (فتح الباری)

حنفیہ کے نزدیک ظہار کی تعریف یہ ہے کہ زوجہ کو یا اس کے کسی شائع جزء کو، یا ایسے جزء کو جس سے کل مراد ہو سکے کسی ابدی محرم سے یا اُس کے کسی ایسے جزء سے تشبیہ دینا جس کی طرف نظر کرنا جائز نہیں، اگرچہ یہ حُرمت رضاعت سے ہو یا صہریت کے رشتے سے اظہار ہے۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ عضو پشت ہو یا کوئی جزء جس کی طرف نظر حرام ہے۔ اور اسے ظہار اس لیے کہا گیا کہ یہ نام اس پر غالب آگیا ہے کیونکہ یہ عربوں کے استعمال میں تھا اور وہ زمانۂ جاہلیت میں ظہار کرتے تھے اور اس سے عورت حرام ہو جاتی تھی۔ اہل جاہلیت کی تفریق بین الزوجین تین چیزوں سے ہوتی تھی: طلاق، ظہار اور ایلاء۔ پس اللہ تعالیٰ نے طلاق کو قائم رکھا اور ظہار اور ایلاء کے کچھ اور حکم بیان فرمائے جو قرآن میں موجود ہیں۔ عورت میں ظہار کی شرط یہ ہے کہ وہ بیوی ہو اور مرد میں یہ شرط ہے کہ وہ اہل کفارہ میں سے ہو۔ پس ذمی، بچے اور مجنون کا ظہار درست نہیں۔

آیاتِ ظہار کے نزول کا سبب یہ تھا کہ خولہؓ بنت ثعلبہ ایک جسیم عورت تھی، اس کے خاوند نے اسے سجدے کی حالت میں دیکھا اور اس کے سرین پر نظر پڑی۔ جب اس نے نماز ختم کی تو خاوند نے اسے چھیڑنا چاہا مگر وہ باز رہی۔ اس کا خاوند کچھ جلد باز آدمی تھا اور تیز مزاج تھا۔ وہ بولا: تو مجھ پر میری ماں کی پُشت کی مانند ہے۔ پھر اس پر نادم ہوا، اور ظہار اور ایلاء جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھی پس مرد بولا کہ میرے خیال میں تو مجھ پر حرام ہوگئی ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے خاوند اوس بن صامت نے میری جوانی میں مجھ سے نکاح کیا، میں مالدار بھی تھی اور خاندان والی بھی۔ پس اس نے میرا مال کھالیا اور میری جوانی فنا کر دی میرا خاندان بکھر گیا اور میری عمر زیادہ ہوگئی اور اب وہ شرمندہ ہے سو کیا کوئی ایسی چیز ہے جو اسے اور مجھے اکٹھا کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس پر حرام ہو گئی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ اس خدا کی قسم جس نے آپؐ پر کتاب اتاری، اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا اور وہ میری اولاد کا باپ ہے اور مجھے

سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس پر حرام ہو گئی۔ خولہؓ بولی: میں اپنے فاقے اور تنہائی کی شکایت اللہ سے کرتی ہوں، میرا خاوند کے ساتھ تعلق طویل ہو چکا اور میری اولاد کثیر ہو گئی ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا تو یہی خیال ہے کہ تو اس پر حرام ہو چکی اور ابھی مجھے تیرے بارے میں کوئی حکم نہیں ملا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہی کچھ کہتی رہی اور جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے کہ تو اس پر حرام ہو چکی تو وہ ٹھنڈا سانس لیتی اور کہتی: میں اپنے فاقے اور شدت حال کی شکایت اللہ ہی سے کرتی ہوں، اے اللہ اپنے نبی پر حکم نازل کر۔ اور اسلام میں یہ پہلا ظہار تھا، پس اللہ تعالےٰ نے پارہ ۲۸ کی پہلی آیات نازل فرمائیں۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللّٰهِ۔ حضورؐ نے فرمایا اپنے خاوند کو بلا۔ وہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے یہ آیات پڑھیں۔ پھر فرمایا: کیا تو ایک غلام یا لونڈی آزاد کر سکتا ہے؟ اس نے کہا لونڈی غلام مہنگے ہیں، اس طرح تو میرا سارا مال جاتا رہے گا اور میں قلیل المال ہوں، حضورؐ نے فرمایا کیا تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے؟ اس نے کہا واللہ یا رسول اللہ اگر میں دن بھر میں تین بار نہ کھاؤں تو میری آنکھ پتھرا جائے اور خطرہ ہے کہ اندھی ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو ساٹھ مساکین کو کھلا سکتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں واللہ یا رسول اللہ جب تک آپ مدد نہ فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پندرہ صاع کے ساتھ تیری مدد کروں گا۔ یوں ان میاں بیوی کا معاملہ اجتماع پر ختم ہوا۔

خطابی نے سلمہؓ ابن صخر کی حدیث کے ذیل میں کہا ہے کہ ظہار مؤقت (جیسا کہ سلمہؓ نے کیا تھا) ظہار مطلق کی مانند ہے، اگر اس بیان کردہ مدت میں بیوی کے پاس جائے گا تو کفارہ لازم ہو گا۔ اگر کوئی شخص یہ قسم پوری کر دے اور حانث نہ ہو تو مالک اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ کفارہ تب بھی لازم ہو گا۔ اکثر اہل علم کا قول یہ ہے کہ اگر ظہار مؤقت میں بیوی سے نہ ملے تو کچھ بھی لازم نہ ہوا، اور شافعی کے ظہار مؤقت میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ وہ کوئی ظہار نہیں۔ اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قرآن کے لفظ۔ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کا معنیٰ وہ نہیں جو بعض ظاہریہ نے لیا ہے کہ "دوبارہ ظہار کریں"، بلکہ یہ کہ نادم ہو کر بیوی کو بسانا چاہیں۔ اور اس حدیث میں ابو حنیفہؒ کے قول کی دلیل بھی ہے کہ پندرہ صاع سے ظہار کا کفارہ ادا نہیں ہوتا، لیکن تیس صاع سے (ہر مسکین کے لیے نصف صاع) ادا ہو جاتا ہے۔

۲۲۱۴۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ نَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ حَنْظَلَةَ عَنْ يُوسُفَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ خُوَيْلَةَ بِنْتِ مَالِكِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَتْ ظَاهَرَ مِنِّيْ زَوْجِيْ أَوْسُ بْنُ الصَّامِتِ فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْكُوْ إِلَيْهِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَادِلُنِيْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ اتَّقِي اللّٰهَ فَإِنَّهُ ابْنُ عَمِّكِ فَمَا بَرِحْتُ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْاٰنُ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ

الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا اِلَى الْفَرْضِ فَقَالَ يُعْتِقُ رَقَبَةً قَالَتْ لَا يَجِدُ قَالَ فَيَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ شَيْخٌ كَبِيْرٌ مَا بِهٖ مِنْ صِيَامٍ قَالَ فَلْيُطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَتْ مَا عِنْدَهٗ مِنْ شَيْءٍ يَتَصَدَّقُ بِهٖ قَالَتْ فَاُتِیَ سَاعَتَئِذٍ بِعَرَقٍ مِنْ تَمْرٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنِّیْ اُعِيْنُهٗ بِعَرَقٍ اٰخَرَ قَالَ قَدْ اَحْسَنْتِ اذْهَبِیْ فَاَطْعِمِیْ بِهَا عَنْهُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا وَارْجِعِیْ اِلَى ابْنِ عَمِّكِ قَالَ وَالْعَرَقُ سِتُّوْنَ صَاعًا قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ هٰذَا اِنَّمَا كَفَّرَتْ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ اَنْ تَسْتَامِرَهٗ۔

خویلہؓ بنت مالک بن ثعلبہ نے کہا کہ میرے خاوند اوس بن صامتؓ نے مجھ سے ظہار کیا تو میں شکایت کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں مجھ سے جھگڑتے تھے اور فرماتے تھے، خدا سے ڈر وہ تیرا چچا زاد ہے۔ میں برابر شکایت کرتی رہی حتی کہ قرآن کی آیات نازل ہوئیں : قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا۔ یہاں سے لے کر کفارے کے حکم تک۔ پس حضورؐ نے فرمایا کہ وہ ایک گردن آزاد کرے، خولہؓ نے کہا کہ اس کے پاس تو نہیں ہے۔ فرمایا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے۔ وہ بولی یا رسول اللہ وہ بوڑھا آدمی ہے روزے نہیں رکھ سکتا۔ فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، خولہؓ نے کہا: اس کے پاس کفارۂ ظہار میں صدقہ کرنے کو کچھ نہیں۔ اُسی وقت کھجور کا ایک ٹوکرا لایا گیا، وہ بولی یا رسول اللہ میں ایک اور ٹوکرے کے ساتھ اس کی مدد کروں گی۔ فرمایا بہت اچھا تو جا اور اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے اور اپنے چچا زاد (اوسؓ) کی طرف واپس ہو جا۔ یحییٰ بن آدم نے کہا کہ ٹوکرا (عرق) ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ خولہؓ (یا خُویلہ) نے خاوند کے اذن کے بغیر اس کی طرف سے کفارہ دیا تھا (مگر حدیث میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ وہ دونوں اس وقت حضورؐ کے پاس موجود تھے) ابوداؤد نے کہا کہ اوسؓ عبادہؓ بن صامت کا بھائی تھا۔

شرح: اس حدیث میں اُس عورت کا نام خویلہؓ بنت مالک بن ثعلبہ ہے۔ بقول حافظ ابن حجر اسے خولہؓ بنت ثعلبہ بن مالک بھی کہا جاتا ہے، بعض روایات میں اسے بنت صامت بتایا گیا ہے (تہذیب التہذیب مختصراً) اس حدیث کا سیاق دوسری احادیث کے بظاہر خلاف ہے اس میں تو ہے کہ وہ خاوند کی شدت اور کھردرے پن کی شاکی تھی اور دوسری روایت میں ہے کہ شکایت دراصل اس کے ظہار کے بعد والی حالت فاقہ کشی اور تنہائی کی تھی۔ مولانا نے فرمایا کہ دراصل اس حدیث میں اختصار ہوا ہے۔ تمام احادیث کو ملائیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُس نے دونوں شکایتیں کی تھیں۔ پہلے خاوند کی شکایت کی اور جب معلوم ہوا کہ اب وہ اس پر حرام ہو چکی ہے تو آہیں بھرنے اور رونے لگی اور تنہائی اور غربت کی شکایت کرتی رہی۔

اس حدیث میں اختصار ہے دراصل حضورؐ نے اس کے خاوند اوسؓ کو بھی بلوایا تھا۔ مطوّل حدیث مسند احمد میں ہے۔ کھجور کے ٹوکرے ۱۵، تیس ۳۰ اور ۶۰ صاع کے ہوتے تھے لہذا ٹوکرے کی مقدار میں روایات میں اختلاف ہوگیا ہے۔

۲۲۱۵۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنِ ابْنِ إِسْحٰقَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ وَالْعَرَقُ مِكْتَلٌ يَسَعُ ثَلَاثِينَ صَاعًا قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ آدَمَ

گزشتہ سند سے وہی اوپر والی حدیث مگر اس میں عبدالعزیز بن یحیی نے کہا کہ: عَرَق ایک مکتل (ٹوکرا، زنبیل) تھا جس میں تیس صاع ہوتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ یحیی بن آدم کی حدیث سے صحیح تر ہے (مولانا نے فرمایا کہ اس قول کا سبب نامعلوم ہے کیونکہ یحیی بن آدم کی حدیث کے رجال: یحیی بن آدم اور ابن ادریس، اس عبدالعزیز کی حدیث کے رجال سے زیادہ قوی ہیں۔ اگر اصح ہونے کا باعث یہ ہے کہ اس میں ٹوکرے کی مقدار تیس صاع بتائی گئی ہے اور اوپر کی حدیث میں ساٹھ صاع، اور ساتھ ہی اسی مقدار کی اور اعانت کا ذکر ہے۔ اگر مقدار ۶۰ صاع تھی تو اعانت کا سوال نہ تھا لہذا یہ تیس صاع والی روایت صحیح تر ہے اور خطابی نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ گندم کا نصف صاع تمر کے ایک صاع کے برابر ہوتا ہے)

۲۲۱۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا أَبَانُ نَا يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ يَعْنِي الْعَرَقَ زَنْبِيلًا يَأْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا۔

اسی حدیث کی ایک اور روایت جس میں: عرق ایک زنبیل تھی جس میں پندرہ صاع آتے تھے (اوپر گزر چکا ہے کہ زنبیل مختلف مقدار کی ہوسکتی ہے لہذا یہ سب قول درست ہیں!)

۲۲۱۷۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ لَهِيعَةَ وَعَمْرُو بْنُ لَهِيعَةَ وَعَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ بِهٰذَا الْخَبَرِ قَالَ فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَهُوَ قَرِيبٌ مِنْ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا قَالَ تَصَدَّقْ بِهٰذَا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ عَلَى أَفْقَرَ مِنِّي وَمِنْ أَهْلِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلْهُ أَنْتَ وَأَهْلُكَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَرَأْتُ عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ وَزِيرٍ

الْمِصْرِيِّ قُلْتُ لَهُ حَدَّثَكُمْ بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ نَا الْأَوْزَاعِيُّ نَا عَطَاءٌ عَنْ أَوْسٍ أَخِي عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ إِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ أَبُوْدَاؤُدَ عَطَاءٌ لَمْ يُدْرِكْ وَسَاهُ هُوَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ قَدِيْمُ الْمَوْتِ وَالْحَدِيْثُ مُرْسَلٌ۔

اسی حدیث کی چوتھی روایت۔ اس میں ہے کہ راوی نے کہا: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور لائی گئی جو آپؐ نے اسے عطا کر دی۔ اور وہ پندرہ صاع کے قریب تھی۔ آپؐ نے فرمایا: اسے صدقہ (بطور کفارہ) کر دے تو اس نے کہا (بقول مولانا ؒ سلمہؓ بن صخر نے!) کیا میں اپنے سے اور اپنے گھر والوں سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اور تیرے گھر والے اسے کھا لیں۔

شرح: خطابی نے کہا کہ محمد بن اسحاق کی روایت میں ٹوکرے کی مقدار تیس صاع آئی ہے، ابو سلمہ نے پندرہ صاع بتائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ٹوکرے مختلف مقدار کے ہوتے تھے۔ شافعیؒ نے ابو ہریرہؓ کی حدیث کو اختیار کر کے کہا کہ رمضان میں جماع کرنے والے کا کفارہ پندرہ صاع ہے (مگر سلمہؓ بن صخر کی حدیث تو یہ بتاتی ہے کہ جماع تو اس نے بوقتِ شب کیا تھا نہ کہ دن کے وقت، اور دراصل وہ بیوی سے ظہار کر چکا تھا) اوزاعی اور احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے کہ ایک مسکین کو ایک مُد دیا جائے۔ مالک نے یہی کہا مگر مُدِ ہشام کا اعتبار کیا جو ۲/۱ ۱ مُد تھا۔ سفیان ثوریؒ اور حنفیہؒ نے سلمہ بن صخر کی حدیث پر اعتبار کیا اور یہ زیادہ محتاط بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ واجب تو اس پر ساٹھ صاع تھے مگر پندرہ صاع اسے دیئے گئے کہ یہ تو تو اور صدقہ کر و۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ پورا کفارہ ادا ہو گیا بلکہ باقی اس کے ذمّہ رہا۔ خطابی نے کہا کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث اتصال کے لحاظ سے سلمہ بن صخرؓ کی حدیث سے زیادہ جیّد ہے۔ ترمذی نے بحوالہ بخاری بتایا ہے کہ سلیمان بن یسار کی حدیث مُرسل ہے، اس نے سلمہؓ کو نہیں پایا۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث سلمہ بن صخرؓ کی گذشتہ حدیث کے خلاف ہے جس میں سلمہؓ کو بنی زُریق کے تحصیلدار کے پاس جانے کا حکم ملا تھا۔ اور یہاں یہ ہے کہ حضورؐ کے پاس تقریباً پندرہ صاع کھجور آئی اور آپؐ نے اسے عطا فرمائی۔ ان حدیثوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ سلمہؓ کی تنگ دستی کی بنا پر آپؐ نے اسے یہ کھجور بھی عنایت فرمائی اور پھر تحصیلدار کے پاس جانے کا حکم بھی دیا ہو گا تاکہ کفارہ بھی ادا کرے اور گھر والوں کو بھی کھلائے۔ واللہ اعلم۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر اس شخص کو صرف پندرہ صاع دیئے گئے اور صدقہ کرنے اور کھلانے کا حکم ملا تو شاید اسے خاص احوال کی بنا پر حضورؐ کی خصوصیت بھی شمار کیا جا سکے۔ ورنہ دلائل شرع سے ساٹھ مساکین کا کھانا بطور کفارہ لازم تھا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ مقدار نہایت کم تھی۔

عبادہ بن الصامتؓ کے بھائی اوسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پندرہ صاع جو ساٹھ مسکینوں کا کھانا دیا تھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ اوسؓ کے ساتھ عطاء کی ملاقات نہیں ہوئی۔ اوسؓ اہل بدر میں سے تھا اور اس کی موت پہلے ہو چکی تھی۔ یہ حدیث مرسل ہے (راویوں نے اس کی روایت یوں کی ہے کہ عن الاوزاعی عن عطاء اَنَّ اَوْسًا الخ) اس قصّے میں بہت اختلاف ہے۔ اُوپر یوسف بن عبداللہؓ بن سلام کی روایت میں گزرا کہ وہ پندرہ صاع کھجور تھی اور یہاں جَو کا ذکر ہے۔

۲۲۱۹ ـ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ اَنَّ خَوْلَةَ كَانَتْ تَحْتَ اَوْسِ بْنِ الصَّامِتِ وَكَانَ رَجُلًا بِهٖ لَمَمٌ فَكَانَ اِذَا اشْتَدَّ لَمَمُهٗ ظَاهَرَ مِنِ امْرَاَتِهٖ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْهِ كَفَّارَةَ الظِّهَارِ۔

ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ جمیلہ اوسؓ بن صامت کی بیوی تھی اور وہ آدمی کچھ بیمار (ذہنی طور پر) تھا اور جب اسے جوش آتا تو اپنی بیوی سے ظہار کرتا تو اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں کفارۂ ظہار اُتارا۔

شرح: لَمَم کا معنیٰ خبل اور جنون ہے۔ معالم السنن میں خطابی نے (اور ابن الاثیر نے بھی) لکھا ہے کہ لمم سے مراد یہاں پر عورت کی شدید خواہش اور جماع کی سخت حرص ہے، کیونکہ اگر اسے جنون ہوتا تو اس کا ظہار ناقابل اعتبار ہوتا اور یہ سارا جھگڑا ہی کھڑا نہ ہوتا (لیکن علامہ خطابیؒ نے شاید سہو و نسیان سے حوالہ جس حدیث کا دیا ہے کہ "میں ایک ایسا شخص تھا جسے دوسرے سے بہت زیادہ عورتوں کی خواہش تھی" یہ اوسؓ کا واقعہ نہیں بلکہ سلمہ بن صخرؓ کی حدیث میں اُس کا قول ہے!) مولاناؒ نے فرمایا کہ خطابی اور ابن الاثیر کی لمم کی تفسیر مستدرک حاکم اور سنن بیہقی کی روایات کے خلاف ہے کہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جمیلہؓ اوس بن الصامتؓ کی بیوی تھی اور اسے کچھ جنون تھا پس جب اس کا جنون شدّت اختیار کرتا تو اپنی بیوی سے ظہار کرتا تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا ظہار اوسؓ بن صامت نے کیا تھا۔ اور اسے جنون تھا۔ اور کبھی کبھی افاقہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ہوش و حواس کی حالت میں اس نے اپنی بیوی خولہؓ بنت ثعلبہ سے جھگڑا کیا اور ظہار کے الفاظ بول دیئے۔ بعد میں نادم ہوا۔ پس ان احادیث سے پتہ چلا کہ لمم مراد یہاں پر دورے کی کیفیت ہے اور ظہار افاقہ کے وقت واقع ہوا تھا۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد کی روایت کے الفاظ: جب شدید لمم کی حالت ہوتی تو ظہار کرتا۔ اوپر کی احادیث کے خلاف ہیں، پس لمم سے مراد یہاں جنون نہیں بلکہ بے سوچے سمجھے کام کرنا اور شدّتِ غضب میں وہ کام کرنا ہے جو اور لوگ نہیں کرتے (شاہ ولی اللہ، اور عون المعبود میں جو خطابی کے حوالے سے اس کا معنیٰ مذکور ہے (جس کا ذکر ہو چکا) وہ درست نہیں ہے۔ اور اس پر استلال سلمہ بن صخر کے الفاظ سے کرنا اور بھی غلط ہے۔

اوسؓ ایک ضعیف بوڑھا آدمی تھا جیسا کہ اپنی روایات میں آیا ہے۔

۲۲۲۰۔ حَدَّثَنَا هٰرُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا مِثْلَهٗ۔

اوپر کی حدیث عائشہؓ کی دوسری روایت۔

۲۲۲۱۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الطَّالِقَانِيُّ نَا سُفْيَانُ نَا الْحَكَمُ بْنُ اَبَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّ رَجُلًا ظَاهَرَ مِنِ امْرَاَتِهٖ ثُمَّ وَاقَعَهَا قَبْلَ اَنْ يُّكَفِّرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ قَالَ رَاَيْتُ بَيَاضَ سَاقَيْهَا فِي الْقَمَرِ قَالَ فَاعْتَزِلْهَا حَتّٰى تُكَفِّرَ عَنْكَ۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی عورت سے ظہار کیا پھر کفارہ دینے سے پہلے اس سے جماع کر لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو بتایا۔ حضورؐ نے فرمایا: اس کام پر تجھے کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے چاندنی میں اس کی پنڈلیوں کی سفیدی دیکھی۔ فرمایا جب تک تو اپنے ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے اس سے الگ رہ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا اور نسائی نے کہا کہ یہ مرسل سند سے زیادہ درست ہے)

شرح: شوکانی نے کہا کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ کفارۂ ظہار ادا کرنے سے پہلے وطی حرام ہے۔ اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اور کفارہ وطی سے ساقط نہیں ہوتا۔ حسن بصری اور ابراہیم نخعی سے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے کہ کفارے سے پہلے وطی کرنے والے پر تین کفارے واجب ہیں۔ ثوری، سعید بن جبیر اور ابویوسف کا مذہب یہ ہے کہ وطی سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ابویوسف کی اس روایت سے میں واقف نہیں، کتب حنفیہ میں یہ نہیں اور نہ اس کا کوئی نام ونشان ہے۔ عبداللہ بن عمرو ابن العاص سے مروی ہے کہ اس شخص پر دو کفارے واجب ہو جاتے ہیں اور عبدالرحمٰن بن مہدی کا یہی مذہب ہے۔ جمہور اور ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ کفارہ ایک ہی ہوگا۔ جہاں تک مقدمات وطی کا تعلق ہے۔ جمہور نے انہیں بھی حرام کہا ہے بدلیل آیت۔ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا۔ ثوری اور شافعی نے کہا کہ وطی حرام ہے نہ کہ اس کے مقدمات۔

۲۲۲۲۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوْبَ نَا اِسْمٰعِيْلُ نَا الْحَكَمُ بْنُ اَبَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ وَلَمْ يَذْكُرِ السَّاقَ۔

اوپر کی حدیث کی ایک روایت ذرا سے لفظی اختلاف کے ساتھ (یہ روایت عکرمہ عن ابن عباسؓ)

مرفوع ہے اور اس میں پنڈلی کا ذکر نہیں۔

۲۲۲۳ ۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ كَامِلٍ اَنَّ عَبْدَ الْعَزِيْزِ بْنَ الْمُخْتَارِ حَدَّثَهُمْ نَا خَالِدٌ حَدَّثَنِيْ مُحَدِّثٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيْثِ سُفْيَانَ قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عِيْسٰى يُحَدِّثُ بِهٖ نَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ الْحَكَمَ بْنَ اَبَانَ يُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ كَتَبَ اِلَيَّ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ قَالَ اَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰى عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ اَبَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِمَعْنَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اسی حدیث کی عکرمہ سے مرسل روایت جو حدیث سفیان کی مانند ہے۔
حکم بن ابان سے وہی اوپر والی حدیث اور اس میں ابن عباس رضؓ کا ذکر نہیں ہے
حکم بن ابان سے یہی روایت جس میں ابن عباس رضؓ کا ذکر ہے اور مرفوع ہے۔

بَابٌ ۱۸ فِي الْخُلْعِ

خلع کا باب

۲۲۲۴ ۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَمَّادٌ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَبِيْ اَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ۔

ثوبان رضؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت بلا وجہ اپنے خاوند سے طلاق طلب کرے تو جنت کی ہوا اس پر حرام ہے۔

شرح: خُلع کا معنیٰ ہے اتارنا، الگ کرنا، نکالنا، دُور کرنا۔ مثلاً کپڑا اتارنا، جوتا اتارنا وغیرہ۔ خُلع کا معنیٰ ہے مال لے کر عورت کو جُدا کر دینا۔ عورت بھی مرد کا لباس ہے اس لیے اس سے جدائی اختیار کرنے کو ایک خاص صورت میں خُلع کہا گیا۔ خُلع میں مال لینا ہی عورت کی جدائی کا عوض نہیں ہوتا بلکہ کسی قرض و قصاص وغیرہ

کے عوض میں بھی خلع ہو سکتا ہے۔ مرد اگر کچھ بھی نہ لے تب بھی خُلع ہو سکتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک خلع طلاق ہے اور یہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ شافعی کا ایک قول حنفیہ کی مانند ہے اور دوسرا یہ ہے کہ یہ فسخ ہے طلاق نہیں۔ اور یہ ابن عباس رضؓ سے مروی ہے۔ اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ خُلع کے بعد اگر زوجین میں پھر نکاح ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک اب مغلّظ ہونے کے لیے مرد کے پاس صرف دو طلاقیں ہیں مگر امام شافعی کے نزدیک نئے سرے سے تین طلاقوں والی ہو کر واپس آئے گی۔ شافعیؒ کا استدلال: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کی آیت سے ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خلع کا ذکر الگ فرمایا ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۔ اس کے بعد پھر تیسری طلاق کا ذکر ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا۔ پس شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر خلع طلاق ہے تو یہ چار طلاقیں ہو گئیں حنفیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے، کہ اس آیت میں خلع کا ذکر پہلی دو طلاقوں کی طرف راجع ہے لیکن پہلے عوض کا ذکر نہ ہوا لہٰذا ان کے بعد عوض کا ذکر آیا۔ پھر تیسری طلاق کا بیان ہوا۔

اس حدیث میں جس طلاق کے سوال کا ذکر ہے یہ بلا عوض بھی ہو سکتی ہے اور بعوض بھی، دوسری صورت میں خلع ہو گا۔

۲۲۲۵ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ زُرَارَةَ اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ عَنْ حَبِيْبَةَ بِنْتِ سَهْلٍ الْاَنْصَارِيَّةِ اَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَى الصُّبْحِ فَوَجَدَ حَبِيْبَةَ بِنْتَ سَهْلٍ عِنْدَ بَابِهٖ فِي الْغَلَسِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هٰذِهٖ قَالَتْ اَنَا حَبِيْبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ قَالَ مَا شَاْنُكِ قَالَتْ لَا اَنَا وَلَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ لِزَوْجِهَا فَلَمَّا جَاءَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ حَبِيْبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ فَذَكَرَتْ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَذْكُرَ وَقَالَتْ حَبِيْبَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُلُّ مَا اَعْطَانِيْ عِنْدِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ خُذْ مِنْهَا فَاَخَذَ مِنْهَا وَجَلَسَتْ فِيْ اَهْلِهَا ۔

حبیبہ رضؓ بنت سہل انصاریہ سے روایت ہے کہ وہ ثابت بن قیس رضؓ بن شماس کے نکاح میں تھی اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے برآمد ہوئے تو آپ نے حبیبہؓ بنت سہل کو اندھیرے میں اپنے دروازے کے پاس پایا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کون عورت ہے؟ اس نے کہا میں حبیبہؓ بنت سہل ہوں۔ فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ میں اور میرا خاوند ثابتؓ بن قیس اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ پس جب ثابتؓ بن قیس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: یہ حبیبہؓ بنت سہل ہے اور اس نے بیان کیا جو اللہ نے چاہا کہ بیان کرے۔ اور حبیبہؓ نے کہا یا رسول اللہ اس نے جو کچھ مجھے دیا وہ میرے پاس ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس سے فرمایا: وہ اس سے لے لو، پس اس نے وہ لے لیا اور حبیبہؓ اپنے گھر والوں (خاندان) میں جا بیٹھی۔ (نسائیؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ خلع فسخ ہے طلاق نہیں، اگر طلاق ہوتی تو اس میں شرائط طلاق کو (مثلاً طہر میں واقع ہونا، صرف خاوند کی طرف سے بلا حصول رضائے عورت ہونا وغیرہ) ملحوظ رکھا جاتا۔ حضورؐ نے ان میں سے کوئی بات نہیں پوچھی اور تفریق کرا دی۔ ابن عباسؓ کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے اس پر سورۂ بقرہ کی آیات ۲۲۸ – ۲۳۰ سے استدلال کیا ہے، کہ طلاق کا ذکر اور خلع کا ذکر الگ الگ ہوا ہے (یہی دلیل امام شافعیؒ نے اپنائی ہے جس کا ذکر اوپر گزرا) اور حضرت عثمان، علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، کہ خلع ایک بائن طلاق ہے۔ حسن بصری، ابراہیم نخعیؒ، عطاؒ، ابن المسیبؒ، شریحؒ، شعبیؒ، مکحولؒ، مجاہدؒ، زہریؒ، سفیانؒ، مالکؒ، اوزاعیؒ، حنفیہؒ اور شافعی (ایک قول میں)، کا یہی مذہب ہے جو صحیح تر ہے۔ ابن عباسؓ کے مذہب کو طاؤسؒ، عکرمہؒ، شافعی (ایک قول میں) احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور ابو ثورؒ نے اختیار کیا ہے۔ حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ کراہت کے باوجود خاوند کی مار پیٹ اور اذیت کے باعث خلع جائز ہے اور خاوند اس سے اپنا سب کچھ لے سکتا ہے۔ سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ سب کچھ لینا مکروہ ہے اور اگر لینا ہی ہو تو صرف اتنا لے جو اسے دے چکا تھا۔ اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ یہ معاملہ تراضیٔ طرفین پر منحصر ہے۔ اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ خلع لینے والی عورت کو مکان وغیرہ نہیں ملتا۔ اس مسئلہ پر کچھ گفتگو اوپر گزر رہی۔

۲۲۲۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ نَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو نَا أَبُو عَمْرٍو السَّدُوسِيُّ الْمَدِينِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ سَهْلٍ كَانَتْ عِنْدَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ فَضَرَبَهَا فَكَسَرَ بَعْضَهَا فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الصُّبْحِ فَاشْتَكَتْهُ إِلَيْهِ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَابِتًا فَقَالَ خُذْ بَعْضَ مَالِهَا وَفَارِقْهَا فَقَالَ وَيَصْلُحُ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ

اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنِّیْ أَصْدَقْتُهَا حَدِيقَتَيْنِ وَهُمَا بِيَدِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْهُمَا فَفَارِقْهَا فَفَعَلَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حبیبہ بنت سہل ثابت بن قیس بن شماس کے نکاح میں تھی۔ ثابت نے اسے پیٹا اور اس کا کوئی عضو (گٹا) توڑ دیا، پس وہ صبح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے شکائت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو بلایا اور فرمایا کہ اس کا کچھ مال لے لو اور اسے جدا کردو۔ اس نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ اچھی بات ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے مہر میں دو باغ دیئے تھے جو اس کے قبضے میں ہیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ باغ لے لو اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ سو اس نے یہی کیا۔ (روایات اس میں مختلف ہیں یہاں تو حبیبہ بنت سہل کا قصہ ہے اور بعض اور حدیثوں میں عورت کا نام جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی یا اخت عبداللہ آیا ہے۔ حضرت ثابت تیز مزاج تھے ممکن ہے کہ دونوں واقعات پیش آئے ہوں)

۲۲۲۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ الْبَزَّازُ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ الْقَطَّانُ نَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ ابْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَّتَهَا حَيْضَةً قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهٰذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا۔

۲۲۲۸۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عِدَّةُ الْمُخْتَلِعَةِ حَيْضَةٌ۔

۲۲۱۲ الف و ۲۲۱۲ ب۔ یہ دونوں احادیث مع ترجمہ اوپر گزر چکی ہیں۔ ترتیب درست رکھنے کی خاطر یہاں ان کے نمبر دیئے گئے ہیں۔

بَابٌ ۱۹ فِي الْمَمْلُوكَةِ تُعْتَقُ وَهِيَ تَحْتَ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ

جب لونڈی آزاد ہو اور وہ آزاد یا غلام کے نکاح میں ہو، اسکا باب

عنوان کا یہ مطلب ہے کہ آیا اسے آزاد ہونے پر فسخ نکاح کا اختیار ہے یا نہیں؟ اگر لونڈی کی آزادی کے وقت اس کا خاوند غلام ہو تو بالاتفاق اسے اختیار حاصل ہے۔ لیکن جب خاوند آزاد ہو تو اس میں اختلاف ہے کہ اختیار

ہوگا یا نہیں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نہیں ہوگا کیونکہ پہلی صورت تو وہ ہے کہ غلام خاوند آزاد عورت کا کفو نہیں ہوتا پس جواز فسخ کی علت عدم کفاءت ہے۔ اس کی تائید اس حدیث میں حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ اگر بریرہؓ کا خاوند آزاد ہوتا تو اسے خیار فسخ نہ ہوتا۔ جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا نہیں بلکہ عروہؒ کا قول ہے جیسا کہ نسائیؒ کی روایت میں اور ابوداؤد کی مالک والی روایت میں صراحت ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیں کہ یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے تو بھی یہ ان کا اجتہاد ہے جو اوروں پر حجت نہیں۔ شعبیؒ، نخعیؒ، ثوریؒ اور حنفیہ کا قول یہ ہے کہ آزاد ہونے والی عورت کا خاوند گو آزاد ہو، اسے اختیار حاصل ہے۔ اور انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں آیا ہے کہ بریرہؓ کا خاوند آزاد تھا (نیل الاوطار) حافظ ابن القیمؒ نے الہدیٰ میں کہا ہے کہ حدیث عائشہؓ کے تین راوی ہیں: اسود، عروہ اور قاسم۔ اسود کی روایت میں تو اختلاف نہیں کہ وہ آزاد تھا۔ عروہ سے دو صحیح مگر متعارض روایتیں ہیں ایک یہ کہ وہ آزاد تھا اور دوسری یہ کہ وہ غلام تھا۔ عبدالرحمان بن القاسم سے دو صحیح روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ وہ آزاد تھا اور دوسری میں شک کا اظہار ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ پہلے وہ غلام تھا مگر اب آزاد ہو چکا تھا پس جس نے کہا کہ وہ غلام تھا وہ پہلی حالت کے پیش نظر کہا ہوگا۔

۲۲۲۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ مُغِيثًا كَانَ عَبْدًا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اشْفَعْ لِي إِلَيْهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بَرِيرَةُ اتَّقِي اللّٰهَ فَإِنَّهُ زَوْجُكِ وَأَبُو وَلَدِكِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَأْمُرُنِي بِذٰلِكَ قَالَ لَا إِنَّمَا أَنَا شَافِعٌ فَكَانَ دُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى خَدِّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ أَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ وَبُغْضِهَا إِيَّاهُ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مُغیث (بریرہؓ کا خاوند) غلام تھا۔ پس اس نے کہا یا رسول اللہ بریرہؓ سے میری سفارش فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بریرہؓ! اللہ سے ڈر کیونکہ وہ تیرا خاوند اور تیری اولاد کا باپ ہے۔ بریرہؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ کیا یہ میرے لیے آپ کا حکم ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: نہیں، میں تو صرف سفارش کرتا ہوں۔ مغیثؓ کے آنسو اس کے رخساروں پر بہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباسؓ سے فرمایا: کیا تمہیں اس پر حیرانی نہیں کہ مغیثؓ کو بریرہ سے کتنی محبت ہے اور بریرہ کو اس سے کتنا بغض ہے؟ (بخاری نے کتاب الطلاق میں اسی معنی کی روایت کی ہے)

شرح: خطابی نے امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ نکاح میں مکافات (کفاءت) کے مسئلے میں حدیث بریرہؓ

بنیاد ہے اور مجھے اس میں کوئی اختلاف معلوم نہیں کہ لونڈی کی آزادی کے وقت اس کا خاوند اگر غلام ہو تو آزاد ہونے والی کو فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ اور اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ خاوند آزاد ہو۔ اور اختلاف کا باعث بھی اختلافِ روایات ہے۔ اور ان میں ترجیح کے اسباب فقہاء نے تلاش کئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے اہل حجاز (عروہ و قاسم) کی روایت یہ ہے کہ وہ غلام تھا۔ اہل عراق (اسود) کی روایت ہے کہ وہ آزاد تھا۔
بریرہؓ ایک ذہین عورت تھی، اس نے صراحت کرالی کہ یا رسول اللہ یہ حکم ہے یا نہیں؟ کیونکہ حکم کی صورت میں اطاعت واجب ہوتی اور سرتابی کی گنجائش نہ تھی۔ دوسری صورت میں فیصلہ اس کی مرضی پر موقوف تھا۔

۲۲۳۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا عَفَّانُ نَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ زَوْجَ بَرِيرَةَ كَانَ عَبْدًا أَسْوَدَ يُسَمَّى مُغِيثًا فَخَيَّرَهَا يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهَا أَنْ تَعْتَدَّ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بریرہؓ کا خاوند ایک سیاہ فام غلام تھا جسے مغیث کہتے تھے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ کو اختیار دے دیا اور اسے عدت گزارنے کا حکم دیا (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، دارقطنی)
شرح: ابن ماجہ کی حدیث عائشہؓ میں ہے کہ حضورؐ نے اسے تین حیض عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔ اس سے یہ وضاحت بھی ہوگئی کہ قروء سے مراد حیض ہیں طہر نہیں۔

۲۲۳۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ فِي قِصَّةِ بَرِيرَةَ قَالَتْ كَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا۔

حضرت عائشہؓ سے بریرہؓ کے قصے میں روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اس کا خاوند غلام تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا اور اس نے اپنے نفس (کی آزادی) کو اختیار کر لیا۔ اگر وہ آزاد ہوتا تو حضورؐ اسے اختیار نہ دیتے (مسلم، ترمذی، نسائی) نسائی نے مجتبیٰ میں کہا ہے کہ عروہ نے کہا اگر وہ آزاد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہؓ کو اختیار نہ دیتے۔ اس سے پتہ چل گیا کہ یہ قول مدرج ہے اور عروہ کا قول ہے۔

۲۲۳۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ وَالْوَلِيدُ ابْنُ عُقْبَةَ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ بَرِيرَةَ خَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا۔

القاسم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ بریرہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا تھا اور اس کا خاوند غلام تھا (مسلم اور نسائی) شرح اوپر گزر چکی)

بَابُ مَنْ قَالَ كَانَ حُرًّا

ان کا باب جنہوں نے کہا کہ وہ آزاد تھا

۲۲۳۳ - حَدَّثَنَا ابْنُ كَثِيرٍ اَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ زَوْجَ بَرِيْرَةَ كَانَ حُرًّا حِيْنَ اُعْتِقَتْ وَاَنَّهَا خُيِّرَتْ فَقَالَتْ مَا اُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ مَعَهُ وَاَنَّ لِيْ كَذَا وَكَذَا۔

اسود سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی: بریرہؓ جب آزاد ہوئی تو اس کا خاوند آزاد تھا اور بریرہؓ کو اختیار دیا گیا تو اس نے کہا کہ میں پسند نہیں کرتی کہ مجھے فلاں چیز حاصل ہو جائے اور اس کے ساتھ رہوں (بخاری، ابن ماجہ، نسائی)

شرح: کذا وکذا بطور محاورہ بولا جاتا ہے، یعنی اگر کوئی بہت بڑا انعام بھی مل جائے میں تب بھی اس کے ساتھ نہ رہوں۔ بریرہؓ ایک حسین وجمیل عورت تھی اور مغیث کالا کلوٹا آدمی تھا۔ اس حدیث کے یہ الفاظ کہ: جب بریرہؓ آزاد ہوئی تو اس کا خاوند آزاد تھا۔ یہ ظاہر کرتے تھے کہ اس سے قبل وہ غلام رہ چکا تھا۔ پس اس طرح سے ان روایات کو جمع کرنا آسان ہے کہ وہ پہلے غلام تھا مگر بریرہؓ کی آزادی کے وقت آزاد تھا۔ علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ جس وقت بریرہؓ کی آزادی کا واقعہ پیش آیا تھا اس وقت کے متعلق یہ کہنا کہ مغیث بھی غلام تھا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ابن عباسؓ کا یہ قول کہ وہ غلام تھا اس بات کی دلیل نہیں کہ بریرہؓ کی آزادی کے وقت بھی وہ غلام ہی تھا۔ ان احادیث میں دو ایسی صفات کا ذکر ہے یعنی غلامی اور آزادی، جن کا ایک وقت میں اجتماع محال ہے لہذا یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ دونوں قسم کی احادیث دو مختلف احوال کو ظاہر کرتی ہیں۔ جن میں اس کی غلامی کا ذکر ہے ان سے مراد یہ ہے کہ وہ پہلے غلام تھا، اور جن میں اس کی آزادی کا بیان ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ بریرہؓ کی آزادی کے وقت آزاد تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ غلامی پہلے اور آزادی بعد میں ہوتی ہے۔ اب یہ تو ناممکن ہے کہ پہلے وہ آزاد ہوا اور پھر غلام ہو جائے لہذا ماننا پڑے گا کہ غلامی متقدم اور آزادی متاخر تھی۔ اگر بالفرض یہ مان لیں کہ ان سب روایات میں مغیث کی غلامی کا ذکر ہے تو بھی ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہیں منقول نہیں کہ میں نے بریرہؓ کو اس بناء پر اختیار دیا ہے کہ اس کا خاوند غلام ہے۔ اور یہ بات تو مسلم ہے کہ بریرہؓ کو اختیار دیا گیا، اور اس بناء پر دیا گیا کہ وہ آزاد ہو گئی تھی۔ پس چاہے اس کا خاوند غلام ہو چاہے آزاد، اختیار تو بہرحال اسے مل گیا تھا۔ اور ہم نے تمام روایات کو صحیح جان کر انہیں جمع بھی کر دیا ہے، ترجیح کا سوال ان لوگوں کے نزدیک پیدا ہوگا جو آزاد شدہ لونڈی کو صرف اس صورت میں اختیار کے قائل ہیں جبکہ اس کا خاوند غلام ہو۔

بَابُ حَتّٰى مَتٰى يَكُوْنُ لَهَا الْخِيَارُ

۲۲۳۴ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ وَعَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ بَرِيْرَةَ أُعْتِقَتْ وَهِيَ عِنْدَ مُغِيْثٍ عَبْدٍ لِآلِ أَبِيْ أَحْمَدَ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَهَا إِنْ قَرِبَكِ فَلَا خِيَارَ لَكِ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بریرہؓ آزاد ہوئی تو وہ مغیث کی بیوی تھی جو ابو احمد کے گھرانے کا غلام تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا اور فرمایا کہ اگر وہ تیرے قریب گیا تو تجھے کوئی اختیار نہ رہے گا (یہاں قرب سے مراد جماع ہے)

شرح: اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق عن کے لفظ سے روایت کر رہا ہے اور ایسی روایت محدثین کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتی کیونکہ دیگر تنقید کے علاوہ وہ مدلس بھی ہے۔ پھر اس کا استاد کون ہے؟ اس کا پتہ نہیں چل سکا۔ بقول حافظ، دارقطنی نے علل میں: جعفر بن محمد بن علی عن ابیہ عن عائشہؓ اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ اس میں نہ مجاہد کا ذکر ہے نہ ابن اسحاق کا۔ بہر حال اس سند میں گڑبڑ پائی جاتی ہے۔ مغیث کے متعلق یہ بھی اختلاف ہے کہ وہ کس کا غلام رہا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ وہ بنی مغیرہ کا غلام تھا۔ ابن مندہ نے کہا کہ احمد بن جحش کا غلام تھا اور یہاں ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ وہ آل ابی احمد کا غلام تھا۔ حافظ ابن عبد البرکات کا قول ہے کہ وہ بنی مطیع کا غلام تھا۔ ان روایات کا جمع کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ الگ الگ قبائل واشخاص کے نام ہیں۔ لہذا صحت سند کی بنا پر ترجیح ترمذی کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

شوکانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آزاد ہونے والی عورت کا اختیار فوراً ختم نہیں ہوتا اور اگر وہ خاوند کو قریب آنے دے تو اختیار باطل ہو جاتا ہے۔ یہی مذہب مالک، حنفیہ، ہادویہ کا ہے اور شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ فی الفور اعلان نہ کرے تو اس کا اختیار باطل ہو جاتا ہے۔ ان کی ایک اور روایت میں تین دن کا اختیار۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس مجلس سے اٹھنے تک اسے اختیار باقی ہے۔ اور یہ دو آخری قول بعض احناف کے بھی ہیں۔ اور قول اول زیادہ واضح اور ظاہر ہے کیونکہ تخییر جب مطلق ہے تو اس کی حد یہی ہوگی کہ خاوند سے قریب نہ کرے۔ مسند احمد کی ایک روایت اس کی تائید کرتی ہے اور دارقطنی نے بھی سنن میں اسی قسم کی روایت بیان کی ہے۔

البدائع میں ہے کہ یہ اختیار قول وفعل یا دلالت سے باطل ہو جاتا ہے۔ قول کا مطلب تو واضح ہے،

فعل سے مراد یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے اس کی نکاح پر رضا ثابت ہو جائے۔ اور مجلس سے اٹھ کھڑی ہو تو بھی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اعراض کی علامت ہے۔ اور سکوت سے باطل نہیں ہوتا الخ

بَابٌ فِي الْمَمْلُوكَيْنِ يُعْتَقَانِ مَعًا هَلْ تُخَيَّرُ امْرَأَتُهُ

باب ۲۲ غلام زوجین اکٹھے آزاد ہوں تو کیا عورت کو اختیار ملتا ہے

۲۲۳۵ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ زُهَيْرٌ نَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ نَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَوْهَبٍ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ إِنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تُعْتِقَ مَمْلُوكَيْنِ لَهَا زَوْجٌ قَالَ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَبْدَأَ بِالرَّجُلِ قَبْلَ الْمَرْأَةِ قَالَ نَصْرٌ أَخْبَرَنِي أَبُو عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے دو غلاموں کو جو زوجین تھے، آزاد کرنے کا ارادہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپؐ نے حکم دیا کہ پہلے مرد کو آزاد کرو پھر عورت کو۔ نصر بن علی (ابو داؤد کا استاد) نے کہا کہ مجھے ابو علی الحنفی نے عبید اللہ کی طرف سے خبر دی (ابن ماجہ، نسائی)

شرح: خطابی اور شوکانی دونوں نے کہا ہے کہ مرد کو پہلے آزاد کرنے کا مطلب یہ تھا کہ عورت جب آزاد ہو تو خاوند کے آزاد ہونے کے باعث اسے کوئی اختیار فسخ کا نہ رہے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی عبد اللہ بن عبد الرحمان ضعیف ہے اور بقول عُقیلی یہ حدیث صرف اس سے مروی ہے۔ ابن حزم نے اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے کہ اگر صحیح ہوتی پھر بھی اس میں کوئی دلیل نہ تھی کیونکہ زوجین نہ تھے، اگر زوجین بھی تھے تو بھی اس لیے حکم فرمایا کہ مرد کو آزاد کرنا عورت کی نسبت افضل ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آ چکا ہے۔ حدیث میں جو زوج کا لفظ ہے یہ ان کے زوجین ہونے میں صریح نہیں ہے کیونکہ اس لفظ کا معنی جوڑا ہے جو ہر دو چیزوں پر بولا جاتا ہے۔

بَابٌ إِذَا أَسْلَمَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ

باب ۲۳ جب زوجین میں سے ایک مسلمان ہو جائے

۲۲۳۶ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ مُسْلِمًا عَلَى عَهْدِ

رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَتِ امْرَأَتُهُ مُسْلِمَةً بَعْدَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا قَدْ كَانَتْ أَسْلَمَتْ مَعِي فَرَدَّهَا عَلَيْهِ ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مرد مسلم ہو کر آیا پھر اس کی بیوی بھی اس کے بعد مسلم ہو کر آگئی تو مرد نے کہا یا رسول اللہ! یہ میرے ساتھ ہی مسلم ہو چکی تھی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عورت اس کو لوٹا دی (ترمذی نے روایت کر کے اس کی تصحیح کی ہے)

شرح: علامہ خطابی رح نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ جب زوجین میں نکاح کا علم ہو اور عورت فرقت طلب کرے تو اس بارے میں مرد کا قول معتبر ہے اور ابطالِ نکاح میں عورت کا قول غیر معتبر ہے اور شک یقین کی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ اور مجھے اس میں بھی کوئی اختلاف معلوم نہیں کہ جب دونوں میاں بیوی اکٹھے مسلمان ہوں تو وہ نکاح اول پر ہیں اور اگر عورت مدخول بہا ہو اور عدت گزرنے سے قبل ہی وہ بھی خاوند کے بعد اسلام لے آئے یا مرد کا اسلام متقدم تھا اور وہ عدت گزرنے سے پہلے اسلام لے آئی تو وہ پہلے نکاح قائم ہوں گے، یہ قول زہری، شافعی، احمد اور اسحاق کا ہے۔ مالک رح بن انس نے کہا ہے کہ جب مرد پہلے مسلمان ہو اور وہ عورت پر اسلام پیش کرے اور وہ قبول نہ کرے تو ان میں جدائی واقع ہو گئی۔ اور سفیان ثوری نے کہا کہ جب عورت مسلمان ہوئی اور اس نے خاوند پر اسلام پیش کیا تو اگر وہ اسلام لے آیا تو ان کا پہلا نکاح قائم ہے اور اگر اس نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو ان میں تفریق کرا دی جائے گی۔ اور اسی طرح حنفیہ نے کہا جبکہ مرد دارالاسلام میں ہو۔ اور اگر عورت مسلمان ہو گئی پھر مرد دارالکفر میں چلا گیا تو افتراقِ دین کے باعث ان میں فرقت واقع ہو گئی۔ اگر زوجین دارالحرب میں مسلمان ہوئے اور وہ دونوں یا ان میں سے ایک دارالاسلام کی طرف نہ آیا تو مرد اس عورت کا زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ وہ عورت کی عدت گزرنے سے پہلے اسلام لے آئے لیکن اگر عدت گزر گئی تو اب اس مرد کو اس عورت پر کوئی بالادستی یا اختیار نہیں۔ ابن شبرمہ نے کہا کہ عورت مسلمان ہوتے ہی کافر خاوند سے جدا ہو جاتی ہے۔ اگر بعد میں مرد مسلمان ہو جائے تو نئے سرے سے خطبہ اور نکاح کرے۔ یہی قول ابو ثور کا ہے اور حسن، عکرمہ، عمر بن عبدالعزیز، عطاء اور طاؤس سے بھی یہی مروی ہے۔ ابوداؤد کے عنوان باب کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ زوجین میں سے ایک اسلام لے آئے، پھر دوسرا بھی مسلم ہو جائے اور پتہ چل جائے کہ وہ اکٹھے ہی اسلام لائے

۲۲۳۷۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ أَخْبَرَنِي أَبُو أَحْمَدَ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَسْلَمَتِ امْرَأَةٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَزَوَّجَتْ فَجَاءَ زَوْجُهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَسْلَمْتُ وَعَلِمَتْ بِإِسْلَامِي فَانْتَزَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَا الْآخَرِ وَرَدَّهَا إِلَى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک عورت اسلام لائی اور اس نے (مدینہ میں) نکاح بھی کر لیا، پھر اس کا پہلا خاوند آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلم ہو چکا تھا اور اسے میرے اسلام کا علم تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوسرے خاوند سے واپس لیا اور پہلے خاوند کے سپرد کر دیا (ابن ماجہ)

شرح: علامہ علی القاری نے کہا کہ اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ جب زوجین کے نکاح کا علم ہو اور عورت فراق کی مدعی ہو تو خاوند کے انکار کی صورت میں اس کا قول معتبر ہو گا اور اس سے قسم لی جائے گی۔ چاہے وہ عورت کسی اور سے نکاح کر چکی ہو یا نہ۔ اسی طرح جب قبل از دخول زوجین اسلام لے آئیں اور پھر ان میں اختلاف ہو جائے، خاوند کہے کہ ہم اکٹھے مسلمان ہوئے تھے اور بیوی کہے کہ نہیں تو بھی ان کا نکاح قائم ہے۔ اگر عورت یہ کہے کہ ہم یکے بعد دیگرے مسلم ہوئے تب بھی خاوند کا قول معتبر ہو گا۔ اسی طرح بعد از دخول اگر عورت مسلم ہو کر دعویٰ کرے کہ وہ پہلے مسلم ہوئی تھی تو بھی مرد کا قول معتبر ہو گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ظاہر حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ خاوند مدعی ہے کیونکہ بقائے نکاح اور عدم فسخ کا وہی مدعی ہے اور بیوی نے انکار کیا اور دوسرا نکاح کر لیا لہٰذا وہ مدعیٰ علیہا ہوئی۔ مرد پر مدعی کی تعریف یوں بھی صادق آتی ہے کہ مدعی وہ ہے جب چاہے اپنا دعویٰ اور مطالبہ ترک کر دے۔ پس جب مرد نے کہا کہ میں مسلم ہو چکا تھا اور یہ میرے اسلام کو جانتی تھی تو شاید عورت نے بھی اس چیز کا اعتراف کر لیا تھا اور اس کا انکار نہ کیا تھا لہٰذا مرد کا دعویٰ ثابت ہو گیا اور عورت کے اعتراف کے باعث اس کا پہلا نکاح فسخ نہ ہوا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے صدق کو وحی سے جان لیا تھا لہٰذا آپ نے اس عورت کو دوسرے سے چھین کر پہلے کے سپرد کر دیا (یہ بحث اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ حسب قاعدہ شرع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریق ثانی کا بیان نہیں سنا نہ اس سے قسم لی اور نہ اس کا کوئی عذر دریافت فرمایا تھا۔

علامہ علی القاری نے منظہر کا قول نقل کیا کہ جب عورت کی عدت گزرنے سے قبل میاں بیوی ہر دو مسلم ہوں تو ان کا پہلا نکاح ثابت رہے گا چاہے وہ دونوں ایک مذہب پر تھے، مثلاً یہودی یا عیسائی۔ یا دونوں بت پرست تھے، یا دونوں کا دین (اسلام کے سوا) الگ الگ تھا، چاہے وہ دارالاسلام میں تھے یا دارالحرب میں یا ایک دارالحرب میں اور دوسرا دارالاسلام میں، یہ شافعی اور احمد بن حنبل کا مذہب ہے۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ تین امور میں سے ایک کے ساتھ ان میں فرقت واقع ہو جاتی ہے (۱) عدت کا گزر جانا (۲) دوسرے پر اسلام کا پیش کیا جانا اور اس کا اس سے باز رہنا (۳) ان میں سے کسی ایک کا دارالاسلام سے دارالحرب میں اس کے برعکس منتقل ہو جانا۔ اور ابو حنیفہ کے نزدیک خواہ اسلام دخول سے پہلے ہو خواہ بعد میں۔ ابن الہمام نے کہا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے کہ حقیقۃً یا حکماً تباین دارین (یعنی ایک کا دارالاسلام میں ہونا اور دوسرے کا دارالحرب میں ہونا) زوجین کے درمیان کیا فرقت کو واجب کرتا ہے یا نہیں کرتا؟ حنفیہ کا جواب اثبات میں ہے اور شافعی کا نفی میں۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا قیدی ہو جانا فرقت کو واجب کرتا ہے یا نہیں کرتا؟ ہمارا جواب نفی میں ہے اور امام شافعی کا اثبات میں۔ اور مالک اور احمد کا قول بھی شافعی کی مانند ہے۔

محقق ابن الہمام کہتے ہیں کہ مسئلے کی چار صورتیں بنتی ہیں، دو وفاقی اور دو خلافی (۱) زوجین ذمی یا مسلم ہو کر دارالاسلام میں چلے آئیں یا امن حاصل کر کے آئیں پھر وہ دونوں اسلام لے آئیں یا ذمی بن جائیں تو ان میں بالاتفاق فرقت نہیں ہوتی (۲) دونوں میں سے ایک جنگی قیدی ہو جائے تو بالاتفاق فرقت ہو جائے گی، امام شافعی کے نزدیک قید کے باعث اور حنفیہ کے نزدیک تبائنِ دارین کے باعث۔ یہ دو مسئلے اتفاقی تھے (۳) جب ان میں سے ایک ذمی یا مسلم یا مستامن ہو کر دارالاسلام میں آ جائے، پھر وہ اسلام لے آئے یا یہیں رہ کر ذمی ہو جائے تو ہمارے نزدیک فرقت واقع ہو جاتی ہے۔ اگر وہ آدمی ایسا ہو کہ اسے فی الحال چار سے نکاح حلال ہو اور اس کی دارالحرب والی بیوی بائن ہو جائے گی اور اگر عورت دارالاسلام میں ہے اور دارالحرب میں تو بھی فرقت ہو جائے گی۔ اور شافعیؒ کے نزدیک اس مرد کے درمیان اور اس کی اس بیوی کے درمیان جو دارالحرب میں ہے فرقت نہ ہو گی سوائے اس عورت کے جو اپنے خاوند پہ غلبہ پانا چاہتی ہو پس وہ اس ارادے کے باعث بائن ہو جائے گی (۴) زوجین اکٹھے قید ہو گئے ہیں تو امام شافعیؒ کے نزدیک ان میں فرقت ہو جائے گی، قید کرنے والا اس عورت سے وطی کر سکتا ہے استبراء کے بعد اور حنفیہ کے نزدیک فرقت واقع نہ ہو گی کیونکہ وہ دونوں حقیقۃً اور حکماً ایک ہی علاقے۔ دارالاسلام میں ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس باب کی دو حدیثیں حنفی مذہب کے خلاف ہیں کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے حقیقۃً اور حکماً جب زوجین کے دار مختلف ہوں تو فرقت واجب ہو گی، مگر یہاں یہ ہے کہ ان میں سے ایک تو ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ گیا اور دوسرا دارالحرب میں رہ گیا اور اس طرح حقیقۃً اور حکماً تباینِ دارین متحقق ہو گیا، کیونکہ ان میں سے مسلم تو دارالاسلام میں تھا اور دوسرا فریق دارالحرب میں تھا۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمیں تسلیم ہے کہ یہاں پر زوجین میں حقیقۃً تباینِ دارین تھا، مگر یہ تسلیم نہیں ہے کہ ان میں حکماً بھی تباینِ دارین موجود تھا کیونکہ وہ دونوں جب دارالحرب میں اسلام لائے اور ایک ہجرت کر آیا تو دوسرا دارالحرب میں رہنے کا عزم نہیں رکھتا بلکہ وہ بھی ہجرت کا ارادہ رکھتا تھا پس وہ حکماً دارالاسلام میں تھا پس وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ علاوہ ازیں شمس الائمہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ بقولِ امام زہری دارالاسلام اور دارالحرب کا اختیار صرف فتح مکہ کے بعد پیدا ہوا تھا، لہٰذا جس وقت کے بارے میں یہ احادیث ہیں اس وقت تک ابھی تباینِ دارین کا سوال پیدا نہ ہوا تھا۔

بَابٌ ۲۴ اِلٰی مَتٰی تُرَدُّ عَلَیْهِ امْرَاَتُهٗ اِذَا اَسْلَمَ بَعْدَهَا

باب جب مرد بعد میں اسلام لائے تو کب تک عورت اسے لوٹائی جا سکتی ہے

۲۲۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَیْلِیُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الرَّازِیُّ نَا سَلَمَةُ یَعْنِی ابْنَ الْفَضْلِ ح وَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ نَا یَزِیْدُ الْمَعْنٰی کُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ الْحُصَیْنِ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ابْنَتَهٗ

زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ لَمْ يُحْدِثْ شَيْئًا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو فِي حَدِيثِهِ بَعْدَ سِتِّ سِنِينَ وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ بَعْدَ سَنَتَيْنِ۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینبؓ کو ابوالعاصؓ پر پہلے نکاح کے ساتھ لوٹایا تھا، کوئی نئی بات نہ کی تھی۔ محمد بن عمرو نے اپنی حدیث میں چھ سال کے بعد کا لفظ بولا، اور حسن بن علی نے دو سال کہا (ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی۔ ترمذی کی روایت میں چھ سال اور ابن ماجہ میں دو سال کا ذکر ہے)

شرح: حافظ ابن حجر نے کہا ہے بعض روایات میں دو سال اور بعض میں تین کا ذکر ہے۔ یہ اختلاف اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ چھ سال سے مراد حضرت زینبؓ کی ہجرت اور ابوالعاصؓ کے اسلام کا درمیانی فاصلہ ہے۔ اور مغازی میں یہ بات واضح ہے کیونکہ ابوالعاصؓ جنگ بدر میں قید ہوئے پھر انہوں نے اپنے فدیے میں زینبؓ کو مکہ سے مدینہ بھیج دیا۔ ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شرط ہوئی تھی جسے انہوں نے پورا کیا، اور جن روایات میں دو یا تین سال کا ذکر ہے ان سے مراد اس آیت کے نزول: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ اور ابوالعاصؓ کے مسلم ہو کر آنے کا درمیانی فاصلہ ہے کیونکہ ان دونوں واقعات میں دو سال چند ماہ کا فاصلہ تھا۔ اور اس اصل مسئلے میں دو متعارض حدیثیں وارد ہیں، ایک یہ ہے اور اسے احمد نے اور اصحاب سنن نے (نسائی کے سوا) محمد بن اسحاق کے طریق سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا کہ اس کی سند میں کوئی نقص نہیں اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے (باوجود محمد بن اسحاق کے اور اس کے عنعنہ کے:) دوسری حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے حجاج بن ارطاۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ الخ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینبؓ کو نئے نکاح اور نئے مہر کے ساتھ واپس کیا تھا۔ ترمذی نے کہا کہ اس کی سند میں کلام ہے۔ پھر یزید بن ہارون سے روایت کی کہ اس نے یہ دونوں حدیثیں عن ابن اسحاق عن حجاج بن ارطاۃ روایت کی ہیں۔ پھر یزید نے کہا کہ حدیث ابن عباس رضؓ سند کے لحاظ سے قوی تر ہے مگر فقہائے عراق کا عمل عمرو بن شعیب کی حدیث پر ہے۔ ترمذی نے حدیث ابن عباسؓ کے متعلق کہا ہے کہ: لَا نَعْرِفُ وَجْهَهُ۔ اس سے ترمذی نے یہ اشارہ کیا ہے کہ دو یا تین اور چھ سال میں تعارض ہے کیونکہ یہ بات بعید ہے کہ عورت اتنی مدت تک عدت ہی میں رہے (گو خطابی نے یہی لکھا ہے کہ کسی عارضے کے باعث عدت طویل ہو گئی تھی) اور کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے کہ مشرک کا اسلام جب بیوی کے اسلام سے متاخر ہو تو عورت کو اتنی مدت تک مشرک ہی کے حق میں سمجھے حالانکہ عدت بھی گزر چکی ہو۔ اور جن لوگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے ان میں سے حافظ ابن عبدالبر بھی ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض اہل ظاہر نے اس کا جواز بتایا ہے مگر ان کا قول اجماع کے باعث مردود ہے۔ ابن عبدالبر کا تعقب کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں قدیم سے اختلاف موجود ہے۔ اور یہ علیؓ اور ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے جیسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور ان روایات کی اسناد قوی ہیں اور ابوحنیفہؒ کے استاد حماد نے یہی فتویٰ دیا تھا۔

علامہ خطابی نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ اتنی مدت تک عدت کی بقاء ممکن ہے اگرچہ غالب عادت کے یہ خلاف ہے بالخصوص اس وقت ممکن ہے جبکہ مدت دو سال چند ماہ ہو، کیونکہ حیض کبھی کبھی ذات الاقراد (حائض عورتوں) سے کسی عارضہ یا علت کے باعث متاخر ہو جاتا ہے اور اسی قسم کا جواب بیہقی نے دیا ہے اور اس پر اعتماد اولی ہے۔ ابن عبد البر عمرو بن شعیب کی حدیث کی ترجیح کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اور کہا ہے کہ ابن عباسؓ کی حدیث اس کے خلاف نہیں ہے اور اس قسم کے معاملات میں کسی حدیث کو پھینک دینے سے انہیں جمع کرنا بہتر ہوتا ہے۔ پس ابن عبد البر نے کہا کہ حدیث ابن عباسؓ میں جو بنکاح اول کا لفظ ہے اس سے مراد "پہلے نکاح کی شروط" ہیں۔ اور لم یحدث شیئاً کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے اُس پہلے نکاح کی شرائط پر اضافہ نہ فرمایا، اور عمرو بن شعیب کی حدیث کو اصول کی تائید حاصل ہے اور اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ جدید نکاح ہوا اور جدید مہر رکھا گیا، اور صریح کو اخذ کرنا محتمل کو اخذ کرنے کی نسبت اولی ہے۔ اور ابن عباسؓ کا اپنا مذہب جو باب کے شروع میں بیان ہوا وہ بھی عمرو بن شعیب کی حدیث کے مطابق ہے۔ علاوہ ازیں عمرو بن شعیب کی حدیث میں ایک اضافہ ہے جو ابن عباسؓ کی حدیث میں نہیں۔ اور مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ لیکن ائمہ حدیث نے حدیث ابن عباسؓ کو سند کے باعث ترجیح دی ہے۔ پھر حدیث ابن عباسؓ کو ایک ایسی وجہ پر محمول کیا جاسکتا ہے جو ممکن ہے۔ اور عدت کا اتنا طویل ہونا کہ وہ آیت تحریم کے نزول سے لے کر ابو العاصؓ کے اسلام تک ممتد رہے ممکن ہے۔ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ دار الاسلام اور دار الکفر کا امتیاز فتح مکہ سے پیدا ہوا تھا جیسا کہ زہری کا قول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابٌ ۲۵ فِيْ مَنْ اَسْلَمَ وَعِنْدَهُ نِسَاءٌ اَكْثَرُ مِنْ اَرْبَعٍ

جو شخص اسلام لائے اور اس کے پاس چار سے زیادہ عورتیں ہوں یا دو بہنیں ہوں

۲۲۳۹ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا هُشَيْمٌ ح وَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ نَا هُشَيْمٌ عَنِ ابْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنْ حُمَيْضَةَ بْنِ الشَّمَرْدَلِ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ مُسَدَّدٌ ابْنُ عُمَيْرَةَ وَقَالَ وَهْبٌ الْاَسَدِيُّ قَالَ اَسْلَمْتُ وَعِنْدِيْ ثَمَانُ نِسْوَةٍ قَالَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اخْتَرْ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا وَحَدَّثَنَا بِهٖ اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَا هُشَيْمٌ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ قَيْسُ ابْنُ الْحَارِثِ مَكَانَ الْحَارِثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ هٰذَا هُوَ الصَّوَابُ يَعْنِيْ قَيْسَ بْنَ الْحَارِثِ

حارثؓ بن قیس ابن عمیرۃ الاسدی نے کہا کہ میں اسلام لایا تو میرے پاس آٹھ عورتیں تھیں۔ اس نے کہا کہ میں نے اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا ان میں سے چار کو رکھ لو (ابن ماجہ، ترمذی، احمد) ابو داؤد نے کہا کہ احمد بن ابراہیم نے ہم سے یہ حدیث بیان کی تو حارث بن قیس کے بجائے قیس بن الحارث کہا اور اس کو درست بتایا تھا۔

شرح: حمیضہ بن شمردل راوی حدیث کا نام ابن ماجہ میں حمیضہ بنت شمردل آیا ہے۔ یہ متکلم فیہ راوی ہے۔ ابن القطان نے اسے مجہول کہا ہے۔ ابن المسکن نے اس کی حدیث کو ضعیف بتایا ہے، عقیلی اور ابن الجارود نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ بخاری نے کہا ہے کہ اس کی حدیث میں کلام ہے۔ علامہ شوکانی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے جمہور نے چار بیویوں پر اضافے کی حرمت پر استدلال کیا ہے۔ ظاہریہ نے نو تک کو حلال کہا ہے اور شاید اس کی وجہ آیت قرآنی مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ہے کہ ان کا مجموعہ نو ہے (حرف عطف سے شاید انہوں نے یہ سمجھا) اور قیس بن الحارث، غیلان ثقفی اور حسب روایت شافعی نوفل بن معاویہ کی حدیث کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ ان احادیث میں کلام ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو خواتین کو بیک وقت رکھا تھا اور اللہ تعالے کا قول ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، اور دعوائے اختصاص پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ علامہ نے کہا کہ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ان احادیث کا مجموعہ انہیں حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچا دیتا ہے اگرچہ ان میں سے ہر ہر حدیث میں کلام ہے۔ اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ فروج میں اصل حرمت ہے اور ان میں سے کسی میں بلا کسی پختہ دلیل کے اقدام جائز نہیں۔ نیز ظاہریہ کے اختلاف سے قبل ہی چار سے زاید کی حرمت پر اجماع منعقد ہو چکا تھا جیسا کہ البحر میں ہے۔ اور حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ چار عورتوں سے زیادہ کو بیک وقت نکاح میں رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا اور اس مسئلے پر علماء کا اتفاق ہے۔ علامہ نے کہا کہ صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع شدید حد تک تھا، ان کی قوت کثیر تھی اور عورتوں میں ان کی رغبت قوی تھی مگر ان میں سے کسی نے بھی چار سے زائد کو جمع نہیں کیا۔ پس یہ بات گویا اس بات کی تصریح ہے کہ چار سے زائد بیویاں رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ پھر شوکانی نے کہا کہ جب کوئی کافر مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے ایک کی طلاق پر مجبور کیا جائے گا۔ اور اس سے یہ نہ پوچھا جاتا کہ پہلے کس سے نکاح کیا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے عقود بحالت کفر ہمارے قانون میں صحیح سمجھے جاتے ہیں (ورنہ اس کا دوسری سے نکاح سرے سے منعقد نہ ہو سکتا تھا) ہاں جب وہ مسلمان ہوں گے تو ہم ان پر اسلامی نکاح و طلاق کے قوانین جاری کریں گے۔ اور مالک، شافعی، احمد اور داؤد کا یہی مذہب ہے۔ اور ائمہ عترت، ابو حنیفہ، ابو یوسف، ثوری، اوزاعی، زہری اور ایک قول میں شافعی کا یہ مسلک ہے کہ کفار کے نکاح صرف وہی جائز ہیں جو موافق اسلام ہوں۔ پس اس بنا پر انہوں نے کہا کہ دو بہنوں سے نکاح والا جب اسلام لائے تو جس کا عقد بعد میں ہوا تھا اسے الگ کرنا واجب ٹھہرے گا۔ اس طرح جب اس کے پاس پانچ سے زائد ہوں تو آخری نکاح والی عورت کو الگ کر دے گا اور پہلی چار کو رکھ لے گا۔

مولانا نے فرمایا کہ البدائع میں ہے کہ ہر عقد جو مسلمانوں میں جائز ہے یعنی جس میں جواز کی شرعی شرائط ہوں

وہ اہل ذمہ کے درمیان بھی جائز ہے۔ اور مسلمانوں کے اندر جو نکاح فاسد ہیں وہ کفار کے حق میں دو اقسام پر تقسیم ہوتے ہیں (۱) وہ جو صحیح ہیں (۲) وہ جو فاسد ہیں۔ اور یہ ہمارے اصحاب ثلاثہ کا قول ہے۔ زفر نے کہا کہ ہر وہ نکاح جو مسلمانوں میں فاسد ہے وہ بلا تفریق اہل ذمہ میں بھی فاسد ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ گواہوں کے بغیر علی الاعلان نکاح کریں گے تو ان پر اعتراض کیا جائے گا اور انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کو کہا جائے گا اگرچہ وہ اپنے عقدمات ہمارے پاس نہ لائیں۔ اگر وہ زوجین (جو بلا شہود حالتِ کفر میں نکاح کر چکے تھے) مسلمان ہو جائیں گے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان میں تفریق نہیں کی جائے گی اور زفرؒ کے نزدیک انہیں جدا کر دیں گے۔ زفر نے کہا کہا کہ ہر عقدِ فاسد جو کفار میں ہوا اگر حربی کافر ہو تو اس کا عقد بھی فاسد ہے کیونکہ فاسد قرار دینے والی علت ان دو قسم کے کافروں کو جدا نہیں کرتی۔ اور اگر کسی کافر نے پانچ عورتوں سے نکاح کیا یا دو بہنوں سے نکاح کیا پھر مسلمان ہو گیا تو اگر یہ نکاح ایک ہی عقد میں ہوئے تھے تو ان سب کو الگ کر دیں گے اور اگر متفرق عقدوں میں ہوئے تھے تو پہلی چار کا نکاح درست تھا اور پانچویں کا باطل۔ اسی طرح دو بہنوں کا معاملہ بھی ہے کہ پہلی کا نکاح صحیح اور دوسری کا باطل ہے۔ اور یہ قول ابو حنیفہؒ اور ابو یوسف کا ہے اور امام احمدؒ نے کہا کہ وہ پانچ میں چار کو چن لے اور دو بہنوں میں سے ایک کو رکھ لے۔ خواہ اس نے یہ نکاح یعنی پانچ یا دو والا ایک عقد میں یا دو عقدوں میں کیا تھا۔ اور یہی قول شافعیؒ کا ہے۔ محمد بن الحسن کی دلیل غیلان ثقفی والی حدیث ہے کہ جب وہ مسلمان ہوا تو اس کے پاس دس بیویاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چار کا انتخاب کر لینے کا حکم دیا تھا۔ اور مروی ہے کہ قیسؓ بن حارث جب مسلمان ہوا تو اس کے آٹھ عورتیں تھیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے چار کو چن لینے کا حکم دیا تھا۔ اور مروی ہے کہ فیروز دیلمیؓ جب مسلمان ہوا تو اس کے پاس دو بہنیں تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک رکھ لینے کا حکم دیا تھا اور یہ نہ پوچھا تھا کہ ان کا نکاح بیک مرتبہ ہوا تھا یا ترتیب سے، اگر ان صورتوں کا حکم مختلف ہوتا تو حضورؐ اس سے دریافت فرماتے۔ پس معلوم ہوا کہ شرعی حکم اس میں یہی ہے کہ مطلقاً اختیار دیا جائے۔ اور ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح جمع کرنا مسلم و کافر سب کے لیے حرام ہے کیونکہ اس کی حرمت عقلی دلیل سے ثابت ہے یعنی ان میں جور کا خوف اور قطع رحمی۔ اور یہ معنیٰ مسلم و کافر میں فرق نہیں کرتا۔ لیکن قیام حرمت کے باوجود اگر ذمی لوگ اس قسم کا نکاح کریں تو ہم ان سے تعرض نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کے مذہب کا معاملہ ہے جس میں ہم مداخلت نہیں کر سکتے اور یہ چیز ان کے عہدِ ذمہ میں داخل ہے۔ ہمیں اس سے روکا گیا ہے کہ ان کے اس قسم کے معاملات میں مداخلت کریں اور ہمیں اہل حرب کے معاملات میں دخل اندازی کرنے کی قوت ہی حاصل نہیں ہے مگر جب کوئی ذمی یا حربی مسلمان ہو جائے تو رکاوٹ دور ہو گی۔ اسلام کے بعد اب کثیر عورتوں کو نکاح میں رکھنا ممکن نہیں۔ جب کسی کافر نے ایک ہی عقد میں پانچ عورتوں سے نکاح کیا تھا تو ان سب کا نکاح اکٹھا ہونے کے باعث کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ممکن نہیں اور جمع کرنا حرام تھا اور اب تعرض کا مانع دور ہو چکا ہے پس تفریق کے ساتھ اعتراض ناگزیر ہو گیا ہے۔ اور اس طرح جب دو بہنوں کا نکاح ایک عقد میں کیا ہو تو ان میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح حاصل نہیں ہوتی اور اسلام اس سے روکتا ہے اور اب تعرض کا مانع دور ہو چکا ہے لہٰذا تفریق کر دی جائے گی۔ لیکن جب ان کا نکاح ترتیب کے ساتھ متفرق

طور پر ہوا ہو تو ان میں سے چار کا نکاح تو صحیح واقع ہوا تھا کیونکہ آزاد مرد مسلم ہو یا کافر چار کا اختیار رکھتا ہے اور پانچویں کا نکاح صحیح نہ تھا لہٰذا اسلام کے بعد اسے الگ کر دیا جائے گا۔

اب جہاں تک احادیث کا سوال ہے انہیں مسلم زوج کو اختیار دینا ثابت ہے مگر ان میں یہ صراحت نہیں کہ پہلے ہی نکاح کے ساتھ یا جدید نکاح کے ساتھ ہے۔ پس ان میں احتمال ہے کہ نو مسلم کو نکاح جدید کے ساتھ اختیار دیا گیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے عقد کے ساتھ رکھ لینے کا اختیار ملا ہے پس اس احتمال کی موجودگی میں ان میں کوئی حجت نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقع جمع کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ روایت میں ہے کہ غیلان ثقفی اسلام لایا اور وہ یہ نکاح زمانۂ جاہلیت میں کر چکا تھا، اور مکحول سے روایت ہے کہ یہ واقع نزول فرائض سے پہلے کا ہے۔ اور جمع کی تحریم سورۂ نساء سے ثابت ہوئی ہے جو مدنی ہے۔ اور مروی ہے کہ فیروز دیلمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی اور آپ کو بتایا کہ میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جاؤ اور ان میں سے ایک کو طلاق دے دو۔ اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ طلاق صرف نکاح صحیح میں ہوتی ہے، پس معلوم ہو گیا کہ وہ عقد در اصل صحیح واقع ہوا تھا اور تحریم جمع سے پہلے ہوا تھا لہٰذا اس میں کوئی کلام نہ رہا۔

۲۲۴۰۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَاضِي الْكُوْفَةِ عَنْ عِيْسَى بْنِ الْمُخْتَارِ عَنِ ابْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنْ حُمَيْضَةَ بْنِ الشَّمَرْدَلِ عَنْ قَيْسِ بْنِ الْحَارِثِ بِمَعْنَاهُ۔

یہ اسی حدیث کی دوسری روایت ہے۔

۲۲۴۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ اَيُّوْبَ يُحَدِّثُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ اَبِيْ وَهْبٍ الْجَيْشَانِيِّ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوْزَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَسْلَمْتُ وَتَحْتِيْ اُخْتَانِ قَالَ طَلِّقْ اَيَّتَهُمَا شِئْتَ۔

ضحاک بن فیروز نے اپنے باپ سے روایت کی، اس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں مسلم ہو گیا ہوں اور میرے گھر میں دو بہنیں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: ان میں سے جسے چاہو طلاق دے دو (ابن ماجہ اور ترمذی۔ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں کہ: اِخْتَرْ اَيَّتَهُمَا شِئْتَ)

شرح: جھوٹے مدعیٔ نبوت اسود عنسی کا قاتل یہی فیروزؓ دیلمی صحابی یمانی ہے۔ اس حدیث پر اس کے متعلقہ مسائل پر بحث گزر چکی ہے۔

باب ۲۶ إِذَا أَسْلَمَ أَحَدُ الْأَبَوَيْنِ لِمَنْ يَكُونُ لَهُ الْوَلَدُ

باب جب والدین میں سے ایک اسلام لے آئے تو اولاد کس کی ہو گی؟

۲۲۴۲ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ أَنَا عِيسَى ثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ ابْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي رَافِعِ بْنِ سِنَانٍ أَنَّهُ أَسْلَمَ وَأَبَتِ امْرَأَتُهُ أَنْ تُسْلِمَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتِ ابْنَتِي وَهِيَ فَطِيمٌ أَوْ شِبْهُهُ وَقَالَ رَافِعٌ ابْنَتِي فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْعُدْ نَاحِيَةً وَقَالَ لَهَا اقْعُدِي نَاحِيَةً وَأَقْعَدَ الصَّبِيَّةَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ قَالَ ادْعُوَاهَا فَمَالَتِ الصَّبِيَّةُ إِلَى أُمِّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ اهْدِهَا فَمَالَتْ إِلَى أَبِيهَا فَأَخَذَهَا

جعفر نے اپنے باپ رافع رضی اللہ عنہ بن سنان کے متعلق بتایا کہ وہ مسلم ہو گیا تو اس کی بیوی نے اسلام لانے سے انکار کر دیا۔ پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور بولی کہ یہ میری بیٹی ہے جس کا دودھ چھڑا دیا گیا ہے یا چھڑایا جانے والا ہے، اور رافع رض نے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ایک طرف بیٹھ جا اور عورت سے فرمایا تو دوسری طرف بیٹھ جا اور بچی کو ان دونوں کے درمیان بٹھا دیا، پھر فرمایا: تم دونوں اسے بلاؤ، پس بچی اپنی ماں کی طرف مائل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ اسے ہدایت دے، پس وہ اپنے باپ کی طرف مائل ہو گئی اور اس نے اسے پکڑ لیا (نسائی)

شرح: اس حدیث کی سند میں بہت اختلاف ہے، کہیں تو عبد الحمید بن سلمہ عن ابیہ عن جدہ آتا ہے، کہیں عبد الحمید بن سلمہ عن ابیہ اور کہیں عبد الحمید بن جعفر عن ابیہ عن جدہ۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ عبد الحمید، اس کا باپ اور اس کا دادا سب مجہول ہیں۔ اور اسے عبد الحمید بن یزید بن سلمہ بھی کہا جاتا ہے۔ ابن القطان نے کہا کہ یہ دو عبد الحمید تھے، یعنی ابن سلمہ اور ہے اور ابن جعفر اور ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر یہ پہلا ہے تو رافع بن سنان اس کا دادا تھا، اگر دوسرا ہے تو وہ اس کا نانا تھا۔ نسائی نے اس روایت کو بیان کیا ہے تو ان کی لڑکی کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایک نابالغ لڑکے کا ذکر کیا ہے۔ حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں کہا ہے کہ اس حدیث کو ابو داؤد کی سند کے ساتھ حاکم نے مستدرک میں روایت کر کے صحیح قرار دیا ہے۔ دار قطنی نے یہ روایت کی تو اسی چھوٹی لڑکی کا نام عمیرہ بتایا ہے۔ مسند احمد کی روایت میں "ولد صغیر" کا لفظ ہے۔ ابن القطان نے اسے روایت کیا تو دو واقعات قرار دیئے کہ ایک میں لڑکا تھا اور دوسرے واقعہ میں لڑکی۔ پھر ابن القطان نے ان روایات کو غیر صحیح قرار دیا ہے کیوں کہ عبد الحمید، اس کا باپ اور دادا غیر معروف ہیں۔ حنفیہ نے اختیار کا مسئلہ بالغ کے متعلق بنایا ہے اور اس کی دلیل

اسی حدیث کی وہ روایت ہے جو صاحب البدائع نے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں سے فرمایا کہ جبتک تو نکاح نہ کرے یہ بچہ تیرے پاس رہے گا۔ اور عمارہ بن ربیعہ کی حدیث میں حضرت علیؓ کا فیصلہ ہے کہ انہوں نے بالغ بچے کو اختیار کا حق دیا اور اس کے چھوٹے بھائی کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ بالغ ہوا تو اسے بھی اختیار دیا جائیگا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عاصم کی ماں کو طلاق دی تھی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بچے کو اس کی ماں کے سپرد کیا تھا اور یہ فیصلہ صحابہ کی موجودگی میں ہوا تھا۔

بَابٌ فِي اللِّعَانِ

لعان کا باب

۲۲۴۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ اَخْبَرَهُ اَنَّ عُوَيْمِرَ بْنَ اَشْقَرَ الْعَجْلَانِيَّ جَاءَ اِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ فَقَالَ يَا عَاصِمُ اَرَاَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَاَتِهِ رَجُلًا اَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُوْنَهُ اَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَسَاَلَ عَاصِمٌ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَرِهَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا حَتّٰى كَبُرَ عَلَى عَاصِمٍ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ اِلَى اَهْلِهِ جَاءَهُ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ يَا عَاصِمُ مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَاصِمٌ لَمْ تَاْتِنِيْ بِخَيْرٍ قَدْ كَرِهَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْاَلَةَ الَّتِيْ سَاَلْتُهُ عَنْهَا فَقَالَ عُوَيْمِرٌ وَاللهِ لَا اَنْتَهِيْ حَتّٰى اَسْاَلَهُ عَنْهَا فَاَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ حَتّٰى اَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ وَسْطَ النَّاسِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَاَتِهِ رَجُلًا اَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُوْنَهُ اَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُنْزِلَ فِيْكَ وَفِيْ صَاحِبَتِكَ قُرْاٰنٌ فَاذْهَبْ فَاْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا وَاَنَا مَعَ النَّاسِ

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا عُوَيْمِرٌ ثَلٰثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَكَانَتْ تِلْكَ سُنَّةُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ۔

سہل بن سعد نے کہا کہ عویمر بن اسقر عجلانی عاصمؓ بن عدی کے پاس آیا اور بولا، اے عاصم! یہ بتاؤ کہ ایک مرد اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی اور مرد کو پائے تو اسے قتل کر دے تو اسے (قصاص میں) قتل کر دیںگے تو وہ کیا کرے؟ اے عاصم میرے لیے یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو۔ پس عاصمؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کو ناپسند فرمایا اور انہیں عیب دار فرمایا حتیٰ کہ عاصمؓ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اسے شاق گزرا (کہ کاش میں نہ پوچھتا) جب عاصمؓ اپنے گھر واپس آیا تو عویمرؓ اس کے پاس آیا اور کہا: اے عاصم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ عاصمؓ نے کہا کہ تم میرے پاس کوئی اچھی بات لے کر نہ آئے تھے۔ میں نے اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوال کیا آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔ پس عویمرؓ بولا کہ واللہ میں باز نہ رہوں گا جب تک کہ یہ مسئلہ پوچھ نہ لوں۔ پس عویمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ اس وقت لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ پس اس نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو فرمائیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو پائے اور اسے قتل کر دے تو آپؐ اسے قتل کر دیں گے یا وہ کیا کرے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے اور تیری بیوی کے بارے میں قرآن کا حکم نازل ہو گیا ہے پس تو اسے لے آ۔ سہلؓ نے کہا کہ پھر ان دونوں نے لعان کیا اور میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا۔ پس جب وہ فارغ ہوئے تو عویمرؓ نے کہا: یا رسول اللہ اگر میں اسے رکھوں تو میں نے اس پر جھوٹ بولا۔ پس عویمرؓ نے اسے تین طلاق دے دی قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حکم دیتے۔ ابن شہاب نے کہا کہ لعان کرنے والوں کے لیے یہی طریقہ جاری ہو گیا (بخاری، مسلم اور ابن ماجہ)

شرح: لعان کا لفظ لعن سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے پھینکنا اور دور کرنا۔ یعنی وہ دونوں ایک دوسرے کو دور کرتے ہیں، یا یہ کہ وہ رحمت سے بعید ہوتے ہیں۔ پھر کبھی آپس میں نہیں مل سکتے۔ چونکہ اس صورت میں زوجین پانچویں مرتبہ جھوٹا ہونے کی صورت میں اپنے نفس پر لعنت کرتے ہیں۔ شرعی طور پر یہ قسمیہ شہادتیں ہوتی ہیں جن کے ساتھ لعنت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں سورۂ نور میں آیا ہے۔ عویمرؓ بن اشقر بدری صحابی تھے۔ انھوں نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری کا الزام لگایا تھا جس کے باعث لعان ہوا۔ عاصمؓ بن عدی بنی عجلان کے سردار بدری صحابی تھے۔ یہ عویمرؓ کے باپ کے چچازاد تھے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے اور اسے قتل کر دے تو اگر شہادت شرعی سے زنا ثابت ہو جائے یا مقتول کے وارث اسکی تصدیق کریں تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا ورنہ اس کی سزا قتل ہے، جمہور کا یہی مذہب ہے۔ یہ تو ہے دنیا میں قانونی اور انتظامی مسئلہ لیکن اگر وہ سچا تھا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں قتل کی باز پرس نہ ہوگی۔ حضورؐ نے نزول حکم سے پہلے اخلاقاً اور حیاءً اس سوال کو ناپسند فرمایا کیونکہ اس قسم کی چیزوں کی اشاعت اچھی نہیں ہوتی۔ یا یوں

کیونکہ حضورؐ کو چونکہ واقعہ کا علم نہ تھا لہٰذا آپؐ نے سمجھا کہ یہ سوال برائے سوال ہے واقعہ نہیں۔ عویمرؓ کی بیوی جس کے ساتھ اس کا لعان ہوا تھا اس کا نام خولہ بنت قیس تھا یا خولہ بنت عاصم بن عدی یا وہ عاصمؓ کی بھتیجی تھی۔ ابن شہاب کے قول کا مطلب یہ ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان فرقت یا خاوند کی طرف سے بیوی کو طلاق، یہ رسم آئندہ کو جاری ہو گئی۔

لعان کے حکم میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ حنفیہ کا قول ہے کہ اس سے وجوباً تفریق ہو جاتی ہے اور یہ حال لعان کے باعث ہے نہ کہ نفس لعان سے اور تفریق کے لیے حاکم کا حکم لازم ہے یا زوج کی طلاق۔ وہ اس حال میں اس سے ظہار و ایلاء بھی کر سکتا ہے اور تفریق سے قبل اگر کوئی مر جائے تو دوسرا وارث ہو گا۔ امام زفرؒ اور شافعیؒ کے نزدیک نفس لعان سے تفریق واقع ہو جاتی ہے۔ زفرؒ کے نزدیک دونوں کے لعان کے بعد اور شافعیؒ کے نزدیک خاوند کے لعان سے ہی قبل اس کے کہ عورت لعان کرے۔ شافعیؒ نے کہا کہ فرقت ایک ایسا امر ہے جس کا تعلق خاوند سے ہے جیسا کہ طلاق میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور زفرؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ: لعان کرنے والے کبھی جمع نہیں ہو سکتے، اگر نکاح کا بقا ہو تو یہ اجتماع ہو گا اور یہ خلاف نص ہے۔ ائمہ ثلاثہؒ نے کہا کہ نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی عورت سے لعان کیا اور اس کے بچے کی نفی کر دی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تفریق کر دی اور بچہ عورت کو دے دیا۔ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب عاصم بن عدی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی عورت سے لعان کیا تو حضورؐ نے ان میں تفریق کر دی۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عجلانی اور اس کی عورت کے درمیان لعان کرایا، جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو حضورؐ نے ان میں تفریق کرا دی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے تم میں سے ایک جھوٹا ہے پس کوئی ہے جو تائب ہو؟ تین مرتبہ فرمایا۔ جب ان دونوں نے انکار کیا تو آپ نے ان میں تفریق کر دی۔

پس یہ حدیث دلالت کرتی ہیں کہ مرد کے لعان یا عورت کے لعان کے سبب سے فرقت واقع نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ احتمال نہ تھا کہ فرقت واقع ہو جانے کے بعد بھی دونوں میں سے کسی کو توبہ کی دعوت دیتے۔ پھر البدائع کے مصنف نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کا بھی اختلاف ہے۔ ابو حنیفہؒ اور محمد رحمہما اللہ نے کہا کہ لعان میں فرقت ایک بائن طلاق کے ساتھ فرقت ہے پس ملک نکاح زائل ہو جاتا ہے، حرمت اجتماع ثابت ہو جاتی ہے جب تک وہ دونوں لعان کی حالت میں رہیں گے۔ پھر اگر مرد اپنے نفس کی تکذیب کر دے تو اسے حد لگائی جائے گی یعنی حدِ قذف۔ اور اگر عورت اپنی تکذیب کر دے، یعنی خاوند کی تصدیق کر دے تو ان کا نکاح جائز ہو گا اور اجتماع ہو سکے گا، ابو یوسفؒ، زفرؒ اور الحسنؒ بن زیاد نے کہا کہ یہ بلا طلاق فرقت ہے اور اس کے باعث حرمت ابدی قائم ہو جاتی ہے جیسی کہ رضاعت یا مصاہرت کی حرمت ہے۔ اور ان کا استدلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہے کہ: لعان کرنے والے کبھی جمع نہیں ہو سکتے اور یہ حدیث اس باب میں نص ہے۔ اور یہی روایت صحابہؓ کی ایک جماعت سے ہے، یعنی عمر، علی، عبداللہ بن مسعود وغیرہم رضی اللہ عنہم کہ متلاعنان کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے

جو آپؐ نے عویمرؓ عجلان اور اس کی عورت کے درمیان لعان کے بعد ارشاد ہوا تھا کہ عویمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اگر میں اب اسے رکھ لوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹ باندھا تھا، پس اسے تین طلاق ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ: اگر میں اسے جدا نہ کر دوں تو میں نے اس پر جھوٹ بولا، پس اسے تین طلاقیں ہیں، پس مرد کی طلاق لعان کے بعد لعان کرنے والوں کی سنت بن گئی۔ کیونکہ عویمرؓ نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دی تھی اور رسول اللہ کے سامنے یہ ہوا اور آپؐ نے اسے نافذ کر دیا تھا۔ پس ہر ملاعن پر طلاق واجب ہوئی، اگر وہ نہ دے تو قاضی اس کا قائم مقام ہوگا اور وہ انہیں تفریق کر دے گا جو ایک طلاق ہوگی، جیساکہ نامرد کے معاملے میں ہوتا ہے۔ اور یہ سبب بھی ہے کہ اس فرقت کا سبب مرد کا قذف ہے جو لعان کو واجب کرتا ہے اور لعان فرقت کو (بتفریق قاضی) واجب کر دیتا ہے، پس فرقت ان واسطوں سے سابق قذف کی طرف ہی منسوب ہوگی۔ اور ہر فرقت جو خاوند کی طرف سے ہو یا خاوند کا فعل اس کا سبب بنے وہ طلاق ہے جیساکہ عنین، خلع اور ایلا وغیرہ میں ہوتا ہے۔ یہی قول سلف کا ہے مثلاً ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ اور قتادہؒ وغیرہم۔

۲۲۴۶۔ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ یَحْیٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ یَعْنِیْ ابْنَ مَسْلَمَۃَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ حَدَّثَنِیْ عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَاصِمِ بْنِ عَدِیٍّ اَمْسِكِ الْمَرْاَۃَ عِنْدَكَ حَتّٰی تَلِدَ۔

سہلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم بن عدیؓ سے فرمایا کہ عورت کو بچہ جننے تک اپنے پاس رکھ۔

شرح: عاصمؓ بن عدی قبیلہ کے سردار تھے اور وہ عورت ان کی بیٹی یا بھتیجی تھی۔ اس بنا پر اسے یہ حکم دیا گیا۔

۲۲۴۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ حَضَرْتُ لِعَانَهُمَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَۃَ سَنَۃً وَسَاقَ الْحَدِیْثَ قَالَ فِیْهِ ثُمَّ خَرَجَتْ حَامِلًا فَكَانَ الْوَلَدُ یُدْعٰی اِلٰی اُمِّهٖ۔

سہل بن سعدؓ ساعدی نے کہا کہ میں ان دونوں کے لعان کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا اور اس وقت میں پندرہ سال کا تھا۔ اور اس نے ساری حدیث بیان کی جس میں کہا کہ پھر وہ عورت حمل کی حالت میں چلی گئی اور اس کا بچہ اسی سے منسوب ہوتا تھا۔

۲۲۴۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ الْوَرْكَانِیُّ نَا اِبْرَاهِیْمُ یَعْنِیْ ابْنَ سَعْدٍ

عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي خَبَرِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْصِرُوهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ عَظِيمَ الْأَلْيَتَيْنِ فَلَا أُرَاهُ إِلَّا قَدْ صَدَقَ وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أُحَيْمِرَ كَأَنَّهُ وَحَرَةٌ فَلَا أُرَاهُ إِلَّا كَاذِبًا قَالَ فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى النَّعْتِ الْمَكْرُوهِ۔

سہل بن سعدؓ سے دو لعان کرنے والوں کے قصّے میں روایت ہے، اُس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اس ملاعن عورت کو غور سے دیکھنا اگر یہ ایسا بچہ جنے جس کی آنکھیں سیاہ ہوں، سرین بڑے ہوں تو میرے خیال میں عویمر نے سچ کہا ہے۔ اور اگر وہ ایسا بچہ جنے جو سُرخی مائل ہو گویا کہ وہ سُرخ گرگٹ ہو تو میرے خیال میں وہ جھوٹا ہو گا۔ سہلؓ نے کہا کہ اس عورت نے ناپسندیدہ صفات کا بچہ جنا (یعنی جس سے عویمرؓ کے بیان کی تائید ہوتی تھی اور وہ بچہ جائز نہ تھا)

۲۲۴۹۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ نَا الْفِرْيَابِيُّ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ بِهَذَا الْخَبَرِ قَالَ فَكَانَ يُدْعَى يَعْنِي الْوَلَدَ لِأُمِّهِ۔

زہری نے یہ حدیث سہل بن سعد ساعدی سے روایت کی ہے۔ اس میں زہری نے کہا کہ وہ بچہ ماں کی طرف منسوب ہوتا تھا۔

شرح: البدائع میں ہے کہ وہ حکم جو لعان کا اصلی حکم نہیں (بلکہ اس کی فرع اور نتیجہ ہے) تو وہ یہ ہے کہ قذف کی دو قسموں میں سے ایک میں قطع نسب واجب ہو جاتا ہے اور وہ قذف اولاد کے ساتھ ہے۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہلال بن اُمیہ اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا تو دونوں میں تفریق کر دی اور بچے کی ہلالؓ سے نفی کر دی اور اس کو عورت سے ملحق کر دیا، پس لعان کے دو حکموں میں سے ایک یہ ہوا کہ بچے کی والد سے نفی ہو گئی۔ اور اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ جب قذف لعان کا موجب نہ بنے یا وجوب کے بعد لعان ساقط ہو جائے۔ اور حد واجب ہو یا نہ ہو، یا لعان ساقط تو نہ ہو مگر زوجین لعان نہ کریں تو اس صورت میں بچے کے نسب کی نفی باپ کی طرف سے نہ ہو گی۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ صرف لعان سے ہی بچے کا نسب منفی ہو جاتا ہے اگرچہ مرد لعان میں اس کا ذکر نہ چھیڑے، اور اس میں کلام ہے کیونکہ اگر مرد بچے کو لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ ہاں لعان کا اثر یہ ضرور ہے کہ مرد سے قذف کی حد دور ہو جاتی ہے اور عورت کے زنا کا ثبوت ہوتا ہے۔ پھر دونوں کے لعان کے باعث عورت سے بھی حد دور ہو جاتی ہے۔

امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ اگر مرد نے لعان میں بچے کے نسب کی نفی کی تو وہ منفی ہو جاتا ہے اور اگر اس نے اس

بات کو نہ چھیڑا تو اگر وہ نفی کرنا چاہے تو دوبارہ لعان کرے گا، مگر عورت پر اعادہ نہیں ہوگا۔

۲۲۵۰۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ نَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْفِهْرِيِّ وَغَيْرِهِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي هٰذَا الْخَبَرِ قَالَ فَطَلَّقَهَا ثَلٰثَ تَطْلِيْقَاتٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْفَذَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَا صُنِعَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُنَّةً قَالَ سَهْلٌ حَضَرْتُ هٰذَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَضَتِ السُّنَّةُ بَعْدُ فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ اَنْ يُّفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَا يَجْتَمِعَانِ اَبَدًا۔

ایک اور سند سے زہری نے سہل بن سعد سے یہ روایت کی، اس میں کہا کہ پس اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین طلاقیں دیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نافذ کر دیا سو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا وہ سنت ہو گیا۔ سہلؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا، پس اس کے بعد لعان کرنے والوں میں یہ طریقہ چل پڑا کہ متلاعنین میں تفریق کی جائے اور وہ کبھی جمع نہ ہوں (اور اس مسئلے پر بحث ہو چکی ہے کہ جب تک لعان کرنے والے اپنے لعان پر قائم رہیں انہیں اجتماع نہیں ہو سکتا۔ اگر ان میں سے کوئی اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے دے تو حسب قواعد شرعیہ ان میں اجتماع ہو سکتا ہے۔)

۲۲۵۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَوَهْبُ بْنُ بَيَانٍ وَاَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ وَعَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مُسَدَّدٌ قَالَ شَهِدْتُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تَلَاعَنَا وَتَمَّ حَدِيْثُ مُسَدَّدٍ وَقَالَ الْاٰخَرُوْنَ اَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنْ اَمْسَكْتُهَا بَعْضُهُمْ لَمْ يَقُلْ عَلَيْهَا قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ لَمْ يُتَابِعِ ابْنَ عُيَيْنَةَ اَحَدٌ عَلٰى اَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ۔

سہلؓ بن سعد نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لعان کرنے والوں کے پاس موجود تھا

اور میری عمر اس وقت پندرہ سال تھی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جب وہ لعان کر چکے تو، ان میں تفریق کر دی۔ یہ مسدد کی روایت میں ہے۔ دوسروں نے کہا کہ: سہل رضی اللہ عنہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں میں تفریق کی۔ پس مرد بولا: یا رسول اللہ اگر میں اس کو روک کر رکھوں تو میں نے اس پر جھوٹ بولا۔ بعض نے عَلَیْهَا کا لفظ نہیں بولا۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن عیینہ کی اس لفظ پر کسی نے متابعت نہیں کی کہ حضور ﷺ نے لعان کرنیوالوں میں تفریق کر دی۔

۲۲۵۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ نَا فُلَيْحٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ وَكَانَتْ حَامِلًا فَأَنْكَرَ حَمْلَهَا فَكَانَ ابْنُهَا يُدْعٰى إِلَيْهَا ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْمِيرَاثِ أَنْ يَرِثَهَا وَتَرِثَ مِنْهُ مَا فَرَضَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهَا۔

یہی سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک اور سند سے۔ اور وہ عورت حاملہ تھی تو اُس شخص نے اس حمل کا انکار کیا پس اس کا بیٹا اُس کے نام سے (عورت کے نام سے) پکارا جاتا تھا۔ پھر میراث میں سنت جاری ہو گئی کہ وہ لڑکا اس عورت کا وارث بنے اور وہ عورت اس لڑکے کی وارث اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصے کے مطابق ہو۔

شرح: ہدایہ میں ہے کہ جب خاوند بیوی سے کہے: تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو اس میں لعان نہ ہو گا کیونکہ قیام حمل کا یقین نہیں ہو سکتا لہذا وہ قاذف نہ ہوا۔ یہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور زفر رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ابویوسف رحمہ اللہ اور محمد رحمہ اللہ نے کہا کہ حمل کی نفی سے لعان واجب ہے جبکہ بچہ چھ ماہ سے کم عرصہ میں پیدا ہو کیونکہ اس صورت میں ہمیں یقین ہو گا کہ حمل اس کے پاس ٹھہرا تھا لہذا یہ قاذف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب یہ فی الحال قذف نہیں تو یہ یوں ہو گیا جیسے کسی شرط سے معلق ہو، تو گویا اس کی عبارت یوں ہو گی کہ اس نے کہا: اگر تجھے حمل ہے تو یہ میرا نہیں ہے۔ اور قذف کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں۔ اس حدیث میں لعان صرف حمل کی نفی سے نہ تھا بلکہ قذف کے باعث تھا جیسا کہ دوسری روایات میں موجود ہے۔

مسئلہ میراث کی تفاصیل میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ البحر میں ہے کہ جب بچے کا نسب باپ سے منقطع ہو کر صرف ماں سے ملحق ہو گیا تو میراث کے سوا باقی تمام احکام مثلاً شہادت، زکوٰۃ اور باپ کے اس کو قتل کرنے کے باعث قصاص نہ لیا جانا وغیرہ کا تعلق باپ ہی سے رہے گا کیونکہ حدیث میں وراثت کی نفی اور اس کے فروع تو نفی سے ثابت ہوئے مگر چونکہ لعان دراصل صرف مرد کے ظن اور قول پر ہوا ہے اور دیگر قواعد شرع اس سے متاثر نہیں ہوتے لہذا اس نفی کے باوجود وہ بچہ اس کے بستر پر پیدا ہونے کے باعث اسی کا ہو گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: اولاد اُس کی ہے جس کے بستر پر ہوئی۔ لہذا باقی احکام میں میراث والا حکم نہیں چلتا۔

۲۲۵۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ إِنَّا لَيْلَةَ جُمُعَةٍ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَتَكَلَّمَ بِهِ جَلَدْتُمُوهُ أَوْ قَتَلَ قَتَلْتُمُوهُ فَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى غَيْظٍ وَاللّٰهِ لَأَسْأَلَنَّ عَنْهُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَتَكَلَّمَ بِهِ جَلَدْتُمُوهُ أَوْ قَتَلَ قَتَلْتُمُوهُ أَوْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى غَيْظٍ فَقَالَ اللّٰهُمَّ افْتَحْ وَجَعَلَ يَدْعُو فَنَزَلَتْ آيَةُ اللِّعَانِ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ هَذِهِ الْآيَةَ فَابْتُلِيَ بِهِ ذَلِكَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ فَجَاءَ هُوَ وَامْرَأَتُهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَلَاعَنَا فَشَهِدَ الرَّجُلُ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ثُمَّ لَعَنَ الْخَامِسَةَ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ قَالَ فَذَهَبَتْ لِتَلْتَعِنَ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ فَأَبَتْ فَفَعَلَتْ فَلَمَّا أَدْبَرَا قَالَ لَعَلَّهَا أَنْ تَجِيءَ بِهِ أَسْوَدَ جَعْدًا فَجَاءَتْ بِهِ أَسْوَدَ جَعْدًا۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ ہم لوگ ایک دفعہ جمعہ کی رات کو مسجد میں تھے کہ اچانک انصار میں سے ایک مرد مسجد میں داخل ہوا اور بولا: اگر کوئی مرد اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے اور وہ اس کا ذکر کرے تو تم اسے کوڑے مارتے ہو، یا اگر وہ غیر مرد کو اس وقت قتل کر دے تو تم اسے قتل کر دیتے ہو۔ پس اگر وہ خاموش رہے تو غم و غصہ میں خاموش رہے گا، واللہ میں یہ بات ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں گا۔ پس جب دوسرا دن ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے سوال کیا اور کہا: اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے تو اس کے بولنے پر آپ اسے سزا دیتے ہیں یا اگر وہ قتل کر دے تو اسے قتل کرتے ہیں، یا اگر وہ خاموش رہے تو غیظ و غضب کو دبائے پھرتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے اللہ کھول دے اور آپؐ دعا کرتے رہے پس لعان کی آیت اتری: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ الخ پس لوگوں میں سے وہی مرد اس میں مبتلا ہوا۔ پس وہ اور اس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے پس انہوں نے لعان کیا اور اس مرد نے اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ شہادت دی کہ وہ سچا ہے پھر پانچویں مرتبہ اس جھوٹا ہونے کی صورت میں اپنے اوپر لعنت کی۔ عبداللہؓ نے کہا کہ پھر وہ عورت لعان کرنے لگی تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ٹھہر جا۔ مگر اس نے انکار کیا اور لعان کر ڈالا۔ پھر جب وہ واپس گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید یہ عورت کالے رنگ کا گھنگریالے بالوں والا بچہ جنے گی۔ پس اس نے کالا گھنگریالے بالوں کا بچہ جنا (مسلم اور ابن ماجہ) بخاری کی حدیث کے مطابق اس عورت کا بچہ اس مرد سے مشابہ تھا جس کے متعلق اس کے خاوند نے اس پر زنا کا الزام لگایا تھا۔ اس حدیث میں بیان ہونے والے مرد کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ بعض میں تو ہے کہ وہ عویمر رضی عجلانی تھا اور بعض کے مطابق ہلال بن امیہ (ان تین شخصوں میں سے ایک جن کی توبہ قصہ غزوہ تبوک میں مذکور ہوئی ہے اور اس توبہ کے ذکر کے باعث سورۃ برأۃ کا نام سورۃ توبہ بھی ہے) حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ شاید سوال کرنے والے یہ دونوں یکے بعد دیگرے ہوں، اور یہ احتمال بھی ہے کہ پہلے سوال عاصم بن عدی نے کیا پھر ہلال رضی اس کے بعد آیا اور اس نے بھی پوچھا اور پھر عویمر رضی ان کے بعد آیا۔ یہی سبب ہے کہ آیت کا نزول کبھی ایک سے اور کبھی کسی اور سے منسوب ہوا۔

۲۲۵۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ نَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ أَنْبَأَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنِي عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيكِ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيِّنَةُ أَوْ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِذَا رَأَى أَحَدُنَا رَجُلًا عَلَى امْرَأَتِهِ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْبَيِّنَةُ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ وَلَيُنْزِلَنَّ اللّٰهُ فِي أَمْرِي مَا يُبْرِئُ ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَتْ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمَا فَجَاءَا فَقَامَ هِلَالُ بْنُ أُمَيَّةَ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللّٰهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا مِنْ تَائِبٍ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ الْخَامِسَةِ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ وَقَالُوا لَهَا إِنَّهَا مُوجِبَةٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَكَّأَتْ وَنَكَصَتْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهَا سَتَرْجِعُ فَقَالَتْ لَا أَفْضَحُ قَوْمِي سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْصِرُوهَا فَإِنْ

جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيْكِ بْنِ سَحْمَاءَ فَجَاءَتْ بِهِ كَذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا مَا مَضٰى مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ لَكَانَ لِيْ وَلَهَا شَأْنٌ قَالَ أَبُوْدَاوُدَ وَهٰذَا مِمَّا تَفَرَّدَ بِهِ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ حَدِيْثُ ابْنِ بَشَّارٍ حَدِيْثُ هِلَالٍ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ ہلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے بارے میں زنا کا الزام لگایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا گواہی لاؤ یا تمہاری پشت پر کوڑے پڑیں گے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! کہ کوئی آدمی اپنی بیوی پر کوئی مرد دیکھ کر گواہی تلاش کرتا پھریگا؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے رہے: یا ثبوت دو یا تمہاری پشت پر کوڑے پڑیں گے۔ پس ہلال رضؓ بولا: جس خدا نے آپؐ کو سچا نبی بنا کر بھیجا مجھے اس کی قسم کہ میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے معاملے میں ضرور حکم اتارے گا جس سے میری پیٹھ کو سزا سے بچائے گا۔ پس یہ آیت اتری (النور ۶): اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور اپنے سوا ان کا کوئی گواہ نہ ہو الخ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر تک (مِنَ الصَّادِقِيْنَ تک) یہ آیت پڑھی پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیرا اور ان زوجین کو بلایا۔ وہ آئے تو ہلال رضؓ بن امیہ اٹھا اور اس نے شہادت دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے تھے: اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے، کیا تم میں سے کوئی توبہ کرے گا؟ پھر وہ عورت اٹھی اور اس نے شہادت دی۔ پس جب وہ پانچویں شہادت کے قریب تھی کہ: اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہوا اور لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ قسم فیصلہ کن ہو گی۔ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ وہ جھجکی اور پیچھے کو ہٹی حتیٰ کہ ہم نے جانا کہ اب وہ رجوع کرے گی، وہ کہنے لگی: میں دن بھر اپنی قوم کو رسوا نہ کروں گی، پس اس نے لعان پورا کر دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے غور سے دیکھنا کہ اگر یہ عورت سرگین آنکھوں والا بڑے سرینوں والا، موٹی پنڈلیوں والا بچہ جنے تو وہ شریک بن سحماء کا ہو گا۔ پس اس نے اس طرح کا بچہ جنا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ کا حکم نہ آ چکا ہوتا تو پھر اس عورت کے ساتھ سزا کا سلوک کرتا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث جو ہلال رضؓ کے قصے میں ابن بشار سے آئی ہے اس میں اہل مدینہ منفرد ہیں (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ)

شرح: علامہ خطابی نے کہا کہ اس حدیث سے جو قانونی مسائل نکلتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ خاوند جب اپنی عورت پر کسی معین مرد کے ساتھ زنا کا الزام لگائے، پھر انہیں لعان ہو تو حد ساقط ہے۔ اور اس مرد (زانی) پر جو الزام لگا ہو گا وہ تبعاً ہو گا اور اس کا حکم معتبر نہ ہو گا۔ کیونکہ جب تک لعان نہ ہوا حضورؐ نے یہی فرمایا کہ گواہ لاؤ یا تمہیں حد قذف لگے گی۔ مگر لعان کے بعد حضورؐ نے ہلال رضؓ کو کوئی سزا نہ دی اور نہ کسی روایت میں آیا ہے کہ شریک بن سحماء نے اسے معاف کیا تھا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ قذف کے باعث ہلال رضؓ پر جو حد آتی تھی وہ لعان کے باعث ساقط ہو گئی۔ کیونکہ اس صورت میں قاذف اپنا بچاؤ کرنے کی خاطر مقذوف کا ذکر کرنے پر مجبور تھا لہٰذا یہ نہ سمجھا گیا کہ اس نے قذف سے اس پر کوئی ضرر نازل کیا ہے۔ شافعیؒ نے کہا کہ یہ

حد صرف اس صورت میں ساقط ہوگی جبکہ وہ لعان میں اس ملزم کا نام لے، ورنہ اسے حد لگائی جائے گی۔ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ حد لازم ہے اور وہ ملزم اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ زوجہ کے ساتھ تو لعان ہوگا مگر ملزم کے باعث حد لگے گی۔ اور حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ: شہادت لاؤ یا تم کو سزا ملے گی (ظاہر ہے کہ یہ آیت لعان کے نزول سے پہلے فرمایا تھا) اس سے معلوم ہوا کہ اگر خاوند نہ گواہی لائے اور نہ لعان کرے تو اس پر حد آئے گی۔ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ لعان نہ کرنے کی صورت میں بھی خاوند پر حد نہیں ہے (کیونکہ یہ فرمان نزول آیت سے قبل کا ہے)۔

۲۲۵۵۔ حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ الشَّعِيرِيُّ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ رَجُلًا حِينَ أَمَرَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ أَنْ يَتَلَاعَنَا أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى فِيهِ عِنْدَ الْخَامِسَةِ يَقُولُ إِنَّهَا مُوجِبَةٌ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضورؐ نے لعان کرنے والوں کو لعان کا حکم دیا تو ایک شخص کو حکم دیا کہ پانچویں شہادت کے وقت وہ خاوند کے منہ پر ہاتھ رکھے اور کہے: یہ قسم فیصلہ کن ہے (نسائی۔ یہ حکم اس لیے تھا کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو یہ قسم عذاب اور لعنت کو واجب کر دے گی لہٰذا سوچ سمجھ لے)۔

۲۲۵۶۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ هِلَالُ ابْنُ أُمَيَّةَ وَهُوَ أَحَدُ الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَجَاءَ مِنْ أَرْضِهِ عِشَاءً فَوَجَدَ عِنْدَ أَهْلِهِ رَجُلًا فَرَأَى بِعَيْنَيْهِ وَسَمِعَ بِأُذُنَيْهِ فَلَمْ يَهِجْهُ حَتَّى أَصْبَحَ ثُمَّ غَدَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي جِئْتُ أَهْلِي عِشَاءً فَوَجَدْتُ عِنْدَهُمْ رَجُلًا فَرَأَيْتُ بِعَيْنِيَّ وَسَمِعْتُ بِأُذُنَيَّ فَكَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جَاءَ بِهِ وَاشْتَدَّ عَلَيْهِ فَنَزَلَتْ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمُ الْآيَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَسُرِّيَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبْشِرْ يَا هِلَالُ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا قَالَ هِلَالٌ قَدْ كُنْتُ أَرْجُو ذَاكَ مِنْ رَبِّي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسِلُوا إِلَيْهَا فَجَاءَتْ فَتَلَا عَلَيْهِمَا رَسُولُ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَّرَهُمَا وَأَخْبَرَهُمَا أَنَّ عَذَابَ الْآخِرَةِ أَشَدُّ مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا فَقَالَ هِلَالٌ وَاللهِ لَقَدْ صَدَقْتُ عَلَيْهَا فَقَالَتْ قَدْ كَذَبَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعِنُوا بَيْنَهُمَا فَقِيلَ لِهِلَالٍ اِشْهَدْ فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قِيلَ يَا هِلَالُ اِتَّقِ اللهَ فَإِنَّ عِقَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ وَإِنَّ هٰذِهِ الْمُوجِبَةُ الَّتِي تُوجِبُ عَلَيْكَ الْعَذَابَ فَقَالَ وَاللهِ لَا يُعَذِّبُنِي اللهُ عَلَيْهَا كَمَا لَمْ يُجْلِدْنِي عَلَيْهَا فَشَهِدَ الْخَامِسَةَ أَنَّ لَعْنَةَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ثُمَّ قِيلَ لَهَا اِشْهَدِي فَشَهِدَتْ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قِيلَ لَهَا اِتَّقِي اللهَ فَإِنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ وَإِنَّ هٰذِهِ الْمُوجِبَةُ الَّتِي تُوجِبُ عَلَيْكِ الْعَذَابَ فَتَلَكَّأَتْ سَاعَةً ثُمَّ قَالَتْ وَاللهِ لَا أَفْضَحُ قَوْمِي فَشَهِدَتِ الْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَفَرَّقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا وَقَضَى أَنْ لَا يُدْعَى وَلَدُهَا لِأَبٍ وَلَا تُرْمَى وَلَا يُرْمَى وَلَدُهَا وَمَنْ رَمَاهَا أَوْ رَمَى وَلَدَهَا فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَقَضَى أَنْ لَا بَيْتَ لَهَا عَلَيْهِ وَلَا قُوتَ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُمَا يَتَفَرَّقَانِ مِنْ غَيْرِ طَلَاقٍ وَلَا مُتَوَفًّى عَنْهَا وَقَالَ إِنْ جَاءَتْ بِهِ أُصَيْهِبَ أُرَيْصِحَ أُثَيْبِجَ حَمْشَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِهِلَالٍ وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَوْرَقَ جَعْدًا جُمَالِيًّا خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ فَهُوَ لِلَّذِي رُمِيَتْ بِهِ فَجَاءَتْ بِهِ أَوْرَقَ جَعْدًا جُمَالِيًّا خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا الْأَيْمَانُ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ قَالَ عِكْرِمَةُ فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمِيرًا عَلَى مُضَرَ وَمَا يُدْعَى لِأَبٍ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہلال بن امیہ آیا اور وہ ان تین میں سے ایک تھا جن کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی تھی، پس وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے آیا تو اس نے اپنی گھر والی کے پاس ایک مرد دیکھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سن لیا، پس اس نے اسے کچھ نہ کہا حتی کہ صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا: یا رسول اللہ میں عشاء کو اپنے گھر والوں میں آیا تو ان کے پاس ایک مرد پایا، پس میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لائی ہوئی خبر کو ناپسند فرمایا اور آپ پر یہ بات شاق گزری، پس یہ آیت اتری: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ الخ دو آیتوں تک۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ نزول وحی کی کیفیت زائل ہوئی تو فرمایا: اے ہلال رضی اللہ عنہ! خوش ہو جا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے آسانی اور مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیا ہے۔ ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اپنے رب سے یہی امید تھی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس عورت کو بلاؤ۔ پس وہ آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میاں بیوی پر وہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور انہیں نصیحت فرمائی اور خبر دی کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے سخت تر ہے۔ پس ہلال رضی اللہ عنہ بولا: واللہ میں نے اس پر سچے بولا ہے، وہ بولی اس نے جھوٹ کہا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں میں لعان کراؤ۔ پھر ہلال رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تو شہادت دے تو اس نے اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ شہادت دی کہ وہ سچا ہے، پھر جب پانچویں کا وقت آیا تو کہا گیا: اے ہلال رضی اللہ عنہ! اللہ سے ڈر کیونکہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے آسان تر ہے اور یہ شہادت فیصلہ کن ہے تو تجھ پر عذاب کو واجب کر دے گی۔ اس نے کہا کہ واللہ اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عذاب نہ دے گا جیسا کہ اس نے مجھے اس پر کوڑے نہیں لگوائے۔ پھر اس نے پانچویں شہادت دی کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ پھر اس عورت سے کہا گیا کہ تو شہادت دے۔ پس اس نے چار بار شہادت کہ وہ جھوٹا ہے۔ پھر جب پانچویں کا وقت آیا تو اس سے کہا گیا کہ تو اللہ سے ڈر کیونکہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے آسان تر ہے۔ اور یہ فیصلہ کن ہے جو تجھ پر عذاب کو واجب کر دے گی۔ پس وہ کچھ دیر جھجکی پھر بولی: واللہ میں اپنی قوم کو رسوا نہ کروں گی، پس اس نے پانچویں شہادت دے دی کہ اگر وہ سچا ہے تو اس پر (عورت پر) اللہ کا غضب ہو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں تفریق کرا دی اور فیصلہ فرمایا کہ اس کا بچہ اسی کی (عورت کی) طرف منسوب ہو اور اسے الزام نہ دیا جائے اور نہ اس کے بچے کو الزام دیا جائے، اور جو اس پر یا اس کے بچے پر الزام لگائے تو اس پر حد ہو گی۔ اور فیصلہ فرمایا کہ اسے نہ رہائش دی جائے اور نہ خرچ کیونکہ وہ دونوں طلاق کے بغیر جدا ہو رہے تھے اور نہ اس کا خاوند فوت ہوا تھا۔ اور فرمایا کہ اگر اس کا بچہ سرخی مائل سیاہ بالوں والا ہو، اس کے سرین ابھرے ہوئے ہوں، کندھوں کے نیچے کا حصہ ابھرا ہوا ہو، پنڈلیاں پتلی پتلی ہوں تو وہ ہلال رضی اللہ عنہ کا ہو گا۔ اور اگر اس کا بچہ گندم گون ہوا، گھنگریالے بالوں والا ہوا، بھرے بھرے اعضاء والا ہوا، موٹی پنڈلیوں والا ہوا، بڑے بڑے سرین والا ہوا تو وہ اس کا ہو گا جس کے متعلق الزام لگایا گیا ہے۔ پس اس کا بچہ پیدا ہوا تو وہ گندم گون، بھرے بھرے اعضاء والا، موٹی موٹی پنڈلیوں والا ابھرے ہوئے سرینوں والا تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لعان والی قسمیں نہ ہوتیں تو میں اس

عورت سے منٹ لیتا۔ عکرمہ نے کہا کہ وہ بچہ بعد میں قبیلۂ مُضر کا امیر بنا اور اسے کسی باپ کی طرف نہیں منسوب کیا جاتا تھا (مسند احمد، مسند طیالسی)

شرح: شوکانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فسخ اور طلاق کی عدت میں فرق ہے۔ فسخ کی عدت میں عورت کو کوئی خرچ اور رہائش نہیں ملتی، خصوصاً جبکہ فسخ لعان کے ساتھ ہو۔ اور ابو حنیفہ اور محمد نے کہا ہے کہ لعان طلاق ہے لہذا نفقہ اور رہائش واجب ہے۔ اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں عباد بن منصور ایک ضعیف راوی ہے۔ دوری نے ابن معین سے نقل کیا کہ وہ کچھ نہیں اور وہ قدری تھا۔ ابو زرعہ نے اسے نرم کہا۔ ابو حاتم نے کہا کہ وہ ضعیف الحدیث تھا اور ہمارے خیال میں اس نے یہ حدیثیں عن ابراہیم بن یحیی عن داؤد بن الحسین عن عکرمہ روایت کی ہیں۔ ابو داؤد نے کہا کہ اسے پانچ بار بصرہ کا قاضی بنایا گیا اور وہ لائق اعتماد نہ تھا اور اس کی بعض احادیث میں نکارت ہے اور محدثین نے کہا کہ وہ متغیر ہو گیا تھا۔ نسائی نے کہا کہ وہ حجت نہیں ہے اور ایک جگہ نسائی نے اسے غیر قوی کہا ہے۔ دار قطنی نے اسے غیر قوی کہا ہے۔ مہنا نے احمد سے نقل کیا کہ اس کی احادیث منکر ہیں اور وہ قدری اور مدلس تھا۔ ابو بکر بزار نے کہا کہ اس نے عکرمہ سے احادیث روایت کی ہیں مگر اس سے اسے سماع حاصل نہیں تھا۔ ابن سعد نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کی احادیث منکر ہیں۔ جرجانی نے کہا کہ اس کا حافظہ خراب تھا اور آخری عمر میں بگڑ گیا تھا۔

محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں اس حدیث سے بیہقی کے استدلال کے متعلق کہا ہے کہ اگر صرف لعان سے فرقت واقع ہو جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طلاق کو ناپسند فرماتے۔ یعنی آپ نے تین طلاقوں کو جاری کیا۔ اور یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو تین طلاقوں کے واقع ہونے کے یا تین کی صورت میں صرف ایک واقع ہونے کے قائل ہیں۔ پھر یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بہتر ہے جس میں اس کے خلاف ہے۔

۲۲۵۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ سَمِعَ عَمْرُو بْنُ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ حِسَابُكُمَا عَلَى اللّٰهِ اَحَدُكُمَا كَاذِبٌ لَا سَبِيْلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالِيْ قَالَ لَا مَالَ لَكَ اِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَاِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ اَبْعَدُ لَكَ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: تمہارا حساب اللہ پر ہے، تم میں سے ایک جھوٹا ہے تمہیں اس عورت پر زیادتی کا حق نہیں ہے، اس نے کہا یا رسول اللہ میرا مال؟ آپ

نے فرمایا: تیرا کوئی مال نہیں۔ اگر تو نے اس کے خلاف سچ بولا ہے تو تیرا مال اس کے عوض گیا جو تو نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا تھا اور اگر تو نے اس پہ جھوٹ بولا ہے تو مال کا مطالبہ تیرے سے بہت ہی بعید ہے۔ (بخاری، مسلم، نسائی، احمد)

۲۲۵۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ نَا اِسْمٰعِیْلُ نَا اَیُّوْبُ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَجُلٌ قَذَفَ اِمْرَأَتَهٗ قَالَ فَرَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ اَخَوَیْ بَنِیْ الْعِجْلَانِ وَقَالَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اَنَّ اَحَدَکُمَا کَاذِبٌ فَهَلْ مِنْکُمَا تَائِبٌ یُرَدِّدُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَاَبَیَا فَفَرَّقَ بَیْنَهُمَا۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا: اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے (تو کیا ہوگا؟) ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عجلان کے دو میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دی تھی اور فرمایا تھا کہ اللہ جانتا ہے، تم میں سے ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی تائب ہوتا ہے؟ تین مرتبہ یہ دہرایا۔ تو ان دونوں نے انکار کیا اور حضورؐ نے ان میں تفریق کر دی۔ (مسند احمد)

۲۲۵۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِیُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا لَاعَنَ امْرَأَتَهٗ فِیْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَانْتَفٰی مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَهُمَا وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اپنی عورت سے لعان کیا اور اس کے بیٹے کی نفی کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور بچے کے نسب کو عورت کے ساتھ جوڑ دیا (بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، مؤطا، مسند احمد)

شرح: سنن ابی داؤد کے حمصی نسخے میں اس حدیث کے بعد یہ عبارت ہے: ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث میں وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ کے الفاظ کی روایت میں مالک متفرد ہیں۔ اور یونس نے زہری سے سہل بن سعد کے حوالے سے لعان کی حدیث میں یہ لفظ روایت کئے کہ: اور اس کے حمل کا انکار کیا پس اس کا بیٹا اسی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

بَابٌ ۲۸ اِذَا شَكَّ فِی الْوَلَدِ

باب۔ جب بچے میں شک کرے

۲۲۶۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي خَلَفٍ نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِي فَزَارَةَ فَقَالَ اِنَّ امْرَاَتِي جَاءَتْ بِوَلَدٍ اَسْوَدَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ مَا اَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ فَهَلْ فِيْهَا مِنْ اَوْرَقَ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لَوُرْقًا قَالَ فَاَنّٰى تُرَاهُ قَالَ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ نَزَعَهٗ عِرْقٌ قَالَ وَهٰذَا عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ نَزَعَهٗ عِرْقٌ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ بنو فزارہ کا ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میری عورت نے سیاہ بچہ جنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے کچھ اونٹ ہیں؟ وہ بولا کہ ہاں۔ فرمایا کہ ان کے رنگ کیا کیا ہیں؟ اس نے کہا کہ سُرخ۔ فرمایا کیا ان میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا کہ بے شک ان میں خاکستری رنگ والے بھی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ رنگ کیوں کر ہوئے؟ اس نے کہا ممکن ہے ان کے بڑوں میں کوئی اس رنگ کا ہو۔ حضورؐ نے فرمایا اسی طرح ممکن ہے تیرے بیٹے کا رنگ بھی کہیں اوپر سے آیا ہوا۔
(بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: کہتے ہیں کہ اس شخص کا نام ضمضم بن قتادہ تھا جیسا کہ کتاب الغوامض میں عبدالغنی بن سعید نے بیان کیا ہے۔ اور وہاں یہ بھی ہے کہ اس شخص کے پاس کچھ بڑی بوڑھیاں آئیں اور بتایا کہ اس شخص کی ایک نانی یا دادی سیاہ فام تھی۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ رنگ روپ کی مانند بعض دفعہ امراض بھی موروثی ہوتے ہیں۔ اس شخص نے صرف شک ظاہر کیا تھا لہٰذا یہ قذف نہ تھا۔ قذف صراحت کے ساتھ زنا کا الزام لگانے کا نام ہے۔ صرف رنگ مختلف ہونے کی بنا پر اولاد کی نفی ناجائز ہے، قرطبی اور ابن رشد نے اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن حافظ نے کہا کہ بعض شافعیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف موجود ہے، جنہوں نے یہ کہا ہے کہ رنگ کے اختلاف کے ساتھ اگر زنا کا کوئی قرینہ پایا جائے تو نفی جائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک محض قرینہ کی وجہ سے نفی جائز ہے، رنگ مختلف ہو یا نہ ہو۔

۲۲۶۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِاِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ قَالَ وَهُوَ حِيْنَئِذٍ يُعَرِّضُ بِاَنْ يَّنْفِيَهٗ۔

اسی حدیث کو عبدالرزاق نے معمر سے اور اس نے زہری سے اسی سند اور معنی کے ساتھ روایت کیا ہے۔
اس حدیث میں معمر نے یہ اضافہ کیا کہ، وہ شخص اس وقت تعریض واشارہ کے ساتھ بچے کی نفی کرنا چاہتا تھا۔
شرح: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ محض تعریض کے ساتھ قذف نہیں ہوتا اور نہ اس سے لعان واجب ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ یہ تعریض نہ تھی بلکہ تصریح تھی کیونکہ اگلی حدیث میں ہے: وَاِنِّیْ اَنْکَرْتُہٗ۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تصریح نہیں بلکہ تعریض ہی ہے۔ اس کے قول کا معنیٰ یہ ہو سکتا ہے کہ: میں نے اس کو ایک ناپسند امر سمجھا ہے۔ حافظ نے اس کا معنیٰ یہ لکھا ہے کہ: میرا دل نہیں مانتا کہ یہ بچہ میرا ہے، گویا زبان سے اس نے نفی نہیں کی صرف دل میں شک تھا۔

۲۲۶۲۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ اَعْرَابِیًّا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ امْرَاَتِیْ وَلَدَتْ غُلَامًا اَسْوَدَ وَاِنِّیْ اُنْکِرُهٗ فَذَکَرَ مَعْنَاهُ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ میری عورت نے ایک کالا لڑکا جنا ہے اور میں نے اس کا انکار کیا ہے (یعنی اس معاملے کو دل سے مشکوک اور بُرا جانتا ہوں)

بَابُ ۲۹ التَّغْلِیْظِ فِی الْاِنْتِفَاءِ

بچے کی نفی کی سنگینی کا باب

۲۲۶۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِیْ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ یُوْنُسَ عَنْ سَعِیْدٍ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ حِیْنَ نَزَلَتْ اٰیَةُ الْمُتَلَاعِنَیْنِ اَیُّمَا امْرَاَةٍ اَدْخَلَتْ عَلٰی قَوْمٍ مَنْ لَیْسَ مِنْهُمْ فَلَیْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ وَلَنْ یُّدْخِلَهَا اللّٰهُ جَنَّتَهٗ وَاَیُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهٗ وَهُوَ یَنْظُرُ اِلَیْهِ احْتَجَبَ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْهُ وَفَضَحَهٗ عَلٰی رُءُوْسِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا جبکہ لعان کی آیت اتری تھی: جس عورت نے کسی قوم میں ایسی اولاد داخل کی جو ان کی نہیں ہے تو اس کا اللہ کی رحمت سے کوئی تعلق نہیں اور اللہ اسے اپنی جنت میں ہرگز داخل نہ کرے گا۔ اور جس مرد نے اپنے بچے سے انکار کیا اور بچہ اس کی طرف (رحم طلب نظروں سے) دیکھتا تھا تو اللہ اسے اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور اگلوں پچھلوں کے سامنے اسے رُسوا کر دے گا (نسائی اور ابن ماجہ)

بَابٌ ۳۱ فِي ادِّعَاءِ وَلَدِ الزِّنَا

ولد الزنا کے دعوے کا باب

۲۲۶۴۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا مُعْتَمِرٌ عَنْ سَلْمٍ يَعْنِي ابْنَ أَبِي الذَّيَّالِ حَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِنَا عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مُسَاعَاةَ فِي الْإِسْلَامِ مَنْ سَاعَى فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَدْ لَحِقَ بِعَصَبَتِهِ وَمَنِ ادَّعَى وَلَدًا مِنْ غَيْرِ رِشْدَةٍ فَلَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں کوئی زنا نہیں ہے۔ جس نے جاہلیت میں زنا کیا ہو تو لڑکا اپنے عصبہ سے ملحق ہوگا اور جس نے جائز طریقے کے علاوہ کسی بچے کا دعوٰی کیا پس وہ والد اس بچے کا وارث نہ ہوگا اور نہ وہ بچہ اپنے والد کا وارث ہوگا (مسند احمد، اس میں ایک مجہول راوی ہے)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا کہ مُسَاعَاۃ کا معنیٰ زنا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لونڈیاں اپنے مالکوں کے لیے زنا کے ساتھ مال کماتی تھیں کیونکہ اُن پہ کچھ رقم مقرر کی جاتی تھی جو انہیں کما کر دینا پڑتی۔ اسلام نے اسے باطل ٹھہرایا کہ اس سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔ دعوٰی کرنے والا اس کا باپ اور وہ بچہ اس کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ بچہ بہرحال اپنے رشتہ داروں سے ملحق ہوگا۔

۲۲۶۵۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ ح وَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ وَهُوَ أَشْبَعُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى إِنَّ كُلَّ مُسْتَلْحَقٍ اُسْتُلْحِقَ بَعْدَ أَبِيهِ الَّذِي يُدْعَى لَهُ ادَّعَاهُ وَرَثَتُهُ فَقَضَى أَنَّ كُلَّ مَنْ كَانَ مِنْ أَمَةٍ يَمْلِكُهَا يَوْمَ أَصَابَهَا فَقَدْ لَحِقَ بِمَنِ اسْتَلْحَقَهُ وَلَيْسَ لَهُ مِمَّا قُسِمَ قَبْلَهُ مِنَ الْمِيرَاثِ وَمَا أَدْرَكَ مِنْ مِيرَاثٍ لَمْ يُقْسَمْ فَلَهُ نَصِيبُهُ وَلَا يَلْحَقُ إِذَا كَانَ أَبُوهُ الَّذِي يُدْعَى لَهُ أَنْكَرَهُ وَإِنْ كَانَ

مِنْ اَمَةٍ لَمْ يَمْلِكْهَا اَوْمِنْ حُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَاِنَّهُ لَا يَلْحَقُ بِهٖ وَلَا يَرِثُ وَ اِنْ كَانَ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهُ هُوَ ادَّعَاهُ فَهُوَ وَلَدُ زِنْيَةٍ مِنْ حُرَّةٍ كَانَ اَوْ اَمَةٍ

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ہر وہ بچہ جس کو وارثوں نے اپنے نسب سے ملایا ہو، اس شخص کی موت کے بعد جس کی طرف وہ منسوب تھا اور اس کے وارثوں نے اس کا دعویٰ کیا تھا پس حضور نے فیصلہ فرمایا کہ جو اولاد کسی لونڈی سے ہو جس کے مالک نے ملکیت کے بعد اس سے جماع کیا تھا پس وہ اس سے مل سکتا ہے جس نے اپنی زندگی میں اسے ملا لیا تھا (یعنی مالک نے انکار نہ کیا تھا، وہ اسے اپنا ہی سمجھتا تھا) اور اس سے پہلے جو میراث تقسیم ہو چکی اس میں سے اُسے کوئی حصہ نہیں مل سکتا اور جو میراث اس نے بے تقسیم پائی تو اس میں سے اس کا حصہ ہے۔ اور بچہ ملحق نہیں ہو سکتا جبکہ اس کے باپ نے (جو اس کی ماں کا مالک تھا اور یہ اُس کی طرف منسوب تھا) اس کا اپنی اولاد ہونے سے انکار کیا تھا۔ اور اگر وہ کسی ایسی لونڈی سے ہو جس کا یہ مالک نہ تھا یا کسی آزاد عورت سے جس سے اس نے زنا کیا تھا، پس وہ اس سے مُلحق نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا وارث ہو سکتا ہے، اور اگر یہ جس کا پکارا جاتا ہے اُس نے بھی اس کا صرف دعویٰ ہی کیا تھا پس وہ زنا کی اولاد ہے چاہے آزاد عورت سے ہو یا لونڈی سے ہو۔

شرح: علامہ خطابی کا قول ہے کہ یہ احکام شرع کے اوائل کے تھے اور اس حدیث میں بظاہر الجھن اور اشکال ہے۔ اہل جاہلیت کی لونڈیاں کرائے پر چلتی تھیں اور وہ وہی بغایا تھیں جن کا ذکر سورہ نور میں ہے: وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ "اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور مت کرو۔ اُن کے مالک بھی ان سے جماع کرتے تھے اور ان سے بدکاری بھی کراتے تھے۔ جب اولاد ہوتی تھی تو مالک مُدعی ہوتا کہ یہ میری ہے اور زانی دعویٰ کرتا کہ یہ میری اولاد ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرما دیا کہ اولاد مالک کی ہے کیونکہ لونڈی اُس کی موطوءہ ہوتی تھی، اور زانی سے آپ نے اس کی نفی کر دی۔ پس اگر وہ بچہ زانی کی طرف ایک مدت تک منسوب رہا یہاں تک کہ مالک مر گیا مگر اس نے اپنی زندگی میں نہ اُس کا دعویٰ کیا تھا نہ انکار کیا تھا، پھر مرنے والے کے وارثوں نے اُس کے بعد اس کا دعویٰ کیا اور اس کا نسب اپنے ساتھ ملا لیا تو وہ اُسی مرنے والے مالک کا ہوا۔ اب یہ اُس کا بیٹا تو ہو گیا مگر جو میراث اس سے قبل تقسیم ہو گئی تھی اس میں اس کا کوئی حصہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جاہلیت کے دوسرے معاملات جیسا قرار دیا اور اسے نہیں چھیڑا۔ لیکن اگر اس کی ماں کے مالک کی میراث یا اس کا کچھ حصہ ابھی بلا تقسیم باقی تھا تو یہ اُس میں شریک ہو گا۔ اسی طرح اس کے بعد اُس کے بھائیوں وغیرہ میں سے اگر کوئی مرے گا تو یہ اُس کا بھی وارث ہو گا۔ یہ تو وہ صورت ہے کہ لونڈی کے مالک نے اس کے بیٹا ہونے سے انکار نہ کیا تھا، لیکن اگر اُس نے اپنی زندگی میں اس کا انکار کیا تھا تو اب اسے کسی طرح اس کا بیٹا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس جیسا قصہ عبد بن زمعہ اور سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہوا تھا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکے کا دعویٰ کیا کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے جو میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر جنا۔ پس وہ زمعہ کا بیٹا ٹھہرا، لیکن یہ چونکہ محض ایک قانونی فیصلہ تھا لہٰذا حضور نے ام المومنین رضی اللہ عنہا

سودہ بنت زمعہ کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ خلاصہ یہ کہ بچہ فراش سے ملحق ہوا اور زانی کا دعویٰ خارج کیا گیا۔ مگر دیگر احکام اور ان کی تفاصیل چھوڑ دی گئیں کیونکہ واقعہ جاہلیت کا تھا۔ واللہ اعلم۔

۲۲۶۶۔ حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ نَا اَبِیْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رَاشِدٍ بِاِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ زَادَ وَهُوَ وَلَدُ زِنًا لِاَهْلِ اُمِّهٖ مَنْ كَانُوْا حُرَّةً اَوْ اَمَةً وَذٰلِكَ فِيْمَا اسْتُلْحِقَ فِيْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ فَمَا اقْتُسِمَ مِنْ مَالٍ قَبْلَ الْاِسْلَامِ فَقَدْ مَضٰى۔

یہی حدیث محمد بن راشد سے آئی ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ: وہ زنا کی اولاد تھا اور اس کی ماں کے گھر والوں کا تھا خواہ وہ کوئی بھی تھے، اور یہ عورت آزاد تھی یا غلام۔ اور یہ فیصلہ اس بچے کا ہے جو ابتدائے اسلام میں ملحق کیا گیا، مگر اسلام سے پہلے جو مال تقسیم ہوا وہ جاتا رہا (اس میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ محمد بن راشد مکحولی ثقہ ہے گو قدری تھا۔ بخاری نے تاریخ کبیر میں اس کے حالات لکھے ہیں اور کوئی جرح نہیں کی۔ عمرو بن شعیب صحیح الحدیث ہے، اس کی سند درست ہے)

بَابُ ۳۱ فِی الْقَافَةِ

قیافہ شناسوں کا باب

۲۲۶۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَعُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ الْمَعْنٰى وَابْنُ السَّرْحِ قَالُوْا نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُسَدَّدٌ وَابْنُ السَّرْحِ يَوْمًا مَسْرُوْرًا وَقَالَ عُثْمَانُ تُعْرَفُ اَسَارِيْرُ وَجْهِهٖ فَقَالَ اَیْ عَائِشَةُ اَلَمْ تَرَیْ اَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِیَّ رَاٰى زَيْدًا وَاُسَامَةَ قَدْ غَطَّيَا رُءُوْسَهُمَا بِقَطِيْفَةٍ وَبَدَتْ اَقْدَامُهُمَا فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ كَانَ اُسَامَةُ اَسْوَدَ وَكَانَ زَيْدٌ اَبْيَضَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش خوش میرے گھر تشریف لائے، بقول راوی عثمان: آپ کے چہرے پر مسرت کی علامتیں پہچانی جاتی تھیں۔ پس فرمایا: اے عائشہ! کیا تجھے معلوم نہیں کہ مجزز مدلجی نے زید اور اسامہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے سر ایک منقش چادر میں لپیٹے ہوئے تھے اور ان کے پیر ننگے تھے۔ تو اس نے کہا: یہ قدم ایک دوسرے میں سے ہیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسامہ سیاہ فام تھا اور

زید رضی اللہ عنہ سفید رنگ کا تھا (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد)

شرح: علامہ خطابی نے کہا کہ لوگوں کو زید اور اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق شک تھا اور وہ بعض بُری باتیں کیا کرتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتی تھیں۔ مجزز مدلجی ایک قیافہ شناس تھا۔ جب اس نے باپ بیٹے کے پاؤں دیکھ کر کہا کہ یہ باپ بیٹے کے پاؤں ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طبعی سرور ہوا۔ بقول نووی رحمہ اللہ چونکہ اُسامہ رضی اللہ عنہ کے شرعاً صحیح النسب ہونے کے باوجود لوگ جاہلیت کے رواج کے مطابق اس کے نسب میں باتیں بناتے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں قیافہ شناسوں پر بہت اعتماد کیا جاتا تھا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجزز مُدلجی کی بات اچھی لگی کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے زجر و توبیخ پائی جاتی تھی۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ کی ماں ایک سیاہ فام حبشی عورت برکت نامی تھی جس کی کنیت اُمّ ایمن تھی۔ فقہاء میں اختلاف ہے کہ آیا نسب کے الحاق میں قیافہ شناس کی بات کا اعتبار ہے یا نہیں۔ جو لوگ اس کے قائل ہیں وہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ قائف عادل ہو اور اس حدیث کی رُو سے ایک ہی قائف کافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ قائف کے قول پر فیصلہ جائز ہے اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس میں ان سے اختلاف کیا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث میں علم قیافہ کے ذریعے سے ثبوتِ نسب کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ قیافے سے صرف تقویت ہو سکتی ہے اور ایک باطل وہم دُور ہو سکتا ہے، تہمت کی (جو بلا دلیل ہو) نفی ہو سکتی ہے مگر اسے شرعی حکم قرار نہیں دے سکتے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک عادل شخص کی رؤیتِ ہلال کی شہادت تو مقبول ہے مگر ایک منجم اگر علمِ نجوم کے ساتھ اس کی تائید کر دے تو یہ محض ایک تقویت ہو گی مستقل دلیل نہیں ہوتی نہ نفی میں نہ اثبات میں۔ خطابی اور قاضی نے قائف کی بات کو شرعی دلیل مانا ہے اور کہا ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر فرحت و سرور کا اظہار نہ فرماتے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا یہی مذہب تھا۔ عطاء، مالک، اوزاعی، شافعی، احمد اور عامۂ محدثین کا یہی مسلک ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے قائف کے قول کا بطورِ دلیلِ شرعی کوئی اعتبار نہیں کیا۔

محقق ابن الہمام نے کہا ہے کہ جب لونڈی دو شریکوں کی ہو اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور ان میں سے ایک اس کا مُدعی بنے تو اُس کا نسب اُس سے ثابت ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ لونڈی بیمار ہو یا صحت مند۔ اور وہ بالاتفاق اس کی اُمّ ولد بن جائے گی، اگر وہ اپنے شریک کے لیے ضامن ہو گا اور اگر دونوں اکٹھے اس کے نسب کا دعوٰے کریں تو اس کا نسب ان دونوں سے ثابت ہو گا اور لونڈی دونوں کی امّ ولد ہو گی اور وہ باری باری دونوں کی خدمت کرے گی۔ جب دونوں میں سے ایک مر گیا تو وہ آزاد ہو گی اور لڑکا ان دونوں سے پورے بیٹے کی میراث پائے گا، اور وہ دونوں اس کی میراث بحیثیت ایک باپ کے پائیں گے۔ جب دونوں میں سے ایک مر گیا تو بیٹے کی پوری میراث دوسرے زندہ کے لیے ہو گی۔ ابن الہمام نے کہا کہ یہی قول ثوری اور اسحاق بن راہویہ کا ہے۔ اور شافعی کا قولِ قدیم بھی یہی ہے۔ اور احمد بن حنبل نے اس پر قیافہ کی حدیث کو ترجیح دی ہے۔ لیکن کہا ہے کہ اگر قیافہ شناس نہ ملے تو اس قول پر عمل کیا جائے گا۔ اور شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ قیافہ شناس اگر نہ ملے تو لڑکے کی بلوغت تک وقفہ کریں گے۔ لڑکا بالغ ہو کر جسے چاہے اپنا باپ قرار دے لے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کسی کی طرف منسوب نہ ہو تو اس کا نسب

موقوف ہوگا جو صرف ماں سے چلے گا۔

مولانا نے فرمایا کہ ان حضرات کے استدلال کا حاصل جواب یہ ہے کہ ان کا استدلال محض اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرحت وانبساط پر ہے کہ آپ قائف کے قول پر خوش ہوئے، حالانکہ یہ خوشی دو چیزوں سے ممکن تھی۔ ایک یہ کہ آپ قائف کے قول پر راضی ہوئے کہ اس نے اسامہؓ کا نسب ثابت کر دیا ہے (کیا اس سے پہلے وہ نسب ثابت نہ تھا؟) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اہل جاہلیت کو اس سے تنبیہ مقصود تھی کہ تم بلا سبب اور بلا دلیل اس نسب پر شک کرتے تھے اور قائفوں پر تمہیں اعتماد رہا ہے سو لو! تمہارا وہم وگمان تمہارے قائف نے بھی دُور کر دیا ہے! اور یہ بات تو ثابت شدہ ہے کہ اسامہؓ کا نسب شرعاً پہلے ہی ثابت تھا: اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاش زید بن حارثہؓ اور ام ایمن بعض ہر دو سابقون اوّلون میں سے تھے اور مہاجرین کی بھی پہلی صف کے لوگ تھے۔ ام ایمنؓ کو حضورؐ اپنی ماں جیسا جانتے تھے اور وہ آپؐ کے بچپن سے ساتھ رہی تھی۔ حضورؐ کو اس نسب میں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ پھر قائف سے کس نے فیصلہ چاہا تھا؟ اتفاقاً وہ آیا اور زیدؓ و اُسامہؓ کے پاؤں دیکھ کر کہا کہ یہ باپ بیٹے ہیں۔ نہ اس میں مقدمہ لے جانے، دعویٰ کرنے اور فیصلہ دینے کا سوال پیدا ہوا کہ اس سے قائف کے قول کا شرعی اعتماد ثابت کیا جا سکے اور نہ حضورؐ نے کوئی ایسی بات فرمائی کہ قائف کا قول شرعی فیصلہ ہے پس اس چیز میں کوئی شک وشبہ نہ رہا کہ حضورؐ کا خوش ہونا پہلے احتمال پر تھا نہ کہ دوسرے پر۔ فرض کرو کہ دونوں احتمال مساوی ہیں تب بھی اس میں کوئی استدلالِ شرعی نہ رہا، چہ جائیکہ دوسرا احتمال تو ممکن ہی نہیں۔ حضورؐ کو اس نسب پر کبھی شک نہیں رہا تھا۔

اب حدیث لعان سے ان حضرات نے جو قیافہ کی صحت پر استدلال کیا ہے کہ حضورؐ نے ہلالؓ یا عویمرؓ کی بیوی کے متعلق فرمایا کہ اگر فلاں شکل وصورت کا بچہ ہوا تو خاوند کا ہوگا ورنہ زانی کا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ کا حکم قیافہ پر مبنی نہ تھا، نہ آپؐ کبھی قیافہ شناس رہے تھے اور نہ عمر بھر میں کبھی آپؐ نے قیافہ شناسی کی۔ آپؐ کے متعلق قیافہ شناسی سے ایک شرعی حکم دینا آپ کی رسالت کی توہین اور قدح ہے۔ آپؐ کا یہ حکم وحیٔ الٰہی پر مبنی تھا۔ اگر قیافے کا حکم معتبر ہوتا تو لعان ایک لغو کام ہو کر رہ جاتا اور فیصلہ قیافے پر مبنی کیا جاتا۔ معاذ اللہ منہ

۲۲۶۸ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ۔

لیث سے یہ حدیث زہری سے اس کی سند سے روایت کی۔ اس میں یہ لفظ ہیں۔ حضورؐ کے چہرے کی علامات چمک رہی تھیں۔ سنن ابی داؤد کے نومطبوعہ حمصی نسخے میں یہ عبارت زائد ہے کہ: اساریر وجہہ کا لفظ ابن عیینہ نے محفوظ نہیں رکھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ اساریر وجہہ کا لفظ ابن عیینہ کی تدلیس ہے، یہ لفظ اس نے ابن شہاب زہری سے نہیں سُنا بلکہ اوروں سے سُنا ہے۔ اور یہ لفظ لیث وغیرہ کی حدیث میں ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے احمد بن صالح سے سُنا، وہ کہتا تھا کہ اسامہؓ بہت سیاہ، روغنِ قار کی مانند تھا اور زیدؓ کپاس کی مانند سفید تھا۔

بَابٌ ۳۲ مَنْ قَالَ بِالْقُرْعَةِ إِذَا تَنَازَعُوا فِي الْوَلَدِ

باب۔ لڑکے میں تنازع کے وقت جنہوں نے قرعہ اندازی کا حکم دیا۔

۲۲۶۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا يَحْيَى عَنِ الْأَجْلَحِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْخَلِيلِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ إِنَّ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ أَتَوْا عَلِيًّا يَخْتَصِمُونَ إِلَيْهِ فِي وَلَدٍ قَدْ وَقَعُوا عَلَى امْرَأَةٍ فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ فَقَالَ لِاثْنَيْنِ مِنْهُمْ طِيبَا بِالْوَلَدِ لِهَذَا فَغَلَيَا ثُمَّ قَالَ لِاثْنَيْنِ طِيبَا بِالْوَلَدِ لِهَذَا فَغَلَيَا فَقَالَ أَنْتُمْ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ إِنِّي مُقْرِعٌ بَيْنَكُمْ فَمَنْ قَرَعَ فَلَهُ الْوَلَدُ وَعَلَيْهِ لِصَاحِبَيْهِ ثُلُثَا الدِّيَةِ فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَجَعَلَهُ لِمَنْ قَرَعَ فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ أَضْرَاسُهُ أَوْ نَوَاجِذُهُ۔

زید بن ارقمؓ نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا تو یمن کا ایک شخص آیا اور کہا کہ تین یمنی آدمی علیؓ کے پاس آئے جو ایک بچے میں جھگڑتے تھے اور اس کا فیصلہ چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک طہر میں ایک عورت سے جماع کیا تھا۔ پس علیؓ نے (بیان سن کر) ان میں سے دو سے کہا کہ تم خوشی سے اس تیسرے کو یہ لڑکا دے دو۔ مگر وہ دونوں بھڑک کر چیخ پڑے۔ پھر آپ نے اور دو سے کہا کہ تم یہ لڑکا اس تیسرے کو دے دو تو وہ بھی چیخ پڑے پھر دو سے کہا کہ تم بخوشی یہ لڑکا اس تیسرے کو دے دو تو وہ بھڑک اُٹھے۔ پس علیؓ نے کہا کہ تم سب تنازع کرنے والے شریک ہو۔ میں تمہارے درمیان قرعہ اندازی کرتا ہوں، جس کے نام کا قرعہ نکل آئے لڑکا اُس کا ہوگا اور اس کے ذمہ دوسرے دو کے لیے دیت کا ⅔ ہوگا۔ پھر علیؓ نے قرعہ اندازی کی اور لڑکا اس کو دے دیا جس کا قرعہ نکلا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتیٰ کہ آپؐ کی ڈاڑھیں یا کچلیاں ننگی ہو گئیں (نسائی)

شرح: اس حدیث کی سند میں بقول خطابی کلام ہے۔ اجلح راوی متکلم فیہ ہے مگر بخاری نے تاریخ کبیر میں اس کے ذکر میں کوئی جرح بیان نہیں کی۔ اس حدیث میں بیان ہونے والی صورت یہ ہے کہ ایک لونڈی تین مردوں کی ملکیت میں ہو اور وہ تینوں ایک طہر میں اس سے مقاربت کریں اور پھر اولاد کی پیدائش پر تنازع ہو جائے۔ اجلح کو قطان نے غیر حافظ کہا ہے ابو حاتم نے غیر قوی نسائی نے ضعیف اور بدعقیدہ، جوزجانی نے مفتری، ابوداؤد نے ضعیف، ابن سعد نے ضعیف، عقیلی نے مضطرب الحدیث، ابن حبان نے وہمی قرار دیا ہے۔ یہ علی بن الحسین اور حسین بن علی میں اور ابوسفیان اور ابو النزبیر میں امتیاز نہ کرتا تھا۔ اسی طرح اس کے راوی عبداللہ

بن المخلیل کو بخاری نے کہا ہے کہ اس کی متابعت نہیں ہوئی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس موقع پر ہنسی کا باعث علیؓ کی حاضر دماغی، معاملہ فہمی اور تیز ذہانت تھی۔
شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے ظاہر پر اسحاق بن راہویہ کا عمل ہے اور اس نے کہا کہ اس قسم کے تنازع میں یہی سنت ہے (خطابی)، شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی تھا۔ احمد نے کہا کہ قیافہ کی حدیث مجھے اس سے زیادہ پسند ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قرعہ اندازی کی حدیث منسوخ ہے۔ مقبلی نے الابحاث میں کہا ہے کہ جب کسی شرعی طریقے سے فیصلہ نہ ہو سکے تو قرعہ اندازی کی جائے گی۔ قرعہ کے شرعی حکم ہونے سے حنفیہ اور ہادیہ نے انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مذکورہ صورت میں بچہ سب سے ملحق ہو گا کیونکہ ترجیح کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور یہ حدیث اصول دین کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس عورت سے ایک طہر میں تین شخصوں نے وطی کی وہ یا تو ان کی لونڈی ہو گی یا نہیں۔ اگر لونڈی تھی جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے منتقی میں کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ⅔ دیت ان دو شرکا، کو نہیں ملتی بلکہ لونڈی کی قیمت کا ⅔ کیونکہ اب وہ ایک شخص کی ام ولد ہو گئی۔ اور اگر وہ غیر مملوک عورت تھی تو اس سے نسب ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ان سب نے زنا کا اعتراف کیا، ملک کا یا نکاح کا دعویٰ نہیں کیا۔ پس وہ عورت ان کی فراش نہ تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اولاد فراش والے کی ہے اور زانی کے لیے پتھر (یا رجم کی سزا) ہے۔ اس بنا پر اس حدیث کو غیر ثابت یا منسوخ کہا گیا ہے۔

۲۲۷۰۔ حَدَّثَنَا خُشَيْشُ بْنُ أَصْرَمَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا الثَّوْرِيُّ عَنْ صَالِحٍ الْهَمْدَانِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أُتِيَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِثَلَاثَةٍ وَهُوَ بِالْيَمَنِ وَقَعُوا عَلَى امْرَأَةٍ فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ فَسَأَلَ اثْنَيْنِ أَتُقِرَّانِ لِهٰذَا بِالْوَلَدِ قَالَا لَا حَتّٰى سَأَلَهُمْ جَمِيعًا فَجَعَلَ كُلَّمَا سَأَلَ اثْنَيْنِ قَالَا لَا فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالَّذِي صَارَتْ عَلَيْهِ الْقُرْعَةُ وَجَعَلَ عَلَيْهِ ثُلُثَيِ الدِّيَةِ قَالَ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ۔

زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ جب یمن میں تھے تو ان کے پاس تین آدمی لائے گئے جنہوں نے ایک طہر میں ایک عورت سے وطی کی تھی۔ علیؓ نے دو سے پوچھا کیا تم اس کے لیے بچے کا اقرار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ حتی کہ ان سب سے پوچھ لیا۔ پس جب وہ دو سے پوچھتے تو وہ انکار کرتے۔ پس انہوں نے ان میں قرعہ اندازی کی اور جس کے نام کا قرعہ نکلا بچہ اس کو دے دیا اور اس دیت کے دو ثلث ڈال دیئے۔ زیدؓ نے کہا کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی تو آپؐ ہنس پڑے حتی کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہو گئیں (نسائی، ابن ماجہ)
شرح: منذری نے کہا کہ اس حدیث کا ارسال صحیح ہے۔

۲۲۷۱۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ مُعَاذٍ نَا أَبِي نَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ سَمِعَ الشَّعْبِيَّ عَنِ الْخَلِيلِ أَوِ ابْنِ الْخَلِيلِ قَالَ أُتِيَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي امْرَأَةٍ وَلَدَتْ مِنْ ثَلَاثَةٍ نَحْوَهُ لَمْ يَذْكُرِ الْيَمَنَ وَلَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَوْلَهُ طِيبَا بِالْوَلَدِ۔

شعبی نے خلیل یا ابن الخلیل سے روایت کی ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس یمن کے تین شخص لائے گئے ایک عورت کے متعلق جس نے ان تینوں سے بچہ جنا تھا الخ یمن کا ذکر نہیں کیا، نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور نہ علیؓ کا یہ قول کہ: تم دو بخوشی یہ لڑکا اسے دے دو۔

بَابٌ ۳۲ فِي وُجُوهِ النِّكَاحِ الَّتِي كَانَ يَتَنَاكَحُ بِهَا أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ۔

باب۔ نکاح کی وہ صورتیں جو جاہلیت میں تھیں

۲۲۷۲۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَنْبَسَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنِي يُونُسُ ابْنُ يَزِيدَ قَالَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النِّكَاحَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عَلَى أَرْبَعَةِ أَنْحَاءٍ فَنِكَاحٌ مِنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ يَخْطُبُ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ وَلِيَّتَهُ فَيُصْدِقُهَا ثُمَّ يَنْكِحُهَا وَنِكَاحٌ آخَرُ كَانَ الرَّجُلُ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ إِذَا طَهُرَتْ مِنْ طَمْثِهَا أَرْسِلِي إِلَى فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِي مِنْهُ وَيَعْتَزِلُهَا زَوْجُهَا وَلَا يَمَسُّهَا أَبَدًا حَتَّى يَتَبَيَّنَ حَمْلُهَا مِنْ ذَلِكَ الرَّجُلِ الَّذِي تَسْتَبْضِعُ مِنْهُ فَإِذَا تَبَيَّنَ حَمْلُهَا أَصَابَهَا زَوْجُهَا إِنْ أَحَبَّ وَإِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ رَغْبَةً فِي نَجَابَةِ الْوَلَدِ فَكَانَ هَذَا النِّكَاحُ يُسَمَّى نِكَاحَ الِاسْتِبْضَاعِ وَنِكَاحٌ آخَرُ يَجْتَمِعُ الرَّهْطُ دُونَ الْعَشَرَةِ فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ كُلُّهُمْ يُصِيبُهَا فَإِذَا حَمَلَتْ وَوَضَعَتْ وَمَرَّ لَيَالٍ بَعْدَ أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا أَرْسَلَتْ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَسْتَطِعْ رَجُلٌ مِنْهُمْ أَنْ يَمْتَنِعَ حَتَّى

يَجْتَمِعُوا عِنْدَهَا فَتَقُولُ لَهُمْ قَدْ عَرَفْتُمُ الَّذِي مِنْ أَمْرِكُمْ وَقَدْ وَلَدْتُ وَهُوَ ابْنُكَ يَا فُلَانُ فَتُسَمِّي مَنْ أَحَبَّتْ مِنْهُمْ بِاسْمِهِ فَيَلْحَقُ بِهِ وَلَدُهَا وَنِكَاحٌ رَابِعٌ يَجْتَمِعُ النَّاسُ الْكَثِيرُ فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ لَا تَمْتَنِعُ مِمَّنْ جَاءَهَا وَهُنَّ الْبَغَايَا كُنَّ يَنْصِبْنَ عَلَى أَبْوَابِهِنَّ رَايَاتٍ تَكُنْ عَلَمًا لِمَنْ أَرَادَهُنَّ دَخَلَ عَلَيْهِنَّ فَإِذَا حَمَلَتْ فَوَضَعَتْ حَمْلَهَا جَمَعُوا لَهَا وَدَعَوْا لَهُمُ الْقَافَةَ ثُمَّ أَلْحَقُوا وَلَدَهَا بِالَّذِي يَرَوْنَ فَالْتَاطَهُ وَدُعِيَ ابْنَهُ لَا يَمْتَنِعُ مِنْ ذٰلِكَ فَلَمَّا بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدَمَ نِكَاحَ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ إِلَّا نِكَاحَ أَهْلِ الْإِسْلَامِ الْيَوْمَ ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ بن زبیر کو بتایا کہ نکاح زمانہ جاہلیت میں چار طرح پر ہوتا تھا۔ ایک نکاح تو وہی جو آجکل لوگوں میں ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے سے اُس کی ولیہ (بیٹی، بہن وغیرہ جس کا وہ شخص ولی ہوتا) کا نکاح مانگتا اسے حق مہر دیتا اور نکاح کر لیتا۔ ایک اور نکاح یہ تھا کہ جب کسی کی بیوی حیض سے پاک ہوتی تو وہ اس سے کہتا کہ فلاں شخص کو بُلا لو اور اس سے جماع کراؤ۔ اور اس کا خاوند اس سے جدا رہتا اور جبتک عورت کا حمل واضح نہ ہو جاتا، اُس شخص سے جس سے کہ اُس نے جماع کروایا تھا، پس جب حمل ظاہر ہو جاتا تو اگر چاہتا اس سے مباشرت کرتا۔ اور یہ کام وہ اس لیے کرتا تاکہ بچے میں نجابت و شرافت پیدا ہو جائے۔ اور اس نکاح کا نام نکاحِ استبضاع تھا۔ اور ایک اور نکاح تھا، وہ یہ کہ دس سے کم اشخاص جمع ہو کر ایک عورت کے پاس جاتے اور سب کے سب اس سے مباشرت کرتے تھے۔ پس جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہو جاتا اور پیدائش پر کچھ دن گزرتے تو وہ انہیں بلا بھیجتی اور کوئی بھی آنے سے انکار نہ کر سکتا، وہ سب اس کے پاس جمع ہوتے۔ وہ ان سے کہتی کہ تمہیں یاد ہے جو معاملہ ہوا تھا اور میں نے بچہ جنا ہے اور وہ اے فلاں تیرا بچہ ہے۔ وہ جس کا نام چاہتی لیتی پس اس سے ملحق ہو جاتا۔ اور چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ جمع ہوتے اور عورت کے پاس جاتے اور وہ ان میں سے کسی کو نہ روکتی اور وہ عورتیں بغایا (کنچنیاں) ہوتی تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈے گاڑ دیتی تھیں جو ان کی علامت ہوتی تھی جو چاہتا جاتا اور ان سے جماع کرتا۔ جب وہ حاملہ ہوتیں اور وضع حمل کرتیں تو لوگ اس کے پاس جمع ہوتے اور قیافہ شناس کو بُلاتے اور (اس کے فیصلے پر) وہ کسی ایک کے ذمہ وہ بچہ ڈال دیتے، وہ بچے کو اپنی طرف لے لیتا اور وہ اس کا بیٹا کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ پس جب اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تو آپؐ نے اہل اسلام کے موجودہ نکاح کے علاوہ ہر نکاح کو کالعدم کر دیا۔ (بخاری)

باب ۳۴ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ

بچہ بستر والے کا ہے

۲۲۷۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَمُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ قَالَا نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اخْتَصَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَعَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ابْنِ أَمَةِ زَمْعَةَ فَقَالَ سَعْدٌ أَوْصَانِي أَخِي عُتْبَةُ إِذَا قَدِمْتُ مَكَّةَ أَنْ أَنْظُرَ إِلَى ابْنِ أَمَةِ زَمْعَةَ فَأَقْبِضَهُ فَإِنَّهُ ابْنُهُ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ أَخِي ابْنُ أَمَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِ أَبِي فَرَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ فَقَالَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ زَادَ مُسَدَّدٌ فِي حَدِيثِهِ فَقَالَ هُوَ أَخُوكَ يَا عَبْدُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اپنا تنازعہ پیش کیا جو زمعہ کی لونڈی کے بچے کے متعلق تھا۔ پس سعدؓ نے کہا کہ میرے بھائی عتبہ نے وصیت کی تھی کہ میں جب مکہ جاؤں تو زمعہ کی لونڈی کے بچے کو دیکھوں اور اس پر قبضہ کر لوں کیونکہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ اور عبدؓ بن زمعہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی لونڈی کا بچہ ہے اور میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کی واضح مشابہت عُتبہ کے ساتھ دیکھی پھر فرمایا کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لیے پتھر ہیں اور اے سودہؓ! تو اس سے پردہ کر۔ مسدد نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا کہ حضورؐ نے فرمایا: اے عبد وہ تیرا بھائی ہے (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ترمذی عن ابی ہریرہ رضؓ و عن ابی امامہؓ)

شرح: یہ ہے وہ شرعی اصول جس کے سامنے قیافے، مشابہت اور قرعہ اندازی وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عُتبہ کے ساتھ اس بچے کی واضح مشابہت کے باوجود فیصلہ اس اصول پر کیا کہ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔ اور حضرت سودہؓ کو پردے کا حکم اس لیے دیا کہ فیصلہ گو اس اصول پر ہوا تھا مگر معلوم یوں ہوتا تھا کہ وہ عُتبہ کا نطفہ ہوگا گویا پردے کا حکم بطور تقویٰ و استحباب تھا۔ ازواج مطہراتؓ کو تو اور بھی احتیاط کی ضرورت تھی اور ان کی ذمہ داری بحیثیت اُمّہات المؤمنین ہونے کے زیادہ تھی۔ یہ عُتبہ وہ شخص تھا جس نے جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت توڑا تھا۔ عبدؓ بن زمعہ شریف سردار اور عظیم صحابی تھے۔ عُتبہ کی وصیت رسم جاہلیت کے مطابق تھی مگر اسلام نے اسے باطل قرار دے دیا۔

۲۲۷۴۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانًا ابْنِيْ عَاهَرْتُ بِاُمِّهٖ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَادِعْوَةَ فِي الْاِسْلَامِ ذَهَبَ اَمْرُ الْجَاهِلِيَّةِ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ نے کہا کہ ایک آدمی اٹھا اور کہنے لگا یا رسول اللہ فلاں شخص میرا بیٹا ہے میں نے جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی کوئی دعوت (زنا کی اولاد کا دعویٰ کرنا) نہیں۔ جاہلیت کا معاملہ جاتا رہا۔ بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں (یہ لفظ دِعوت ہے دعوت نہیں، اس کا معنیٰ دوسرا ہے۔ یہ جو فرمایا کہ زانی کے لیے پتھر ہے، یہ محاورے کی بات ہے جیسے کہتے ہیں۔ اس کے منہ میں خاک۔ یعنی زانی کو سوائے محرومی کے کچھ حاصل نہیں۔ اور بعض زانی سنگسار بھی ہوتے ہیں تو ان کے لیے مادی طور پر بھی پتھر ہیں۔

۲۲۷۵۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُوْنٍ اَبُوْ يَحْيٰى نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِيْ يَعْقُوْبَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ سَعْدٍ مَوْلَى الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَنْ رَبَاحٍ قَالَ زَوَّجَنِيْ اَهْلِيْ اَمَةً لَهُمْ رُوْمِيَّةً فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا اَسْوَدَ مِثْلِيْ فَسَمَّيْتُهٗ عَبْدَ اللّٰهِ ثُمَّ وَقَعْتُ عَلَيْهَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا اَسْوَدَ مِثْلِيْ فَسَمَّيْتُهٗ عُبَيْدَ اللّٰهِ ثُمَّ طَبِنَ لَهَا غُلَامٌ لِاَهْلِيْ رُوْمِيٌّ يُقَالُ لَهٗ يُوْحَنَّةُ فَرَاطَنَهَا بِلِسَانِهٖ فَوَلَدَتْ غُلَامًا كَاَنَّهٗ وَزَغَةٌ مِنَ الْوَزَغَاتِ فَقُلْتُ لَهَا مَا هٰذَا قَالَتْ هٰذَا لِيُوْحَنَّةَ فَرَفَعْنَا اِلٰى عُثْمَانَ اَحْسِبُهٗ قَالَ مَهْدِيٌّ قَالَ فَسَاَلَهُمَا فَاعْتَرَفَا فَقَالَ لَهُمَا اَتَرْضَيَانِ اَنْ اَقْضِيَ بَيْنَكُمَا بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى اَنَّ الْوَلَدَ لِلْفِرَاشِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ فَجَلَدَهَا وَجَلَدَهٗ وَكَانَا مَمْلُوْكَيْنِ۔

رباح (کوفی) سے روایت ہے کہ میرے گھر والوں نے ایک رومی لونڈی سے میرا نکاح کیا، میں اس سے مقاربت کی تو اس نے میری مانند ایک سیاہ فام لڑکا جنا جس کا نام میں نے عبداللہ رکھا۔ پھر میں نے اس سے جماع کیا تو اس نے

میری طرح کا ایک سیاہ فام لڑکا جنا جس کا نام میں نے عبید اللہ رکھا، پھر اسے میرے خاندان کے ایک رومی غلام نے بگاڑ دیا جس کا نام یوحنا تھا، پس اس نے اس کے ساتھ اپنی زبان میں بات چیت کی اور اسے اپنی طرف مائل کیا، تو اس نے ایک لڑکا جنا گویا کہ وہ ایک چھپکلی کی مانند تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ لڑکا یوحنا کا ہے۔ پس ہم یہ مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے، میرے خیال میں یہ بات راوی مہدی نے کہی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے اعتراف کر لیا۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی ہو کر میں تمہارا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر ہوا۔ اور میرے خیال میں راوی مہدی نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو کوڑے لگوائے اور وہ دونوں مملوک تھے (مسند احمد)

شرح: اس راوی رباح کو تقریب میں مجہول کہا گیا ہے۔ اس کا پتہ نشان اور نسب وغیرہ نامعلوم ہے گو ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے اور خطابی و منذری بھی ابو داؤد کی مانند اس کے متعلق خاموش ہیں۔

بَابٌ ۳۵ مَنْ اَحَقُّ بِالْوَلَدِ

باب۔ بچے کا زیادہ حقدار کون ہے؟

۲۲۷۶۔ حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ السُّلَمِيُّ نَا الْوَلِيْدُ عَنْ اَبِيْ عَمْرٍو يَعْنِي الْاَوْزَاعِيَّ حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا كَانَ بَطْنِيْ لَهٗ وِعَاءً وَثَدْيِيْ لَهٗ سِقَاءً وَحِجْرِيْ لَهٗ حِوَاءً وَاِنَّ اَبَاهُ طَلَّقَنِيْ وَاَرَادَ اَنْ يَنْتَزِعَهٗ مِنِّيْ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَا لَمْ تَنْكِحِيْ۔

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میرا یہ جو بچہ ہے، میرا پیٹ اس کا غلاف رہا، میرا پستان اس کے پینے کی چیز تھی اور میری گود اس کی حفاظت کرتی تھی۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک تو نکاح نہ کرے تو ہی اسکی زیادہ حق دار ہے۔

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں۔ طلاق کی صورت میں ماں ہی بچے کی حقدار ہے الا یہ کہ وہ اور نکاح کرے۔ اس صورت میں اس کی نانی زیادہ حقدار ہے۔ یہ بچہ بقول صاحب المجمع ابھی سن تمیز کو نہ پہنچا تھا اس لیے حضانت کے لیے ماں کو مقدم فرمایا۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی آئندہ حدیث میں جس بچے کا ذکر ہے وہ بالغ تھا لہٰذا اسے اختیار دیا گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں جب نکاح کرے تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ حسن بصری کے سوا اس مسئلے پر سب اہل علم کا اتفاق ہے اور احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے کہ

جدید نکاح سے ماں کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ بقول شوکانی حضرت عثمان رضؓ سے بھی یہ مروی ہے اور ابن حزم کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی دلیل حضرت ام سلمہ رضؓ کا نکاح ہے کہ حضورؐ کے ساتھ نکاح کے باوجود ابو سلمہ رضؓ کی اولاد انہی کے پاس رہی اور پلی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی اور نے دعویٰ نہ کیا تو اولاد حضرت ام سلمہ رضؓ کے پاس رہی، اس میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ کسی دعویدار کی موجودگی میں بھی ماں کا ہی حق فائق ہو گا۔ شوکانی نے کہا کہ حنفیہ اور ہادویہ کا قول ہے کہ عورت اگر بچے کے کسی محرم سے نکاح کرے تو عورت کا حق حضانت باطل نہیں ہوتا۔ (ابو سلمہ رضؓ کی اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم قرابت دار تھی کیونکہ ابو سلمہ رضؓ حضورؐ کا رضاعی بھائی تھا ابو داؤد کی کتاب النکاح میں یہ قصہ گزر چکا ہے) امام شافعی ؒ نے کہا کہ عورت کا حق بہرحال باطل ہو جائے گا کیونکہ نص مطلق ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں آئی۔ لیکن عبدالرزاق کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بچے کے محرم قرابتدار کے ساتھ نکاح کی صورت میں عورت کا حق باطل نہیں ہوتا۔ وہ حدیث ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کی روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور بولی کہ میرے باپ نے میرا نکاح ایک آدمی سے کیا ہے جسے میں نہیں چاہتی اور اس نے میری اولاد کے چچا کو ترک کیا ہے اور اس نے مجھ سے میرا بچہ چھین لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو بلایا۔ پھر فرمایا: تو جا اور اپنی اولاد کے چچا سے نکاح کر لے۔ مگر یہ حدیث مرسل بھی ہے اور اس میں ایک مجہول راوی بھی ہے، اور اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اس عورت کا خاوند اس کی اولاد کا محرم تھا۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ مُرسل روایت ہمارے نزدیک حجّت ہے لہٰذا اس کا ارسال ہمیں مضر نہیں ہے۔ راوی کی جہالت کا جہاں تک سوال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ راوی ایک کے نزدیک مجہول ہوتا ہے مگر دوسروں کے نزدیک معروف ہوتا ہے۔ تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ اس عورت نے دو باتوں کا دعویٰ کیا تھا، ایک یہ کہ میرے باپ نے میرا نکاح ایسے شخص سے کر دیا ہے جسے میں نہیں چاہتی۔ دوسرا یہ کہ میرے باپ نے میرا نکاح میرے بچے کے چچا سے نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ بچے کا باپ اس وقت موجود نہ تھا۔ اگر وہ موجود ہوتا تو بچے کا چچا اسے ناحق نہ لیتا۔ پہلی بات کا فیصلہ حضورؐ نے یہ کیا کہ اس کا نکاح باطل کر دیا کیونکہ وہ عورت کو ناپسند تھا اور فرمایا کہ تو اپنے بچے کے چچا سے نکاح کرے اور دوسرے دعویٰ کے فیصلہ سے سکوت فرمایا اور سکوت اس بات کی دلیل نہیں کہ حضورؐ نے بچے کے متعلق اس کا حق ساقط فرما دیا تھا۔ اور حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ بچے کے غیر محرم سے عورت نکاح کرے تو اس کا حق حضانت ساقط ہے۔

۲۲۷۷۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَاَبُوْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِيْ زِيَادٌ عَنْ هِلَالِ بْنِ اُسَامَةَ اَنَّ اَبَا مَيْمُوْنَةَ سُلْمٰى مَوْلًى مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ رَجُلًا صِدْقٍ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا جَالِسٌ مَعَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ جَاءَتْهُ اِمْرَاَةٌ فَارِسِيَّةٌ مَعَهَا ابْنٌ لَهَا فَادَّعَيَاهُ وَقَدْ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فَقَالَتْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ

رَطَنَتْ بِالْفَارِسِيَّةِ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اِسْتَهِمَا عَلَيْهِ وَرَطَنَ لَهَا بِذٰلِكَ فَجَاءَ زَوْجُهَا فَقَالَ مَنْ يُحَاقُّنِي فِي وَلَدِي فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اَللّٰهُمَّ إِنِّي لَا أَقُولُ هٰذَا إِلَّا أَنِّي سَمِعْتُ اِمْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا قَاعِدٌ عِنْدَهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي وَقَدْ سَقَانِي مِنْ بِئْرِ أَبِي عِنَبَةَ وَقَدْ نَفَعَنِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَهِمَا عَلَيْهِ فَقَالَ زَوْجُهَا مَنْ يُحَاقُّنِي فِي وَلَدِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا أَبُوكَ وَهٰذِهِ أُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ فَانْطَلَقَتْ بِهِ۔

ابو میمونہ نے کہا کہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پاس ایک فارسی عورت اپنے لڑکے سمیت آئی۔ پس اُس نے اور اس کے خاوند نے بچے کا دعوے کیا اور خاوند اسے طلاق دے چکا تھا۔ وہ عورت بولی اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، اور اس نے فارسی میں کلام کیا، میرا خاوند (یعنی جو پہلے خاوند تھا) میرے بچے کو لے جانا چاہتا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فارسی زبان میں کہا کہ تم اس پہ قرعہ اندازی کر لو۔ اس کا خاوند آگے آکر بولا: میرے بچے میں مجھ سے جھگڑا کرنے والا کون ہے؟ پس ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اے اللہ میں یہ بات صرف اس لیے کہتا ہوں کہ میں نے ایک عورت کا مقدمہ سُنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگی، اور میں اس وقت حضورؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، یا رسول اللہ میرا خاوند میرے بیٹے کو لے جانا چاہتا ہے حالانکہ اس نے مجھے ابو عِنبہ کے کنویں سے پانی پلایا اور مجھے نفع پہنچایا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پہ قرعہ اندازی کر لو۔ پس اس کا خاوند بولا کہ کون ہے جو میرے بیٹے کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تیرا باپ ہے، اور یہ تیری ماں ہے، تو جس کا ہاتھ چاہے پکڑ لے۔ پس اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لے گئی (نسائی، ابن ماجہ، ترمذی)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس عورت نے اپنے کلام سے ظاہر کر دیا تھا کہ بچہ بڑا ہو گیا تھا اور ماں کی خدمت کرتا تھا، ایسے بچے کو اختیار دیا جاتا ہے اور حضورؐ نے جو استہام (قرعہ اندازی) کا ذکر فرمایا تھا اس سے غالباً یہی مراد تھی کیونکہ قرعہ اندازی دو برابر چیزوں میں محض قطع نزاع کے لیے ہوتی ہے۔ یا شاید اس وقت تک حضورؐ کو یہ نہ معلوم تھا کہ بچہ اتنا ممیز ہو چکا ہے کہ وہ ماں کی خدمت کے قابل ہے یا پہلا حکم شاید اجتہاد کی بناء پہ تھا اور دوسرا وحی کی بناء پر۔ بہر حال یہی دوسرا حکم نافذ ہوا۔ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اختصار ہو گیا ہے ورنہ شاید ابوہریرہؓ نے بھی یہ دو ہی فیصلے بتائے ہوں گے۔ چنانچہ حافظ زیلعی نے ابن حبان کی حدیث کا حوالہ دے کر بتایا ہے کہ

ابوہریرہؓ نے اس لڑکے کو اختیار دیا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کے خرد سال بچے کا فیصلہ اس کی ماں کے حق میں کیا تھا اور صحابہ کی موجودگی میں کیا تھا، کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ اختیار بڑے بچے کو ملتا ہے نہ کہ صغیر السن کو۔

۲۲۷۸ - حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ نَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ إِلَى مَكَّةَ فَقَدِمَ بِابْنَةِ حَمْزَةَ فَقَالَ جَعْفَرٌ أَنَا آخُذُهَا أَنَا أَحَقُّ بِهَا ابْنَةُ عَمِّي وَعِنْدِي خَالَتُهَا وَإِنَّمَا الْخَالَةُ أُمٌّ فَقَالَ عَلِيٌّ أَنَا أَحَقُّ بِهَا ابْنَةُ عَمِّي وَعِنْدِي ابْنَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ أَحَقُّ بِهَا فَقَالَ زَيْدٌ أَنَا أَحَقُّ بِهَا أَنَا خَرَجْتُ إِلَيْهَا وَسَافَرْتُ وَقَدِمْتُ بِهَا فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ حَدِيثًا قَالَ وَأَمَّا الْجَارِيَةُ فَأَقْضِي بِهَا لِجَعْفَرٍ تَكُونُ مَعَ خَالَتِهَا وَإِنَّمَا الْخَالَةُ أُمٌّ -

علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ زید بن حارثہؓ مکہ گیا اور حضرت حمزہؓ کی بیٹی کو لایا۔ پس جعفرؓ نے کہا کہ اسے میں لیتا ہوں، میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میرے گھر میں اسکی خالہ ہے اور خالہ ماں کی مانند ہوتی ہے علیؓ نے کہا کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میرے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہے جو اس کی زیادہ حق دار ہے۔ زیدؓ بولا کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، میں مکہ گیا، سفر کیا اور اسے لے کر آیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو علیؓ نے یا کسی اور نے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ لڑکی کا فیصلہ تو میں یہ کرتا ہوں کہ وہ جعفرؓ کے ہاں اپنی خالہ کے پاس رہے گی اور خالہ بھی تو ماں ہی ہے۔ (ترمذی عن البراء بن عازبؓ بخاری ایضاً عن البراءؓ)

شرح: یہ واقعہ عمرۃ القضاء کا ہے جبکہ حضور مر الظہران یا بطن یاجج میں فروکش تھے۔ حمزہؓ کی بیٹی کا نام عُمارہ مشہور تر ہے اسے فاطمہ، اُمامہ، امۃ اللہ، سلمیٰ بھی کہا گیا ہے۔ اس حدیث میں زید بن حارثہؓ کے اُسے لانے کا ذکر ہے اور اگلی حدیث میں آتا ہے کہ اُسے پکڑنے والے علیؓ تھے۔ مزید بحث آگے آتی ہے۔ سفر سے مراد یہاں سفر شرعی نہیں بلکہ مکہ سے مر الظہران تک کا سفر ہے۔ حافظ نے کہا کہ ان تینوں حضرات کا جھگڑا مر الظہران میں پیش آیا تھا۔ اور حضورؐ کے سامنے یہ مقدمہ مدینہ میں پیش ہوا تھا جیسا کہ مسند احمد، مستدرک حاکم اور مغازی ابی الاسود سے ثابت ہے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا جھگڑا تو مر الظہران میں ہوا۔ پھر راستے میں آکر علیؓ نے وہ لڑکی حضرت فاطمہؓ کے سپرد کر دی اور فیصلہ کن اختلاف مدینہ میں ہوا جس کا فیصلہ حضورؐ نے فرمایا تھا۔

۲۲۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسٰى نَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِي فَرْوَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِي لَيْلٰى بِهٰذَا الْخَبَرِ وَلَيْسَ بِتَمَامِهِ قَالَ وَقَضٰى بِهَا لِجَعْفَرٍ لِاَنَّ خَالَتَهَا عِنْدَهٗ۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے یہ حدیث ناتمام روایت کی ہے۔ راوی نے کہا کہ حضور ﷺ نے اس کا فیصلہ جعفر کے حق میں کیا تھا کیونکہ لڑکی کی خالہ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی۔

۲۲۸۰۔ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسٰى اَنَّ اِسْمٰعِيلَ بْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَهُمْ عَنْ اِسْرَائِيلَ عَنْ اَبِي اِسْحَاقَ عَنْ هَانِئٍ وَهُبَيْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا خَرَجْنَا مِنْ مَكَّةَ تَبِعَتْنَا بِنْتُ حَمْزَةَ تُنَادِي يَا عَمِّ يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَاَخَذَ بِيَدِهَا وَقَالَ دُوْنَكِ بِنْتَ عَمِّكِ فَحَمَلَتْهَا فَقَصَّ الْخَبَرَ قَالَ وَقَالَ جَعْفَرٌ اِبْنَةُ عَمِّي وَخَالَتُهَا تَحْتِي فَقَضٰى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَقَالَ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: جب ہم مکہ سے نکلے تو حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی: اے میرے چچا، اے میرے چچا، پکارتی ہوئی ہمارے پیچھے بھاگ آئی، پس علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا اور اس کا ہاتھ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تھما دیا اور کہا: یہ لو اپنے چچا کی بیٹی۔ پس فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے سوار کرا لیا۔ پھر ابواسحاق راوی نے یہ حدیث بیان کی، کہا کہ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ خالہ کے حق میں فرمایا اور فرمایا کہ: خالہ ماں کی مانند ہوتی ہے۔

شرح: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث کے دو راوی ہیں، ایک ہانی بن ہانی دوسرا ہبیرہ ابن یریم شیبانی۔ دونوں کو بعض محدثین نے مجہول کہا ہے اور ہبیرہ کو تو ابن فراش نے ضعیف بھی کہا ہے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے جو چچا کہہ کر پکارا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ حضور ﷺ حمزہ رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ پہلی روایت کے مطابق مکہ سے اسے لانے والا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھا۔ حضور ﷺ کو اس کا علم مدینہ پہنچ کر ہوا تھا جیسا کہ سلیمان تیمی کی مغازی سے حافظ نے نقل کیا ہے۔ پھر جب وہ فرودگاہ میں پہنچی تو یا عم، یا عم پکارتی رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا جیسا کہ ابن سعد کی ایک مرسل روایت میں ہے جو کہ محمد الباقر سے آئی ہے۔ واضح رہے کہ عورتیں یا بچے صلح حدیبیہ کے معاہدے میں مذکور نہ تھے

بَابٌ ۳۶ فِي عِدَّةِ الْمُطَلَّقَةِ

مطلقہ کی عدت کا باب

۲۲۸۱۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ الْبَهْرَانِيُّ ثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُهَاجِرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ بْنِ السَّكَنِ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّهَا طُلِّقَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُطَلَّقَةِ عِدَّةٌ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ حِينَ طُلِّقَتْ أَسْمَاءُ بِالْعِدَّةِ لِلطَّلَاقِ فَكَانَتْ أَوَّلَ مَنْ أُنْزِلَتْ فِيهَا الْعِدَّةُ لِلْمُطَلَّقَاتِ۔

اسماءؓ بنت یزید بن السکن انصاریہ سے روایت ہے کہ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں طلاق ہوگئی اور اس وقت تک طلاق کی عدت نہ تھی، پس جب اسماء کو طلاق ملی تو اللہ تعالیٰ نے عدت کا حکم پہلے پہل اسی کے متعلق اتارا تھا۔

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اسماءؓ مبایعات میں سے تھی، معاذؓ بن جبل کی چچازاد بہن تھی اور عورتوں کے مسائل حضورؐ کی خدمت میں لایا کرتی تھی۔ اس نے جنگ یرموک میں خیمے کی چوب کے ساتھ نو رومی کافر قتل کئے تھے۔ حدیث کی سند میں سلیمان بن عبد الحمید البہرانی جو ابوداؤد کا شیخ بھی ہے، مختلف فیہ ہے۔ نسائی نے اسے کذاب تک کہا ہے اور اس کی ثقاہت کی نفی کی ہے۔ ابن حبان اسے ثقہ بتاتا ہے مگر ساتھ ہی اسے ناصبی ٹھہراتا ہے۔

بَابٌ ۳۷ فِي نَسْخِ مَا اسْتُثْنِيَ بِهِ مِنْ عِدَّةِ الْمُطَلَّقَاتِ

مطلقات کی عدت میں نسخ واستثناء کا باب

۲۲۸۲۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ النَّحْوِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ قَالَ وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ فَنُسِخَ مِنْ ذٰلِكَ وَقَالَ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ: وَالْمُطَلَّقَاتُ الخ "طلاق دی گئی عورتیں اپنے آپ کو تین قروء (حیض) تک روکے رکھیں" اور کہا کہ: وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ الخ "اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہوگئی ہوں، اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے" پس وہ پہلی آیت اس دوسری کے ساتھ منسوخ ہوئی۔ اور ابن عباسؓ نے

کہا کہ: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ الخ "اور اگر تم انہیں چھونے سے قبل طلاق دو تو ان کے ذمہ تمہارے لیے کوئی عدت نہیں جو وہ گزاریں" (نسائی۔ منذری نے اس کے راوی حسین بن واقد کو ضعیف بتایا ہے)

شرح: جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے الفوز الکبیر میں لکھا ہے نسخ کا لفظ وضاحت، کسی شبہے کو دور کرنے، کسی حکم کے ایک جزء کو بدلنے یا ابہام کو دور کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس حدیث میں پہلی آیت سورۂ البقرہ کی ہے (نمبر ۲۲۸) دوسری سورۂ طلاق کی (نمبر ۴) تیسری سورۂ احزاب کی نمبر ۴۹۔ پہلی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے مگر دوسری نے وضاحت کر دی کہ جنہیں حیض نہ آئے، یا بوجہ نابالغی ابھی حیض کی عمر کو نہ پہنچی ہوں ان کی عدت تین ماہ ہے۔ اسے ابن عباس رضؓ نے نسخ کے لفظ سے ظاہر کیا۔ اسی طرح تیسری آیت میں ان مطلقہ عورتوں کا حکم ہے جنہیں خلوت سے پہلے طلاق دی گئی ہو کہ ان کی کوئی عدت نہیں کیونکہ خاوند نے انہیں چھوا تک نہیں۔ گویا سورہ البقرہ کے عموم سے یہ احکام مستثنیٰ ہو گئے ہیں۔

بَابٌ ۳۸ فِي الْمُرَاجَعَةِ

مراجعت کا باب

۲۲۸۳۔ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّبَيْرِ الْعَسْكَرِيُّ نَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا ابْنِ اَبِي زَائِدَةَ عَنْ صَالِحِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَّقَ حَفْصَةَ ثُمَّ رَاجَعَهَا۔

ابن عباس رضؓ نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضؓ کو طلاق دی پھر اس سے رجوع کر لیا (نسائی، ابن ماجہ)

شرح: نسائی کی روایت میں ابن عمر رضؓ کا لفظ ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس میں ابن کا لفظ غلط ہے، کاتب کی غلطی ہے۔ مولانا شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی نے انجاح الحاجہ میں کہا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضؓ کو ایک طلاق دی۔ جب حضرت عمر رضؓ کو پتہ چلا تو انہیں بہت غم ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی کہا گیا کہ حفصہ رضؓ سے رجوع کر لیجئے وہ بڑی روزہ دار ہے اور بڑی نمازی ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہوگی۔ حاکم نے مستدرک میں انس رضؓ کی روایت درج کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضؓ کو طلاق دی تو آپ کو رجوع کا حکم ملا اور آپ نے رجوع کر لیا۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔

بَابٌ ۳۹ فِي نَفَقَةِ الْمَبْتُوتَةِ۔

مبتوتہ کے نفقہ کا باب

۲۲۸۴۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ مَوْلَى الْأَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَنَّ أَبَا عَمْرِو ابْنَ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَهُوَ غَائِبٌ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا وَكِيلُهُ بِشَعِيرٍ فَتَسَخَّطَتْهُ فَقَالَ وَاللَّهِ مَا لَكِ عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ فَجَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَهَا لَيْسَ لَكِ عَلَيْهِ نَفَقَةٌ وَأَمَرَهَا أَنْ تَعْتَدَّ فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيكٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّ تِلْكَ امْرَأَةٌ يَغْشَاهَا أَصْحَابِي اعْتَدِّي فِي بَيْتِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى تَضَعِينَ ثِيَابَكِ وَإِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِينِي قَالَتْ فَلَمَّا حَلَلْتُ ذَكَرْتُ لَهُ أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ وَأَبَا جَهْمٍ خَطَبَانِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوكٌ لَا مَالَ لَهُ انْكِحِي أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ قَالَتْ فَكَرِهْتُهُ ثُمَّ قَالَ انْكِحِي أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَنَكَحْتُهُ فَجَعَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ خَيْرًا وَاغْتَبَطْتُ۔

فاطمہ بنت قیس رضی سے روایت ہے کہ ابوعمرو رضی بن حفص نے اسے طلاقِ بتّہ دے دی جبکہ وہ گھر سے غائب تھا۔ اس کے وکیل نے فاطمہ رضی کو جَو بھیجے تو فاطمہ رضی سخت ناراض ہوئی، وکیل نے کہا واللہ میرے ذمہ تمہارا کچھ نہیں آتا۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپؐ سے یہ بیان کیا تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ اس کے ذمہ تیرا کوئی نفقہ نہیں تو آپؐ نے اسے امّ شریک رضی کے گھر میں عدت گزارنے کو فرمایا۔ پھر فرمایا کہ وہ ایک ایسی عورت ہے جس کے گھر میرے اصحاب آتے جاتے رہتے ہیں۔ تو ابن امّ مکتوم رضی کے گھر میں عدت گزارے، وہ ایک اندھا شخص ہے، تو وہاں کپڑے وغیرہ اتار سکتی ہے۔ اور جب تو حلال ہو جائے تو مجھے بتانا۔ فاطمہ رضی نے کہا کہ جب میری عدت گزر گئی تو میں نے آپ کو بتایا۔ کہ معاویہ رضی بن ابی سفیان اور ابوجہم رضی نے مجھے پیغام نکاح بھیجا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوجہم رضی تو اپنا ڈنڈا اپنے کندے سے نہیں اتارتا اور معاویہ رضی مفلس شخص ہے۔ اس کے پاس کوئی مال نہیں، اسامہ بن زید رضی سے نکاح کرے۔ فاطمہ رضی نے کہا کہ میں نے اس بات کو پسند نہ کیا تو آپؐ نے دوبارہ فرمایا کہ تو اسامہ بن زید رضی کے ساتھ نکاح کرے۔ پس میں نے اس سے نکاح کر لیا پس اللہ تعالٰے نے اس میں خیر و برکت دی اور مجھ پر رشک کیا گیا۔ (مسلم اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا)

شرح: مبتوتہ کا لفظ بتّ سے نکلا ہے، یعنی جسے طلاقِ البتّہ ہو جائے۔ اور یہ طلاق بائن اور ثلاثہ ہر دو کو مشتمل

ہے۔ وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بتہ کونسی ہے۔ فاطمہ بنت قیس رضہ مہاجرات میں سے تھی، ضحاک بن قیس رضہ کی بڑی بہن تھی، صاحب عقل و جمال تھی۔ حضرت عمر رضہ کی شہادت کے بعد اسی کے گھر میں اصحاب شوریٰ کا اجتماع ہوا تھا۔ یہاں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خاوند نے طلاق سفر میں دی تھی (وہ حضرت علی رضہ کے ساتھ یمن کو روانہ ہوا تھا) طحاوی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طلاق دے کر یمن گیا تھا۔ مسلم کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس نے دو طلاقیں مدینہ میں دی تھیں اور تیسری یمن سے بھیجی تھی۔ ابو عمرو بن حفص رضہ کا وکیل عیاش بن ابی ربیعہ تھا اور دوسرا وکیل حارث بن ہشام رضہ تھا۔ اُم شریک انصاریہ بہت مال دار عورت تھی اور اس کے ہاں اکثر مہمان آتے رہتے تھے۔ ابوجہم رضہ اپنی عورتوں پر سختی کرنے میں مشہور تھا، تاجر آدمی تھا اور کثیر الاسفار تھا۔ ڈنڈا کندھے سے نہ اتارنے کے دونوں معنے ہو سکتے ہیں۔ فاطمہ بہت صاحب عقل و جمال تھی اور اُسامہ رضہ سیاہ فام تھا۔ لہٰذا پہلے اس نے طبعًا اسے ناپسند کیا اور پھر حضور ﷺ کے حکم سے نکاح کر لیا۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ مبتوتہ کو نفقہ اور رہائش نہیں ملتی۔ اور یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس حدیث کی زیر نظر روایت میں واضح طور پر آگیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اُس کے ذمہ تیرا کوئی نفقہ نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مبتوتہ کو نفقہ اور رہائش نہیں ملتی مثلاً احمد، اسحاق، ابو ثور، داؤد اور ان کے متبعین۔ بعض نے کہا کہ اس کو نفقہ نہیں ملتا مگر رہائش ملتی ہے اور وہ شافعی رح اور جمہور کا قول ہے۔ اور ان کی دلیل اثبات رہائش کے لیے یہ ہے: وَاَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ الخ "تم انہیں وہاں ٹھہراؤ جہاں حسب توفیق خود ٹھہرتے ہو" اور نفقہ کے اسقاط کے لیے انہوں نے اللہ تعالےٰ کے اس قول کے مفہوم سے استدلال کیا ہے: فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ "انہیں وضع حمل تک نفقہ دو" گویا اس کا مفہوم یہ ہوا کہ غیر حاملہ کے لیے نفقہ نہیں ہے۔ ورنہ . . . . خاص طور پر حاملہ کا ذکر کرنے کی وجہ کوئی نہ تھی۔ اور سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم غیر رجعی طلاق والی میں ہے کیونکہ رجعی طلاق والی کا نفقہ تو واجب ہے گو وہ حاملہ نہ ہو۔ اور عمر بن الخطاب رضہ، عبداللہ بن مسعود رضہ، عمر بن عبدالعزیز رح، سفیان ثوری، فقہائے کوفہ خواہ حنفی ہوں یا غیر حنفی اس طرف گئے ہیں کہ مبتوتہ کے لیے نفقہ و سکنیٰ دونوں واجب ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے: يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ الخ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ الخ آیت کا آخری حصہ جس میں عورتوں کو گھروں سے نکالنے کی ممانعت ہے نفقہ اور رہائش کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ البحر میں احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ یہ عورت نفقہ کی حقدار ہے رہائش کی نہیں۔ اور نفقہ کے وجوب پر انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ الخ اور اس آیت سے بھی کہ: لَا تُضَآرُّوْهُنَّ۔ اور عقلی دلیل یہ دی ہے کہ بائن طلاق والی خاوند کے سبب سے محبوس ہے۔ اور جنہوں نے کہا کہ رہائش واجب نہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے: وَاَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ الخ اس میں اس عورت کا وہاں رہنا واجب ہے جہاں خاوند ہو اور یہ بائن طلاق میں نہیں ہوتا۔

فاطمہ بنت قیس رضہ کی حدیث سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے رد کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ہم اپنے اللہ کی کتاب کو اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے قول پر نہیں چھوڑتے، کیا پتہ اسے بات یاد

رہی یا بھول گئی۔ اور اُسامہؓ بن زیدؓ نے بھی اس کا انکار کیا تھا جب فاطمہؓ یہ بات بیان کرتی تو وہ جو کچھ ہاتھ میں ہوتا اس پر پھینک دیتا تھا۔ اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ: فاطمہؓ کے لیے بہتر ہے کہ یہ حدیث بیان نہ کیا کرے یعنی اس کا یہ قول کہ مبتوتہ کے لیے نفقہ اور رہائش نہیں۔ طحاوی نے یہ اقوال نقل کئے ہیں۔ پھر روایت کیا کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے کہا: لوگ فاطمہؓ پر اس حدیث کی روایت کے باعث نکیر کرتے تھے، نیز یہ کہ نکاح حلال ہونے کے قبل اُس کا گھر سے خروج جو وہ بیان کرتی تھی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی جماعت کی موجودگی اس کا انکار کیا اور کسی نے کچھ بھی نہ کہا، اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں سب اصحاب کا یہی مذہب تھا۔

اس مسئلے میں بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ خاوند پر اپنی زوجہ کا نفقہ واجب ہے۔ اس کے وجوب پر کتاب وسنت کے دلائل موجود ہیں اور اجماع اور عقل واستدلال کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کتاب اللہ کا حکم یہ ہے۔ اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِنْ وُّجْدِکُمْ یعنی اپنی قدرت واستطاعت کے موافق انہیں سکونت دو جیسی کہ خود تمہاری ہے۔ اور جب سکونت کا حکم ثابت ہے تو نفقے کا از خود ثابت ہوگیا۔ کیونکہ عورت نفقہ حاصل کرنے کے لیے باہر نکلنے اور اکتساب پر مجبور ہوگی۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں یہاں نفقہ کا لفظ موجود ہے: وَ اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ وُّجْدِکُمْ وَ اَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ مِنْ وُّجْدِکُمْ اور یہ نص ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ "انہیں تنگ کرنے کی خاطر مت ستاؤ" یعنی انہیں نفقہ کی تنگی میں مبتلا مت کرو اور نہ انہیں دُکھ دے کر نکالنے کی کوشش کرو۔ وہ اس طرح کہ اس حالت میں اطلاع دیئے بغیر، اجازت کے حصول کے بغیر اندر چلے جاؤ تو وہ تنگ ہوں اور رہائش نہ پا کر گھر سے نکل جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: وَ اِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے: وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مہر اور نفقہ ہے۔

سُنت کے احکام اس کے متعلق یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَ لَهُنَّ عَلَیْکُمْ رِزْقُهُنَّ وَکِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی تم پر عورتوں کا خرچ اور لباس حسبِ معمول واجب ہے۔ یا ایک جگہ یہ آیا ہے کہ: جب خود خاوند کھائے تو اُسے بھی کھلائے اور جب خود پہنے تو اُسے بھی پہنائے۔ اور حضورؐ نے ابو سفیانؓ کی بیوی ہندؓ سے فرمایا تھا کہ: ابو سفیانؓ کے مال سے اتنا لے لیا کرو جتنا تمہارے لیے اور تمہارے بچوں کے لیے حسبِ رواج کافی ہو۔ اگر نفقہ واجب نہ ہوتا تو حضورؐ اسے بلا اذن لینے کا حکم نہ دیتے۔ اور اس مسئلے پر اُمت کا اجماع بھی ہے کہ عورت کا نفقہ و رہائش واجب ہے۔ اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ عورت خاوند کے حق میں اس کی خاطر محبوس ہوتی ہے۔ وہ خود اکتساب نہیں کر سکتی، پس اگر خاوند نان ونفقہ نہ دے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گی اور عورت کی محبوسیت کا نفع مرد کی طرف عائد ہوتا ہے لہذا اس کی کفایت بھی اُس پر واجب ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا: اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ "خرچ ذمہ داری کی وجہ سے ہے" اور یہی دلیل اس امر کی ہے کہ قاضی کا رزق بیت المال پر رکھا گیا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کے حق میں محبوس ہے اور خود کسب سے معذور ہے اس کا نفقہ بیت المال پر آیا جو مسلمانوں کا مال ہے۔

اس نفقہ کے وجوب کے سبب میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہمارے علمائے حنفیہ کا قول ہے کہ نکاح کے باعث خاوند کی طرف سے عورت پر جو حبس ثابت ہوا ہے یہ نفقہ اُسی کے باعث ہے۔ امام شافعی رح نے اس کا باعث زوجیت کو قرار دیا۔ اور علماء نے یہ بھی کہا کہ چونکہ خاوند کا ملکِ نکاح اس پر ثابت ہے لہذا یہ نفقہ واجب ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کا سبب مرد کی قوامیت ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ الخ اس میں مرد کے قوام اور گھر بار کا منتظم ہونے کے باعث اس کے ذمہ نفقہ واجب کیا گیا ہے۔ اور قوامیت نکاح سے ثابت ہوتی ہے لہذا وجوب نفقہ کا باعث نکاح ہوا۔ مملوک پر مالک کا جو حقِ ملک ہے اس کے باعث مملوک کی اصلاح و انتظام مالک کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے۔ پس خاوند کے لیے عورت پر جو حق حبس ثابت ہے نفقہ کا وجوب اسی کے باعث ہے۔

یہ آیات و احادیث گو زوجہ کے متعلق ہیں مگر مطلقہ معتدہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ وہ جب تک اس کی عدت میں ہے من وجہ اسی کے حق میں ہے لہذا جس طرح اس سے قبل نفقہ و رہائش کی حقدار تھی اب بھی ہے۔ بلکہ عدت میں یہ تو حق اور بھی زیادہ ہو گیا ہے کیونکہ شرع نے اس کا حق حبس عدت کے ذریعے سے لازم ٹھہرا دیا ہے۔ پس رجعی طلاق کی صورت میں تو اسے نفقہ و سکنیٰ کا حق ملتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ رجوع کے حق کے باعث ابھی نکاح قائم ہے۔ پس قبل الطلاق والا حال قائم ہے۔ اگر طلاق ثلاثہ ہو یا بائن ہو اور عورت حاملہ ہو تب بھی نفقہ اور سکنیٰ کا حق بالاجماع ثابت ہے اور اس کی دلیل آیت قرآنی ہے: وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ غیر حاملہ کی صورت میں شافعی کے نزدیک صرف رہائش واجب ہے نفقہ نہیں۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ نہ نفقہ واجب رہا نہ سکنیٰ کیونکہ آیت نے نفقہ کا وجوب صرف حاملہ کے لیے ٹھہرایا ہے، غیر حاملہ اس میں داخل نہیں۔ اور انہوں نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ اور عقلی دلیل یہ دی ہے کہ نفقہ وغیرہ ملک کے باعث ہے، جب ملک نہ رہا یعنی طلاق ثلاثہ یا طلاق بائن کے باعث تو اس کی فرع بھی باطل ہوئی۔ مگر شافعیؒ نے کہا کہ حاملہ کی صورت میں میں نے رہائش کا وجوب نص سے جانا ہے جو بائن کی صورت میں نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل قرآنی آیت ہے: وَاَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں ہے: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ وَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ مِنْ وُّجْدِكُمْ۔ دونوں قرأتوں میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ دوسری قرأت پہلی کی تفسیر ہے جیسا کہ: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا میں عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت ہے: فَاقْطَعُوْا اَيْمَانَهُمَا۔ اور یہ اختلاف قرأت نہیں بلکہ اس کی قرأت ظاہر قرأت کی تفسیر ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اسکان کا حکم دیا تو نفقہ خود اس میں داخل ہو گیا، کیونکہ عورت جب گھر میں بند ہو گی، خروج سے ممنوع ہو گی نفقہ کمانے کی قدرت نہ رکھے گی تو اس کا نفقہ اگر خاوند پر نہیں تو کس پر ہو گا۔ وہ تو اس طرح ہلاک ہو جائے گی۔ یہ بات قرآن کی آیات اور سنت کے خلاف ہے۔ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ۔ اور: وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰىهُ اللّٰهُ۔ اس میں بعد از طلاق یا قبل از طلاق کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ قبل از طلاق بھی نفقہ و رہائش حبس کے باعث

ہے کہ عورت خاوند کے حق میں اس کی خاطر گھر میں پڑی ہے۔ یہ چیز بعداز طلاق باقی ہے بلکہ اور بھی مؤکد ہوگئی ہے قبل از طلاق کا حبس تو صرف خاوند کی خاطر تھا اور بعداز طلاق والا حبس تو بحق شرع ثابت ہو چکا۔ پس اس دوسری صورت میں نفقہ اور سکنیٰ کا وجوب پہلی حالت کی نسبت زیادہ مؤکد ہوا۔ اور آیت میں حاملہ کے لیے تو نفقہ وغیرہ صراحۃً واجب ہے مگر غیر حاملہ سے آیت نفیاً و اثباتاً ساکت ہے، اور جب غیر حاملہ کے لیے بھی دلیل قائم ہے تو وہ بھی اس حکم میں داخل ہوگئی۔

حدیث فاطمہ بنت قیسؓ کے متعلق حضرت عمرؓ کا جو قول اوپر گزرا کہ ہم ایک عورت کے قول پر کتاب وسنت کو نہیں چھوڑ سکتے، شاید حضرت عمرؓ کی قرأت بھی عبداللہؓ جیسی تھی۔ یا انہوں نے یہ آیت مراد لی: لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ۔ اور سنت سے ان کی راہ وہ حدیث ہے جو خود عمرؓ سے ہی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا: اُس عورت کے لیے نفقہ اور سکنیٰ ہے۔ اور فاطمہ بنت قیسؓ کو سکنیٰ نہ دیئے جانے کا شاید یہ تھا کہ کہا گیا ہے وہ خاوند کے گھر والوں پر زبان درازی کرتی تھی لہٰذا حضورؐ نے اسے وہاں سے ابن ام مکتومؓ کے ہاں منتقل ہونے کا مشورہ دیا۔ اور اسے نفقہ بھی نہ دیا کیونکہ وہ گویا ناشزہ (خاوند سے فراری) تھی اور ایسی عورت کو نفقہ وغیرہ نہیں دیا جاتا۔

۲۲۸۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ حَدَّثَتْهُ أَنَّ أَبَا حَفْصِ بْنَ الْمُغِيرَةِ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَسَاقَ الْحَدِيثَ فِيهِ وَأَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَنَفَرًا مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا نَبِيَّ اللهِ إِنَّ أَبَا حَفْصِ بْنَ الْمُغِيرَةِ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا وَإِنَّهُ تَرَكَ لَهَا نَفَقَةً يَسِيرَةً فَقَالَ لَا نَفَقَةَ لَهَا وَسَاقَ الْحَدِيثَ وَحَدِيثُ مَالِكٍ أَتَمُّ۔

فاطمہ بنت قیسؓ نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو بتایا کہ ابوحفصؓ بن المغیرہ نے اسے طلاق ثلاثہ دے دی الخ اور اس حدیث میں یہ ہے کہ خالد بن الولیدؓ اور بنی مخزوم کے کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اے نبی اللہ، ابوحفص بن المغیرہؓ نے اپنی عورت کو طلاق ثلاثہ دی ہے اور اس کے لیے تھوڑا سا نفقہ چھوڑ گیا ہے تو آپؐ نے فرمایا: اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں الخ اور پہلی مالک کی حدیث زیادہ مفصل ہے (ابوحفصؓ طلاق دہندہ ان آنے والوں کی برادری کا آدمی تھا۔ ان کے آنے کا باعث یہی تھا) مسلم، ترمذی، نسائی۔

۲۲۸۶۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ نَا الْوَلِيدُ نَا أَبُو عَمْرٍو عَنْ يَحْيَى حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ أَنَّ أَبَا عَمْرِو بْنِ حَفْصٍ الْمَخْزُومِيَّ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَسَاقَ الْحَدِيثَ وَخَبَرَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتْ لَهَا نَفَقَةٌ وَلَا مَسْكَنٌ قَالَ فِيهِ وَأَرْسَلَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَسْبِقِينِي بِنَفْسِكِ۔

وہی حدیث ابوسلمہ سے دوسری سند سے مروی ہے کہ ابوعمرو بن حفص مخزومی نے فاطمہ بنت قیس رض کو طلاق ثلاثہ دی الخ اس میں ہے کہ خالد بن الولید رض نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے کوئی نفقہ اور مسکن نہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیغام بھیجا کہ اپنا فیصلہ کرنے میں مجھ سے جلدی نہ کرنا (یعنی عدت کے بعد مشورہ کر لینا)

۲۲۸۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَهُمْ نَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَمْرٍو عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ فَطَلَّقَنِي الْبَتَّةَ ثُمَّ سَاقَ نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ قَالَ فِيهِ وَلَا تُفَوِّتِينِي بِنَفْسِكِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ كَذَلِكَ رَوَاهُ الشَّعْبِيُّ وَالْبَهِيُّ وَعَطَاءٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَاصِمٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي الْجَهْمِ كُلُّهُمْ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا۔

ابوسلمہ نے فاطمہ بنت قیس رض سے روایت کی، اس نے کہا کہ میں ایک مخزومی کے نکاح میں تھی اور اس نے مجھے طلاق البتہ دے دی۔ پھر راوی محمد بن عمرو نے مالک کی حدیث کی مانند بیان کی۔ اس میں حضور ص کا یہ قول نقل کیا کہ اپنے متعلق مجھ سے بالا بالا فیصلہ کر لینا۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح شعبی اور بہی اور عطاء نے عبدالرحمن بن عاصم سے روایت کی اور ابوبکر بن ابی الجہم نے بھی، کہ انہوں نے فاطمہ بنت قیس رض سے نقل کیا کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاقیں دے دی تھیں۔

۲۲۸۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ نَا سُفْيَانُ نَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَلَمْ يَجْعَلْ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَقَةً وَلَا سُكْنَى

شعبی نے فاطمہ بنت قیس رض سے روایت کی کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاق دے دی تھیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے نہ نفقہ کا حکم دیا نہ مسکن کا۔

۲۲۸۹۔ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الرَّمْلِيُّ نَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ أَبِي حَفْصِ بْنِ الْمُغِيرَةِ وَأَنَّ أَبَا حَفْصِ بْنَ الْمُغِيرَةِ طَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ فَزَعَمَتْ أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْهُ فِي خُرُوجِهَا مِنْ بَيْتِهَا فَأَمَرَهَا أَنْ تَنْتَقِلَ إِلَى ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ الْأَعْمَى فَأَبَى مَرْوَانُ أَنْ يُصَدِّقَ حَدِيثَ فَاطِمَةَ فِي خُرُوجِ الْمُطَلَّقَةِ مِنْ بَيْتِهَا قَالَ عُرْوَةُ أَنْكَرَتْ عَائِشَةُ عَلَى فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَلِكَ رَوَاهُ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ وَابْنُ جُرَيْجٍ وَشُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ وَاسْمُ أَبِي حَمْزَةَ دِينَارٌ وَهُوَ مَوْلَى زِيَادٍ۔

ابوسلمہ نے فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت کی کہ فاطمہؓ نے اسے بتایا کہ وہ ابوحفصؓ بن مغیرہ کے نکاح میں تھی، پس اس نے اسے تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دے دی۔ اس نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور اپنے (پہلے) گھر سے خروج کا مسئلہ دریافت کیا تو حضورؐ نے اسے حکم دیا کہ وہ نابینا صحابی ابن ام مکتومؓ کے ہاں منتقل ہو جائے۔ پس مروان نے فاطمہؓ کی حدیث کا اس بنا پر انکار کیا کہ اس میں مطلقہ کے اپنے گھر سے خروج کا ذکر ہے۔ عروہ نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہؓ بنت قیس پر نکیر فرمائی تھی۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح صالح بن کیسان نے اور ابن جریج اور شعیب بن ابی حمزہ سب نے زہری سے روایت کی ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ شعیب بن ابی حمزہ کے باپ ابوحمزہ کا نام دینار تھا اور وہ زیاد کا مولیٰ تھا (مسلم، نسائی، دارقطنی) مروان کے انکار کا باعث یہ آیت ہے: لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ

۲۲۹۰۔ حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ أَرْسَلَ مَرْوَانُ إِلَى فَاطِمَةَ فَسَأَلَهَا فَأَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ أَبِي حَفْصٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّرَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ يَعْنِي عَلَى بَعْضِ الْيَمَنِ فَخَرَجَ مَعَهُ زَوْجُهَا فَبَعَثَ إِلَيْهَا بِتَطْلِيقَةٍ كَانَتْ بَقِيَتْ لَهَا وَأَمَرَ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَالْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ أَنْ يُنْفِقَا عَلَيْهَا فَقَالَا وَاللَّهِ مَا لَهَا

نَفَقَةٌ إِلَّا أَنْ تَكُونَ حَامِلًا فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا نَفَقَةَ لَكِ إِلَّا أَنْ تَكُونِي حَامِلًا وَاسْتَأْذَنَتْهُ فِي الِانْتِقَالِ فَأَذِنَ لَهَا فَقَالَتْ أَيْنَ أَنْتَقِلُ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ وَكَانَ أَعْمَى تَضَعُ ثِيَابَهَا عِنْدَهُ وَلَا يُبْصِرُهَا فَلَمْ تَزَلْ هُنَاكَ حَتَّى مَضَتْ عِدَّتُهَا فَأَنْكَحَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسَامَةَ فَرَجَعَ قَبِيصَةُ إِلَى مَرْوَانَ فَأَخْبَرَهُ ذَلِكَ فَقَالَ مَرْوَانُ لَمْ نَسْمَعْ هَذَا الْحَدِيثَ إِلَّا مِنَ امْرَأَةٍ فَسَنَأْخُذُ بِالْعِصْمَةِ الَّتِي وَجَدْنَا النَّاسَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ فَاطِمَةُ حِينَ بَلَغَهَا ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللهِ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ حَتَّى لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا قَالَتْ فَأَيُّ أَمْرٍ يُحْدِثُ بَعْدَ الثَّلَاثِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَلِكَ رَوَاهُ يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَأَمَّا الزُّبَيْدِيُّ فَرَوَى الْحَدِيثَيْنِ جَمِيعًا حَدِيثَ عُبَيْدِ اللهِ بِمَعْنَى مَعْمَرٍ وَحَدِيثَ أَبِي سَلَمَةَ بِمَعْنَى عُقَيْلٍ وَرَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ قَبِيصَةَ بْنَ ذُؤَيْبٍ حَدَّثَهُ بِمَعْنًى دَلَّ عَلَى خَبَرِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ حِينَ قَالَ فَرَجَعَ قَبِيصَةُ إِلَى مَرْوَانَ فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ۔

عبیداللہ نے کہا کہ مروان نے فاطمہ بنت قیسؓ کو آدمی بھیج کر (یہ قبیصہ بن ذؤیب تھا) معلوم کرایا اس نے بتایا کہ وہ ابوحفص کے نکاح میں تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالبؓ کو یمن کے ایک حصے کا امیر بنایا تھا اور اس کا خاوند بھی علیؓ کے ساتھ چلا گیا اور اس کی ایک طلاق جو باقی تھی وہ اس نے اسے بھیج دی اور عیاشؓ بن ابی ربیعہ اور حارث بن ہشامؓ کو حکم دیا کہ اس کا نفقہ ادا کریں۔ پس ان دونوں نے کہا واللہ اس کا کوئی نفقہ نہیں سوائے اس صورت کے کہ وہ حاملہ ہو۔ پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپؐ نے فرمایا کہ حاملہ ہونے کی صورت میں تو نفقہ ہے ورنہ نہیں۔ اور فاطمہؓ نے حضورؐ سے گھر سے انتقال کی اجازت مانگی تو آپؐ نے اجازت دے دی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میں کہاں منتقل ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن ام مکتومؓ کے پاس، اور وہ نابینا تھا، وہ اس کے ہاں (سر کے) کپڑے وغیرہ اتار سکتی تھی اور وہ نہ دیکھ سکتا تھا، پس وہ وہیں رہی حتیٰ کہ اس کی عدت گزر گئی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح اسامہؓ سے کر دیا۔ پس قبیصہ مروان کے پاس واپس آیا اور اسے

یہ خبر سنا دی۔ پس مروان نے کہا کہ ہم نے یہ حدیث صرف ایک عورت سے سنی ہے لہٰذا ہم تو اسی قوی مسئلے کو لیں گے جس پر لوگوں کو پایا ہے۔ جب فاطمہ رضؓ کو یہ بات پہنچی تو اس نے کہا میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کن اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ..... لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔ فاطمہ رضؓ نے کہا کہ تین طلاق کے بعد اور نئی چیز کیا پیدا ہو سکتی ہے؟ ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح اسے یونس نے زہری سے روایت کیا ہے۔ لیکن زبیدی نے دونوں حدیثیں روایت کیں۔ یعنی عبید اللہ کی حدیث معمر اور ابوسلمہ کی حدیث بمعنی عقیل۔ اور اسے محمد بن اسحاق نے زہری سے روایت کیا کہ قبیصہ بن ذؤیب نے اس طرح کی حدیث بتائی جو عبید اللہ بن عبداللہ کی حدیث پر دلالت کرتی ہے یعنی یہ کہ قبیصہ نے واپس آکر مروان کو یہ واقعہ سنا دیا (اصل حدیث مسلم میں بھی ہے۔ ابو مسعود دمشقی نے اس حدیث کو مرسل کہا ہے۔)

شرح: فاطمہ رضؓ نے جو آیت پیش کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے نزدیک یہ آیت بائن مطلقہ کو شامل نہیں ہے۔ یہ طلاق رجعی کے بارے میں ہے کیونکہ جس امر کی امید ہو سکتی ہے وہ رجوع ہے اور تین طلاق کے بعد رجوع ختم ہو جاتا ہے۔ فاطمہ رضؓ کی اس تفسیر کے موافق قتادہ، حسن بصری اور ضحاک کا قول ہے۔ اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ امر سے مراد نسخ یا تخصیص و استثناء ہے۔ اس حدیث کی کئی باتیں گزشتہ احادیث کے خلاف ہیں۔ مثلاً جب یہ بات طے شدہ تھی کہ حضور ؐ نے خود فاطمہ رضؓ فرما دیا ہے کہ اسے کوئی نفقہ نہیں ملے گا تو پھر گزشتہ احادیث کے مطابق خالد رضؓ بن الولید بعض بنی مخزوم کو ساتھ لے کر حضور ؐ سے کیا پوچھنے گئے تھے؟ اور ان کے اس قول کی کیا ضرورت تھی کہ فاطمہ رضؓ کا خاوند اس کے لیے تھوڑا سا نفقہ چھوڑ کر گیا ہے؟

مروان چونکہ جانتا تھا کہ یہ قصہ کئی لوگوں کے سامنے گزرا تھا مگر اس کی روایت صرف ایک عورت کرتی ہے حالانکہ بہت سوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سنا ہوگا۔ پھر اس نے دیکھا کہ سب لوگوں کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے تو اس نے خیال کیا کہ یہ صحابہ کے اجماع کے خلاف ہے اس لیے اس نے یہ کہنے کی جرات کی کہ ایک سنت متواترہ کو ہم ایک عورت کے قول سے نہیں چھوڑ سکتے۔ اور پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی اسی قسم کا ایک قول گزر چکا ہے۔

بَابُ مَنْ اَنْكَرَ ذٰلِكَ عَلٰى فَاطِمَةَ

جن لوگوں نے فاطمہ رضؓ پر اس بارے میں نکیر کی

۲۲۹۱۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ اَحْمَدَ نَا عَمَّارُ بْنُ رُزَيْقٍ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ مَعَ الْاَسْوَدِ فَقَالَ اَتَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ مَا كُنَّا لِنَدَعَ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ امْرَاَةٍ لَا نَدْرِيْ اَحَفِظَتْ اَمْ لَا۔

الاسود نے کہا کہ فاطمہ بنت قیسؓ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو انہوں نے کہا: ہم ایسے نہیں ہیں کہ اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی خاطر چھوڑ دیں ہم نہیں جانتے کہ اس نے بات یاد رکھی کہ بھول گئی (مسلم، ترمذی، نسائی)

شرح: یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے۔ طحاوی نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے کہ جامع مسجد میں شعبی نے فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث بیان کی تو الاسود نے اس پر کنکریاں پھینکیں اور کہا: تیرا برا ہو اس قسم کی بات مت بیان کر۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب اسے بیان کیا گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ ہم اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول سے ترک کرنے والے نہیں ہیں، معلوم نہیں اس نے شاید غلط بیانی کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انہیں گھروں سے مت نکالو نہ وہ خود باہر نکلیں۔ طحاوی نے اسی قسم کی روایت ابراہیم نخعی کے حوالے سے بیان کی کہ یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ ہم اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کے باعث نہیں چھوڑ سکتے، ایسی مطلقہ کے لئے نفقہ بھی ہے اور مسکن بھی، پھر ابراہیم نخعی سے روایت کی کہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور مسکن واجب قرار دیتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ سے ایک اور سند سے روایت بیان کی جس کی جس کے آخر میں ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا کہ اس کے لیے نفقہ اور مسکن ہے۔ اور یہ حدیث فاطمہؓ کی حدیث کے برخلاف نص صریح ہے۔ حافظ ابن القیم نے بڑے زور شور سے اس حدیث کو رد کیا ہے مگر تعجب ہے کہ انہوں نے ایک معتبر ثابت شدہ مرفوع حدیث کا یوں رد کیا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا فعل حرام ہے اسی طرح ایک ثابت شدہ صحیح مرفوع حدیث کا رد محض فرقہ داری، جانب داری اور تعصب کے باعث فعل حرام ہے۔ اس حدیث میں کوئی قدح نہیں، سوائے اس کے کہ نخعی عن عمرؓ کے باعث منقطع ہے۔ لیکن نخعی سے مراد اگر الاسود النخعی ہے (کہ وہ بھی نخعی ہے) تو اس میں کوئی انقطاع نہیں ہے۔ جیساکہ طبقات الرجال جاننے والوں پر واضح ہے۔ الاسود کی روایات صحابہ سے مشہور ہیں وہ ام المؤمنین عائشہؓ سے بھی روایت کرتا ہے۔ اور طحاوی کی بیان کردہ ابواسحاق سبیعی کی حدیث اس پر دلالت کہ الاسود نے یہ حدیث خود جناب عمر رضی اللہ عنہ سے سُنی۔ شعبی نے فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث بیان کی تو الاسود نے حدیث عمر بن الخطابؓ سے اس کا رد کیا۔ اور نخعی سے مراد اگر ابراہیم ہے تو گو اس نے عمرؓ کو نہیں پایا مگر بقول ابن معین اس کی مراسیل دو کے سوا سب صحیح ہیں۔ اور یہ حدیث ان دو میں سے نہیں ہے۔ التمہید میں ہے کہ نخعی (ابراہیم نخعی) کی مراسیل اس کی مسانید سے بھی قوی تر ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ ابراہیم کی مراسیل ابن مسعودؓ سے اور حضرت عمرؓ سے ہیں اور سب صحیح ہیں۔ یحیی القطان وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے۔ حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ بقول حافظ علائی ابراہیم نخعی اکثر ارسال کرتا ہے اور ائمہ کی ایک جماعت نے اس کی مراسیل کی تصحیح کی ہے۔ پس یہ روایت اگر ابراہیم نخعی کی ہے تو مرسل ہے اور ائمہ کے نزدیک صحیح ہے اس سے ابن القیم کی تکذیب غلط ثابت ہو گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان کے نزدیک مبتوتہ کے نفقہ و

مسکن کا مسئلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھا اس لیے وہ اس کے خلاف کوئی بات کسی سے سننے کو تیار نہ ہوئے۔

۲۲۹۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَقَدْ عَابَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَشَدَّ الْعَيْبِ يَعْنِي حَدِيثَ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ وَقَالَتْ إِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ فِي مَكَانٍ وَحْشٍ فَخِيفَ عَلَى نَاحِيَتِهَا فَلِذٰلِكَ رَخَّصَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عروہ کا بیان ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث پر شدید عیب لگایا اور فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک خالی خولی غیر مسکون جگہ میں رہتی تھی اس وجہ سے خطرہ تھا، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مکان چھوڑنے کی رخصت دی (ابن ماجہ اور بخاری تعلیقاً) ایک سبب یہ بھی پیچھے گزرا کہ وہ ذرا تیز زبان عورت تھی۔ دونوں اسباب میں کوئی اختلاف نہیں۔

۲۲۹۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ قِيلَ لِعَائِشَةَ أَلَمْ تَرَيْ إِلَى قَوْلِ فَاطِمَةَ قَالَتْ أَمَا إِنَّهُ لَا خَيْرَ لَهَا فِي ذِكْرِ ذٰلِكَ۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا: کیا آپ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قول معلوم نہیں ہوا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ وہ اس کا ذکر نہ کیا کرے، اس کے ذکر میں کوئی بھلائی نہیں (بخاری و مسلم) یعنی مبادا لوگ اس کے باعث غلطی میں پڑ جائیں اور مطلقات گھروں سے نکل کھڑی ہوں۔

۲۲۹۴۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ زَيْدٍ أَنَا أَبِي عَنْ سُفْيَانَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ فِي خُرُوجِ فَاطِمَةَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ مِنْ سُوءِ الْخُلُقِ۔

سلیمان بن یسار سے خروج فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ یہ اجازت صرف سوئے خلق (زبان درازی) کے باعث تھی۔ (منذری نے سعید بن المسیب سے بھی یہی سبب نقل کیا ہے کہ وہ اپنے سسرالی رشتہ داروں سے زبان درازی سے پیش آتی تھی لہٰذا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منتقل ہونے کی اجازت دے دی تھی)

۲۲۹۵۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَهُمَا يَذْكُرَانِ أَنَّ يَحْيَى بْنَ سَعِيدِ بْنِ

الْعَاصِ طَلَّقَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَكَمِ الْبَتَّةَ فَانْتَقَلَهَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَأَرْسَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ فَقَالَتْ لَهُ اتَّقِ اللهَ وَارْدُدِ الْمَرْأَةَ إِلَى بَيْتِهَا فَقَالَ مَرْوَانُ فِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ غَلَبَنِي وَقَالَ مَرْوَانُ فِي حَدِيثِ الْقَاسِمِ أَوَمَا بَلَغَكِ شَأْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لَا يَضُرُّكَ أَنْ لَا تَذْكُرَ حَدِيثَ فَاطِمَةَ فَقَالَ مَرْوَانُ إِنْ كَانَ بِكِ الشَّرُّ فَحَسْبُكِ مَا كَانَ بَيْنَ هٰذَيْنِ مِنَ الشَّرِّ۔

القاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار دونوں نے ذکر کیا کہ یحییٰ بن سعید بن العاص نے بنت عبدالرحمان ابن الحکم کو بتہ طلاق دے دی تو عبدالرحمٰن نے اسے (اپنے ہاں) منتقل کر لیا۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے امیر مدینہ (اُس وقت) مروان بن الحکم کو پیغام بھیجا کہ اللہ سے ڈر اور عورت کو اس کے گھر واپس کر دے۔ سلیمان کی حدیث میں ہے کہ مروان نے کہا کہ عبدالرحمان مجھ پر غالب آگیا ہے۔ اور القاسم کی حدیث میں مروان نے کہا کہ: کیا آپ کو فاطمہ رض بنت قیس کا حال نہیں معلوم؟ تو عائشہ رض نے فرمایا کہ اس میں ضرر نہیں کہ تو فاطمہ رض کی حدیث کا ذکر نہ کرے۔ مروان نے کہا کہ آپ کے نزدیک اگر فاطمہ رض کے خروج کا باعث رشتہ داروں میں شر و فساد تھا تو یہاں بھی ان دونوں فریقوں میں کافی شر و فساد موجود ہے (صحیح مسلم) بعض کے نزدیک جس طرح فاطمہ رض کے واقعہ میں معتدہ ہونے کے باوجود اس کے گھر سے نکلنے کا باعث لڑائی جھگڑا اور فتنہ فساد تھا وہی سبب یہاں موجود ہے۔

۲۲۹۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا زُهَيْرٌ نَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ نَا مَيْمُونُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَدَفَعْتُ إِلَى سَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ فَقُلْتُ فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ طُلِّقَتْ فَخَرَجَتْ مِنْ بَيْتِهَا فَقَالَ سَعِيدٌ تِلْكَ امْرَأَةٌ فَتَنَتِ النَّاسَ إِنَّهَا كَانَتْ لَسِنَةً فَوُضِعَتْ عَلَى يَدَيِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ الْأَعْمَى۔

میمون بن مہران نے کہا کہ میں مدینہ گیا تو سعید بن المسیب کے ہاں پہنچا اور کہا کہ فاطمہ رض بنت قیس کو طلاق ملی تو وہ اپنے گھر سے نکل گئی (یعنی اس سے اس امر کا جواز معلوم ہوا) تو سعید نے کہا کہ اس عورت نے لوگوں کو (اپنی حدیث سے) فتنہ میں ڈال دیا ہے وہ ایک تیز زبان عورت تھی اس لیے اسے ابن ام مکتوم رض نابینا کے گھر میں بھیج دیا گیا۔

بَابٌ ۴۱ فِي الْمَبْتُوتَةِ تَخْرُجُ بِالنَّهَارِ

مبتوتہ دن کو گھر سے نکل سکتی ہے

۲۲۹۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ طُلِّقَتْ خَالَتِي ثَلَاثًا فَخَرَجَتْ تَجُدُّ نَخْلًا لَهَا فَلَقِيَهَا رَجُلٌ فَنَهَاهَا فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لَهَا اُخْرُجِي فَجُدِّي نَخْلَكِ لَعَلَّكِ أَنْ تَصَدَّقِي مِنْهُ أَوْ تَفْعَلِي خَيْرًا۔

جابرؓ نے کہا کہ میری خالہ کو طلاق ثلاثہ ہوگئی۔ پس وہ اپنے ایک کھجور کے درخت کا پھل توڑنے باہر نکلی تو ایک آدمی اس سے ملا اور اسے منع کیا۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نکل کر اپنی کھجور کا پھل توڑ شاید تو اس میں سے صدقہ کرے یا کوئی بھلائی کرے (مسلم، نسائی، ابن ماجہ) صدقہ سے مراد صدقۂ واجبہ اور خیر سے مراد یہاں صدقہ نافلہ اور ہدیہ وغیرہ ہے۔

شرح: شوکانی نے کہا ہے کہ ظاہر حدیث مبتوتہ کے لیے گھر سے خروج کا جواز بتاتا ہے اور یہی مذہب علیؓ، ابوحنیفہؒ، القاسمؒ اور المنصور باللہ کا ہے۔ اور کسی خالص دین یا دنیوی غرض کے اعتبار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بطور تعلیل دلالت کرتا ہے۔ اور اس حدیث میں اور اللہ تعالیٰ کے قول: وَلَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ میں کوئی تعارض نہیں، مطلب یہ ہے کہ کسی جائز غرض اور حاجت کے لیے وہ گھر سے نکل سکتی ہے۔ ثوریؒ، لیثؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ وغیرہم دن کے وقت مطلق خروج کے جواز کے قائل ہیں۔

بَابٌ ۴۲ نَسْخِ مَتَاعِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا بِمَا فُرِضَ لَهَا مِنَ الْمِيرَاثِ

باب میراث کے تعین کے باعث بیوہ کے متاع کا نسخ

۲۲۹۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ النَّحْوِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُهُ تَعَالٰى وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَنُسِخَ ذٰلِكَ بِآيَةِ الْمِيرَاثِ بِمَا فُرِضَ لَهُنَّ مِنَ الرُّبُعِ وَالثُّمُنِ وَنُسِخَ أَجَلُ الْحَوْلِ بِأَنْ جَعَلَ أَجَلَهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ الخ" تم میں سے جو لوگ دنیا سے گزر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال کا خرچ دیا جائے اور گھروں سے نہ نکالا جائے" پس یہ آیت میراث کی آیت سے منسوخ ہوگئی کیونکہ عورتوں کا حصہ ¼ اور ⅛ مقرر ہو گیا ہے اور ایک سال کی مدت کو چار ماہ دس دن کی عدت کے حکم نے منسوخ کر دیا (نسائی) حدیث کا راوی واقد متکلم فیہ ہے۔

بَاب ۴۳ إِحْدَادِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا

بیوہ کے سوگ کا باب

۲۲۹۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ حُمَيْدِ ابْنِ نَافِعٍ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ بِهٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ الثَّلَاثَةِ قَالَتْ زَيْنَبُ دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ حَبِيْبَةَ حِيْنَ تُوُفِّيَ أَبُوْهَا أَبُوْ سُفْيَانَ فَدَعَتْ بِطِيْبٍ فِيْهِ صُفْرَةُ خَلُوْقٍ أَوْ غَيْرِهِ فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا لِيْ بِالطِّيْبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ زَيْنَبُ وَدَخَلْتُ عَلٰى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ أَخُوْهَا فَدَعَتْ بِطِيْبٍ فَمَسَّتْ مِنْهُ ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا لِيْ بِالطِّيْبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ زَيْنَبُ وَسَمِعْتُ أُمِّيْ أُمَّ سَلَمَةَ تَقُوْلُ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ ابْنَتِيْ تُوُفِّيَ زَوْجُهَا عَنْهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا أَفَنَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ

أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ قَالَ حُمَيْدٌ فَقُلْتُ لِزَيْنَبَ وَمَا تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ فَقَالَتْ زَيْنَبُ كَانَتِ الْمَرْأَةُ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا دَخَلَتْ حِفْشًا وَلَبِسَتْ شَرَّ ثِيَابِهَا وَلَمْ تَمَسَّ طِيبًا وَلَا شَيْئًا حَتَّى تَمُرَّ بِهَا سَنَةٌ ثُمَّ تُؤْتَى بِدَابَّةٍ حِمَارٍ أَوْ شَاةٍ أَوْ طَائِرٍ فَتَفْتَضُّ بِهِ فَقَلَّمَا تَفْتَضُّ بِشَيْءٍ إِلَّا مَاتَ ثُمَّ تَخْرُجُ فَتُعْطَى بَعْرَةً فَتَرْمِي بِهَا ثُمَّ تُرَاجِعُ بَعْدُ مَا شَاءَتْ مِنْ طِيبٍ أَوْ غَيْرِهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ الْحِفْشُ بَيْتٌ صَغِيرٌ.

حمید بن نافع نے روایت کی کہ زینب بنت ابی سلمہؓ نے اسے یہ تین حدیثیں بتائیں۔ پہلی یہ کہ زینبؓ نے کہا میں ام حبیبہؓ کے پاس گئی جبکہ ان کا باپ ابوسفیان فوت ہوا تھا۔ پس انہوں نے خوشبو منگائی جس میں زرد رنگ تھا، وہ خلوق تھا یا کچھ اور۔ پس انہوں نے اس میں سے ایک لڑکی (یا لونڈی) کو تیل ملا پھر اپنے رخساروں کو مس کیا اور کہا: واللہ مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا کہ آپ فرماتے تھے: اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے خاوند کے کہ اس پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرے۔ دوسری حدیث یہ کہ زینبؓ نے کہا کہ میں زینبؓ بنت جحش کے پاس گئی جبکہ ان کا بھائی فوت ہوا، پس انہوں نے خوشبو منگائی اور اس میں سے کچھ لگائی۔ پھر فرمایا: واللہ مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بر سرِ منبر فرماتے سُنا تھا کہ جس عورت کا اللہ اور قیامت پر ایمان ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ کرے، سوائے خاوند کے اس پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔ تیسری حدیث یہ ہے کہ زینبؓ نے کہا: میں نے اپنی ماں اُم سلمہؓ کو یہ کہتے سُنا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور بولی: یا رسول اللہ میری بیٹی کا خاوند گزر گیا ہے اور اس کی آنکھیں خراب ہیں کیا ہم اسے سُرمہ لگا لیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار "نہ" فرمایا۔ ہر بار فرمایا "نہ"۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو چار ماہ دس دن کی مدت ہے اور تم میں سے کوئی زمانۂ جاہلیت میں سال گزرنے پر مینگنی پھینکتی تھی۔ حمید بن نافع نے کہا کہ میں نے زینبؓ سے پوچھا: یہ کیا بات ہے کہ "سال گزرنے پر مینگنی پھینکتی تھی!" تو زینبؓ نے کہا کہ جب عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو وہ ایک چھوٹی سی کٹیا میں داخل ہو جاتی تھی اور اپنے خراب ترین کپڑے پہن لیتی تھی اور خوشبو وغیرہ نہ لگاتی تھی حتیٰ کہ اسی طرح ایک سال گزر جاتا، پھر کسی جانور مثلاً گدھے یا بکری کو یا کسی پرندے کو لایا جاتا تھا تو وہ اس کے ساتھ اپنا جسم رگڑتی تھی اور جس چیز سے وہ جسم کو رگڑتی تھی بمشکل ہی بچتا تھا۔ پھر وہ باہر نکلتی تو اُسے ایک مینگنی دی جاتی اور وہ اسے پھینکتی تھی۔ پھر اس کے بعد خوشبو وغیرہ جو چاہتی استعمال کرتی تھی۔

شرح: اس حدیث میں معتدۃ الوفات کے لیے بطورِ عادت سُرمہ لگانا حرام آیا ہے۔ مگر مؤطا میں ام سلمہؓ کی روایت

میں ہے کہ: رات کو سرمہ لگالو اور دن کو پونچھ ڈالو۔ مطلب یہ ہوا کہ سرمہ لگانا بہر حال اچھا نہیں مگر بوقت حاجت رات کو لگایا جائے تاکہ زینت ظاہر نہ ہو۔ احداد کا معنیٰ ہے ترک زینت اور اظہار رنج و غم اسی صورت میں کہ معمولی کپڑے پہنے، بھڑک دار لباس اور خوشبو وغیرہ سے پرہیز کرے۔ ابو سفیان کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی لیکن بخاری کی روایت میں شام کا ذکر ہے۔ یہ صرف سفیان بن عیینہ کی روایت میں ہے جو بقول حافظ وہم ہے۔ زوج علاوہ کسی اور کی موت پر جو احداد ہے اس میں اور خاوند کے احداد میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں فقط اظہارِ غم و حزن کا جواز ہے اور دوسری میں ترکِ زینت واجب ہے۔

بَابٌ فِي الْمُتَوَفَّى عَنْهَا تَنْتَقِلُ

باب۔ کیا بیوہ گھر سے منتقل ہو سکتی ہے

۲۳۰۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِسْحَقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ عَمَّتِهِ زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ فَإِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ أَبَقُوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بِطَرَفِ الْقَدُومِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوهُ فَسَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي فَإِنِّي لَمْ يَتْرُكْنِي فِي مَسْكَنٍ يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةٍ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَتْ فَخَرَجْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِي أَوْ أَمَرَ بِي فَدُعِيتُ لَهُ فَقَالَ كَيْفَ قُلْتِ فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي قَالَتْ فَقَالَ امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَسَأَلَنِي عَنْ ذَلِكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَاتَّبَعَهُ وَقَضَى بِهِ۔

زینب بنت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فریعہ رضی اللہ عنہا بنت مالک بن سنان نے، جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھی اسے یہ خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور آپ کو بتایا کہ اس کا خاوند اپنے بھاگے ہوئے

غلاموں کے پیچھے مقام قدوم کی طرف گیا اور انہیں جا لیا، پس انہوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ فریعہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنے میکہ والوں میں آ جاؤں کیونکہ خاوند میرے لیے نہ کوئی مکان چھوڑ کر گیا ہے جس کا مالک ہوتا اور نہ کوئی نفقہ۔ فریعہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں! پس میں باہر نکل آئی حتیٰ کہ جب میں ابھی حجرہ ہی میں تھی یا مسجد میں، کہ آپ نے مجھے بلایا یا بلوایا اور فرمایا: تو نے کیا سوال کیا تھا؟ فریعہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے قصہ پھر دہرا دیا جو میں نے اپنے خاوند کے بارے میں بتایا تھا۔ فریعہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضور نے فرمایا: تو اپنے گھر میں ٹھہر جب خدا کا لکھا حکم اپنی مدت کو پہنچ جائے۔ فریعہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے عدت چار ماہ دس دن تک وہیں گزار دی۔ فریعہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے پیغام بھیج کر مجھ سے یہ قصہ پوچھا۔ میں نے انہیں یہ بتایا اور انہوں نے اس کا اتباع کیا اور اس پر فیصلہ دیا۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن فریعہ رضی اللہ عنہا بیعت رضوان میں حاضر تھیں۔ قدوم تخفیف و تشدید دال کے ساتھ، مدینہ سے چھ میل دور ایک مقام کا نام تھا۔ بعض نے اسے ایک پہاڑ کا نام بتایا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی کی عدت اُسی گھر میں گزرے گی جہاں وہ خاوند کی موت کی خبر سُنے۔ یہی صحابہ و تابعین کی ایک جماعت اور مالک، ابوحنیفہ، شافعی، اوزاعی، اسحاق اور ابوعبید کا مذہب ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ فریعہ کی حدیث پر کوئی طعن نہیں کیا گیا اور فقہائے امصار (حجاز، شام، عراق اور مصر) کا یہی مذہب ہے۔ کسی عذر کی بنا پر ان میں سے بعض سے خروج کا جواز آیا ہے مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود وغیرہ پھر بھی یہ یاد رہے کہ انتقال اور خروج میں فرق ہے خروج تو اس وقت بھی تھا جبکہ فریعہ رضی اللہ عنہا یہ مسئلہ پوچھنے آئی تھی۔ پس انتقال کی اجازت نہیں حسب ضرورت خروج کی اجازت ہے اور یہ اجازت صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے۔

بَابٌ ۴۵ مَنْ رَأَى التَّحَوُّلَ

باب۔ جنہوں نے تحوّل۔ انتقال۔ کو جائز رکھا

۲۳۰۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ نَا مُوسَى بْنُ مَسْعُودٍ نَا شِبْلٌ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ قَالَ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَسَخَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ عِدَّتَهَا عِنْدَ أَهْلِهَا فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَاءَتْ وَهُوَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ غَيْرَ إِخْرَاجٍ قَالَ عَطَاءٌ إِنْ شَاءَتْ اعْتَدَّتْ عِنْدَ أَهْلِهِ وَسَكَنَتْ فِي وَصِيَّتِهَا وَإِنْ شَاءَتْ خَرَجَتْ لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ قَالَ عَطَاءٌ ثُمَّ جَاءَ الْمِيرَاثُ فَنَسَخَ السُّكْنَى تَعْتَدُّ حَيْثُ شَاءَتْ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس آیت نے بیوہ کی عدت اس کے گھر والوں کے پاس منسوخ کر دی ہے، پس وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: غَيْرَ إِخْرَاجٍ۔ عطاء نے کہا کہ اگر چاہے تو خاوند

کے رشتہ داروں کے پاس عدت گزارے اور اپنی وصیت میں سکونت رکھے اور اگر چاہے تو چلی جائے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ۔ عطاء نے کہا کہ پھر میراث آئی تو اس نے مسکن منسوخ کر دیا وہ جہاں چاہے عدت گزارے (بخاری، نسائی)

شرح: اس حدیث کا راوی محدثین کے نزدیک: لاشیٔ، ضعیف، نا قابل احتجاج، کثیر الوہم، سیئ الحفظ ہے دارقطنی نے کہا ہے کہ مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ والی آیت جمہور کے نزدیک سرے سے ایک سال کی عدت ہے ہی نہیں کہ بقول عطاء اس کے منسوخ ہونے کا سوال پیدا ہوتا۔ اس میں تو صرف اتنا ہے کہ نزول میراث سے قبل عورتوں کے حق میں وصیت کی جاتی کہ انہیں ایک سال تک خاوند کے گھر میں ٹھہرنے سے، اگر وہ رہنا چاہیں تو نہ روکا جائے۔ بخاری اور ابن جریر نے مجاہد سے جو تفسیر نقل کی ہے وہ یہی ہے کہ عورتوں کی عدت تو بہر حال خاوند کی موت پر چار ماہ دس دن ہے مگر پہلے حکم تھا کہ اگر وہ خاوند کے گھر میں رہنا چاہیں تو ایک سال رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ عطاء نے اس کی تفسیر اور طرح سے کی ہے۔ پس اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہ میں اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک ایک سال کی وصیت والی آیت مقدم تھی پھر چار ماہ دس دن والی آیت نازل ہوئی تو ایک سال کی وصیت والی آیت منسوخ ہو گئی (یعنی اس کا حکم وجوبی نہ رہا۔ یوں بطور استحباب اگر کوئی تبرعًا یہ وصیت کر جائے اور وارث اسے پورا کر دیں تو مستحب ہو گا جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے، لیکن مجاہد اور عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ ہے کہ چار ماہ دس دن تک خاوند کے گھر میں رہنے کا حکم وجوبی تھا اور ایک سال وصیت والی آیت نے اسے منسوخ کیا ہے۔ پس عدت تو واجب رہی مگر خاوند کے گھر میں اس کا گزارنا ضروری نہ رہا، جہاں چاہے گزارے، یوں خاوند کے رشتہ داروں کو اسے ایک سال تک گھر سے نہ نکالنا چاہیئے۔ وہ خود نکل جائے تو اس کی مرضی۔ پھر آیت میراث نے یہ ایک سال والا حکم بھی منسوخ کر ڈالا۔ ابو داؤد کے عنوان کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بعض علماء کا مسلک ہے جمہور کا نہیں۔

بَابٌ فِيمَا تَجْتَنِبُ الْمُعْتَدَّةُ فِي عِدَّتِهَا

باب۔ عدت میں معتدہ کن چیزوں سے پرہیز کرے

۲۳۰۲۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ نَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ نَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ حَدَّثَنِي هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ ح وَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْجَرَّاحِ الْقُهُسْتَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ بَكْرٍ السَّهْمِيَّ عَنْ هِشَامٍ وَهَذَا لَفْظُ ابْنِ الْجَرَّاحِ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحِدُّ الْمَرْأَةُ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا

إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَلَا تَكْتَحِلُ وَلَا تَمَسُّ طِيبًا إِلَّا أَدْنَى طُهْرَتِهَا إِذَا طَهُرَتْ مِنْ مَحِيضِهَا بِنُبْذَةٍ مِنْ قُسْطٍ وَأَظْفَارٍ قَالَ يَعْقُوبُ مَكَانَ عَصْبٍ إِلَّا مَغْسُولًا وَزَادَ يَعْقُوبُ وَلَا تَخْتَضِبُ.

ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت تین دن سے زیادہ خاوند کے سوا کسی اور پر سوگ نہ کرے، خاوند پر وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے اور رنگدار کپڑا نہ پہنے سوائے عصب کے کپڑے کے۔ (دھاری دار کپڑا) اور نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے مگر حیض سے پاکیزگی کے وقت تھوڑا سا قسط (عود ہندی) اور اظفار۔ یعقوب نے عصب کی جگہ مغسول (دھویا ہوا) کا لفظ بولا اس نے مہندی نہ لگانے کا لفظ بھی بڑھایا۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: احداد کا اصلی معنی ترک زینت ہے۔ ہر زینت کے کپڑے وغیرہ سے پرہیز لازم ہے۔ اگر صرف رنگدار کپڑا ملے تو حسب ضرورت جائز ہے، رنگدار کپڑے سے مراد وہ کپڑا ہے جسے بننے کے بعد رنگا گیا ہو۔ اگر بُنائی ہی ایسی ہے کہ اس سے قبل سوت کو رنگا گیا تھا مثلاً دھاری دار کپڑا تو وہ جائز ہے۔ اگر آنکھیں جاتی رہنے کا خوف ہے تو دیگر ادویہ کی مانند سرمہ بھی جائز ہے۔ خاوند پر سوگ فی الجملہ ایک اجماعی مسئلہ ہے اختلاف محض تفاصیل و فروع میں ہو سکتا ہے۔ کوفی فقہا اور حنفیہ کے نزدیک احداد کا حکم مسلم عورت کے ساتھ خاص ہے۔ شافعی اور دیگر علماء کے نزدیک اس حکم میں چھوٹی بڑی، مدخولہ وغیر مدخولہ، ثیب و کنواری، مسلم و کتابیہ سب عورتیں داخل ہیں۔ حنفیہ نے کہا کہ شارع کا خطاب صرف مومنوں کے لیے ہے: "خدا و قیامت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے تین دن سے زیادہ خاوند کے علاوہ سوگ حلال نہیں۔" امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نابالغ لڑکی اور لونڈی پر سوگ نہیں۔ خاوند کے علاوہ کسی کے لیے سوگ کا نہ ہونا غیر اختلافی مسئلہ ہے، یعنی تینوں دن کی مدت سے زائد جیسا کہ حدیث میں استثناء موجود ہے۔ اور وہ سوگ بھی احکام میں بیوہ کے احکام سے مختلف ہے

۲۳۰۳۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَمَالِكُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ الْمِسْمَعِيُّ قَالَا نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ وَلَيْسَ فِي تَمَامِ حَدِيثِهِمَا قَالَ الْمِسْمَعِيُّ قَالَ يَزِيدُ وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا فِيهِ وَلَا تَخْتَضِبُ وَزَادَ فِيهِ هَارُونُ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ.

ام عطیہؓ سے گزشتہ حدیث کی ایک اور روایت ذرا لفظی اختلاف کے ساتھ۔

۲۳۰۴۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ نَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ حَدَّثَنِي بُدَيْلٌ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ام سلمہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: بیوہ عورت معصفر کپڑے نہ پہنے نہ ممشق پہنے، نہ زیور پہنے، نہ خضاب (مہندی وغیرہ) لگائے اور نہ سُرمہ۔ (نسائی) معصفر وہ کپڑے تھے جو عُصفر بوٹی سے رنگے جاتے تھے اور ممشق وہ جو مشق سے رنگتے تھے جیسے مغرہ کہتے ہیں۔ خضاب سے مراد مہندی ہے اور سُرمہ وہ سیاہ رنگ کا ہو اور بطور زینت استعمال ہوتا ہو ممنوع ہے۔

۲۳۰۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ الضَّحَّاكِ يَقُولُ أَخْبَرَتْنِي أُمُّ حَكِيمٍ بِنْتُ أَسِيدٍ عَنْ أُمِّهَا أَنَّ زَوْجَهَا تُوُفِّيَ وَكَانَتْ تَشْتَكِي عَيْنَيْهَا فَتَكْتَحِلُ بِالْجَلَاءِ قَالَ أَحْمَدُ الصَّوَابُ بِكُحْلِ الْجَلَاءِ فَأَرْسَلَتْ مَوْلَاةً لَهَا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَسَأَلَتْهَا عَنْ كُحْلِ الْجَلَاءِ فَقَالَتْ لَا تَكْتَحِلِي بِهِ إِلَّا مِنْ أَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ يَشْتَدُّ عَلَيْكِ فَتَكْتَحِلِينَ بِاللَّيْلِ وَتَمْسَحِينَهُ بِالنَّهَارِ ثُمَّ قَالَتْ عِنْدَ ذَلِكَ أُمُّ سَلَمَةَ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَى عَيْنِي صَبِرًا فَقَالَ مَا هَذَا يَا أُمَّ سَلَمَةَ فَقُلْتُ إِنَّمَا هُوَ صَبِرٌ يَا رَسُولَ اللهِ لَيْسَ فِيهِ طِيبٌ قَالَ إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ وَتَنْزِعِيهِ بِالنَّهَارِ وَلَا تَمْتَشِطِي بِالطِّيبِ وَلَا بِالْحِنَّاءِ فَإِنَّهُ خِضَابٌ قَالَتْ قُلْتُ بِأَيِّ شَيْءٍ أَمْتَشِطُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ بِالسِّدْرِ تُغَلِّفِينَ بِهِ رَأْسَكِ۔

ام حکیم بنت اُسید نے اپنی ماں کی طرف سے روایت کی کہ اس کا خاوند مرگیا تھا اور اس کی آنکھیں خراب تھیں تو وہ جلاء کا سرمہ لگاتی تھی، احمد بن صالح نے کہا کہ کحل الجلاء کا لفظ صحیح ہے۔ احمد نے کہا کہ اس عورت

نے اپنی ایک لونڈی کو ام سلمہ رض کے پاس جلاء کا سُرمہ پوچھنے کے لیے بھیجا۔ ام سلمہ رض نے فرمایا کہ بغیر شدید حاجت کے سُرمہ مت لگاؤ، اس صورت میں بھی رات کو لگاؤ اور دن کو پونچھ ڈالو۔ پھر اُس وقت ام سلمہ رض نے کہا کہ ابو سلمہ رض کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور میں نے اپنی آنکھوں پہ مُصبر لگا رکھا تھا۔ حضور ص نے فرمایا: اے ام سلمہ یہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا یا رسول اللہ یہ صرف مصبر ہے اس میں خوشبو نہیں۔ حضور ص نے فرمایا کہ یہ چہرے کو رنگ دار اور اُجلا کرتا ہے، صرف رات کو لگاؤ اور دن کو اسے اتار دو اور خوشبو کے ساتھ کنگھی مت کرو اور نہ مہندی کے ساتھ کیونکہ وہ رنگ دار خضاب ہے۔ ام سلمہ رض نے کہا کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ پھر کاہے کے ساتھ کنگھی کروں؟ آپ نے فرمایا بیری کے پتوں سے، اسے لیپ کر کے سر پہ لگا لو۔ (نسائی۔ اس حدیث کی سند میں ام حکیم مجہول ہے اور اس کی ماں بھی) ام عطیہ کی حدیث میں سُرمہ لگانے کی مطلق ممانعت گزری ہے اور اس میں رات کو لگانے اور دن کو پونچھ دینے کا ذکر ہے۔ اولی تو یہی ہے کہ اس کا استعمال سرے سے نہ کیا جائے، لیکن بوقت ضرورت شدیدہ رات کو استعمال کرنا جائز ہے۔

بَابٌ فِي عِدَّةِ الْحَامِلِ

حاملہ کی عدت کا باب

۲۳۰۶۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ أَبَاهُ كَتَبَ إِلَى عُمَرَ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَرْقَمِ الزُّهْرِيِّ يَأْمُرُهُ أَنْ يَدْخُلَ عَلَى سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ الْأَسْلَمِيَّةِ فَيَسْأَلُهَا عَنْ حَدِيثِهَا وَعَمَّا قَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ اسْتَفْتَتْهُ فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ يُخْبِرُهُ أَنَّ سُبَيْعَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ سَعْدِ بْنِ خَوْلَةَ وَهُوَ مِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ وَهُوَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا فَتُوُفِّيَ عَنْهَا فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهِيَ حَامِلٌ فَلَمْ تَنْشَبْ أَنْ وَضَعَتْ حَمْلَهَا بَعْدَ وَفَاتِهِ فَلَمَّا تَعَلَّتْ مِنْ نِفَاسِهَا تَجَمَّلَتْ لِلْخُطَّابِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ فَقَالَ لَهَا مَا لِي أَرَاكِ مُتَجَمِّلَةً لَعَلَّكِ تَرْتَجِينَ النِّكَاحَ إِنَّكِ وَاللهِ مَا أَنْتِ بِنَاكِحٍ حَتَّى تَمُرَّ عَلَيْكِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ سُبَيْعَةُ فَلَمَّا قَالَ لِي ذَلِكَ جَمَعْتُ عَلَيَّ

ثِيَابِي حِينَ أَمْسَيْتُ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَأَفْتَانِي بِأَنْ قَدْ حَلَلْتُ حِينَ وَضَعْتُ حَمْلِي وَأَمَرَنِي بِالتَّزْوِيجِ إِنْ بَدَا لِي قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَلَا أَرَى بَأْسًا أَنْ تَتَزَوَّجَ حِينَ وَضَعَتْ وَإِنْ كَانَتْ فِي دَمِهَا غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَقْرَبُهَا زَوْجُهَا حَتَّى تَطْهُرَ۔

عبداللہ بن عتبہ نے عمر بن عبداللہ بن الارقم زہری کو لکھا کہ سُبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا اسلمیہ کے پاس جاکر وہ حدیث دریافت کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سوال پر ارشاد فرمائی تھی۔ پس جواب میں عمر بن عبداللہ نے عبداللہ بن عتبہ کو لکھا کہ سُبیعہ رضی اللہ عنہا نے اسے بتایا کہ وہ سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔ اور وہ بنی عامر بن لُوئی میں سے بدری صحابی تھا۔ پس حجۃ الوداع میں وہ فوت ہوگیا اور یہ حاملہ تھی اور اس کی وفات کے بعد جلدی ہی اس کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا۔ پس جب وہ اپنے نفاس سے پاک ہوئی تو اس نے پیغام نکاح لانے والوں کے لیے زینت اختیار کی۔ پس ابو السنابل بن بعکک، بنی عبدالدار میں سے ایک شخص آیا اور بولا: کیا بات ہے کہ میں تجھے زینت کئے ہوئے دیکھ رہا ہوں، شاید تجھے نکاح کی آرزو ہے، واللہ تو چار ماہ دس دن گزرے بغیر نکاح نہیں کرسکتی۔ سُبیعہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جب اس نے مجھ سے یہ کہا تو میں نے اندھیرا آجانے پر اپنے کپڑے پہنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فتویٰ دیا کہ میں نے جب بچہ جنا تھا تو اُسی وقت عدت ختم ہوگئی تھی، اور حضور نے مجھے نکاح کا حکم دیا اگر مجھے خیال ہو تو۔ ابن شہاب زہری نے کہا کہ وضع حمل کے بعد ہی گو وہ نفاس میں ہو نکاح حلال ہے، ہاں جب تک پاک نہ ہوئے خاوند اس کے پاس نہ جائے (بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ)

شرح: علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ عورت دو میں سے طویل تر مدت انتظار کرے گی (یعنی وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو مدت زیادہ طویل ہے وہ اس کی عدت ہے) جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ وضع حمل کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہوگئی۔ اور یہ عمر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ کا، اور مالک، ثوری، اور اوزاعی اور حنفیہ اور شافعی کا مسلک ہے۔

عبداللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھتیجا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بہت چھوٹا تھا۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ عقیلی نے اسے صحابی کہا ہے مگر یہ صحیح نہیں وہ تابعی ہے۔ ابن البرقی نے اس کی رُویت ثابت کی ہے مگر روایت نہیں (اس حساب سے بھی وہ صحابی ہوا) بخاری کی روایت میں کسی راوی کے وہم سے عمر بن عبداللہ بن ارقم کے بجائے ابن الارقم کا لفظ آگیا ہے۔ عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ زہری مشہور صحابی تھا اور اس حدیث میں عمر بن عبداللہ بن ارقم ہے۔ حافظ نے کہا ہے کہ شارحین نے غلطی سے عبداللہ بن ارقم سمجھ لیا ہے۔ سُبیعہ رضی اللہ عنہا کا مرنے والا خاوند وہی سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ تھا جس کی مکہ میں وفات پر حضور نے اظہار تأسف فرمایا تھا کیونکہ وہ دار الہجرت سے باہر اس مقام پر فوت ہوا جہاں سے ہجرت کی تھی، یہ واقعہ بخاری و مسلم میں سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

شوکانی نے لکھا ہے کہ اس مسئلے میں ابن عباسؓ اور ابوالسنابل کا رجوع ثابت ہو چکا ہے۔ اور اس مسئلے پر اجماع منعقد ہو گیا ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ اجماع کے بعد اگر کوئی اس کے خلاف کہے تو اس کا قول بقول حافظ ابن حجر مردود ہے۔ ابن ابی لیلی سے اس کے خلاف منقول ہے۔

۲۳۰۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ عُثْمَانُ حَدَّثَنَا وَقَالَ ابْنُ الْعَلَاءِ اَخْبَرَنَا اَبُوْمُعَاوِیَۃَ نَا الْاَعْمَشُ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ مَنْ شَاءَ لَاعَنْتُہٗ لَاُنْزِلَتْ سُوْرَۃُ النِّسَاءِ الْقُصْرٰی بَعْدَ الْاَرْبَعَۃِ الْاَشْہُرِ وَعَشْرًا۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ جو چاہے میں اس کے ساتھ مباہلہ کر سکتا ہوں کہ سورۂ طلاق چار ماہ دس دن کی آیت کے بعد اتری تھی (نسائی) مطلب عبداللہ کا یہ تھا کہ سورۂ بقرہ کی آیت جس میں عدت چار ماہ دس دن مذکور ہے پہلے نازل ہوئی (آیت ۲۳۴) سورہ طلاق جس میں حاملہ کی عدت وضع حمل آئی ہے، بعد میں اتری تھی، گویا سورۂ بقرہ میں غیر حاملہ عورتوں کی عدت ہے اور سورۂ طلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت مذکور ہے۔

باب ۴۸ فِیْ عِدَّۃِ اُمِّ الْوَلَدِ

اُمّ الولد کی عدت کا باب

۲۳۰۸۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَہُمْ ح وَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰی نَا عَبْدُ الْاَعْلٰی عَنْ سَعِیْدٍ عَنْ مَطَرٍ عَنْ رَجَاءِ بْنِ حَیْوَۃَ عَنْ قَبِیْصَۃَ بْنِ ذُؤَیْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَا تُلَبِّسُوْا عَلَیْنَا سُنَّتَہٗ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰی سُنَّۃَ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِدَّۃُ الْمُتَوَفّٰی عَنْہَا اَرْبَعَۃُ اَشْہُرٍ وَعَشْرًا یَعْنِیْ اُمَّ الْوَلَدِ۔

عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ تم کسی سنت میں گڑبڑ مت کرو، راوی ابن المثنی نے یہ لفظ کہے: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں گڑبڑ مت کرو۔ جس کا خاوند مر گیا اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، یعنی ام الولد۔

شرح: مولانا الشاہ عبدالغنیؒ نے انجاح الحاجہ میں کہا ہے کہ یہ ہمارے نزدیک اس وقت ہے کہ اس کا مالک بھی مر گیا اور خاوند بھی، اور یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرا، کیونکہ مالک اگر پہلے مرا تھا اور پھر خاوند مرا جبکہ یہ لونڈی بسبب ام الولد ہونے کے آزاد تھی۔ پس مالک کی موت پر اس کے لیے کوئی عدت نہیں۔ اور وہ عدت وفات آزاد عورتوں کی مانند چار ماہ دس دن گزارے گی۔ اور اگر اس کا خاوند پہلے مرا تھا تو لونڈی کی عدت دو ماہ پانچ دن تھی اور مالک کی موت پر اس پر کوئی عدت نہیں آئے گی کیونکہ وہ خاوند کی عدت میں ہے، پس ایک صورت میں اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور ایک صورت میں دو ماہ پانچ دن، مگر اس صورت میں بھی احتیاطاً اسے چار ماہ دس دن کی عدت گزارنی چاہیے مولاناؒ نے فرمایا کہ یہی حکم اس وقت ہے جبکہ معلوم ہو کہ مالک پہلے مرا تھا اور پھر خاوند مر گیا تو اس کی عدت

چار ماہ دس دن ہے، یہ خاوند کی موت کی عدت ہے نہ کہ مالک کی، مالک کی خاطر کوئی عدت نہیں۔ اور اسی طرح حکم اس وقت بھی ہے جبکہ مالک اپنی اُمّ ولد کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے پھر وہ مر جائے تو وہ اُس کا خاوند بھی چونکہ تھا لہٰذا عدت چار ماہ دس دن ہوئی۔ یہ آخری صورت علاّمہ خطابی نے بھی لکھی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں جو تفصیل ہے اس کا یہ محل نہیں۔ خطابی نے یہ آخری صورت جو بیان کی ہے اس میں علماء کا کوئی اختلاف۔ لیکن عام اُمّ ولد کی عدت اِس حدیث کی رُو سے اوزاعی اور اسحاق کے نزدیک چار ماہ دس دن ہے ابن المسیب، ابن جبیر اور ابن سیرین کا بھی یہی مذہب ہے۔ ثوری اور حنفیہ نے کہا کہ اُس کی عدت تین حیض ہے اور یہ علیؓ، ابن مسعودؓ، عطاء اور نخعی کا قول ہے۔ مالک، شافعی اور احمد نے کہا کہ اس کی عدت ایک حیض ہے اور یہی قول ابن عمرؓ، عروہ القاسم، زہری اور شعبی کا ہے۔

بَابُ ۴۹ الْمَبْتُوتَةِ لَا يَرْجِعُ إِلَيْهَا زَوْجُهَا حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

باب مبتوتہ اپنے خاوند کی طرف نہیں آسکتی جبتک کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے

۲۳۰۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ إِمْرَأَتَهُ يَعْنِي ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ فَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يُوَاقِعَهَا أَتَحِلُّ لِزَوْجِهَا الْأَوَّلِ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتَّى تَذُوقَ عُسَيْلَةَ الْآخَرِ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک مرد نے اپنی عورت کو طلاق ثلاثہ دے دی اور اس نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا اور اس نے اس کے ساتھ خلوت کر لی لیکن جماع کرنے سے قبل ہی اسے طلاق دے دی، کیا وہ اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پہلے کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے کا مزہ نہ چکھ لے اور وہ مرد اس کا مزہ نہ چکھ لے (بخاری، نسائی، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)

شرح: خطابی نے کہا کہ عُسَیلہ کا لفظ عسل سے نکلا ہے یعنی اس کی تصغیر ہے اور اس میں ۃ لذت کی نیت پر داخل ہوئی ہے۔ عسل (شہد) بھی مذکر و مؤنث دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں فریق جماع کریں تو یہ عورت پہلے کے لیے حسب شرائط شرع حلال ہو گی۔ اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں سوائے سعید بن المسیب کے جس نے حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ کو ظاہر پہ رکھ کر صرف دوسرے کے ساتھ نکاح کو کافی کہا ہے مگر جمہور کے نزدیک آیت میں نکاح سے مراد جماع ہے جو اس کا اصلی لغوی معنیٰ ہے۔

بَابٌ فِي تَعْظِيمِ الزِّنَا

یہ باب زنا کی سنگینی و شدت میں ہے۔

۲۳۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ قَالَ وَأَنْزَلَ اللَّهُ تَصْدِيقَ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ الْآيَةَ۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا (اور معبود صرف خالق ہی ہو سکتا ہے) عبداللہؓ نے کہا کہ میں نے کہا: پھر کونسا گناہ؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ عبداللہ نے کہا کہ میں نے پوچھا پھر کونسا گناہ؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے بدکاری کرے۔ عبداللہ نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق اس آیت میں اتاری (جو سورۂ فرقان کے اواخر میں ہے): رحمان کے بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور اللہ نے جس جان کا قتل حرام کیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے الخ (بخاری، مسلم، نسائی، احمد)

شرح: اولاد کا قتل بہر صورت حرام ہے مگر بخوف مفلسی اس کے قتل میں شدت اور بڑھ جاتی ہے۔ زنا ویسے بھی حرام ہے مگر ہمسائے کے گھر میں یہ فعل زیادہ سنگین ہو جاتا ہے کہ اللہ کا حکم بھی توڑا اور ہمسائے کی حق تلفی بھی کی۔

۲۳۱۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ حَجَّاجٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ جَاءَتْ مُسَيْكَةُ لِبَعْضِ الْأَنْصَارِ فَقَالَتْ إِنَّ سَيِّدِي يُكْرِهُنِي عَلَى الْبِغَاءِ فَنَزَلَ فِي ذَلِكَ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ

جابر بن عبداللہؓ کہتے تھے کہ مُسیکہ آئی جو کسی انصاری (عبداللہ بن اُبیّ بن سلول) کی لونڈی تھی اور کہا کہ میرا مالک مجھ کو بدکاری پر مجبور کرتا ہے: پس اس بارے میں یہ آیت اتری: اور تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر

مجبور نہ کرو (عبداللہ بن اُبیّ رئیس المنافقین کی چھ لونڈیاں تھیں وہ ان سے بدکاری کرواتا اور زنا کی اجرت حاصل کرتا تھا۔ منذری نے ان کے نام یہ لکھے ہیں: معاذہ، مُسیکہ، اروی، قتیلہ، عمرہ اور نُعیمہ۔ یہ لونڈی جس کا ذکر اس حدیث میں ہے انہی میں سے ایک تھی۔

۲۳۱۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ قَالَ قَالَ سَعِيدُ بْنُ أَبِي الْحَسَنِ غَفُورٌ لَهُنَّ الْمُكْرَهَاتِ آخِرُ كِتَابِ الطَّلَاقِ ۔

معتمر نے اپنے باپ سلیمان تیمی سے روایت کی کہ: اور جو انہیں مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی مجبوری کے باعث غفور رحیم ہے (سورۂ نور ۳۳) سعید بن ابی الحسن نے کہا کہ اُن مجبور کی جانے والی عورتوں کے لیے غفور رحیم ہے (منذری نے کہا کہ حسن بصری کا قول ہے کہ اُن کے لیے، اور اللہ ان کے لیے غفور رحیم ہے، انہیں مجبور کرنے والوں کے لیے نہیں) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَوَّلُ كِتَابِ الصِّيَامِ

اول کتاب الصّیام۔ (روزے کی فرضیت کی ابتدا کا باب)

مَبْدَأُ فَرْضِ الصِّيَامِ

یہ ۸۱۔ ابواب اور ایک سو چونسٹھ احادیث پر مشتمل ہے۔

۲۳۱۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَبُّوَيْهِ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ أَبِيهِ يَزِيدَ النَّحْوِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ فَكَانَ النَّاسُ عَلَى

عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّوُا الْعَتَمَةَ حَرُمَ عَلَيْهِمُ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ وَالنِّسَاءُ وَصَامُوا إِلَى الْقَابِلَةِ فَاخْتَانَ رَجُلٌ نَفْسَهُ فَجَامَعَ امْرَأَتَهُ وَقَدْ صَلَّى الْعِشَاءَ وَلَمْ يُفْطِرْ فَأَرَادَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَجْعَلَ ذٰلِكَ يُسْرًا لِمَنْ بَقِيَ وَرُخْصَةً وَمَنْفَعَةً فَقَالَ عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ وَكَانَ هٰذَا مِمَّا نَفَعَ اللهُ بِهِ النَّاسَ وَرَخَّصَ لَهُمْ وَيَسَّرَ۔

ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ: یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ الخ ” اے ایمان والو تم پر روزہ رکھنا فرض ہوا جس طرح تم سے پہلوں پر فرض ہوا تھا“ پس لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو ان پر کھانا پینا اور عورتیں حرام ہو جاتیں اور آئندہ رات تک روزہ رکھتے۔ پس ایک آدمی نے اپنے آپ سے خیانت کی اور اپنی عورت سے جماع کیا حالانکہ وہ نماز عشاء پڑھ چکا تھا اور اس نے افطار نہ کیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ اس معاملے کو دوسروں کے لیے آسان کر دے اور رخصت و منفعت بنا دے، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَلِمَ اللهُ الخ ” اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے۔ اور یہ حکم بھی ان احکام میں سے تھا کہ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ دیا اور انہیں رخصت دی اور آسانی پیدا فرمائی (منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں علی بن حسین بن واقد ضعیف راوی ہے)

شرح: روزہ کی فرضیت ہجرت کے دوسرے سال شعبان میں ہوئی تھی۔ صوم اور صیام دونوں مصدر ہیں جن کا لغوی معنیٰ رُکنا ہے اور شرعی معنیٰ یہ ہے کہ: خاص اوقات میں خاص قسم کی چیزوں سے خاص قسم کا رُکنا مخصوص شرائط کے ساتھ۔ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ صوم اصل میں فعل سے باز رہنے کا نام ہے، اس لیے جو گھوڑا نہ چلے اُسے صائم کہتے ہیں۔ اور شرع میں مکلف انسان کا نیت سمیت کھانے پینے اور خاص فعل سے فجر سے مغرب تک رکنا صوم کہلاتا ہے۔ زرقانی نے کہا ہے کہ روزہ کی فرضیت بہت سے فوائد کے لیے ہے۔ سب سے بڑا فائدہ نفس کو زیر کرنا اور شیطان پر غلبہ پانا ہے۔ شکم سیری نفس میں ایک نہر ہے جس پر شیطان وارد ہوتا ہے اور بھوک روح میں ایک نہر ہے جس پر ملائکہ وارد ہوتے ہیں۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ غنی روزے سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر پہچانتا ہے کیونکہ اسے بہت ایسی چیزیں ملی ہوئی ہیں جن سے محتاج لوگ محروم ہیں مثلاً فاضل کھانا پینا اور نکاح۔ پس مخصوص اوقات میں جب ان چیزوں پر پابندی لگ جاتی ہے تو اسے وہ لوگ یاد آتے ہیں جن کے پاس سرے سے یہ چیزیں موجود نہیں، اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکریے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے دل میں غرباء و مساکین کے لیے رحمت و شفقت اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

علامہ علی القاری نے کہا ہے کہ صوم کی فرضیت ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد تحویل قبلہ کے واقعہ سے متأخر ہوئی

تھی۔ اس سے پہلے بعض کے نزدیک روزہ بالکل فرض نہ تھا، بعض نے عاشورہ اور ایام بیض کے روزوں کی فرضیت کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ شافعی فقہاء کا یہی قول ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سب سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض ہوا تھا اور پھر ماہ رمضان کے روزے کی فرضیت سے وہ منسوخ ہوگیا تھا۔
ابن عمر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں جو اس باب میں آتی ہیں ان سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے اسی طرح رُبیع بنت معاذ کی حدیث جو آرہی ہے اور صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اور اسی طرح مسلمہ کی حدیث۔
ابن جریر طبری نے ابن عباسؓ کی روایت درج کی ہے کہ پہلے پہل شام کو روزہ کھول کر عشاء تک کھا سکتے تھے، نماز عشاء پڑھ کر کھانا پینا وغیرہ حرام ہوجاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ رات کو بیوی سے ملاقات کرلی اور پھر رونے لگے الخ۔ ابوداؤد کی روایت کردہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ رمضان سے قبل کوئی روزہ فرض نہ تھا۔ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ رمضان سے قبل عاشوراء اور ایام بیض کے روزے فرض تھے۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ابن عباسؓ کے اس قول کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں ملتی کہ پہلے روزہ کی رات کو نماز عشاء کے بعد کھانا پینا اور جماع حرام تھا۔ شاید اس میں اہل کتاب کے روزے کو مدنظر رکھا گیا ہو کہ یہود میں یہ رواج تھا۔ اور نفس کی خیانت سے یہ مراد لیا ہے کہ بعد از عشاء اکل وشرب اور جماع کو ناجائز سمجھنے کے باوجود کچھ لوگ ایسا کرتے تھے۔ اور اس مسئلے کی تحقیق وتفصیل کا محل دراصل تفسیر ہے۔ رخصت دینے اور آسانی پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہاں جو نامروا پابندیاں تھیں اللہ تعالےٰ نے اس امت سے انہیں دور فرمایا، یہ نہیں کہ پہلے یہاں بھی پابندیاں تھیں۔ اگر ایسا ہوتا تو کتاب وسنت کے کچھ واضح احکام اس سلسلے میں ملتے، واللہ اعلم بالصواب

۲۳۱۴۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ نَصْرٍ الْجَهْضَمِيُّ أَنَا أَبُو أَحْمَدَ أَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ وَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا صَامَ فَنَامَ لَمْ يَأْكُلْ إِلَى مِثْلِهَا وَإِنَّ صِرْمَةَ بْنَ قَيْسٍ الْأَنْصَارِيَّ أَتَى إِمْرَأَتَهُ وَكَانَ صَائِمًا فَقَالَ عِنْدَكِ شَيْءٌ قَالَتْ لَا لَعَلِّي أَذْهَبُ فَأَطْلُبُ لَكَ فَذَهَبَتْ وَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ فَجَاءَتْ فَقَالَتْ خَيْبَةً لَكَ فَلَمْ يَنْتَصِفِ النَّهَارُ حَتَّى غُشِيَ عَلَيْهِ وَكَانَ يَعْمَلُ يَوْمَهُ فِي أَرْضِهِ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ قَرَأَ إِلَى قَوْلِهِ مِنَ الْفَجْرِ۔

براءؓ سے روایت ہے کہ آدمی جب روزہ دار ہوتا اور افطار سے قبل بعد از مغرب سوجاتا تو وہ آئندہ رات تک نہ کھاتا۔ ابو صرمہؓ انصاری روزہ دار تھا، وہ اپنی بیوی کے پاس آیا اور کہا کہ کیا تیرے پاس کھانے کو کچھ ہے؟

اس نے کہا نہیں، شاید میں جاؤں اور تیرے لیے کچھ لے آؤں۔ پس وہ تو چلی گئی اور ابو صرمہؓ پر نیند کا غلبہ ہو گیا وہ آئی تو بولی: تیرے لیے محرومی ہے۔ پس دوسرے دن ابھی دن نصف نہ گزرا تھا کہ اس پر غشی طاری ہو گئی اور وہ دن بھر اپنی زمین میں کام کرتا تھا، پس یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ..... مِنَ الْفَجْرِ تک (بخاری، نسائی، ترمذی)

شرح: یہ آیت سورۂ البقرہ کی آیت ۱۸۷ ہے۔ ابن جریر طبری نے سُدّی کے طریق سے بیان کیا ہے کہ یہ حکم اہل کتاب کے روزے کے موافق تھا اور عام احادیث میں نیند کا ذکر ہے کہ اس کے بعد کھانا پینا وغیرہ حرام ہوتا تھا، مگر حدیثِ ابن عباس رضؓ میں نمازِ عشاء کا ذکر ہے کہ اس کے بعد یہ حکم نافذ ہوتا تھا۔ مگر حیرت اس پر ہے کہ اس ممانعت کے لیے کوئی آیت یا حدیث نہیں ہے، غالباً صرف موافقتِ اہل کتاب کے باعث ایسا ہوتا تھا کہ ان کے روزے میں یہ پابندیاں سب کو معلوم تھیں لہٰذا لوگ از خود ان پر عامل تھے۔ واللہ اعلم

بَابُ نَسْخِ قَوْلِهِ تَعَالَى وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ

طاقت کے باوجود فدیئے کے جواز کے نسخ کا باب

۲۳۱۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا بَكْرٌ يَعْنِي ابْنَ مُضَرَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ كَانَ مَنْ أَرَادَ مِنَّا أَنْ يُفْطِرَ وَيَفْتَدِيَ فَعَلَ حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا فَنَسَخَتْهَا۔

سلمہ بن اکوع کے غلام یزید نے کہا کہ جب یہ آیت اتری: اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں ان کے ذمہ مسکین کا کھانا بطور فدیہ واجب ہے، تو ہم میں سے جو چاہتا کہ روزہ نہ رکھے اور فدیہ دیدے تو ایسا ہی کرتا تھا حتیٰ کہ وہ آیت اتری جو اس کے بعد ہے اور اس نے اسے منسوخ کر دیا (بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی)

شرح: اور وہ آیت جس نے اسے منسوخ کیا تھا وہ یہ ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ الخ اور اس میں ہے کہ: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ "سو جو کوئی اس مہینے میں موجود ہو وہ روزہ رکھے۔ بخاری وغیرہ میں ہے کہ ابن عمرؓ نے بھی یہی کہا کہ: وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ الخ منسوخ ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ ابن عباس رضؓ نے اس کے خلاف کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں اور اس کا تعلق بہت بوڑھے یا دائم المرض وغیرہ سے ہے۔ اور اس صورت میں یُطِيقُونَهُ میں بابِ افعال کی خاصیت سلبِ مادہ مراد ہوگی، یعنی یُطَوَّقُونَهُ "انہیں بمشکل ہی اس کی طاقت ہے"

۲۳۱۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ نَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ

النَّحْوِیُّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَكَانَ مَنْ شَاءَ مِنْهُمْ اَنْ يَّفْتَدِيَ بِطَعَامِ مِسْكِيْنٍ افْتَدٰى وَتَمَّ لَهٗ صَوْمُهٗ فَقَالَ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَقَالَ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔ پس ان سے جس کا جی چاہتا کہ ایک مسکین کو روزے کا فدیہ دے دے تو وہ فدیہ دے دیتا اور اس کا روزہ (ادائے فرض کے لحاظ سے) پورا ہو جاتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ "سو جو بخوشی نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور تمہارے لیے روزہ رکھنا ہی بہتر ہے۔" اور فرمایا: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ "پس جو تم میں سے اس ماہ میں حاضر ہو وہ اس کا روزہ رکھے اور جو بیمار ہو یا مسافر ہو تو اور دنوں سے یہ گنتی پوری کرے۔" (بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی)

شرح: بظاہر ابن عباس رضؓ کا یہ قول بتاتا ہے کہ وہ: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ الخ کی آیت کے نسخ کے قائل ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ یہ احادیث اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس میں ابن عباس رضؓ کا اختلاف ہے کیونکہ انہوں نے اسے محکم بتایا ہے لیکن اسے بہت بوڑھے شخص وغیرہ سے مخصوص مانا ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ: (۱) یا تو یہ کہا جائے کہ ابن عباس رضؓ کی قرأت وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ ہے یعنی جن لوگ کو بمشکل یہ طاقت ہے، اور یہ بخاری میں عطاء عن ابن عباس رضؓ آیا ہے: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ اس بوڑھے مرد یا بوڑھی عورت کے لیے ہے جن کو صوم کی استطاعت نہیں ہوتی، پس وہ ہر روزے کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ ابن عباس رضؓ کا مذہب ہے اور اکثر نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں جو يُطِيْقُوْنَهٗ آیا ہے یہ دراصل يُطَيَّقُوْنَهٗ ہے جیسا کہ سیوطی نے الدر المنثور میں ابن الانباری سے ابن عباس رضؓ کی روایت نقل کی ہے کہ یہ لفظ يُطَيَّقُوْنَهٗ ہے، یعنی وہ بتکلف روزہ رکھ سکتے ہیں۔ (۲) یا پھر یوں کہا جائے کہ ابن عباس رضؓ کے نزدیک یہ آیت عام متکلفین کے حق میں منسوخ ہے مگر بوڑھوں کے حق میں نہیں، چنانچہ اس پر بھی الدر المنثور کی ایک روایت دلالت کرتی ہے کہ یہ آیت شیخ فانی کے حق میں منسوخ نہیں ہے باقی لوگوں کے حق میں منسوخ ہے۔ پس یہ ہمارے اوپر بیان کردہ قول کی ظاہر دلیل ہے۔ اور اس بنا پر ابن عباس رضؓ کا قول بھی جمہور کے موافق ہے۔ اور شاید ابوداؤد نے یہ حدیث اس باب میں اسی لیے رکھی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابن عباس رضؓ کا قول پہلے نسخ کا ہو اور پھر انہوں نے رجوع کر لیا ہو۔

اس حدیث میں ابن عباس رضؓ نے جن دو آیات کا ذکر لیا ہے ان کا حاصل یہ ہے کہ آیت: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ

آخر دو حکموں پر مشتمل ہے (ا) جو شخص صرف بتکلف و تحمل ہی روزہ رکھ سکتا ہے، ورنہ طاقت اس میں نہیں، تو وہ فدیہ دے اور ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ گویا پہلے لوگوں کو فدیہ اور صوم میں اختیار تھا۔ (ب)۔ پھر انہیں یہ کہ روزے کی ترغیب دی کہ: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اور یہ دونوں حکم بہت بوڑھے مرد عورت کے لیے ہیں اسی طرح دوسری آیت: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ بھی دو احکام پر مشتمل ہے (ا) بوڑھے مرد عورت کے علاوہ اور سب جو ماہ رمضان میں موجود ہوں روزہ رکھیں۔ (ب)۔ مریض اور مسافر جنہیں روزے سے ضرر پہنچتا ہے انہیں روزہ ملتوی کرنے کی اجازت ہے۔ رہ گئی حاملہ عورت اور بچے کو دودھ پلانے والی عورت جبکہ انہیں بچے کے ضرر کا اندیشہ ہو تو انہیں افطار کی رخصت اس آیت سے حاصل ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ کیونکہ آیت میں کوئی معین مریض مراد نہیں، بلکہ جس مریض کو روزے سے ضرر پہنچتا اُسے افطار کی اجازت ہے۔ گویا کہ مرض کا ذکر اس امر کا کفایہ ہے کہ کوئی ایسا امر جس کی موجودگی میں روزہ ضرر پہنچائے اور حاملہ اور مرضعہ کے معاملے میں وہ امر پایا جاتا ہے لہٰذا وہ رخصت کے حکم میں داخل ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ فرمایا: اللہ تعالےٰ نے مسافر سے نصف نماز معاف کی ہے اور حاملہ اور مرضعہ سے روزہ اور ان پر قضاء تو ہے مگر فدیہ نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قضاء اور فدیہ دونوں حاملہ اور مرضعہ پر واجب ہیں۔ اور یہ مسئلہ صحابہ و تابعین میں بھی مختلف فیہ رہا تھا۔ علیؓ اور حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ان پر قضاء لازم ہے فدیہ نہیں اور حنفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور ابن عمرؓ اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ وہ دونوں قضاء بھی کریں اور فدیہ بھی دیں اور اس قول کو شافعیؒ نے اختیار کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ الخ اور حاملہ و مرضعہ کو طاقت حاصل ہے لہٰذا وہ آیت کے تحت داخل ہیں لہٰذا ان پر فدیہ واجب ہے۔ اور حنفیہ کی دلیل یہ آیت ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا الخ جس میں اللہ تعالےٰ نے مریض پر قضاء واجب کی ہے اور جو قضاء کے ساتھ فدیہ بھی بتائے اس نے نص پر اضافہ کیا اور یہ کسی دلیل کے بغیر جائز نہیں۔ اور رہی آیت: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ الآیۃ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس میں لَا مضمر ہے اور یہ لغت میں جائز ہے۔ مثلاً: يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا الخ یعنی اَنْ لَا تَضِلُّوْا۔ اور بعض قراءتوں میں لَا کا حرف موجود بھی ہے: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ وَلَا يُطِيْقُوْنَهٗ الخ علاوہ ازیں اس آیت سے یہ استدلال ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ اس میں تو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے: یا فدیہ یا روزہ۔ نہ یہ کہ: روزہ بھی فدیہ بھی۔ اور عدم جمع پر یہ قول دلیل ہے: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اور یہ شہر رمضان کے روزے کی فرضیت کے ساتھ منسوخ ہو گئی تھی۔ ارشاد الٰہی حتمی یہ ہے کہ: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تو پہلی آیت میں اختیار دیا اور دوسری میں حتمی طور پر روزہ فرض کیا اور ان حضرات نے ناسخ و منسوخ دونوں کو جمع کر کے روزہ کی قضاء بھی واجب کی اور فدیہ بھی۔ اور عقلاً بھی یہ غلط ہے کیونکہ فدیہ تو اگر واجب ہوتا تو کسی فوت شدہ چیز کے نقصان کو پورا کرنے کے لیے واجب ہوتا اور جبر نقصان کا معنی تو قضاء سے ہی حاصل ہو جاتا ہے، پھر فدیہ کی اس میں کیا گنجائش رہی؟ یہی سبب ہے مریض اور مسافر پر بھی صرف قضاء واجب ہے نہ کہ قضاء مع الفدیہ۔ مگر شیخ فانی کے لیے مباح ہے کہ روزہ نہ رکھے کیونکہ وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہے اور عامۂ علماء کے نزدیک اس پر قضاء نہیں بلکہ فدیہ واجب ہے۔ اور اجماع سلف کے برخلاف امام مالکؒ نے

کہا کہ اس پر فدیہ بھی نہیں۔ حالانکہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ فانی پر فدیہ واجب قرار دیا ہے اور اس پر ان کا اجماع ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فدیہ اس پر واجب کیا ہے جسے روزے کی طاقت ہو اور شیخ فانی کو طاقت نہیں لہذا اس پر فدیہ واجب نہیں (البدائع والصنائع۔

بَابُ مَنْ قَالَ هِيَ مُثْبَتَةٌ لِلشَّيْخِ وَالْحُبْلَى

ان کا باب جنہوں نے اس آیت کو بوڑھے اور حاملہ کے لیے محکم مانا

۲۳۱۷ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا أَبَانُ نَا قَتَادَةُ أَنَّ عِكْرِمَةَ حَدَّثَهُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ أُثْبِتَتْ لِلْحُبْلَى وَالْمُرْضِعِ۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ آیت حاملہ اور مرضعہ کے لیے ثابت (غیر منسوخ) ہے (حنفیہ کے نزدیک یہ آیت ہمارے اور شافعیہ کے اتفاق سے غیر منسوخ ہے۔ حاملہ کے لیے شافعیؒ کے نزدیک غیر منسوخ ہے کیونکہ وہ اس پر قضاء اور فدیہ دونوں واجب ٹھہراتے ہیں مگر حنفیہ کے نزدیک اس پر صرف قضاء ہے فدیہ نہیں ہے

۲۳۱۸۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى نَا ابْنُ عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَزْرَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ قَالَ كَانَتْ رُخْصَةً لِلشَّيْخِ الْكَبِيرِ وَالْمَرْأَةِ الْكَبِيرَةِ وَهُمَا يُطِيقَانِ الصِّيَامَ أَنْ يُفْطِرَا وَيُطْعِمَا مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا وَالْحُبْلَى وَالْمُرْضِعِ إِذَا خَافَتَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ يَعْنِي عَلَى أَوْلَادِهِمَا أَفْطَرَتَا وَأَطْعَمَتَا۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیت: وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ۔ یہ زیادہ بوڑھے مرد عورت کے لئے رخصت ہے حالانکہ وہ روزے کی طاقت رکھتے ہوں، وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلادیں۔ اور حاملہ اور مرضعہ عورتیں جب انہیں خوف ہو۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن عباسؓ کی مراد یہ ہے کہ انہیں اولاد پر خوف ہو (تو افطار کریں اور کھانا کھلادیں)

شرح: علامہ خطابی اس حدیث کی شرح میں معالم السنن میں رقمطراز ہیں کہ: اس باب میں ابن عباسؓ کا مذہب یہ ہے کہ رخصت حاملہ اور مرضعہ کے لیے محکم اور غیر منسوخ ہے اور اس بوڑھے کے حق میں جسے روزے کی طاقت ہے، منسوخ ہے۔ وہ روزہ نہ رکھ کر فدیہ نہیں دے سکتا۔ لیکن حاملہ اور مرضعہ کے لیے گو رخصت قائم

ہے لیکن انہیں فدیہ کے ساتھ ساتھ قضاء بھی واجب ہے۔ دونوں چیزوں کا وجوب اس لیے ہے کہ ان کا افطار غیر کے لیے ہے کیونکہ وہ بچے پر شفقت ورحمت کے باعث افطار کرتی ہیں۔ لہٰذا جب شیخ فانی پر فدیہ اس لیے واجب ہوا کہ وہ افطار اپنی ذات کے باعث کرتا ہے تو اس سے عقلاً یہ نکلا کہ جو غیر کے لیے افطار کرے اس پر فدیہ بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔ اور یہی مذہب شافعیؒ اور احمدؒ کا ہے اور مجاہدؒ سے بھی مروی ہے۔

مگر وہ شیخ کبیر جسے روزے کی طاقت نہیں وہ صرف فدیہ دے گا نہ کہ قضاء، کیونکہ وہ روزے سے عاجز ہے۔ اور یہ انسؓ سے مروی ہے کہ جب وہ زیادہ عمر کے ہوگئے تو ایسا ہی کرتے تھے۔ اور یہ قول حنفیہ، شافعی اور اوزاعی کا ہے۔ اور اوزاعی، ثوری اور حنفیہ نے کہا کہ حاملہ عورت اور مرضعہ روزہ قضاء کریں گی اور فدیہ نہ دینگی جیساکہ مریض کا بھی یہی حکم ہے۔ اور یہ حسن بصری، عطاء، نخعی اور زہری سے مروی ہے۔ امام مالک نے کہا کہ حاملہ عورت مریض جیسی ہے کہ قضاء کرے اور فدیہ نہ دے لیکن مرضعہ قضاء بھی کرے اور فدیہ بھی دے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ حاملہ اور مُرضعہ کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جب انہیں خوف ہو تو افطار بھی کریں اور فدیہ بھی دیں۔ اور ان کے ذمہ قضاء واجب نہیں۔ لیکن ابن عباسؓ دوسری روایت میں ہے کہ وہ اس آیت کو: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ پڑھتے تھے، یعنی ان میں طاقت نہیں بلکہ تکلیف ہوتی ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اس میں نہایت بوڑھا مرد اور نہایت بوڑھی عورت مراد ہے کہ وہ فدیہ دیں اور قضاء نہ کریں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اور اس کی رخصت صرف ان بوڑھوں کے لیے ہے جنہیں روزے کی طاقت نہیں یا اس مریض کے لیے جسے شفایابی کی امید نہیں۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ جو بڑی مشقت کے بغیر روزے کی طاقت نہ رکھے تو وہ افطار کرسکتا ہے اور فدیہ ادا کرے۔ اور حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی اور شیخ کبیر اور دائم المرض کا بھی یہی حکم ہے۔ اور ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے اپنی ایک حاملہ لونڈی سے کہا: تو اُن لوگوں کی مانند ہے جنہیں روزے کی طاقت نہیں، تو فدیہ ادا کر اور تیرے ذمہ قضاء نہیں ہے۔ اور ابن عمرؓ سے بھی نافع نے اسی قسم کی روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنی حاملہ بیٹی کے سوال پر کہا کہ افطار کر اور فدیہ ادا کردے۔ اور اسی طرح سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ: قریب الولادت حاملہ اور وہ مرضعہ جسے بچے کے ضرر کا خوف ہے، دونوں افطار کریں اور فدیہ ادا کریں اور ان پر قضاء واجب نہیں۔ مجاہد سے ایک فتویٰ عثمان بن الاسود نقل کیا ہے کہ حاملہ افطار کرے اور فدیہ دے مگر صحت کی حالت میں قضاء بھی کرے۔ حسن بصری سے منقول ہے کہ مرضعہ کو جب خوف ہو تو افطار کرے اور فدیہ ادا کرے اور حاملہ کو جب اپنی جان کا خوف ہو تو افطار کرے کیونکہ وہ مریض کے حکم میں ہے۔ اور حسن سے حاملہ اور مرضعہ دونوں کے لیے افطار اور قضاء کا فتویٰ مروی ہے۔ ابراہیم نخعی سے بھی حاملہ اور مرضعہ دونوں کے لیے افطار اور قضاء کا فتویٰ مروی ہے۔ یہ سب روایات سیوطی نے الدر المنثور میں درج کی ہیں۔ ان سے معلوم ہوگیا کہ حاملہ اور مرضعہ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اور ابن عباسؓ کی روایات جس طرح حاملہ اور مرضعہ کے متعلق وجوبِ فدیہ میں حنفیہ کے خلاف ہیں اسی طرح وجوبِ قضاء میں شافعیہ کے بھی خلاف ہیں۔ اور ان روایات کا مدار محض اجتہاد پر ہے لہٰذا ان میں کوئی شرعی

فیصلہ نہیں ہے۔

ابن رشد نے بدایۃ المجتہدین کہا ہے کہ: مرضعہ، حاملہ اور شیخ کبیر کے بارے میں دو مشہور مسئلے ہیں۔ پہلا یہ کہ حاملہ اور مرضعہ جب روزہ نہ رکھیں تو ان پر کیا واجب ہے؟ اس مسئلہ میں علماء کے چار مذاہب ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ فدیہ دیں اور ان کے ذمہ قضا نہیں اور یہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ فقط قضاء کریں ان پر فدیہ نہیں ہے اور یہ قول پہلے کے بالمقابل ہے اور ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور ابو عبید اور ابو ثور کا یہی مذہب ہے۔ تیسرا قول یہ کہ وہ قضاء اور فدیہ دونوں دیں اور یہ شافعیؒ کا قول ہے۔ چوتھا قول یہ کہ حاملہ قضاء کرے اور فدیہ نہ دے اور مرضعہ قضاء بھی کرے اور فدیہ بھی ادا کرے۔ اور ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ حاملہ اور مرضعہ بیک وقت مریض اور شیخ کبیر (جو روزہ بہ مشقت رکھ سکے) ہر دو سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سو جس نے انہیں مریض کے مشابہ قرار دیا اس نے کہا کہ ان پر صرف قضاء واجب ہے اور جس نے اُنہیں شیخ کبیر سے تشبیہ دی اس نے ان پر فقط فدیہ واجب کیا۔ اور اس کی دلیل یُطَوَّقُوْنَہٗ کی قرأت ہے۔ اور جس نے ان پر دونوں امور کو جمع کیا تو ہوسکتا ہے کہ اس کا باعث یہ ہو کہ انہیں مریض اور شیخ فانی ہر دو کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اسی سبب سے انہوں نے کہا کہ ان پر فدیہ اور قضاء دونوں ہیں۔ یعنی مریض کے ساتھ مشابہت کے باعث قضاء اور شیخ فانی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے فدیہ۔ اور جنہوں نے حاملہ اور مرضعہ کے حکم میں اختیار کیا انہوں نے حاملہ کو مریض سے ملایا اور مرضعہ کے حکم کو دونوں کا مجموعہ رہنے دیا۔ علامہ ابن رشد نے کہا کہ حاملہ اور مرضعہ میں بلا اختیار قضاء کا حکم دیا وہ ان سے اولیٰ ہیں جنہوں نے صرف فدیئے کا حکم دیا کیونکہ یُطَوَّقُوْنَہٗ کی قرأت غیر متواتر ہے۔ اور شیخ فانی اور بڑھیا جو روزے کی طاقت نہ رکھیں ان کے لیے افطار کے جواز پر تو اجماع ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ ان کے ذمہ کیا واجب ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر صرف فدیہ ہے اور بعض نے کہا کہ ان کے ذمہ کوئی فدیہ نہیں۔ پہلا قول ابو حنیفہ اور شافعی کا ہے اور دوسرا مالک کا۔ اور ان کے اختلاف کا سبب قرأت کا اختلاف ہے یعنی یُطَوَّقُوْنَہٗ کی قرأت کا۔ پس جن کے نزدیک غیر ثابت شدہ قرأت پر بھی عمل واجب ہوسکتا ہے (یعنی جو قرأت مُصحف میں ثابت نہیں) جبکہ وہ خبر واحد کے طور پر عادل راویوں سے ثابت ہو، انہوں نے کہا کہ شیخ فانی ان لوگوں میں سے ہے جن کا ذکر اس قرأت میں ہے۔ اور جس نے کہا کہ غیر ثابت قرأت پر عمل واجب نہیں، اس نے مریض کا حکم، جس کی بیماری دائمی ہو اور موت تک رہے، یہی قرار دیا ہے۔

اس حدیث نمبر ۲۳۱۸ میں ابن عباسؓ کا قول بظاہر آیت کے خلاف ہے، کیونکہ آیت تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ روزے کی طاقت رکھنے والے جب روزہ نہ رکھیں تو ان کے ذمہ مسکین کا کھانا بطور فدیہ واجب ہے، پس اس میں شیخ کبیر اور بڑھیا داخل نہیں ہے۔ اب ابن عباسؓ کے قول کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو یہ کہا جائے کہ آیت میں یُطِیْقُوْنَہٗ باب افعال سے نہیں ہے بلکہ تفعیل کے باب سے ہے بمطابق قرأت ابن عباسؓ یُطَیَّقُوْنَہٗ ہے۔ پس اس تاویل کی صورت میں ابن عباسؓ کا یہ قول کہ: یہ شیخ کبیر اور بڑی عمر کی عورت کو رخصت تھی، ٹھیک ہو جاتا ہے۔ یعنی اُن کو بمشقت و جہد روزہ رکھنے کی طاقت ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے

کہ یُطِیقُونَہٗ باب افعال سے ہے، تو اس صورت میں کہا جائے گا کہ ابن عباس رضؓ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا تھا اور جمہور کا قول مان لیا تھا۔ یعنی پہلے یہ حکم روزے کی طاقت رکھنے والوں کے لیے تھا کہ انہیں اختیار ہے کہ فدیہ دیں یا روزہ رکھیں (یہ بروایت عکرمہ عن ابن عباس رضؓ پہلے گزر چکا ہے) پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا جیسا کہ سیوطی نے درِ منثور میں ابن سیرین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابن عباس رضؓ خطبہ دے رہے تھے۔ پس انہوں نے یہ آیت پڑھی: وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ آلخ فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے۔ ابن ابی حاتم، نحاس اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضؓ کی روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی: مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ تو پہلی آیت منسوخ ہو گئی۔ لیکن شیخ فانی اگر چاہے تو افطار کرے اور ہر روز ایک مسکین کو کھلا دیا کرے۔

وَهُمَا يُطِيقَانِ الصِّيَامَ کا لفظ ابو داؤد کے سب نسخوں میں اسی طرح لا کے بغیر ہے اور یہ ابن عباس رضؓ کی دوسری سب روایتوں کے خلاف ہے۔ شیخ سیوطی نے کہا ہے کہ سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابو داؤد، ابن جریر، ابن المنذر، ابن حاتم اور بیہقی نے ابن عباس رضؓ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ شیخ کبیر اور بڑھیا کے لیے رخصت تھی در انحالیکہ انہیں روزے کی طاقت ہو تو وہ افطار کر لیں اور ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ پھر اس کے بعد یہ منسوخ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میں سے جو اس ماہ میں موجود ہو وہ اس کا روزہ رکھے۔ اور شیخ کبیر اور بڑھیا کے لیے اس آیت کو محکم رکھا جبکہ انہیں روزے کی طاقت نہ ہو تو وہ افطار کر لیں اور فدیہ دے دیں اور حاملہ عورت اور مرضعہ کے لیے جبکہ انہیں خوف ہو تو افطار کریں اور ہر روز کے بدلے ایک مسکین کھانا کھلائیں۔ مطلب یہ کہ یہاں لا یُطِیقَانِ کا لفظ ہے۔ لہٰذا ابو داؤد کی روایت میں یا تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ: وہ مشقت و کلفت کے ساتھ طاقت رکھیں، یا یہ کہ لا کا لفظ نقل کرنے والے سے چھوٹ گیا ہے یا یہ لفظ مقدر ہے جیسا کہ آیت میں بھی ایک قول یہی ہے یعنی لَا يُطِيقُونَهُ۔ ابو داؤد نے یہ ظاہر کیا ہے کہ بوڑھے مرد عورت کے لیے تو رخصت ان کی اپنی جان کے باعث ہے اور حامل و مرضع میں دوسروں کے باعث ہے۔

بَابُ الشَّهْرِ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ

باب۔ اس مضمون کا کہ مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے

۲۳۱۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، نَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو يَعْنِي ابْنَ سَعِيدِ ابْنِ الْعَاصِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا وَخَنَسَ سُلَيْمَانُ إِصْبَعَهُ فِي الثَّالِثَةِ يَعْنِي تِسْعًا وَعِشْرِينَ وَثَلٰثِينَ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم ایک اُمی اُمت ہیں، لکھنا اور حساب نہیں جانتے (دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھول کر فرمایا) مہینہ یوں اور یوں اور یوں ہے اور سلیمان راوی نے تیسری مرتبہ میں اپنی ایک انگلی بند کر لی، یعنی ۲۹ دن اور تیس دن (بخاری، مسلم، ابن ماجہ اور نسائی)

شرح: خطابی کہتے ہیں کہ جو شخص لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو اُسے اُمی کہا گیا ہے۔ یہ لفظ اُمۃ العرب کی طرف منسوب ہے جو لکھنے پڑھنے سے (بالعموم) ناآشنا تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اُمی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جس حال میں ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا تا حال اُسی پر بے لکھے پڑھے باقی ہے (اُمی کو اُم القریٰ یعنی مکہ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے) انگلی بند کرنے کا اشارہ اس طرف تھا کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے ہمیشہ نہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عرف و عادت میں عموماً مہینہ ۳۰ دن کا شمار ہوتا ہے اور عملاً بھی۔ لہٰذا اشارے کی ضرورت کم تر اور نادر کے لیے تھی۔ اگر کسی آدمی نے ایک ماہ روزہ رکھنے (وغیرہ) کی قسم کھائی ہو اور وہ مہینہ ۲۹ دن کا نکل آئے تو اس کی قسم پوری ہو گئی (یعنی جبکہ ایک معین ماہ کی قسم ہو) ورنہ اگر بلا تعین قسم کھائی ہو تو تیس دن کی مدت پوری کرنا ہوگی۔ اور اس حدیث میں اشارے اور ایماء کے معتبر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص تین انگلیاں دکھا کر بیوی سے کہے کہ تجھے یہ طلاق۔ تو طلاق ثلاثہ واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ اشارہ اس کی نیت و ارادے کا مظہر ہے۔

مولانا نے فرمایا ہے کہ حساب سے مراد اس حدیث میں نجوم کا حساب ہے کیونکہ اہل عرب یہ حساب بھی بہت کم جانتے تھے۔ جیسے کہ لکھنا پڑھنا بھی ان میں کم تھا۔ شریعت کے احکام تیسیر پر مبنی ہیں لہٰذا چاند ہونے یا نہ ہونے کا حساب دفعِ حرج کی خاطر رویت پر مبنی کیا گیا ہے (اسلام آفاقی دین ہے چاند کسی علاقے میں نظر آتا ہے کسی میں نہیں لہٰذا آسانی اسی میں تھی کہ ایام کا حساب رویت پر مبنی کیا جائے ورنہ دنیا بھر میں بہت سی الجھنیں پیش آجانے کا احتمال موجود تھا) جب شروع میں یہ حکم دے دیا گیا تو یہی جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں علم نجوم پر اعتماد کرنا غلط ہوگا، گو بعد میں خود بڑے بڑے علماء نجوم خود عربوں میں اور دیگر مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ حدیث کے ظاہری سیاق سے احکام کو مذہب قرار دیا ہے۔ علامہ اباجی نے کہا کہ اجماع سلف اُن کے خلاف حجت ہے۔ ابن بزیزہ نے کہا ہے کہ یہ قول ایک باطل مذہب ہے کیونکہ شرع نے علم نجوم میں خوض کرنے اور ان کی تاثیرات کا عقیدہ رکھنے سے منع کیا ہے۔ اس کے احکام ظن و تخمین پر مبنی ہیں نہ کہ قسم و یقین پر، بلکہ ظن غالب پر بھی نہیں۔ اگر معاملے کو اس سے مرتبط کیا جاتا تو بیشمار الجھنیں آجاتیں (اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک جگہ کے رمضان کی ابتداء و انتہاء دوسری جگہ سے مختلف ہو، بلکہ دو یا تین عیدیں ہونے میں کوئی حرج نہیں، یہ ایک فطری چیز ہے جس سے شرعی احکام و حقائق متأثر نہیں ہوتے) ابوداؤد کی حدیث میں اختصار ہے۔ دراصل ۲۹ کے لیے الگ تین اشارے ہوئے تھے اور تیس کے لیے الگ جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے۔

۲۳۲۰- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ نَا حَمَّادٌ نَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ

فَلَا تَصُومُوا حَتّٰى تَرَوْهُ وَلَا تُفْطِرُوا حَتّٰى تَرَوْهُ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ ثَلَاثِينَ قَالَ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا كَانَ شَعْبَانُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ نَظَرَ لَهُ فَإِنْ رُئِيَ فَذَاكَ وَإِنْ لَمْ يُرَ وَلَمْ يَحُلْ دُونَ مَنْظَرِهِ سَحَابٌ وَلَا قَتَرَةٌ أَصْبَحَ مُفْطِرًا فَإِنْ حَالَ دُونَ مَنْظَرِهِ سَحَابٌ أَوْ قَتَرَةٌ أَصْبَحَ صَائِمًا قَالَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُفْطِرُ مَعَ النَّاسِ وَلَا يَأْخُذُ بِهٰذَا الْحِسَابِ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے پس تم چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو اور چاند دیکھے بغیر روزہ رکھنا ترک نہ کرو، پھر اگر بادل وغیرہ کے باعث چاند نظر نہ آئے تو اس کے لیے (تیس دن کا) حساب کر لو۔ نافع نے کہا کہ جب شعبان کی ۲۹ ویں تاریخ ہوتی تو ابن عمرؓ کے لیے چاند دیکھا جاتا (وہ خود آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے) پس اگر وہ نظر آجاتا تو بہتر ورنہ اگر چاند کے سامنے بادل یا گرد و غبار حائل نہ ہوتے تو روزہ نہ رکھتے تھے۔ اگر بادل یا غبار حائل ہوتا تو روزہ رکھ لیتے نافع نے کہا کہ ابن عمرؓ لوگوں کے ساتھ ہی افطار کرتے تھے اور اس حساب کو اختیار نہیں کرتے (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: علامہ خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ فاقدروا لہ جو فرمایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تیس دن کی گنتی پوری کر لو۔ قدر اور تقدیر دونوں کا معنیٰ شمار کرنا، اندازہ کرنا اور تکمیل کرنا ہے: فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ (المرسلات ۲۳) بعض اہل علم نے اس سے مراد منازلِ قمر کا حساب کرنا لیا ہے لیکن پہلا قول درست ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے: فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَصُومُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا۔ ابوہریرہؓ کی اس روایت کو علامہ خطابی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے۔ اور پھر اس مضمون کی ابن عمرؓ کی روایت اپنی سند سے درج کی ہے جس میں یہ لفظ ہے: فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَعُدُّوا لَهُ ثَلَاثِينَ يَوْمًا۔ امام خطابی نے کہا کہ یہی عامہ اہل علم کا قول ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یوم شک کے روزے کی ممانعت فرمائی ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے۔

ابن عمرؓ کا مذہب شعبان کے بارے میں وہ ہے جو اس حدیث میں نافع نے نقل کیا ہے اور اسی کو احمد بن حنبلؒ نے اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ فعل صرف شعبان کے بارے میں تھا جو وہ احتیاطاً کرتے تھے ورنہ عید کے بارے میں وہ عام لوگوں کے ساتھ رہتے تھے۔ امام احمدؒ نے ابن عمرؓ کے اتباع میں کہا ہے کہ اگر کسی علتِ سماوی کے باعث ۲۹ ویں شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو لوگ اگلے دن روزہ رکھیں اور اگر مطلع صاف ہو تو روزہ نہ رکھیں۔ مسلم نے یہ روایت فقط مسند کی حد تک روایت کی ہے۔ یعنی آگے جو نافع کا قول ابن عمرؓ کے فعل کے متعلق ہے وہ روایت نہیں کیا۔

اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ: مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے اور مشاہدہ بھی۔ اس مضمون کی حدیث ابوداؤد اور ترمذی نے ابن مسعودؓ سے

روایت کی ہے جو آگے آئے گی۔ اور مسند احمد میں حضرت عائشہ رضؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ: چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر ہر شخص چاند کو خود دیکھے تو روزہ رکھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے دیکھنے سے رویت کا ثبوت ہو جائے خواہ وہ ایک ہی ہو جیسا کہ کسی علت کے باعث ہر ایک کو نظر نہ آسکے تو بھی حکم رویت ثابت ہو گا۔ ہاں اگر کوئی گرد و غبار یا بادل وغیرہ نہ ہوں تو دیکھنے والا ایک مجمع ہونا چاہیئے جن کی خبر پر یقین ہو سکے۔

رہی یہ بات کہ آیا ہر شہر والوں کے لیے اپنی رویت یا کچھ اور؟ سو اس باب میں چار اقوال ہیں (۱) پہلا یہ کہ ہر شہر کے لیے اس کے باشندوں کی رویت ہی معتبر ہے اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضؓ اس کی شاہد ہے۔ ابن المنذر نے یہ قول عکرمہ، القاسم، سالم، اسحاق سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے فقط یہ کہا کہ یہ اہل علم کا قول ہے مگر تفصیل نہیں بتائی، ماوردی نے کہا کہ شافعیہ کا ایک قول یہی ہے (۲) دوسرا قول اس کے بالمقابل ہے کہ جب ایک شہر والوں نے چاند دیکھ لیا تو تمام ملک کے لوگوں کے لیے وہ رویت لازم ہو گئی اور مالکیہ کا بھی مشہور مذہب ہے مگر ابن عبد البر نے اس کے خلاف پر اجماع کا ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بعید کے علاقے مثلاً خراسان اور اندلس کے علاقوں میں ایک دوسرے کی رویت کا اعتبار نہیں ہے۔

قرطبی نے کہا ہے کہ ہمارے اساتذہ نے کہا کہ جب ہلال کی رویت ظاہر اور قطعی ہو تو ایک جگہ پر اس قسم کے ثبوت کے بعد دو آدمی اگر دوسرے علاقوں میں اسے جا کر نقل کریں تو ان پر بھی صوم واجب ہے۔ ابن الماجشون نے کہا ہے کہ اس شہادت سے صوم کا لزوم صرف اس شہر میں ہو گا جہاں کے لوگوں کو رویت ہوئی ہے۔ لیکن اگر امام اعظم (حاکم اعلیٰ) کے نزدیک رویت کا ثبوت ہو جائے تو چونکہ اس کے لیے مملکت کے سب شہر برابر ہیں، اس کے حکم و لزوم سے سب شہروں میں روزہ واجب ہو جائے گا (جیسا کہ آج کل ہمارے ہاں کا سرکاری انتظام ہے، اس صورت میں ذمہ داری ارباب اقتدار کی ہو گی مگر سب لوگوں کو پابندی لازم ہو جائے گی، الّا یہ کہ واضح طور پر ان کے فیصلے میں کسی غرض سے غلطی نظر آتی ہو، اور اس مسئلہ ذرا تفصیل بھی ہے) کیونکہ حاکم اعلیٰ کا حکم تمام بلاد میں نافذ ہوتا ہے۔ بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر علاقے قریب قریب ہوں تو ان کا حکم ایک ہو گا۔ اگر بعید ہوں تو اکثر کے نزدیک واجب نہیں اور ابو الطیب اور شوافع کے ایک گروہ نے وجوب کو اختیار کیا ہے۔ اور بغوی نے یہی امام شافعی رحؒ سے نقل کیا ہے۔ لیکن بُعد کے ضبط میں کئی وجوہ ہیں۔ ایک تو اختلافِ مطالع ہے جس کا حکم عراقیوں (عراقی شافعیوں) اور صیدلانی نے بالقطع بیان کیا ہے اور نووی نے روضہ میں اور شرح المہذب میں اس کی تصحیح کی ہے۔ بُعد کے ضبط کی دوسری وجہ قصر صلوٰۃ کی مسافت ہے، اسے امام شافعیؒ اور بغوی نے قطعی طور پر ذکر کیا ہے اور رافعی نے الصغیر میں اور نووی نے شرح مسلم میں اس کی تصحیح کی ہے۔ تیسری وجہ اختلافِ اقالیم ہے (اقالیم سے مراد غالباً وہ اقالیم ہیں جو قدیم ہیئت اور جغرافیہ دانوں نے مقرر کی تھیں اور ابن خلدون نے مقدمہ میں ان کا ذکر کیا ہے) چوتھی وجہ سرخسی نے بیان کی ہے اور اور وہ یہ کہ ایک جگہ کی رویت ہر اُس بلد یا علاقے کے لیے لازم ہے جن سے چاند مخفی رہنے کا تصور نہ ہو سکے بشرطیکہ کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اوروں کے لیے لازم نہیں۔ پانچویں وجہ ابن الماجشون کا گذشتہ قول ہے اور اس نے اس سے

یہ استدلال کیا ہے کہ صوم اور فطر اس شخص پر واجب ہے جس نے ہلال کو اکیلے دیکھا ہو گا اس کی شہادت سے دوسروں پر حکم ثابت نہ ہوا ہو۔ صوم کے بارے میں ائمہ اربعہ کا یہی قول ہے اور فطر میں ان کا اختلاف ہے۔ شافعی نے کہا کہ وہ روزہ نہ رکھے مگر پوشیدہ طور پر۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ احتیاطاً روزہ رکھے۔

فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهٗ۔ مولانا نے فرمایا کہ یہاں پر قدر سے مراد غور و فکر اور تدبر ہے۔ اور حدیث کے ان الفاظ کی تین تاویلیں ہیں۔ ایک وہ جو امام احمد کے ماسوا ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا مذہب ہے (اور جو اوپر علامہ خطابی کے حوالے سے گزرا) کہ تیس دن کا عدد پورا کرو۔ یعنی مہینے کی ابتدا پر غور کرو اور اس کے حساب سے تیس دن شمار کر لو۔ اس کی تاویل کی تائید دوسری احادیث سے ہوتی ہے جن میں صریحًا۔ تیس کا عدد پورا کرو، وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں، یہ تفسیر بہتر ہے کیونکہ ایک حدیث کی شرح دوسری سے کرنا اولیٰ ہے۔ دوسری تاویل وہ ہے جو علماء کے ایک گروہ سے منقول ہے کہ: اس کے لیے شدت و ضیق اختیار کرو اور بادل کے نیچے تلاش کرو، یا سمجھ لو کہ چاند تو ہو گا مگر تحت السحاب ہے۔ یہی امام احمد کا قول ہے۔ یہ حضرات رمضان کے شک کا روزہ جائز ٹھہراتے ہیں تیسری تاویل اس کی یہ کی گئی ہے کہ چاند کی منزلوں کا حساب کر لو۔ ابن العربی نے ابن شریح سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب ان لوگوں کے لیے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اسی علم کے لیے مخصوص فرمایا ہے اور فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا کا خطاب عوام کے لیے ہے۔ ابن العربی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ٹھہرا کہ ابن شریح کے نزدیک وجوب رمضان کا حکم مختلف ہو گا۔ کچھ لوگوں کے لیے تو شمس و قمر کے حساب سے اور باقی عوام کے لیے دنوں کی تعداد کے لحاظ سے، اور یہ بات بڑی بعید ہے۔ پھر اس مسئلے کی فرع کے طور پر حساب اور منازل کے بارے میں علماء کی متعدد آراء ہو گئیں۔ ایک یہ کہ منازل کے حساب سے ہلال کا فیصلہ جائز ہے مگر اس سے فریضہ ادا نہیں ہوتا۔ دوسری یہ کہ جائز ہے اور فرض بھی ادا ہو جاتا ہے۔ تیسری یہ کہ ہیئت دان کے لیے جائز ہے منجم کے لیے نہیں۔ پانچویں یہ کہ ان دونوں کے لیے بھی اور باقی سب کے لیے بھی جائز ہے۔ ابن الصباغ نے کہا کہ ہیئت کے حساب سے روزہ لازم نہیں ہوتا اور ہمارے اصحاب میں یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔" مولانا نے فرمایا کہ اس سے قبل ہم ابن المنذر کی طرف سے اجماع نقل کر چکے ہیں۔ اس نے الاشراف میں کہا ہے کہ اس مسئلے پر امت کا اجماع ہے کہ مطلع صاف ہو تو شعبان کی ۳۰ تاریخ کا روزہ جائز نہیں ہے اور اکثر صحابہ و تابعین سے اس کی کراہت ثابت ہوئی ہے۔ پس جو شخص ہیئت دان اور دوسروں میں فرق کرتا ہے اس پر یہ اجماع حجت ہے جو اس سے قبل منعقد ہو چکا۔ امام سبکی شافعی نے اپنی ایک کتاب میں ہیئت دانوں کے حساب کو درست قرار دیا ہے۔ حنفی فقہ کی تقریبًا تمام کتابوں مثلاً الدر المختار، رد المحتار، المعراج، النہر اور الایضاح میں ہیئت و نجوم کے حساب کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام عثمانی رح نے (فتح الملہم ۳) عمار بن یاسر رض کا قول نقل کیا ہے کہ: جس شخص نے شک کے دن کا روزہ رکھا اس نے ابو القاسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ منتقی میں ہے کہ: اَخرجہ الخمسۃ الا احمد۔ ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے اور بخاری اسے یقینًا روایت کیا ہے۔ حافظ نے کہا کہ اس سے یوم الشک کے روزے کی تحریم پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ صحابی اس قسم کی بات اپنی رائے سے نہیں کہا کرتا اور یہ مرفوع کی مانند ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے اس حدیث کو مسند عند المحدثین قرار دیا ہے۔ یہ لفظاً موقوف اور حکماً مرفوع ہے۔

اختلافِ مطالع کا حنفی فقہاء نے اعتبار نہیں کیا جبکہ الدر المختار میں ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے، پس اگر کسی مُوجب طریقے سے اہل مشرق پر ثابت ہو جائے کہ اہل مغرب نے چاند دیکھ لیا ہے تو مشرق والوں پر بھی صوم لازم ہو گیا (فتح الملہم ۳) میں یہ گذارش کرنے کی جسارت کروں گا کہ "موجب طریقے" کی شرح پر ہی یہاں اس مسئلے کا مدار ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۳۲۱۔ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنِيْ اَيُّوْبُ قَالَ كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اِلٰى اَهْلِ الْبَصْرَةِ بَلَغَنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَادَ وَاِنَّ اَحْسَنَ مَا يُقَدَّرُ لَهٗ اِذَا رَاَيْنَا هِلَالَ شَعْبَانَ لِكَذَا وَكَذَا فَالصَّوْمُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لِكَذَا وَكَذَا اِلَّا اَنْ تَرَوُا الْهِلَالَ قَبْلَ ذٰلِكَ۔

ایوب نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز نے اہل بصرہ کو خط لکھا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر پہنچی ہے، اسی طرح جیسے ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، اور ہلال کے لیے حساب کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب ہم نے شعبان کا ہلال فلاں فلاں دن دیکھا تھا تو روزہ انشاء اللہ فلاں فلاں دن ہوگا، مگر یہ کہ تم ہلال کو اس سے قبل دیکھ لو (تو اگر مثلاً ۲۹ شعبان کو چاند نظر آیا تو اگلا دن رمضان کا ہوگا)

۲۳۲۲۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ عِيْسَى بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ اَبِيْ ضِرَارٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَا صُمْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعًا وَّعِشْرِيْنَ اَكْثَرَ مِمَّا صُمْنَا مَعَهٗ ثَلٰثِيْنَ۔

ابن مسعودؓ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۲۹ دن کے روزے ۳۰ دن کی نسبت زیادہ مرتبہ رکھے تھے (ترمذی، مسند احمد) اس حدیث سے گذشتہ احادیث کی تائید ہوئی کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

۲۳۲۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ اَنَّ يَزِيْدَ بْنَ زُرَيْعٍ حَدَّثَهُمْ نَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَهْرَا عِيْدٍ لَا يَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَذُو الْحِجَّةِ۔

ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ عید کے دو مہینے رمضان اور ذوالحجہ ناقص نہیں ہوتے (بخاری، مسلم، ابن ماجہ اور ترمذی)

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ لوگوں نے اس حدیث کے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ دنوں کی تعداد میں چاہے یہ کم ہو جائیں (کہ ۲۹ دن کے ہوں) مگر حکم اور ثواب میں کم نہیں ہوتے (گویا یہ بطور تسلی وتشفی فرمایا گیا کہ اگر پورے تیس دن کا روزہ نہ بھی رکھا ہو تب بھی کوئی بات نہیں۔ اللہ کے نزدیک ماہِ رمضان کا روزہ مکمل ہو گیا) بعض نے یہ مطلب بتایا ہے کہ شاذ ونادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ ایک سال کے اندر ان ہر دو مہینوں کے دنوں کی تعداد ۲۹، ۲۹ ہو۔ یعنی اگر ایک مثلاً کم ہو تو دوسرا پورے تیس دن کا ہوتا ہے۔ علامہ نے کہا کہ یہ مطلب اگر لیا جائے تو اکثر وبیشتر کی قید کا اضافہ ضروری ہو گا کیونکہ ممکن ہے کبھی ان دونوں کے دنوں کی تعداد تیس تیس دن سے کم ہو۔ اور بعض علماء نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ حج کے اعمال اگرچہ پورے ماہِ ذی الحجہ میں جاری نہیں رہتے اور پہلے عشرے کے دو تین بعد تک ختم ہو جاتے ہیں مگر اس کا اجر بھی رمضان جیسا ہے، اُس سے کم نہیں ہے، یعنی یہ دونوں مہینے دو بڑے اسلامی شعائر کے حامل ہیں اور ہر دو کا اجر برابر ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے ظاہر حدیث سے یہ معنیٰ مراد لیا ہے کہ رمضان اور ذوالحجہ ہر دو ہمیشہ تیس تیس دن کے ہوتے ہیں ان کا قول غلط اور مردود ہے۔ اور یہ مشاہدے اور تجربے کے یکسر خلاف ہے۔ اس کے رد کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کافی ہے کہ فرمایا: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور دیکھ کر ختم کرو۔ اور اگر بادل وغیرہ کے باعث چاند نظر نہ آئے تو تیس دن کی گنتی پوری کر لو۔ اگر رمضان ہمیشہ تیس دن کا ہوتا تو روزہ ختم کرنے کے لیے چاند دیکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی جس کا اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے۔ ترمذی امام احمد سے اس حدیث کا جو معنیٰ نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک سال میں یہ دونوں مہینے ناقص نہیں ہوتے اگر ایک ۲۹ دن کا ہو تو دوسرا تیس کا ہو گا۔ اور اسحاق بن ابراہیم سے منقول ہے کہ عدد میں ان کا ناقص ہونا ایک سال میں جائز ہے مگر اجر وثواب میں نہیں۔ حافظ نے علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے مراد وہ سال تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ ہر سال میں ایسا ہونا ضروری نہیں، ابن رشد اور ابن بزیزہ سے بھی یہی معنیٰ منقول ہے۔ بیہقی اور اس سے قبل طحاوی نے بالجزم کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں مہینے احکام میں ناقص نہیں ہوتے، یعنی ان کے انتیس دن حکم شرع میں اللہ کے نزدیک تیس شمار ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ نفس الامر میں یہ دونوں مہینے کم نہیں ہوتے اگرچہ رؤیتِ ہلال کسی علت یا نظری مانع کے باعث نہ ہو سکے لیکن یہ قول بعید ہے۔ طحاوی نے کہا کہ ہم نے تجربے سے اور معائنے سے پایا ہے کہ عدد میں کبھی یہ دونوں ناقص ہوتے ہیں۔ زین بن المنیر نے کہا کہ بہترین بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے: کہ عددِ حسی کے اعتبار سے گو ان میں نقص آ جائے مگر عید کے مہینے ہونے کے باعث انہیں ناقص کہنا جائز نہیں ہے۔ رمضان پر ماہِ عید کا لفظ اس لیے بولا گیا کہ عید اس کا نتیجہ ہے اور اس سے متصل واقع ہے اور بارہا ہلالِ عید اس مہینے کی ۲۹ یا ۳۰ کو نظر آتا ہے۔ اس کی مثال حدیث میں یہ ہے کہ نمازِ مغرب کو دن کے فوراً بعد اور متصل ہونے کے باعث وِترُ النہار فرمایا گیا ہے۔

بَابٌ إِذَا أَخْطَأَ الْقَوْمُ الْهِلَالَ

باب: جب لوگوں کو ہلال نظر نہ آئے

۲۳۲۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ نَا حَمَّادٌ فِي حَدِيثِ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ذَكَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ قَالَ وَفِطْرُكُمْ يَوْمَ تُفْطِرُونَ وَأَضْحَاكُمْ يَوْمَ تُضَحُّونَ وَكُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ مَنْحَرٌ وَكُلُّ جَمْعٍ مَوْقِفٌ۔

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری عید الفطر اس دن ہے جبکہ تم اسے ادا کرو اور قربانی کی عید وہ ہے جس دن تم قربانیاں کرو اور سارا عرفہ موقف ہے اور سارا میدان منیٰ نحر کی جگہ ہے اور مکہ کے تمام کھلے راستے نحر کی جگہ ہیں اور سارا مزدلفہ جائے وقوف ہے (ترمذی نے اسے روایت کر کے "حسن غریب" کہا۔ ابن ماجہ نے ذرا لفظی اختلاف کے ساتھ روایت کی)

شرح: علامہ خطابی نے فرمایا کہ اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ جو چیزیں صرف اجتہاد سے معلوم ہو سکیں ان میں اگر لوگ خطا کریں تو گنہ گار نہیں ہوں گے۔ اگر ایک قوم نے پوری کوشش کی مگر انہیں چاند تیسویں کے بعد نظر آیا، پس انہوں نے تیس روزے پورے کر کے عید کی پھر ان پر ثابت ہوگیا کہ یہ مہینہ تو ۲۹ دن کا تھا، پس ان کے روزے اور عید درست ہیں۔ ان پر کوئی گناہ یا الزام نہ ہوگا۔ اسی طرح حج کا مسئلہ بھی ہے۔ اگر یوم عرفہ میں خطا ہو گئی تو ان کا حج بھی صحیح ہے اور قربانی بھی جائز ہو گئی۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے تخفیف ہے اور اس کی شفقت و رحم ہے۔ اگر انہیں اعادے کا حکم دے دیا جاتا تو ممکن ہے دوسری اور تیسری مرتبہ پر پھر خطا واقع ہو جاتی، پس جو کام اجتہاد پر مبنی ہیں انہیں خطاء کا وقوع ممکن ہے اور وہ معاف ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اہل علم نے اس حدیث کی شرح یہ بیان کی ہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ لوگوں کی عظیم جماعت مل کر یہ کام کرے اکیلا دوکیلا ایسا کرتا ہے تو درست نہ ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس مسئلہ کی فقہی تفاصیل کا یہ مقام نہیں ہے مگر اس حدیث کی رو سے آخرت کی بازپرس اس مذکورہ صورت میں نہ ہوگی۔ راوی حدیث محمد بن المنذر کی ملاقات ابوہریرہ رضؓ سے محدثین کے ہاں ثابت نہیں ہے لہذا یہ روایت مرسل ہے۔ ابوزرعہ، البزار اور ابن معین نے اس کی ملاقات کا انکار کیا ہے۔

بَابٌ إِذَا أُغْمِيَ الشَّهْرُ

باب: جب مہینہ مخفی رہے

۲۳۲۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ حَدَّثَنِیْ مُعَاوِیَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُوْلُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَا لَا یَتَحَفَّظُ مِنْ غَیْرِهٖ ثُمَّ یَصُوْمُ لِرُؤْیَةِ رَمَضَانَ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْهِ عَدَّ ثَلٰثِیْنَ یَوْمًا ثُمَّ صَامَ۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر ماہ شعبان کا تحفظ (نگرانی) فرماتے کسی اور مہینے کی نہ کرتے تھے۔ پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے اور اگر چاند نظر نہ آتا تو شعبان کے تیس دن پورے کرتے اور پھر روزہ شروع فرماتے تھے (دار قطنی نے اس سند کو صحیح بتایا اور منذری نے کہا کہ اس حدیث کی سند کے تمام راویوں سے بخاری و مسلم نے اجتماعی و انفرادی طور پر حجت پکڑی ہے۔ بعض لوگوں نے معاویہ بن صالح حضرمی حمصی قاضیٔ اندلس نے کلام کیا ہے مگر مسلم نے صحیح میں اس سے روایت کی ہے اور احمد اور ابوزرعہ نے اس کی توثیق کی ہے)

۲۳۲۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ نَا جَرِیْرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِیْدِ الضَّبِّیُّ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ رِبْعِیِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقَدِّمُوا الشَّهْرَ حَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ اَوْ تُکْمِلُوا الْعِدَّةَ ثُمَّ صُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ اَوْ تُکْمِلُوا الْعِدَّةَ۔

حذیفہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہ رمضان کی ابتداء میں جلدی مت کرو جب تک کہ ہلال کو نہ دیکھو یا شعبان کا شمار پورا نہ کرلو۔ پھر روزہ رکھو حتیٰ کہ اگلا چاند دیکھ لو یا گنتی پوری کرلو (نسائی) ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو سفیان وغیرہ نے: عن منصور عن ربعی عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے اور حذیفہ کا نام نہیں لیا (مگر اس سے یہ حدیث مرسل نہیں ہوجاتی نہ اس میں کوئی قدح لازم آتی ہے، کیونکہ اول تو اس حدیث میں حذیفہؓ کا نام ثابت ہے، بالفرض اگر نہ ہو تو صحابی کا ابہام یا نام نہ لیا جانا ازروئے اصول مُضر نہیں ہے)

بَابُ مَنْ قَالَ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَصُوْمُوْا ثَلٰثِیْنَ

ان کا باب جنہوں نے کہا کہ چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو

۲۳۲۷۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا حُسَيْنٌ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقَدِّمُوا الشَّهْرَ بِصِيَامِ يَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ شَيْءٌ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ وَلَا تَصُومُوا حَتّٰى تَرَوْهُ ثُمَّ صُومُوا حَتّٰى تَرَوْهُ فَإِنْ حَالَ دُونَهُ غَمَامَةٌ فَأَتِمُّوا الْعِدَّةَ ثَلٰثِيْنَ ثُمَّ أَفْطِرُوا وَالشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ حَاتِمُ بْنُ أَبِي صَغِيرَةَ وَشُعْبَةُ وَالْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ سِمَاكٍ بِمَعْنَاهُ لَمْ يَقُولُوا ثُمَّ أَفْطِرُوا۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہ رمضان پر ایک یا دو دن کے روزے مقدم مت کرو، مگر یہ کہ کسی کی عادت ہو اور وہ روزہ رکھتا ہو۔ اور چاند دیکھے بغیر روزہ مت رکھو، پھر جب تک اسے دیکھ نہ لو روزہ رکھتے جاؤ۔ پس اگر اس سے ورے بادل حائل ہو جائے تو تیس دن کا شمار پورا کرو اور پھر روزہ چھوڑ دو۔ اور مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسے حاتم بن ابی صغیرہ اور شعبہ اور حسن بن صالح نے سماک سے اسی معنی میں روایت کیا ہے اور انہوں نے: ثُمَّ اَفْطِرُوْا نہیں کہا (مسلم، ترمذی نسائی، ابن ماجہ)

شرح: یہاں پر لَا تُقَدِّمُوْا کا لفظ ہے مگر بخاری میں لَا یَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ کے الفاظ ہیں۔ حافظ ابن حجر کہا ہے کہ علماء کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بطور احتیاط رمضان کی خاطر اس سے قبل روزہ نہ رکھو۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اہل علم کا عمل اس پر ہے کہ رمضان کی خاطر اس کے دخول سے پہلے ہی (بطور استقبال رمضان) روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ ماہ رمضان کے روزے رکھنے کی قوت ونشاط باقی رہے، مگر اس معنی میں کلام ہے کیونکہ حدیث کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ایک دو روزے پہلے مت رکھو۔ پس اگر کوئی اس سے زیادہ رکھے تو بظاہر جائز ہوگا۔ اس بنا پر کہا گیا ہے کہ کراہت اس سبب سے ہے کہ نفل اور فرض میں اختلاط نہ ہونے پائے کیونکہ یہ بھی مقاصد شرع میں سے ہے کہ ہر چیز اپنی اصل حیثیت پر بعینہٖ قائم رکھی جائے۔ مگر اس معنی میں بھی کلام ہے کیونکہ اگر کسی کی مثلاً عادت ہو تو حدیث کہتی ہے کہ اس کے لیے روزہ جائز ہے۔ پس اصل باعث یہ ہے کہ ایک دو روزے پہلے رکھنا گویا رویت ہلال کے حکم میں طعن کے مرادف ہے۔ اگر کسی کا ورد وظیفہ یا عادت ہو اور وہ روزے ان دنوں میں آپڑیں تو جائز ہیں کیونکہ وہ استقبال رمضان کے لیے ایسا نہیں کرتا۔ ابوداؤد نے کہا کہ حاتم کا باپ مسلم تھا اور ابو صغیرہ اس کی ماں کا خاوند تھا۔

بَابٌ فِی التَّقَدُّمِ

(یہ باب تقدم کے بارے میں ہے) یعنی بعض خاص صورتوں میں رمضان پر روزے کا تقدم جائز بھی ہے، مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

۲۳۲۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَسَعِيدٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ هَلْ صُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ شَيْئًا قَالَ لَا قَالَ فَإِذَا أَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمًا وَقَالَ أَحَدُهُمَا يَوْمَيْنِ۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا: کیا تو نے شعبان کے اواخر میں روزہ رکھا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا جب رمضان گذر جائے تو ایک دو روزے رکھ لینا (بخاری، مسلم، نسائی)

شرح: ہندی و پاکستانی نسخوں میں مِنْ سَرَرِ شعبان کا لفظ ہے یعنی شعبان کا آخری حصہ حمصی نسخے میں: مِنْ شَهْرِ شَعْبَانَ ہے اس بنا پر اس حدیث کا تعلق اواخر شعبان سے نہیں رہتا۔ لیکن بحث جو کی جاتی ہے وہ سَرَر کے لفظ پر ہے۔ سَرَر اور سِرَار دونوں کا معنیٰ اواخر ہے۔ علامہ خطابی نے کہا کہ یہ حدیث بظاہر پچھلی حدیث کے خلاف ہے۔ انہیں جمع یوں کیا جا سکتا ہے کہ جس حدیث میں اجازت یا ترغیب ہے اس سے مراد نذر وغیرہ کا روزہ ہے یا کسی کی عادت ہو اور وہ ان ایام میں واقع ہو جائے تو روزہ اواخر شعبان کا بھی جائز ہے کیونکہ اس میں استقبال رمضان کی علت نہ ہوگی۔ اور جس حدیث میں نہی ہے وہاں یہ بنیت استقبال رمضان روزہ رکھنا مراد ہے ورنہ اگر کسی کا ورد ہو یا عادت ہو تو حرج نہیں۔

گذشتہ بحث اس وقت ہے جبکہ حدیث میں سَرَر کا لفظ مانا جائے اور اس کا معنیٰ اواخر کیا جائے جیسا کہ ابو عبید اور جمہور نے کہا ہے۔ لیکن ابو داؤد نے اوزاعی اور سعید بن عبدالعزیز سے نقل کیا ہے کہ سَرَر کا معنیٰ اوائل ہے۔ اور ابو داؤد نے ہی اس کا معنیٰ وسط بھی نقل کیا ہے۔ اگر یہ معنیٰ ہو تو پھر اس حدیث کا تعلق تقدم سے نہیں رہتا گو ابو داؤد نے اس پر باب کا عنوان تقدم ہی لگایا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں تو یوم یا یومین کے لفظ میں راویوں کا اختلاف مذکور ہے مگر طحاوی نے جو روایات درج کی ہیں ان میں یومین کا لفظ ہی ہے اور مسلم کی ایک روایت میں بھی صرف یومین کا لفظ آیا ہے۔

۲۳۲۹- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْعَلَاءِ الزُّبَيْدِيُّ مِنْ كِتَابِهِ نَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِي الْأَزْهَرِ الْمُغِيرَةِ بْنِ فَرْوَةَ قَالَ قَامَ مُعَاوِيَةُ فِي النَّاسِ بِدَيْرِ مِسْحَلٍ الَّذِي عَلَى بَابِ حِمْصَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا قَدْ رَأَيْنَا الْهِلَالَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا وَإِنَّا مُتَقَدِّمٌ بِالصِّيَامِ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَفْعَلَهُ فَلْيَفْعَلْهُ قَالَ فَقَامَ إِلَيْهِ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ السَّبَائِيُّ فَقَالَ يَا مُعَاوِيَةُ أَشَيْءٌ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْ شَيْءٌ مِنْ رَأْيِكَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ صُومُوا الشَّهْرَ وَسِرَّهُ۔

ابو الازہر بن مغیرہ بن فروہ نے کہا کہ معاویہ رضؓ دیر مسحل کے مقام پر جو حمص کے باہر ہے لوگوں میں خطبہ دینے اٹھے اور کہا کہ اے لوگو! ہم نے فلاں فلاں دن ہلال دیکھا تھا اور میں رمضان سے قبل روزہ رکھوں گا۔ جو ایسا کرنا چاہے وہ کرے۔ راوی نے کہا کہ مالک رضؓ بن ہبیرہ سبائی اٹھ کر کہنے لگا کہ اے معاویہ! کیا یہ چیز تونے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی یا تیری اپنی رائے ہے؟ معاویہ رضؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ ماہ شعبان اور اس کے اواخر میں روزہ رکھو (مالک رضؓ بن ہبیرہ سبائی صحابی تھے)

شرح: یہ حدیث بھی بظاہر گزشتہ احادیث کے خلاف ہے مگر اس کے معنیٰ پر گفتگو گزر چکی ہے۔ اگر صوموا الشہر سے مراد رمضان لیا جائے اور سرہٗ سے مراد اس سے پہلے ہو تو بھی حرج نہیں مگر خطابی نے یہ معنیٰ رد کیا ہے جیساکہ آگے آتا ہے۔

۲۳۳۰- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدِّمَشْقِيُّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ قَالَ الْوَلِيدُ سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو يَعْنِي الْأَوْزَاعِيَّ يَقُولُ سِرُّهُ أَوَّلُهُ۔

اوپر کی حدیث کے راوی ولید کا بیان ہے کہ میں نے ابو عمرو الاوزاعی کو یہ کہتے سنا کہ سرہ کا معنیٰ اولہٗ ہے۔

شرح: اس معنیٰ کی رو سے صوموا الشہر کا معنیٰ ہے کہ شعبان کا روزہ رکھو اور اس کی ابتداء کا بھی۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ میں اس تفسیر کا انکار کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ ناقل کی غلطی ہے۔ اور لغت میں اس کی کوئی وجہ مجھے نظر نہیں آتی۔ صحیح یہی ہے کہ سرہ کا معنیٰ آخرہٗ ہے۔ پھر علامہ نے اپنی سند سے اوزاعی کی روایت نقل کی کہ اس لفظ کا معنیٰ آخرہ ہے۔ اور اس میں کئی لغات ہیں: سِرّ، سَرار اور سِرار۔ اور مہینہ کے آخر کو سرار اس لیے کہا گیا کہ اس میں چاند پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور صوموا الشہر کا معنیٰ یہ ہے کہ اہل عرب ہلال کو بھی شہر کہتے ہیں۔ پس معنیٰ یہ ہے کہ شعبان کے اوائل اور اواخر کا اندازہ رکھو۔

۲۳۳۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ نَا اَبُوْ مُسْهِرٍ قَالَ كَانَ سَعِيْدٌ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ يَقُوْلُ سِرَّهُ اَوَّلُهُ۔

ابو مسہر نے کہا کہ سعید بن عبد العزیز کہتا تھا: سرہ کا معنی ہے اوّلہ۔ (گفتگو اوپر گزر چکی ہے)

بَابٌ اِذَا رُئِيَ الْهِلَالُ فِيْ بَلَدٍ قَبْلَ الْاٰخَرِيْنَ بِلَيْلَةٍ۔

باب: جب ایک شہر میں دوسرے سے ایک دن پہلے چاند نظر آئے

۲۳۳۲۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا اِسْمٰعِيْلُ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ حَرْمَلَةَ اَخْبَرَنِيْ كُرَيْبٌ اَنَّ اُمَّ الْفَضْلِ ابْنَةَ الْحَارِثِ بَعَثَتْهُ اِلٰى مُعَاوِيَةَ بِالشَّامِ قَالَ فَقَدِمْتُ الشَّامَ فَقَضَيْتُ حَاجَتَهَا فَاسْتَهَلَّ رَمَضَانُ وَاَنَا بِالشَّامِ فَرَاَيْنَا الْهِلَالَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فِيْ اٰخِرِ الشَّهْرِ فَسَاَلَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ ذَكَرَ الْهِلَالَ فَقَالَ مَتٰى رَاَيْتُمُ الْهِلَالَ قُلْتُ رَاَيْتُهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ قَالَ اَنْتَ رَاَيْتَهُ قُلْتُ نَعَمْ وَرَاٰهُ النَّاسُ وَصَامُوْا وَصَامَ مُعَاوِيَةُ قَالَ لٰكِنَّا رَاَيْنَاهُ لَيْلَةَ السَّبْتِ فَلَا نَزَالُ نَصُوْمُهُ حَتّٰى نُكْمِلَ الثَّلَاثِيْنَ اَوْ نَرَاهُ فَقُلْتُ اَفَلَا تَكْتَفِيْ بِرُؤْيَةِ مُعَاوِيَةَ وَصِيَامِهِ قَالَ لَا هٰكَذَا اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

کریب نے بتایا کہ ام الفضل رضی اللہ عنہا بنت الحارث نے اُسکو شام میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ کریب نے کہا میں شام میں گیا اور ام الفضل رضی اللہ عنہا کا کام کیا، پھر رمضان مجھے وہیں شام میں شروع ہو گیا اور ہم نے ہلال جمعہ کی رات کو دیکھا۔ پھر میں مدینہ میں رمضان کے اواخر میں آیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے سوال کئے، پھر ہلال کا ذکر کیا تو کہا کہ تم نے ہلال کب دیکھا تھا؟ میں نے کہا کہ میں نے جمعہ کی رات کو دیکھا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، تو نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا کہ ہاں، اور لوگوں نے بھی دیکھا تھا اور روزہ رکھا تھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا لیکن ہم نے ہفتہ کی شام کو چاند دیکھا تھا اور ہم برابر روزہ رکھیں گے جبتک کہ تیس دن پورے نہ کریں یا چاند نہ دیکھ لیں۔ میں نے کہا کہ کیا آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کی روئت اور روزے پر اکتفا نہ کریں گے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں۔ اسی طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا (مسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد)

شرح: خطابی نے کہا کہ جب مختلف علاقوں کے لوگوں کی رؤیت میں اختلاف ہو تو اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ظاہر کے مطابق القاسم، سالم، عکرمہ اور اسحاق کا قول ہے کہ ہر شہر والوں کی اپنی اپنی رؤیت ہے۔ اور ابن المنذر نے کہا کہ اگر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ شرعی قواعد سے ثابت ہو جائے کہ فلاں شہر والوں نے ہم سے پہلے چاند دیکھ لیا تھا تو ان کا جو روزہ رہ گیا تھا اس کی قضا واجب ہے اور یہی قول حنفیہ اور مالک کا ہے اور شافعی اور احمد نے بھی یہی کہا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو اختلافِ مطالع کے قائل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہر شہر اور علاقے والوں کی اپنی اپنی رؤیت ہے، ایک کے روزے سے دوسروں پر واجب نہیں ہوتا۔ شوکانی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے میں کوئی حجت نہیں ہے، ہاں! ان سے اگر حدیثِ مرفوع آئے تو وہ حجت ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول میں هٰكَذَا اَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مشارٌ الیہ یہ ہے کہ، ہم تیس روزے پورے کرنے تک روزہ رکھیں گے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر وہ ہے جو بخاری و مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ: لَا تَصُومُوا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ۔ اور یہ حکم کسی مخصوص علاقے کے لیے نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کے لیے ہے جس کو خطاب کی صلاحیت ہو۔ پس اس سے یہ استدلال کرنا کہ ہر علاقے کی رؤیت اسی سے مخصوص ہے درست نہیں بلکہ اس سے ظاہر تر استدلال یہ ہے کہ تمام بلادِ مسلمین کو ایک ہی رؤیت لازم ہو جائے۔ سبب یہ ہے کہ جب ایک علاقے والوں نے چاند دیکھ لیا تو مسلمانوں نے دیکھ لیا لہٰذا جو امر اُن پر لازم آگیا وہ اور وہ پر بھی لازم آگیا۔ اگر بالفرض ہم مان لیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا اشارہ اسی طرف ہے کہ ہر علاقے اور شہر والوں کی رؤیت صرف انہی کو لازم ہے دوسروں کو نہیں تو اس وقت بھی عقلاً ان علاقوں میں اتنی دُوری ہونی لازم ہے جس سے اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جا سکے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل کہ انہوں نے اہلِ شام کی رؤیت کو معتبر نہ جانا حالانکہ اس بُعد میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں تھا، یہ عمل اجتہاد پہ تھا لہٰذا کسی اور کے لیے حجت نہیں ہے۔ اگر ہم اس معاملے میں عقلی دلیل کو کام میں نہ لائیں تب بھی دلائلِ شرع کا فیصلہ یہ ہے کہ مختلف علاقوں کے لوگ تمام احکامِ شرعیہ میں ایک دوسرے کی خبر اور شہادت پہ عمل کرتے ہیں اور رؤیتِ ہلال بھی ایک حکمِ شرعی ہے۔ پس چاہے اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے یا نہ کیا جائے اور چاہے اس اعتبار کے لیے دو علاقوں کے درمیان کافی فاصلہ ہو یا نہ ہو، دلیلِ شرعی کے بغیر اس حکمِ شرعی کی تخصیص جائز نہیں ہے۔ اگر کُریب کی اس حدیث کو تخصیص کی دلیل گردانا جائے تو اگر کوئی نص معلوم ہو تو اُسی کے محل پر اختصار مناسب ہو گا اور اگر نص معلوم نہ ہو تو اس کے مفہوم پر اختصار کیا جائے گا کیونکہ وہ خلافِ قیاس وارد ہوئی ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ بیان کئے ہیں نہ ان کے معانی۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اس کے خصوص یا عموم میں غور کرتے انہوں نے فقط ایک مجمل جملہ بولا ہے دگو یا انہوں نے کسی حدیث کا یہ معنیٰ سمجھا ہے جسے ان الفاظ میں بیان کر دیا ہے) جس کا یہ مطلب ہے کہ اہلِ مدینہ پر اہلِ شام کی رؤیت عمل واجب نہیں کرتی۔ اور ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی حکمت ہو جسے ہم نہیں سمجھتے، شاید انہوں نے اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کے درمیانی فاصلے کو مدِنظر رکھا ہو اور اس کا مطلب یہ ہو کہ اس قدر فاصلہ جب دو شہروں میں ہو تو ہر ایک کی رؤیت اپنی اپنی ہو گی

اور اس سے کم ہو تو ایسا نہ ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شہادت کو کافی یا معتبر نہ سمجھا ہو۔
اس مسئلے پر گفتگو اوپر گزر چکی ہے۔

۲۳۳۳۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا الْأَشْعَثُ عَنِ الْحَسَنِ فِي رَجُلٍ كَانَ بِمِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ فَصَامَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَشَهِدَ رَجُلَانِ أَنَّهُمَا رَأَيَا الْهِلَالَ لَيْلَةَ الْأَحَدِ فَقَالَ لَا يَقْضِي ذٰلِكَ الْيَوْمَ الرَّجُلُ وَلَا أَهْلُ مِصْرِهِ إِلَّا أَنْ يَعْلَمُوا أَنَّ أَهْلَ مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ قَدْ صَامُوا يَوْمَ الْأَحَدِ فَيَقْضُونَهُ۔

اشعث نے حسن بصری سے ایک ایسے آدمی کے متعلق روایت کی جو کسی شہر میں تھا اور اس نے سوموار کا روزہ رکھا تھا اور دو آدمیوں نے شہادت دی کہ انہوں نے چاند اتوار کی رات کو دیکھا تھا اور اس حساب سے اتوار کا روزہ ہوا، پس حسن نے کہا کہ نہ تو وہ آدمی وہ روزہ قضا کرے اور نہ اس کے شہر والے کریں۔ مگر یہ کہ انہیں علم ہو جائے کہ مسلمانوں کے کسی شہر والوں نے اتوار کا روزہ رکھا تھا، پس اس صورت میں وہ قضا کریں گے۔

شرح: حسن کے قول کا مفاد یہی ہے کہ جب تک ان دو آدمیوں کی شہادت پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ فلاں شہر یا علاقے کے لوگوں نے روزہ فلاں دن سے شروع کیا تھا اس وقت تک اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ وقت گزر جانے کے بعد اس قسم کی بعد از وقت اور نامکمل سی شہادت کے باعث مسلمانوں کو الجھن میں ڈال دینا درست نہیں ہے۔ حسن کے قول سے بھی ثابت ہوا کہ ایک علاقے کی رؤیت جب شرعی دلائل سے ثابت ہو تو دوسروں پر اس کا لزوم ہو جائیگا ورنہ نہیں۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الشَّكِّ۔

یوم الشک کے روزے کی کراہت کا باب

۲۳۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ نَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ صِلَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَمَّارٍ فِي الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ فَأُتِيَ بِشَاةٍ فَتَنَحَّى بَعْضُ الْقَوْمِ فَقَالَ عَمَّارٌ مَنْ صَامَ هٰذَا الْيَوْمَ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

صلہ نے کہا کہ ہم ایک یوم الشک میں عمار رضؓ کے پاس تھے، تو ایک بکری (بھنی ہوئی بکری) لائی گئی اور کچھ لوگ ایک طرف کو ہو گئے (یعنی وہ روزہ دار تھے) پس عمار رضؓ نے کہا کہ جس نے اس دن کا روزہ رکھا اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

شرح: اس مسئلہ پر اس سے پہلے کچھ گفتگو ہو چکی ہے اُسے دیکھ لیجئے۔ صحابی جب اس قسم کی بات کہے تو اپنی رائے سے نہیں کہتا (جب تک کہ دلائل سے ثابت نہ ہو کہ اس نے اجتہاد سے کہی ہے) گویا یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ ابن عبد البر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور جوہری مالکی کا اس میں اختلاف ہے۔ اس نے کہا کہ یہ حدیث موقوف ہے ابن الجوزی نے اس مسئلہ کی تحقیق میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ ۲۹ شعبان کو آسمان پر گرد و غبار ہو یا مطلع ابر آلود ہو۔ اس مسئلے میں تین قول ہیں (۱) اس دن کا روزہ رمضان کا جان کر رکھنا واجب ہے۔ (یعنی اگر نہ رکھیں گے تو قضا آئے گی) (۲) بطور فرض و نفل بالکل جائز نہیں۔ ہاں قضا، کفارہ، نذر اور ورد و وظیفہ کا نفل اگر اس آپڑے تو جائز ہے۔ یہ شافعی کا قول ہے۔ مالک اور ابو حنیفہ نے کہا کہ فرض رمضان کی نیت سے جائز نہیں اور سب طرح جائز ہے۔ (۳) افطار اور صوم میں امام (حاکم اعلیٰ) کی رائے پر عمل ہو گا۔

خطابی نے اس مسئلہ پر یوں کلام کیا ہے کہ: یوم الشک کے روزے کی نہی کے سبب کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ نہی کا باعث یہ ہے کہ جب آدمی رمضان کے روزے کی نیت کرے تو یہ ممنوع ہے کیونکہ بالیقین تو وہ رمضان نہیں۔ اگر کوئی شعبان کے کسی دن کی نیت کرے تو نا جائز نہیں، مالک بن انس، اوزاعی، حنفیہ کی یہی رائے ہے اور احمد اور اسحاق نے بھی اس صورت میں رخصت دی ہے۔ کچھ اور لوگوں کا قول ہے کہ اس دن فرض یا نفل وغیرہ کوئی روزہ بھی اس نہی کے باعث نہیں رکھا جا سکتا۔ شعبان اور رمضان میں فاصلہ لازم ہے۔ یہ عکرمہ، ابو ہریرہؓ اور ابن عباس رضؓ کا قول ہے۔ اور حضرت ابو بکر رضؓ کی صاحبزادیاں عائشہ ام المؤمنینؓ اور اسماءؓ روزہ رکھتی تھیں۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کا قول ہے کہ شعبان کا روزہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ ایک رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دوں۔ عبد اللہ بن عمر رضؓ کا یہی مذہب تھا بشرطیکہ رات کو آسمان پہ بادل یا گرد و غبار ہو، اور اگر گرد و غبار نہ ہو بلکہ مطلع صاف ہو تو چاند نظر نہ آنے کی صورت میں لوگوں کے ساتھ روزہ نہ رکھتے تھے۔ اور یہی احمد بن حنبل کا مذہب ہے۔ شافعی نے کہا کہ یوم الشک کا روزہ اس صورت میں جائز ہے جبکہ یہ ورد و ظیفے یا عادت کے دن میں آپڑے مثلاً ایک شخص کی عادت صوم داؤدؑ کی ہو اور یہ دن روزہ کی باری میں آجائے۔

بَابُ ١١ فِي مَنْ يَصِلُ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ

باب۔ جو شعبان کو رمضان کے ساتھ ملائے

۲۳۳۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقَدِّمُوا صَوْمَ رَمَضَانَ بِيَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ صَوْمٌ يَصُومُهُ رَجُلٌ فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الصَّوْمَ

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے روزے پہ ایک دو دن مت بڑھاؤ. مگر یہ کہ کوئی روزہ ہو جسے کوئی شخص رکھتا ہے تو وہ روزہ رکھ لے (بخاری، مسلم، ترمذی)

شرح: یہ حدیث پہلے بھی گزری ہے اور اس پہ کلام کیا جا چکا ہے۔ استقبال رمضان کے لیے روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ اور یہ نہی نفل کے لیے ہے۔ قضاء اور نذر کی ممانعت نہیں کیونکہ وہ فرض ہیں اور ان کی تاخیر ناپسندیدہ ہے۔ اور جہاں تک ورد کا تعلق ہے اس کا ترک اچھا نہیں کیونکہ افضل عبادت وہ ہے جو دائمی ہو، اور جو آدمی عادی ہو وہ ورد کو ترک نہیں کر سکتا۔ اصل علت خدا اور رسولؐ سے آگے بڑھنا ہے، کیونکہ اللہ کے حکم میں شہر رمضان کا روزہ فرض ہے اور رمضان کی ابتداء رؤیت ہلال پہ یا پچھلے ماہ کے تیس دن مکمل کرنے پر ہوگی۔ جس نے اس سے پہلے یوم الشک کا روزہ رکھ لیا گویا اس نے اس سبب میں طعن کیا۔ نعوذ باللہ منہ

۲۳۳۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ نَا شُعْبَةُ عَنْ تَوْبَةَ الْعَنْبَرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يَصُوْمُ مِنَ السَّنَةِ شَهْرًا تَامًّا اِلَّا شَعْبَانَ يَصِلُهٗ بِرَمَضَانَ۔

ام سلمہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ سال بھر میں شعبان کے سوا کسی کے نفلی روزے پورا مہینہ نہ رکھتے تھے، آپ شعبان کو رمضان سے ملاتے تھے (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے)

شرح: نسائی کی روایت کا سیاق یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ماہ متواتر روزے رکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ آپ شعبان کو رمضان کے ساتھ ملاتے تھے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حدیث کا پہلا جملہ دو ماہ متواتر روزہ رکھنے کی نفی کرتا ہے، مگر دوسرے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان میں آپ متواتر روزے رکھتے تھے حتیٰ کہ وہ رمضان کے قریب آ پہنچتا تھا۔ گویا شعبان اور رمضان کا حقیقی وصل مراد نہیں ہے ورنہ یوں کہا جاتا اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ۔ پس اِنَّهٗ كَانَ يَصِلُ کے الفاظ کی زیادتی بتاتی ہے کہ وصول سے مراد یہاں قرب ہے اس کی تائید حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے ہوتی ہے: حضورؐ سارے شعبان کا مگر کچھ کم روزہ رکھتے تھے، بلکہ یوں سمجھو کہ سارا ہی شعبان روزہ دار رہتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: آپ شعبان کا یا اکثر شعبان کا روزہ رکھتے تھے۔ ایک روایت میں ہے: آپ تمام شعبان کا روزہ رکھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کبھی ہرگز پورے ماہ کا روزہ رمضان کے سوا نہیں رکھا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جب سے آپ مدینہ آئے تھے رمضان کے سوا پورے ماہ کا روزہ نہیں رکھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ واللہ رمضان کے سوا کسی خاص ماہ کا روزہ آپ نے نہیں رکھا حتیٰ کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور نہ پورا مہینہ افطار کیا، کچھ نہ کچھ روزے ہر ماہ سے ضرور رکھتے تھے۔ یہ تمام مختلف روایات سنن نسائی کی ہیں۔ مسلم کے لفظ یہ ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کے علاوہ کسی ماہ کا پورا روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ اور رمضان کے بعد سب سے

زیادہ روزے شعبان میں رکھتے تھے۔ ایک روایت میں ہے: میں نے آپؐ کو شعبان کے سوا کسی ماہ میں زیادہ نفلی روزے رکھتے نہیں دیکھا، آپ شعبان کے صرف چند دن ہی چھوڑتے تھے۔

ان مختلف روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ کل سے مراد اکثر ہے اور وصل سے مراد قرب رمضان ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد عبداللہ بن المبارکؒ کا قول نقل کیا کہ کلام عرب میں یہ جائز ہے کہ جب اکثر ماہ کا روزہ رکھیں تو کہتے ہیں: سارے ماہ کا روزہ رکھا۔ ابن المبارکؒ نے ان دونوں حدیثوں کو متفق سمجھا ہے اور کل سے مراد اکثر لیا ہے۔

بَابٌ ۱۲ فِي كَرَاهِيَةِ ذٰلِكَ

باب اس کی کراہیت میں

۲۳۳۷ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَدِمَ عَبَّادُ بْنُ كَثِيرٍ الْمَدِينَةَ فَمَالَ إِلَى مَجْلِسِ الْعَلَاءِ فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَأَقَامَهُ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُومُوا فَقَالَ الْعَلَاءُ اللّٰهُمَّ إِنَّ أَبِي حَدَّثَنِي عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ۔

عباد بن کثیر مدینہ آیا تو العلاء کی مجلس میں گیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے کھڑا کیا، پھر کہا: اے اللہ یہ اپنے باپ سے وہ ابوہریرہؓ سے حدیث روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شعبان کا نصف ہو جائے تو روزہ مت رکھو۔ پس العلاء بن عبدالرحمن نے کہا: اے اللہ مجھ سے میرے باپ نے، اس سے ابوہریرہؓ نے اور ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ روایت کی تھی (ترمذی، ابن ماجہ، النسائی، ترمذی نے اس کی تحسین و تصحیح کی ہے)

شرح: امام خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو عبدالرحمن بن مہدی نے العلاء سے روایت کیا ہے مگر ام سلمہؓ کی گزشتہ حدیث اس کے برخلاف ہے۔ پھر خطابی نے یہ حدیث اپنی سند سے بیان کی اور کہا کہ العلاء کی حدیث میں یوم الشک کے روزے کی کراہت کی بڑی دلیل ہے کہ آدمی اس میں مُفطر ہے۔ یا ممکن ہے کہ روزے دار کو بقیہ شعبان کے روزے سے اس لیے روکا ہو کہ رمضان کے لیے زیادہ قوت پیدا ہو جائے جیسا کہ یوم عرفہ میں حاجیوں کے لیے روزہ کو ناپسند فرمایا گیا ہے تاکہ دعا و عبادت کی قوت حاصل رہے۔

مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی صحت و صفت میں علماء کا اختلاف ہے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا اور بتایا کہ یہ ہماری دانست میں صرف اسی طریق سے مروی ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ نصف شعبان کے بعد جمہور علماء نے نفلی روزہ جائز رکھا ہے اور اس میں وارد حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ احمد و ابن معین نے کہا کہ

یہ منکر حدیث ہے۔ اور بیہقی نے: لا یتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین کی حدیث سے اس زیر بحث حدیث کے ضعف پر استدلال کیا ہے، اور کہا ہے کہ رخصت والی حدیث العلاء کی حدیث سے صحیح تر ہے۔ اس سے قبل طحاوی نے بھی ایسا ہی کہا ہے اور اس کے خلاف انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث پیش کی ہے: افضل الصیام بعد رمضان شعبان، مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ اور عمران بن الحصین کی سرر مضان والی (جو اس سے پہلے گزر چکی ہے) حدیث سے استدلال کیا ہے پھر دونوں حدیثیں یوں جمع کی ہیں کہ العلاء کی حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو روزے کے باعث ضعیف ہو جائے اور عمران رضی اللہ عنہ کی حدیث اس محتاط شخص کے لیے ہے جو رمضان کے لیے احتیاط کرے۔ علی القاری نے شعبان کے نصف ثانی میں صوم کی ممانعت کی حدیث کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اسے نصف اول کے بعض روزوں کے ساتھ ملاؤ یا اسباب مذکورہ میں سے کسی سبب کے بغیر اگر نصف ثانی کا روزہ رکھو تو ناپسندیدہ ہے۔ اور یہ نہی تنزیہ پر محمول ہے تاکہ رمضان سے پہلے ہی امت کے لوگ ضعف میں مبتلا نہ ہو جائیں، گویا باعث کار رحمت ہے۔ مگر جو سارے شعبان کا روزہ رکھے گا وہ روزے کا عادی ہو جائے گا اور اس کی تکلفت دور ہو جائے گی اسی لیے اس نہی کو نصف شعبان سے مقید کیا ہے۔

باب ۱۳ شَهَادَةِ رَجُلَيْنِ عَلَى رُؤْيَةِ هِلَالِ شَوَّالٍ۔

ہلال شوال پر دو آدمیوں کی شہادت کا باب

۲۳۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَبُو يَحْيَى الْبَزَّازُ نَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ نَا عَبَّادٌ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ نَا حُسَيْنُ بْنُ الْحَارِثِ الْجَدَلِيُّ جَدِيلَةَ قَيْسٍ أَنَّ أَمِيرَ مَكَّةَ خَطَبَ ثُمَّ قَالَ عَهِدَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَنْسُكَ لِلرُّؤْيَةِ فَإِنْ لَمْ نَرَهُ وَشَهِدَ شَاهِدَا عَدْلٍ نَسَكْنَا بِشَهَادَتِهِمَا فَسَأَلْتُ الْحُسَيْنَ بْنَ الْحَارِثِ مَنْ أَمِيرُ مَكَّةَ فَقَالَ لَا أَدْرِي ثُمَّ لَقِيَنِي بَعْدُ فَقَالَ هُوَ الْحَارِثُ بْنُ حَاطِبٍ أَخُو مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ ثُمَّ قَالَ الْأَمِيرُ إِنَّ فِيكُمْ مَنْ هُوَ أَعْلَمُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ مِنِّي وَشَهِدَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى رَجُلٍ قَالَ الْحُسَيْنُ فَقُلْتُ لِشَيْخٍ إِلَى جَنْبِي مَنْ هَذَا الَّذِي أَوْمَأَ إِلَيْهِ الْأَمِيرُ قَالَ هَذَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَصَدَقَ كَانَ أَعْلَمَ بِاللَّهِ مِنْهُ فَقَالَ بِذَلِكَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حسین بن حارث جدلی نے بیان کیا کہ امیر مکہ نے خطبہ دیا، پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم چاند کی رویت کے ساتھ مناسک حج کا اہتمام کریں۔ پس اگر ہم خود چاند کو نہ دیکھیں تو دو عادل گواہوں کی شہادت پر مناسک ادا کریں۔ راوی ابو مالک اشجعی نے کہا کہ میں نے حسین بن حارث سے پوچھا کہ یہ امیر مکہ کون تھا؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ پھر وہ اس کے بعد مجھ سے ملا تو کہا کہ وہ الحارث بن حاطب ہے یعنی محمد بن حاطب کا بھائی۔ پھر امیر نے کہا کہ تم میں بعض ایسے لوگ ہیں جو مجھ سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا علم رکھتے ہیں، اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے ایک شخص کے متعلق کہا کہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کا گواہ ہے۔ حسین نے کہا کہ میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے جس کی طرف امیر نے اشارہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ اور امیر نے سچ کہا کہ ابن عمرؓ اس سے اللہ کا زیادہ علم رکھتا تھا۔ پس عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا تھا دار قطنی نے اس حدیث کی سند کو متصل اور صحیح کہا ہے۔

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ مجھے اس مسئلے میں علماء کا کوئی اختلاف معلوم نہیں کہ دو عادل مردوں کی شہادت ہلال شوال کی رویت میں مقبول ہے۔ اختلاف اگر ہے تو ایک کی شہادت میں ہے۔ اکثر علماء کا یہی مذہب ہے کہ دو سے کم کی شہادت مقبول نہیں۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے طریق سے حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں ایک مرد کی گواہی جائز قرار دی۔ بعض محدثین اس قول کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ رویت ہلال اخبار کے قبیل سے ہے نہ کہ شہادات کے قبیل سے۔ اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ہلال رمضان میں فقط ایک عادل مرد کی گواہی معتبر ہے۔ پس اسی طرح شوال کے چاند میں بھی مقبول ہونی چاہیے۔ علامہ خطابی کہتے ہیں کہ اگر یہ اخبار کے باب سے ہے تو اس میں پھر یوں کہنا جائز ہوگا: فلاں نے مجھے خبر دی کہ اس نے ہلال دیکھا۔ جب یہ مقبول نہیں تو معلوم ہوا کہ رویت ہلال باب اخبار سے نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ہلال دیکھا ہے۔ اور اسی طرح تمام شہادات میں ہوتا ہے۔ لیکن بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ ہلال رمضان کی رویت باب اخبار سے ہے اور یہ اس کی خصوصیت سے ہے۔ یہ اس لیے کہ اس میں ایک عادل شخص علماء کی جماعت کے نزدیک کافی ہے۔ اور اس کی دلیل حدیث ابن عمرؓ ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے ہلال دیکھا ہے، پس آپ نے لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ یہ مسئلہ باب اجتہاد سے نکل کر باب نصوص میں جا داخل ہوا جن میں عقل محض نہیں چلتی۔ علامہ خطابی نے کہا کہ جو لوگ اس طرف گئے ہیں انہوں نے اس باب میں عورت اور غلام کی گواہی کو بھی حجت مانا ہے۔

۲۳۳۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَخَلَفُ بْنُ هِشَامٍ الْمُقْرِئُ قَالَا نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ فَقَدِمَ أَعْرَابِيَّانِ فَشَهِدَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللّٰهِ لَأَهَلَّا الْهِلَالَ أَمْسِ عَشِيَّةً فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ أَنْ يُفْطِرُوا زَادَ خَلَفٌ فِي حَدِيثِهِ وَأَنْ يَغْدُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ۔

ربعی بن حراش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد سے روایت کی کہ اس نے کہا: رمضان کے آخری دن میں لوگوں کا اختلاف ہوگیا تو دو صحرائی شخص آئے اور انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گواہی دی کہ انہوں نے گزشتہ شام کو چاند دیکھا تھا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو افطار کا حکم دے دیا۔ خلف کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ: اور یہ حکم بھی دیا کہ پہلے پھر عید گاہ کو چلیں (بیہقی کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب ثقہ ہیں خواہ ان کا نام آئے یا نہ آئے)

شرح: رمضان کے آخری دن میں اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حساب سے وہ رمضان کا آخری تیسواں دن تھا اور بعض کے نزدیک وہ شوال کا پہلا دن تھا۔ پس ان اعرابیوں کی شہادت سے فیصلہ ہوگیا کہ وہ شوال کا پہلا دن یعنی عید الفطر کا دن تھا۔ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے (فتح الملہم ج۳ ص۱۱) کہ ابن عباس رض نے کریب اکیلے کی شہادت سے ثبوتِ فطر کا انکار کیا تھا اور اس بات کو نہیں چھیڑا تھا کہ آیا اس کی شہادت سے صوم کا وجوب بھی ثابت ہوا یا نہیں (حدیثِ ابن عباس رض سنن ابی داؤد میں اوپر گزر چکی ہے) حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ میں نے ترمذی کے درس میں اپنے استاذ رحمہ اللہ سے یہ جواب سنا تھا اور اب ابن قدامہ حنبلی کی المغنی میں بعینہٖ یہی تقریر ملی ہے ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ حدیث کریب نے یہ دلیل مہیا کی ہے کہ لوگ صرف ایک کریب کی شہادت پر عید الفطر نہ کریں اور ہمارا بھی یہی مسلک ہے رہ گیا پہلے روزے کی قضاء کا وجوب، سو حدیث کریب میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

بَابٌ فِي شَهَادَةِ الْوَاحِدِ عَلَى رُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ

ہلالِ رمضان رویت پر ایک شخص کی شہادت کا باب

۲۳۴۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ بْنِ الرَّيَّانِ نَا الْوَلِيدُ يَعْنِي ابْنَ أَبِي ثَوْرٍ ح وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا الْحُسَيْنُ يَعْنِي الْجُعْفِيَّ عَنْ زَائِدَةَ الْمَعْنَى عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ قَالَ الْحَسَنُ فِي حَدِيثِهِ يَعْنِي رَمَضَانَ فَقَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ أَذِّنْ فِي النَّاسِ فَلْيَصُومُوا غَدًا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، حسن نے اپنی حدیث میں کہا: یعنی رمضان کا چاند۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کا رسول ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حضور نے فرمایا اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں (نسائی، ترمذی۔ ترمذی نے اس پر کلام کرتے ہوئے کہا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اسناد و ارسال میں اختلاف ہے۔ سماک کے اکثر اصحاب نے اسے عن عکرمہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً روایت کیا ہے)

شرح: خطابی نے کہا کہ جو لوگ رؤیت ہلال کی خبر کو بمنزلہ شہادت نہیں بلکہ بمنزلہ اخبار قرار دیتے ہیں انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ اہل اسلام میں اصل چیز عدالت ہے (جب تک کوئی جرح ثابت نہ ہو جائے ہر مسلمان کو عادل کہیں گے) اس کا سبب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدو اسلام کی شہادت کے سوا کوئی چیز طلب نہیں کی اور اس کے صدق و عدالت کی چھان بین نہیں کی تھی۔

مولانا نے فرمایا کہ البدائع کے بیان کے مطابق مطلع صاف ہونے کی صورت میں بہت سے آدمیوں کی شہادت درکار ہوگی اور جب آسمان ابر آلود ہو یا کوئی اور علت ہو تو ایک عادل کی شہادت مقبول ہے۔ پہلی صورت میں بھی ابو حنیفہ سے الحسن بن زیاد کی روایت کے مطابق ایک عادل کی شہادت کی قبولیت کی روایت موجود ہے کیونکہ یہ از قبیل اخبار ہے نہ کہ از قبیل شہادت۔ اور یہی ایک روایت شافعی کی بھی ہے۔ اس کی مثال پانی کی طہارت و نجاست کی خبر ہے۔ مگر حنفیہ کی ظاہر روایت اس کے خلاف ہے۔ اس کے مطابق مطلع صاف ہونے کی صورت میں بہت سے لوگوں کی شہادت ضروری ہے۔ ابر آلود ہونے کی صورت میں ایک شخص کی شہادت کا مقبول ہونا نص سے ثابت ہے جو خلاف قیاس ہے لہٰذا اس پر کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ مسئلہ کی بعض تفاصیل گزر چکیں۔

۲۳۴۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّهُمْ شَكُّوا فِي هِلَالِ رَمَضَانَ مَرَّةً فَأَرَادُوا أَنْ لَا يَقُومُوا وَلَا يَصُومُوا فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ مِنَ الْحَرَّةِ فَشَهِدَ أَنَّهُ رَأَى الْهِلَالَ فَأُتِيَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ وَشَهِدَ أَنَّهُ رَأَى الْهِلَالَ فَأَمَرَ بِلَالًا فَنَادَى فِي النَّاسِ أَنْ يَقُومُوا وَأَنْ يَصُومُوا قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرِ الْقِيَامَ أَحَدٌ إِلَّا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ ایک بار لوگوں نے ہلال رمضان کے متعلق شک کیا اور چاہا کہ نہ تراویح پڑھیں نہ

صبح کا روزہ رکھیں پس حمزہ سے ایک اعرابی آیا اور اس نے شہادت دی کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔ پس لوگ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے تو آپؐ نے فرمایا: کیا تو شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ میں (خود حضورؐ کی ذات گرامی) اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ اور اس نے گواہی دی کہ اس نے ہلال دیکھا ہے۔ پس حضورؐ نے بلال رضؓ کو حکم دیا اور اس نے منادی کی کہ لوگ تراویح پڑھیں اور روزہ رکھیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ جماعت نے یہ روایت عکرمہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً بیان کی ہے۔ اور حماد بن سلمہ کے سوا کسی اور نے قیام کا ذکر نہیں کیا (ترمذی نے اسے مسند اور مرسل دونوں طرح روایت کیا ہے اور نسائی اور ابن ماجہ نے بھی۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس میں اسناد و ارسال کا اختلاف ہے۔ نسائی نے کہا کہ اس حدیث کا مرسل ہونا زیادہ درست ہے سماک جب کسی حدیث میں منفرد ہو تو حجت نہیں ہے کیونکہ وہ لوگوں کی تلقین قبول کر لیتا تھا۔ منذری)

۲۳۴۲۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السَّمَرْقَنْدِيُّ وَأَنَا لِحَدِيثِهِ أَتْقَنُ قَالَا نَا مَرْوَانُ هُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي رَأَيْتُهُ فَصَامَ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ لوگوں نے ہلال دیکھنے کی کوشش کی، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے اس پر حضورؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزے کا حکم دیا (منذری نے کہا ہے کہ بقول دارقطنی مروان بن محمد اس کی روایت میں منفرد ہے اور وہ ثقہ ہے)

شرح: مولانا نے فرمایا کہ ایک شخص کی خبر ہلال رمضان میں اس وقت مقبول ہے جبکہ مطلع صاف نہ ہو۔ معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی رُو سے ایک عادل مرد کی شہادت رویت ہلال رمضان میں مقبول ہے۔ شافعی کا ایک قول یہی ہے اور یہی احمد بن حنبل کا مذہب ہے ابوحنیفہؒ اور ابویوسف ہلال رمضان پر ایک آدمی کی شہادت کو جائز رکھتے تھے گو وہ غلام ہو۔ اور اسی طرح ایک عورت، اگرچہ وہ لونڈی ہو۔ اور ہلال فطر میں ان کے نزدیک دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت مقبول ہے۔ اور شافعی اس مسئلہ میں عورتوں کی شہادت کے جواز کے قائل نہیں۔ مالک، اوزاعی اور اسحاق بن راہویہ ہلال رمضان وفطر ہر دو میں دو عادل مردوں کی شہادت قبول کرتے تھے۔ اور ابن عمرؓ کے قول میں خبر واحد کے مقبول ہونے کی دلیل ہے۔ مگر جب مطلع صاف ہو تو جماعت کی شہادت مقبول ہو گی نہ کہ خبر واحد۔ لیکن خطابی نے اس آخری بات کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ سب لوگوں کی نظریں برابر نہیں ہوتیں۔

بَابٌ ۱۵ فِي تَوْكِيدِ السُّحُورِ

سحور کی تاکید کا باب۔

۲۳۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُوسَى بْنِ عَلِيِّ ابْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فَصْلَ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أُكْلَةُ السَّحَرِ۔

عمرو ابن العاصؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے روزے میں اور اہل کتاب کے روزے میں یہ فرق ہے کہ ہم سحری کھاتے ہیں (مسلم، نسائی، ترمذی)

شرح: خطابی نے کہا کہ اس کلام میں سحری کھانے کی ترغیب ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ دین آسانی پر مبنی ہے، اس میں کوئی تنگی نہیں۔ اہل کتاب جب سو جاتے تھے تو ان پر کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا (یعنی افطار کے بعد جب سو جاتے) اور ابتدائے اسلام میں اسی پر عمل تھا۔ پھر اللہ تعالی نے اسے منسوخ کیا: وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ آخ۔ (البقرہ ۱۸۷) شوکانی نے کہا ہے کہ ابن المنذر نے سحری کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے مگر یہ واجب نہیں، بلکہ حضورؐ سے اور آپؐ کے اصحاب سے بعض دفعہ وصال ثابت ہے۔ البدائع میں ہے کہ سحری میں تاخیر مسنون ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ یہ مرسلین کی سنت ہے۔

بَابٌ ۱۶ مَنْ سَمَّى السُّحُورَ الْغَدَاءَ

باب۔ جنہوں نے سحور کو غداء کا نام دیا۔

۲۳۴۴۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ الْخَيَّاطُ نَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ سَيْفٍ عَنِ الْحَارِثِ ابْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي رُهْمٍ عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ دَعَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السُّحُورِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ۔

عرباض بن ساریہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان میں سحری کھانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ مبارک غداء کی طرف آ۔ (نسائی۔ ابورہم کا نام احتساب بن اسید سمعی تھا)

شرح: سحور اس کھانے کو کہتے ہیں جو بوقت سحر کھایا جائے اور یہ لفظ اسم فعل بھی ہے۔ اسی طرح فطور اس چیز کا نام ہے جس سے روزہ افطار کریں۔ آج کل صبح کے ناشتے کو فطور کہتے ہیں۔ غدا دراصل دن کا کھانا ہے۔ سحری کو غدا اس لیے فرمایا کہ یہ دن کے روزے پر تقویت کا سبب ہے۔ وقت سحر سے لے کر طلوع شمس تک کسی کام کو جائیں تو کہا جاتا ہے، غدا فلانٌ الی حاجتہ۔ حضور نے اسے غدائے مبارک فرمایا اور اس کی ترغیب دی کیونکہ یہ صوم کو آسان بنا دیتا ہے۔

۲۳۴۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ الْحَسَنِ ابْنِ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ أَبُو الْمُطَرِّفِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ سَحُورُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔

ابوہریرہ رضہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا: مومن کا بہت اچھا سحور کھجور ہے۔

بَابُ وَقْتِ السَّحُورِ۔

سحور کے وقت کا باب

۲۳۴۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ سَوَادَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ مِنْ سَحُورِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا بَيَاضُ الْأُفُقِ هَكَذَا حَتَّى يَسْتَطِيرَ۔

سوادہ قشیری نے کہا کہ میں نے سمرہ بن جندب رضہ کو خطبہ دیتے سنا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال رضہ کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے اور نہ افق کی سفیدی حتیٰ کہ وہ اس طرح (دائیں بائیں) پھیل جائے۔ (مسلم، نسائی اور ترمذی)

شرح: خطابی نے کہا کہ مستطیر کا معنی ہے منتشر، پھیلنے والی۔ اُفق کے عرض پر چھانے والی۔ پہلی سفیدی صبح کاذب کی ہے جو سیدھی آسمان کو چڑھتی نظر آتی ہے۔ دوسری پھیلنے والی سفیدی صبح صادق کی ہے۔ بلال کی اذان رمضان میں سحری کے لیے ہوتی تھی اور عبداللہ بن ام مکتوم کی فجر کے لیے جیسا کہ صحاح میں موجود ہے اور اگلی حدیث میں آتا ہے۔

۲۳۴۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنِ التَّيْمِيِّ ح وَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا زُهَيْرٌ نَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سُحُورِهِ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ قَالَ يُنَادِي لِيَرْجِعَ قَائِمُكُمْ وَيَنْتَبِهَ نَائِمُكُمْ وَلَيْسَ الْفَجْرُ أَنْ يَقُولَ هٰكَذَا وَجَمَعَ يَحْيٰى كَفَّهُ حَتّٰى يَقُولَ هٰكَذَا وَمَدَّ يَحْيٰى بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَتَيْنِ۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کو بلالؓ کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے کیونکہ وہ تو اذان دیتا ہے، یا راوی نے کہا کہ، وہ نداء کرتا ہے تاکہ تم میں سے نماز پڑھنے والے گھر آجائیں اور سونے والے جاگ اٹھیں اور فجر یہ نہیں ہے جو یوں ظاہر ہو، اور یحیٰی راوی نے اپنی مٹھی بند کر لی، بلکہ وہ جو یوں ظاہر ہو، اور یحیٰی نے دو سبابہ انگلیوں کو پھیلایا۔ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ، مسند احمد)

شرح: یحیٰی کے پہلے اشارے سے مراد صبح کاذب ہے جو سیدھی اوپر کو اٹھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اور دوسرے اشارے سے مراد صبحِ صادق ہے جو اُفق پر پھیلتی ہے۔ اس حدیث میں صراحت موجود ہے کہ رمضان میں بلالؓ کی اذان نمازِ فجر کے لیے نہ تھی بلکہ لوگوں کو جگانے اور سحری کی تیاری کرانے کے لیے تھی۔ فجر کی اذان عبداللہ بن ام مکتوم دیتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ آیا کھانا پینا رمضان میں طلوعِ فجر سے ہی حرام ہو جاتا ہے یا دیکھنے والوں پر وہ واضح اور ظاہر ہو جائے تو اس وقت ہوتا ہے، کیونکہ قرآن میں ہے، وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ الخ صحابہ کی ایک جماعت، بعض تابعین اعمش اور ابوبکر بن عیاش کا یہ مذہب ہے کہ فجر کے واضح ہونے تک کھانا پینا جائز ہے۔ سعید بن منصور نے اپنی سند سے حذیفہؓ کی حدیث بیان کی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحور کیا، واللہ بالکل دن چڑھا ہوا تھا لیکن سورج طلوع نہ ہوا تھا، طحاوی نے اسے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اسے حذیفہؓ سے صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ علیؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے صبح کی نماز پڑھی پھر کہا کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے واضح ہو گیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا کہ بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ تبیین سے مراد یہ ہے کہ دن کی سفیدی رات کی تاریکی سے جدا ہو جائے، یعنی سفیدی راستوں، گلیوں اور گھروں میں پھیل جائے۔ اور سالم بن عبید اشجعی صحابی سے صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا: باہر جا کر دیکھ کیا فجر طلوع ہو گئی ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا اور واپس آکر کہا کہ سفیدی ہو گئی ہے اور اوپر اُٹھ چکی ہے۔ پھر فرمایا جا اور دیکھ کیا طلوعِ فجر ہو گیا ہے، پس میں نے دیکھا تو کہا کہ اب سفیدی اُفق پر چوڑائی کے رُخ پھیل گئی ہے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا: اب مجھے میرا مشروب مہیا کر دو۔ اسحاق نے کہا کہ ان لوگوں نے (جن کا اوپر ذکر ہوا، طلوعِ فجر کے بعد کھانے پینے اور نماز (تہجد) کا جواز سمجھا ہے۔ یعنی اُفق پر پھیلنے والی روشنی کا، جبکہ دن کی سفیدی رات کی تاریکی سے واضح ہو جائے۔ اسحاق نے کہا کہ میرا قول پہلا ہے مگر میں دوسرے قول والوں پر، جو رخصت کے قائل ہیں، طعن نہیں کرتا۔ اور ایسے شخص پر قضا اور کفارہ نہیں آتا (اجتہاد کے باعث) مولاناؒ نے فرمایا کہ شامی میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ تبیینِ فجر سے مراد آیا طلوعِ

کا وقت ہے یا روشنی پھیل جانے کا۔ اول میں احتیاط ہے اور دوسرے قول میں وسعت ہے۔ اور تفصیلی بحث ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں کی ہے۔

۲۳۴۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى نَا مُلَازِمُ ابْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ النُّعْمٰنِ حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ طَلْقٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا يَهِيدَنَّكُمُ السَّاطِعُ الْمُصْعِدُ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَعْتَرِضَ لَكُمُ الْاَحْمَرُ۔

طلق بن علیؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ اور پیو اور تمہیں سیدھی اوپر کو اٹھنے والی سفیدی پریشان نہ کرے، پس کھاؤ پیو حتیٰ کہ چوڑائی کے رُخ پر سُرخ رنگ نہ پھیل جائے۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ روایت ان میں سے ہے جن کو صرف اہل یمامہ نے بیان کیا ہے (ترمذی نے روایت کر کے اسے حسن غریب کہا ہے)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اہل عرب صبح کو گھوڑوں کے بلق رنگ سے تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ اس میں سفیدی کے فوراً بعد سرخی آجاتی ہے۔ اور احمر سے مراد اس حدیث میں وہ پھیلی ہوئی سفیدی ہے جس کے بعد سُرخی آجاتی ہے۔ درجات میں ہے کہ جب سفیدی کا طلوع تام ہو جائے تو سُرخی کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کا احمر ہونا صرف اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ یہ: حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ الخ کی آیت سے نزول سے قبل مانا جائے۔ کیونکہ سُرخی تو طلوع شمس سے کچھ پہلے آتی ہے اور یہ وقت دن میں شامل ہے اور یہ چیز آیت کے برخلاف ہے۔ یہ تب ہے جبکہ اس کا ظاہری لفظی معنی مُراد لیں، ورنہ سُفید پر بھی احمر کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں حدیث اور آیت میں تعارض نہیں رہتا۔

۲۳۴۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا حُصَيْنُ بْنُ نُمَيْرٍ ح وَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ نَا ابْنُ اِدْرِيسَ الْمَعْنٰى عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ قَالَ اَخَذْتُ عِقَالًا اَبْيَضَ وَعِقَالًا اَسْوَدَ فَوَضَعْتُهُمَا تَحْتَ وِسَادَتِي فَنَظَرْتُ فَلَمْ اَتَبَيَّنْ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ فَقَالَ اِنَّ وِسَادَكَ اِذًا لَطَوِيلٌ عَرِيضٌ اِنَّمَا هُوَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَقَالَ عُثْمَانُ اِنَّمَا هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ۔

عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم نے کہا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ، حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ تو میں نے ایک سفید ڈوری اور ایک سیاہ ڈوری لی اور انہیں اپنے تکیئے کے نیچے رکھ لیا۔ پھر میں نے ان کی طرف نظر کی تو ان میں امتیاز نہ ہوا۔ پس میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی تو آپ ہنس پڑے اور فرمایا کہ تیرا تکیہ تو پھر بڑا طویل وعریض ہے، اس سے تو دن اور رات مراد ہے۔ عثمان نے کہا کہ: وہ تو رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے (بخاری ، مسلم ، ترمذی)

شرح: علامہ خطابی نے معالم السنن میں کہا کہ: اِنَّ وِسَادَکَ اِذًا لَعَرِیْضٌ کے معنی میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وساد سے نوم کا کنایہ کیا گیا ہو اور معنی یہ ہو کہ: تب تیری نیند بڑی عریض ہے۔ کیونکہ سونے والا گویا نیند کو تکیہ بناتا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ تیری رات طویل ہے کہ تو کھانے پینے سے اس وقت تک باز نہیں رہتا جب تک کہ ڈوری کی سیاہی اور سفیدی میں امتیاز نہ کرے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وساد سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سونے والا سر رکھتا ہے اور اپنی گردن کو سوتے وقت تکیئے پر ٹکاتا ہے، اہل عرب کہتے ہیں کہ فلاں آدمی عریض گدی والا ہے جب کہ اس میں غباوت وغفلت پائی جائے۔ اور اس حدیث کی دوسری روایت میں عریض القفا کا لفظ آیا ہے اور اہل عرب صبح کی سفیدی کو ظاہر ہوتے ہی خیط کہتے ہیں۔ زمخشری نے اس حدیث کا دوسرا معنیٰ مراد لیا ہے جس میں غفلت وسادگی مراد ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ لفظ حضورؐ نے عدی رضی اللہ عنہ کے لیے بطور مذمت نہیں بولا، بلکہ یہ مسئلہ سمجھایا ہے کہ خیط سے ڈوری مراد لے کر اسے اپنے تکیئے کے نیچے رکھ لیا تو گویا تو نے سارا افق اپنے تکیئے کے نیچے رکھ لیا، اس سے تو یہ پتہ چلا کہ تیرا تکیہ بہت بڑا ہے جس میں سارا اُفق سما گیا۔ اور اس معنیٰ کی دلیل آخری بات ہے کہ اس سے تو مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔ اور حضورؐ نے یہ بات محبت وشفقت کی راہ سے فرمائی تھی نہ کہ ازراہِ مذمت۔ اور پیار کو آپ کی ہنسی نے ظاہر کر دیا، کہ تیرا اجتہاد عجیب وغریب ہے کہ خیط سے مراد تو نے واقعی دھاگہ اور ڈوری سمجھ لیا ہے۔

مولاؒنا نے فرمایا کہ عدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مِنَ الْفَجْرِ کا لفظ آیت میں متصل اُتر چکا تھا۔ عدیؓ بن حاتم کے اسلام کے متعلق ثابت ہے کہ نویں یا دسویں ہجری کا واقعہ ہے۔ شاید عدی رضی اللہ عنہ نے مِنَ الْفَجْرِ کے لفظ کو سببیت کے لیے لیا ہو یا اس لفظ سے نسیان ہو گیا ہو ورنہ آیت کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ سفید دھاگے سے مراد صبح کی سفیدی تھی۔ لیکن سہل بن سعد کی حدیث جو صحیح بخاری میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا سے لے کر الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ تک کی آیت پہلے اُتری تھی اور مِنَ الْفَجْرِ کا لفظ اشکال کو رفع کرنے اور وضاحت کے لیے اترا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے نزول میں ایک سال کا فاصلہ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عدی رضی اللہ عنہ کا اسلام متاخر تھا اور وہ اس واقعہ کو نہ جانتا تھا جو سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے۔ اس نے صرف آیت کو سُن کر وہ معنیٰ لیا جس کی اصلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

بَابُ ۱۸ الرَّجُلِ یَسْمَعُ النِّدَاءَ وَالْاِنَاءُ عَلٰی یَدِہٖ

اس شخص کا باب جو اذان سُنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو

۲۳۵۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی بْنُ حَمَّادٍ نَا حَمَّادٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعَ اَحَدُکُمُ النِّدَاءَ وَالْاِنَاءُ عَلٰی یَدِہٖ فَلَا یَضَعُہٗ حَتّٰی یَقْضِیَ حَاجَتَہٗ مِنْہُ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اذان سُنے در انحالیکہ برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو جب تک اُس سے اپنی حاجت پوری نہ کرے اُسے نیچے نہ رکھے (مسند احمد)

شرح: بقول علامہ خطابی جب آدمی کو دلائل سے طلوع فجر کا علم ہو جائے اس کے لیے اذان سننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اس کے لیے طلوع فجر کے بعد کھانا پینا ناجائز ہے۔ پس یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو طلوع فجر کا علم حاصل کرنے کے لیے اذان کا منتظر ہو یا طلوع فجر میں اسے شک ہو۔ اس سے مراد بعض علماء و شراح نے بلال رضی اللہ عنہ کی اذان لی ہے جو طلوع فجر سے قبل ہوتی تھی۔ مگر اس صورت میں یہ اشکال ہے کہ اس اذان کے متعلق تو حضور نے لوگوں کو بتا دیا تھا کہ سوتے کو جگانے اور نمازی کو سحری کھانے کا پیغام دینے کے لیے ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ وہ طلوع فجر سے پہلے ہوتی تھی لہٰذا اس کے متعلق تو کوئی شک و شبہ نہ تھا کہ یہ طلوع فجر کی اذان نہیں ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کی بہترین تاویل یہ ہے کہ اس قول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ اکل و شرب کی حرمت کا معاملہ مؤذن کی اذان کے ساتھ وابستہ نہیں ہے بلکہ طلوع فجر کے ساتھ ہے۔ مؤذن کسی وقت غلطی بھی کر سکتا ہے کہ وہ بھی آخر ایک انسان ہے اور انسانی عوارض اس کے ساتھ بھی ہیں۔ پس اس حدیث کا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو طلوع فجر کو خود پہچان سکتے ہیں کہ وہ مؤذن کی اذان پر انحصار نہ کریں بلکہ خود یقین حاصل کریں کہ طلوع فجر ہوئی ہے یا نہیں۔ لیکن عوام کو اس معاملے میں احتیاط لازم ہے کیونکہ وہ بالعموم اذان پر ہی انحصار رکھتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ پھر میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ان لوگوں کے قول پر محمول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اکل و شرب میں فجر کے اچھی طرح واضح ہو چکنے کا اعتبار ہے صرف طلوع فجر کا نہیں۔ کیونکہ اذان تو طلوع فجر کی ابتداء میں شروع ہوتی ہے اور ان کے نزدیک اذان مانع نہیں بلکہ فجر کا تبیّن و وضاحت مانع ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ نداء سے مراد اگر اذان مغرب ہے تو معنیٰ واضح ہے کہ غروب شمس ہو چکنے کے بعد اس چیز کا انتظار نہ کیا جائے کہ اذان ختم ہوئے تو پھر افطار کریں گے۔ بلکہ جیسا کہ دوسری صحاح میں آچکا ہے غروب کے بعد افطار میں جلدی کرنا واجب ہے۔ اور اگر نداء سے مراد اذان فجر ہے تو مطلب یہ ہے کہ اذان پر دار و مدار نہیں بلکہ طلوع فجر پر ہے۔ پس مؤذن اذان دیدے اور روزہ دار کو معلوم ہے کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی تو اُس کے لیے ضروری نہیں کہ محض اذان کی وجہ سے کھانا پینا چھوڑ دے، بلکہ اپنی حاجت پوری کرے اور پھر ختم کرے۔ اور اس حدیث سے اور آیت کے لفظ یَتَبَیَّنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد فجر کی وضاحت ہے نہ کہ محض طلوع فجر۔ شرع کی آسانیوں کے پیش نظر یہ مطلب عوام کی حالت کے زیادہ مناسب حال ہے۔ حالت تو یہ ہے کہ اکثر خواص بھی اس کی حقیقت کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں تو بیچارے عوام اس کی تہ تک کیسے پہنچ سکیں گے۔ پس ابتدائے صوم کو بعض طلوع فجر سے وابستہ

کہ نا حرج اور تکلیف سے خالی نہیں اور حرج اور تکلیف ما لا یطاق کی اس دین حق میں گنجائش نہیں۔ اور اس حدیث کو حالت صوم پر ہی نہیں بلکہ عام حالات پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے پھر اس میں فجر اور مغرب یا ترک اکل وشرب اور افطار کا بھی سوال نہ رہے گا، بلکہ یوں کہئے کہ یہ حدیث امر صلوٰۃ میں وارد ہے جیسے کہ یہ حدیث: جب رات کا کھانا اور نماز عشاء اکٹھے آجائیں تو پہلے کھانا کھالو۔ ان دونوں حدیثوں سے مراد دراصل نمازی کے دل کو تشویش اور اشتغال بغیر الصلوٰۃ سے خالی کرنا ہے تاکہ اطمینان قلب کے ساتھ نماز پڑھ سکے، واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ ١٩ وَقْتِ فِطْرِ الصَّائِمِ

روزہ دار کے وقت افطار کا باب۔

۲۳۵۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا وَكِيْعٌ نَا هِشَامٌ ح وَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ هِشَامٍ اَلْمَعْنٰى قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَذَهَبَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا زَادَ مُسَدَّدٌ وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ۔

عمر بن الخطابؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات ادھر سے (مشرق سے) آجائے اور دن ادھر سے (مغرب سے) جاتا رہا، مسدد نے اضافہ کیا: اور سورج غائب ہو جائے تو روزہ دار روزہ افطار کرے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

شرح: فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ کا لفظی معنی ہے کہ: "پس روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا" علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ دار اس وقت مفطر کے حکم میں ہو گیا خواہ افطار کرے نہ کرے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ: وہ افطار کے وقت میں داخل ہو گیا اور وقت آگیا کہ وہ روزہ کھول لے۔ جیسے کہ صبح کے وقت میں داخل ہونے کو کہتے ہیں: قَدْ اَصْبَحَ الرَّجُلُ۔ اور یہی حال ظہر اور عشاء وغیرہ کا بھی ہے۔ اور اس حدیث میں صوم وصال کے باطل ہونے کی دلیل موجود ہے کیونکہ بقول حافظ ابن حجر دلائل شرع سے ثابت ہے کہ رات روزے کا محل نہیں ہے: ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ۔ ابن خزیمہ نے کہا کہ فقد افطر الصائم ہے تو جملہ خبریہ مگر یہ بمعنی انشاء ہے یعنی پس صائم روزہ افطار کرے۔ اگر اس سے یہ مراد لیا جائے کہ وہ مفطر ہو گیا (جیسا کہ خطابی اور حافظ نے کہا ہے) تو تمام روزوں کا افطار ایک ہی ہو گا اور تعجیل افطار کی ترغیب کا کوئی معنی نہ رہے گا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حسی طور پر فعل افطار کر لو کیونکہ شرعاً تو تم مفطر ہو چکے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ پہلا معنی زیادہ راجح ہے یعنی یہ خبر بمعنی امر ہے۔ کتاب وسنت میں خبر بمعنی امر کی بیشمار مثالیں موجود ہیں۔

۲۳۵۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ نَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ سَمِعْتُ

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اَبِیْ اَوْفٰی یَقُوْلُ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ یَا بِلَالُ انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمْسَیْتَ قَالَ انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ عَلَیْكَ نَهَارًا قَالَ انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا فَنَزَلَ فَجَدَحَ فَشَرِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِذَا رَاَیْتُمُ اللَّیْلَ قَدْ اَقْبَلَ مِنْ هٰهُنَا فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهٖ قِبَلَ الْمَشْرِقِ۔

عبداللہ بن ابی اوفیٰ کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر تھے اور آپ روزہ دار تھے، جب سورج غروب ہوگیا تو فرمایا اے بلالؓ! سواری سے اترو اور ہمارے لیے ستو گھولو۔ بلالؓ نے کہا یا رسول اللہ ذرا دیر کرتے تو بہتر تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: اترو اور میرے لیے ستو گھولو۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ابھی تو دن ہے، فرمایا اترو اور ستو گھولو۔ پس بلالؓ اترا اور ستو گھولے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیا، اور پھر فرمایا: جب تم رات کو دیکھو کہ ادھر سے آگئی ہے (مشرق سے) تو روزے دار کا افطار کا وقت ہو گیا، اور آپؐ نے اپنی انگلی سے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا (بخاری، مسلم، نسائی)

شرح: حافظ نے کہا ہے کہ ممکن ہے بلالؓ نے ابھی غروب شمس نہ سمجھا ہو یا راستے میں کوئی پہاڑ وغیرہ حائل ہو یا مطلع صاف نہ ہو، اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ: وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ راوی کے اپنے علم یا گمان پر بولا گیا ہے۔ بہر حال بلالؓ شاید سمجھتے تھے کہ ابھی پوری طرح غروب نہیں ہوا یا اس وقت تک ان کے خیال میں غروب کے بعد بھی ذرا دیر کی ضرورت تھی۔ پس ان کا توقف از راہِ نافرمانی نہ تھا بلکہ حقیقتِ حال کی وضاحت یا احتیاط کی بنا پر تھا۔

بَابُ مَا یُسْتَحَبُّ مِنْ تَعْجِیْلِ الْفِطْرِ

تعجیلِ افطار کے استحباب کا باب۔

۲۳۵۳۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِیَّةَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ مُحَمَّدٍ یَعْنِی ابْنَ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ الدِّیْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُؤَخِّرُوْنَ۔

ابوہریرہؓ نے رسول اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: دین برابر غالب رہے گا جب تک کہ لوگ جلدی افطار کرتے رہیں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ افطار میں تاخیر کرتے ہیں (ابن ماجہ اور نسائی اور سہل بن سعد سے بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے اسی طرح کی روایت کی ہے)

شرح: اہل کتاب ستارے چڑھنے تک افطار میں تاخیر کرتے تھے۔ ان دشمنانِ دین کی مخالفت بھی اسلام میں ایک مقصود چیز ہے۔ جب تک لوگ خدا اور رسول کے دشمنوں کی مخالفت کرتے رہیں گے اس وقت تک دین زندہ اور چمکدار رہے گا، اس میں آمیزش نہ ہونے پائے گی اور غیروں کی سازشیں کامیاب نہ ہوں گی۔ اور اس کی حکمت بقول حافظ ابن حجر یہ ہے کہ دن اور رات کا امتیاز برقرار رہے۔ اگر افطار کا وقت ہو جانے کے باوجود کوئی روزہ نہ کھولے تو اس نے گویا رات کا کچھ حصہ دن میں داخل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ جو شخص رات آ چکنے پر بھی افطار نہیں کرتا وہ دین میں اپنی رائے کو داخل کرنے کا ارتکاب کرتا ہے۔ نص کے مقابلے میں اجتہاد باطل ہے۔ پس یہ مسئلہ اجتہادی بھی نہیں۔ روزہ وقت پر کھولنا اسی طرح ضروری ہے جیسے وقت پر رکھنا۔ اس سے عبادت پر قوت بھی حاصل ہوتی ہے احکام خداوندی کی اطاعت فرض ہے نہ کہ نفس کو مشقت میں ڈالنا، صحت وقوت کو بحال رکھنا لازم ہے ورنہ جہاد، امر بالمعروف اور نہی المنکر جیسے ضروری فرائض کی ادائیگی ممکن نہیں رہتی۔ غروب شمس جب خود دیکھ کر یا دو عادل مسلمانوں کی خبر سے متحقق ہو جائے تو افطار واجب ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس مسئلے میں تو ایک عادل کی خبر کافی ہے۔ رمضان میں طلوع فجر سے پہلے ہی یا غروب آفتاب کے کچھ دیر بعد اذان دینا اور اسے احتیاط کا نام دینا بدعات میں سے ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ ان بدعات سے سحور میں تعجیل لازم آئی اور افطار میں تاخیر، اور یہ دونوں خلافِ سنت ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ تاخیر سحور اور تعجیل افطار کی احادیث صحاح ہیں اور درجۂ تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔ عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ عمرو بن میمون الدودی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سحور میں تاخیر اور افطار میں تعجیل کرتے تھے۔

۲۳۵۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اَبِیْ عَطِيَّةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ اَنَا وَمَسْرُوْقٌ فَقُلْنَا يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ وَالْاٰخَرُ يُؤَخِّرُ الْاِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ الصَّلٰوةَ قَالَتْ اَيُّهُمَا يُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ قُلْنَا عَبْدُ اللّٰهِ قَالَتْ كَذٰلِكَ كَانَ يَصْنَعُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابوعطیہ نے کہا کہ میں اور مسروق دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے ام المؤمنین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو شخص ہیں۔ ان میں ایک افطار اور نماز پڑھنے میں تعجیل کرتا ہے اور دوسرا افطار میں بھی تاخیر کرتا ہے اور نماز میں بھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ افطار اور نماز میں جلدی

کرنے والا کون سا ہے؟ ہم نے کہا عبد اللہ بن مسعودؓ (اور دوسرا ابوموسیٰ اشعری تھا) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے (مسلم، نسائی اور ترمذی)

شرح: مسلم کی روایت میں دوسرے شخص کا نام ابوموسیٰ اشعری آیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ نماز سے مراد غالباً نماز مغرب ہے۔ کیونکہ افطار کے ساتھ ذکر کی مناسبت اسی میں پائی جاتی ہے۔ بقول علامہ طیبی عبداللہ نے عزیمت پر عمل کیا اور اشعریؓ نے رخصت پر۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ اس اختلاف کو فقط فعلی لیا جائے۔ اگر یہ قولی اختلاف ہے تو پھر عبداللہؓ کا قول مبالغے پر مبنی ہوگا اور ابوموسیٰؓ کا عدم مبالغہ پر۔ ورنہ رخصت پر تو سب کا اتفاق ہے۔ اور احسن یہ ہے کہ عبداللہؓ کے عمل کو سنت پر اور ابوموسےؓ کے عمل کو جواز پر محمول کیا جائے۔

بَابٌ ۲۱ مَا يُفْطَرُ عَلَيْهِ

باب۔ کس چیز سے روزہ کھولے۔

۲۳۵۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ عَمِّهَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلْيُفْطِرْ عَلَى التَّمْرِ فَإِنْ لَمْ يَجِدِ التَّمْرَ فَعَلَى الْمَاءِ فَإِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ۔

سلمان بن عامر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو کھجور سے فطار کرے اور کھجور نہ پائے تو پانی سے افطار کرے کیونکہ پانی طہور ہے (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے)، یہ امر استحبابی ہے۔ اطباء نے کھجور کے بے شمار فوائد لکھے ہیں۔ یہ مقوّی معدہ بھی ہے۔ اور پانی تو ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

۲۳۵۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ نَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ أَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ عَلَى رُطَبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَعَلَى تَمَرَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ۔

ثابت بنانی نے انس بن مالکؓ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے قبل چند تر کھجوروں سے افطار فرماتے تھے، اگر تر نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے، اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹوں سے روزہ افطار فرماتے تھے (ترمذی نے اسے روایت کر حسن غریب کہا ہے)

بَابُ ۲۲ الْقَوْلِ عِنْدَ الْإِفْطَارِ

افطار کے وقت دعاء کا باب

۲۳۵۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى نَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ اَنَا الْحُسَيْنُ ابْنُ وَاقِدٍ نَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ سَالِمٍ الْمُقَفَّعَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقْبِضُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَيَقْطَعُ مَا زَادَتْ عَلَى الْكَفِّ وَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

سالم المقفع نے کہا کہ میں نے ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ اپنی ڈاڑھی کو پکڑتے اور جو ہتھیلی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے اور ابن عمرؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے تھے تو کہتے: پیاس جاتی رہی اور رگیں تر ہوگئیں اور خدا نے چاہا تو اجر ثابت ہوگیا (نسائی)، اصل مقصود تو روایت سے یہ افطار کی دعاء کا بیان تھا مگر پہلا حصہ اس لیے روایت کیا گیا تاکہ سالم کی ابن عمرؓ سے ملاقات اور سماع ثابت ہو۔

۲۳۵۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔

معاذ بن زہرہ سے روایت ہے کہ اسے خبر پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے تو یوں دعا کرتے تھے: اے اللہ میں نے تیرے لیے (تیرے حکم پر اور تیری رضا کی خاطر) روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا (یہ حدیث مرسل ہے اور معاذ بن زہرہ ثقہ تابعی ہے۔ شارح طیبی نے کہا ہے کہ لک کا لفظ اور علی رزقک، دونوں جگہ ضمیر مقدم ہے تاکہ اختصاص ثابت ہو کہ روزہ فقط اللہ کے لیے ہے اور افطار بھی اُسی کے رزق پہ ہے۔ گویا عبادت اور شکر دونوں اسی سے خاص ہیں)

بَابُ ۲۳ الْفِطْرِ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ

غروب آفتاب سے پہلے افطار کا باب۔

۲۳۵۹۔ حَدَّثَنَا هٰرُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْمَعْنٰى قَالَا نَا

أَبُوْ أُسَامَةَ نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ أَفْطَرْنَا يَوْمًا فِي رَمَضَانَ فِي غَيْمٍ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَالَ أَبُوْ أُسَامَةَ قُلْتُ لِهِشَامٍ أُمِرُوْا بِالْقَضَاءِ قَالَ وَبُدٌّ مِنْ ذٰلِكَ۔

اسماء بنت ابی بکرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم نے ایک بادل والے دن میں ماہ رمضان میں روزہ افطار کیا پھر سورج ظاہر ہوگیا۔ ابو اُسامہ کا بیان ہے کہ میں نے ہشام سے کہا: کیا لوگوں کو قضاء کا حکم دیا گیا؟ تو اس نے کہا: اس کے بغیر کوئی چارہ بھی تھا؟ (بخاری اور ابن ماجہ)

شرح: بخاری کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ معمر نے کہا میں نے ہشام کو کہتے سُنا کہ مجھے علم نہیں کہ انہوں نے روزہ قضا کیا یا نہ۔ خطابی نے کہا کہ اکثر اہل علم اس قسم کے واقعہ میں قضاء کو واجب کہتے ہیں۔ اسحاق بن راہویہ اور اہل ظاہر نے کہا کہ ایسے شخص پر قضا نہیں۔ دن کا باقی حصہ کھانے پینے سے رُکا رہے حتیٰ کہ سورج ڈوب جائے۔ اور یہی روایت حسن بصری سے ہے۔ انہوں نے اسے نسیان کی مانند قرار دیا ہے۔ خطابی نے کہا کہ نسیان والے کے لیے تو بھول کر کھانے سے بچنا ممکن نہ تھا اور اس شخص کے لیے سورج کے غروب کا یقین حاصل کرنے تک رُک جانا ممکن تھا۔ نسیان تو فعل میں خطا ہے مگر یہ وقت و زمان میں خطا ہے جس سے پرہیز ممکن ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہے کہ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے کہ قضاء واجب ہے۔

بَابٌ ۲۴ فِي الْوِصَالِ

یہ باب وصال کے متعلق ہے۔

۲۳۶۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْوِصَالِ قَالُوْا فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي أُطْعَمُ وَأُسْقٰى۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا تھا۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ آپ لگاتار روزہ رکھتے ہیں؟ فرمایا میں تمہاری مانند نہیں، مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے (بخاری، مسلم، مسند احمد)

شرح: اس حدیث میں خود حضورؐ کی صراحت موجود ہے کہ صومِ وصال آپ کی خصوصیت ہے اور دوسروں کے لیے جائز نہیں۔ اس نہی کا سبب شاید وہ ضعف ہے جو صوم وصال سے لاحق ہو جاتا ہے، اس صورت میں وہ شخص جو اس کا تکلف کرے فرض کی ادائیگی سے بھی عاجز رہے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آدمی اس قدر تھک جائے اور عاجز ہو جائے کہ باقی تمام فرائض کی ادائیگی کے قابل بھی نہ رہے۔ اسلام توازن و اعتدال کا دین ہے اور رہبانیت اس میں ممنوع ہے۔ اور حدیث کے آخری فقرے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جتنی قوت تمہیں اکل و شرب پر ملتی ہے مجھے باذنِ الٰہی ویسے ہی حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا اس معاملے میں میرا حال تم سے مختلف ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ کو بطور معجزہ واقعی کھلایا پلایا جاتا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: اَیُّکُمْ مِثْلِی۔ اور ایک روایت میں ہے: اِنِّی اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔ ذکر و عبادت ملائکہ کی غذا ہے اور یہ عقلاً عین ممکن ہے کہ جس شخص کو ملائکہ سے مشابہت ہو جائے وہ انسان ہونے کے باوجود بعض خاص احوال میں اکل و شرب سے بے نیاز ہو کر محض ذکر و فکر اور عبادت و اطاعت پر قانع ہو سکے۔

۲۳۶۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ اَنَّ بَكْرَ بْنَ مُضَرَ حَدَّثَهُمْ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُوَاصِلُوْا فَاَيُّكُمْ اَرَادَ اَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ قَالُوْا فَاِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنَّ لِيْ مُطْعِمًا يُطْعِمُنِيْ وَسَاقِيًا يَسْقِيْنِيْ۔

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ صوم وصال مت رکھو۔ اور تم میں سے جو صوم وصال ضرور رکھنا چاہے وہ سحری سے سحری تک ملائے۔ لوگوں نے کہا کہ: پھر آپ کیوں صوم وصال رکھتے ہیں؟ فرمایا کہ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ مجھے ایک کھلانے والا کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا پلاتا ہے (مسلم۔ بخاری)

شرح: حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ میں ابوہریرہؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحر سے سحر تک وصال فرماتے تھے۔ بعض اصحاب نے ایسا کیا تو حضورؐ نے اس سے منع فرمایا تھا۔ یہ حدیث بظاہر حدیث ابی سعیدؓ کے خلاف ہے جس میں اصحاب کو سحر سے سحر تک وصال کی اجازت دی گئی۔ اور ابو صالح عن ابی ہریرہؓ کی محفوظ روایت مطلق وصال کو بیان کرتی ہے، پس سبب یہ ہے کہ ابوہریرہؓ سے روایت کرنے والے سب اس پر متفق ہوئے ہیں، پس وہ روایت جس میں حضورؐ کے سحر سے سحر تک وصال کا ذکر ہے شاذ ہے۔ ابو معاویہ جو اعمش کا بہت ضابط شاگرد ہے اس نے اس میں یہ بیان نہیں کیا۔ اگر یہ روایت شاذ نہ سمجھی جائے تو ابن خزیمہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ پہلے حضورؐ نے مطلقاً وصال سے منع فرمایا ہوگا اور پھر استثناء فرما دیا ہوگا۔ یا پھر نہی کو تنزیہ پر محمول کریں گے۔

بَابُ ۲۵ الْغِيبَةِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار کے لیے غیبت کا باب

۲۳۶۲۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ ثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ قَالَ أَحْمَدُ فَهِمْتُ إِسْنَادَهُ مِنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ وَأَفْهَمَنِي الْحَدِيثَ رَجُلٌ إِلَى جَنْبِهِ أُرَاهُ ابْنَ أَخِيهِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جھوٹ کہنا اور اس پر عمل کا کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا ترک کرے۔ احمد بن یونس نے کہا کہ میں نے اس کی سند کو ابن ابی ذئب سے سمجھا اور اس کے پہلو میں ایک آدمی نے مجھے سمجھایا جو میرے خیال میں اس کا بھتیجا تھا (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)

شرح: "اللہ کو حاجت نہیں" یہ ایک اظہار ناراضگی و عدم قبولیت کا عنوان ہے ورنہ اللہ کو تو کسی چیز کی بھی حاجت نہیں۔ جو شخص حالت صوم میں ان کبائر سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ محتاج تو اس کے روزے کا بھی نہیں، مگر اسے فضل و رحمت اور قبولیت و رضا حاصل ہوتی ہے جس سے دوسرا شخص محروم رہتا ہے۔ قول الزور سے مراد جھوٹ، بہتان طرازی، غیبت و افترا، قذف، سب و شتم اور لعنت وغیرہ سب کچھ ہے۔ والعمل بہ سے مراد فواحش کا ارتکاب ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسے شخص کو ترک صوم کا حکم دیا جائے بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ ان فواحش سے اسے خبردار کیا جائے کہ یہ روزے کی مقصد کے خلاف ہیں۔ مقصد صوم حصول تقویٰ ہے اور یہ فواحش اس کے معارض ہیں۔

۲۳۶۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ فَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ إِنِّي صَائِمٌ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (صوم ڈھال ہے) جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو فحش گوئی نہ کرے اور جہالت کا کام نہ کرے۔ اگر کوئی آدمی اس سے لڑائی کرے یا گالی گلوچ کرے تو کہے : میں روزہ دار ہوں (بخاری، مسلم، نسائی)

شرح: مطلب یہ نہیں ہے کہ روزہ کے بغیر ان سب افعالِ جہالت کی کھلی چھٹی ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ روزے میں ان کاموں کی شدت اور برائی بہت بڑھ جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ سب روایات اس پر متفق ہیں کہ اسے یہ کہنا چاہیے : میں روزہ دار ہوں۔ بعض میں اس کا ذکر دو مرتبہ آیا ہے اور بعض میں ایک مرتبہ۔ اور یہ کہنا یا تو (بقول علامہ خطابی) زبان سے ہو گا تاکہ دوسرا شخص شرم وحیاء کر کے اس سے پرے ہٹ جائے اور تعرض نہ کرے، یا روزہ دار یہ بات اپنے دل میں کہے گا کہ میں روزہ دار ہوں اور صوم کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی فضول بات کا جواب نہ دوں مبادا میرا ثواب کم ہو جائے اور روزہ (حقیقت میں نہ کہ ظاہری احکام میں) فاسد ہو جائے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ قَاتَلَهُ شَاتَمَهُ باب مفاعلہ سے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ فعل دونوں جانب سے واقع ہو، حالانکہ صائم سے یہ افعال صادر نہیں ہو سکتے بالخصوص مقاتلہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے کی گالی وغیرہ روزہ دار کو بھی کم از کم دفاع پر تیار کرتی ہے اور خدشہ ہوتا ہے کہ وہ اس کام پر آمادہ ہو کر اسے کر گزرے اس لیے یہ باب استعمال فرمایا گیا۔

بَابُ ٢٦ السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار کے لیے مسواک کا باب

۲۳۶۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ نَا شَرِيكٌ ح وَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ وَهُوَ صَائِمٌ زَادَ مُسَدَّدٌ مَا لَا أَعُدُّ وَلَا أُحْصِي۔

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزے کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا، مسدد نے اتنا اضافہ کیا کہ، بے حد و بے شمار مرتبہ (ترمذی) بخاری تعلیقاً، ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا مگر بخاری نے اس کے راوی عاصم بن عبیداللہ کو منکر الحدیث (ضعیف) قرار دیا ہے)

شرح: عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام صحابی تھے۔ نسباً عنزی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد کے خاندان کے حلیف تھے۔ انہوں نے بیوی سمیت دونوں ہجرتیں کیں ابن سعد کے بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب نے عامر رضی اللہ عنہ کو متبنیٰ بنا لیا تھا اور جب تک ممانعت نہیں آئی وہ عامر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کہلاتے رہے۔ ترمذی نے کہا کہ اہل علم روزہ دار کے لیے مسواک میں کوئی حرج نہیں جانتے۔ بعض نے تر مسواک کو بالخصوص دن کے آخری حصے میں اچھا نہیں سمجھا۔

جمہور ائمہ کا مذہب یہی ہے کہ دن کے پہلے یا پچھلے حصے میں تر یا خشک مسواک میں کوئی حرج نہیں۔ بقول شوکانی، شافعی اور ابو یوسف سے دن کے آخر میں یا تر مسواک کے متعلق کچھ کلام منقول ہے مگر حدیث واضح ہے اور حضورؐ کے فعل کے علاوہ قول بھی منقول ہے کہ: روزہ دار کا بہترین خلال مسواک ہے۔

بَابُ الصَّائِمِ يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ مِنَ الْعَطَشِ وَيُبَالِغُ فِي الِاسْتِنْشَاقِ

باب۔ روزہ دار پیاس کے باعث اپنے اوپر پانی ڈالے اور ناک کی صفائی میں مبالغہ کرے۔

۲۳۶۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ النَّاسَ فِي سَفَرِهِ عَامَ الْفَتْحِ بِالْفِطْرِ وَقَالَ تَقَوَّوْا لِعَدُوِّكُمْ وَصَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ الَّذِي حَدَّثَنِي لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطَشِ أَوْ مِنَ الْحَرِّ۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے سال لوگوں کو افطار کا حکم دیتے دیکھا۔ حضورؐ نے فرمایا: اپنے دشمن کے لیے قوی رہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود روزہ رکھا۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ مجھ سے حدیث بیان کرنے والے نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج میں پیاس کے باعث اپنے سر پہ پانی بہاتے دیکھا اور آپ روزہ دار تھے، یا گرمی کے باعث۔ (نسائی مختصراً) از روئے اصول صحابی کا ابہام مضر نہیں کیونکہ سب صحابہ عادل تھے۔

شرح: البدائع میں ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ روزہ دار کے لیے غسل کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، سر پہ پانی بہانا، تر کپڑا سر پہ یا جسم پہ لپیٹنا مکروہ ہے لیکن ابو یوسف نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ یہ مکروہ نہیں۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ اس میں عبادت سے تھکن اور اکتاہٹ کا اظہار ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ایک مخصوص حالت پر محمول ہے۔ وہ یہ کہ گرمی کی شدت سے مبادا افطار کی نوبت آ جائے اور اسی طرح ابن عمرؓ کا فعل۔ مولانا نے فرمایا کہ حنفیہ کا فتویٰ اس مسئلہ میں ابو یوسف کے قول پر ہے کہ الدرالمختار وغیرہ میں ہے۔

۲۳۶۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ عَنْ أَبِيهِ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَالِغْ فِی الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ صَائِمًا۔

لقیط بن صبرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استنشاق میں مبالغہ کرسوائے اس حالت کے کہ تو روزہ دار ہو۔ (ترمذی، نسائی۔ اس سے قبل سنن ابی داؤد میں کتاب الطہارۃ کے اندر ۱۴۲ نمبر پر، ابن ماجہ)

شرح: علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں فقہی مسئلہ ہے کہ پانی اگر موضع دماغ تک جا پہنچے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے جبکہ یہ اس کے (روزہ دار کے) اپنے فعل سے ہو۔ اور اسی طرح ہر وہ چیز جو حقنہ وغیرہ سے موضع طعام و غذا میں پہنچ جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو طہارت و وضوء میں استنشاق کے وجوب کے قائل ہیں۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر یہ واجب نہ ہوتا تو صائم سے احتیاطًا اسے بالکل موقوف کر دیا جاتا۔ یہ اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے مگر فقہی نقطۂ نظر سے یہ استدلال تام نہیں ہے۔ اسے فقط تبعًا کسی اور صریح دلیل کے ساتھ تو بیان کیا جا سکتا ہے صرف اسی پر انحصار کر کے استنشاق کا وجوب ثابت کرنا درست نہ ہوگا۔ اور بحث اس پہ کتاب الطہارۃ میں متعلقہ احادیث کے ضمن میں ہو چکی ہے) مولانا نے ترمذی کا قول کہ: نسوار لینا حالتِ صوم میں مکروہ (تحریمی) ہے، بیان کر کے کہا ہے کہ اگر ناک کی راہ سے لی جانے والی چیز دماغ میں جا پہنچے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہی حنفیہ کا قول ہے۔ اور استنشاق میں مبالغہ سے ممانعت کی علت یہی ہے۔ اس ضمن میں شوکانی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اس وقت تک فاسد نہ ہوگا جب تک کہ پانی یا دوا چیز جیسے ناک میں چڑھایا گیا ہو، حلق میں نہ ٹپک پڑے۔ شاید یہی ان کا مذہب تھا یا دماغ تک جا پہنچنا چونکہ حلق میں ٹپکنے کا باعث ہوتا ہے لہذا یہ کہا گیا۔ واللہ اعلم

بَاب۲۸ فِی الصَّائِمِ یَحْتَجِمُ

روزہ دار کے سینگی لگوانے کا باب۔

۲۳۶۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا یَحْیٰی عَنْ هِشَامٍ ح وَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا حَسَنُ بْنُ مُوسٰی نَا شَیْبَانُ جَمِیْعًا عَنْ یَحْیٰی عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ عَنْ اَبِیْ اَسْمَاءَ یَعْنِی الرَّحَبِیَّ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَ الْمَحْجُوْمُ قَالَ شَیْبَانُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ قِلَابَةَ اَنَّ اَبَا اَسْمَاءَ الرَّحَبِیَّ حَدَّثَهٗ اَنَّ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ثوبان رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: حجامت کرنے والا اور حجامت کروانے والا ہر دو کا روزہ جاتا رہا۔ حدیث کی دوسری روایت کے لفظ ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضؓ نے خبر دی کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا الخ (ابن ماجہ، نسائی فی السنن الکبریٰ)

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند آئندہ حدیث سے زیادہ جید ہے۔ احمد بن حنبل نے حدیثِ شیبان کو دوسری کی نسبت زیادہ صحیح کہا ہے۔ خطابی نے کہا کہ اس حدیث کی تاویل میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے ظاہر حدیث کو لیا کہ حاجم و محجوم دونوں کا روزہ باطل ہو گیا۔ یہ احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہؒ کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے قضا واجب ہوتی ہے کفارہ نہیں۔ عطاء نے قضاء اور کفارہ ہر دو واجب قرار دیئے ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت مثلاً ابن عمر رضؓ، ابو موسیٰ اشعری رضؓ اور انس بن مالک رضؓ رات کے وقت سینگی لگواتے تھے۔ مسروق حسن اور ابن سیرین نے صائم کے لیے حجامت جائز نہیں رکھی۔ اوزاعی نے اسے مکروہ کہا ہے۔ ابن المسیب، شعبی اور نخعی نے کہا کہ اس کی کراہت صفت کی علت سے ہے۔ سفیان ثوری، مالک بن انس، شافعی اور حنفیہ صائم کے لیے اس میں حرج نہیں جانتے تھے۔ اور بعض شراحِ حدیث نے حدیث کا معنی یہ لیا ہے کہ صفت کے باعث اس فعل کا نتیجہ افطار اور صوم سے عاجزی نکلتا ہے، گویا کراہت اس جہت سے ہے نہ کہ نفسِ فعل کے مُفطر ہونے کے سبب سے۔ حاجم کے لیے کراہت اس لیے ہے کہ وہ جب خون کو منہ سے اوپر کھینچے گا تو اس کے حلق میں چلے جانے کا احتمال ہے۔ پس جس طرح کسی مہم جو شخص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہلاک ہوا۔ یعنی اس ہلاکت کے اسباب اختیار کئے، اسی طرح یہاں بھی ہے کہ حاجم اور محجوم نے وہ فعل کیا جو افطار کا سبب بن سکتا ہے۔ گویا وہ بطور مآل و نتیجہ مُفطر ہوں گے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ: جسے قاضی بنایا گیا اسے چھری کے بغیر ذبح کر دیا گیا، یعنی قضاء کا انجام ہلاکت ہو سکتا ہے کہ بے احتیاطی کے باعث آدمی بے انصافی، رشوت، سفارش، خوشامد وغیرہ کے چکر میں آکر ہلاک ہو جائے گا۔ اس حدیث کی ایک اور تاویل بھی ہے۔ خطابی نے کہا کہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجم و محجوم کو پچھلے پہر حجامت کرتے کراتے دیکھا تو فرمایا: اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ یعنی یہ دونوں وقتِ افطار کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اس صورت میں ان کی طرف سے یہ ایک عذر ہو گا نہ کہ مذمت اور اظہار حکم افطار۔ اَصْبَحَ اور اَمْسیٰ کا معنیٰ ہوتا ہے کہ فلاں شخص صبح یا شام کے وقت میں داخل ہو گیا ہے۔

بعض کے نزدیک اس حدیث میں یہ الفاظ حاجم و محجوم کے لیے اُسی طرح بطور بددعا آئے ہیں جیسے فرمایا ہے کہ جس نے صوم الدہر رکھا اس نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ یعنی وہ تو ایک عادی شخص ہے اس کا کوئی روزہ نہیں۔ اسی طرح گویا ان دونوں کے حقیقی یا حسی روزے کی نفی فرمائی گئی ہے۔

مولانا رحؒ نے اس حدیث کی تقریر میں فرمایا ہے کہ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ حجامت سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن بعض شوافع نے اس بارے میں امام احمد کا قول اختیار کر کے کہ روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ یہ حضرات یہ ہیں: ابن خزیمہ، ابن المنذر، ابوالولید نیشاپوری، ابن حبان اور ترمذی نے بحوالہ زعفرانی، امام شافعی کا قول یہ نقل کیا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میں فسادِ صوم کا قائل ہوں ورنہ نہیں۔ مالکیہ میں سے داؤدی کا یہی مذہب ہے۔ علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں اس باب میں تین مذاہب نقل کئے ہیں (۱) روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ احمد

داؤد، اوزاعی اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے۔ (۲) حجامت صائم کے لیے مکروہ ہے مگر مُفطر نہیں۔ یہ مالک، شافعی اور ثوری کا مذہب ہے۔ (۳) حجامت نہ مکروہ ہے نہ مُفطر صوم۔ یہ قول ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ اور اختلاف کا باعث یہ ہے کہ اس باب میں مختلف متعارض آثار آئے ہیں۔ اس مضمون میں دو احادیث آئی ہیں۔ پہلی وہ ہے جو ثوبان رضؓ کے طریق سے اور رافع بن خدیج رضؓ کے طریق سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ اور ثوبان رضؓ کی حدیث کو احمد بن حنبل رحؒ نے صحیح کہا ہے۔ دوسری حدیث عکرمہؒ نے ابن عباس رضؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت صوم حجامت کروائی تھی۔ اور ابن عباس رضؓ کی یہ حدیث صحیح ہے۔ پس ان حدیثوں میں تعارض کے باعث علماء کے تین مسلک ہو گئے۔ ایک ترجیح کا مذہب، کہ ان میں سے کسی ایک حدیث کو کسی دلیل سے ترجیح دی جائے۔ دوسرا جمع کا مذہب کہ کسی ایک کی تاویل کر کے اسے دوسری کے مطابق کیا جائے۔ اور تیسرا یہ کہ تعارض کے باعث انہیں ساقط کیا جائے اور ناسخ و منسوخ کا علم نہ ہونے کے باعث انہیں موقوف کیا جائے۔ پس جس نے ترجیح کا مذہب اختیار کیا اُس نے ثوبان رضؓ کی حدیث کو ترجیح دی کیونکہ وہ ایک حکم کی موجب ہے اور حدیث ابن عباس رضؓ اس حکم کو اٹھانے والی ہے۔ اور بہت سے علماء کے نزدیک موُجب کو رافع پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جب کوئی حکم ایسے طریقے سے ثابت ہو جو عمل کو واجب کرے تو صرف اسی طریقے سے رفع ہو گا جو اس کے رفع کے حکم کو واجب کرتا ہو۔ اور حدیث ثوبان رضؓ پر عمل واجب ہے کہ وہ موجب ہے، درآنحالیکہ حدیث ابن عباس رضؓ میں منسوخ ہونے کا احتمال موجود ہے اور یہ احتمال شک ہے اور نہ شک کسی عمل کو واجب کرتا ہے نہ موُجب عمل کو رفع کرتا ہے۔ جو لوگ عمل میں شک کو موُثر نہیں جانتے ان کا عمل اس طریقے پر ہے۔ اور جن لوگوں نے ان دونوں حدیثوں کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اس نے نہی کی حدیث کو کراہیت پر محمول کیا اور حجامت کرانے کی حدیث کو حرمت رفع کرنے پر محمول کیا (یعنی حجامت حرام تو نہیں مکروہ ضرور ہے) اور جن لوگوں نے ان دونوں حدیثوں کو تعارض کے باعث ساقط کیا ہے انہوں نے اصل براءت کا حکم قائم رکھتے ہوئے صائم کے لیے حجامت کو مباح قرار دیا ہے۔

مولانا رحؒ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے حدیث ابن عباس رضؓ کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کیا ہے انہوں نے: اَفْطَرَ الحاجم والمحجوم کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد مآل و نتیجہ ہے کہ وہ عنقریب افطار کریں گے جیسے کہ قول الٰہی جو مصری ساقیِ شاہ کے قول کی حکایت ہے کہ: اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا۔ اسی طرح بغوی نے شرح السنۃ میں کہا ہے کہ وہ دونوں یعنی حاجم و محجوم افطار کے عنقریب واقع ہونے والا کام کر رہے ہیں۔ پہلا اس لیے کہ جب وہ محجوم کا خون اوپر کو کھینچے گا تو کچھ خون کے اس کے پیٹ میں چلے جانے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ خون کو زور سے چوُسنے کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے۔ محجوم اس لیے کہ وہ ضعف کے باعث افطار پر مجبور ہو گا۔ اس کا یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے کہ اَفْطَرَ کا معنیٰ ہے مکروہ کام کیا یعنی حجامت۔ گویا انہوں نے ایک مکروہ فعل کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دونوں کسی کی غیبت کر رہے تھے اس لیے حضور صلعم نے از راہِ تشدید و تشنیع یہ فرمایا۔

ابن حزم کا قول ہے کہ افطر الحاجم والمحجوم والی حدیث صحیح ہے مگر ہم نے ابوسعید رضؓ کی حدیث کو اس سے متعارض پایا اور اس کی سند صحیح ہے پس اس کو لینا واجب ہوا کیونکہ اس میں رخصت ہے جو عزیمت کے بعد ہوتی

ہے. گویا حدیث ابی سعیدؓ ناسخ ہوئی اور حدیث ثوبانؓ منسوخ۔ حدیث ابی سعیدؓ کے رفع و وقف میں اختلاف ہے مگر اسے نسائی، ابن خزیمہ اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اور اس کی شاہد انسؓ کی حدیث ہے جس کی روایت دار قطنی نے کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہے کہ صائم کے لیے حجامت کی کراہت کا باعث یہ ہوا کہ جعفر بن ابی طالبؓ نے حالت صوم میں حجامت کرائی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو فرمایا کہ یہ دونوں مُفطر ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں صائم کے لیے حجامت کی رخصت دے دی تھی۔ اس حدیث کے سب راوی ثقات ہیں اور بخاری کے راویوں میں سے ہیں۔ مگر اس کے متن میں نکارت پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا تھا اور جعفرؓ کی شہادت اس سے پہلے ہو گئی تھی۔ عبدالرزاق نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعف کے باعث اس سے منع فرمایا تھا اور صوم وصال سے بھی، اور انہیں حرام نہیں کیا تھا۔ نہی کا باعث اپنے اصحاب پر شفقت و رحمت تھی۔ اور یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی موجود ہے۔

۲۳۶۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا حَسَنُ بْنُ مُوسَى نَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى حَدَّثَنِي أَبُو قِلَابَةَ الْجَرْمِيُّ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ شَدَّادَ بْنَ أَوْسٍ بَيْنَمَا هُوَ يَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔

ابوقلابہ جرمی نے بتایا کہ شداد بن اوسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ آپ نے اوپر کی حدیث کی مانند (ابن ماجہ، نسائی)

۲۳۶۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا وُهَيْبٌ نَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى عَلَى رَجُلٍ بِالْبَقِيعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِي لِثَمَانَ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ بِإِسْنَادِ أَيُّوبَ مِثْلَهُ۔

شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع مقام پر ایک آدمی کے پاس پہنچے اور وہ حجامت کرا رہا تھا۔ اس وقت حضورؐ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور رمضان کی ۱۸ تاریخ تھی، پس آپ نے فرمایا: حاجم اور محجوم دونوں مُفطر ہو گئے۔ (اس حدیث پر منذری نے لکھا ہے کہ احمد بن حنبلؒ نے کہا: أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ کی حدیثیں اور لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ کی حدیثیں ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں اور یہی میرا مذہب

ہے. میں گزارش کرتا ہوں کہ اگر ان میں سے کوئی حدیث واقعی درجۂ صحت تک پہنچتی تو احمد یہ نہ فرماتے ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ گو انفرادی طور پر یہ صحیح نہیں مگر ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں. بحث اوپر گزر چکی ہے) ابوداؤد نے کہا ہے کہ اس حدیث کو خالد الحذاء نے بھی ابو قلابہ سے اسی طرح روایت کیا ہے. خالد الحذاء کی روایت کو احمد نے مسند میں روایت کیا ہے. مگر اس کی سند اور متن میں کچھ اختلاف ہے. ایک روایت میں داؤد ابی ہند کا واقعہ ہے کہ وہ حجامت کروا رہے تھے. مولانا نے فرمایا کہ یہ ان احادیث کا اضطراب ہے جیسے ترمذی کے بقول بخاری نے اٹھانیکی کوشش کی ہے مگر اضطراب پھر اضطراب ہے)

۲۳۷۰. حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ ح وَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ نَا اِسْمٰعِيلُ يَعْنِي ابْنَ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِي مَكْحُولٌ اَنَّ شَيْخًا مِنَ الْحَيِّ قَالَ عُثْمَانُ فِي حَدِيْثِهِ مُصَدَّقٌ اَخْبَرَهُ اَنَّ ثَوْبَانَ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَهُ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ.

ثوبانؓ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اَفْطَرَ الحاجمُ والمَحجومُ ایک دوسری سند کے ساتھ اس میں ایک مجہول راوی ہے۔

۲۳۷۱. حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ نَا مَرْوَانُ نَا الْهَيْثَمُ بْنُ حُمَيْدٍ نَا الْعَلَاءُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ اَبِي اَسْمَاءَ الرَّحَبِيِّ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ رَوَاهُ ابْنُ ثَوْبَانَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مَكْحُوْلٍ مِثْلَهُ بِاِسْنَادِهِ.

حدیث ثوبان رضا ایک اور سند سے۔ ابو داؤد نے کہا کہ ابن ثوبان نے اپنے باپ سے اور اس نے مکحول سے اسی طرح کی روایت کی ہے (یہ ابن ثوبان، محمد بن عبدالرحمان مدنی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں مل سکا اور صاحب عون المعبود نے اس کے بیان میں غلطی کی ہے)

بَابٌ ۲۹ فِي الرُّخْصَةِ

اس میں رخصت کا باب

۲۳۷۲۔ حَدَّثَنَا اَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ اَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ قَالَ اَبُودَاؤُدَ رَوَاهُ وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ اَيُّوبَ بِاِسْنَادِهِ مِثْلَهُ وَجَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ وَهِشَامٌ يَعْنِي ابْنَ حَسَّانٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ صوم حجامت کروائی۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسے وہیب بن خالد نے، جعفر بن ربیعہ، ہشام بن حسان نے بھی عن عکرمہ عن ابن عباس رضؓ روایت کیا ہے (بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مالک)

شرح: حافظ ابن عبدالبر نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حدیثِ ثوبان رضؓ منسوخ ہے کیونکہ اس کے بعض طرق میں ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔ ابن خزیمہ نے اس کی عجیب تاویل کی ہے جو عقل و فکر میں کم آتی ہے کہ حضور ؐ اس وقت مسافر تھے اور آپ کا روزہ حجامت سے فاسد ہو گیا تھا جو حالتِ سفر میں جائز ہے۔ لیکن اس حدیث میں اس تاویل کا کوئی اتہ پتہ نہیں ملتا لہذا تاویل غلط ہے۔ خطابی نے بھی اسے رد کیا ہے۔

۲۳۷۳۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِي زِيَادٍ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ مُحْرِمٌ۔

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے (عن مقسم) کہ حضور ؐ نے حالتِ احرام و صیام میں حجامت کروائی تھی (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)

۲۳۷۴۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِي لَيْلٰى حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْحِجَامَةِ وَالْمُوَاصَلَةِ وَلَمْ يُحَرِّمْهُمَا اِبْقَاءً عَلٰى اَصْحَابِهِ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُوَاصِلُ اِلَى السَّحَرِ فَقَالَ اِنِّي اُوَاصِلُ اِلَى السَّحَرِ وَرَبِّي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامت اور صوم وصال سے منع فرمایا اور انہیں حرام نہیں فرمایا تھا، ممانعت کا باعث اپنے اصحاب پر شفقت تھی۔ آپ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ آپ تو سحر تک صوم وصال رکھتے ہیں۔ فرمایا میں سحر تک صوم وصال رکھتا ہوں اور میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے (از روئے اصول حدیث صحابی کا ابہام مضر نہیں۔ یہ حدیث اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث صائم کے لیے حجامت کی رخصت پر دلالت کرتی ہیں۔ کچھ بحث اوپر گزر چکی ہے)

۲۳۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ الْمُغِيْرَةِ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ اَنَسٌ مَا كُنَّا نَدَعُ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ اِلَّا كَرَاهَةَ الْجَهْدِ۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم حجامت کو صائم کے لیے ترک کرتے تھے کہ مبادا وہ مشقت میں مبتلا ہو جائے (بخاری)

شرح: بخاری نے اس حدیث کو ذرا مفصل الفاظ سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا (سائل خود ثابت بنانی راوی حدیث تھا) کہ کیا آپ لوگ صائم کے لیے حجامت کو مکروہ جانتے تھے؟ تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں مگر صرف ضعف کے باعث۔ اسماعیلی، ابو نعیم اور بیہقی کی روایت دلالت کرتی ہے کہ سائل خود ثابت تھا۔

بَابٌ فِي الصَّائِمِ يَحْتَلِمُ نَهَارًا فِي رَمَضَانَ

روزہ دار کو رمضان میں احتلام ہو جانے کا باب

۲۳۷۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ اَنَا سُفْيَانُ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُفْطِرُ مَنْ قَاءَ وَلَا مَنِ احْتَلَمَ وَلَا مَنِ احْتَجَمَ۔

زید بن اسلم اپنے ایک ساتھی سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ساتھی سے روایت کرتا ہے اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا جسے قے آئے اور نہ جسے احتلام ہو اور نہ وہ جس نے حجامت کروائی (ترمذی)

شرح: اس کی سند میں ایک مجہول شخص ہے۔ اور یہ روایت عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے، اس نے عطاء بن یسار سے، اس نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً کی ہے لیکن عبدالرحمن ضعیف ہے۔ ترمذی نے اسے ذاہب الحدیث کہا ہے اور کئی لوگوں نے یہ روایت زید بن اسلم سے مرسلاً کی ہے۔ خطابی نے اپنی سند سے یحیی بن معین کا قول روایت کیا ہے کہ زید بن اسلم کی حدیث جس میں یہ تین باتیں ہیں لاشیٔ ہے۔ منذری نے بھی اسے غیر ثابت کہا ہے۔ دارقطنی نے یہ حدیث ہشام بن سعد عن زید بن یسار عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے باختلاف الفاظ روایت کی ہے۔ ہشام بن سعد متکلم فیہ ہے مگر مسلم کا راوی ہے اور بخاری نے اس سے استشہاد کیا ہے۔

حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں مسند بزار کی حدیث ہشام بن سعد عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس رض مرفوعاً روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: تین چیزیں روزہ دار کا روزہ نہیں توڑتیں۔ قے، احتلام اور حجامت یہ سند صحیح ہے۔ طبرانی نے یہ روایت ثوبان رض سے اپنی سند سے نقل کی ہے اور کہا ہے اس حدیث کی ثوبان رض سے فقط یہی روایت ہے۔ خطابی نے اس حدیث پر لکھا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو قے سے مراد وہ ہے جو از خود آئے۔ جان بوجھ کر نہ کی جائے۔ مزید بحث آگے آتی ہے۔

بَابٌ ۱۳ فِی الْکُحْلِ عِنْدَ النَّوْمِ

سوتے وقت سرمہ لگانے کا باعث

۲۳۷۷۔ حَدَّثَنَا النُّفَیْلِیُّ نَا عَلِیُّ بْنُ ثَابِتٍ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ النُّعْمَانِ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ هَوْذَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اَمَرَ بِالْاِثْمِدِ الْمُرَوَّحِ عِنْدَ النَّوْمِ وَقَالَ لِیَتَّقِهِ الصَّائِمُ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ قَالَ لِیْ یَحْیَی بْنُ مَعِیْنٍ هُوَ حَدِیْثٌ مُنْکَرٌ یَعْنِیْ حَدِیْثَ الْکُحْلِ۔

معبد بن ہوذہ رض انصاری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت خوشبو دار سرمہ لگانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ صائم اس سے پرہیز کرے۔ ابو داؤد نے کہا کہ مجھ سے یحییٰ بن معین نے کہا، یہ سرمے والی حدیث منکر ہے۔

شرح: اس حدیث کی سند میں عبد الرحمان بن نعمان راوی کو یحییٰ بن معین نے ضعیف اور علی بن المدینی نے قرار دیا ہے۔ عن ابی عن جدہ کی خبروں میں بھی محدثین کو کلام ہے کہ ان سے مراد کون سے اشخاص ہیں۔ جدہ سے مراد بعض نے ہوذہ لیا ہے مگر دوسروں نے کہا کہ صحابی تو معبد ہے جو ہوذہ کا بیٹا ہے نہ کہ خود ہوذہ۔ پھر اس کی نسبت میں بعض نے عبد الرحمان بن نعمان بن معبد بن ہوذہ کہا ہے اور بعض نے عبد الرحمان بن ہوذہ اور بعض نے عبد الرحمان بن معبد بن ہوذہ۔

نیل الاوطار میں شوکانی نے کہا ہے کہ ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلی نے اس حدیث کی بنا پر کہا ہے کہ سرمہ مفسد صوم ہے۔ ائمہ عترت اور فقہاء وغیرہم نے ان کے خلاف کہا ہے کہ سرمہ مفسد صوم نہیں ہے۔ حدیث کا جواب یہ ہے کہ ضعیف اور اس سے استدلال درست نہیں۔ ان دونوں نے بخاری کی ایک معلق روایت سے جسے بیہقی، دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے موصول بیان کیا ہے، بھی استدلال کیا ہے کہ ا فطار ان چیزوں سے ہے جو داخل ہوں اور وضو ان چیزوں سے ہے جو خارج ہوں۔ اور اس کی سند میں الفضل بن مختار بہت ضعیف ہے اور شعبہ مولائے ابن عباس رض بھی ضعیف ہے، اور ابن عدی نے کہا کہ دراصل یہ حدیث موقوف ہے۔

جمہور کی دلیل ابن ماجہ کی حدیث عائشہؓ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں حالت صوم سرمہ لگایا اس کی سند میں بقیہ ہے جو بقول بیہقی مجہول اور بقول نووی ضعیف ہے۔ بیہقی نے اسے ایک اور طریق سے روایت کیا ہے کہ ابو رافعؓ کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں سرمہ لگاتے تھے، ابو حاتم نے اس حدیث کو منکر کہا کیونکہ ابو رافعؓ کا پوتا (اس حدیث کا راوی محمد) منکر الحدیث ہے اور اسی طرح بخاری نے بھی کہا ہے۔ ابن حبان نے اس حدیث کو ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند اچھی ہے۔ اور ابن ابی عاصم نے اپنی کتاب الصیام میں ابن عمرؓ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپؐ کی آنکھیں سرمے سے پُر تھیں اور یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ اور ترمذی نے حدیث انسؓ بیان کی ہے کہ جس کی آنکھیں خراب ہوں اُسے سُرمے کی اجازت ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں اور اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز صحیح طور پر ثابت نہیں۔ ابو داؤد نے اُسے انسؓ کا فعل بتایا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو لا بأس بہ کہا ہے۔ حافظ نے کہا کہ اس باب میں طبرانی نے حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ لونڈی بریرہؓ سے روایت کی ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباسؓ کی روایت درج کی ہے مولانا نے فرمایا کہ البدائع میں ہے کہ صائم کے لیے اثمد وغیرہ کا سُرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگرچہ اس کا اثر حلق میں محسوس کیا جائے۔ عامۂ علماء کا یہی مذہب ہے۔ آنکھ کا کوئی منفذ پیٹ کی طرف نہیں ہے۔

۲۳۷۸۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ أَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عُتْبَةَ أَبِي مُعَاذٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ كَانَ يَكْتَحِلُ وَهُوَ صَائِمٌ

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ روزے کی حالت میں سُرمہ لگاتے تھے۔

۲۳۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الْمُحَرَّمِيُّ وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى الْبَلْخِيُّ قَالَا نَا يَحْيَى بْنُ عِيسَى عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِنَا يَكْرَهُ الْكُحْلَ لِلصَّائِمِ وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ يُرَخِّصُ أَنْ يَكْتَحِلَ الصَّائِمُ بِالصَّبِرِ۔

اعمش نے کہا کہ میں نے اپنے دوستوں (محدثین و فقہاء) میں سے کسی کو بھی روزہ دار کے لیے سُرمہ لگانے کو مکروہ جانتے نہیں دیکھا اور ابراہیم نخعی صائم کو مصبر کا سُرمہ لگانے کی رخصت دیتے تھے (شاید یہ بھی سُرمے کی کوئی قسم ہو یا آنکھ کی دوائی ہو)

بَابُ الصَّائِمِ يَسْتَقِيُّ عَامِدًا ۳۲

روزہ دار کے عمداً قے کرنے کا باب

۲۳۸۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ نَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَرَعَهُ قَيْءٌ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَإِنِ اسْتَقَاءَ فَلْيَقْضِ۔

ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی قے خود بخود نکل آئے اور وہ روزہ دار ہو تو اس پر قضا نہیں اور اگر عمداً قے کرے تو روزہ قضاء کرے (ترمذی، النسائی اور ابن ماجہ) حمصی نسخے میں یہ اضافہ بھی ہے کہ: ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو حفص بن غیاث نے بھی ہشام سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ خطابی کے نسخے میں یہ اضافہ ہے کہ: ابوداؤد نے کہا: میں نے احمد بن حنبل کو کہتے سُنا کہ اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

شرح: شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن حبان، دارقطنی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے کئی الفاظ ہیں۔ نسائی نے کہا کہ عطاء نے اس کو ابوہریرہ رضؓ پر موقوف کیا ہے۔ ترمذی نے کہا کہ ہم اسے صرف ہشام عن محمد عن ابی ہریرہ کے طریق سے جانتے ہیں اور اس میں عیسیٰ بن یونس متفرد ہے۔ بخاری نے کہا کہ میں اسے محفوظ نہیں سمجھتا اور یہ کئی وجوہ سے مروی ہے مگر اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ موطا میں ابن عمر رضؓ پر موقوف ایک روایت اسی مضمون کی ہے۔ اور اسے شافعی نے بھی روایت کیا ہے کہ: جو شخص روزے میں عمداً قے کرے تو اس پر قضاء ہے اور جس کو زبردستی قے آگئی اس پر قضا نہیں۔ اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عمداً قے کی صورت میں روزہ باطل ہے اور قضا واجب ہے اور خود بخود قے آجائے تو نہ روزہ باطل ہوا نہ قضاء واجب ہوئی۔ اور یہ مذہب علی رضؓ، ابن عمر رضؓ، زید بن ارقم، زید بن علی رضؓ اور شافعی رحؒ کا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ حنفیہ کا قول بھی یہی ہے۔ اور ابن مسعود رضؓ، عکرمہ، ربیعہ، الہادی اور القاسم کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے قے کا غلبہ ہو یا عمداً نکالی جائے جب تک کہ اس میں کچھ عمداً واپس نہ لے جائی جائے۔ اور انہوں نے ابوسعید رضؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تین چیزیں روزہ کو نہیں توڑتیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں کلام ہے جو گزر چکا لہٰذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ اگر تسلیم کریں کہ اس سے استدلال ہو سکتا ہے تو اس سے مراد خود بخود آنے والی قے ہے جیسا کہ بیہقی نے کہا۔ احادیث کو جمع اسی طرح کیا جا سکتا ہے۔

۲۳۸۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو نَا عَبْدُ الْوَارِثِ نَا الْحُسَيْنُ عَنْ يَحْيَى حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَعِيشَ بْنِ الْوَلِيدِ بْنِ هِشَامٍ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ حَدَّثَنِي مَعْدَانُ بْنُ طَلْحَةَ أَنَّ أَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ وَأَفْطَرَ فَلَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَقُلْتُ إِنَّ أَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَأَفْطَرَ قَالَ صَدَقَ وَأَنَا صَبَبْتُ لَهُ وَضُوءَهُ۔

ابوالدرداءؓ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور روزہ افطار کیا۔ پھر میں ثوبانؓ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد دمشق میں ملا اور میں نے کہا (قائل معدان بن طلحہ راوی ہے) کہ ابوالدرداءؓ نے مجھے حدیث سنائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور روزہ افطار کر لیا تو اس نے کہا کہ اس نے سچ کہا، اور وضوء کے لیے پانی میں نے ڈالا تھا (ترمذی اور نسائی)

شرح: ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث ثوبانؓ، ابوالدرداءؓ اور فضالہؓ بن عبید سے مروی ہے۔ اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ نفلی تھا اور قے کے باعث ضعف ہوا تو روزہ افطار کر لیا۔ بعض احادیث میں یہ اسی طرح بالتفسیر روایت ہوئی ہے۔ اور اہل علم کا عمل اسی پہ ہے کہ جو حدیث ابی ہریرہؓ میں وارد ہے کہ قے خود بخود آجائے تو اس پر قضاء نہیں (کیونکہ روزہ نہیں ٹوٹا) اور جو عمداً قے کرے اس پہ قضاء ہے (کیونکہ اس کا روزہ باطل ہوا) اور یہی قول شافعی، ثوری، احمد اور اسحاق کا ہے۔ زیلعی نے نصب الرایۃ میں کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور علی شرط الشیخین اسے صحیح کہا ہے۔ دارقطنی نے اسے اپنی سنن میں روایت کیا اور کہا کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ علامہ قاری نے کہا کہ میرک کا قول ہے کہ اس حدیث سے ابوحنیفہ، احمد، اسحاق ابن المبارک اور ثوری نے قے کے ناقض وضوء ہونے پر استدلال کیا ہے، لیکن شافعی نے اس وضوء سے مراد منہ اور ہاتھ دھو نا لیا ہے اور کہا ہے کہ قے کے بعد وضوء مستحب ہے، لیکن وضوء سے شرعی معنی مراد لینا ہی اولیٰ ہے کیونکہ شارع کے کلام کو بلا سبب لغوی معنی پر محمول کرنا جائز نہیں۔

بَابُ ۳۳ الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار کے لیے بوسے کا باب

۲۳۸۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ وَعَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَلٰكِنَّهُ كَانَ أَمْلَكَ لِأَرَبِهِ۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لیتے اور بغل گیر ہوتے تھے لیکن آپؐ کو اپنی خواہش پر بہت قوت (کنٹرول) حاصل تھی (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے لکھا ہے کہ ارب کا لفظ دو طرح سے مروی ہے۔ اَرَب اور اِرْب۔ دونوں کا معنیٰ یک ہی ہیں یعنی نفس کی خواہش اور حاجت۔ اسی طرح اربۃ اور مآربۃ بھی ہے۔ اور ارب عضوِ مخصوص کو بھی

کہا جاتا ہے، روزہ دار کے لیے بھوسے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عمر رضؓ نے اس سے روکا ہے اور ابن مسعودؓ نے کہا کہ جو ایسا کرے وہ ایک دن کا روزہ قضاء کرے۔ ابن المسیب سے بھی یہی روایت ہے ابن عباس رضؓ نے کہا کہ جوان کے لیے مکروہ ہے اور بوڑھے کے لیے جائز۔ اور یہی مذہب مالک بن انس کا ہے۔ رخصت دینے والوں میں عمر بن الخطابؓ، ابوہریرہ رضؓ، عائشہ رضؓ، عطاءؒ، شعبیؒ اور الحسنؒ ہیں۔ شافعیؒ نے کہا کہ اگر اس سے شہوت میں حرکت نہ ہو تو جائز ہے اور احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ثوریؒ نے کہا کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن بچنا بہتر ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ مباشرت کا معنی ہے: اِلصَاقُ البَشرَۃِ بِالبَشرَۃِ۔ جسم کے ساتھ جسم ملانا، لمس کرنا، بغل گیر ہونا۔ ام المؤمنین کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خواہش پر غلبہ حاصل تھا، بوسے اور بغل گیری کے باوجود آپؐ اس بات پر پوری طرح قادر تھے کہ یہیں پر رُک جائیں، آگے نہ بڑھیں۔ حضورؐ کو ہادی اور اسوہ ہونیکی بنا پر حلت و حرمت اور اباحت و استحباب کے معاملات میں ہر چیز کے اندر امت کے لیے نمونہ قائم کرنا تھا۔ اس لحاظ سے آپ کے فرائضِ رسالت نہائت دقیق اور نازک تھے اگر اس قسم کی احادیث کو بہانہ بنا کر انکارِ حدیث مطلب ہے جیسا کہ دورِ جدید کے ملحدین کا شیوہ ہے تو وہ اپنے تو وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ کیا ایک اچھے خاوند کے اپنی بیوی کے ساتھ یہ تعلقات نہیں ہوتے؟ کیا تم لوگ اپنے گھروں میں یہی کچھ نہیں کرتے؟ اگر دیانت و حیاء موجود ہو تو اس قسم کے واقعات کو تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت پر محمول کیا جائیگا اور یہ مقام بڑا ہی نازک ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کے نازک ترین پوشیدہ لمحات کی رپورٹ بھی امت تک پہنچادے اور اس کی پاکیزہ زندگی کا کوئی گوشہ بھی لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ جائے۔ فصلی اللہ علیہ وسلم۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ صائم کے لیے بوس و کنار کو کچھ لوگوں نے مکروہ جانا ہے۔ مالکیہ کا مشہور مذہب یہی ہے اور ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق ابن عمر رضؓ اسے مکروہ جانتے تھے۔ ابن المنذر وغیرہ نے اس کی تحریم ایک قوم سے نقل کی ہے اور دلیل اس کی آیت: فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ کی آیت بیان کی ہے۔ اور کہا ہے صائم کے لیے دن کو اس آیت میں مباشرت سے روکا گیا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو بیان کرنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور جب آپؐ نے دن کو مباشرت یعنی بوس و کنار کو مباح ٹھہرایا تو معلوم ہو گیا کہ آیت میں مباشرت سے جماع مراد ہے اور اس سے کمتر افعال کی حرمت بیان نہیں ہوئی۔ دراصل مباشرت کا لغوی معنی تو فقط جسم سے جسم مس کرنا ہے اور اس کے دو افراد ہیں۔ ایک جماع اور دوسرا صرف بوس و کنار۔ اب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے واضح ہو گا کہ کہاں پر اس لفظ سے کیا مراد ہے۔

بوسے سے روزہ فاسد ہو جانے کا فتوے ایک کوفی فقیہ ابن شبرمہ کا ہے اور طحاوی نے نام لیے بغیر اسے ایک جماعت کا مذہب قرار دیا ہے۔ کچھ لوگوں نے بوسہ مطلقاً صائم کے لیے جائز رکھا ہے اور یہ صحیح طور پر ابوہریرہؓ سعد بن ابی وقاص رضؓ اور سعید رضؓ سے منقول ہے۔ بلکہ بعض اہل ظاہر نے ازراہ مبالغہ اسے مستحب ٹھہرایا ہے۔ ابن عباس رضؓ نے جوان اور بوڑھے میں فرق بتایا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ جن لوگوں کو اپنی خواہش پر غلبہ و قوت حاصل ہو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر اس فعل سے یا صرف نگاہ ڈالنے سے انزال ہو جائے

یا مذی بہہ نکلے تو کیا حکم ہے۔ فقہائے کوفہ اور شافعی نے کہا کہ روزہ باطل ہے، قضاء کرے جبکہ انزال ہو جائے، مذی میں کچھ نہیں ہوتا۔ مالک اور اسحاق نے دونوں صورتوں میں قضاء کا حکم دیا ہے اور کفارے کا بھی سوائے مذی کے۔ اس میں فقط قضاء ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف چھونے اور بوس و کنار سے انزال کی صورت میں قضاء ہے۔ صرف بوسہ بلا انزال ہو، یا صرف نگاہ ڈالنے سے انزال ہو جائے یا سوچنے سے انزال ہو جائے، یا سبیلیں (اگلے پچھلے راستے) کے علاوہ اگر جماع کر بیٹھے مگر انزال نہ ہو تو قضاء نہیں ہے۔ باقی صورتوں میں قضاء اور کفارہ دونوں ہوں گے۔

۲۳۸۳۔ حَدَّثَنَا اَبُو تَوْبَةَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ ثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ فِي شَهْرِ الصَّوْمِ۔

ام المؤمنین عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ صیام میں بوسہ لیتے تھے (یعنی دن کو بحالت صوم۔ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، النسائی)

۲۳۸۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ اَنَا سُفْيٰنُ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيمَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ الْقُرَشِيَّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُنِي وَهُوَ صَائِمٌ وَاَنَا صَائِمَةٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا بوسہ لیتے تھے درانحالیکہ آپ اور میں دونوں روزے سے ہوتے تھے (نسائی)

۲۳۸۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ نَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ هَشَشْتُ فَقَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَنَعْتُ الْيَوْمَ اَمْرًا عَظِيمًا قَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ مَضْمَضْتَ مِنَ الْمَاءِ وَاَنْتَ صَائِمٌ قَالَ عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ فِي حَدِيثِهِ قُلْتُ لَا بَاسَ قَالَ فَمَهْ۔

جابر بن عبداللہ نے کہا کہ میں نے خوش ہو کر بحالتِ صوم (اپنی زوجہ کا) بوسہ لے لیا۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ آج مجھ سے ایک بڑا کام سرزد ہو گیا ہے کہ میں نے روزے میں بوسہ لے لیا ہے حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم حالتِ صوم میں پانی سے کُلّی کر لو تو (کیا حرج ہو گا؟) راوی عیسیٰ بن حماد کی حدیث میں ہے کہ میں نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) کہا کہ اس سے کچھ حرج نہیں ہوتا۔ تو حضور نے فرمایا: پھر اس سے کیا ہو گیا؟ (مسند احمد، نسائی، حاکم فی المستدرک۔ حاکم اور ذہبی دونوں نے اسے صحیح علیٰ شرط الشیخین کہا ہے۔ اور بقول شوکانی: ابن خزیمہ اور ابن حبان)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں قیاس کا ثبوت ہے کہ ایک چیز کو دوسری کے ساتھ جمع کریں اور دونوں کا حکم ایک ٹھہرائیں جبکہ ایک کا حکم پہلے سے معلوم ہو۔ اور یہ اسی طرح ہے کہ پانی سے کُلّی کرنا حلق تک پانی اُترنے اور پیٹ میں چلے جانے کا سبب ہو سکتا ہے، لیکن جب احتیاط کی جائے اور پانی صرف منہ کے اندر رہے تو روزہ متاثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح بوس و کنار گو جماع کا مقدمہ و تمہید ہے مگر جب آگے نہ بڑھا جائے اور معاملہ یہیں پر رُک جائے تو کوئی حرج نہیں ہو گا۔ مطلب یہ کہ دونوں کاموں میں مشابہت پائی جاتی ہے، پس جب ایک سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تو دوسری سے بھی نہ ہو گا۔ "مَہْ" میں مَہْ تنبیہ کا کلمہ ہے جیسے کسی چیز کی طرف متوجہ کرنے یا باز رکھنے کے لیے بولتے ہیں۔

بَابُ الصَّائِمِ يَبْلَعُ الرِّيقَ ۳۴

روزہ دار کے تھوک نگلنے کا باب۔

۲۳۸۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى نَا مُحَمَّدُ بْنُ دِينَارٍ نَا سَعْدُ بْنُ أَوْسٍ الْعَبْدِيُّ عَنْ مِصْدَعٍ أَبِي يَحْيَى عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَيَمُصُّ لِسَانَهَا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالتِ صوم ان کا بوسہ لیتے اور زبان چوستے تھے (ابن الاعرابی۔ راوئ ابوداؤد) نے کہا کہ مجھے ابوداؤد سے خبر پہنچی ہے کہ اس نے کہا: یہ اسناد صحیح نہیں ہے)

شرح: محمد بن دینار راوی پر بڑی تنقید ہوئی ہے۔ بعض نے اسے متروک الحدیث اور ضعیف کہا ہے مثلاً ابن معین اور دارقطنی۔ نسائی نے کہا کہ حدیث کا آخری لفظ صرف اسی محمد بن دینار کی روایت میں ہے۔ اس کا شیخ سعد بن اوس العبدی بھی متکلم فیہ ہے اور کئی غلط روایات کا راوی ہے، ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے علامہ قاری نے میرک سے یہ سب کچھ نقل کیا ہے۔ دوسرے کے تھوک کو نگلنے سے بالاجماع روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ میں وضاحت بھی نہیں کہ (بالفرض اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو) آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس ریق کو باہر پھینک دیتے تھے یا نہیں؟ اس احتمال کی وجہ سے اس میں ویسے بھی کوئی استدلال نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک زوجین میں اگر یہ معاملہ پیش آئے تو قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں

۳۵ کراهته للشاب

جوان کے لیئے اس کی کراہیت کا باب۔

۲۳۸۷۔ حدثنا نصر بن علي انا ابو احمد يعني الزبيري نا اسرائيل عن ابي العنبس عن الاغر عن ابي هريرة ان رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن المباشرة للصائم فرخص له واتاه آخر فنهاه فاذا الذي رخص له شيخ والذي نهاه شاب۔

ابوہریرہ رضی سے روایت ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صائم کے لیے بغل گیری کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اسے رخصت دی۔ اور دوسرا آیا تو اس کے سوال پر آپ نے اسے منع فرمایا۔ جسے رخصت دی تھی وہ بوڑھا تھا اور جسے منع فرمایا تھا وہ جوان تھا۔ کیونکہ بوڑھوں پر عموماً شہوت کا سکون غالب ہوتا ہے اور فتنے کا خوف کم تر ہوتا ہے۔ اور جوان کو اس لیے روکا کہ وفورِ شہوت کے باعث فتنہ کا خوف تھا۔ بوس و کنار فی نفسہٖ ناجائز نہ تھا اسے احتیاطاً منع فرمایا گیا۔ بہت سے مباحات حرام کا مقدمہ بن جاتے ہیں لہٰذا ان سے رکنا اور روکنا ہی بہتر ہے۔

۳۶ من اصبح جنبا في شهر رمضان

ماہِ رمضان میں بحالتِ جنابت صبح کرنے کا باب

۲۳۸۸۔ حدثنا القعنبي عن مالك ح ونا عبد الله بن محمد ابن اسحق الاذرمي نا عبد الرحمن بن مهدي عن مالك عن عبد ربه بن سعيد عن ابي بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام عن عائشة وام سلمة زوجي النبي صلى الله عليه وسلم انهما قالتا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصبح جنبا قال عبد الله الاذرمي في حديثه في رمضان من جماع غير احتلام ثم يصوم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ازواج مطہرات عائشہ رضی اللہ عنہا و ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت صبح حالت جنابت میں بھی ہوتے تھے۔ عبداللہ اذرمی نے اپنی حدیث میں کہا کہ: رمضان میں جماع کے باعث نہ کہ احتلام کے سبب سے۔ پھر آپ روزہ رکھ لیتے (بخاری، مسلم، نسائی)

شرح: علامہ خطابی نے معالم السنن میں فرمایا کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جب کوئی شخص رمضان صبح کو بحالتِ جنابت ہو تو وہ روزہ پورا کرے اور یہ جائز ہے۔ مگر ابراہیم نخعی نے فرض اور نفل روزے میں فرق کیا ہے۔ اس نے کہا کہ نفلی روزے میں تو یہ جائز ہے مگر فرض میں قضا واجب ہے۔ اور یہ لفظ جو اذرمی نے روایت کیا ہے اگر یہ ثابت ہے تو بطور نص ابراہیم نخعی کے خلاف دلیل ہے ورنہ باقی تمام روایات بطورِ عموم اس کے خلاف حجت ہیں۔ اور ابوہریرہ کا فتویٰ یہ تھا کہ جو صبح کو جُنبی ہو اس کا کوئی روزہ نہیں اور یہ چیز وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا تھا، مگر جب عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پہنچی تو کہا: وہ اس مسئلہ سے زیادہ واقف ہیں۔ مجھے تو یہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بتایا تھا۔ لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے مگر بہترین تاویل وہی ہے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود اس میں روایت کی، پس وہ پہلی حدیث نسخ پر محمول ہو گی۔ اور اس کا باعث یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں نیند کے بعد صائم پر جماع حرام تھا جیسے کہ کھانا پینا بھی۔ پس جب اللہ تعالےٰ نے جماع کو طلوعِ فجر تک مباح ٹھہرا دیا تو جنبی کے لیے جائز ہو گیا کہ غسل سے قبل ہی روزہ رکھے کیونکہ سابق حُرمت تو اب اُٹھ چکی ہے۔ پس اُس حدیث: مَنْ أَصْبَحَ جُنُبًا فَلَا يَصُومُ ۔ "جو صبح کو جُنبی ہو وہ روزہ نہ رکھے" کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے نیند کے بعد رمضان میں جماع کیا اس کے لیے دوسرے دن کا روزہ جائز ہوا کیونکہ جنابت تو اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ طلوعِ فجر سے ذرا پہلے جماع کرے۔ پس ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اسی حدیث پر تھا جو اس نے الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے سُنی تھی۔ اور یہ نسخ سے پہلے کی بات تھی اور اسے نسخ معلوم نہ تھا، سو جب اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سُن لی تو اسے اختیار کر لیا۔ ابن المسیب سے بھی مروی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس فتوے سے رجوع کر لیا تھا۔ خطابی کہتے ہیں کہ اُس حدیث کا ایک اور معنیٰ بھی ہے جس سے نسخ لازم نہیں آتا، اور وہ یہ کہ "جو شخص طلوعِ فجر کے وقت جماع کر رہا ہو اس کا کوئی روزہ نہیں ہے"، گویا جماع کو جنابت سے تعبیر کیا گیا کیونکہ اس کا نتیجہ اور مآل جنابت تھی۔

ابو داؤد کا قول سنن کے حمصی نسخے میں اس حدیث کے بعد یوں منقول ہے کہ: ابو داؤد نے کہا کہ جو یوں کہتے ہیں کہ: یعنی يُصْبِحُ جُنُبًا فِي رَمَضَانَ کا لفظ صرف عبداللہ اذرمی کی روایت میں ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ مصنف عبدالرزاق کے رجال میں ایک عزرمی بھی ہے معلوم نہیں وہ اذرمی ہے یا کوئی اور، اور اس عزرمی پر کچھ کلام ہوا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ مسلم کی روایت میں فِي رَمَضَانَ کا ذکر نہیں ہے۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس حدیث کی بناء پر عدمِ صوم کا فتویٰ دیا تھا۔ اسے طحاوی نے محمد بن خزیمہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور بخاری نے یقیناً اس کا ذکر کیا ہے۔ قرطبی نے بقولِ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث سے دو مسئلے نکلے، ایک یہ کہ آپ بیانِ جواز کے لیے غسلِ جنابت کو مؤخر فرماتے تھے۔ دوسرا یہ کہ یہ غسل جماع کے باعث تھا نہ کہ احتلام سے۔ حضور کو احتلام نہیں

ہوتا کیونکہ احتلام شیطانی وسوسے سے ہوتا ہے اور آپؐ اس سے معصوم تھے۔ قرطبی کے علاوہ بعض اور علماء نے کہا ہے کہ امہات المؤمنین کا یہ قول کہ "من جماع غیر احتلام" ظاہر کرتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو احتلام ہو سکتا تھا ورنہ اس استثناء کا کوئی معنی نہیں۔ اور اس کا رد یہ کیا گیا ہے کہ حضورؐ احتلام سے پاک تھے کیونکہ وہ شیطانی وسوسے کا اثر ہے اور آپؐ اس سے معصوم تھے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ احتلام سے مراد انزال ہے جو خواب میں کچھ دیکھے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ اور ازواج مطہرات نے یہ لفظ اس لیے بولے تھے کہ مبادا کوئی سمجھ جائے کہ شاید یہ غسل بلا جماع تھا اور اس کا باعث احتلام تھا۔ گویا انہوں نے اس بات پہ زور دیا کہ رمضان کی راتوں میں اس بنا پر جماع سے گریز کرنا کہ مبادا صبح کو بلا غسل ہی سحر طلوع ہو جائے، کوئی چیز نہیں ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عمداً ایسا کرنے والا جب کوئی ناجائز کام نہیں کر رہا تو خطاء ونسیان سے اگر کوئی بلا غسل روزہ رکھے تو بطریق اولیٰ اس کا روزہ صحیح ہو گا۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ احتلام غیر اختیاری چیز ہے لہٰذا اس کا ذکر کیا گیا کہ غیر اختیاری طور پہ ایسا نہ ہوتا تھا جو کہ اختیاری چیز ہے۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ اس مذہب پر سب ائمہ کا اجماع ہے اور جمہور کا یہی قول ہے۔ بقول ترمذی بعض تابعین کا عمل حدیث ابی ہریرہؓ پہ باقی رہا تھا۔ جمہور کے مذہب کی دلیل آیت قرآنی ہے: اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ۔ اس سے رمضان کی راتوں میں وطی کا جواز نکلتا ہے اور رات کا حصہ وہ بھی ہوتا ہے جو طلوع فجر سے ذرا پہلے ہو، پس اس میں بھی وطی جائز ہوئی۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ایسا کرنے والا بوقت صبح جُنبی ہو۔ ابوہریرہؓ کا رجوع نسخ کو ثابت کرتا ہے اور اس کا ثبوت بخاری کی روایت میں ہے۔ ابن جریج نے صراحۃً ابوہریرہؓ کے رجوع کا ذکر کیا ہے۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ سنن ابی داؤد کے حاشیے پر جو عبارت درج ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ فی رمضان کا ذکر بہت کم راویوں نے کہا ہے مگر اذرعی کے علاوہ مسلم کی روایت میں یونس عن ابن شہاب عن عروۃ وابی بکر بن عبدالرحمن عن عائشہؓ کے طریق سے فی رمضان کا لفظ موجود ہے۔ اور مسلم نے مالک کے طریق سے یہ حدیث عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں بھی فی رمضان کا لفظ موجود ہے۔ یہ روایات صحیح ہیں اور ان میں اذرعی کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔

۲۳۸۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ يَعْنِي الْقَعْنَبِيَّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَعْمَرٍ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِي يُونُسَ مَوْلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الْبَابِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اُصْبِحُ جُنُبًا وَاَنَا اُرِيْدُ الصِّيَامَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اُصْبِحُ جُنُبًا وَاَنَا اُرِيْدُ الصِّيَامَ فَاَغْتَسِلُ وَاَصُوْمُ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

إِنَّكَ لَسْتَ مِثْلَنَا قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَعْلَمَكُمْ بِمَا أَتَّبِعُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جبکہ وہ دروازے پر کھڑا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ میں صبح کو جُنبی ہوتا ہوں اور روزے کا ارادہ ہوتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی صبح کو جُنبی ہوتا ہوں اور روزے کا ارادہ رکھتا ہوں، پس غسل کر کے روزہ رکھ لیتا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے جیسے نہیں ہیں، اللہ تعالٰے نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا اور فرمایا: واللہ مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والا ہوں اور جو اعمال کرتا ہوں ان کا تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں (مسلم، نسائی)

شرح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ صیام کی فجر کے وقت جنابت کا ہونا کسی کے روزے کو مُضر نہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہ آپؐ کی امت کے لیے۔ اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ خدا کی خشیت خودساختہ پابندیوں میں نہیں بلکہ اتباعِ رسول میں ہے۔ بعض نام نہاد صوفیوں نے جو اپنی الگ شریعت ایجاد کر رکھی ہے اور بعض لوگوں کے متعلق جو مشہور ہے کہ انہوں نے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر دریا میں اتنے سال عبادت کی یا کنوئیں میں اتنی دیر الٹے لٹکے رہے، یہ سب افسانے ہیں، دینِ رسولؐ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ حضورؐ کا سب سے بڑھ کر خوفِ خدا والا ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے مگر آپؐ نے ازراہِ انکسار وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَرْجُو کا لفظ بولا، یہ بھی خشیتِ الٰہی کی کھلی دلیل ہے۔

۳۷ كَفَّارَةُ مَنْ أَتَى أَهْلَهُ فِي رَمَضَانَ

رمضان میں بیوی سے جماع کرنے والے کے کفارے کا باب

۲۳۹۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْمَعْنَى قَالَا نَا سُفْيَانُ قَالَ مُسَدَّدٌ قَالَ نَا الزُّهْرِيُّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَكْتُ قَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ قَالَ فَهَلْ تَجِدُ مَا تُعْتِقُ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ

اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تُطْعِمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا قَالَ اجْلِسْ فَاُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ فَقَالَ تَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا اَهْلُ بَيْتٍ اَفْقَرُ مِنَّا قَالَ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ ثَنَايَاهُ قَالَ فَاَطْعِمْهُ اِيَّاهُمْ وَقَالَ مُسَدَّدٌ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ اَنْيَابُهٗ ۔

ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں ہلاک ہوگیا۔ حضورؐ نے فرمایا: کس وجہ سے؟ اس نے کہا کہ میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا تیرے پاس اتنا مال ہے کہ تو ایک غلام آزاد کرسکے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر کیا تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا بیٹھ جا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں۔ آپؐ نے فرمایا انہیں صدقہ کردو۔ اس نے کہا یارسول اللہ مدینہ کے دونوں اطراف کے درمیان ہمارے گھر سے محتاج تر کوئی نہیں۔ ابوہریرہ رضؓ نے کہا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کے سامنے والے دانت ظاہر ہوگئے، فرمایا: بس تو یہ کھجوریں انہیں ہی کھلادے۔ اور مسدد نے ایک اور جگہ کہا: آپؐ کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)

شرح: امام خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث سے جو فقہی مسئلہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رمضان میں دن کے وقت عمداً جماع کرنے والے پر قضاء، اور کفارہ ہر دو واجب ہیں۔ یہی جمہور اہل علم کا قول ہے۔ سعید بن جبیرؒ، ابراہیم نخعی اور قتادہ نے کہا کہ اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں اور ہوسکتا ہے کہ انہیں حدیث ابی ہریرہ رضؓ نہ پہنچی ہو۔ اور حدیث سے ثابت ہوا کہ کفارہ اس ترتیب سے ہے کہ جو غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہو اس کے لیے روزے یا کھانا کھلانا جائز نہیں۔ کیونکہ بیان اسی ترتیب سے آیا ہے کہ پہلے غلام آزاد کرنا، پھر روزے اور پھر کھانا کھلانا مذکور ہے۔ جیساکہ کفارۂ ظہار میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور یہی اکثر علماء کا مذہب ہے، مگر مالک بن انس نے کہا کہ اُسے ان تین چیزوں میں کسی ایک کا اختیار ہے۔

اور مالک سے حکایت کی گئی ہے کہ، کھانا کھلانا میرے نزدیک عتق سے زیادہ بہتر ہے۔ اور اس میں بظاہر یہ دلالت بھی ہے کہ اطعام کا کفارہ ہر مسکین کے لیے ایک مُد ہے کیونکہ ۱۵ صاع جب ساٹھ پر تقسیم ہوں تو ہر مسکین کو ایک مُد سے زیادہ نہیں ملے گا اور مالک و شافعی کا یہی مذہب ہے۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ ہر مسکین کو نصف صاع کھلائے اور حضورؐ کا یہ قول کہ ایک دن کا روزہ رکھ اور اللہ سے استغفار کر، یہ بیان ہے کہ قضاء کے دن والا روزہ

دو ماہ کے کفارے والے صیام میں داخل نہیں ہوگا۔ اور عامۂ اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ مگر اوزاعی نے کہا کہ قضاء کا روزہ انہی ساٹھ دنوں میں داخل ہے۔ مگر اوزاعی نے کہا کہ اگر وہ غلام آزاد کرے یا مساکین کو کھانا کھلائے تو قضاء کا روزہ الگ رکھنا ہوگا۔

خطابی نے کہا کہ اس جنابت کی بناء پر حضورؐ اس شخص کو کفارے کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت پر بھی اسی طرح کفارہ واجب ہے کیونکہ شریعت نے احکام میں سب لوگوں کو برابر رکھا ہے، سوائے ان چند مواضع کے جہاں تخصیص واستثناء کی دلیل موجود ہے۔ پس جب عورت پر قصداً اجماع کے باعث قضاء واجب ہوئی تو اسی علت سے اس پر کفارہ بھی واجب ہے جیسے کہ مرد پر واجب ہے۔ اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔ مگر شافعی نے کہا کہ دونوں کی طرف سے ایک کفارہ کافی ہے جو مرد کے ذمہ ہوگا۔ اور یہی اوزاعی کا قول بھی ہے لیکن اس نے کہا کہ اگر کفارہ صیام سے ادا ہوگا تو دونوں پر دو دو ماہ کا روزہ واجب ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے پوچھا اور اس نے بتایا کہ میں نے بیوی سے رمضان میں جماع کیا ہے تو آپؐ نے صرف ایک کفارہ واجب کیا جو مرد پر تھا اور حضورؐ نے عورت کا کوئی ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ بھی اس فعل میں شریک تھی۔ پس معلوم ہوا کہ دونوں کی طرف سے ایک کفارہ کافی تھا۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ حضورؐ نے اُنیسؓ کو اس عورت کی طرف روانہ فرمایا تھا کہ اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اسے رجم کر دے۔ گویا آپ کے حضور سے اس کا غائب ہونا اُسے سزا سے نہ بچا سکا کیونکہ وہ بھی اس فعل میں برابر کی شریک تھی، اس قصے میں بھی اگر عورت پر کفارہ واجب ہوتا تو آپؐ خاموش نہ رہتے بلکہ وضاحت کر دیتے کہ اُس پر الگ کفارہ واجب ہے۔

خطابی نے کہا کہ یہ لازم نہیں آتا کیونکہ یہ خاص حال کی حکایت ہے جس میں عموم نہیں۔ ممکن ہے عورت روزہ دار نہ ہو یا مثلاً مرض یا سفر وغیرہ کے کسی عذر میں ہو، یا مجبور ہو، یا اُسے نسیان ہوگیا ہو، غرض کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ اور جب بات یہ ہے تو ان حضرات کی دلیل میں کوئی حجت نہیں جس پر فیصلہ ہوسکے۔ اور ان حضرات نے کچھ الفاظ سے بھی استدلال کیا ہے جو میں برابر انہیں اس حدیث میں روایت کرتے سُنا کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس شخص نے کہا: میں ہلاک ہوا اور میں نے ہلاک کیا۔ پس اس کا یہ قول: أَهْلَكْتُ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عورت جنابت میں شامل تھی کیونکہ اہلاک کے لیے ہلاک لازم ہے جیسا کہ قطع کے لیے انقطاع لازم ہے۔ خطابی نے کہا کہ میں کہتا ہوں یہ لفظ اس حدیث کی کسی روایت میں موجود نہیں ہے۔ اور سفیان کے شاگردوں نے اُس سے اس کو روایت نہیں کیا، بلکہ اُس شخص کا قول هَلَكْتُ ہی روایت کیا ہے۔ لیکن میرے بعض دوستوں نے مجھے بتایا ہے کہ معلّیٰ بن منصور نے سفیان سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ لفظ مروی ہے۔ مگر یہ غیر محفوظ ہے کیونکہ معلّیٰ کا حفظ واتقان میں کوئی مقام نہیں۔ ابو داؤد نے اسی قصے میں حضرت عائشہ رضؓ سے جو روایت کی ہے اس میں ایک لفظ موجود ہے جو ہمارے قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ حضورؐ کی خدمت میں پیش ہونے والا یہ شخص بقولِ حافظ ابن حجر سلمہؓ بن صخر بیاضی تھا، مگر یہ صحیح نہیں ہے (سلمہؓ بن صخر کا واقعہ بوقتِ شب پیش آیا تھا، نیز اس نے ظہار کیا تھا جس کے باعث اس پر کفارہ واجب ہوا۔ یہ قصہ اوپر باب اللعان سے قبل گذر چکا ہے) مولاناؒ نے فرمایا کہ عنقریب یہ آئے گا۔ حافظ نے ایک

اور مقام پر لکھا ہے کہ مجھے اس شخص کا نام معلوم نہیں مگر عبدالغنی نے مبہمات میں اور اس کی متابعت میں ابن بشکوال نے لکھا ہے کہ یہ سلمان یا سلمہ رض بن صخر بیاضی تھا۔ ان کی دلیل ابن ابی شیبہ وغیرہ کی روایت ہے (جو سنن ابی داؤد میں بھی گزر چکی ہے)، کہ سلمہ رض بن صخر نے رمضان میں اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر اس سے وطی کر لی آہ۔ مگر بظاہر یہ دو واقعات ہیں کیونکہ زیر نظر حدیث میں ہے کہ جماع کرنے والا روزہ دار تھا اور سلمہ رض بن صخر کا واقعہ رات کا تھا۔ پس ان دونوں میں فرق ہے۔ ان دو قصوں کے بعض واقعات واحوال کا ایک جیسا ہونا، مثلاً دونوں بنی بیاضہ میں پیش آئے، دونوں میں کفارہ ترتیب کے ساتھ بیان ہوا، دونوں میں صاحب قصہ نے ایک جیسی باتیں کیں، دونوں واقعات میں کھجور کے بڑے ٹوکرے کا ذکر آیا، دونوں آدمی سخت محتاج تھے، دونوں کو حکم ملا کہ جاؤ ان کھجوروں کو گھر لے جاکر خود کھالو اور گھر والوں کو کھلاؤ، وغیرہ وغیرہ، یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ قصہ ایک ہو یا ایک ہی شخص کا ہو۔ یہ دونوں قصے متغایر تھے جس کی واضح دلیل آگے آتی ہے۔ ابن عبدالبر نے تمہید میں سعید المسیب سے نقل کیا ہے کہ صوم رمضان میں جماع کرنے والے کا نام سلمان رض بن صخر تھا اور پھر ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ قول وہم ہے۔ کیونکہ محفوظ یہ ہے کہ سلمہ رض بن صخر یا سلمان نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اور رات کو بیوی سے جماع کر لیا تھا اور یہ موجودہ واقعہ دن کا ہے بحالت صوم۔ شرح ابن الحاجب میں ہے کہ یہ شخص ابوبردہ رض بن یسار تھا، مگر یہ بھی وہم ہے جیسا کہ ابن الحاجب کا باقی کلام دلالت کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے اسے گردن آزاد کرنے کا حکم دیا کیونکہ وہ معصیت کے ساتھ اپنی جان کو ہلاک کر چکا تھا پس ضروری ہوا کہ جان کا فدیہ جان سے دے اور صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ آزاد شدہ غلام کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کو جہنم سے رہائی ملتی ہے۔ روزے کا حکم اس لیے ہے کہ قصاص جنس کا جنس سے لیا جائے۔ اور دو ماہ کے روزے اس لیے کہ مسلم کو رمضان کے ہر دن کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس نے ایک دن کی حرمت کو عمداً توڑا گویا کہ اس نے مہینے بھر کی حرمت توڑی، پس ایک ماہ کے بدلے ایک ماہ نہیں بلکہ اس سے دگنی سزا دی گئی۔ ساٹھ مسکینوں کے کھانے کو ساٹھ روزوں سے مشابہت حاصل ہے، ہر روزے کو ایک مسکین کے کھانے کے ساتھ۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کی رو سے باجماع علماء قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوئے۔ مگر ان لوگوں کا قول شاذ ہے جنہوں نے اس کے خلاف کہا ہے یا تو انہیں حدیث نہیں پہنچی یا انہوں نے اس حکم کو استحباب پر محمول کر لیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ حکم وجوبی ہوتا تو غلام آزاد نہ کر سکنے کی صورت میں اور اطعام کی استطاعت نہ رکھنے کے باعث اس پر دو ماہ کا روزہ فرض تھا اور وہ کوئی مریض بھی نہ تھا بلکہ صحت مند تھا۔ پھر جب اس نے اپنی اور اہل خانہ کی محتاجی کا ذکر کیا تو حضور ﷺ نے وہ کھجوریں انہیں خود کھا لینے کا حکم دیا۔ یہ تمام علامات اس امر کی ہیں کہ یہ حکم وجوبی نہ تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ حدیث میں صرف کفارہ مذکور ہے قضاء کا ذکر نہیں لہذا ایسے شخص پر قضاء بھی نہیں آتی۔ قضاء کا حکم قرآن میں ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں روزہ نہ رکھنا جائز ہو مثلاً مسافر یا مریض وغیرہ۔

پھر اس امر میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ جس طرح عمداً جماع سے قضاء وکفارہ واجب ہوتا ہے آیا اکل و شرب کا بھی یہی حکم ہے یا نہیں؟ نیز اگر کوئی سہو سے جماع کرے تو اس کا حکم کیا ہے؟ نیز عورت کا حکم کیا ہے؟ آیا جب وہ مجبور نہ ہو تو اس پر بھی قضاء وکفارہ ہے یا نہیں؟ نیز کفارہ آیا اسی ترتیب سے ہے جو حدیث میں موجود

ہے یا اس میں ادا کرنے والے کو اختیار ہے؟ پھر اس میں اختلاف ہے کہ ہر مسکین کے طعام کی مقدار کیا ہے؟ ایک اختلافی مسئلہ یہ بھی ہے کہ آیا اگر جماع بار بار ہوا تو کفارہ متکرر ہو گا یا ایک ہی بار۔ نیز یہ کہ اگر وہ شخص مفلس ہے طعام کی طاقت نہیں رکھتا تو کیا وہ طعام کو ملتوی کر سکتا ہے کہ جب استطاعت ہو تو کھلا دے؟

مولانا نے فرمایا کہ پہلا مسئلہ اکل و شرب کا ہے، اس میں مالک اور ان کے ساتھی، ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی، ثوری اور ایک جماعت اس طرف گئے ہیں کہ جس شخص نے عمداً روزہ توڑ ڈالا خواہ اکل و شرب سے ہو، اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ شافعی، احمد اور اہل ظاہر کا یہ مذہب ہے کہ کفارہ صرف جماع کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ کفارہ بظاہر خلافِ قیاس واجب ہوا ہے کیونکہ اس کا وجوب کفارہ کو دور کرنے کے لیے ہوا ہے حالانکہ گناہ دور کرنے کے لیے فقط توبہ کافی تھی۔ نیز کفارہ مقادیر کے باب سے ہے اور قیاس مقداروں کی تعیین سے قاصر ہے۔ ان کا وجوب نص سے ہوا ہے اور نص صرف جماع میں وارد ہوئی ہے۔ اکل و شرب جماع کی مانند نہیں ہیں کیونکہ جماع کی حرمت ان سے شدید تر ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس میں (زنا کی صورت میں) حد واجب ہوئی ہے۔ اور نص جو جماع کے بارے میں آئی ہے اس سے اکل و شرب کا حکم نہیں نکالا جا سکتا، پس کفارہ صرف وہیں آئے گا جہاں نص موجود ہے۔ ابوحنیفہ، مالک اور ان کے اصحاب وغیرہم کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ رمضان میں عمداً روزہ توڑنے والے پر وہی کفارہ ہے جو ظہار کرنے والے پر ہوتا ہے۔ اور کتاب اللہ نے ظہار والے پر کفارہ مقرر کیا ہے لہٰذا وہی دوسرے طریقوں سے عمداً روزہ باطل کرنے والے پر ہو گا۔ اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ جو شخص رمضان میں عمداً جماع سے روزہ توڑے اس کا کوئی عذر نہیں ہے، اسی طرح بلا عذر اکل و شرب کا بھی یہی حکم ہو گا۔ دونوں جگہ افسادِ صوم بلا عذر (مرض و سفر) موجود ہے۔ پس جب ایک صورت میں اس فعل قبیح کے گناہ کو رفع کرنے کے لیے کفارہ ہے تو دوسری جگہ بھی اسی قسم کے اور اتنے ہی سنگین گناہ کا کفارہ ہو گا تاکہ گناہ کو رفع کرے۔ یہ حکم صرف تعلیل سے نہیں بلکہ نص سے ہی ثابت سمجھا جائے گا۔ امام سرخسی نے مبسوط میں کہا ہے کہ ابوداؤد نے ذکر کیا ہے کہ اس شخص نے کہا تھا: میں نے رمضان میں پانی پی لیا ہے۔ اور علیؓ کا قول ہے کہ کفارہ اکل و شرب اور جماع میں ہے (روزہ بھی بظاہر اپنی تین چیزوں سے کامل پرہیز کا نام ہے! جب ایک ہی کفارہ ہے تو دوسری دو میں کیوں نہ ہو گا؟) پھر ہم کفارہ قیاس سے واجب نہیں ٹھہراتے بلکہ نص سے استدلال کر کے واجب قرار دیتے ہیں (قیاس اور استدلال بالنص میں فرق ہے!)

بقول امام سرخسی رحمہ اللہ نص سے استدلال کی صورت یہ ہے: سائل نے جماع کا ذکر کیا تھا جو اس کی بیوی کے ساتھ ہونے کے باعث فی نفسہٖ جنایت نہ تھا۔ اس میں جنایت اگر تھی تو وہ روزے کا افطار تھا، اس سے ثابت ہوا کہ کفارے کا موجب افطار تھا۔ اور رمضان میں افطار دن کو بلا عذر شرعی جنایت ہے کیونکہ جنایت کا کفارہ افطار کی طرف منسوب ہوا ہے، اور واجبات کی اضافت ان کے اسباب کی طرف ہوتی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ نسیان والے پر واجب نہیں کیونکہ نسیان کی صورت میں افطار معدوم ہے۔ اور افطار جو کہ کامل جنایت ہے وہ اکل و شرب عمداً سے حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ جماع سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ آلہ ہے اور حکم سبب کے متعلق ہے نہ کہ آلے کے۔ بلکہ اکل کی صورت میں کفارے کا واجب کرنا اولیٰ ہے کیونکہ کفارہ زجر کے لیے واجب ہوا ہے اور طبیعت حالتِ صوم میں جماع کی نسبت اکل و شرب کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہے اور اکل و شرب پہ صبر کرنا جماع پر صبر کرنے سے شدید تر ہے۔

پس اس میں کفارہ واجب کرنا جماع سے بھی اولیٰ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو اُف کہنے سے منع فرمایا ہے اور تانیف (اُف کہنا) کی حرمت سے گالی گلوچ کی حرمت شدید تر ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جماع اور اکل وشرب کی حرمت عبادت کے لیے مساوی ہے۔ مگر یہ معاملہ بیوی تک ہے۔ اگر غیر مملوک فرج میں وطی کرے گا تو اس سے جماع کی حرمت اور بڑھ جائے گی بلکہ وہ کھانے پینے کی حرمت سے غلیظ تر ہو جائے گی۔

حنفیہ کا استدلال نقل سے یہ بھی ہے کہ صوم سے جماع کی قابلیت کم ہوتی ہے مگر اس کے باوجود شرع نے جماع کی صورت میں کفارہ واجب کیا ہے تو اکل وشرب کے لیے زجر وتوبیخ کی ضرورت نہ یادہ رہی کیونکہ صوم سے طبعاً کھانے پینے کی رغبت اس طرح کم نہیں ہوتی جس طرح جماع کی شہوت کم ہوتی ہے، پس زجر کی حاجت اکل وشرب میں زیادہ ہے۔

دوسرا مسئلہ بھول کر جماع کرنے کا ہے۔ اگر کسی نے روزے سے نسیان کے باعث جماع کیا تو شافعی اور ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر نہ قضاء ہے نہ کفارہ۔ مالک نے کہا کہ قضاء ہے کفارہ نہیں۔ احمد اور ظاہریہ نے کہا کہ اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ ابوحنیفہ اور شافعی کی دلیل وہ حدیث ہے جسے بخاری ومسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے بھول کر روزے میں کھا لیا تو وہ اپنا روزہ پورا کرے، اسے اللہ نے ہی کھلایا پلایا ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا عموم بھی اس کا شاہد ہے کہ: میری امت سے خطاء اور نسیان اٹھا لیا گیا ہے (یعنی اس پر کوئی حکم مترتب نہیں ہوتا)۔

تیسرا مسئلہ عورت پر وجوب کفارہ کا ہے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے (یہ اختلاف جبر کی صورت میں نہیں بلکہ رضاء کی صورت میں ہے) پس اس میں ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے اور مالک اور ان کے اصحاب نے عورت پر کفارہ واجب کیا ہے۔ شافعی اور داؤد نے کہا کہ عورت پر کوئی کفارہ نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں شافعی کے دو قول ہیں؛ ایک یہ کہ عورت پر کفارہ بالکل واجب نہیں دوسرا یہ کہ کفارہ تو واجب ہے مگر برداشت اس کی طرف سے مرد کرے گا (خطابی نے یہی مذہب اختیار کیا ہے اور اس کے دلائل دیئے ہیں) اور عامۃ علماء کے نزدیک کفارے کے ساتھ قضاء بھی واجب ہے (یہ مسئلہ بھی اوپر خطابی سے نقل ہو چکا ہے) اوزاعی کا قول ہے کہ کفارہ جب صوم کی حالت میں ادا ہو تو قضاء کا روزہ اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ مگر ان دونوں کا وجوب اور مشروعیت الگ الگ ہے لہٰذا تداخل کا سوال کیونکر پیدا ہوگا؟

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ آیا یہ کفارہ بھی اسی ترتیب سے ہے جیسے کہ کفارۂ ظہار ہے یا اس میں اختیار ہے کہ تینوں میں سے کوئی چیز لے لی جائے۔ ترتیب سے مراد یہ ہے کہ جو شخص پہلی چیز یعنی عتق سے عاجز ہوگا اس کے لیے دوسری چیز یعنی دو ماہ کا متواتر روزہ ہے۔ اور جو اس سے بھی عاجز ہو اس کے لیے ساٹھ مساکین کا کھانا ہے۔ ابوحنیفہ، شافعی اور ثوری کا قول ہے کہ یہ کفارہ بھی اس حدیث کی رُو سے مرتب ہے کیونکہ حضور نے یکے بعد دیگرے تین چیزیں پیش فرمائیں اور ایک سے جب عاجزی کا اظہار سائل نے کیا تو پھر دوسری وعلیٰ ہذا القیاس تیسری کا حکم دیا تھا۔ باقی فقہائے کوفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ مالک نے کہا کہ کفارہ تخییر پر مبنی ہے۔ مگر مدونہ میں ہے کہ مالک کے نزدیک اطعام کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ یہ ایک لاینحل مسئلہ ہے کہ ایک ثابت شدہ

حدیث کے باوجود امام مالک نے یہ کیسے کہہ دیا؟ مگر بعض مالکی محققین اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ امام مالک کا مطلب استحباب ہے، یعنی اطعام پسندیدہ تر ہے۔

پانچواں مسئلہ مقدارِ طعام کا ہے۔ مالک اور شافعی اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ طعام ہر مسکین کے لیے ایک مُد ہے اور خطابی نے عرق (زنبیل، ٹوکرا) کی مقدار پندرہ صاع مان کر اسے حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ عرق کی مقدار مختلف ہو سکتی ہے۔ اس سے قبل کفارۂ ظہار کے باب میں ہم اس پر بحث کر چکے ہیں۔ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے صدقۂ فطر پر قیاس کر کے ہر مسکین کے لیے نصف صاع کی مقدار بتائی ہے۔ سنن ابی داؤد کی بعض احادیث اس کی تائید میں ہیں جنہیں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ آیا تکرارِ افطار سے تکرارِ کفارہ لازم آتا ہے یا نہیں؟ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے رمضان کا روزہ توڑا اور اس کا کفارہ ادا کر دیا، اس کے بعد پھر توڑا تو اس پر دوسرا کفارہ واجب ہو گا، اور جس نے ایک دن میں کئی بار فعلِ افطار کیا تو اس پر ایک ہی کفارہ ہے۔

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص کفارہ کے وجوب کے وقت مفلس تھا، ادا نہ کر سکتا تھا، آیا وہ استطاعت ہونے پر ادا کر سکے گا یا نہیں؟ بالفاظِ دیگر: آیا کفارہ ملتوی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اوزاعی نے کہا کہ مُعسِر یعنی مفلس و محتاج کے ذمہ کچھ نہیں۔ شافعی نے اس مسئلہ میں تردد کیا۔ فقہاء کا اختلاف اس سبب سے ہوا کہ یہ ایک سکوت حکم ہے (شرع میں اس کی صراحت و وضاحت نہیں آئی) اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قرض سے مشابہ ہو، یعنی ادائیگی کے وقت جب مُعسِر کی استطاعت لوٹ آتی ہے تو دیون کا وجوب بھی لوٹ آتا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اب نہیں تو پھر ادا کر دینا۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ مِکتل، عرق (زنبیل یا ٹوکرا) کی مقدار ابن ابی حفصہ کی روایت ۱۵ صاع، مؤمل عن سفیان کی روایت میں ۱۵ صاع یا اتنا ہی۔ ابن خزیمہ کی روایت میں پندرہ یا بیس صاع اور اسی طرح مالک کی روایت میں ہے۔ سنن دارقطنی میں سعید بن المسیب کی مرسل روایت میں جزم کے ساتھ بیس صاع آئی ہے۔ ابن خزیمہ میں حضرت عائشہ رض کی روایت میں بیس صاع آئے ہیں۔ مسلم کی حدیث جو حضرت عائشہ رض سے ہے اس میں ہے کہ حضور کے پاس دو ٹوکرے آئے جن میں طعام تھا۔ اور دو عرق کی مقدار تیس صاع بنتی ہے۔ خطابی نے اوس اور سلمہ کی حدیث میں کفارۂ ظہار میں وسق کا لفظ آیا ہے جو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ حضور نے جو اس شخص کو کھجوریں گھر لے جانے اور اہل و عیال کو کھلا دینے کی اجازت دی تھی، اوپر گزر چکا ہے کہ یا تو اسے خصوصیت پر محمول کیا جائے گا یا اس پر کہ فی الحال خود کھا لو کفارہ بعد میں دے دینا۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۳۹۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ بِمَعْنَاهُ زَادَ الزُّهْرِيُّ وَاِنَّمَا كَانَ هٰذَا رُخْصَةً لَهٗ خَاصَّةً فَلَوْ اَنَّ رَجُلًا فَعَلَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ لَمْ يَكُنْ لَهٗ بُدٌّ مِنَ التَّكْفِيْرِ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ رَوَاهُ

اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَمَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ وَعِرَاكُ بْنُ مَالِكٍ عَلَى مَعْنَى ابْنِ عُيَيْنَةَ زَادَ فِيهِ الْأَوْزَاعِيُّ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ۔

یہی حدیث معمر عن الزہری کے طریق سے. اس میں زہری نے یہ اضافہ کیا کہ یہ رخصت اسی شخص کے ساتھ مخصوص تھی اگر کوئی اب ایسا کرے تو کفارہ ناگزیر ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو لیث بن سعد، اوزاعی، منصور بن معتمر اور عراک بن مالک نے ابن عیینہ کے معنی کے مطابق روایت کیا ہے اور اوزاعی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ: اور اللہ سے مغفرت طلب کر (منذری نے زہری کے اس قول کو بے دلیل قرار دیا ہے اور بعض نے اسے منسوخ کہا ہے۔ حافظ زیلعی نے کہا کہ خود منذری کا قول بھی بے دلیل ہے۔ زہری کے قول کی تو وجہ موجود ہے مگر منذری نے بلا سبب اور بلا دلیل اسے رد کیا ہے)

۲۳۹۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعْتِقَ رَقَبَةً أَوْ يَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ أَوْ يُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا أَجِدُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْلِسْ فَأُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ فَقَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَحَدٌ أَحْوَجَ مِنِّي فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ وَقَالَ لَهُ كُلْهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَلَى لَفْظِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا أَفْطَرَ وَقَالَ فِيهِ أَوْ تُعْتِقَ رَقَبَةً أَوْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ أَوْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے رمضان میں افطار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ایک غلام آزاد کرے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔ اس نے کہا میرے پاس کچھ نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زنبیل لائی گئی جس میں کھجوریں تھیں۔ پس آپ نے فرمایا: یہ لے اور صدقہ کر دے پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ سے زیادہ محتاج کوئی نہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتی کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہو گئیں اور اس سے فرمایا: اسے کھاؤ۔ ابو داؤد نے کہا کہ اسے ابن جریج نے زہری سے مالک کے الفاظ کے مطابق روایت

کیا کہ ایک آدمی نے روزہ توڑا۔ اور اس میں یہ کہا کہ: یا تو تو ایک گردن آزاد کرے یا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو کھلائے۔

شرح: اس حدیث میں صرف افطار کا ذکر ہے جماع کا نہیں، افطار جس طرح جماع سے ہو سکتا ہے اسی طرح اکل و شرب سے ہو سکتا ہے۔ مالک نے اس حدیث کے سیاق سے تخییر کفارہ پر استدلال کیا ہے مگر جمہور ترتیب کے قائل ہیں جیسا کہ گزشتہ حدیث میں اس ترتیب کا خود حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے غلام کی آزادی، پھر صیام اور پھر اطعام کا ذکر فرمایا: روایات میں ترتیب و تخییر دونوں کے الفاظ موجود ہیں مگر بقول علامہ شوکانی ترتیب کی روایات زیادہ تر ہیں اور ان میں اضافہ ہے۔ مہلب اور قرطبی نے روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ واقعات متعدد تھے۔ حافظ نے کہا کہ یہ بعید ہے کیونکہ قصہ ایک ہے، مخرج متحد ہے اور اصل عدم تعدد ہے۔ کھجور لانے والا آدمی حسب روایت بخاری ایک انصاری تھا اور حسب روایت دارقطنی ایک ثقفی تھا۔

اس حدیث سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ جنابت کرنے والا اگر فقیر و محتاج ہو اور اسے کفارہ کی بالکل استطاعت نہ ہو تو کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ وجہ یہ کہ کفارہ اپنے یا اہل و عیال پر خرچ نہیں ہو سکتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ جب استطاعت ہو تو ادا کر دینا۔ اوزاعی نے کہا کہ ایسا شخص استغفار کرے اور دوبارہ ایسا نہ کرے۔ اور حدیث میں اس کے اسقاط کی کوئی دلیل نہیں بلکہ اسکے ہمیشہ ذمہ پر رہ جانے کی دلیل ہے کہ جو عاجز ہو کفارہ اس کے سر رہے گا اور وہ توبہ و استغفار کرے۔ اور جمہور کا قول یہ ہے کہ مفلسی سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا اور جو کچھ اس شخص کو کھانے کو دیا گیا تھا وہ کفارہ نہ تھا لہذا وہ ذمہ پر باقی رہا۔ زہری نے کہا کہ یہ اسی شخص کے ساتھ خاص تھا اور امام الحرمین (شافعی فقیہ) کا میلان اسی طرف ہے۔ اور اس قول کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ اصل عدم خصوصیت ہے (اور خصوصیت کی کوئی صریح دلیل یہاں نہیں) جس نے یہ کہا کہ یہ منسوخ ہے اس نے ناسخ ظاہر نہیں کیا۔ اس حدیث کی بعض روایات میں یہ لفظ ہیں کہ اپنے عیال کو کھلا، پس جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اسے اس لیے کھجور دی گئی تھی کہ ان اقارب میں تقسیم کرے جن کا نفقہ اس پر واجب نہ تھا یہ قول بھی غلط نکلا۔ ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ وہ نہایت مفلس و قلاش تھا لہذا اسے کہا گیا کہ کفارہ ان پر صرف کر دے۔ مگر یہ اصول کے خلاف پڑتا ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی نے کہا ہے کہ قوی تر بات یہ ہے کہ حضورؐ نے اسے جو کچھ دیا تھا وہ بطور کفارہ نہیں بلکہ اس پر صدقہ کے طور پر تھا۔ لیکن اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوا، لیکن کفارہ ذمہ میں رہنا اس حدیث سے ماخوذ نہیں، اس کے دلائل اور ہیں۔ ابو داؤد نے ابن جریج کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ مسلم میں مروی ہے۔

۲۳۹۳ - حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ نَا ابْنُ اَبِي فُدَيْكٍ نَا هِشَامُ ابْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ

فَأُتِيَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ قَدْرَ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا وَقَالَ فِيهِ كُلْهُ أَنْتَ وَأَهْلُ بَيْتِكَ وَصُمْ يَوْمًا وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ـ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث دوسرے طریق سے۔ اس میں اَفطَرَ فِی رَمَضَانَ کا لفظ ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایک زنبیل لائی گئی جس میں ۱۵ صاع کی مقدار کھجور تھی۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضور نے فرمایا: تو بھی کھا اور تیرے گھر والے بھی، اور ایک روزہ رکھ اور اللہ سے بخشش مانگ۔

شرح: حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں ابن القطان کے حوالے سے کہا کہ یہ حدیث معلول ہے، ہشام بن سعد راوی ضعیف ہے۔ عبد الحق نے احکام میں کہا ہے کہ اس حدیث کے طرق جو مسلم میں ہیں وہ مشہور تر اور صحیح تر ہیں۔ ان میں نہ تو: صُمْ یَوْمًا کا لفظ ہے، نہ کھجور کے زنبیل کا اور نہ استغفار کا۔ قضاء کی صحیح روایت مرسل ہے۔ اور یہ مرسل روایت مؤطا میں ہے۔ ہشام بن سعد کو علامہ عینی اور ابو عوانہ اسفرائنی نے بھی ضعیف کہا ہے کہ اس کی روایت جماعتِ حفاظ کے خلاف ہے۔

۲۳۹۴۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقٰسِمِ حَدَّثَهُ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبَّادَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ احْتَرَقْتُ فَسَأَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَأْنُهُ فَقَالَ أَصَبْتُ أَهْلِي قَالَ تَصَدَّقْ قَالَ وَاللَّهِ مَا لِي شَيْءٌ وَلَا أَقْدِرُ عَلَيْهِ قَالَ اجْلِسْ فَجَلَسَ فَبَيْنَمَا هُوَ عَلَى ذٰلِكَ أَقْبَلَ رَجُلٌ يَسُوقُ حِمَارًا عَلَيْهِ طَعَامٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ الْمُحْتَرِقُ آنِفًا فَقَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْ بِهٰذَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَعَلَى غَيْرِنَا فَوَاللَّهِ إِنَّا لَجِيَاعٌ مَا لَنَا شَيْءٌ قَالَ كُلُوهُ ـ

عباد بن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ فرماتی تھیں کہ ماہ رمضان میں ایک مرد مسجد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ میں جل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی وطی کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صدقہ کر۔ اس نے کہا کہ واللہ میرے پاس کچھ نہیں اور میں اس پر قادر نہیں۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جا۔ پس وہ بیٹھ گیا۔ پس اس اثنا میں کہ وہ اس حال میں تھا ایک آدمی

اپنا گدھا ہانکتا ہوا لایا جس پر کھانے کا سامان تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی ابھی جلنے والا کہاں ہے؟ وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے صدقہ کر دے۔ پس اس نے کہا یا رسول اللہ کیا اپنے علاوہ کسی اور پر؟ واللہ ہم بھوکے ہیں ہمارے پاس کچھ نہیں۔ حضور نے فرمایا اسے کھالو (بخاری، مسلم، نسائی)
شرح، معالم السنن میں علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یہ وہی شخص تھا جس کا قول حدیث ابی ہریرہ رض میں هَلَكْتُ آیا ہے اور یہاں پر اِحْتَرَقْتُ پھر خطابی نے زہری کا قول نقل کیا ہے کہ یہ اس شخص کے ساتھ مخصوص تھا ورنہ کفارہ واجب ہے۔ زہری کے اس دعویٰ کی کوئی دلیل مذکور نہیں۔ جس نے اسے منسوخ کہا اس نے بھی نسخ کی کوئی دلیل نہیں دی۔ خطابی نے کہا کہ اس بارے میں بہترین قول جو میں نے سنا ہے وہ بویطی کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس شخص نے ہر قسم کی استطاعت کا انکار کیا اور اپنا اور اہل وعیال کا فقر و فاقہ بیان کیا تو حضور نے اسے وہ کھجور اپنے اور اہل وعیال پر خرچ کرنے کی اجازت دے دی۔ کفارہ وقتی طور پر اس سے ساقط ہو گیا مگر اس کے ذمہ میں رہ گیا، جیسے کہ مفلس کو ادائے قرض میں مہلت دیتے ہیں۔ خطابی نے اس زنبیل کی مقدار ۱۵ صاع بتائی ہے اور کہا ہے کہ امام شافعی نے اکثر مواضع پر جہاں اطعام واجب ہے یہی مقدار بطور بنیاد مانی ہے۔ مگر اوس بن صامت رض اور سلمہ رض بن صخر کی حدیثوں میں سے ایک میں کفارۂ ظہار میں یہ لفظ آیا ہے: ساٹھ مساکین کو ایک وسق کھلا دے اور وسق کی مقدار ساٹھ صاع ہوتی ہے۔ اور دوسری حدیث میں بقول محمد بن اسحاق بن یسار زنبیل کی مقدار تیس صاع تھی۔ ان دونوں حدیثوں کی سند میں کوئی خرابی نہیں گو ابو ہریرہ رض کی حدیث راویوں کے لحاظ سے مشہور تر ہے۔ اور چونکہ کئی احتمال موجود ہیں لہذا احتیاط یہ ہے کہ ایک مد پر اکتفاء نہ کی جائے۔

۲۳۹۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ أَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ ثَنَا ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَائِشَةَ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ فَأُتِيَ بِعَرَقٍ فِيهِ عِشْرُونَ صَاعًا۔

دوسری سند سے یہی حدیث عائشہ رض۔ اس میں کہا ہے کہ پس ایک زنبیل لائی گئی جس میں بیس صاع تھے (بخاری، مسلم، نسائی مگر نسائی میں صاع کی مقدار کا ذکر نہیں۔ اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ اس شخص نے کہا: میں نے رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے وطی کی ہے۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ عبدالرحمن بن الحارث راوی متکلم فیہ ہے)

بَابُ ۳۸ اَلتَّغْلِيظِ فِيمَنْ أَفْطَرَ عَمْدًا

عمداً افطار کرنے والے پر تشدید کا باب

۲۳۹۶۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ نَا شُعْبَةُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنِ ابْنِ مُطَوِّسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ ابْنُ كَثِيرٍ عَنْ أَبِي الْمُطَوِّسِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ فِي غَيْرِ رُخْصَةٍ رَخَّصَهَا اللَّهُ لَهُ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صِيَامُ الدَّهْرِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رمضان سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت کے بغیر ایک دن کا روزہ افطار کیا ہمیشہ کا روزہ بھی اس کی قضا، نہیں بن سکے گا (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بخاری تعلیقاً)

شرح: بخاری نے یہ حدیث ان الفاظ میں تعلیقاً روایت کی ہے کہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مذکور ہے کہ: جس نے عذر یا مرض کے بغیر کسی دن کا روزہ افطار کیا، صوم الدہر بھی اس کی قضا نہ ہو گا اگرچہ وہ ہمیشہ روزے سے رہے۔ اور ترمذی نے کہا کہ: ہم اس حدیث کو نہیں پہچانتے مگر صرف اس طریق سے اور میں نے محمد (بخاری) کو کہتے سنا کہ ابوالمطوس کا نام یزید بن المطوس تھا۔ یہ ابوالمطوس اور ابن المطوس بھی کہلاتا تھا ابوحاتم بن حبان نے کہا کہ جن روایات میں یہ منفرد ہو ان سے احتجاج جائز نہیں ہے (المنذری) ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ صرف کنیت سے مشہور تھا نام معلوم نہیں۔ بخاری نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا اس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے یا نہیں، احمد نے کہا کہ میں اسے نہیں جانتا۔ مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس رمضان کی پاکیزگی اور برکت سے وہ محروم ہوگیا۔ یعنی وہ دن جس کا روزہ اس نے توڑا تھا یا نہ رکھا تھا، وہ تو کبھی واپس نہیں آئے گا۔ کیا پتہ کتنی خیر و برکت سے وہ محروم ہو گیا ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ اگر اس روزے کے بجائے جو اس نے نہیں رکھا، رمضان کے بعد ایک دن کا روزہ رکھ لے گا تو قانوناً و حکماً قضا، ہو جائے گی اور وجوب ساقط ہو جائے گا۔ پس یہ تغلیظ و تشدد کے باب سے ہے۔ یہ تو وہ صورت ہے کہ افطار کا معنیٰ ”روزہ نہ رکھنا“ لیا جائے، ورنہ توڑنے کا حکم اوپر کی احادیث میں گزر چکا ہے۔

۲۳۹۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنِي يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي حَبِيبٌ عَنْ عُمَارَةَ عَنِ ابْنِ الْمُطَوِّسِ قَالَ فَلَقِيتُ ابْنَ الْمُطَوِّسِ فَحَدَّثَنِي عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ حَدِيثِ ابْنِ كَثِيرٍ وَسُلَيْمَانَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ اخْتُلِفَ عَلَى سُفْيَانَ وَشُعْبَةَ عَنْهُمَا ابْنُ الْمُطَوِّسِ وَأَبُو الْمُطَوِّسِ۔

ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آخ اوپر کی حدیث کی طرح۔ ابوداؤد نے کہا کہ سفیان اور شعبہ کے شاگردوں نے ان سے روایت میں اختلاف کیا ہے کہ یہ ابن المطوس ہے، یا ابوالمطوس۔ ہے شعبہ کے شاگردوں کا اختلاف تو مصنف نے اوپر کی روایت میں خود ظاہر کیا ہے مگر سفیان کے شاگردوں کا اختلاف واضح نہیں کیا۔ احمد بن حنبل کی روایت یعنی یہی جو اس وقت زیر نظر ہے اس ابن المطوس کا لفظ ہے اور سفیان کے کسی شاگرد کی روایت جو ابوالمطوس کہتا بیان نہیں کی)

بَابُ مَنْ اَكَلَ نَاسِيًا

بھول کر کھا لینے والے کا باب

۲۳۹۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ اَيُّوْبَ وَحَبِيْبٍ وَهِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَكَلْتُ وَشَرِبْتُ نَاسِيًا وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ اَطْعَمَكَ اللّٰهُ وَسَقَاكَ ۔

ابوہریرہ رضی نے کہا کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: یارسول اللہ میں نے بھول کر کھا پی لیا ہے درانحالیکہ میں روزہ سے تھا۔ پس حضور ؐ نے فرمایا: تجھے اللہ نے کھلایا اور پلایا (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ یہ ارشاد: تجھے اللہ نے کھلایا پلایا" اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر قضاء نہیں کیونکہ نسیان ضرورت کے باب سے ہے، اور ضرورت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتی ہیں نہ کہ بندوں کا (یعنی فطری وغیر ارادی افعال) اسی سبب سے یہاں پر یہ فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوا ہے۔ اور نسیان سے قضاء و کفارہ واجب نہ ہونے پر عامۃ اہل علم کا اتفاق ہے، سوائے ابن انس اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کے کسی کا اختلاف نہیں۔ لیکن جو شخص از راہِ نسیان روزہ کے دن میں اپنی زوجہ سے وطی کرے اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ حنفیہ، ثوری، شافعی اور اسحاق کا قول اس میں بھی بھول کر کھانے پینے جیسا ہے۔ اور حسن اور مجاہد کا یہی مذہب ہے۔ عطاء، اوزاعی، مالک اور لیث بن سعد نے کہا ہے کہ اس کے ذمہ قضاء ہے۔ احمد نے کہا قضا اور کفارہ دونوں ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص نے نہارِ رمضان میں وطی کا سوال کیا تھا حضور ؐ نے اس سے یہ دریافت نہ فرمایا کہ تو نے یہ کام بھول کر کیا ہے یا ارادۃً ؟ (مگر پچھلی احادیث میں خود اس شخص کا قول مذکور ہے کہ میں نے عمداً یہ فعل کیا ہے!)

خطابی نے کہا کہ احمد کی مراد یہ ہے کہ اس فعل سے عموم نکلتا ہے کہ عمد و نسیان برابر تھے۔ حالانکہ عموم قول سے نکلتا ہے فعل سے نہیں۔ اور حدیث میں چونکہ فعل کی حکایت اور ذکر آیا ہے لہذا وہ عمد و نسیان دونوں پر واقع نہیں ہوسکتا

لہذا عموم باطل ہے۔ دوسری طرف ابو عبداللہ (احمد بن حنبل) کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی بھول کر کھالے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ یہ فعل اس سے بطورِ معصیت واقع نہیں ہوا۔ سو اسی طرح جماع میں نسیان کا مسئلہ بھی ہے۔ ہاں جس نے عمداً یہ فعل کئے اسے یہ کام بطورِ معصیت واقع ہوئے اسی لیے کفارہ واجب ہوا۔

حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ اس حدیث میں جس شخص کے آکر مسئلہ پوچھنے کا ذکر ہے وہ خود ابوہریرہؓ راویٔ حدیث تھے شوکانی نے کہا ہے کہ جمہور کے مذہب میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اس پر نہ قضاء ہے نہ کفارہ مالک اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ اس کا روزہ باطل ہے اور قضاء لازم ہوگی۔ بعض مالکیہ نے اس حدیث کے متعلق یہ عذر پیش کیا ہے کہ یہ خبر واحد ہے جو خلافِ قاعدہ (شرعیہ) ہے۔ مگر یہ عذر باطل ہے اور صوم کے باب میں یہ حدیث ایک مستقل قاعدہ ہے۔ اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں صوم رمضان کی تعیین نہیں ہے لہذا یہ نفلی روزہ تھا اور یہ جواب بھی غیر صحیح ہے۔ دار قطنی کی روایت کے الفاظ: جو رمضان میں بھول کر افطار کرے اس پر نہ قضاء ہے نہ کفارہ، یہ الفاظ مالکیہ کے اس عذرِ ثانی کو رد کرتے ہیں۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں ابن مرزوق متفرد ہے جو انصاری (یحییٰ بن سعید) کے نزدیک ثقہ ہے۔ ابن دقیق العید نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ اس صورت میں صوم کا رُکن فوت ہوگیا تھا اور صوم مامورات میں سے ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مامورات میں نسیان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس قاعدے کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کی غایت یہ ہے کہ یہ بمنزلہ دلیل ہے اور یہ حدیث اس کی مخصص ہے۔ اور حضورؐ کا یہ ارشاد کہ "تجھے اللہ نے ہی کھلایا پلایا"، یہ اس بات کا کفایہ ہے کہ تجھے گناہ نہیں ہوا کیونکہ فعل جب اللہ کا ہے تو گناہ منفی ہوگیا۔ اور فقہاء کا جماع کرنے والے کے متعلق بابِ نسیان میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے اکل وشرب سے ملحق کیا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا حال اکل وشرب والے جیسا نہیں ہے اور بعض نے اکل وشرب میں قلیل وکثیر کا فرق کیا ہے حالانکہ ظاہر حدیث سے یہ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اور اس کی تائید مسند احمد کی اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کسی عورت نے ثرید کھایا اور پھر اسے یاد آیا کہ وہ تو روزے سے تھی۔ ذوالیدین نے کہا کہ اب سیر ہونے کے بعد روزہ یاد آگیا؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اپنا روزہ پورا کرے یہ رزق تجھے اللہ نے کھلایا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ اس باب میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ روزہ نام ہے اکل وشرب اور جماع سے رُکے رہنے کا، پس جب کسی طرح سے ان تین چیزوں میں سے روزے کا رُکن فوت ہو جائے تو روزہ فوت ہوگیا، کیونکہ کسی چیز کے رُکن کے فوت ہو جانے سے اُس کا ٹوٹ جانا ضروری امر ہے، عذر سے ہو یا بلا عذر، عمداً ہو خطأً، طوعاً ہو یا کرہاً بشرطیکہ اُسے اپنا صوم یاد ہو، نہ اُسے نسیان ہو اور نہ وہ ناسی کے حکم میں ہو اور قیاس یہ تھا کہ ناسی ہونے کے باوجود روزہ فاسد ہو جاتا کیونکہ رُکن کی ضد پائی گئی۔ اور یہ مالک کا قول ہے۔ لیکن ہم نے نص کے مقابلے میں قیاس کو ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ حدیث ابی ہریرہؓ میں نسیان کی صورت میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ اس شخص کے قصد وارادے سے ایسا نہیں ہوا۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ ناسی کے ذمہ قضاء نہیں ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے۔ قیاس یہ تھا کہ قضاء لازم ہو مگر نص کا اتباع اولیٰ ہے۔ اور جس حدیث کو ابو حنیفہؒ نے صحیح کہا کوئی اور اس میں تنقید کی جرأت نہیں کر سکتا۔

کیونکہ ان کی شرائطِ صحت بہت سخت ہیں) اور ابو یوسف نے کہا ہے کہ یہ کوئی شاذ حدیث نہیں جس پر ہم ردّ کی جرأت کر سکیں۔ اور ابو یوسف حدیث کے صرّافوں میں سے تھے۔ اور علیؓ ابن عمرؓ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔ صوم کے باب میں نسیان اکثر ہو جاتا ہے جس کا دفع کرنا ممکن نہیں لہٰذا دفعِ حرج کی خاطر اسے عذر شمار کیا گیا ہے۔ عطاء اور ثوری نے اکل وشرب اور جماع میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ نسیان سے جماع ہو تو روزہ فاسد ہے مگر اکل وشرب ہو تو فاسد نہیں ہے۔ انہوں نے کہا ہم نے نص کی خاطر قیاس کو ترک کر دیا ہے جو چاہتا تھا کہ اکل وشرب میں بھی روزہ فاسد ہو جائے کیونکہ روزے کا رکن فوت ہو گیا۔ اور نسیان کے باب میں جماع کے متعلق کوئی نص نہیں لہٰذا وہ اصلِ قیاس پر باقی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بے شک حدیث اکل وشرب کے متعلق ہے مگر اس میں بیان شدہ علت جماع کی صورت میں بھی پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ اس فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف منسوب فرمایا اور اس کی اضافت کو بندوں سے قطع کر دیا کیونکہ اس میں اس کا قصد وارادہ نہ تھا اور یہ معنیٰ ان سب میں پایا جاتا ہے۔ اور اصول کا قاعدہ ہے کہ جب علت نص میں آ جائے تو اس کا حکم بھی منصوص ہوتا ہے۔ اسی طرح حرج کا معنیٰ بھی سب میں موجود ہے (البدائع)

بَابُ تَاخِيرِ قَضَاءِ رَمَضَانَ

قضائے رمضان میں تاخیر کا باب۔

۲۳۹۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ تَقُولُ اِنْ كَانَ لَيَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا اَسْتَطِيعُ اَنْ اَقْضِيَهُ حَتّٰى يَاْتِيَ شَعْبَانُ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میرے ذمہ رمضان کے روزے ہوتے تھے مگر دوسرا شعبان آنے تک میں قضاء نہ کر سکتی تھی (بخاری، مسلم، ابن ماجہ، نسائی)

شرح: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، بقول امام خطابی، ان روزوں کی قضاء اس لیے نہ کر سکتیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی ادائیگی میں مصروف ہوتی تھیں۔ خطابی اس حدیث سے یہ استدلال بھی کرتے ہیں کہ تمام مہینوں میں سے ام المؤمنین رضؓ صرف شعبان کا ذکر فرماتی ہیں، اس سے بطورِ دلالۃ النص ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اگلا رمضان داخل ہونے تک قضاء نہ کرے تو اس پر کفارہ آئے گا۔ یہ ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ، عطاء، قاسم بن محمد، زہری، مالک، سفیان ثوری، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔ اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ اس صورت میں فقط قضاء ہے کفارہ نہیں اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ سعید بن جبیر اور قتادہ کے نزدیک کفارہ بصورتِ اطعام ہوگا مگر قضاء نہ رہی۔

مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ نفلی روزہ نہیں رکھتی تھیں۔ نہ عشرۂ ذی الحجہ میں نہ عاشوراء وغیرہ میں۔ کیونکہ قضائے رمضان جو واجب تھی جب انہوں نے اگلے شعبان تک نہ کی تو نفلی روزہ کا ترک تو اس سے اولیٰ تھا۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کے باعث تھا۔ بخاری کا لفظ ہے۔ الشغل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور مسلم میں ہے: لمکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس حدیث دلیل ہے کہ قضائے رمضان میں عذر سے یا بلا عذر تاخیر جائز ہے۔ کیونکہ حدیث میں یہ اضافہ: لمکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حفاظ حدیث کی ایک جماعت کے جزم کے مطابق مدرج ہے۔ لیکن بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہونا بالخصوص اس لیے کہ ازواج مطہرات حضور ؐ سے اکثر و بیشتر شرعی مسائل دریافت کرتی تھیں، یہ بتایا ہے کہ یہ تاخیر عذر شرعی کی بناء پر تھی۔

قضاء میں اختلاف ہے کہ آیا اسی طرح ترتیب سے جیسے کہ صیام کی فرضیت ہے۔ اور قیاس کا تقاضا یہی ہے۔ مگر جمہور نے متواتر قضاء کو واجب نہیں جانا کیونکہ آیت: فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ میں فقط شمار پورا کرنے کا حکم ہے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اصل آیت میں مُتَتَابِعَاتٍ کا لفظ بھی تھا جو منسوخ ہوگیا۔ اور مؤطا میں ہے کہ یہ اُبی رضہ بن کعب کی قرأت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے متواتر قضاء کا حکم تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ مگر تتابع بہرصورت اولیٰ ضرور ہے۔

بَابٌ فِيمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ

باب: جو مر جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں۔

۲۴۰۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اُس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے (بخاری و مسلم)، ابو داؤد نے کہا کہ یہ نذر میں ہے اور یہ احمد بن حنبل کا قول ہے۔

شرح: طیبی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا ولی کھلا کر اس کا تدارک کرے، گویا یہ اس کی طرف سے روزہ ہوگا۔ علی القاری نے کہا ہے کہ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ مرنے والے کے ذمہ اگر صیام ہوں تو اس کی تلافی و تدارک کیونکر ہو سکتا ہے اس میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جا سکتا، مالک، ابوحنیفہ، شافعی (ایک قول میں)، کا یہی مذہب ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث کی تاویل کی ہے کیوں کہ صحابہ کے فتاویٰ اور قیاس اس کے خلاف ہیں۔ اور اسی طرح آئندہ حدیث بھی

جو اگرچہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ شافعیؒ کے قول جدید کے مطابق اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مرنے والے کا ولی کوئی ایسا کام کرے جو صوم کے قائم مقام ہو اور وہ اطعام ہے۔ اور اس کی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ: مٹی مومن کا وضوء ہے، یعنی وضوء کا قائم مقام ہے جب کہ وہ پانی نہ پائے۔ پس اس حدیث میں بدل کو مبدل کا نام دیا گیا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہے کہ ایسا فعل جو صوم کا قائم مقام ہے اسے صوم کا نام دیا گیا ہے۔

حنفیہ نے ان دونوں حدیثوں کے متعلق یہ عذر بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرنے والی عورت کے متعلق سوال کیا گیا تھا جس کے ذمہ روزے تھے، انہوں نے فرمایا کہ اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے اور سنن بیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول مروی ہے کہ اپنے مُردوں کی طرف سے روزہ مت رکھو بلکہ کھانا کھلاؤ۔ مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی کے متعلق مروی ہے جو مرگیا تھا اور اس کے ذمہ روزے تھے، انہوں نے کہا کہ اُس کی طرف سے تیس مساکین کو کھانا کھلایا جائے۔ اور نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا۔ اور ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص مرگیا ہو اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کا ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہونا صحیح ہے۔ اور مالک نے مؤطا میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بلاغی روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا جاتا تھا کہ کیا کوئی کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے۔ راوی جب اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو از روئے اصولِ حدیث وہ اس حدیث کو منسوخ جانتا ہے۔ اور نسخ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مالکؒ نے فرمایا: میں نے مدینہ میں کسی صحابی یا تابعی کے متعلق یہ نہیں سُنا کہ اس نے صوم کے بدلے صوم کا یا نماز کے بدلے نماز کا حکم دیا ہو۔

اس حدیث کے راوی عبید اللہ بن ابی جعفر کو امام احمد نے غیر قوی قرار دیا ہے۔

۲۴۰۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ نَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِذَا مَرِضَ الرَّجُلُ فِي رَمَضَانَ ثُمَّ مَاتَ وَلَمْ يَصُمْ أُطْعِمَ عَنْهُ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَإِنْ نَذَرَ قَضَى عَنْهُ وَلِيُّهُ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب کوئی آدمی رمضان میں بیمار ہو کر مرگیا اور تندرست نہ ہوا تو اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے اور اس پر کوئی قضاء نہیں اور اگر اس نے نذر کی تھی تو اس کا ولی اس نے نذر کی تھی تو اس کا ولی اس کی طرف سے نذر پوری کرے۔ رحمصی نسخے میں لَمْ يَصِحَّ کے بجائے وَلَمْ يَصُمْ کا لفظ ہے، یعنی "وہ روزے رکھے بغیر مرگیا"۔

شرح: خطابی نے معالم السنن میں اوپر کی مرفوع حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اس شخص کے متعلق ہے جس کے ذمہ رمضان کا یا نذر کا روزہ ہو مثلاً وہ مسافر تھا تو گھر لوٹ آیا اور قضا کر سکتا تھا مگر از راہ تفریط قضا نہ کی حتیٰ کہ فوت

ہو گیا۔ یا وہ مریض تھا اور تندرست ہو گیا مگر اس کے باوجود روزہ نہ رکھا۔ پس احمد اور اسحاق اس حدیث کے ظاہر کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے اور یہی اہل ظاہر کا مذہب ہے۔ اور بعض اہل علم نے اس کا یہ معنیٰ بتایا ہے کہ اس کا ولی اسکی طرف سے کھانا کھلائے، جب اس نے ایسا کیا تو گویا اس کی طرف سے روزہ رکھا۔ اور حدیث میں اطعام کو بطور مجاز و اتساع صیام کہا گیا ہے۔ وجہ یہ کہ اطعام روزے کی طرف سے کبھی نائب اور قائم مقام ہوتا ہے، مثلاً سورۂ المائدہ ۹۸ میں ارشادِ خداوندی ہے: اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے نائب ہیں۔ اور مالک اور شافعی کا مذہب یہ ہے کہ کسی کا دوسرے کی طرف سے روزہ رکھنا جائز نہیں اور یہی حنفیہ کا قول ہے۔ انہوں نے روزے کو نماز اور اسی طرح کے دیگر بدنی اعمال وعبادات پر قیاس کیا ہے کہ ان میں مال کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور عامۂ اہل علم اس مسئلے پر متفق ہیں کہ جب کوئی شخص مرض یا سفر میں روزہ نہ رکھے پھر قضاء میں تفریط نہ کرے اور مر جائے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں اور اس کی طرف سے اطعام واجب نہیں۔ اس مسئلہ میں قتادہ کا اختلاف ہے، اس نے کہا کہ اس کی طرف سے بھی کھانا کھلایا جائے۔ اور یہی مسلک طاؤس یمنی سے بھی مروی ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ ہندی نسخوں میں لَمْ يَصِحَّ کا لفظ ہے اور درست وہ ہے جو مصری نسخے میں ہے یعنی لَمْ يَصُمْ۔ اور ہندی نسخوں میں سے قادری اور مجتبائی نسخوں کے حاشئے پر بھی لَمْ يَصُمْ کا لفظ ہے اور اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے یہ حدیث منتقی الاخبار میں روایت کی ہے اور اس میں بھی لَمْ يَصُمْ۔ اور لَمْ يَصِحَّ کا لفظ معنیً بھی درست نہیں ہے کیونکہ جب کوئی آدمی رمضان میں بیمار ہو، پھر مر جائے اور مرض سے تندرست نہ ہوا ہو، اور اس نے عِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ کی مدت ہی پائی ہو تو اس کے ذمہ نہ روزے کی قضاء ہے نہ اطعام۔ پس صحیح لفظ لَمْ يَصُمْ ہے۔ اور اس بنا پر حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی آدمی رمضان میں بیمار ہو اور بیماری کے باعث روزہ نہ رکھ سکے، پھر جب رمضان گزر جائے اور وہ مرض سے شفایاب ہو جائے اور عِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ کو پائے مگر پھر بھی روزہ نہ رکھے، یعنی قضاء نہ کرے تو موت کی صورت میں اس کا ولی اس کی طرف سے کھانا کھلائے۔ ولی کو اس کی طرف سے بطورِ قضاء روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اور اگر اس نے نذر مانی، پھر اسے موت آگئی اور اسے اپنی نذر کا پتہ نہ رہا تو ولی اس کی طرف سے نذر کی قضاء کا روزہ رکھے۔ پس روزہ رکھنا نذر کے ساتھ خاص ہوا اور رمضان کا روزہ صرف اطعام سے ہی ادا ہو گا اور یہ داؤد کا قول ہے اور علی القاری نے کہا کہ داؤد کے نزدیک بھی صومِ رمضان کے لیے اطعام ہے، ولی اس کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا

بَابُ ۴۲ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ۔

سفر میں روزے کا باب۔

۲۴۰۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَمُسَدَّدٌ قَالَا نَا حَمَّادٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ حَمْزَةَ الْاَسْلَمِيَّ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي رَجُلٌ أَسْرُدُ الصَّوْمَ أَفَأَصُومُ فِي السَّفَرِ قَالَ صُمْ إِنْ شِئْتَ وَأَفْطِرْ إِنْ شِئْتَ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حمزہ رضؓ اسلمی رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ میں ایک ایسا مرد ہوں جو متواتر روزہ رکھتا ہوں، کیا سفر میں بھی روزہ رکھ لیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو روزہ رکھے اور اگر چاہے تو افطار کرے یعنی روزہ نہ رکھ (بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

شرح: خطابی نے کہا کہ مسافر کے لیے روزہ رکھنے نہ رکھنے کے اختیار میں یہ حدیث نص ہے۔ اور اس میں یہ بیان ہے کہ مسافر جب فرض روزہ رکھے تو جائز ہے۔ عامہ اہل علم کا یہی قول ہے مگر ابن عمر رضؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اگر سفر میں روزہ رکھے تو حضر میں اسے قضا کرے، گویا ان کے نزدیک مسافر کا روزہ واقع ہی نہیں ہوتا اور اس کے لیے روزہ نہ رکھنا رخصت نہیں بلکہ عزیمت ہے۔ اور ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ سفر کا روزہ نہیں ہوتا۔ متاخرین میں سے اسی قول کی طرف داؤد بن علی ظاہری گئے ہیں۔ جمہور کا گو یہ قول نہیں مگر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے افضل کونسی چیز ہے۔ پس ایک گروہ کے نزدیک سفر میں فطر افضل ہے اور یہ ابن المسیب، شعبی، اوزاعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا مسلک ہے۔ انس بن مالک رضؓ اور عثمان بن ابی العاص رضؓ نے کہا کہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے اور یہ سعید بن جبیر، نخعی، مالک، ثوری، شافعی اور حنفیہ کا قول ہے۔

ایک تیسرے گروہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق آدمی پر جو چیز آسان تر ہو وہ افضل ہے: يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ اللہ تمہاری آسانی چاہتا ہے نہ کہ تنگی۔ پس اگر روزہ آسان تر ہو تو رکھے اور اگر افطار آسان تر ہو تو روزہ نہ رکھے۔ یہ مجاہد، عمر بن عبدالعزیز اور قتادہ کا مذہب ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ بظاہر یہ حدیث نفلی روزے کے متعلق ہے کیونکہ متواتر روزے رکھنے کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے۔ بقول شوکانی علامہ ابن دقیق العید نے کہا کہ اس میں ان لوگوں کیلیے کوئی دلیل نہیں جو سفر میں صوم رمضان کو ممنوع کہتے ہیں۔ حافظ نے کہا کہ اس حدیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے مگر مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور نے سائل کو یہ جواب دیا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے پس جو اسے لے وہ بہتر ہے اور جو روزہ رکھنا چاہے اس پر گناہ نہیں۔ اس سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ سائل کا سوال فریضہ کے بارے میں تھا کیونکہ رخصت صرف واجب کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ اور اس سے زیادہ صریح ابوداؤد اور حاکم کی روایت ہے کہ حمزہ اسلمی رضؓ کا سوال یہ تھا، یارسول اللہ میں کرائے پر سواریاں چلاتا ہوں الخ مولانا فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ سوال حمزہ اسلمی رضؓ نے دو مرتبہ کیا تھا، ایک بار نفلی روزے کے متعلق اور ایک بار فریضہ کے بارے میں۔ پس زیر نظر حدیث نفلی روزے کے بارے میں ہے اور جس حدیث کا حافظ صاحب نے ذکر کیا وہ فرضی روزے کے متعلق تھی۔

۲۴۰۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ الْمَدَنِيُّ قَالَ سَمِعْتُ حَمْزَةَ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْزَةَ الْأَسْلَمِيَّ يَذْكُرُ أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ

عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي صَاحِبُ ظَهْرٍ أُعَالِجُهُ أُسَافِرُ عَلَيْهِ وَأُكْرِيهِ وَإِنَّهُ رُبَّمَا صَادَفَنِي هٰذَا الشَّهْرُ يَعْنِي رَمَضَانَ وَأَنَا أَجِدُ الْقُوَّةَ وَأَنَا شَابٌّ فَأَجِدُ بِأَنْ أَصُومَ يَا رَسُولَ اللهِ أَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ أَنْ أُؤَخِّرَهُ فَيَكُونَ دَيْنًا أَفَأَصُومُ يَا رَسُولَ اللهِ أَعْظَمُ لِأَجْرِي أَوْ أُفْطِرُ قَالَ أَيَّ ذٰلِكَ شِئْتَ يَا حَمْزَةُ ۔

حمزہ اسلمی رضؓ نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ میں سواریوں والا ہوں، انہیں چلاتا ہوں، ان پہ سفر کرتا اور کرائے پر چلاتا ہوں اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ یہ مہینہ (یعنی رمضان) آجاتا ہے اور میں قوت پاتا ہوں، جوان آدمی ہوں، تو یا رسول اللہ مجھے روزہ رکھنے میں زیادہ اجر ہوگا یا نہ رکھنے میں؟ حضورؐ نے فرمایا: اے حمزہ ان میں سے جو صورت بھی تو چاہے (کرے) وہی افضل ہوگی۔ (مسلم اور نسائی)

شرح: اس حدیث میں صراحت ہے کہ حمزہ رضؓ کا سوال صوم رمضان کے متعلق تھا، جیسا کہ اوپر کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سوال نفلی روزے کے بارے میں تھا۔ اسی لیے مولاناؒ نے فرمایا کہ حمزہ رضؓ کا سوال دو مرتبہ ہوا ہے۔ اس حدیث پر بذل المجہود کے حاشیے میں: باب التاجر یفطر کا عنوان بصورت نسخہ لکھا ہوا ہے، گو ابو داؤد کی باب بندی سے واضح نہیں ہوتا کہ آیا وہ اوپر کی حدیث کے سوال کو نفل کے بارے میں جانتے ہیں، لیکن ان کے باب کا عنوان اور اس دوسرے باب کا نسخے پر لکھا ہوا عنوان ظاہر کرتا ہے کہ شاید وہ اس تفریق سے متفق ہوں جو مولاناؒ نے شرح میں بیان کی ہے۔ اس روایت کا ایک راوی محمد بن عبد المجید المدنی، یا محمد بن عبد اللہ المجید، یا محمد بن عبد الحمید بقول ابن القطان اور ذہبی غیر معروف ہے۔ اور حمزہ اسلمیؓ کا پوتا جو اس حدیث کی روایت اپنے باپ کی طرف سے کرتا ہے، یعنی حمزہ بن محمد بن حمزۃ الاسلمیؓ بقول ابن حزم ضعیف اور بقول ابن القطان مجہول ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ متقدمین کا کوئی کلام اس کے بارے میں میں نے نہیں دیکھا۔ محمد بن حمزہ کو بھی ابن حزم نے ضعیف اور ابن القطان نے مجہول قرار دیا ہے۔ حلبی نے کہا ہے کہ ابن حزم سے قبل کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا تھا۔ جو شخص سفر میں روزے کے باعث جہد و مشقت محسوس کرے اس کیلئے افطار افضل ہے جیسا کہ حضورؐ نے کسی روزہ دار کو دیکھا تھا کہ اس پر سایہ کیا جا رہا تھا، آپ نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں، یعنی اس قسم کا روزہ جس کا نتیجہ یہ ہو۔

۲۴۰۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ حَتَّى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِإِنَاءٍ فَرَفَعَهُ إِلَى فِيهِ لِيُرِيَهُ النَّاسَ وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ قَدْ صَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کو چلے (فتح مکہ کے سال) یہاں تک کہ عُسفان پہنچے تو (پانی کا) برتن منگوایا اور اسے اپنے منہ کی طرف اٹھایا تاکہ لوگ دیکھ لیں اور یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ پس ابن عباس رضؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا، پس جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

شرح: عُسفان مکہ سے دو مرحلے (۴۰ میل) پر واقع ہے، جن لوگوں نے کہا کہ وہ مدینہ کے قریب ہے سہو قلم سے یا غلطی سے ایسا کیا ہے۔ اس حدیث میں ابن عباس رضؓ کا قول صوم وافطار میں تخییر کا ہے مگر اوپر علامہ خطابی سے منقول ہوا کہ ان کے نزدیک سفر میں روزہ سرے سے جائز نہیں۔ اور ملا قاری نے شرح السنۃ سے نقل کیا ہے، شاید دو قول ہوں یا ایک سے رجوع کر لیا ہو، مگر قوی یہی نظر آتا ہے جو اس حدیث کے آخر میں ہے کیونکہ یہ اس حدیث کی روایت کے ساتھ ہی آیا ہے اور راوی خود ابن عباس رضؓ ہیں۔

۲۴۰۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ نَا زَائِدَةُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَافَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَصَامَ بَعْضُنَا وَأَفْطَرَ بَعْضُنَا فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ۔

انس رضؓ نے کہا کہ ہم نے رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا۔ ہم میں سے بعض کا روزہ تھا اور بعض کا نہ تھا۔ پس روزہ دار نے مفطر پر اور مفطر نے روزہ دار پر کوئی عیب نہ رکھا (بخاری، مسلم) مسلم میں ابوسعید رضؓ کی اسی مضمون کی حدیث باختلاف الفاظ آئی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو قوت پائے وہ روزہ رکھے یہ بھی اچھا ہے اور جو ضعف پائے وہ نہ رکھے وہ بھی ٹھیک ہے۔ اس نص سے اس بارے میں نزاع کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

۲۴۰۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ وَوَهْبُ بْنُ بَيَانٍ الْمَعْنَى قَالَا نَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ قَزَعَةَ قَالَ أَتَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ وَهُوَ يُفْتِي النَّاسَ وَهُمْ مُكِبُّونَ عَلَيْهِ فَانْتَظَرْتُ خَلْوَتَهُ فَلَمَّا خَلَا سَأَلْتُهُ عَنْ صِيَامِ رَمَضَانَ فِي السَّفَرِ فَقَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ عَامَ الْفَتْحِ فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ وَنَصُومُ حَتَّى بَلَغَ مَنْزِلًا مِنَ الْمَنَازِلِ فَقَالَ إِنَّكُمْ قَدْ دَنَوْتُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَالْفِطْرُ أَقْوَى لَكُمْ فَأَصْبَحْنَا مِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ قَالَ ثُمَّ سِرْنَا فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فَقَالَ إِنَّكُمْ تُصَبِّحُونَ

عَدُوِّكُمْ وَالْفِطْرُ أَقْوَى لَكُمْ فَأَفْطِرُوا فَكَانَتْ عَزِيمَةً مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ ثُمَّ لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَصُومُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ ذٰلِكَ وَبَعْدَ ذٰلِكَ۔

قزعہ نے کہا کہ میں ابوسعید الخدری رضؓ کے پاس گیا اور وہ لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتے تھے اور لوگ ان پر جھکے ہوئے تھے۔ پس میں نے ان کی خلوت کا انتظار کیا، پس جب وہ تنہا ہوئے تو میں نے اُن سے رمضان کے روزے کے سفر میں رکھنے نہ رکھنے کا سوال کیا۔ ابوسعید رضؓ نے کہا کہ ہم فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے نکلے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے اور ہم بھی رکھتے تھے۔ جب منزلوں میں سے ایک منزل پر پہنچے تو فرمایا کہ تم اپنے دشمن سے قریب آگئے ہو اور روزہ نہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ قوت کا باعث ہے۔ پس صبح کو ہم میں سے بعض کا روزہ تھا اور بعض کا نہیں تھا۔ ابوسعید رضؓ نے کہا کہ پھر ہم چلے اور ایک منزل پر پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کل صبح تمہارا دشمن سے آمنا سامنا ہوگا پس روزہ نہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ قوت کا باعث ہے لہٰذا روزہ مت رکھو۔ پس یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تاکید تھی۔ ابوسعید رضؓ نے کہا کہ پھر میں نے اس سے قبل بھی اور بعد میں بھی اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزہ رکھتے ہوئے دیکھا ہے (مسلم، نسائی، ترمذی)

شرح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں بھی مختلف احوال ہوتے ہیں، بعض میں صوم و افطار دونوں کا اختیار ہوتا ہے، بعض میں افطار افضل ہے اور جب دشمن روبرو آجائے تو عزیمت و ایجاب یہ ہے کہ روزہ نہ رکھا جائے اس حدیث سے کئی فقہی اختلاف کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ حضر میں بھی جب جہاد و قتال کا موقع ہو تو بعض احوال میں روزہ نہ رکھنا افضل بلکہ بعض خاص احوال میں واجب ہو جائے گا جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں تفصیل موجود ہے خطابی نے کہا ہے کہ بعض اہل علم نے کہا ہے: جب رمضان میں سفر شروع کرے تو روزہ توڑنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ مگر اس شہود سے مراد سارے مہینے کا شہود نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے برسرعام روزہ بوقت نہار رمضان میں بحالت سفر افطار فرمایا اور لوگوں کو دکھا کر ایسا کیا تھا۔

بَابُ ۴۳ مَنِ اخْتَارَ الْفِطْرَ

فطر کے اختیار کا باب۔

۲۴۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ نَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ سَعْدِ بْنِ زُرَارَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَسَنٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يُظَلَّلُ عَلَيْهِ وَالزِّحَامُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ۔

جابر بن عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا جس پہ سایہ کیا جا رہا تھا اور اس پہ بھیڑ لگی ہوئی تھی، تو حضورؐ نے فرمایا ، سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں (بخاری، مسلم، نسائی)

شرح: باب کے عنوان کا معنیٰ یہ ہے کہ جب جہد و مشقت محسوس ہونے لگے تو سفر میں روزے پر افطار کو ترجیح دینا افضل ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ حضورؐ کا یہ کلام ایک سبب سے صادر ہوا تھا لہٰذا اُسی حالت پر متصور ہو گا جو اس روزہ دار کی تھی۔ گویا مطلب حضورؐ کا یہ تھا کہ جب سفر میں روزہ اس حالت کو پہنچا دے تو مسافر کو روزہ نہ رکھنا چاہیے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال خود بھی روزہ رکھا اور آپؐ کے اصحابؓ نے بھی رکھا پھر بیان جواز کے لیے اُسے افطار بھی کیا۔ حمزہ اسلمیؓ کو آپؐ نے روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا۔ اور ابوسعیدؓ کی حدیث میں مختلف حالات میں احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔ پس اگر روزہ مطلقاً نیکی نہ ہوتا تو ان احادیث کا مطلب مشکل ہو جائے گا۔ بخاری نے بھی ترجمۃ الباب میں اسی تاویل کو ترجیح دی ہے کہ جس شخص کے ضعف کی یہ نوبت آ جائے اس کے لیے سفر میں روزہ نیکی کا کام نہیں ہے (اس مسئلہ پر بحث تھوڑی دیر پہلے گزر چکی ہے) امام شافعی کا قول ہے کہ جو شخص قبولِ رخصت سے انکار کرے اس کے حق میں یہ ارشاد ہوا ہے اور اس میں فرض اور نفل روزے کا فرق نہیں۔ شافعیؒ نے ایک اور مطلب بھی بیان کیا ہے جسے ابن خزیمہ نے اختیار کیا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی ایسی فرض نیکی نہیں جس کے مقابلے میں گناہ ہو (یعنی اگر روزہ نہ رکھا جائے تو آدمی گنہ گار ٹھہرے) طحاوی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں برّ سے مراد کامل نیکی ہے یعنی نیکی کا اعلیٰ ترین مرتبہ۔ کبھی کبھی افطار اعلیٰ ترین برّ ہوتا ہے۔ کامل مسکین نہیں جو ایک دو لقموں یا ایک دو کھجوروں کی خاطر پھرتا رہے یعنی وہ صحیح مسکین نہیں بلکہ بھکاری اور بے صبر مسکین ہے۔ کامل مسکین وہ ہے جو نادار ہونے کے باوجود ازراہِ حیا سوال نہ کرے اور کسی کو اس کی حالت کا بھی پتہ نہ چل سکے۔

۲۴۰۸۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ نَا اَبُوْ هِلَالٍ الرَّاسِبِيُّ نَا ابْنُ سَوَادَةَ الْقُشَيْرِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ اِخْوَةِ بَنِيْ قُشَيْرٍ قَالَ اَغَارَتْ عَلَيْنَا خَيْلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْتَهَيْتُ اَوْ قَالَ فَانْطَلَقْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَاْكُلُ فَقَالَ اِجْلِسْ فَاَصِبْ مِنْ طَعَامِنَا هٰذَا فَقُلْتُ اِنِّيْ صَائِمٌ قَالَ اِجْلِسْ اُحَدِّثْكَ عَنِ الصَّلٰوةِ وَعَنِ الصِّيَامِ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ شَطْرَ الصَّلٰوةِ اَوْ نِصْفَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَعَنِ الْمُرْضِعِ اَوِ الْحُبْلٰى

وَاللهِ لَقَدْ قَالَهُمَا جَمِيعًا أَوْ أَحَدَهُمَا قَالَ فَتَلَهَّفَتْ نَفْسِي أَنْ لَا أَكُونَ أَكَلْتُ مِنْ طَعَامِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

انس بن مالک قشیری (انصاری نہیں) نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک رسالے نے ہم پر غارت ڈالی۔ اس نے کہا کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپؐ کھانا کھا رہے تھے آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ، میں نے کہا کہ میں تو روزے سے ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ میں تمہیں نماز اور روزے کے متعلق بتاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نصف نماز اور پورا روزہ ساقط کر دیا ہے اور دودھ پلانے والی سے یا حاملہ سے۔ واللہ حضورؐ نے دونوں یا ایک کا نام لیا، پس مجھے دل میں بہت افسوس رہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں سے کیوں نہ کھا لیا (ترمذی، النسائی، ابن ماجہ۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا)

شرح: ترمذی نے کہا کہ اس انس بن مالک قشیری سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ انس بن مالک پانچ ہیں، دو صحابی ہیں ایک یہ انس بن قشیریؓ اور دوسرا ابو حمزہ انس بن مالک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم۔ تیسرا انس بن مالک امام مالک کا والد ہے جس سے ایک حدیث مروی ہے۔ چوتھا انس بن مالک حمص کا باشندہ تھا۔ پانچواں انس بن مالک کوفی تھا جس نے حماد بن ابی سلیمان اور اعمش وغیرہ سے روایت کی ہے۔

خطابی نے اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی سلسلۂ کلام میں چند مختلف الاحکام چیزوں کو بھی جمع کر دیا جاتا ہے۔ اب یہاں پر نماز کے نصف کی معافی کا ذکر ہے جو بالکل معاف ہے اور اس کی قضاء نہیں جبکہ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی گئی ہے مگر اس کا سقوط عارضی ہے اور قضاء واجب۔ حاملہ عورت اور مرضعہ بچے کی خاطر روزہ افطار کریں گی اور پھر قضاء کریں گی، شوافع کے نزدیک کفارہ بھی دیں گی کیونکہ ان کا افطار غیر کی خاطر تھا (حنفیہ کے نزدیک ان پر صرف قضاء واجب ہے) قضاء اور کفارے کا وجوب شافعی، مجاہد اور احمد کے نزدیک ہے۔ مالک نے کہا: حاملہ قضاء کرے گی اور کفارہ نہ دے گی کیونکہ اس کی حالت مریض جیسی ہے۔ مرضعہ قضاء کے ساتھ کفارہ بھی دے گی۔ حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح کے نزدیک ان پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔ یہی قول حنفیہ، اوزاعی اور ثوری کا ہے۔

اس حدیث کے راوی ابو ہلال راسبی میں کلام کیا گیا ہے۔ بخاری نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ نسائی نے اسے غیر قوی، ابن سعدؒ نے ضعیف ابو داؤد نے ثقہ کہا ہے۔ انس بن مالکؓ قشیری مسلم تھے مگر ان کی قوم ابھی مشرک تھی جس پر مسلمانوں نے حملہ کیا تھا۔ نسائی کی روایت کے مطابق ان کے اونٹ اور مسند احمد کے مطابق ان کے ہمسایوں کے اونٹ پکڑ لیے گئے تھے جن کے سلسلے میں یہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ انس بن مالکؓ اس وقت سفر میں تھے اسی لیے حضورؐ نے ان کے سامنے صوم کے بارے میں مسافر کا حکم بیان فرمایا۔

باب ۴۴ فِي مَنِ اخْتَارَ الصِّيَامَ

باب ان لوگوں کے بیان میں جنہوں نے روزے کو اختیار کیا

۲۴۰۹۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ نَا الْوَلِيْدُ نَا سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ حَدَّثَنِيْ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ حَدَّثَتْنِيْ اُمُّ الدَّرْدَاءِ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ غَزَوَاتِهٖ فِيْ حَرٍّ شَدِيْدٍ حَتّٰى اَنَّ اَحَدَنَا لَيَضَعُ يَدَهٗ عَلٰى رَاْسِهٖ اَوْ كَفَّهٗ عَلٰى رَاْسِهٖ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ مَا فِيْنَا صَائِمٌ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ۔

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غزوے میں آپ کے ساتھ گئے گرمی شدید تھی حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی اپنا ہاتھ یا اپنی ہتھیلی شدت گرما کے باعث رکھ لیتا تھا۔ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ بن رواحہ کے ماسوا کوئی بھی روزہ دار نہ تھا (بخاری، مسلم، ابن ماجہ) مسلم کی بعض روایات میں فی رمضان بھی آیا ہے۔ اس سے ابن حزم کے اس بیان کا رد ہوتا ہے کہ شاید یہ روزہ نفلی ہوگا۔

۲۴۱۰۔ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ يَحْيٰى نَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ ح وَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ نَا اَبُوْ قُتَيْبَةَ الْمَعْنٰى قَالَا نَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ حَبِيْبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَزْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ حَبِيْبُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ سِنَانَ بْنَ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ الْهُذَلِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَمُوْلَةٌ يَاْوِيْ اِلٰى شِبَعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ حَيْثُ اَدْرَكَهٗ۔

حبیب بن عبداللہ نے کہا کہ میں نے سنان بن سلمہ بن المحبق ہذلی کو اپنے باپ (سلمہ بن المحبق) کی طرف سے روایت کرتے سنا اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس سواری ہو اور وہ اپنے گھر (یا جائے آسائش) پر پہنچ جاتا ہو پس رمضان کو وہ جہاں پائے اس کا روزہ رکھے۔

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں عبدالصمد بن حبیب ازدی بصری ہے جس پر محدثین نے تنقید کی ہے۔ احمد نے اسے ضعیف اور بخاری نے اسے منکر الحدیث، ذاہب الحدیث کہا ہے اور اس کے باعث اس حدیث کو لاشئ کہا ہے۔ وہ صرف اسی حدیث کے باعث پہچانا جاتا ہے ورنہ مجہول ہے۔ یہ حدیث ضعیف

ٹھہری مگر کسی درجے میں اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو یہ امر استحباب کے لیے ہے ورنہ حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے اثنائے سفر میں روزہ افطار کیا ہے۔

۲۴۱۱۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ الْمُهَاجِرِ نَا عَبْدُ الصَّمَدِ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الْوَارِثِ نَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ حَبِيبٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ سِنَانِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَهُ رَمَضَانُ فِي السَّفَرِ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ۔

دوسری سند سے سلمہؓ بن المحبق کی وہی حدیث جو اوپر گزری۔ اس میں یہ لفظ ہے: جس شخص کو رمضان سفر میں آجائے الخ اور نیچے وہی راوی عبدالصمد ہے جو ضعیف ہے۔

باب ۴۵ مَتَى يُفْطِرُ الْمُسَافِرُ إِذَا خَرَجَ

باب۔ مسافر جب نکلے تو کب افطار کرے۔

۲۴۱۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ ح وَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَحْيَى الْمَعْنَى حَدَّثَنِي سَعِيدٌ يَعْنِي ابْنَ أَبِي أَيُّوبَ زَادَ جَعْفَرٌ وَاللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ أَنَّ كُلَيْبَ بْنَ ذُهْلٍ الْحَضْرَمِيَّ أَخْبَرَهُ عَنْ عُبَيْدٍ قَالَ جَعْفَرُ بْنُ جَبْرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفِينَةٍ مِنَ الْفُسْطَاطِ فِي رَمَضَانَ فَرُفِعَ ثُمَّ قُرِّبَ غَدَاءُهُ قَالَ جَعْفَرٌ فِي حَدِيثِهِ فَلَمْ يُجَاوِزِ الْبُيُوتَ حَتَّى دَعَا بِالسُّفْرَةِ قَالَ اقْتَرِبْ قُلْتُ أَلَسْتَ تَرَى الْبُيُوتَ قَالَ أَبُو بَصْرَةَ أَتَرْغَبُ عَنْ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَعْفَرٌ فِي حَدِيثِهِ فَأَكَلَ۔

عُبید نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ابو بصرہ غفاریؓ کے ساتھ تھا ایک کشتی میں فسطاط سے اسکندریہ کو، سفر پر تھا اور یہ رمضان کے دن تھے۔ پس جہاز کا لنگر اٹھایا گیا، پھر اس کا ناشتہ لایا گیا، دوسری روایت میں ہے کہ ابھی شہر کے گھر گزر رہے ہی تھے کہ دسترخوان طلب کیا اور کہا کہ آؤ (کھانا کھاؤ) میں نے کہا کیا تو

گھروں کو نہیں دیکھ رہا؟ ابو بصرہ رضؓ نے کہا کہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے منہ پھیرتا ہے! جعفر نے اپنی حدیث میں کہا کہ: پس اس نے کھانا کھایا۔

شرح: ابو بصرہ رضؓ غفاری کا نام حمیل بن وقاص تھا خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ روزہ دار مقیم جب سفر پر جائے تو افطار کر سکتا ہے اور یہ شعبی اور احمد کا قول ہے۔ حسن بصری نے کہا کہ جب سفر کا ارادہ ہو تو بے شک گھر پر ہی روزہ افطار کرے۔ اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ سفر شروع کرتے ہی افطار کر سکتا ہے۔ اور یہ تو انس بن مالک رضؓ سے مروی ہے۔ ان حضرات نے اسے بیمار ہو جانے والے مریض سے تشبیہ دی ہے کہ وہ بھی حسب ضرورت روزہ کھول سکتا ہے۔ سفر اور مرض رخصت میں مساوی ہیں: خطابی نے کہا کہ سفر اور مرض میں فرق ہے کیونکہ سفر تو آدمی کے فعل و اختیار اور ارادے پر موقوف ہے مگر مرض کا یہ حال نہیں۔ پس روزہ دار مرض میں تو معذور ہے مگر سفر کا یہ حال نہیں، اگر کوئی نماز میں بیمار ہو جائے تو بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے لیکن سفر شروع کر دے اور ابھی باہر نہ نکلا ہو تو نماز قصر نہیں کر سکتا۔ حنفیہ نے کہا کہ حالت صوم میں سفر شروع کر دے تو روزہ نہ توڑے اور یہی قول مالک، اوزاعی، شافعی، مکحول، نخعی اور زہری کا ہے۔ خطابی نے کہا کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے کیونکہ جب اقامت اور سفر مخلوط ہو جائیں تو اقامت کے احکام غالب ہوں گے۔ منذری نے کہا فسطاط سے مراد یہاں مصر کا فسطاط ہے ورنہ کوفہ اور بصرہ کی اجتماع گاہوں کا نام بھی فسطاط تھا۔

مولانا نے فرمایا کہ مصر اور اسکندریہ کے درمیان طویل مسافت ہے۔ سفر کا ارادہ اگر رات سے ہو چکا ہو اور روزے کی نیت بھی کر لی اور رکھ بھی لیا؟ تو جمہور کے نزدیک مسافر اثنائے راہ میں روزہ کھول سکتا ہے مگر حنفیہ نے اس سے منع کیا ہے۔ لیکن اگر سفر کی نیت نہ تھی اور روزہ رکھ لیا پھر سفر کی نوبت آگئی تو جمہور کے نزدیک اثنائے نہار میں افطار نہ کرے مگر احمد اور اسحاق کے نزدیک اس صورت میں بھی افطار جائز ہے۔ حنفیہ نے اس صورت میں بھی افطار کو جائز نہیں کہا اور یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے خواہ ابو بصرہ فسطاط میں مقیم تھا یا مسافر اس کا جواب یہ ہے کہ شاید یہ ابو ہریرہ رضؓ کا مذہب تھا۔ رہا اس کا سنت ہونا تو وہ شاید اس نے اجتہاد سے سمجھا ہو گا ورنہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص نہیں ہے (فتح مکہ کے سفر میں بھی نہیں ہے کیونکہ شاید حضورؐ نے رات سے روزے کی نیت نہ کی تھی اور نہ روزہ رکھا تھا مگر لوگوں کو یہی دکھانے کی خاطر بسر عام پانی پیا تھا) یہ بھی ممکن ہے کہ ابو ہریرہ رضؓ مصر میں مقیم ہو پھر صبح سے قبل بہ نیت سفر نکل کھڑا ہوا ہو اور روزے کی نیت نہ کی ہو۔ پھر شہر کے مکان یاد کرے اگر وہ ابھی نظر آتے تھے، ناشتہ کیا ہو۔ یا شاید ابو بصرہ رضؓ فسطاط مصر میں مسافر ہی تھا اور رات سے روزے کی نیت نہ کی تھی لہذا صبح کے بعد ناشتہ کر لیا۔

بَابُ ۴۶ مَسِيْرَةِ مَا يُفْطِرُ فِيْهِ الصَّائِمُ

افطار کے لیے مسافت کی مقدار کا باب۔

۲۴۱۳۔ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ أَنَا اللَّيْثُ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ مَنْصُورٍ الْكَلْبِيِّ أَنَّ دِحْيَةَ بْنَ خَلِيفَةَ خَرَجَ مِنْ قَرْيَةٍ مِنْ دِمَشْقَ مَرَّةً إِلَى قَدْرِ قَرْيَةِ عُقْبَةَ مِنَ الْفُسْطَاطِ وَذٰلِكَ ثَلٰثَةُ أَمْيَالٍ فِي رَمَضَانَ ثُمَّ إِنَّهُ أَفْطَرَ وَأَفْطَرَ مَعَهُ نَاسٌ وَكَرِهَ آخَرُونَ أَنْ يُفْطِرُوا فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى قَرْيَتِهِ قَالَ وَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ الْيَوْمَ أَمْرًا مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنِّي أَرَاهُ أَنَّ قَوْمًا رَغِبُوا عَنْ هَدْيِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ يَقُولُ ذٰلِكَ لِلَّذِينَ صَامُوا ثُمَّ قَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ اللّٰهُمَّ اقْبِضْنِي إِلَيْكَ ۔

دحیہ بن خلیفہ رضؓ کلبی ایک مرتبہ دمشق کی کسی بستی سے فسطاط سے عقبہ نامی بستی تک کی مسافت کے برابر رمضان میں گئے اور وہ تین میل پر تھی، پھر انہوں نے اور ان کے کچھ ساتھیوں نے افطار کر لیا مگر بعض نے اسے ناپسند کیا۔ پھر جب اپنی بستی میں واپس آئے تو کہا: واللہ آج میں نے ایک ایسا امر دیکھا ہے کہ میں یہ گمان نہ کرتا تھا کہ اسے دیکھوں گا ۔ اور یہ کہ ایک قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے طریقے سے اعراض کیا، یہ انہوں نے روزہ داروں کے حق میں کہا. پھر انہوں نے اس وقت کہا! اے اللہ مجھے اپنی طرف بلالے ۔

شرح: منذری کے بقول منصور کلبی کے سوا اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں. خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ صوم کے بارے میں کوئی معین مقدار سفر نہیں ہے، بلکہ صرف سفر کے نام اور ظاہر پر اعتماد کیا جائے گا، اور میرے خیال میں یہ داؤد ظاہری اور دیگر ارباب ظواہر کا قول ہے. مگر فقہاء کے نزدیک صوم کی رخصت کے لیے بھی مسافتِ قصر کا ہونا لازم ہے جو اہل عراق کے نزدیک تین دن کی مسافت ہے اور اہل حجاز کے نزدیک دو دن کی. اور یہ حدیث قوی نہیں. اس میں ایک راوی غیر معروف ہے ۔ پھر دحیہ رضؓ نے اس حدیث کی رُو سے یہ بھی نہیں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی سفر میں افطار کیا تھا (حالانکہ اوپر ابو سعیدؓ کی حدیث میں سفر کے اندر رمضان میں حضورؐ کا روزہ رکھنا ثابت ہو چکا ہے) دحیہ رضؓ نے فقط یہ کہا ہے کہ: کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے منہ پھیرا. شاید ان لوگوں نے سفر میں رخصت کا بالکل انکار کر دیا ہو گا. یہ احتمال بھی ہے کہ دحیہ رضؓ کا یہ مذہب ہو کہ صرف نام کے سفر میں بھی افطار جائز ہے. ان کی مخالفت کئی اصحاب سے ثابت ہے کیونکہ ابن عمر رضؓ اور ابن عباس رضؓ چار برد (منزل) سے کم میں قصر و افطار کے قائل نہ تھے اور وہ دونوں دحیہ رضؓ سے بڑے عالم اور فقیہ تر اور سنت کے زیادہ جاننے والے تھے۔

مولانا رحؒ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت مانی جائے تو دحیہ رضؓ کے ساتھ روزہ رکھنے والوں نے شاید رخصت

سے اعراض کے طور پر ایسا کیا ہو نہ کہ عزیمت پر عمل کے طور پر۔ حنفیہ کے نزدیک مسافتِ افطار بالکل مسافتِ قصر کی مانند ہے یعنی تین مراحل۔ شافعی، مالک، لیث اور اوزاعی کے نزدیک دو مرحلے کی مسافت ہے جس کی مقدار ۴۸ ہاشمی میل بنتی ہے۔ انس رضؓ کے نزدیک، اور یہی اوزاعی سے بھی منقول ہے، ایک رات دن کا سفر۔ گویا جمہور فقہاء کے نزدیک مسافتِ افطار مسافتِ قصر کی مانند ہے (علی اختلاف تولہم فی المقدار)۔ حافظ نے فتح الباری میں بخاری کا اختیار ایک دن رات کی مسافت نقل کیا ہے۔ اہل ظاہر کے نزدیک کم از کم مقدار ایک میل ہے۔ اور یہ ابن ابی شیبہ کی صحیح سند سے مروی روایت ابن عمر سے ہے کہ: وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ کی آیت میں کوئی معین مقدار بیان نہیں ہوئی، نہ اللہ تعالیٰ نے نہ اُس کے رسول صؐ اور مسلمانوں نے سفر میں کوئی تخصیص بیان کی ہے۔ پھر ایک میل کے لیے ان کا استدلال یہ ہے کہ حضورؐ دفنِ اموات کے لیے بقیع کی طرف نکلے اور رفع حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے اور لوگ آپ کے ساتھ تھے پس اتنی مقدار پر کسی نے قصر نہیں کیا۔ (اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی رفع حاجت کے لیے مثلاً دو میل باہر چلا جائے یا صبح و شام کی سیر کے لیے اتنی ہی دور جا نکلے تو ان حضرات کے نزدیک وہ مسافر ہے)۔ بقول عجلی راوی حدیث منصور کلبی ثقہ ہے گو ابن المدینی نے اسے مجہول کہا ہے۔ اگر عجلی کا قول تسلیم کریں تو جمہور کے قول پر اس حدیث کا جواب مشکل بنتا ہے۔

۲۴۱۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَخْرُجُ اِلَى الْغَابَةِ فَلَا يُفْطِرُ وَلَا يَقْصُرُ۔

نافع نے روایت کی کہ ابن عمر رضؓ غابہ کی طرف جاتے تھے تو نہ افطار کرتے نہ قصر کرتے تھے (غابہ بقول واقدی مدینہ سے ایک برید کے فاصلے پر شام کی راہ پر واقع ہے)

بَابُ مَنْ يَقُولُ صُمْتُ رَمَضَانَ كُلَّهُ

باب۔ اس شخص کے متعلق جو کہے: میں نے سارا رمضان روزہ رکھا۔

۲۴۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبَةَ نَا الْحَسَنُ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ اِنِّيْ صُمْتُ رَمَضَانَ كُلَّهُ وَقُمْتُهُ كُلَّهُ فَلَا اَدْرِيْ اَكَرِهَ التَّزْكِيَةَ اَوْ قَالَ لَا بُدَّ مِنْ نَوْمَةٍ اَوْ رَقْدَةٍ۔

ابوبکرہ رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے سارا رمضان رکھا اور سارا رمضان قیام کیا۔ راوی حسن نے کہا: میں نہیں جانتا کہ حضورؐ نے آیا خود ستائی کو ناپسند فرمایا یا یہ مطلب تھا کہ کچھ نہ کچھ سونا اور آرام وغیرہ تو لابدی امر ہے (نسائی)

شرح: یعنی جب آرام، سونے اور چلنے پھرنے، کھانے پینے وغیرہ کے فاصلے بھی بالضرور آئیں گے تو یہ کیسے صحیح ہوا کہ میں نے سارا رمضان روزہ رکھا۔ تزکیۂ نفس کی صورت میں تو ویسے ہی خود پسندی وخودستائی پائی جاتی ہے جو اللہ تعالٰی کو کسی طرح پسند نہیں۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ نسائی کا لفظ یہ ہے: لَا بُدَّ مِنْ غَفْلَةٍ وَّ يَقْظَةٍ۔ اور حاشیے کے نسخے پر ہے: وَرَقْدَةٍ اور یہ سیاق اس حدیث کے موافق ہے کیونکہ اس میں روزے اور قیام اللیل دونوں کا ذکر ہے۔ غفلت صوم میں ہو سکتی ہے کہ شاید کسی ایسے امر کا ارتکاب ہو جائے جو روزے کے مناسب نہ ہو اور رقود (سونا) قیام اللیل کے منافی ہے لہذا اس کے لیے اس لفظ کا ذکر مناسب ہوا۔ اور یقظہ کا لفظ جو متن کے ایک نسخے میں ہے اس کی مناسبت نہ تو صوم سے ہے نہ قیام اللیل سے۔ مسند احمد میں قتادہ کی حدیث میں یہ لفظ ہے: مِنْ رَقْدَةٍ أَوْ غَافِلٍ اور دوسری روایت میں ہے: لَا بُدَّ مِنْ نَوْمٍ أَوْ غَفْلَةٍ۔ اور ایک اور روایت میں ہے: مِنْ غَفْلَةٍ أَوْ رَقْدَةٍ۔ پس یہ روایات اور نسائی کی روایت ہی (ایک نسخے کے مطابق) اس حدیث سے موافق تر ہے۔ علامہ سندھی کا قول ہے کہ: لَا بُدَّ مِنْ غَفْلَةٍ کا یہ مطلب ہے کہ غفلت کے باعث نافرمانی ہو سکتی ہے جو حالتِ صوم کے مناسب نہ ہو تو پھر کوئی اپنے لیے مہینہ بھر صائم ہونے کا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ رمضان کے ساتھ شہر کے لفظ بغیر اس کا ذکر جائز نہیں۔

بَابٌ ۴۸ فِي صَوْمِ الْعِيدَيْنِ

عیدین کے روزے کے باب۔

۲۴۱۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَهَذَا حَدِيثُهُ قَالَا نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُمَرَ فَبَدَأَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صِيَامِ هٰذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ أَمَّا يَوْمُ الْأَضْحٰى فَتَأْكُلُونَ مِنْ لَحْمِ نُسُكِكُمْ وَأَمَّا يَوْمُ الْفِطْرِ فَفِطْرُكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ۔

ابو عبید نے کہا کہ میں عید میں حضرت عمرؓ کے پاس موجود تھا۔ آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں (عیدین) کے روزے سے منع فرمایا ہے۔ جہاں تک عید الاضحیٰ کا تعلق ہے تم اس میں اپنی قربانیوں کا گوشت کھاتے ہو اور عید الفطر کا دن تمہارے روزوں کے بعد افطار کا دن ہے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: خطابی نے کہا کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص عید الفطر کے روزے کی نذر مانے اس کی نذر لازم نہیں، نہ اس پر روزہ ہے نہ اس کی قضا، کیونکہ اس دن روزہ نہ رکھنا واجب ہے جس کی علت

حضورؐ نے یہ بیان فرمائی کہ: اَمَّا یَوْمُ الْفِطْرِ فَفِطْرُکُمْ مِنْ صِیَامِکُمْ اور اس کا نام یوم الفطر ہے۔ یہ نام ہی صوم کے منافی ہے۔ اگر اس کے صوم کی اجازت دی جاتی تو یہ بات اس کے نام کے ہی خلاف ہوتی۔ اور عام اہل علم کا یہی مذہب ہے کہ عیدین کا روزہ جائز نہیں۔ ہاں فقہائے عراق کہتے ہیں کہ اگر کوئی اس کی نذر مانے تو قضاء لازم ہوگی حالانکہ نذر معصیت میں جائز نہیں ہے اور ان دونوں کا روزہ حضورؐ کے ارشاد کی خلاف ورزی کے باعث معصیت ہے۔ پس اس کی نذر منعقد نہیں ہوتی اور نہ صحیح ہے جیسے کہ حائضہ عورت ایام حیض کے روزوں کی روا کر دے تو جائز نہ ہوگی۔

مولانا نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ عیدین کے دن نذر، کفارہ یا نفل کا روزہ حرام ہے۔ اگر کسی نے مثلاً ایک دن کے روزے کی نذر مانی اور اس دن عید آپڑے تو اجماعاً روزہ حرام ہے۔ حنفیہ کے نے جو نذر کی صورت میں قضاء کا حکم دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فی نفسہ نذر معصیت نہیں بلکہ طاعت ہے۔

۲۴۱۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا وُهَيْبٌ نَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ الْأَضْحَى وَعَنْ لِبْسَتَيْنِ الصَّمَّاءِ وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَعَنِ الصَّلَوٰةِ فِي سَاعَتَيْنِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَبَعْدَ الْعَصْرِ۔

ابو سعید الخدری رض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو دنوں کے روزے سے منع فرمایا: یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ اور دو لباسوں سے منع فرمایا: ایک تو صماء اور دوسرا ایک ہی کپڑے میں احتباء کرنا، اور دو گھڑیوں میں نماز سے منع فرمایا: صبح کے بعد اور عصر کے بعد۔ (نسائی، بخاری، مسلم)

شرح صماء کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ جسم پر ایک ہی کپڑا لپیٹنا اور اسے ایک جانب سے اٹھا دینا اور کندھے پر رکھ لینا جس سے بے پردگی ہو جائے۔ احتباء کا معنی یہ ہے کہ دونوں سُرین کھڑے کر لینا اور گھٹنوں کو کپڑے باندھ دینا، اس صورت میں بھی جب کپڑا ایک ہی ہوگا تو شرم گاہ ننگی ہو جائے گی۔ صماء کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ ایک کپڑا سارے جسم پر اس طرح لپیٹنا کہ ہاتھ بھی اسی میں بندھ جائیں۔ گویا کہ ایک گم صم پتھر بن جانا، کیونکہ لغت میں صماء پتھر کو کہتے ہیں۔ صلوٰۃ پر گفتگو کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

بَابُ ۴۹ صِيَامِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

ایام تشریق کے روزے کا باب

۲۴۱۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْهَادِ عَنْ أَبِي

مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَلَى أَبِيهِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَقَرَّبَ إِلَيْهِمَا طَعَامًا فَقَالَ كُلْ قَالَ إِنِّي صَائِمٌ فَقَالَ عَمْرٌو كُلْ فَهَذِهِ الْأَيَّامُ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا بِإِفْطَارِهَا وَيَنْهَى عَنْ صِيَامِهَا قَالَ مَلِكٌ وَهِيَ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ۔

ابومُرّہ مولائے اُمّ ہانی سے روایت ہے کہ وہ عبداللہ بن عمروؓ کے ساتھ ان کے باپ عمرو ابن العاصؓ کے پاس گیا تو انہوں نے دونوں کے سامنے کھانا پیش کیا اور کہا: کھاؤ۔ عبداللہؓ نے کہا کہ میں روزے سے ہوں۔ پس حضرت عمروؓ نے کہا کہ کھاؤ، کیونکہ یہ وہ دن ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان میں روزہ نہ رکھنے کا حکم دیتے اور ان میں روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ مالکؒ نے کہا کہ یہ ایام التشریق تھے۔

شرح: خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ ایام التشریق تین ہیں اور وہ یوم النحر کے بعد ہیں۔ کہا گیا ہے ان کا یہ نام اس لیے ہوا کہ قربانی کا گوشت۔ ان میں ٹکڑے کر کے دھوپ میں سکھایا جاتا تھا۔ شرقہ کا معنی دھوپ ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تشریق کا معنیٰ ہے پھیلانا اور ٹکڑے ٹکڑے کرنا (المصباح) خطابی نے کہا کہ یہ بھی گویا ان دنوں میں روزہ نہ رکھنے کی تعلیل کے طور پر بیان ہوا ہے، اور یہ دن اس معنیٰ کے مستحق ہیں۔ ان کا روزہ رکھنا بطور نذر یا نفل جائز نہیں ہے۔ اور جس مُتمتع نے ذی الحجہ کے عشرے کے آخری دنوں میں تین روزے نہ رکھے ہوں اس کے لیے بھی ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ علیؓ کا قول ہے اور حسن بصری اور عطا، اور شافعی کا غالب مذہب ہے۔ مالک، اوزاعی اور اسحاق نے کہا ہے کہ متمتع ایام التشریق میں روزہ رکھ سکتا ہے جب کہ اس نے اس سے قبل عشرہ میں روزہ نہ رکھا ہو۔ عائشہؓ، ابن عمرؓ اور عروہ بن زبیرؓ سے یہی مروی ہے۔

مؤطا میں یہ روایت ابومُرّہ عبداللہ بن عمروؓ سے کرتا ہے اور یہاں سنن ابی داؤد میں وہ براہ راست حضرت عمروؓ سے کر رہا ہے۔ دونوں کا سیاق مختلف ہے گو حدیث ایک ہی ہے۔ مسئلے پر مزید گفتگو ابھی آتی ہے۔

۲۴۱۹۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا وَهْبٌ نَا مُوسَى بْنُ عَلِيٍّ ح وَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا وَكِيعٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عَلِيٍّ وَالْإِخْبَارُ فِي حَدِيثِ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ۔

علی بن رباح نے عقبہ بن عامرؓ کو کہتے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عرفہ اور یوم النحر اور ایام تشریق ہم اہلِ اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں (ترمذی و نسائی۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح

کہا ہے۔ مسلم نے یہ حدیث کعبؓ بن مالک انصاری سے اور نُبیشۃ الخیر سے بھی روایت کی ہے)

شرح: مولانا ؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں ان پانچ ایام کے روزے سے منع کیا گیا ہے۔ عیدین کے روزے کی حرمت پر تو اجماع ہے۔ جہاں تک ایامِ تشریق کا سوال ہے یوم النحر کے بعد ان کے دو یا تین ہونے میں اختلاف ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہ تین ہیں ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ۔ اس نام کی ایک وجہ تو حافظ نے وہی لکھی ہے جو اوپر خطابی کے حوالے سے گزری، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہدی کو بوقتِ اشراقِ شمس نحر کیا جاتا ہے اور بعض نے وجہ تسمیہ یہ بتائی کہ نمازِ عید بوقتِ اشراق ہوتی ہے۔ تشریق کا معنیٰ نماز کے بعد والی تکبیر بھی ہے جو ان دنوں میں ہوتی ہے۔ یہ ایام قربانی میں تو یوم النحر کے ساتھ ملحق ہیں اور دیگر اعمال میں بھی، مگر ان میں بھی یوم النحر کی مانند روزہ ترک ہوگا یا نہیں؟ اور آیا ان کا روزہ متمتع کے لیے خاص طور پر جائز ہے یا وہ متمتع کی مانند ہو، ان تمام مسائل میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ صاحب نے کہا ہے بخاری کے نزدیک متمتع کے لیے ان دنوں میں روزہ جائز ہے۔ ابن المنذر نے زبیر بن العوامؓ اور ابوطلحہؓ سے مطلق جواز نقل کیا (یعنی سب کے لیے ان دنوں میں روزہ جائز ہے) اور علیؓ اور عبداللہ بن عمرو العاصؓ (باپ بیٹے دونوں سے) سے مطلقاً منع منقول ہے۔ اور شافعیہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ یہی حنفیہ کا قول بھی ہے۔ ابن عمرؓ، حضرت عائشہ اور عبید بن عمرو وغیرہم نے متمتع کے لیے جواز کہا ہے اوروں کے لیے نہیں۔ یہی مالک اور شافعی کا قولِ قدیم ہے اور اوزاعی وغیرہ سے منقول ہے۔ منع کرنے والوں کی دلیل نُبیشہ ہذلیؓ کی حدیث، کعب بن مالک کی حدیث (دونوں مسلم میں ہیں) اور عمرو بن العاصؓ کی یہ حدیث ہے جو اوپر گزری۔

یوم عرفہ کے روزے کی کراہت بعض اہل علم سے آئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اس دن روزہ نہیں رکھا تھا کیونکہ اہل موقف کے لیے وہ بھی یوم عید (اجتماع کا دن) ہے اور اس کی تائید اس حدیث عقبہ بن عامرؓ سے ہوتی ہے۔ اور اس کی تائید ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور مؤخر الذکر دونوں حضرات نے اسے صحیح کہا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں یوم عرفہ کے روزے سے منع فرمایا تھا۔ حافظ نے اس حدیث کو نقل کر کے کہا ہے کہ بعض سلف نے اس حدیث کے ظاہر کو لیا ہے۔ یحییٰ بن سعید انصاری سے منقول ہے کہ حاجیوں کے لیے یوم عرفہ کو افطار واجب ہے۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ جمہور کے نزدیک اس دن کا روزہ مستحب ہے اگرچہ حاجی ہو۔ ہاں جسے ضعف کے باعث عرفہ کے وقوف میں تکلیف ہو اس کے لیے مستحب نہیں کیونکہ یہ روزہ وقوف اور دعا میں مخل ہوگا۔ مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث روایت کی ہے کہ: یوم عرفہ کا روزہ بفضل خدا ایک سال قبل اور ایک سال بعد کا کفارہ ہے۔ عقبہؓ کی حدیث میں یوم عرفہ کے روزے سے صراحۃً نہی نہیں ہے کیونکہ اس کا عید (اجتماع) ہونا اہل عرفات سے مختص ہے اور روزہ کے منافی نہیں۔ اور بظاہر ایام اکل وشرب ہونا یوم النحر اور ایام تشریق کی طرف راجع ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ حدیثِ ابی قتادہؓ مطلقاً یوم عرفہ کے روزے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔ عقبہ بن عامرؓ کی حدیث اس دن کے روزے کو مکروہ ٹھہراتی ہے اور حدیثِ ابی ہریرہؓ کا ظاہر یہ ہے کہ میدانِ عرفات میں روزہ جائز نہیں۔ پس ان کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ اس دن کا روزہ ہر ایک کے لیے مستحب ہے۔ حاجی کیلئے عرفات میں مکروہ ہے کیونکہ اس سے ضعف پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

بَابُ النَّهْيِ أَنْ يُخَصَّ يَوْمُ الْجُمُعَةِ بِصَوْمٍ

یوم الجمعہ کے روزے کے لیے تخصیص کی نہی کا باب۔

۲۴۲۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَصُمْ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا أَنْ يَصُومَ قَبْلَهُ بِيَوْمٍ أَوْ بَعْدَهُ۔

ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی جمعہ کا روزہ نہ رکھے مگر اس صورت میں ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھے (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی)

شرح: حافظ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے صرف یوم جمعہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت پر استدلال کیا گیا ہے۔ یہی مسلک احمد، ابن المنذر اور شافعی کا ہے اور ابو جعفر طبری نے کہا کہ عید اور جمعہ میں یہ فرق ہے کہ عید کے روزے کی تحریم پر اجماع ہے گو اس سے پہلے یا بعد میں روزہ رکھا بھی جائے بخلاف یوم جمعہ کے، اس پر اجماع ہے کہ اس سے قبل یا بعد میں روزہ رکھنے والے کے لیے اس کا جواز ہے۔ ابن المنذر اور ابن حزم نے اس کے صوم کی ممانعت علی رضؓ، ابوہریرہ رضؓ، سلمان رضؓ اور ابو ذر رضؓ سے نقل کی ہے۔ ابن حزم نے کہا کہ ہمیں صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف معلوم نہیں۔ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ نہی تنزیہ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں۔ مالک اور ابو حنیفہ سے عدم کراہت منقول ہے۔ مالک نے کہا کہ میں نے کسی لائق اقتدار آدمی کو اس سے منع کرتے نہیں سُنا۔ اور حنفیہ نے ابن مسعود رضؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ سے تین روزے رکھتے تھے اور جمعہ کے دن کم ہی افطار کرتے تھے۔ الدر المختار میں ہے کہ جمعہ کے دن کا روزہ مندوب ہے گو منفرد ہو۔ شامی نے اسے البحر سے نقل کیا ہے اور البحر میں ہے کہ جمعہ کا منفرد روزہ عامۃ المشائخ کے نزدیک سوموار اور خمیس کی مانند مستحب ہے؛ اور بعض نے ان سب کو مکروہ کہا ہے۔ ابو یوسف نے حدیث نہی کی بناء پر کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ اسے ایک دن قبل یا بعد سے ملایا جائے۔ طحاوی نے اسے مکروہ لکھا ہے۔

بَابُ النَّهْيِ أَنْ يُخَصَّ يَوْمُ السَّبْتِ بِصَوْمٍ

یوم السبت کو روزے کے ساتھ مخصوص کرنے کی نہی کا باب

۲۴۲۱۔ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ نَا سُفْيَانُ بْنُ حَبِيبٍ ح وَحَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ قُبَيْسٍ مِنْ أَهْلِ جَبَلَةَ نَا الْوَلِيدُ جَمِيعًا عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ السُّلَمِيِّ عَنْ أُخْتِهِ وَقَالَ يَزِيْدُ الصَّمَّاءُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصُوْمُوْا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيْمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ وَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبٍ أَوْ عُوْدَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضَغْهُ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مَنْسُوْخٌ۔

صمّاء بنت بُسرؓ مازنیہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم السبت کا روزہ مت رکھو مگر جو فرض ہو اور اگر تم میں سے کوئی انگور کے چھلکے یا درخت کی لکڑی کے سوا کچھ نہ پائے تو اسی کو چبا لے (یعنی چبا کر نگل لے) ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی) ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا اور اس کی علت یہ بتائی کہ یہ یہود کا تعظیمی دن ہے لہذا منفرداً اس کا روزہ مکروہ ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن بُسر نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور صمّاءؓ نے اسے حضورؐ کی زوجۂ مکرّمہ عائشہؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔ نسائی نے ان احادیث کو مضطرب قرار دیا ہے)

شرح: عثمان بن ابی شیبہ نے اس حدیث کے راوی سفیان بن حبیب کے متعلق کہا ہے کہ اس کی کچھ منکر احادیث بھی ہیں۔ شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن حبان، حاکم، طبرانی، بیہقی نے روایت کیا اور ابن السکن نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد نے سُنن میں کہا ہے کہ بقولِ مالک یہ حدیث کذب ہے۔ اسے مضطرب بھی کہا گیا ہے مگر عبداللہ بن بسر خود صحابی ہے لہذا وہ بطورِ مرسل صحابہ اسے براہِ راست بھی روایت کر سکتا ہے، اسی طرح صمّاءؓ بھی صحابیہ ہے، وہ کبھی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہے اور کبھی براہِ راست حضورؐ سے۔ لیکن حافظ نے کہا ہے کہ ایک ہی روایت میں جبکہ اس کا مخرج ایک ہو یہ تلوّن وہم پیدا کرتا ہے۔ ابوداؤد نے اسے شاید اس بناء پر منسوخ کہا ہے کہ اہلِ کتاب کی مخالفت مطلوبِ شرع ہے۔ دیگر احادیث میں یوم السبت کے علاوہ یوم الاحد کا روزہ بھی منقول ہے اور اس میں یہ علت ہے کہ یہ دو دن مشرکوں (شاید یہود و نصاریٰ؟) کی عید کے دن ہیں لہذا حضورؐ ان میں روزہ رکھتے تھے (نسائی، بیہقی، ابن حبان، حاکم، اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ مہینے کے شروع میں ہفتہ، اتوار اور سوموار کا روزہ رکھتے تھے اور آخر میں منگل بدھ اور جمعرات کا۔ البدر المنیر میں ہے کہ ان احادیث میں جہاں نہی ہے وہ افرادِ صوم کی طرف متوجہ ہے اور جہاں صوم کا ذکر ہے وہاں دوسرے دنوں کے ساتھ ملا کر آیا ہے جیسا کہ یوم الجمعہ کے ساتھ اگر سبت کا روزہ ملا لیں تو جائز ہے۔ حنفیہ نے یہود کے تشبہ کے باعث سبت کے منفرد روزے کو مکروہ کہا ہے۔

بَابُ ۵۲ الرُّخْصَةِ فِيْ ذٰلِكَ

اس میں رخصت کا باب

۲۴۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ أَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ ح وَحَدَّثَنَا حَفْصُ

ابْنُ عُمَرَ نَا هَمَّامٌ ثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ حَفْصٌ الْعَتَكِيُّ عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهِيَ صَائِمَةٌ فَقَالَ أَصُمْتِ أَمْسِ قَالَتْ لَا قَالَ تُرِيدِينَ أَنْ تَصُومِي غَدًا قَالَتْ لَا قَالَ فَأَفْطِرِي۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں جمعہ کے دن تشریف لائے اور وہ روزہ دار تھیں، حضورؐ نے فرمایا: کیا تو نے کل روزہ رکھا تھا، اس نے کہا نہیں، فرمایا کیا تیرا کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: پھر افطار کرے (بخاری، نسائی اور مسلم نے اسے ابوہریرہؓ سے اسی مضمون کے ساتھ ملتے جلتے مضمون سے روایت کیا ہے اور وہ حدیث نسائی میں بھی ہے) یہ حدیث اس باب میں نہیں بلکہ صوم یوم الجمعہ میں ہونی چاہیے تھی شاید کاتبوں نے غلطی سے یہاں درج کی ہو۔

۲۴۲۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ اللَّيْثَ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ كَانَ إِذَا ذُكِرَ لَهُ أَنَّهُ نُهِيَ عَنْ صِيَامِ يَوْمِ السَّبْتِ يَقُولُ ابْنُ شِهَابٍ هٰذَا حَدِيثٌ حِمْصِيٌّ۔

ابن وہب نے لیث کو ابن شہاب سے ذکر کرتے ہوئے سُنا کہ جب ان کے سامنے یوم السبت کے روزے کی نہی کی حدیث بیان ہوتی تو وہ کہتے: یہ حمصی حدیث ہے (یعنی ضعیف ہے۔ مالک نے اسے کذب کہا، ترمذی نے حدیث حسن کہا، بعض نے منسوخ کہا اور بعض نے ضعیف کہا۔ فتح الودود میں ہے کہ اس حدیث کا معنیٰ واضح نہ ہونے کے باعث اسے حمصی یعنی ضعیف کہا گیا ہے)

۲۴۲۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ بْنِ سُفْيَانَ نَا الْوَلِيدُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ مَا زِلْتُ لَهُ كَاتِمًا حَتَّى رَأَيْتُهُ انْتَشَرَ يَعْنِي حَدِيثَ ابْنِ بُسْرٍ هٰذَا فِي صَوْمِ يَوْمِ السَّبْتِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ هٰذَا كَذِبٌ۔

اوزاعی نے کہا کہ میں برابر اسے چھپائے رہا حتی کہ میں نے دیکھا یہ پھیل ہی گئی یعنی یوم السبت کے متعلق ابن بسرؓ کی یہ حدیث۔ ابوداؤد نے کہا کہ مالک نے اسے کذب کہا ہے (پس ان دلائل سے یوم السبت کے روزے کی رخصت ثابت ہوگئی جو اس باب کے عنوان سے ابوداؤد کا مقصد ہے)

بَابٌ فِي صَوْمِ الدَّهْرِ تَطَوُّعًا

بطورِ نفل صوم الدہر کا باب

۲۴۲۵ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَمُسَدَّدٌ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَعْبَدٍ الزِّمَّانِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ تَصُومُ فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهِ فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ عُمَرُ قَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَدِّدُهَا حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ الدَّهْرَ كُلَّهُ قَالَ لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ قَالَ مُسَدَّدٌ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ أَوْ مَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ شَكَّ غَيْلَانُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ أَوَيُطِيقُ ذٰلِكَ أَحَدٌ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ فَكَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ ذٰلِكَ صَوْمُ دَاوُدَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ فَكَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُ أَنِّي طُوِّقْتُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَصِيَامُ عَرَفَةَ أَنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَصَوْمُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ أَنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا یا رسول اللہ آپ روزہ کیونکر رکھتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی بات پہ ناراض ہوئے۔ پس جب عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو کہا: ہم اللہ پر راضی ہوئے کہ وہ ہمارا رب ہے اور اسلام پر بحیثیت دین راضی ہوئے اور محمدؐ پر بحیثیت نبی راضی ہوئے۔ ہم اللہ کی ناراضگی سے اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ اس قول کو برابر دہراتے رہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ پس عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ جو شخص ہمیشہ روزہ رکھے وہ کیسا ہے؟

حضورؐ نے فرمایا: نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ غیلان راوی کو شک ہے کہ مسدد نے: لَمْ یَصُمْ وَ لَمْ یُفْطِرْ کہا تھا یا: مَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ کا لفظ بولا تھا۔ عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ جو شخص دو دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے وہ کیسا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: کیا کوئی ایسا کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ جو شخص ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے وہ کیسا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا یہ داؤدؑ کا روزہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ جو شخص ایک دن روزہ رکھے اور دو دن افطار کرے وہ کیسا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: مجھے پسند ہے کہ مجھے اس کی طاقت ملتی۔ پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ماہ کے تین روزے اور رمضان سے پھر رمضان تک، بس یہ ہمیشہ کا روزہ ہے اور عرفہ کا روزہ میرے خیال میں بفضل خدا ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کا کفارہ ہو جاتا ہے اور یوم عاشوراء کے متعلق میرا خیال ہے کہ بفضل خدا اس سے پہلے سال کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

شرح: سائل کے سوال کا طریقہ غلط تھا۔ اسے یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ یا رسول اللہ میں نفلی روزہ کیونکر رکھا کروں؟ یا یہ کہ میں اس طرح یا اس قدر روزے رکھتا ہوں ان کے متعلق ارشاد فرمائیے۔ اپنے روزہ کے بارے میں حضورؐ کا ارشاد معلوم ہی ہے کہ: اَیُّکُمْ مِثْلِیْ، جس سے لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ صوم وصال رکھنا حضورؐ کی خصوصیت ہے۔ پس آپؐ نے اس کے سوال کا جواب نہ دیا مبادا وہ صوم وصال رکھنے لگے، یا آپؐ کے صوم کی کثرت کا اتباع کرے اور پھر پریشان و ملول ہو اور اس کا حق ادا نہ کر سکے۔ خطابی نے کہا ہے کہ حضورؐ بعض دفعہ اس خیال سے نوافل ترک کر دیتے تھے کہ امت پر فرض نہ ہو جائیں اور لوگ ان کا حق ادا نہ کر سکیں جیسا کہ قیام رمضان کو اسی خیال سے با جماعت ترک فرما دیا تھا اور یہ جو فرمایا کہ صوم الدہر والے نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا، یہ بطور زجر و توبیخ تھا۔ کیونکہ فرائض شرع میں لوگوں کی مشقت نہیں بلکہ آسانی ملحوظ ہے۔ ویسے بھی جو شخص ہمیشہ روزے کا عادی ہو جائے وہ روزہ بطور عادت رکھے گا اور روزے میں دراصل پابندی ملحوظ ہے کہ وقت پر رکھو اور وقت پر افطار کرو، روزہ بھی رکھو اور کبھی نہ بھی رکھو۔ عبادت میں لذت نفس یا محض عادت مطلوب نہیں بلکہ خلوص و تقویٰ مطلوب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صوم الدھر کی ممانعت اس لیے کی گئی کہ مبادا یہ شخص ممنوع ایام میں۔ مثلاً عیدین اور ایام تشریق۔ روزہ رکھنے لگے۔ بعض دفعہ کسی شرعی مصلحت سے روزہ نہ رکھنا افضل ہوتا ہے بلکہ میدان قتال میں ایسا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور صوم الدھر والا ان مناہی کو ملحوظ نہ رکھے گا تو الٹا گنہگار ہو گا۔ اگر شرعی پابندیوں کو ملحوظ رکھ کر کوئی صوم الدہر رکھے تو بقول خطابی وہ گنہگار نہ ہو گا۔ بعض لوگ جسم و جان کے بہت قوی ہوتے ہیں مثلاً ابوطلحہ انصاریؓ سفر و حضر میں روزہ رکھتے تھے مگر حضورؐ نے منع نہیں فرمایا وہ بآسانی اسے نبھا سکتے تھے۔ عبداللہ بن عمرو بڑھاپے میں کہا کرتے تھے کہ کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی رخصت پر قانع ہو جاتا اور اب اس بڑی عمر میں تکلیف نہ ہوتی۔ اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ: کاش میں ایسا کر سکتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ زوجات مکرمات کے حقوق کی ادائیگی بھی لازم تھی جس کے باعث ایسا نہ کر سکتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ جسمانی طور پر آپؐ میں ایسا کرنے کی قوت نہ تھی۔

مولانا نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصالح امت کی خاطر عموماً روزہ میں مبالغہ نہیں فرماتے تھے اور آپؐ کا روزہ ایک ہی طرح کا نہ ہوتا تھا بلکہ اختلاف احوال سے مختلف ہوتا تھا کبھی کم، کبھی زیادہ۔ اور سائل کے

جواب میں یہ مختلف احوال مدنظر نہیں رکھے جا سکتے تھے اس لیے اس کے غلط طریقۂ سوال سے آپ ناراض ہوئے بعض دفعہ لوگوں نے آپ کی نفل عبادت کو کم بھی خیال کیا تھا اور آپؐ نے ان کے اس خیال کی اصلاح فرمائی تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یوم عرفہ کا روزہ دراصل ممنوع نہیں بلکہ افضل ہے۔ نہی اگر ہوئی تو تنزیہ کے خیال سے۔

۲۴۲۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا مَهْدِيٌّ نَا غَيْلَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْبَدٍ الزِّمَّانِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ زَادَ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ صَوْمَ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمِ الْخَمِيسِ قَالَ فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ الْقُرْاٰنُ۔

وہی حدیث دوسری سند کے ساتھ ابو قتادہؓ سے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ جناب عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ سوموار اور خمیس کے روزے کے بارے میں فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی میں مجھ پر قرآن اترا تھا (مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ)

شرح: مسلم نے اس حدیث کی جو روایت شعبہ سے کی ہے اس میں شعبہ نے خمیس کے ذکر کو وہم بتایا ہے اور اپنی روایت میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ سوال کا منشا یہ ہو کہ حضورؐ ان دو دنوں میں زیادہ روزہ کیوں رکھتے ہیں۔ تو حضورؐ نے اس کا یہ سبب بیان فرمایا ہو کہ میری ولادت اور نزول قرآن بروز سوم ہوا تھا لہٰذا ان انعامات کے شکریے میں حضورؐ خود روزہ رکھتے تھے، یا ترغیباً یہ فرمایا ہو کہ ان دنوں میں روزہ رکھا جائے۔ یاد رہے کہ کسی دن کا بطور عبادت تقرر و تعین صرف خدا اور رسول کی طرف سے ہو سکتا ہے اور کسی کا یہ کام نہیں۔ ورنہ ہفتہ بھر کے سات دنوں میں کوئی نہ کوئی عظیم واقعہ تاریخ اسلام میں ضرور ہوا ہے۔

۲۴۲۷۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَقِيَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَمْ أُحَدَّثْ أَنَّكَ تَقُولُ لَأَقُومَنَّ اللَّيْلَ وَلَأَصُومَنَّ النَّهَارَ قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ قُلْتُ ذَاكَ قَالَ قُمْ وَنَمْ وَصُمْ وَأَفْطِرْ وَصُمْ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ وَذَاكَ مِثْلُ صِيَامِ الدَّهْرِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ صُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمَيْنِ قَالَ فَقُلْتُ إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا وَهُوَ أَعْدَلُ الصِّيَامِ وَهُوَ صِيَامُ دَاوُدَ قُلْتُ إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ ۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے تو فرمایا: کیا مجھے بتایا نہیں گیا کہ تم کہتے ہو کہ میں رات بھر نماز پڑھوں گا اور دن کو روزہ رکھوں گا؟ راوی حدیث نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ عبداللہؓ نے کہا: ہاں یارسول اللہ میں نے یہ کہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: نماز بھی پڑھ اور سو بھی جا اور روزہ بھی رکھ اور نہ بھی رکھ۔ اور ہر ماہ میں تین دن کا روزہ رکھ لیا کرو اور یہ صیام الدہر کی مانند ہے۔ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ میں نے کہا یارسول اللہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ فرمایا پھر ایک دن روزہ رکھ اور دو دن افطار کر۔ عبداللہؓ نے کہا کہ یارسول اللہ مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: پھر ایک دن روزہ رکھ اور ایک دن افطار کر اور یہ سب سے متوازن (افضل) روزہ ہے اور یہ داؤد کا روزہ ہے۔ میں نے کہا کہ مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے افضل کوئی روزہ نہیں (بخاری، مسلم، نسائی) اس روزے کی پابندی بڑی مشکل ہے کیونکہ اس صورت میں نہ روزے کی عادت ہوتی ہے نہ افطار کی۔ لہذا اس میں صعوبت ہوتی ہے اور یہ نفس پر شاق گزرتا ہے۔

بَابٌ ۵۴ فِي صَوْمِ أَشْهُرِ الْحُرُمِ

باحرمت مہینوں کے روزے کا باب

۲۴۲۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ سَعِيدٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي السَّلِيلِ عَنْ مُجِيبَةَ الْبَاهِلِيَّةِ عَنْ أَبِيهَا أَوْ عَمِّهَا أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَأَتَاهُ بَعْدَ سَنَةٍ وَقَدْ تَغَيَّرَتْ حَالُهُ وَهَيْأَتُهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَمَا تَعْرِفُنِي قَالَ وَمَنْ أَنْتَ قَالَ أَنَا الْبَاهِلِيُّ الَّذِي جِئْتُكَ عَامَ الْأَوَّلِ قَالَ فَمَا غَيَّرَكَ وَقَدْ كُنْتَ حَسَنَ الْهَيْأَةِ قُلْتُ مَا أَكَلْتُ طَعَامًا مُنْذُ فَارَقْتُكَ إِلَّا بِلَيْلٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَ عَذَّبْتَ نَفْسَكَ ثُمَّ قَالَ صُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ وَيَوْمًا مِنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَ زِدْنِي فَإِنَّ بِي قُوَّةً قَالَ صُمْ يَوْمَيْنِ قَالَ زِدْنِي قَالَ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قَالَ زِدْنِي قَالَ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ وَقَالَ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثَةِ فَضَمَّهَا ثُمَّ أَرْسَلَهَا

مجیبہ باہلیہ نے اپنے باپ یا چچا سے روایت کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ پھر چلا گیا اور ایک سال کے بعد آیا جبکہ اس کی حالت اور ہیئت بدل چکی تھی۔ پس اس نے کہا یا رسول اللہ کیا آپؐ مجھے نہیں پہچانتے؟ حضورؐ نے فرمایا: اور تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں وہ باہلی ہوں جو پچھلے سال آپ کے پاس آیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تُو تو اچھی ہیئت میں تھا، تجھے کس چیز نے بدل ڈالا؟ میں نے کہا کہ میں جب سے آپؐ سے جدا ہوا ہوں صرف رات کو کھانا کھاتا رہا ہوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تونے اپنی جان کو کیوں عذاب دیا؟ پھر فرمایا کہ صبر کا روزہ رکھ اور ہر ماہ سے ایک دن کا۔ اس نے کہا: کچھ زیادہ فرمائیے کیونکہ مجھ میں قوت ہے۔ فرمایا دو روزے رکھ لیا کر۔ اس نے کہا: زیادہ فرمائیے کیونکہ مجھ میں قوت ہے، فرمایا تین دن کا روزہ رکھ لیا کر۔ اس نے کہا: زیادہ فرمائیے: فرمایا: باحرمت مہینے سے روزہ رکھ اور پھر چھوڑ دے۔ باحرمت مہینے سے روزہ رکھ اور پھر چھوڑ دے، باحرمت مہینے سے روزہ رکھ اور پھر چھوڑ دے، اور آپ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ آپ نے انہیں ملایا پھر چھوڑ دیا (نسائی اور ابن ماجہ۔ نسائی میں مجیبہ باہلی (بصیغۂ مذکر) کی روایت اپنے چچا سے ہے۔ ابن ماجہ میں ابو مجیبہ باہلی کی روایت اپنے باپ یا چچا سے ہے۔ ابوالقاسم بغوی نے معجم الصحابہ میں: مجیبۃ الباہلیہ قالت حدثنی ابی او عمی کہا ہے۔ مجیبہ کے باپ کا نام عبداللہ بن الحارث تھا۔ منذری)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ شہر الصبر ماہِ رمضان ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کا یہی نام وارد ہوا ہے۔ صبر کا اصلی معنی ہے باز رہنا، رُکنا، اس ماہ مبارک میں چونکہ بہت سی پابندیاں ہیں اور مُباحات سے بھی باز رہنے کا حکم لہذا یہ شہر الصبر ہوا۔ باحرمت مہینے قرآن میں چار آئے ہیں: مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (التوبہ ۳۶) یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ حضورؐ نے اس شخص کو بقول مولانا "ماہِ رمضان کے روزے کا حکم دیا۔ پھر اشہر حُرم میں سے ہر تین روزے رکھ کر تین دن کے افطار کا حکم دیا حتیٰ کہ وہ مہینے ختم ہو جائیں۔ پس رمضان کے علاوہ یہ پورے دو ماہ کا روزہ ہوگیا کیونکہ اشہر حُرم چار ہیں۔ باقی تین ماہ رہ گئے تو ان میں سے ہر مہینے میں تین ماہ رہ گئے تو ان میں سے ہر مہینے میں تین دن کے روزے کا حکم دیا۔ اس طرح رمضان تو خیر فرض ہی ہے۔ اس کے نفلی روزے ۶۰+۲۱ = ۸۱ ہوتے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ آپؐ نے اُسے چار اشہر حرام میں سے ہر ایک میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا اور پھر ہر ماہ کے تین روزے چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ اس صورت میں اس کے نفلی روزے صرف ساٹھ ہوئے۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں مروی ہے مگر باحُرمت مہینوں کے صیام کی تفصیل وہاں نہیں آئی۔ مسند احمد میں یہی حدیث ایک اور سند سے وارد ہوئی ہے جس میں ماہِ رمضان کے علاوہ پورے گیارہ میں تین تین روزوں کا حکم آیا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۵۵ فِي صَوْمِ الْمُحَرَّمِ

محرم کے روزے کا باب

۲۴۲۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَاِنَّ اَفْضَلَ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَۃِ صَلٰوۃٌ مِنَ اللَّیْلِ لَمْ یَقُلْ قُتَیْبَۃُ شَهْرٌ قَالَ رَمَضَانَ۔

ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ماہِ رمضان کے بعد افضل روزہ اللہ کے مہینے محرّم کا روزہ ہے۔ اور فرض نماز کے بعد افضل نماز تہجد کی ہے۔ قتیبہ راوی نے صرف رمضان کا ذکر کیا، ماہ کا لفظ نہیں بولا۔ (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی)

شرح: محرّم کو ازراہِ تشریف شہر اللہ فرمایا ہے کیونکہ اس کی حُرمت من جانب اللہ ہے۔ یا ایک قول کے مطابق یوم عاشوراء کے باعث ترمذی کی روایت جو علی رضؓ سے مرفوعاً آئی ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ شہر اللہ سے مراد پورا مہینہ ہے یعنی پورے ماہ کا روزہ۔ یوم عاشوراء کی افضلیت (روزہ کے باب میں) حدیث میں صراحتہً آئی ہے اور یوم عرفہ کا بہت زیادہ ثواب ثابت ہے مگر افضلیت کی صراحت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یوم عاشوراء کا روزہ متفق علیہ ہے اور یوم عرفہ میں مختلف احادیث کے باعث روزہ کے لحاظ سے اختلاف وارد ہے۔ آپؐ نے خود اس میں روزہ نہیں رکھا تھا جیسا کہ صحاح کی روایت میں امّ الفضل رضؓ بنت الحارث سے ثابت ہے۔ یہی سبب ہے کہ حاجیوں کے لیے روزہ نہ رکھنا اور غیر حاجی کے لیے روزہ مستحب کہا گیا ہے۔ نماز کے بارے میں جو فضیلت فرمائی ہے کہ تہجد سب سے افضل ہے اس کا تعلق نوافل سے ہے۔ سُنن فرائض ہی کے ساتھ ملحق ہیں لہذا وہ اس سے خارج ہیں۔ علاوہ ازیں فجر کی دو رکعات اور وتر کی نماز بھی اس حساب سے باہر ہے۔

بَابٌ فِیْ صَوْمِ رَجَبَ

رجب کا روزہ

۲۴۳۰۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مُوْسٰی اَنَا عِیْسٰی نَا عُثْمَانُ یَعْنِی ابْنَ حَکِیْمٍ قَالَ سَاَلْتُ سَعِیْدَ بْنَ جُبَیْرٍ عَنْ صِیَامِ رَجَبَ فَقَالَ اَخْبَرَنِی ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یُفْطِرُ وَیُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَا یَصُوْمُ۔

ابن عباس رضؓ نے سعید بن جبیر کو بتایا کہ رجب کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے حتی کہ ہم کہتے کہ افطار نہ کریں گے اور فرماتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے اب روزہ نہ رکھیں گے (بخاری، مسلم، ابن ماجہ، نسائی، ترمذی)

شرح: اس حدیث کا تعلق بظاہر عنوان باب سے کوئی نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ ابن عباس کی مراد یہ ہو کہ اس روزے سے مراد ماہِ رجب کا روزہ ہے سعید بن جبیر نے شاید اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ماہِ رجب میں کوئی خاص روزہ منقول نہیں بلکہ عام مہینوں کی مانند اس میں بھی حضورؐ بلا تعیین روزہ رکھتے تھے۔ ہاں رجب چونکہ باحرمت مہینہ ہے، مہینوں کے روزے کی فضیلت وارد ہے لہذا رجب کا روزہ بھی فضیلت رکھتا ہے۔

بَابٌ فِي صَوْمِ شَعْبَانَ

شعبان کا روزہ

۲۴۳۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ سَمِعَ عَائِشَةَ تَقُولُ كَانَ أَحَبَّ الشُّهُورِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَصُومَهُ شَعْبَانُ ثُمَّ يَصِلُهُ بِرَمَضَانَ۔

عبداللہ بن ابی قیس نے حضرت عائشہ کو فرماتے سُنا کہ روزہ رکھنے کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ترین مہینہ شعبان تھا، پھر آپؐ اسے رمضان کے قریب تک لے جاتے تھے (النسائی)

شرح: اس مضمون میں اولیٰ تر قول وہی ہے جو ایک صحیح حدیث میں آچکا کہ (النسائی، ابوداؤد، ابن خزیمہ) اسامہؓ بن زید نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شعبان کے صوم کی کثرت کا باعث پوچھا تو جواب ارشاد ہوا کہ: اس مہینے سے لوگ غافل ہیں، یہ رجب اور رمضان کے درمیان واقع ہے اور اس میں اعمال رب العالمین کی طرف اٹھائے جاتے ہیں پس میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال بحیثیت صائم اٹھائے جائیں شعبان اور رمضان میں فصل کرنے کے احکام پیچھے احادیث میں گزر چکے ہیں اور اسی لیے یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے، پس شعبان کو رمضان کے ساتھ روزے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اواخر میں زیادہ روزہ رکھتے تھے۔ زین بن المنیر نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ کا یہ قول مبالغے پر مبنی ہے اور اس سے مراد صیام کی کثرت ہے۔

صوم شوال کا باب۔

بذل المجہود کے نسخے میں اس باب کا عنوان حاشیے پہ درج ہے۔ دوسرے نسخوں میں محشی سمیت متن میں آیا ہے لہٰذا ہم نے اسے متن میں رکھا۔

۲۴۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعِجْلِيُّ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ مُوسٰى عَنْ هَارُونَ بْنِ سَلْمَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مُسْلِمٍ الْقُرَشِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ أَوْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ فَقَالَ

إِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا صُمْ رَمَضَانَ وَالَّذِي يَلِيهِ وَكُلَّ أَرْبِعَاءَ وَخَمِيسٍ فَإِذًا أَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ۔

عبداللہ بن مسلم قرشی نے اپنے باپ سے روایت کی کہ اس نے کہا: میں نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صیام الدہر کا سوال کیا گیا تو فرمایا: تیرے اہل کا تجھ پر حق ہے۔ رمضان کا روزہ رکھ اور اس کے بعد آنے والے مہینے کا اور ہر بدھ اور خمیس کا، تب گویا تو نے ہمیشہ کا روزہ رکھ لیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ زید العکلی نے ہارون کی موافقت کی اور ابونعیم نے مخالفت کی اور کہا مسلم بن عبید اللہ۔ (ترمذی نے روایت کر کے اسے حدیث غریب کہا)

شرح: عبید اللہ بن مسلم کے باپ صحابی کا نام مسلم بن عبید اللہ، عبید اللہ بن مسلم، مسلم بن مسلم بیان ہوا ہے۔ شاید صحیح نام مسلم بن عبید اللہ ہے۔ حضورؐ نے حمزہ رضہ بن عمرو اسلمی کو اس کی قوت کے باعث صوم الدہر کی اجازت دی تھی مگر اس صحابی کو نہیں دی۔ اس حدیث سے پورے شوال کا روزہ ثابت ہوا مگر ابوایوب رضہ کی حدیث میں شوال کے چھ روزوں کا ذکر ہے۔

بَابٌ فِي صَوْمِ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ

شوال کے چھ روزوں کا باب

۲۴۳۳۔ حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَسَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ بِسِتٍّ مِنْ شَوَّالٍ فَكَأَنَّمَا صَامَ الدَّهْرَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ابوایوب رضہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے رمضان کا روزہ رکھا، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے ہمیشہ روزہ رکھا (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)

شرح: منذری نے کہا کہ ہر نیکی کا اجر دس گنا (کم از کم ہوتا ہے) اس حساب سے رمضان۔ شوال کے چھ روزے۔ ۳۶ کے برابر ہو گئے پس گویا اس نے پورے سال کا روزہ رکھ لیا۔ اور یہ تفسیر بعینہٖ ثوبان رضہ کی حدیث میں مرفوعاً آگئی ہے اور نسائیؒ نے اسے روایت کیا ہے۔ نوویؒ نے بڑے زور شور کے ساتھ اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب شافعیہ، احمد اور داؤد کا مذہب اس باب میں اس حدیث صریح و صحیح کے عین مطابق ہے جبکہ مالک اور ابوحنیفہ نے اس شوال کے روزے کی کراہت بتائی ہے، مالک کا قول مؤطا میں ہے کہ میں نے اہل علم میں سے

کسی کو شوال کے چھ روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ شاید انہوں نے یہ سوال اس لیے کہا کہ مبادا کو دا کوئی انہیں واجب جان لے۔ اور یوم عرفہ و عاشوراء وغیرہما کے روزے کی فضیلت سے یہ حساب ٹوٹ جاتا ہے۔ نووی رح نے کہا ہے کہ شوال کے چھ روزے عید الفطر سے متصل متواتر رکھنے افضل ہیں۔ مولانا رح نے فرمایا کہ اس باب میں حنفیہ کا مذہب نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ مستحب روزے یہ ہیں: ہر ماہ کے تین روزے جو بہتر ہے کہ ایام بیض ہوں (یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) سوموار کا روزہ، خمیس کا روزہ اور ماہ شوال کے روزے جو حدیث میں وارد ہیں۔ اور بہتر ہے کہ انہیں عید الفطر کے بعد متواتر رکھا جائے۔ امام حنیفہ رح سے جو کراہت کی روایت ہے وہ متاخرین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

بَابُ ۵۹ كَيْفَ كَانَ يَصُومُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کی کیفیت کیا تھی۔

۲۴۳۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ حَتّٰى نَقُولَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُولَ لَا يَصُومُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِي شَعْبَانَ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ رض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ آپ رکھتے ہی جائیں گے، اور کبھی افطار کرتے تو ہم کہتے کہ آپ اب روزہ نہ رکھیں گے۔ اور میں نے آپ کو رمضان کے علاوہ کسی پورے ماہ کا روزہ رکھتے نہیں دیکھا، اور اس کے بعد شعبان سے زیادہ میں نے آپ کو کسی ماہ میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا (بخاری، مسلم، نسائی) اس حدیث سے پتہ چلا کہ شعبان کو رمضان سے ملانے کا مطلب اس میں اکثر روزہ رکھنا ہے۔

۲۴۳۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ زَادَ كَانَ يَصُومُهُ إِلَّا قَلِيلًا بَلْ كَانَ يَصُومُهُ كُلَّهُ۔

ابوہریرہ رضہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی معنی کی حدیث روایت کی ہے، اس میں یہ لفظ زاید ہیں کہ آپ شعبان کے اکثر مہینے بلکہ پورے کا روزہ رکھتے تھے (یہ اضافہ بخاری، مسلم میں بھی مروی ہے۔ مولانا رح نے فرمایا کہ ابوسلمہ عن ابی ہریرہ رضہ کی روایت سے یہ اضافہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔ بلکہ ابوسلمہ کے علاوہ کسی اور نے بھی اسے ابوہریرہ رضہ سے روایت نہیں کیا۔ ہاں ترمذی نے حدیث عائشہ رضہ کی تخریج کے بعد کہا ہے کہ اس باب میں انس رضہ اور ابن عباس رضہ سے بھی روایت ہے۔ ابن عباس رضہ کی روایت سنن ابی داؤد میں مختصراً نمبر ۲۴۳۳ پر بھی گذری ہے۔

بَابٌ فِیْ صَوْمِ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ

سوموار اور خمیس کے روزے کا باب۔

۲۴۳۶۔ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمٰعِیْلَ نَا اَبَانُ نَا یَحْیٰی عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِی الْحَکَمِ ابْنِ ثَوْبَانَ عَنْ مَوْلٰی قُدَامَةَ بْنِ مَظْعُوْنٍ عَنْ مَوْلٰی اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ اَنَّهٗ انْطَلَقَ مَعَ اُسَامَةَ اِلٰی وَادِی الْقُرٰی فِیْ طَلَبِ مَالٍ لَهٗ فَکَانَ یَصُوْمُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ فَقَالَ لَهٗ مَوْلَاهُ لِمَ تَصُوْمُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ وَاَنْتَ شَیْخٌ کَبِیْرٌ فَقَالَ اِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَصُوْمُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ وَسُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ اَعْمَالَ الْعِبَادِ تُعْرَضُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ کَذَا قَالَ هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِیُّ عَنْ یَحْیٰی عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَکَمِ۔

مولائے اسامہ رضہ بن زید کا بیان ہے کہ وہ اسامہ رضہ کے ساتھ وادی القریٰ تک ان کے کسی مال کی طلب میں گیا۔ اسامہ رضہ سوموار اور خمیس کا روزہ رکھتے تھے، ان کے غلام نے ان سے کہا کہ آپ سوموار اور خمیس کا روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ حالانکہ آپ بہت بوڑھے بزرگ ہیں۔ پس اسامہ رضہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوموار اور خمیس کا روزہ رکھتے تھے اور آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بندوں کے اعمال سوموار اور خمیس کو پیش کئے جاتے ہیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ ہشام دستوائی نے بھی اسی طرح کیا: عن یحیٰی عن عمر بن ابی الحکم (النسائی)، اور نسائی نے اسے ابوسعید کیسان المقبری سے روایت کیا ہے اور وہ حدیث بقول منذری حسن ہے۔ ترمذی نے حضرت عائشہ رضہ سے روایت کی اور ابن ماجہ نے بھی کہ حضور صلعم سوموار اور خمیس کے روزے کوشش سے رکھتے تھے۔ ترمذی نے اسے حدیث غریب کہا۔

شرح: اس حدیث کی سند میں کچھ گڑبڑ ہے جس کی طرف ابوداؤد نے بھی اشارہ کیا ہے۔ دارمی، مسند احمد اور

مسند ابی داؤد طیالسی میں عمر بن الحکم بن ثوبان آیا ہے۔ ابو داؤد نے ابو الحکم بن ثوبان کہا ہے حالانکہ ابو الحکم خود ثوبان ہے اس کا بیٹا نہیں۔ پھر مولائے اُسامہؓ بن زید کا اتہ پتہ بقول مولانا کتب رجال میں کہیں نہیں ملتا کہ اس کا نام و مقام کیا ہے۔ اعمال کے بحضور خداوندی پیش ہونے کا ذکر کسی حدیث میں روزانہ آتا ہے، اس حدیث میں ہفتہ کے دو دن میں ہے، بعض میں ماہ شعبان کا ذکر ہے۔ شاید پیشی میں اجمال و تفصیل کا فرق ہوتا ہو۔

بَابٌ ۶۱ فِي صَوْمِ الْعَشْرِ

عشرۂ ذی الحجہ کے روزے کا باب

۲۴۳۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْحُرِّ بْنِ الصَّبَّاحِ عَنْ هُنَيْدَةَ ابْنِ خَالِدٍ عَنِ امْرَأَتِهِ عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ تِسْعَ ذِي الْحِجَّةِ وَيَوْمَ عَاشُورَاءَ وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ أَوَّلَ اثْنَيْنِ مِنَ الشَّهْرِ وَالْخَمِيسَ۔

ہنیدہ ابن خالد نے اپنی بیوی سے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مکرمات سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ کے پہلے نو روزے، یوم عاشوراء کا روزہ، اور تین دن کے روزے ہر ماہ کے ابتدائی دنوں کے اور مہینے کے پہلے سوموار اور خمیس کا روزہ رکھتے تھے (نسائی)

شرح: منذری نے کہا ہے کہ اس سند میں ہنیدہ نے ابو داؤد کی روایت کے علاوہ ایک روایت میں: ہنیدہ عن حفصۃ ام المؤمنینؓ اور ایک روایت میں، ہنیدہ عن اُمّہٖ عن ام سلمہؓ زوج النبیؐ بھی روایت کی ہے۔ گویا بالفاظ دیگر اس سند کو مضطرب کہا جا سکتا ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں ہنیدہ اپنی بیوی سے روایت کرتا ہے جس کے متعلق حافظ نے کہا ہے کہ ہمیں اس کے نام کا پتہ نہیں۔ لیکن اس کی بیوی بھی صحابیہ تھی اور ماں بھی جو حضرت عمرؓ کے نکاح میں تھی اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث مضطرب نہیں، یعنی جس جس سند میں ہنیدہ کی روایت اپنی بیوی سے یا اپنی ماں سے ہے وہ سندیں اضطراب سے خارج ہیں کیونکہ صحابہؓ کا ابہام از روئے اصول مضر نہیں ہے۔ ابو داؤد کی سند میں جس زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے یہ حضرت ام سلمہؓ ہیں۔ اور جس سند میں ہنیدہ کی روایت ام المؤمنین حفصہؓ سے براہ راست ہے اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہو سکتا۔

۲۴۳۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا وَكِيعٌ نَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ وَمُجَاهِدٍ وَمُسْلِمٍ الْبَطِينِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ

الْأَيَّامِ يَعْنِي أَيَّامَ الْعَشْرِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دنوں سے زیادہ کسی دن کا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب نہیں ہے یعنی عشرۂ ذی الحجہ۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، مگر وہ شخص جو اپنی جان و مال لے کر گیا اور کچھ بھی واپس نہ لایا۔ (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ)

شرح: یعنی خود بھی راہ خدا میں قتل ہو کر وہیں رہ گیا اور اس کا مال بھی یعنی گھوڑا، وردی، ہتھیار وغیرہ۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امکنہ کی طرح زمانوں میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ اور اس سے عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت معلوم ہوئی۔ اور اس کا فائدہ اس طرح ان پر ہوگا کہ جو شخص افضل الایام کے روزے کی نذر کرے، یا کسی عمل کو افضل الایام کے ساتھ معلق کرے پس اگر اس نے ایک دن کا ذکر کیا ہو تو یوم عرفہ متعین ہو جائیگا کیونکہ صحیح یہی ہے کہ وہ عشرۂ ذی الحجہ میں سے افضل ترین دن ہے۔ اور اگر ہفتہ کے ساتھ دنوں میں سے افضل دن کا ارادہ کرے گا تو یوم الجمعہ متعین ہو جائے گا تاکہ اس حدیث کو اس حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع کیا جا سکے جس میں حضور کا ارشاد ہے کہ بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا ہے وہ جمعہ کا دن ہے (مسلم، داؤدی نے کہا کہ حضور کی مراد یہ نہیں ہے کہ یہ دس دن یوم جمعہ سے بھی افضل ہیں کیونکہ ان میں بھی جمعہ ضرور آئے گا جس سے کسی چیز کی اپنے نفس پر فضیلت لازم آئے گی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ کی افضلیت کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر کے دیگر دنوں سے یہ دن افضل ہیں اور جو جمعہ ان میں آئے گا وہ دیگر جمعات سے افضل ہوگا کیونکہ اس میں دو فضیلتیں جمع ہوں گی۔

۶۲ فِي فِطْرِهِ

یہ باب عشرۂ ذی الحجہ کے افطار میں ہے۔

۲۴۳۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا الْعَشْرَ قَطُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشرۂ ذی الحجہ کا روزے رکھتے کبھی نہیں دیکھا (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ام المومنین کی مراد اگر پورا عشرہ ہے تو بات صاف ہے۔ اگر عشرہ کے بعض ایام ہیں تو انہوں نے اپنی رؤیت کی نفی کی ہے۔ پیچھے گزر گیا ہے کہ حضور ذی الحجہ کے پہلے نو روزے رکھتے تھے۔ عشرہ کے لفظ میں عید کا دن داخل ہے لہذا اس دن کی صریح ممانعت کے باعث پورے عشرے کا روزہ تو حضور سے متصور نہ تھا۔

۶۳ فِي صَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ

عرفات میں یوم عرفہ کے روزے کا باب۔

۲۴۴۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَوْشَبُ بْنُ عَقِيلٍ عَنْ مَهْدِيٍّ الْهَجَرِيِّ نَا عِكْرِمَةُ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي بَيْتِهِ فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ۔

عکرمہ نے کہا کہ ہم ابوہریرہؓ کے پاس اس کے گھر میں تھے تو اس نے ہمیں حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں عرفہ کے روزے سے منع فرمایا تھا (نسائی اور ابن ماجہ)

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ یہ نہی استحباب کے لیے ہے نہ کہ ایجاب کے لیے محرم کو اس سے نہی کی علت یہ ہے کہ مبادا وہ اس مقام پر دعاء و ابتہال سے ضعف کے باعث عاجز رہ جائے۔ جو شخص قوی ہو اور اسے ضعف کا خطرہ نہ ہو تو انشاء اللہ اس کے لیے اس دن کا روزہ وہاں پر افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ دو سال کا کفارہ بنتا ہے، ایک سال اس سے پہلے اور ایک سال بعد میں۔ اس مسئلہ میں لوگوں کا کچھ اختلاف بھی رہا ہے۔ عثمانؓ بن ابی العاص اور ابن الزبیرؓ سے مروی ہے کہ وہ یہ روزہ رکھتے تھے۔ احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے کہ جو شخص روزے پر قادر ہو وہ رکھ لے ورنہ اس دن قوت کی ضرورت ہوتی ہے افطار کرے تو کیا حرج ہے۔ اسحاقؒ حاجیوں کے لیے اس روزے کو مستحب جانتے تھے۔ عطاءؒ نے کہا میں موسم سرما میں یہ روزہ رکھ لیتا ہوں مگر گرما میں نہیں رکھتا۔ مالکؒ اور سفیانؒ نے یہ پسند کیا ہے کہ حاجی کے لیے افطار بہتر ہے اور اسی طرح شافعیؒ۔ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: یہ روزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نے نہیں رکھا لہٰذا میں بھی نہیں رکھتا (اگر غور کیا جائے تو ان حضرات کے اقوال بظاہر مختلف ہیں در حقیقت منشاء سب کا ایک ہی ہے)

۲۴۴۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صَوْمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ صَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيرِهِ بِعَرَفَةَ فَشَرِبَ۔

ام الفضلؓ بنت الحارث سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے ان کے پاس عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں جھگڑا کیا، بعض نے کہا کہ آپ کا روزہ ہے اور بعض نے کہا نہیں ہے آپ کے پاس دودھ کا پیالہ بھیجا جبکہ آپ عرفہ میں اپنے اونٹ پر وقوف فرما رہے تھے تو آپ نے دودھ پی لیا (بخاری، مسلم، نسائی) ام الفضل رضی حضرت میمونہ رضی ام المؤمنین کی بہن تھیں۔ بعض روایات میں دودھ کا بھیجنا میمونہ رضی کی طرف منسوب ہے۔ وہ اکٹھی تھیں لہذا کبھی اُن کی طرف یہ فعل منسوب ہوا۔ اس سے علی رؤوس الاشہاد ثابت و واضح ہوگیا کہ حضور عرفہ میں صائم نہ تھے۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ دودھ لے جانے والا عبداللہ بن عباس رضی تھا۔

بَابٌ فِي صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ ۶۴

یوم عاشوراء کے روزے کا باب۔

۲۴۴۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ يَوْمًا تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ هُوَ الْفَرِيضَةَ وَتَرَكَ عَاشُورَاءَ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دور میں یہ روزہ رکھتے تھے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے یہ روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا پھر جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو فریضہ وہی رمضان ٹھہرا اور عاشوراء کو ترک کر دیا گیا، جو چاہتا یہ روزہ رکھتا اور جو چاہتا نہ رکھتا (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

شرح: حضرت عائشہ رضی کی اس حدیث سے پتہ چلا کہ عاشوراء کا روزہ صرف یہود نہیں قریش بھی رکھتے تھے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ تشریف آوری سے قبل یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرضیتِ رمضان سے پہلے یوم عاشوراء کا روزہ فرض تھا مگر یہ فرضیت صرف ایک سال رہی اور پھر یہ نفل ٹھہرا۔ دوسرے ہی سال تو صوم رمضان فرض ہوگیا تھا لہذا فرضیت کا سوال صرف ایک سال کے لیے رہا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ربیع الاول میں تشریف لائے پس آپ کا صوم عاشوراء کا روزہ اور اس کا حکم دوسرے سال کی ابتدا سے متعلق تھا۔ دوسرے ہی سال رمضان کا روزہ فرض ہوگیا۔ پس حدیثِ صحیحہ کی رُو سے

یوم عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ صومِ عاشوراء کبھی فرض نہ تھا، جب اس کا حکم ہوا تو اس وقت بھی بطور استحباب تھا۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بعض لوگوں کے خیال میں یوم عاشوراء کے صوم کی فرضیت بعد میں بھی باقی رہی تھی، مگر ایسا کہنے والے ختم ہو چکے ہیں۔ ابن عبد البر نے صوم عاشوراء کے فرض نہ ہونے پر اور اس کے نفل ہونے پر اجماع نقل کیا ہے (سو میں یہ گزارش کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ غالباً حافظ ابن عبد البر دعوائے اجماع میں بہت سے مسائل کے اندر سہل انگار رہے ہیں۔ ابن عمرؓ یوم عاشوراء کا روزہ بالقصد رکھنا مکروہ جانتے تھے مگر یہ قول بھی مٹ چکا اب اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ علماء اس پر متفق ہیں کہ عاشوراء کا روزہ سنت ہے واجب نہیں۔ ابتدائے اسلام میں ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ واجب تھا۔ اصحاب شافعی از اول تا ابتداء اس کی سنّت کے قائل ہیں اور کبھی واجب نہیں مانتے۔ شافعیہ کا دوسرا قول امام ابو حنیفہؒ کی مانند ہے۔ حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ روزہ فرض تھا اور پھر مستحب ٹھہرا۔

اس روزے کی تعیین میں اختلاف ہے اکثر کے نزدیک وہ دس محرم ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ لفظ عاشوراء بطور مبالغہ عاشِرۃ" سے بدلا ہوا ہے اور اس لفظ میں تعظیم کا معنیٰ بھی ملحوظ ہے۔ اور اصل میں یہ دسویں رات کی صفت ہے۔ پس جب کہا جائے: یوم عاشوراء تو گویا مطلب یہ ہوگا کہ: دسویں رات کا دن۔ اب اس میں اسمیت کا غلبہ ہوگیا ہے اور وصفیت نہیں رہی۔ اب یہ نام بطورِ علم دسویں محرم کے لیے بولا جاتا ہے۔ ابو المنصور جوالیقی کا قول ہے کہ عاشوراء بروزنِ فاعولاء ہے اور اس وزن پر صرف یہ لفظ آتے ہیں: عاشوراء، ضاروراء، ساروراء۔ دالوراء۔ جو ضار، سار اور دال سے نکلے ہیں۔ نام اور اشتقاق کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دسواں دن ہو، اور بعض کے نزدیک یہ نواں دن ہے جس کے بعد دسویں رات آتی ہے۔ صحرائی لوگ اونٹوں کو آٹھ دن چرا کر نویں دن پانی پلانے لے جاتے تو کہتے: اَوردنا عِشرًا۔ ابن عباسؓ سے مسلم میں روایت ہے کہ نویں دن کا روزہ عاشوراء کا صوم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی دن روزہ رکھتے تھے۔ لیکن شائد ابن عباسؓ نے یہ اس لیے کہا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں کا روزہ رکھوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے حضورؐ دسویں کا ہی روزہ رکھا کرتے تھے، یہ حدیث بھی مسلم میں ہے۔ اور زیادہ راجح یہی ہے کہ نویں دسویں محرم دو دن کا روزہ رکھا جائے۔ اور اس سے بھی زیادہ بہتر یہ ہے کہ ۹، ۱۰، ۱۱ تاریخ کے تین روزے رکھیں۔

۲۴۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ عَاشُوْرَاءُ يَوْمًا نَصُوْمُهٗ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا يَوْمٌ مِنْ اَيَّامِ اللّٰهِ فَمَنْ شَاءَ صَامَهٗ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهٗ

ابن عمرؓ نے کہا کہ عاشوراء کا روزہ ہم جاہلیت میں رکھتے تھے، پھر جب رمضان نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایام اللہ میں سے ایک دن ہے سو جو چاہے اس کا روزہ رکھے اور جو چاہے ترک کردے (بخاری اور مسلم)

شرح: ابن عمر رضا کا مطلب یہ ہے کہ یہ روزہ زمانہ جاہلیت سے چلا آتا تھا اور ہم اسے ابتدائے اسلام سے رکھتے تھے۔ ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں جن میں شروع دنیا سے لے کر اب تک اسلامی تاریخ کے کچھ عظیم، عبرت انگیز، نصیحت آموز واقعات پیش آ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یاد کو باقی رکھنا بذریعۂ عبادت مشروع فرمایا ہے۔ قرآن میں ہے کہ موسیٰ ؑ کو حکم ملا تھا: وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ۔ یعنی بنی اسرائیل کو ایام اللہ کے ساتھ نصیحت کرو جن دنوں میں ان پر احسان و انعام کیے گئے، دشمنوں سے نجات ملی، بڑے بڑے معجزات کا ظہور ہوا وغیرہ۔

۲۴۴۴۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ نَا هُشَيْمٌ أَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَجَدَ الْيَهُودَ يَصُومُونَ عَاشُورَاءَ فَسُئِلُوا عَنْ ذَلِكَ فَقَالُوا هُوَ الْيَوْمُ الَّذِي أَظْهَرَ اللَّهُ فِيهِ مُوسَى عَلَى فِرْعَوْنَ وَنَحْنُ نَصُومُهُ تَعْظِيمًا لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ أَوْلَى بِمُوسَى مِنْكُمْ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ

ابن عباس رضا نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ یہود سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتح دی تھی اور ہم اس کی تعظیم کی خاطر اس کا روزہ رکھتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری نسبت ہم موسیٰ ؑ سے اقرب ہیں، اور آپ ؐ نے اس کے روزے کا حکم دیا (بخاری، مسلم، ابن ماجہ)

شرح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ اس بنا پر حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ حدیث بظاہر مشکل ہے کیونکہ آپ کی تشریف آوری اور محرم میں دس ماہ کا فاصلہ تھا۔ سو اس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ تشریف آوری کے بعد جب یہود کا یہ دن آیا تو پھر آپ کو ان کے روزے کا علم ہوا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہود نے عاشوراء کا حساب شمسی سال سے لگایا ہو اور اس حساب سے عاشوراء ربیع الاول میں آ پڑا ہو۔ لیکن احادیث کا سیاق اس احتمال کا رد کرتا ہے۔ پہلی بات صحیح ہے۔

۶۵ مَا رُوِيَ أَنَّ عَاشُورَاءَ الْيَوْمُ التَّاسِعُ

ان روایات کا باب جن سے عاشوراء نواں دن ثابت ہوتا ہے۔

۲۴۴۵۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يَحْيَى ابْنُ أَيُّوبَ أَنَّ إِسْمٰعِيلَ بْنَ أُمَيَّةَ الْقُرَشِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا غَطَفَانَ

يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ حِيْنَ صَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَأَمَرَنَا بِصِيَامِهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّهُ يَوْمٌ تُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارَى فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ صُمْنَا يَوْمَ التَّاسِعِ فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابوغطفان کو یہ کہتے سُنا گیا کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضؓ کو کہتے سُنا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اور ہمیں اس کے روزے کا حکم دیا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ ایک ایسا دن ہے کہ یہود اور عیسائی اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ سال ہم نویں کا روزہ رکھیں گے مگر آئندہ آئندہ سال محرم آنے سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے (مسلم)

شرح: خطابی نے کہا کہ حضور کے اس قول کا سبب یا تو یہود کی مخالفت تھی اور یا یوم عاشوراء تو آپ نے وہی تسلیم فرمایا جسے یہود سمجھتے تھے مگر صوم فرد کی کراہت کے باعث ایک دن پہلے یا ایک بعد میں بھی اس کے ساتھ روزہ رکھنا چاہا تھا۔ جیسا کہ صرف یوم الجمعہ کے فرد روزے کی کراہت آئی ہے جب تک کہ اس کے ساتھ پہلا یا پچھلا دن نہ ملایا جائے۔ خطابی نے کہا کہ اونٹوں کو پانی پلانے کے حساب سے، جو عربوں میں رائج تھا، نواں دن کہلاتا تھا جس کے بعد دسویں رات آتی ہے۔ ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے پیش نظر فرمایا ہو کہ نویں کا روزہ رکھوں گا۔ ابن عباس رضؓ سے یہی مروی ہے کہ عاشوراء نواں دن ہے۔

اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ اس ارشاد سے قبل عاشوراء کا روزہ دسویں کو رکھتے تھے۔ بظاہر یہ حدیث حضرت عائشہ رضؓ کی گزشتہ حدیث کے خلاف نظر آتی ہے۔ اس میں تو یہ ہے کہ حضورؐ خود بھی روزہ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی حکم دیتے تھے حتیٰ کہ لوگوں کے سوال پر آخری عمر میں یہ فرمایا کہ آئندہ سال ہم نویں کا روزہ رکھیں گے۔ مگر حدیث عائشہ رضؓ میں گزرا کہ صوم رمضان کی فرضیت کے بعد عاشوراء کا روزہ نفل قرار دیا گیا۔ شائد ابن عباس رضؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ بطور نفل خود بھی روزہ رکھتے اور اسی حدیث سے حکم دیتے تھے

۲۴۴۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى يَعْنِي ابْنَ سَعِيْدٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ غَلَّابٍ ح وَنَا مُسَدَّدٌ نَا إِسْمٰعِيْلُ أَخْبَرَنِي حَاجِبُ بْنُ عُمَرَ جَمِيْعًا الْمَعْنٰى عَنِ الْحَكَمِ بْنِ الْأَعْرَجِ قَالَ أَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ رِدَاءَهُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ إِذَا رَأَيْتَ هِلَالَ الْمُحَرَّمِ فَاعْدُدْ

فَاِذَا كَانَ يَوْمُ التَّاسِعِ فَاَصْبِحْ صَائِمًا فَقُلْتُ كَذَا كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ قَالَ كَذٰلِكَ كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ۔

الحکم بن الاعرج نے کہا کہ میں ابن عباس رضؓ کے پاس آیا جبکہ وہ مسجد حرام میں اپنی چادر کا تکیہ لگائے ہوئے تھے، پس میں نے ان سے صوم عاشوراء کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ جب تو محرم کا چاند دیکھے تو شمار کر، جب نواں دن ہو تو اس دن کا روزہ رکھ۔ میں نے کہا کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح روزہ رکھتے تھے تو فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح روزہ رکھتے تھے۔ (مسلم، ترمذی، نسائی) مگر اوپر کی حدیث میں گزرا کہ حضور م کو نویں کا روزہ رکھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ پس بقول شوکانی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہی ہوا تھا کہ آئندہ سال نویں کا روزہ رکھیں گے۔ آپ نے ہمیں یہی فرمایا تھا۔

بَابٌ ٦٦ فِي فَضْلِ صَوْمِهٖ

عاشوراء کے روزے کی فضیلت کا باب۔

۲۴۴۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمِنْهَالِ نَا يَزِيْدُ نَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَسْلَمَةَ عَنْ عَمِّهٖ اَنَّ اَسْلَمَ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صُمْتُمْ يَوْمَكُمْ هٰذَا قَالُوْا لَا قَالَ فَاَتِمُّوْا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَاقْضُوْهُ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ يَعْنِيْ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ۔

عبد الرحمٰن بن مسلمہ نے اپنے چچا سے روایت کی کہ قبیلۂ اسلم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو حضور م نے فرمایا: کیا تو نے عاشوراء کا روزہ رکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ حضور م نے فرمایا کہ اپنا بقیہ دن پورا کرو اور اسے قضا کرو۔ (نسائی۔ حافظ ابن القیم نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں وَاقْضُوْهُ کا لفظ صرف ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور نسائی نے اس کا ذکر نہیں کیا) بقول حافظ ابن حجر اس مبہم شخص کا نام ابن قانع نے مسلمہ لکھا ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس دن کا روزہ اس وقت واجب تھا۔ ابو داؤد نے کہا کہ حضور م کی مراد عاشوراء کا روزہ تھا۔

بَابٌ ٦٧ فِي صَوْمِ يَوْمٍ وَفِطْرِ يَوْمٍ

ایک دن کے روزے اور ایک دن کے افطار کا باب۔

۲۴۴۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى وَمُسَدَّدٌ وَالْاِخْبَارُ فِيْ

حَدِیْثِ اَحْمَدَ قَالُوْا نَا سُفْیَانُ قَالَ سَمِعْتُ عَمْرًوا قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَمْرُوبْنُ اَوْسٍ سَمِعَهُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الصِّیَامِ اِلَی اللّٰهِ صِیَامُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصَّلٰوةِ اِلَی اللّٰهِ صَلٰوةُ دَاوٗدَ كَانَ یَنَامُ نِصْفَهٗ وَیَقُوْمُ ثُلُثَهٗ وَیَنَامُ سُدُسَهٗ وَكَانَ یُفْطِرُ یَوْمًا وَیَصُوْمُ یَوْمًا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰے کو پسندیدہ ترین روزہ داؤدؑ کا روزہ ہے اور پسندیدہ ترین نماز اللہ کے نزدیک داؤدؑ کی نماز ہے، وہ نصف رات سوتے تھے اور تیسرا حصہ نماز پڑھتے تھے اور پھر چھٹا حصہ سو رہتے تھے اور وہ ایک دن افطار کرتے اور ایک دن افطار کرتے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے (بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ۔ بخاری نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ: داؤدؑ میدان جنگ سے فرار نہ کرتا تھا)

بَابٌ فِیْ صَوْمِ الثَّلَاثِ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ۶۸

ہر ماہ کے تین روزوں کا باب۔

۲۴۴۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِیْرٍ نَا هَمَّامٌ عَنْ اَنَسٍ اَخِیْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ مِلْحَانَ الْقَیْسِیِّ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُنَا اَنْ نَصُوْمَ الْبِیْضَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ قَالَ وَقَالَ هُنَّ كَهَیْئَةِ الدَّهْرِ۔

ابن ملحان قیسی نے اپنے باپ سے روایت کہ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایام بیض یعنی ۱۳-۱۴-۱۵-تاریخ کے روزے کا حکم دیتے تھے صحابی نے کہا کہ حضورؐ نے فرمایا وہ صوم الدہر کی مانند ہیں (نسائی اور ابن ماجہ۔ ابن ملحان کا نام قتادہ بن ملحان تھا، ملحان بن شیل کو عبدالملک بن ملحان کا باپ کہا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ منہال بن ملحان ہے جو عبدالملک کا باپ تھا، ابن معین نے اس آخری قول کو خطاء کہا ہے۔ بخاری نے کہا کہ ہمام کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے (منذری)

شرح: بخاری کے قول کا مطلب یہ ہے کہ بقول ابوالولید طیالسی شعبہ نے ابن المنہال کہہ کر خطاء کی ہے اصل کنیت ابن ملحان ہے۔ صحابی کا نام قتادہ ہے۔ بعض نے قدامہ کہا ہے مگر قتادہ بن ملحان ہی درست ہے۔ ابن شاہین نے سلیمان تیمی کے طریق سے حبان بن عمیر سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قتادہ بن ملحان کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا، بڑھاپے میں چہرے کے سوا ان کے جسم کی ہر چیز بوسیدہ ہو گئی تھی مگر چہرہ تازہ بتازہ رہتا

تھا۔ حبان نے کہا کہ میں اس کی موت کے وقت حاضر تھا۔ اس کی بیوی گزری تو اس کا عکس اس کے چہرے پر یوں پڑا جیسا کہ آئینے میں پڑتا ہے۔ ہر ماہ کے تین روزے اجر میں تیس کے برابر ہوئے۔ اس حساب سے یہ ہمیشہ کا روزہ ہوا۔

۲۴۵۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ نَا أَبُو دَاوُدَ نَا شَيْبَانُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ يَعْنِي مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ۔

عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے پہلے حصے میں تین روزے رکھا کرتے تھے (ترمذی اور نسائی۔ ان میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جمعہ کے دن بہت کم افطار فرماتے تھے)

شرح: یعنی کا لفظ راوی کا اضافہ ہے، گویا اس نے اپنے استاد کی روایت کی اپنے الفاظ میں یہ شرط کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس بات میں روایات مختلف ہیں، ابن ملحان کی روایت ابو داؤد اور نسائی نے بیان کی، ابو ذرؓ کی حدیث مسند احمد، ترمذی اور نسائی میں ہے۔ ان سب میں ایام بیض یعنی چاند کی ۱۳-۱۴-۱۵ کی تعیین موجود ہے۔ ابن مسعودؓ کی (زیر نظر) حدیث میں غرہ یعنی ابتدائے ماہ کی تعیین ہے۔ ام المؤمنین حفصہؓ کی حدیث جو ابو داؤد، نسائی نے بیان کی ہے اس میں سوموار، جمعرات اور اگلے ہفتے سے سوموار کی تعیین آئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ترمذی میں ہے جس میں ہفتہ، اتوار اور سوموار کی تعیین اور پھر اگلے ہفتے میں منگل، بدھ اور جمعرات کی تعیین آئی ہے۔ مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ مہینے میں تین روزے رکھتے تھے کبھی کوئی کبھی کوئی دن۔ بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ: میرے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہر ماہ میں تین روزے رکھنے کی وصیت فرمائی۔ ابن ماجہ اور ترمذی میں ابو ذرؓ کی حدیث ہے کہ مہینے میں تین روزے رکھنا صیام الدہر ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ ان تین ایام کی تعیین میں اختلاف ہے جن میں ہر ماہ کے اندر روزہ مستحب ہے۔ پس عمر بن الخطابؓ ابن مسعودؓ اور ابو ذرؓ وغیرہم نے، تابعین کی ایک جماعت نے اور اصحاب شافعی نے ان کی تفسیر ایام بیض سے کی ہے۔ لیکن اس صورت میں حضرت عائشہؓ کا قول مشکل ہے کہ: حضورؐ اس بات کا خیال نہ فرماتے کہ مہینے کے کون سے حصے میں یہ روزے رکھیں۔ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ روزے تو ایام بیض کے ہی تھے مگر بعض دفعہ کسی عذر یا اشغال کی بنا پر یہ تعیین برقرار نہ رہتی تھی۔ اور بیان جواز کے لیے بھی بعض دفعہ اور دنوں کے روزے رکھتے تھے اور آپؐ کے حق میں یہ سب ایام افضل تھے۔ اور جن دنوں کا حضورؐ نے دوسروں کو حکم دیا اور وصیت فرمائی وہ وہی معین دن تھے یعنی ایام بیض۔ پس جن حدیثوں میں مطلق تین کا لفظ ہے انہیں ان مقید تین پر محمول کیا جائے گا۔ اور نخعی اور کچھ اور لوگوں نے کہا کہ یہ دن مہینہ کے آخر میں ہیں اور حسن بصری اور ایک جماعت نے کہا کہ یہ ابتدائے ماہ کے دن ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ اور کچھ اور لوگوں کا قول مختار یہ ہے کہ یہ ایک مہینے سے ہفتہ اتوار اور سوموار ہیں اور اگلے مہینے سے منگل، بدھ اور جمعرات ہیں۔

بیہقی نے کہا کہ حضورؐ دراصل ہر ماہ میں بلا تعیین تین روزے رکھتے تھے۔ جس کسی نے جو دن دیکھے ان کی روایت

کر دی۔ عائشہ رضؓ نے یہ سب ایام دیکھے انہوں نے یہ ایام مطلق رکھے۔ رویانی نے کہا کہ دراصل ہر ماہ میں تین روزے مستحب ہیں اور اگر یہ ایام بیض ہوں تو زیادہ مستحب ہیں۔ امام مالکؒ سے مروی ہے کہ وہ ان تین کی تعیین کو ناپسند کرتے تھے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک ہر ماہ کے تین روزے مستحب ہیں اور اگر وہ ایام بیض ہوں تو اور بھی بہتر ہے۔ جو تین روزے ہر ماہ سے رکھے اسے مندوب کا اجر ملا اور جس نے ایام بیض کے روزے رکھے اسے دو مندوب حاصل ہوگئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابٌ ۶۹ مَنْ قَالَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسَ

جس نے کہا کہ وہ دن سوموار اور خمیس ہیں اور اگلے ہفتے سے سوموار۔

۲۴۵۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ سَوَاءٍ الْخُزَاعِيِّ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ مِنَ الشَّهْرِ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسَ وَالِاثْنَيْنِ مِنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہینے کے تین دن کا روزہ رکھتے تھے: سوم، خمیس اور اگلے ہفتے میں سے پھر سوموار (نسائی کی روایت طویل ہے) یعنی پہلے اسبوع سے سوموار اور خمیس اور دوسرے اسبوع میں سے سوموار۔

۲۴۵۲۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ نَا الْحَسَنُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ هُنَيْدَةَ الْخُزَاعِيِّ عَنْ أُمِّهِ قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ فَسَأَلْتُهَا عَنِ الصِّيَامِ فَقَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنِي أَنْ أَصُومَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ أَوَّلُهَا الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسَ وَالْخَمِيسَ۔

ہنیدہ خزاعی نے اپنی ماں سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ میں حضرت ام سلمہ رضؓ کے پاس گئی اور ان سے صیام کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتے تھے کہ ہر ماہ کے تین روزے رکھوں یعنی پہلے اسبوع کے سوموار اور خمیس کا روزہ (نسائی)

شرح: ابوداؤد کے زیادہ تر نسخوں میں یہاں تیسرے روزے کا ذکر نہیں آیا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ مکتوبہ احمدیہ نسخے میں تیسرا روزہ دوسرے اسبوع کا خمیس مذکور ہے۔ اس کی تائید نسائی کی روایت سے ہوتی ہے جس میں ہنیدہ اپنی بیوی سے روایت کرتا ہے اور وہ حضورؐ کی کسی زوجۂ مکرمہ سے۔ مگر نسائی کی وہ روایت اس کے خلاف پڑتی

ہے کہ جو ہنیدہ نے اپنی ماں سے کی اور اس نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے، اس روایت میں ابتدائے ماہ کے سوموار اور خمیس کا اور دوسرے اسبوع کے سوموار کا ذکر ہے۔ مسند احمد میں یہ روایت ہنیدہ نے خود ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کی ہے اور اس میں ہر ماہ کی ابتداء سے سوموار، خمیس اور جمعہ کا روزہ مذکور ہے۔ یہ بحث کچھ اوپر گزر چکی ہے اور ہنیدہ کی حدیث پر بھی کلام ہو چکا ہے۔

بَابُ مَنْ قَالَ لَا يُبَالِي مِنْ اَيِّ الشَّهْرِ

جن لوگوں نے کہا کہ مہینے کے کوئی سے تین دن ہوں۔

۲۴۵۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ يَزِيدَ عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ مِنْ اَيِّ شَهْرٍ كَانَ يَصُومُ قَالَتْ مَا كَانَ يُبَالِي مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُومُ۔

معاذہ نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے پوچھا کہ مہینے کون سے دنوں میں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی پروا نہ کرتے تھے کہ مہینے کے کون سے دنوں روزہ رکھیں (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اس حدیث پر بحث اوپر گزری۔

بَابُ النِّيَّةِ فِي الصَّوْمِ

روزے میں نیت کا باب۔

۲۴۵۴۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي ابْنُ لَهِيعَةَ وَيَحْيَى بْنُ اَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ قَالَ اَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ اللَّيْثُ وَاِسْحٰقُ بْنُ حَازِمٍ اَيْضًا جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي

بَكْرٍ مِثْلَهُ وَوَافَقَهُ عَلَى حَفْصَةَ مَعْمَرٌ وَالزُّبَيْدِيُّ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَيُونُسُ الْأَيْلِيُّ۔

عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے فجر سے قبل روزے کی نیت نہ کی اس کا کوئی روزہ نہیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ لیث اور اسحاق بن حازم نے بھی اسی طرح کی روایت کی یعنی مرفوع۔ اور معمر، زبیدی، ابن عیینہ اور یونس ایلی نے اسے حضرت حفصہؓ پر موقوف کیا (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے ہر روزے کی الگ الگ نیت قبل از طلوع فجر کا ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ ماہ رمضان کی پہلی رات میں پورے مہینے کی نیت کافی نہیں۔ کیونکہ ہر روزہ اپنی الگ حیثیت رکھتا ہے پس ہر ایک کے لیے الگ نیت روزانہ ضروری ہوئی۔ یہی حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حسن بصریؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کا قول ہے۔ حنفیہ نے کہا کہ زوال آفتاب سے قبل فرض روزے کی نیت کافی ہے اور نذر، کفارہ اور قضاء کی نیت قبل از فجر ضروری ہے۔ اسحاق نے کہا کہ مہینے کی ابتدا میں پورے ماہ کی ایک ہی نیت کافی ہے۔ اس حدیث کو موقوف کہا گیا ہے کیونکہ عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزمؓ نے اسے مسند کیا ہے اور ثقہ کا اضافہ مقبول ہے۔

شوکانی نے کہا کہ رات کے کسی حصے میں روزے کی نیت واجب ہے اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ صحابہؓ میں سے ابن عمرؓ اور جابرؓ کا اور مالکؒ، لیث اور ابن ابی ذئب کا یہی مذہب ہے۔ انہوں نے فرض اور نفل روزے میں تفریق نہیں کی۔ اور ابو طلحہؓ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ اور احمدؒ نے کہا کہ نفل میں رات سے نیت کرنا ضروری نہیں اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ روزے کی نیت بعد از زوال بھی صحیح ہے۔ علیؓ، ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ سے ایک قول میں مروی ہے کہ بعد از زوال روزے کی نیت صحیح نہیں ہے۔ علیؓ، ابن مسعودؓ اور نخعیؒ سے مروی ہے کہ قضاء، نذر مطلق اور کفارات کے روزے میں رات سے نیت کرنا واجب ہے اور ان کے علاوہ دوسرے صیام میں پہلے دن کے غروب آفتاب سے لے کر روزے والے دن کے کسی جزء میں نیت کر لینا جائز اور کافی ہے۔ ان کی دلیل سلمہ بن اکوعؓ کی حدیث (متفق علیہ) ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ اسلم کے ایک شخص کو یہ منادی کرنے کا حکم دیا کہ یوم عاشوراء کا روزہ فرض ہو چکا، جس نے فجر کے بعد کھا لیا ہے وہ اب کھانے سے رُکا رہے اور جس نے نہیں کھایا وہ روزہ رکھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت حفصہؓ کی حدیث اس سے متاخر ہے اور اس کی ناسخ ہے۔ اور اگر نسخ مانا جائے تو یہ نیت صرف عاشوراء کے دن کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ رات کو ایسی غیر ممکن تھی۔ پس اس صورت میں جواز اس شخص کے لیے ہوگا جو جوب کا پتہ دن کو لگے مثلاً مجنون جس کو افاقہ ہو جائے، بچہ جو بالغ ہو جائے اور کافر جو مسلم ہو جائے یا مثلاً وہ شخص کہ پہلے اسے معلوم نہ تھا مگر دن کو انکشاف ہو کہ آج رمضان کا روزہ ہے۔ اور انہوں نے حدیث عائشہ سے بھی استدلال کیا ہے کہ: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ (یعنی کھانے پینے کی چیز) ہم نے کہا کہ نہیں۔ اس پر فرمایا کہ تب میرا آج روزہ ہے۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ

حضورؐ نے در اصل رات سے روزے کی نیت کر رکھی تھی (مگر اس کی دلیل کیا ہے؟) اور ضعف کے خدشے سے آپؐ نے افطار کا ارادہ فرمایا مگر یہ صرف ایک احتمال ہے۔ اور اگر یہ احتمال نہ بھی مانا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ نیت کے عموم سے نفلی روزے کو مستثنیٰ کر دیں۔

مولاناؒ نے البدائع کی عبارت نقل فرمائی ہے کہ جہاں تک صوم رمضان کا تعلق ہے امام شافعیؒ نے اس کی نیت کی فرضیت کی دلیل یہ پیش کی کہ حضورؐ کا ارشاد ہے: لَا صِيَامَ لِمَنْ لَّمْ يَعْزِمِ الصَّوْمَ مِنَ اللَّيْلِ (صاحب بدائع نے یا تو حدیث کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے یا شاید کسی روایت کے یہی الفاظ ہوں۔ مطلب بہرحال وہی ہے جو حدیث ابی داؤد کا ہے) اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ روزہ کا رکنا ہی ہے کہ دن کی ابتداء سے انتہا تک مفطرات سے رُکا جائے، لہذا اس کے لیے نیت ضروری ہوئی۔ اور جب نیت نہ ہوئی (ابتدائے نہار میں) تو امساک واقع نہ ہوا لہذا یہ روزہ روزہ نہ رہا۔ حنفیہ کی دلیل یہ آیت ہے: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ۔ اس کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے کھانا پینا اور جماع رمضان کی راتوں میں مباح کر دیا ہے۔ یہ طلوع فجر تک ہے اور صیام کا حکم طلوع فجر کے بعد اُس پہلے حکم سے متأخر واقع ہوتا ہے کیونکہ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ میں ثُمَّ کا لفظ ہی معنیٰ دیتا ہے کہ اس میں پہلے حکم بعد تراخی بھی ہو۔ پس یہ حکم اوّل النہار سے متأخر ہوا۔ اور نیت کا حکم اس لیے ہے کہ اس کے بغیر شرعًا روزہ نہیں ہوتا، لہذا یہ نیت اوّل النہار سے متأخر ہوئی۔ اور جو شخص اس وقت یہ نیت کرے گا اس نے یہ حکم پورا کر دیا۔ اور یہ حدیث آحاد میں سے ہے جو کتاب کی ناسخ نہیں ہو سکتی ہاں! اس کی تکمیل ضرور کر سکتی ہے، پس نفی کو نفئ کمال سمجھا جائے گا جیسے حضورؐ کا قول: لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ۔ اس طرح سے بقدرِ امکان دونوں دلیلوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کے رفع و وقف میں اختلاف ہے۔ ترمذی، نسائی، بخاری نے اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔ دوسرے بعض ائمہ اسے مرفوع مانتے ہیں۔ راوی اس کے ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن حزم اور دار قطنی کے نزدیک ثقہ ہیں۔

بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِيهِ

اس میں رخصت کا باب۔

۲۴۵۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ نَا سُفْيَانُ ح وَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا وَكِيعٌ جَمِيعًا عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيَى عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ عَلَيَّ قَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ طَعَامٌ فَإِذَا قُلْنَا لَا قَالَ إِنِّي صَائِمٌ زَادَ وَكِيعٌ فَدَخَلَ عَلَيْنَا يَوْمًا آخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَحَبَسْنَاهُ لَكَ فَقَالَ أَدْنِيهِ فَأَصْبَحَ صَائِمًا فَأَفْطَرَ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے پاس تشریف لاتے تو فرماتے کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ جب ہم کہتے کہ نہیں تو فرماتے: میں روزہ دار ہوں۔ وکیع نے یہ اضافہ کیا کہ ایک دن حضورؐ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے کہا یا رسول اللہ ہمیں حَیس کا تحفہ آیا ہے، پس ہم نے آپؐ کے لیے اسے روک رکھا ہے۔ پس حضورؐ نے فرمایا: اِدھر لاؤ۔ پس صبح کو آپؐ روزے سے تھے اور اب افطار فرمالیا۔ ابوداؤد کے ایک نسخے کے مطابق یہ آخری قول طلحہ راوی کا ہے۔ (مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

شرح: حَیس ایک کھانا تھا جو کھجور، پنیر اور گھی وغیرہ ملا کر بنایا جاتا تھا۔ بعض دفعہ اس میں آٹا بھی ڈالتے تھے۔ خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں دو فقہی مسئلے ہیں: ا۔ نفلی روزے کی نیت میں ابتدائے نہار سے تاخیر کرنا جائز ہے۔ ب۔ نفلی روزہ قبل از مغرب افطار کرنا جائز ہے۔ اس حدیث میں قضاء کا واجب ہونا بیان نہیں ہوا۔ اور کئی صحابہ اس طرح کرتے تھے مثلاً ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابوالدرداءؓ اور ابوایوبؓ انصاری، اور شافعی اور احمد کا یہی قول ہے۔ ابن عمرؓ رات کی نیت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھتے تھے۔ جابر بن زید تابعی نے کہا کہ نفلی روزہ صرف رات کی نیت کے ساتھ جائز ہے۔ مالکؒ کے نزدیک رات کی نیت مستحب ہے۔

ابن المنذرؒ نے کہا کہ نفلی روزے کی نیت رات سے ضروری نہیں، جب جی چاہے اس کی نیت کر کے روزہ رکھ لے۔ شافعی اور احمد کا یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک متواتر نفلی روزے رکھنے والے کے لیے رات کو نیت کرنا ضروری نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک نفلی روزے کی نیت نصف النہار سے قبل جائز ہے بعد از زوال جائز نہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ شافعیہ کا صحیح تر مذہب یہی ہے۔ نوویؒ نے اس کی تائید کی ہے اور اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ جنہوں نے یہ کہا کہ حضورؐ دراصل روزہ رات کو رکھ لیتے تھے مگر بباعث افطار کی نیت سے حضرت عائشہؓ سے دریافت فرماتے تھے کہ کوئی کھانے کی چیز ہے؟ ان کی یہ تاویل فاسد ہے اور ایک بعید تکلف ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک نفلی روزہ بلا عذر بھی توڑنا جائز ہے مگر ابوحنیفہؒ نے کہا کہ بلا عذر جائز نہیں۔ نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیں تو حنفیہ کے نزدیک اس کا اتمام واجب ہے ورنہ قضاء آئے گی۔ مالکؒ نے بھی کہا کہ بلا عذر توڑے تو قضاء ہے۔ اور حدیث عائشہؓ جس میں قضاء کا حکم ہے وہ مُرسل ہے۔ حنفیہ کی دلیل کتاب وسنت اور قیاس ہے۔ کتاب کی دلیل یہ ہے کہ: لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔ اور: وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت فرمائی کہ انہوں نے از خود رہبانیت شروع کی مگر اس کا حق بھی ادا نہ کیا۔ پس جب کوئی کسی عمل کو باطل کرے گا تو اس کا فدیہ بطور قضاء لازم ہوگا۔ اور ترمذی کی حدیث عائشہؓ اس کی دلیل ہے۔ قیاس صوم کا حج وعمرہ پر ہے کہ جب نفلی حج وعمرہ فاسد کیا جائے تو قضاء واجب ہوتی ہے، اسی طرح صوم میں بھی۔

۲۴۵۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ نَا جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيْدِ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ

الفتح فتح مكة جاءت فاطمة فجلست عن يسار رسول الله صلى الله عليه وسلم وأم هانئ عن يمينه قالت فجاءت الوليدة بإناء فيه شراب فناولته فشرب منه ثم ناوله أم هانئ فشربت منه فقالت يا رسول الله لقد أفطرت وكنت صائمة فقال لها أكنت تقضين شيئا قالت لا قال فلا يضرك إن كان تطوعا۔

عبداللہ بن الحارث سے روایت ہے کہ اس نے کہا جب مکہ فتح ہوا تو اس دن حضرت فاطمہؓ آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھ گئیں اور ام ہانیؓ آپ کے دائیں طرف بیٹھی تھیں۔ ام ہانیؓ نے کہا کہ لونڈی ایک برتن لے کر آئی جس میں مشروب تھا یعنی پانی پس اس نے وہ برتن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اور آپ نے اس میں سے پیا، پھر آپ نے وہ ام ہانیؓ کو دیا اور اس نے اس میں سے پیا۔ ام ہانیؓ نے کہا یا رسول اللہ میں روزے سے تھی اور میں نے روزہ توڑ ڈالا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا: روزہ کسی اور روزے کی قضاء تو نہیں تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر یہ نفلی روزہ تھا تو تجھے کوئی نقصان نہیں ہوا (ترمذی اور نسائی)

شرح: ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ ام ہانیؓ نے روزہ توڑ کر مسئلہ پوچھا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے پانی سے تبرک حاصل کر سکے۔ اس حدیث میں قضاء یا عدم قضاء کا مسئلہ زیر بحث نہیں، حدیث کا لفظ: فلا یضرک إن کان تطوعًا سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس نے حضورؐ کا بچا ہوا پانی پیا اور پھر مسئلہ اس خیال سے دریافت کیا کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے گناہ گار تو نہیں ہو گئی۔ حضورؐ نے اس کا وہم دور فرمایا کیونکہ نفلی روزہ اس قسم کے عذر میں توڑنا جائز تھا۔ یہ واقعہ فتح مکہ کے زمانے کا ہے صرف اسی خاص دن کا نہیں۔ آپ ان دنوں میں کچھ مدت مکہ میں رہے۔ انہی دنوں میں جنگ حنین اور طائف وغیرہ کا قصہ پیش آیا تھا۔ رمضان کی بیس تاریخ کو مکہ فتح ہوا تھا۔ اگر یہ رمضان کے دن ہوتے تو حضورؐ کا یہ سوال کوئی معنی نہیں رکھتا تھا کہ: تم کوئی اور واجب تو ادا نہ کر رہی تھیں؟ یا یہ کہ یہ روزہ کسی ضروری قضاء کا تو نہ تھا؟ مثلاً خاص ماہواری ایام کے دنوں کا۔ ویسے ذہبی نے اس حدیث کو اس بنا پر درست قرار نہیں دیا کہ یہ رمضان کا زمانہ تھا۔

باب من رأى عليه القضاء

باب: جن کے نزدیک اس پر قضاء ہے۔

۲۴۵۷۔ حدثنا أحمد بن صالح نا عبد الله بن وهب أخبرني حيوة بن شريح عن ابن الهاد عن زميل مولى عروة عن عروة ابن الزبير عن عائشة قالت أهدي لي ولحفصة طعام وكنا صائمتين فأفطرنا ثم دخل

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا اُھْدِیَتْ لَنَا ھَدِیَّۃٌ فَاشْتَھَیْنَاھَا فَاَفْطَرْنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا عَلَیْکُمَا صُوْمَا مَکَانَہٗ یَوْمًا اٰخَرَ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے اور حفصہؓ کو کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجا گیا۔ ہم دونوں روزہ دار تھیں مگر ہم نے افطار کر لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو ہم نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہمیں ایک ہدیہ بھیجا گیا تھا۔ ہمیں وہ بہت اچھا لگا تو ہم نے روزہ افطار کر لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بات نہیں، اس کے بجائے ایک اور دن کا روزہ رکھ لو۔ (النسائی)

شرح: خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں نفلی روزے کی قضاء کا حکم آیا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ زمیل مجہول راوی ہے۔ اس حدیث کی مشہور سند وہ ہے جس میں ابن جریج عن الزہری عن عروہ آیا ہے۔ ابن جریج نے زہری سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حدیث عروہ سے سنی تھی؟ اس نے کہا کہ نہیں عبد الملک بن مروان کے دروازے پر ایک شخص نے مجھے بتائی تھی۔ خطابی نے کہا کہ شاید آدمی زمیل ہو۔ اور اگر حدیث ثابت ہو تو یہ حکم استحباب کے لیے ہے۔ بخاری نے کہا ہے کہ زمیل کا سماع عروہ سے اور یزید بن الہاد کا سماع زمیل سے ثابت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ زمیل پر کچھ ائمہ نے کلام کیا ہے مگر ابن عدی نے اس کی سند کو: "اس میں کوئی حرج نہیں" کہا ہے اور نسائی نے یزید کے زمیل سے سماع کی صراحت کی ہے۔ اس حدیث سے نفلی روزے کی قضاء ثابت ہوتی ہے۔ امر در اصل وجوب کے لیے ہوتا ہے الا بدلیل۔

بَابُ الْمَرْأَۃِ تَصُوْمُ بِغَیْرِ اِذْنِ زَوْجِھَا

باب۔ خاوند کی اجازت کے بغیر عورت کا نفلی روزہ۔

۲۴۵۸۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ھَمَّامِ ابْنِ مُنَبِّہٍ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُ امْرَأَۃٌ وَبَعْلُھَا شَاھِدٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ غَیْرَ رَمَضَانَ وَلَا تَاْذَنُ فِیْ بَیْتِہٖ وَھُوَ شَاھِدٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔

ہمام بن منبہ نے ابوہریرہؓ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خاوند کی موجودگی میں عورت

اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے، رمضان کے ماسوا، اور خاوند کے ہوتے ہوئے اس کے گھر میں کسی کو آنے کی اجازت نہ دے (بخاری، مسلم، ترمذی) اگر خاوند کی لفظی رضا نہیں صرف علمی رضا ہو تو بھی حرج نہیں۔

۲۴۵۹ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ زَوْجِي صَفْوَانَ بْنَ مُعَطَّلٍ يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ وَيُفَطِّرُنِي إِذَا صُمْتُ وَلَا يُصَلِّي صَلَاةَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ قَالَ فَسَأَلَهُ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَمَّا قَوْلُهَا يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ فَإِنَّهَا تَقْرَأُ بِسُورَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا قَالَ فَقَالَ لَوْ كَانَتْ سُورَةً وَاحِدَةً لَكَفَتِ النَّاسَ وَأَمَّا قَوْلُهَا يُفَطِّرُنِي فَإِنَّهَا تَنْطَلِقُ فَتَصُومُ وَأَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا أَصْبِرُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ لَا تَصُومُ امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَأَمَّا قَوْلُهَا إِنِّي لَا أُصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذَاكَ لَا نَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَإِذَا اسْتَيْقَظْتَ فَصَلِّ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ أَوْ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ۔

ابوسعیدؓ نے کہا کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور ہم آپ کے پاس تھے، پس وہ بولی یا رسول اللہ میرا خاوند صفوان بن معطلؓ مجھے نماز پڑھوں تو پیٹتا ہے اور روزہ رکھوں تو کھلوا دیتا ہے اور نماز فجر اس وقت پڑھتا ہے جبکہ سورج طلوع ہو جائے۔ ابوسعیدؓ نے کہا کہ صفوانؓ بھی وہیں تھا۔ ابوسعیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی شکایت کے متعلق اُس سے پوچھا تو اس نے کہا یا رسول اللہ: اُس کا یہ کہنا کہ جب نماز پڑھوں تو مجھے مارتا ہے، سو یہ اس لیے ہے کہ یہ دو سورتیں پڑھتی ہے اور میں نے اسے اس سے روکا ہے۔ ابوسعیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایک سورت ہو تو لوگوں کے لیے کافی ہے۔ اور رہی اس کی یہ بات کہ وہ میرا روزہ کھلوا دیتا ہے، تو یہ برابر روزے رکھے چلی جاتی ہے اور میں ایک جوان آدمی ہوں، صبر نہیں کر سکتا۔ پس اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر روزہ (نفلی) نہ رکھے۔ اور یہ جو اس کی بات ہے کہ میں سورج چڑھے نماز پڑھتا ہوں، تو ہم ایک ایسے گھر کے لوگ ہیں کہ ہم میں یہ بات معروف ہے، ہم سورج طلوع ہونے سے پہلے بیدار ہو ہی نہیں سکتے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ: پس جب تو بیدار

ہو تو نماز پڑھ لیا کر۔ ابو داؤد نے کہا کہ اسے حماد بن سلمہ نے حمید یا ثابت سے عن ابی المتوکل روایت کیا ہے۔

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ فقہی مسئلہ ہے کہ عامۃ احوال میں بیوی سے تمتع کرنے اور اس کی عشرت کے منافع مرد کے مملوک ہیں اور اس کا حق اپنی ذات میں کبھی ہے کبھی نہیں ہے۔ اور اس میں یہ بھی ثابت ہے کہ عورت اگر حقوق زوجیت اور اچھی طرح معاشرت سے انکار کرے تو مرد اُسے معمولی طور پر پیٹ سکتا ہے، اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ عورت اگر حج کا احرام (پہلے سے ہی) باندھ لے تو مرد اُسے روک سکتا ہے اور اس سے باز رکھ سکتا ہے کیونکہ مرد کا حق اس ذمہ معجّل ہے اور حج کے حق میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ عطاء بن ابی رباح کا نفلی حج میں یہی مذہب ہے اور علماء میں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرد اُسے نفلی حج سے روک سکتا ہے۔ اور حضورؐ کا صفوان کو یہ فرمانا کہ جب تو بیدار ہو تو نماز پڑھ لے اور اُسے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا اللہ سبحانہ، و تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر ایک عجیب لطف ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر ایک بڑا عجیب لطف و کرم اور شفقت ہے، اور غالبًا یہ اس لیے تھا کہ حضورؐ نے یہ سمجھ لیا کہ یہ اس کی طبعی عادت ہے اور عادت کا اس پر غلبہ ہے۔ پس یہ گویا ایک ایسی چیز تھی جس کے مقابلے میں وہ عاجز تھا۔ اور صفوان کی حالت اس میں بیہوش آدمی جیسی تھی اس لیے آپؐ نے اسے زجر و توبیخ نہ فرمائی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بات کبھی کبھی سرزد ہو جاتی ہے، مثلاً جب کسی نے اسے جگایا نہ ہو اور سوتے سوتے سورج طلوع ہو گیا ہو۔ ہمیشہ کی عادت نہ ہو۔ کیونکہ ہمیشہ ہی اس عادت پر استمرار آدمی سے بعید ہے۔ اور یہ گمان جائز نہ ہوگا کہ کسی کے بیدار کرنے کے باوجود وہ وقت پر کبھی نماز نہ پڑھتا ہو۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ سنن ابی داؤد کے زیادہ تر نسخوں میں: فانّها تقرأ بسورتی کا لفظ ہے اور حاشیے پر بسورتین کا لفظ ہے۔ مولانا الشاہ محمد اسحاقؒ دہلوی نے اسی کو (بسورتین) صحیح کہا ہے اور عون کے نسخے میں، مشکوٰۃ میں اور علامہ قاری کی تصحیح میں بسورتین ہے میں گزارش کرتا ہوں کہ حمصی نسخے میں بھی بسورتین کا لفظ ہے۔ شاید کسی کاتب یا ناسخ نے اسے بسورتی بنا دیا اور پھر بسورتی پڑھا جانے لگا۔ واضح اور صاف مطلب یہی ہے کہ وہ ایک ایک رکعت میں دو دو سورتیں پڑھتی تھی، حضورؐ نے فرمایا کہ ایک رکعت میں ایک ہی سورت کافی ہے۔ گویا صفوانؓ کی توثیق فرمائی۔ مگر الفاظ ایسے ارشاد ہوئے جن سے دو سورتوں کے پڑھنے کا عدم جواز نہیں نکلتا بمسند احمد کی ایک روایت میں تو بسورتین کا لفظ ہے اور اس طرح مطلب واضح ہے۔ دوسری روایت میں بسورتی ہے اور اس میں حضورؐ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ "تیری سورت اگر سب لوگ پڑھیں تو تیرا کیا نقصان ہے؟" گویا صفوان کا خیال یہ تھا کہ اسے وہ سورت نہ پڑھنی چاہیے جو میں پڑھتا ہوں (اور شاید یہ صلوٰۃ اللیل کا قصہ ہو!) صفوانؓ ایک مزدور آدمی تھے، دیر سے سوتے تھے اور نیند کے سخت تھے لہٰذا ان کے حق میں یہ ایک عذر شمار ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اشکال یہ پیش کیا ہے کہ حدیث الافک میں ام المؤمنین عائشہؓ کا یہ قول مذکور ہے کہ صفوانؓ نے کہا تھا: میں نے کسی عورت کا پردہ نہیں کھولا۔ بخاری نے اسی اشکال کی بناء پر حدیث ابی سعیدؓ کو ضعیف کہا ہے۔ اور ممکن ہے اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اُس وقت اس کا نکاح نہ ہوا تھا۔ یا یہ مطلب کہ اس نے از راہِ حرام کسی عورت کا پردہ نہ کھولا تھا۔

۷۵ فِي الصَّائِمِ يُدْعَى إِلَى وَلِيمَةٍ

باب۔ جب روزہ دار کو ولیمہ میں بلایا جائے۔

۲۴۶۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ نَا أَبُو خَالِدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ فَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ وَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ قَالَ هِشَامٌ وَالصَّلَوٰةُ الدُّعَاءُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ أَيْضًا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو وہ قبول کرے اگر روزہ نہ ہو تو کھانا کھائے اور اگر روزہ دار ہو تو دعا کرے۔ ہشام نے کہا کہ صلوٰۃ (فلیصل) سے مراد دعا ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس کو حفص بن غیاث نے بھی روایت کیا۔ (مسلم، ترمذی، نسائی۔ بخاری نے اسے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ذرا سے لفظی اختلاف سے روایت کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم میں بھی ہے)

شرح: دعوت قبول کرنا مسنون ہے جبکہ کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ اور یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ طبرانی میں فلیدع کا لفظ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

بَابُ ۷۶ مَا يَقُولُ الصَّائِمُ إِذَا دُعِيَ إِلَى الطَّعَامِ

باب۔ جب روزہ دار کو کھانے کی دعوت ملے تو کیا کہے۔

۲۴۶۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الطَّعَامِ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کھانے کی طرف دعوت دی جائے تو وہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی) یہ حدیث اوپر والی کے خلاف نہیں ہے۔ دعا اور یہ قول دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ایک بھی کہا جا سکتا ہے موقع و محل کا لحاظ ہوگا۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ

اعتکاف کا باب

۲۴۶۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے تھے حتیٰ کہ اللہ نے انہیں قبض فرما لیا۔ ثم آپ کی ازواج رض نے آپ کے بعد اعتکاف کیا (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

شرح: اعتکاف کا لغوی معنیٰ ہے کسی چیز کا لزوم اور نفس کو اس پر روکنا۔ شرعی تعریف یہ ہے کہ کسی خاص شخص کا ایک خاص صفت کے ساتھ مسجد میں رُک کے رہنا۔ اعتکاف سنت ہے اور اجماعاً واجب نہیں ہے۔ نذر ہو تو وہ دوسرا مسئلہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اعتکاف شروع کرے اور پھر اسے قطع کرے تو اس پر بھی واجب ہو گا۔ جیسے کہ عمرہ اصل میں واجب نہ تھا مگر رکاوٹ کے باعث اسے قطع کرنا پڑا تو حضور رنے صحابہ سمیت اسے قضا فرمایا تھا۔ حنفیہ نے اعتکاف کو سنت موکدہ علی الکفایہ (آخر رمضان میں) قرار دیا ہے۔ کیونکہ سب صحابہ نے تو اعتکاف نہیں کیا تھا اور حضور نے ان پر نکیر نہ فرمائی۔ ازواج مطہرات رض کا اعتکاف اپنے گھروں میں تھا نہ کہ مسجد میں۔

۲۴۶۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ اَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَبِي رَافِعٍ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا فَلَمَّا كَانَ فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ اعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً۔

اُبی بن کعب رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے۔ پس ایک سال اعتکاف نہ فرمایا (غالباً یہ فتح مکہ کا سال تھا کہ اس میں جہاد و قتال کا عذر موجود تھا) جب اگلا سال ہوا تو آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا (ابن ماجہ، نسائی)

شرح: ابن ماجہ کی حدیث میں یہ عذر سفر کا تھا اور علامہ سندھی رح نے لکھا ہے کہ بظاہر یہ فتح مکہ کا سال تھا۔ فتح مکہ رمضان کا واقعہ ہے۔ حضور کے فوت شدہ اعتکاف کی قضا کا باعث یا یہ ہو گا کہ شاید یہ آپ پر واجب تھا یا اس کی سنیت میں تاکید تھی جس کے اظہار کے لیے ایسا فرمایا۔ ویسے بھی عادت مبارکہ یہی تھی کہ جس نفل کو شروع فرماتے اسے نبھایا کرتے تھے۔ خطابی رح نے اس حدیث سے نفل کی قضاء کا استدلال کیا ہے اور بنی تمیم کے وفد کے موقع پر ظہر کی دو فوت شدہ رکعتوں کو بھی حضور نے بعد از عصر قضاء کیا تھا۔ خطابی نے کہا ہے کہ اس سے ان لوگوں کی دلیل بھی نکلی جو اعتکاف کو

بلا صوم جائز ٹھہراتے ہیں کیونکہ حضورؐ کا صوم تو شہر رمضان کے باعث تھا۔ مگر خطابی رحمہ نے یہ واضح نہیں کیا کہ یہ دلیل کہاں سے نکلی؟، حسن بصریؒ نے اعتکاف کو بلا صوم جائز کہا ہے اور یہی شافعی کا مذہب ہے۔ علی رضؓ اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے معتکف کو (یعنی جب وہ رمضان کے علاوہ اعتکاف کرے) روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا ہے۔ اوزاعی اور مالک نے کہا کہ روزے کے بغیر کوئی اعتکاف نہیں اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ یہ ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور عائشہ رضؓ صدیقہ سے مروی ہے اور سعید بن المسیبؒ، عروہ بن زبیرؓ اور زہری کا مختار یہی ہے۔

۲۴۶۴۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَيَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ مُعْتَكَفَهُ قَالَتْ وَإِنَّهُ أَرَادَ مَرَّةً أَنْ يَعْتَكِفَ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ قَالَتْ فَأَمَرَ بِبِنَائِهِ فَضُرِبَ فَلَمَّا رَأَيْتُ ذٰلِكَ أَمَرْتُ بِبِنَائِي فَضُرِبَ قَالَتْ وَأَمَرَ غَيْرِي مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَائِهِ فَضُرِبَ فَلَمَّا صَلَّى الْفَجْرَ نَظَرَ إِلَى الْأَبْنِيَةِ فَقَالَ مَا هٰذِهِ آلْبِرَّ تُرِدْنَ قَالَتْ فَأَمَرَ بِبِنَائِهِ فَقُوِّضَ وَأَمَرَ أَزْوَاجَهُ بِأَبْنِيَتِهِنَّ فَقُوِّضَتْ ثُمَّ أَخَّرَ الْإِعْتِكَافَ إِلَى الْعَشْرِ الْأَوَّلِ يَعْنِي مِنْ شَوَّالٍ قَالَ أَبُو دَاؤُدَ رَوَاهُ ابْنُ إِسْحٰقَ وَالْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ نَحْوَهُ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ إِعْتَكَفَ عِشْرِينَ مِنْ شَوَّالٍ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو نماز فجر پڑھ کر اعتکاف گاہ میں داخل ہو جاتے۔ عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کا ارادہ فرمایا۔ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے اپنا خیمہ لگانے کا حکم دیا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے بھی اپنا خیمہ لگانے کا حکم دیدیا۔ اور میرے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج نے بھی اپنے اپنے خیموں کے لگانے کا حکم دے دیا اور وہ لگ گئے۔ پس جب آپؐ نے فجر کی نماز پڑھی تو ان خیموں کی طرف نگاہ کی تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ کیا تم نیکی کا ارادہ رکھتی ہو؟ عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے اپنا خیمہ اکھاڑنے کا حکم دیا تو اسے اکھاڑ دیا گیا اور آپؐ کی ازواج رضؓ نے اپنے خیمے اکھاڑنے کا حکم دیا اور وہ اکھاڑ دیئے گئے۔ پھر آپؐ نے شوال کے پہلے عشرے تک اعتکاف کو مؤخر فرما دیا (بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ترمذی مختصراً)

شرح: ابوداؤد کا قول اس کے آخر میں ہے کہ اسے ابن اسحاق اور اوزاعی نے یحییٰ بن سعید سے اسی طرح روایت کیا ہے اور مالک نے اسے یحییٰ بن سعید سے روایت کیا تو کہا کہ: حضورؐ نے شوال کے بیس دن اعتکاف فرمایا۔ خطابی نے کہا ہے

کہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ معتکف کو دن کی ابتداء میں اعتکاف شروع کرنا چاہیے۔ اور نماز فجر پڑھ کر معتکف میں داخل ہونا چاہیے۔ اوزاعی اور ابو ثور کا یہی مذہب ہے۔ مالک، شافعی اور احمد نے کہا کہ جب کسی معین مہینے کے اعتکاف کا ارادہ ہو تو غروب آفتاب سے پہلے اس کی ابتداء کرے۔ اور حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ اعتکاف اگر نذر کا نہ ہو تو معتکف جب چاہے اسے ترک کر سکتا ہے (قضاء کا مسئلہ الگ رہا) اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ کسی آفت کے باعث جب اجر ضائع ہو جانے کا خدشہ ہو تو نیک عمل کو ترک کر دینا مباح ہے۔ اور اس میں عورتوں کے اعتکاف کے جواز کی دلیل بھی ہے اور یہ بھی کہ بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہیں کر سکتی اور خاوند اجازت دینے کے بعد بھی اسے کسی مصلحت سے روک سکتا ہے۔ شافعی رح نے بھی یہی کہا مگر مالک رح نے کہا کہ خاوند کو اجازت دے کر منع کرنے کا حق نہیں۔ اور اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے گھر میں اعتکاف کر سکتی ہے۔ اور اس کا جواز ابو حنیفہ رح سے منقول ہے مرد کے لیے گھر میں اعتکاف کی اجازت نہیں کیونکہ اس کا اعتکاف صرف مسجد میں ہو سکتا ہے۔ حذیفہ رض بن سلیمان کا قول ہے کہ اعتکاف صرف تین مسجدوں میں جائز ہے: مسجد حرام، مسجد نبوی، اور بیت المقدس۔ عطاء نے بیت المقدس کو حذف کیا ہے۔ علی بن ابی طالب رض سے مروی ہے کہ اعتکاف صرف جامع مسجد میں ہو سکتا ہے، زہری، حکم اور حماد کا یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر، ابو قلابہ اور نخعی نے کہا کہ قبائل (محلوں اور گلیوں) کی مسجدوں میں اعتکاف جائز ہے اور یہی حنفیہ، شافعی اور مالک کا مذہب ہے۔

مولانا رح نے فرمایا کہ ائمہ اربعہ اور علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ اعتکاف گاہ میں غروب آفتاب سے ذرا پہلے داخل ہو۔ لیکن اس حدیث سے بعد از نماز فجر کا ذکر ہے۔ اس حدیث کا مطلب انہوں نے یہ لیا ہے کہ حضور ص نے رات تو مسجد میں گزاری مگر اعتکاف کی خاص جگہ میں فجر کے بعد داخل ہوئے اعتکاف کی شرط مسجد میں رہنا ہے۔ خاص جگہ تو اس لیے ہوتی ہے کہ دن میں لوگوں کا آنا جانا رہتا ہے لہذا خلوت گاہ میں اطمینان سے عبادت ادا ہو سکے۔ رات کا وقت خود خلوت کا وقت ہوتا ہے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضور ص کا اعتکاف آخری عشرے میں ہوتا تھا اور عشرے کا شمار راتوں سے ہے۔ پس ۲۱ کی رات سے ہی اعتکاف شروع ہو گا ورنہ عشرے کا عدد پورا نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی آدمی ۲۱ کی صبح کو اعتکاف شروع کرے تو ایک رات جاتی رہی جو ممکن ہے لیلۃ القدر ہو۔ اعتکاف کا بڑا مقصد اس کا حصول ہے۔ نووی رح نے کہا ہے کہ حضور ص رات کو مسجد میں تھے مگر خلوت گاہ میں اگلی صبح کو داخل ہوئے۔ قاضی ابو یعلی حنفی نے کہا ہے کہ حدیث عائشہ رض کا مطلب یہ ہے کہ حضور ص ۲۰ تاریخ کو ہی بعد از فجر اعتکاف کی خلوت گاہ میں اس لیے داخل ہوتے تھے کہ عشرہ داخل ہونے سے پہلے دن کی روشنی میں کچھ عبادت شروع کر دیں۔ نیز یہ بھی مدنظر ہو گا کہ اگر اگلی رات لیلۃ القدر ہے تو اس کا پتہ چل جائے۔ ویسے بھی حدیث عائشہ رض سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ۲۱ کی صبح ہوتی تھی۔ نہ یہ لازم آتا ہے کہ نماز فجر کے فوراً بعد خلوت میں چلے گئے ہوں، مقصود صرف یہ تھا کہ ۲۱ کی ابتداء سے پہلے دن کا کچھ حصہ اعتکاف گاہ میں گزرے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ازواج مکرمات نے حضور ص کو دیکھ کر اپنے خیمے کیوں لگائے؟ اوزاعی کی روایت میں حافظ ابن حجر کے بقول حضرت عائشہ رض نے حضور ص سے اجازت مانگی تو آپ ص نے انہیں اجازت دے دی۔ حفصہ رض نے حضرت عائشہ رض سے اپنے بارے میں اجازت لینے کو کہا تو عائشہ رض نے ان کے لیے بھی اجازت لے لی مگر ابن فضیل کی روایت میں ہے

کہ حفصہؓ نے اپنا قبہ بلا اجازت لگایا تھا، مگر نسائی میں ابن عیینہ کی روایت میں ہے کہ پھر حفصہؓ نے اجازت مانگی تو حضورؐ نے انہیں بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ اجازت حماد اور اوزاعی کی روایت کے مطابق عائشہؓ نے لے کر دی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد جب حضورؐ اعتکاف گاہ کی طرف چلے تو یہ خیمے دیکھے اور دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ ازواجؓ کے خیمے ہیں حضورؐ نے پھر وہ لفظ ارشاد فرمائے جن کی روایت ابوداؤد نے یہ کی کہ: آلْبِرَّ تُرِدْنَ۔ کیا تم نیکی چاہتی ہو؟ بخاری کی روایت میں ہے: آلْبِرَّ تُرِدْنَ بِهِنَّ الوگو کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ نیک کام کر رہی ہیں؟ ایک اور روایت میں ہے: آلْبِرَّ تَقُوْلُوْنَ بِهِنَّ۔ تم کیا کیا کہتے ہو کہ یہ نیکی کا جذبہ ہے جو ان میں ہے؟ اوزاعی کی روایت میں ہے: آلْبِرَّ اَرَدْنَ۔ کیا انہوں نے نیکی چاہی ہے؟ ابن عیینہ کی روایت میں ہے: آلْبِرَّ تَقُوْلُوْنَ يُرِدْنَ۔ کیا تمہارے خیال میں یہ نیکی چاہتی ہیں؟ اور یہ خطاب حاضرین کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنا خیمہ اُکھڑوا ڈالا۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ حضورؐ کے ارشاد سے اور خیمہ اکھڑوا دینے سے معلوم ہوا کہ آپ کو ازواجؓ کے اس فعل سے اندیشہ ہوا تھا کہ مبادا ان میں فخر و مباہات اور رشک و غیرت سے پیدا ہونے والا تنافس پیدا ہو گیا ہو اور وہ نفسِ انسانی کا خاصہ ہے۔ خاص کر ازواجِ مطہرات کا تنافس تو حضورؐ کی ذاتِ اقدس کے لیے تھا جسے کسی طرح ناجائز تو نہیں کہا جا سکتا البتہ اس سے مفاسد اور الجھنیں پیدا ہونے کا خدشہ ضرور تھا) اور اس طرح اعتکاف کا مقصد فوت ہو جائے۔ بھلا اگر مسلمانوں کی بیویاں بھی یہی کام کرتیں تو مسجد میں نماز کی جگہ کہاں رہتی؟ اور عورتوں کے اجتماع سے اعتکاف کی خلوت متاثر ہوتی اور اس کا مقصد فوت ہو جاتا۔ یوں بظاہر ایک معصوم سا جذبہ جو نتائج پیدا کرتا شارع علیہ السلام کی نگاہِ دُوربین نے اسے بھانپ لیا اور بروقت اس کا تدارک فرما دیا۔

بخاری کے الفاظ میں اس کے بعد آپؐ نے شوال میں دس دن کا اعتکاف فرمایا۔ ابوداؤد نے اَلْعَشْرَ الْاَوَّلَ کی روایت کی ہے بخاری کی دوسری روایت میں بھی عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ کے لفظ ہیں، ابن فضیل کی روایت بقول حافظ شوال کے آخری عشرے کے متعلق ہے۔ ابوداؤد نے جن روایات کا حوالہ دے کر عِشْرِيْنَ مِنْ شَوَّالٍ کہا ہے وہ بخاری کی حدیث، مالک کے خلاف ہے کہ وہاں دس دن کا ذکر ہے۔ اور یہی روایت مؤطا میں بھی ہے، بلکہ مؤطا کے تمام مختلف نسخوں میں یہی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ غلط اور انتہائی غیر صحیح ہے۔ اسماعیلی نے کہا کہ اس سے پتہ چلا کہ اعتکاف بلا صوم صحیح ہے کیونکہ حضورؐ نے جب شوال کے پہلے عشرے کا اعتکاف فرمایا تو اس میں عید الفطر کا دن بھی تھا جس میں روزہ جائز ہی نہیں۔ لیکن اگر پہلے عشرے میں اعتکاف شروع فرما دیا ہو تو اس پر یہ صادق آجاتا ہے کہ آپ کا اعتکاف (یعنی اس کا کچھ حصہ) شوال کے پہلے عشرے میں واقع ہوا۔ نفل کو شروع کر کے توڑ دیا جائے تو اس کی قضا واجب ہے یہ حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ دوسروں نے اس قضاء کو مندوب و مستحب کہا ہے۔

بَابُ: اَيْنَ يَكُوْنُ الْاِعْتِكَافُ

باب۔ اعتکاف کہاں ہوتا ہے؟

۲۴۶۵۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ أَنَّ نَافِعًا أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ قَالَ نَافِعٌ وَقَدْ أَرَانِي عَبْدُ اللهِ الْمَكَانَ الَّذِي كَانَ يَعْتَكِفُ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَسْجِدِ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرماتے تھے۔ نافع نے کہا کہ عبداللہؓ نے مجھے مسجد میں وہ جگہ دکھائی جہاں حضورؐ اعتکاف کرتے تھے (بخاری و مسلم۔ بخاری نے نافع کا قول روایت نہیں کیا)

شرح: ابن ماجہ کی روایت ابن عمرؓ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو آپؐ کا بستر لگایا جاتا اور چارپائی "توبہ کے ستون" کے پیچھے لگادی جاتی۔ معجم طبرانی میں ہے کہ وہ ستون بجانب قبلہ تھا اور اس کے ساتھ آپ ٹیک لگاتے تھے۔ بیہقی نے بھی سندِ حسن کے ساتھ تقریباً انہی الفاظ کی روایت کی ہے۔ نووی نے کہا کہ مسجد میں ہی اعتکاف ہو سکتا ہے باہر نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج و اصحاب نے مسجد میں ہی اعتکاف کیا حالانکہ مسجد میں بند رہنے میں مشقت تھی۔ اگر گھروں میں جائز ہوتا تو وہ ایسا کرتے کم از کم ایک مرتبہ سہی، بالخصوص خواتین۔ کیونکہ خواتین کی ضروریات مسجد سے زیادہ گھروں کے متعلق ہوتی ہیں۔ نووی نے کہا یہی مالک، شافعی، احمد، داؤد اور جمہور کا مذہب ہے، مرد عورت اس میں برابر ہیں۔ ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کا اعتکاف اس کے گھر کی مسجد (جو جگہ نماز کے لیے گھروں میں مقرر ہوتی ہے) میں جائز ہے اور مرد کے لیے صرف مسجد میں جائز ہے گھر میں نہیں۔ شافعی کا قولِ قدیم بھی یہی ہے۔ مالک، شافعی اور جمہور نے اعتکاف کا جواز ہر مسجد میں رکھا ہے۔ احمد نے کہا کہ صرف ایسی مسجد میں جائز ہے جہاں نماز پنج گانہ با جماعت ہوتی ہو۔ ابوحنیفہ نے کہا کہ ایسی مسجد ہو جہاں سب نمازیں پڑھی جاتی ہوں یعنی نماز پنج گانہ با جماعت شرط نہیں۔ زہری اور کچھ اور لوگوں نے کہا کہ صرف جامع مسجد میں۔ حذیفہؓ کے نزدیک اعتکاف صرف مسجد حرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس میں جائز ہے۔ اس مسئلہ پر علماء کا اجماع ہے کہ اعتکاف کے اکثر ایام کی کوئی حد نہیں ہے۔

۲۴۶۶۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ عَنْ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ كُلَّ رَمَضَانَ عَشَرَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس دن اعتکاف کرتے تھے۔ لیکن جب آپؐ کا سالِ وفات ہوا تو آپؐ نے بیس دن اعتکاف کیا (بخاری، ابن ماجہ، نسائی)

شرح: حضورؐ نے عمر کے آخری حصے میں زیادہ اعتکاف اس لیے کیا کہ اس عمر میں زیادہ اعمال خیر کرنے کا امت کے لیے ایک نمونہ چھوڑیں تاکہ لوگ بہترین اعمال کے ساتھ خدا سے ملیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جبریلؑ ہر سال (نازل شدہ) قرآن کا ایک بار آپ سے دَور کرتا تھا اور اس سال دو مرتبہ یہ دَور ہوا اور اس دَور میں زیادہ وقت مطلوب تھا، شاید باجماعت دونوں حضرات نماز میں دَور کرتے ہوں) ابن العربی نے کہا کہ جس سال میں حضورؐ نے ازواج کے رشک کے باعث رمضان کا اعتکاف ترک کیا تھا اور اسے شوال میں قضاء کیا تھا، آئندہ سال بیس دن رمضان کا اعتکاف ہوا تاکہ قضا، کا یقین حاصل ہو جائے۔ اس سے قوی تر سبب وہ ہے جو ابن حبان وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ آخری سال سے قبل آپ مسافرت کے باعث رمضان کا اعتکاف نہیں کر سکے تھے۔ اس مضمون کی حدیث ابو داؤد اور نسائی میں بھی ہے بیس دن کا اعتکاف بھی متعدد بار ہوا ہو کیونکہ حضورؐ کی زندگی نہایت مصروف تھی اور اکثر آپؐ کو اسفار پیش آتے رہتے تھے۔

بَابُ الْمُعْتَكِفِ يَدْخُلُ الْبَيْتَ لِحَاجَتِهِ

حسب ضرورت معتکف کے لیے گھر میں داخل ہونے کا باب۔

۲۴۶۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِي إِلَيَّ رَأْسَهُ فَأُرَجِّلُهُ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر میری طرف جھکاتے اور میں کنگھی کر دیتی۔ اور گھر میں آپ انسانی ضرورت کے بغیر داخل نہ ہوتے تھے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

شرح: خطابی نے کہا کہ معتکف ضروری حاجات مثلاً بول و براز کے لیے گھر آ سکتا ہے، اگر کھانے پینے کے لیے آئے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ ابو ثور نے وضوء کو بھی ایک ضروری حاجت کہا ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ صرف بول و براز کے لیے جا سکتا ہے مگر واجب اعتکاف میں تو مریض کی عبادت، جنازہ میں شامل ہونا بھی جائز نہیں اور نفلی اعتکاف میں ابتداء میں یہ شرط کی تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اوزاعی نے کہا کہ اعتکاف میں کوئی شرط نہیں ہوتی۔ حنفیہ نے کہا کہ جمعہ اور بول و براز کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے اور کسی کام کے لیے نہیں مثلاً مریض کی عیادت یا نماز جنازہ۔ مالک و شافعی نے کہا ہے معتکف عیادت اور جنازے کی نماز کے لیے نہیں نکل سکتا اور یہی قول عطاء اور مجاہد کا ہے۔ کچھ لوگوں نے نماز جمعہ، عیادت مریض اور نماز جنازہ کے لیے نکلنا جائز بتایا ہے۔ یہ قول علیؓ سے مروی ہے، اور سعید بن جبیر، حسن بصری اور نخعی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا کہ بول و براز کے لیے خروج عن المسجد پر سب علماء کا اتفاق ہے، مگر کھانے پینے میں اختلاف

ہے۔ اگر وضوء مسجد سے باہر کرے تو اعتکاف باطل نہیں ہوتا اور قے اور فصد وغیرہ کی حاجت ہو تو خروج جائز ہے۔
حافظ صاحب نے خطابی کے برعکس حضرت علی رض، نخعی اور حسن بصری کے نزدیک نماز جمعہ، عیادت مریض اور نماز جنازہ کے لیے نکلنے کو اعتکاف باطل ہو جانے کا سبب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہی فقہائے کوفہ کا مذہب ہے۔ یعنی جمعہ کے بارے میں جواز اور دیگر میں عدم جواز۔

۲۴۶۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ اللهِ ابْنُ مَسْلَمَةَ قَالَا نَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَلِكَ رَوَاهُ يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَلَمْ يُتَابِعْ أَحَدٌ مَالِكًا عَلَى عُرْوَةَ عَنْ عَمْرَةَ وَرَوَاهُ مَعْمَرٌ وَزِيَادُ بْنُ سَعْدٍ وَغَيْرُهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ

قتیبہ بن سعید کے طریق سے یہ اسی روایت کی دوسری سند ہے جس میں حضرت عائشہ سے عروہ اور عمرہ ہر دو نے روایت کی ہے ابوداؤد نے کہا کہ اسی طرح یونس نے زہری سے روایت کی ہے اور مالک عن عروہ عن عمرہ عن عائشہ رض کی روایت میں مالک کی متابعت کسی نے نہیں کی۔ اور معمر اور زیاد بن سعد وغیرہ نے عن الزہری عن عروہ عن عائشہ رض کہا ہے (عروہ اور عمرہ ہر دو حضرت عائشہ رض کے شاگرد تھے)

۲۴۶۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَمُسَدَّدٌ قَالَا نَا حَمَّادٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ مُعْتَكِفًا فِي الْمَسْجِدِ فَيُنَاوِلُنِي رَأْسَهُ مِنْ خَلَلِ الْحُجْرَةِ فَأَغْسِلُ رَأْسَهُ وَقَالَ مُسَدَّدٌ فَأُرَجِّلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ۔

حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے تو حجرہ کے دروازے وغیرہ سے اپنا سر میری طرف کرتے اور میں اسے دھو دیتی۔ مسدد نے کہا: میں ماہواری کے دنوں میں آپ کو اسی طرح کنگھی کر دیتی تھی (اس سے ثابت ہوا کہ بدن کی صفائی، کنگھی، ناخن کاٹنا یا کٹوانا، سر منڈوانا کتروانا اس حالت میں جائز ہے بشرطیکہ بدن کا کچھ حصہ مسجد کے اندر رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خروج کا معنیٰ ہے پاؤں مسجد سے نکال کر ان پہ کھڑے ہو جانا یا کسی طرح سے سارا جسم مسجد سے خارج کر دینا)

۲۴۷۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَبُّوَيْهِ الْمَرْوَزِيُّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ نَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ صَفِيَّةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْتَكِفًا فَأَتَيْتُهُ أَزُورُهُ لَيْلًا فَحَدَّثْتُهُ ثُمَّ قُمْتُ فَانْقَلَبْتُ فَقَامَ مَعِيَ

لِيُقَلِّبَنِي وَكَانَ مَسْكَنُهَا فِي دَارِ أُسَامَةَ ابْنِ زَيْدٍ فَمَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَلَمَّا رَأَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرَعَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رِسْلِكُمَا إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ قَالَا سُبْحَانَ اللهِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ فَخَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا أَوْ قَالَ شَرًّا.

علی بن حسین (زین العابدین) نے ام المؤمنین صفیہؓ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے اور میں رات کے وقت آپ کی زیارت کے لیے آئی۔ پس میں نے آپ سے گفتگو کی اور اٹھ کر جانے لگی تو آپ میرے ساتھ اٹھے تاکہ مجھے رخصت کریں، اور حضرت صفیہؓ کا مسکن اسامہ بن زیدؓ کے گھر میں تھا، پس دو انصاری مرد گزرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر تیز تیز چلنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ یہ صفیہؓ بنت حُیی ہے۔ وہ بولے سبحان اللہ یا رسول اللہ! (یہ کیا فرمایا) حضورؐ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح جاری وساری ہوتا ہے، مجھے خدشہ ہوا کہ مبادا وہ تمہارے دل میں وہ چیز یا کوئی بری بات ڈال دے (اور حضورؐ پہ بدگمانی ایمان ہی جاتا رہے!) یہ اور اگلی حدیث بخاری میں تین بار ابن ماجہ، دارمی مسند احمد، مسلم اور نسائی میں بھی آئی ہے۔

شرح: امام شافعیؒ کا قول ہے کہ حضورؐ نے ان دونوں سے (غالباً اُسید بن حضیرؓ اور عباد بن بشرؓ) ازراہ شفقت ورحمت یہ فرمایا مبادا حضورؐ کے خلاف بدگمانی دل میں آ جائے اور ہلاک ہو جائیں۔ حضورؐ پہ بدگمانی کفر ہے۔ دار اُسامہ بن زیدؓ سے مراد یہ ہے کہ اُس جگہ پر بعد میں اُسامہؓ کی رہائش رہی تھی۔ بعض روایات سے دیگر ازواج کا حاضر ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ صفیہؓ دیر سے آئی تھیں، دیگر ازواج پہلے مل کر پہلے چلی گئی تھیں، حضورؐ نے یہ بات پسند نہ فرمائی کہ وہ اکیلی جائیں لہٰذا انہیں رخصت کرنے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے۔ صفیہؓ کا مسکن دیگر ازواج سے دُور تھا۔

۲۴۷۱ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ نَا أَبُو الْيَمَانِ نَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِإِسْنَادِهِ بِهَذَا قَالَتْ حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ الَّذِي عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ مَرَّ بِهِمَا رَجُلَانِ وَسَاقَ مَعْنَاهُ.

دوسری روایت زہری کی سند کے ساتھ۔ اس میں ہے کہ صفیہؓ نے فرمایا: حتیٰ کہ جب آپ ام سلمہؓ کے گھر کے قریب مسجد کے دروازے کے پاس پہنچے تو ہمارے پاس سے دو مرد گزرے۔ اُسی اوپر والی حدیث کے مطابق (حوالہ سابقہ)

بَابُ الْمُعْتَكِفِ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ

باب۔ کیا معتکف مریض کی عیادت کر سکتا ہے؟

۲۴۷۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى قَالَا نَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ اَنَا اللَّيْثُ بْنُ اَبِيْ سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ النُّفَيْلِيُّ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُرُّ بِالْمَرِيْضِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ كَمَا هُوَ وَلَا يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ وَقَالَ ابْنُ عِيْسٰى قَالَتْ اِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں ہوتے تو مریض کے پاس گزرتے، پس آپ اسی طرح گزر جاتے، اس کی طرف متوجہ ہو کر سوال نہ کرتے (یہ نفیلی کی روایت ہے) ابن عیسٰی راوی نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اعتکاف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت فرماتے تھے۔

شرح: منذری نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں لیث بن ابی سُلیم راوی پر کلام ہوا ہے۔ مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک معتکف نمازِ جنازہ کے لیے یا مریض کی عیادت کے لیے مسجد سے نہ نکلے کیونکہ یہ ضروری کام نہیں مریض کی عیادت فرائض میں داخل نہیں ہے بلکہ فضائل میں سے ہے اور نماز جنازہ فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے جو دوسروں کے اس کام میں لگ جانے کے باعث ساقط ہو جاتا ہے۔ پس جس اعتکاف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی رخصت منقول ہے وہ نفلی اعتکاف ہے، واجب نہیں۔ پس ایسا آدمی مسجد سے جب چاہے نکل سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب معتکف حاجات ضروریہ کے لیے باہر نکلے تو راستے میں مریض کی عیادت کر سکتا ہے اور نمازِ جنازہ بھی پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس کا خروج قصداً اسی غرض کے لیے ہو گا۔ جمعہ چونکہ فرضِ عین ہے لہٰذا اس کے لیے وہ نکل سکتا ہے۔ اور چونکہ جمعہ ہر مسجد میں قائم نہیں ہو سکتا لہٰذا غیر جامع مسجد میں اعتکاف کرنے والا اس فرض کی ادائیگی کے لیے نکل سکتا ہے۔ یہ خروج چونکہ حاجت انسانیہ کی مانند ہے لہٰذا اس کے اعتکاف کو باطل نہیں کرتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ کی خاطر اگر نکلے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

۲۴۷۳۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ اَنَا خَالِدٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَعْنِيْ ابْنَ اِسْحٰقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتِ السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ امْرَاَةً وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ

اِلَّا بِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ غَيْرُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اِسْحٰقَ لَا يَقُوْلُ فِيْهِ قَالَتْ اَلسُّنَّةُ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ جَعَلَهُ قَوْلَ عَائِشَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ مریض کی عیادت نہ کرے، جنازے پر حاضر نہ ہو، عورت کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ اس سے جسم ملائے اور صرف اس حاجت کے لیے باہر نکلے جس کے بغیر چارہ نہ ہو، اور روزے کے بغیر کوئی اعتکاف نہیں اور مسجد جامع کے سوا کوئی اعتکاف نہیں (نسائی)، مگر اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سنت والا قول نہیں ہے، اور نسائی نے اسے مالک کی روایت سے بیان کیا اس میں بھی یہ سنت والی عبارت نہیں ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ عبدالرحمن بن اسحاق کے سوا دوسرے راوی یہ نہیں کہتے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا سنت آلخ اور انہوں نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول بتایا ہے نہ کہ حدیث مرفوع۔

شرح: معالم السنن میں خطابی نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے السُّنَّۃ کے لفظ سے اگر یہ مراد لی ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہے تو پھر یہ احکام نصوص ہیں جن کے خلاف جائز نہیں ہے۔ اور اگر ان کی مراد سنت سے اپنی سمجھ اور اجتہاد کے مطابق فتوی دینا ہے تو ان امور میں سے بعض ہیں بعض اصحاب ان کے خلاف ہیں۔ صحابہ کا جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو فیصلہ نظر و اجتہاد سے ہوتا ہے۔ ابوداؤد کا یہ قول کہ السُّنَّۃ کا لفظ صرف عبدالرحمان بن اسحاق کی روایت میں ہے، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فتوی ہے۔ اور لَا يَعُوْدُ مَرِيْضًا کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے معتکف سے اس قصد و ارادے سے نہ نکلے، لیکن اگر چلتے چلتے پوچھ لے تو نا جائز نہ ہوگا لا یمس امراۃ میں مس سے مراد اگر جماع ہے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔ بغل گیری میں اختلاف ہے، عطاء اور شافعی نے کہا کہ بغل گیر ہونے اور بوسہ لینے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا گو انزال ہو جائے۔ مالک اور حنفیہ ان سب چیزوں کو مفسدِ اعتکاف کہتے ہیں۔ اور جہاں تک مسجد جامع کے سوا اعتکاف نہ ہونے کا سوال ہے اس میں احتمال ہے کہ نفی فضیلت اور کمال کی ہو۔ نفلی اعتکاف میں جامع اور غیر جامع مسجد برابر ہیں۔ نذر کے اعتکاف میں جس نے اتنے دن کی نیت کی کہ جس سے جمعہ فوت ہو جائے تو مکروہ ہے (مگر حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے اعتکاف سے خروج جائز ہے)

مولانا نے فرمایا کہ اعتکاف کے لیے حسب روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا، ان دونوں حضرات کے نزدیک صوم شرط ہے۔ مالک اور حنفیہ کا یہی مذہب ہے اور احمد و اسحاق کے مذہب ہیں اس سلسلے میں اختلاف ہے قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم کے بغیر کبھی اعتکاف نہیں کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ صوم شرط ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ انہوں نے حضور سے پوچھا تھا: میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کی نیت کی تھی، حضور نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر۔ وجہ یہ تھی کہ رات روزے کا محل نہیں ہے اور ان کی نذر رات کی تھی۔ بعض روایات میں صرف یوماً کا لفظ ہے بعض میں یوماً و لیلۃً کا لفظ ہے۔ بعض نے

صرف لیلۃً کا ذکر کیا اور اس سے مراد ۲۴ گھنٹے کا دن لیا۔ بعض نے صرف یوماً کہا اور اس سے بھی یہی مراد ہے۔ اور عمرو بن دینار کی روایت جو ابن عمرؓ سے ہے اس میں اس حدیث میں روزے کا صریح حکم موجود ہے مگر وہ ضعیف سند کی روایت ہے۔
حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اعتکاف کے لیے مسجد کی شرط ہے۔ ہاں! ابن لبابہ مالکی نے کہا ہے کہ اعتکاف ہر جگہ صحیح ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک عورت کے لیے اپنے گھر کی مسجد (نماز گاہ) میں اعتکاف جائز ہے۔ بعض مالکی اور شافعی علماء نے مردوں کے لیے بھی گھر کی مسجد میں اعتکاف جائز رکھا ہے کیونکہ نفل گھر میں افضل ہیں۔ ابو حنیفہ اور احمدؒ کے نزدیک اعتکاف ان مساجد کے ساتھ خاص ہے جہاں باجماعت نماز ہوتی ہو۔ ابو یوسف نے یہ حکم واجب اعتکاف کا بتایا ہے۔ نفل اعتکاف ہر مسجد میں جائز ہے۔ جمہور کے نزدیک تمام مساجد میں اعتکاف جائز ہے مگر جس پر جمعہ فرض ہے اس کے لیے شافعی نے جامع مسجد کو مستحب بتایا ہے۔

۲۴۷۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُدَيْلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَعَلَ عَلَيْهِ أَنْ يَعْتَكِفَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَيْلَةً أَوْ يَوْمًا عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اعْتَكِفْ وَصُمْ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی کہ کعبہ کے پاس ایک دن یا ایک رات اعتکاف کروں گا۔ پس انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: اعتکاف کر اور روزہ رکھ (یہ حدیث سنن ابی داؤد کی کتاب الایمان والنذور میں بھی آئے گی حدیث نمبر ۳۳۲۵۔ نسائی اور ترمذی نے اسے أَوْفِ بِنَذْرِكَ کے لفظ سے روایت کیا)

شرح: خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ دلیل نکلی کہ زمانہ جاہلیت کی نذر اگر احکام اسلام کے مطابق ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن بدیل پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے۔

۲۴۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ الْقُرَشِيُّ نَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُدَيْلٍ بِإِسْنَادِهِ نَحْوَهُ قَالَ فَبَيْنَمَا هُوَ مُعْتَكِفٌ إِذْ كَبَّرَ النَّاسُ فَقَالَ مَا هَذَا يَا عَبْدَ اللَّهِ قَالَ سَبْيُ هَوَازِنَ أَعْتَقَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَتِلْكَ الْجَارِيَةُ فَأَرْسِلْهَا مَعَهُمْ۔

دوسری سند سے یہی حدیث۔ اس میں ابن عمرؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ اعتکاف کر رہے تھے کہ لوگوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے عبد اللہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ ہوازن کے

قیدیوں کو رہا کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اُس لونڈی کو بھی ان کے ساتھ بھیج دو۔ (اس حدیث کو بخاری نے: دو ضمہ کے اضافے کے بغیر روایت کیا ہے اور مسلم نے بھی)

بَابُ ۸۱ الْمُسْتَحَاضَةِ تَعْتَكِفُ

مستحاضہ کے اعتکاف کا باب۔

۲۴۷۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى وَقُتَيْبَةُ قَالَا نَا يَزِيدُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ مِنْ أَزْوَاجِهِ فَكَانَتْ تَرَى الصُّفْرَةَ وَالْحُمْرَةَ فَرُبَّمَا وَضَعْنَا الطَّسْتَ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّي اٰخِرُ كِتَابِ الصِّيَامِ وَالْاِعْتِكَافِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے ایک نے اعتکاف کیا تو وہ زرد یا سُرخ رنگ (کا خون) دیکھتی تھی، پس بارہا ہم اس کے نیچے طشت رکھتے اس حالت میں کہ وہ نماز پڑھ رہی ہوتی تھی (بخاری، ابن ماجہ، نسائی) حافظ نے بعض روایات درج کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ام سلمہؓ تھیں۔ استحاضہ سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا اور زیادہ خون آجانا ایک عُذر ہے جس سے نماز بھی متاثر نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔